سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
دیوتا
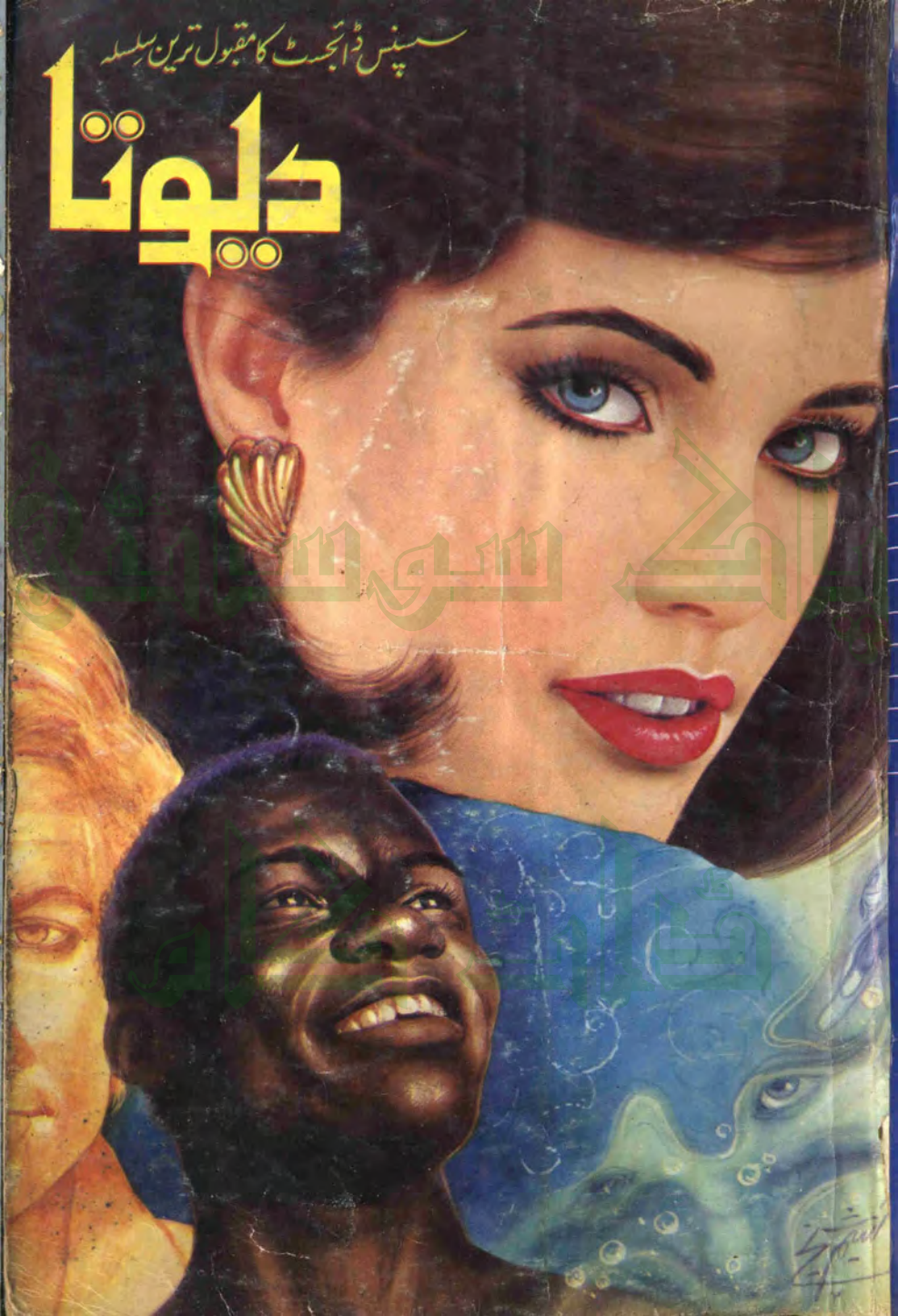
سسپنس ڈائجسٹ میں سلسلے وار شائع ہونے والی مقبول ترین کہانی

سوچ نگر کے شہزادے فرہاد علی تیمور کی سرگزشت

آٹھواں حصّہ

راوی:۔ فرہاد علی تیمور

مصنّف:۔ محیؔ الدین نواب

کتابیات پبلی کیشنز ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - کراچی - ۱

میں اسے خیال خوانی کے ذریعے الجھا رہا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح اس کے دماغ سے جلال بیگ کے متعلق معلومات حاصل کروں مگر مجھے احساس ہوا کہ وہ شعوری طور پر معلومات پہنچانے والی کوئی بات نہیں سوچے گا۔ جب وہ رات کو گہری نیند میں ہوگا تو میں اسے ٹریپ کروں گا۔ اسے اپنا معمول بناؤں گا۔ پھر اپنے مطلب کی بات حاصل کروں گا۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس سے واپس آگیا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر اسے کھول دیا۔ مادام روزانہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ "کیا میں اندر آسکتی ہوں؟"

میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "سرلا دیوی کی طبیعت علیل ہے۔ وہ تمہارے ساتھ باہر نہیں جا سکیں گی۔"

"کوئی بات نہیں، میں بھی آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

مادام روزانہ نے مجھے میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم چاہو تو میں تمہیں لندن کی سیر کرا سکتی ہوں۔ ہم یہ رات کہیں دوسری جگہ گزاریں گے۔"

"نہیں مادام! میں ابھی مصروف رہنا چاہتا ہوں۔ میرے کھانے کا یہیں بندوبست کر دیا جائے۔ میں کل ہی یہاں سے نکلوں گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ باتوں ہی باتوں میں مجھے اکساتی رہی کہ میں اس کے ساتھ کہیں چلوں۔ وہ مجھے اپنی شخصیت سے، اپنی اداؤں سے، اپنی باتوں سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر چلی گئی۔ ایک گھنٹے کے بعد ڈائننگ روم میں سرلا سے سامنا ہوا۔ کھانے کے دوران اس کی نظریں جھکی رہیں۔ وہ مجھے دیکھنے سے کترا رہی تھی۔ میں نے آہستگی سے کہا۔ "سرلا! اس طرح لوگوں کو شبہ ہوگا کہ میں پران پریمی نہیں ہوں۔ تم اپنے پتی کے سامنے اسی طرح خاموش اور گم صم رہتی ہو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں کوشش کر رہی ہوں کہ اچھی طرح اپنا رول ادا کر سکوں، لیکن تمہیں دیکھتی ہوں تو مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتی۔"

"وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں تمہارے دل و دماغ کو اچھی طرح پڑھ سکتا ہوں۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ جیسے وہ میری ٹیلی پیتھی کو بھول گئی تھی۔ اب اسے یاد آ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ میں اس کے دماغ میں گھس کر اس کے چھپے ہوئے جذبوں کو سمجھ سکتا ہوں۔

سرلا نے بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا تم دماغ میں چھپی ہوئی ساری باتوں کو پڑھ لیتے ہو؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا، ایک دم سے اس کی نظریں جھک گئیں۔ حیا سے چہرہ تمتمانے لگا۔ وہ میری نظروں سے چھپنا چاہتی تھی۔ پہلے اسے سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ پھر خیال آیا کہ وہ تو سر سے پاؤں تک میرے سامنے موجود ہے۔ وہ فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئی۔ میری طرف سے پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے ڈائننگ روم سے باہر نکل گئی۔

باہر جانے کے بعد تھوڑا اطمینان ہوا کہ اب وہ میری نظروں میں نہیں ہے۔ اس نے پلٹ کر ڈائننگ روم کی طرف دیکھا۔ تب اچانک ہی خیال آیا کہ وہ ٹیلی پیتھی کی نظروں میں ہے اور میں یقیناً اس کے دماغ میں اس وقت موجود ہوں۔ اسے دیکھ رہا ہوں، اسے پڑھ رہا ہوں۔

وہ پریشان ہونے لگی۔ پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "فرہاد صاحب! کیا آپ موجود ہیں؟"

اس نے جواب کا انتظار کیا، پھر پوچھا۔ "دیکھئے! اگر آپ

موجود ہوں تو مجھ سے نہ چھپیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ ہے۔۔ مجھے بتا دیں۔"

میں فوراً ہی اس کے دماغ سے نکل آیا۔ اس نے خدا کا واسطہ دیا تھا لہٰذا اب اس کے دماغ میں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے اس کے حال پر ترس آ رہا تھا۔ وہ جتنی حسین تھی، اتنی ہی ذہین بھی تھی۔ جتنی خوش نصیب تھی اتنی ہی بدنصیب بھی تھی۔ ذہین اس طرح کہ اس کی یادداشت قابلِ رشک تھی۔ ذرا ذرا سی باتیں اس کے حافظے میں محفوظ رہتی تھیں۔ سپر ماسٹر کی تنظیم کے لوگ اسے چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا کہتے تھے۔ وہ اس لحاظ سے خوش نصیب تھی کہ اس کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ وہ دنیا کی ہر قیمتی چیز خرید سکتی تھی۔ لیکن بدنصیب بھی ایسی تھی کہ سب کچھ خریدنے کے باوجود ایک ازدواجی مسرت نہیں خرید سکتی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں واپس اپنے کمرے میں آیا۔ پھر دروازے کو اندر سے بند کر کے ایک کرسی پر بیٹھ کر حشمت بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بھی کھانے پینے کے بعد ایک بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ جب تک اس کے سینے سے وہ بم بندھا رہا تھا، اس کی بھوک مر گئی تھی اور نیند اڑ گئی تھی۔ اب موت ٹل گئی تھی تو وہ کسی مردے کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

نیند کی حالت میں آدمی کا دماغ ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہوتا ہے۔ اسے ٹیلی پیتھی کی آنکھیں پڑھ لیتی ہیں۔ کتاب کے اس حصے کا بھی مطالعہ کر لیتی ہیں جسے وہ شخص شعوری طور پر جاگنے کے دوران دنیا والوں سے چھپاتا ہے۔ یہی موقع تھا کہ میں حشمت بیگ کے دماغ کو ایک کھلی کتاب کی طرح پڑھ سکتا تھا۔

اور میں پڑھنے لگا۔ ایک باپ کی یادداشت میں بیٹے کی پوری ہسٹری محفوظ تھی۔ معلوم ہوا کہ جلال بیگ کا قد ساڑھے چھ فٹ ہے۔ جسم صحت مند اور فولادی ہے۔ وہ لذیذ کھانوں کا شوقین ہے عمدہ لباس پہنتا ہے، بہت ہی نفاست پسند ہے۔ ضدی اور خودسر ہے، خود سے برتر کسی کو نہیں سمجھتا۔ کوئی اس سے زیادہ قوی ہو، ذہین ہو، باصلاحیت ہو تو ہمیشہ اسے زیر کرنے کے منصوبے بناتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ کسی کو دوست نہیں بناتا اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کبھی کسی کو دوست بنا لے تو اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔

حشمت بیگ کا دماغ پڑھتے وقت خیال آیا کہ یہ ایک باپ کا دماغ ہے۔ اپنے بیٹے کی برائی کم بتلائے گا، اور تعریفیں زیادہ کرے گا۔ لہٰذا خود اپنی طرف سے سوالات کر کے صحیح جواب اس کے دماغ سے کریدنا چاہئے۔ یہ سوچ کر میں نے پہلا سوال کیا "کیا جلال بیگ میں کوئی خاص برائی ہے؟"

اس کا دماغ چند ساعتوں کے لئے چپ رہا۔ پھر جواب ملا۔

"میرے بیٹے میں کوئی برائی نہیں ہے۔"

میں نے کہا: "تم جھوٹ بولتے ہو۔ کیا یہ برائی نہیں ہے کہ جن سے دور کا بھی تعلق نہ ہو ان سے دشمنی کی جائے، انہیں جنگلوں میں بھٹکایا جائے۔ جن لوگوں نے ہمارے ملک کے ٹکڑے کئے، ان میں جلال بیگ کا نام بھی آتا ہے۔ کیا یہ اس کی بدترین برائی نہیں ہے؟"

حشمت بیگ کے دماغ سے جواب ابھرا: "یہ میرے بیٹے کی سیاست ہے اور وہ سیاست میں اپنے مفاد کو دیکھتا ہے۔ برائیوں کا حساب نہیں کرتا۔"

"مگر میں تم سے حساب کر رہا ہوں۔ تم میرے سوال کا صحیح جواب دو، کیا وہ شراب پیتا ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"کیا وہ جوا کھیلتا ہے؟"

"کبھی کبھی شغل کے طور پر کھیلتا ہے مگر عادی نہیں ہے۔"

"کیا عورتوں سے دلچسپی لیتا ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ وہ کسی کو دوست نہیں بناتا۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ مگر دوست بنا لے تو پھر اس پر جان نچھاور کر دیتا ہے میں نے سنا ہے کہ وہ کسی بہت ہی حسین لڑکی کو چاہتا ہے۔ اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے مگر وہ کون ہے؟ میں اسے آج تک نہیں دیکھ سکا۔ میں نے اسے دیکھنے کی فرمائش بھی کی تھی لیکن بیٹے نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ فرہاد میرے اور اس کی محبوبہ کے دماغوں کو بھٹکتا ہوا اس کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس لئے میں نے صبر کر لیا۔ فرہاد کی وجہ سے میں آج تک اپنی ہونے والی بہو کو نہیں دیکھ سکا۔"

"کیا جلال بیگ میں کوئی جسمانی عیب ہے؟"

"کوئی عیب نہیں ہے۔"

"وہ سگریٹ ضرور پیتا ہو گا؟"

"وہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھی نفرت کرتا ہے۔"

"اس کے چہرے یا جسم کے کسی دوسرے حصے پر کوئی پیدائشی نشان ہے؟"

"نہیں ہے۔"

"کوئی زخم کا نشان ہے؟"

"نہیں ہے۔"

مجھے بڑی کوفت ہوئی، کیا وہ کم بخت دنیا سے نرالا تھا کہ نہ کوئی جسمانی عیب تھا نہ کوئی بری عادت تھی۔ میں نے ایک ذرا سوچنے کے بعد پھر سوال کیا: "ماں باپ کو اپنی اولاد کی... حرکتیں بڑی پیاری لگتی ہیں۔ تمہیں اپنے بیٹے کی کون سی حرکت پیاری لگتی ہے؟"

"جب میرا بیٹا مسکراتا ہے تو اس کے دائیں طرف کے دونوں ہونٹ آپس میں مل جاتے ہیں اور بائیں طرف کے دونوں ہونٹوں کے گوشے کھل جاتے ہیں۔"

میں نے کہا: "یہ تو مسکرانے کا بھونڈا سا انداز ہے۔"

"ہے تو بھونڈا سا انداز، لیکن میرے بیٹے کے چہرے پر یہ مسکراہٹ بڑی بھلی لگتی ہے، یہ انداز مجھے بہت ہی پیارا لگتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے ہونٹوں کے ایک گوشے سے مسکرا رہا ہو۔ اور دوسرے بند گوشے کے پیچھے اپنی کسی چال کو چھپا رہا ہو۔ میرا بیٹا اندر سے بہت گہرا ہے۔"

میں نے پوچھا: "اس کی صلاحیتوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

اس نے جواب دیا: "میرے بیٹے کو تمام دنیا کے علوم و فنون حاصل کرنے کا خبط سوار رہتا ہے۔ وہ ادویات سازی کا ماہر ہے۔ سرجری میں بھی مہارت رکھتا ہے۔ تل ابیب کی عدالت عالیہ میں تین برس تک ایک بیرسٹر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکا ہے۔ ایک اچھا فائیٹر بھی ہے لیکن اتنا ذہین ہے کہ دشمنوں کو لڑنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ اپنی ذہانت سے انہیں زیر کر دیتا ہے۔"

"کیا وہ مختلف زبانیں جانتا ہے؟"

"وہ سات زبانیں جانتا ہے۔ اردو، فارسی، عربی، انگریزی فرانسیسی، جرمنی اور عبرانی۔"

وہ نیند کی حالت میں بھی اپنے بیٹے کے گن گاتا تھا۔ ایسا اکثر ہوتا ہے جو والدین اپنی اولاد کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ خواب کی حالت میں بھی اپنی اولاد کو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کو ہدایت دی کہ اب وہ گہری نیند سوتا رہے گا۔ جب صبح کو بیدار ہو گا تو خوابیدہ حالت میں ہونے والے سوال و جواب کو بالکل بھول جائے گا۔

میں پران پریمی کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اٹھ کر باتھ روم میں آیا۔ وہاں ایک بڑا سا آئینہ دیوار پر لگا ہوا تھا۔ آئینے کے پاس پہنچ کر میں نے اپنے ہونٹوں کے دائیں حصے کو دبایا اور بائیں طرف کے ہونٹوں کو کھول کر مسکرانے کی کوشش کی۔ آئینے میں دیکھ کر پتہ چلا کہ ایسی مسکراہٹ میں کتنی مکاری ہوتی ہے اور بڑا ہی بھونڈا پن ہوتا ہے۔ مگر یہی مسکراہٹ حشمت بیگ کو پسند تھی، کیونکہ یہ اس کے بیٹے کی مسکراہٹ تھی۔

پہلے اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ میں حشمت بیگ کے دماغ سے اس کے بیٹے کی کسی ایک کمزوری تک پہنچ سکتا ہوں اور اس کمزوری کے ذریعے پھر اس کے بیٹے تک پہنچ سکتا ہوں۔ دراصل پچھلے دنوں میں ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہا۔ میرے تمام ساتھی پے در پے نئے مسائل سے دوچار ہوتے رہے۔ پھر سائرہ بانو کے ساتھ جو بم باندھا گیا تھا اس نے ہمارے ہوش اڑا دیے تھے۔ اب ہوش آتے ہی یہ بات سجھائی دی تھی۔ مجھے جلال بیگ کے مسکرانے کا ایک خاص انداز معلوم ہو گیا تھا۔ اس طرح بہت کم لوگ مسکراتے ہیں۔ ان کم لوگوں میں ایک جلال بیگ بھی تھا۔ بشرطیکہ وہ لندن میں موجود ہو۔

ویسے وہ دونوں باپ بیٹے اب مسلمان نہیں رہے تھے۔ اگر جلال بیگ مسلمان ہوتا تو اسے تل ابیب کی عدالتوں میں بیرسٹری کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی وہاں کی جیلوں کی تنگ و تاریک کوٹھریوں اور اذیتیں پہنچانے والے کیمپوں میں دوسرے مسلمانوں کی طرح قیدی بنا کر رکھا جاتا ——— میں باتھ روم سے نکل کر کمرے میں آ گیا۔ وہاں آرام سے بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا۔ کہ دوسرے دن مجھے کسی ایسے کلب میں جانا چاہئے۔ جہاں کچھ یہودی مردوں اور عورتوں سے سامنا ہو۔ میں ان میں سے کسی کے خیالات پڑھوں اور ان کے ذریعے ان کے لیڈروں تک پہنچنے کی کوشش کروں۔

اس مقصد کے لئے سرلا کا تعاون ضروری تھا۔ وہی مجھے لندن میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی پہنچا سکتی تھی خصوصاً یہودیوں تک میری رسائی اسی کی مدد سے ہو سکتی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔

وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ پران پریمی کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے متعلق سوچتی تو اس کے خیالات میری طرف بھٹک جاتے تھے۔

یہ اس پر ظلم ہو رہا تھا۔ دیکھا جائے تو یہ ظلم میری وجہ سے ہو رہا تھا۔ سپر ماسٹر کی طرف سے حکم صادر ہوا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر نہ جائے۔ اپنے پتی سے دور رہے اور میرے قریب رہے۔ میں نے فوراً ہی ماسٹر نوہین سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا: "ہیلو، ماسٹر! میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیے۔ میں آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ سرلا دیوی کو کل ہی کسی فلائیٹ سے نیویارک پران پریمی کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"کیا بات ہے جناب! کیا سرلا سے آپ کو شکایت ہے یا اس نے آپ سے کہا ہے کہ آپ سفارش کریں گے تو اسے بھیج دیا جائے گا۔ کسی طرح بھی آپ کو مجبور کیا گیا ہو تو آپ ہم سے نہ چھپائیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بے چاری سرلا تو بہت تعاون کر رہی ہے۔ میرا ہر طرح خیال رکھتی ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا

کہ میں شوہر کے روپ میں اس کے پاس رہوں اور وہ اپنے شوہر سے دُور رہے۔ میں صرف انسانی ہمدردی کے تحت ایسا چاہتا ہوں۔"

"لیکن جناب! مادام روزانہ بتا رہی تھیں کہ آپ یہودیوں کے متعلق معلومات حاصل کر رہے تھے اور اس سلسلے میں سرلا دیوی آپ کی بھرپور مدد کر سکتی ہیں۔"

"یہ درست ہے۔ آپ سرلا سے اتنا کہہ دیں کہ آج رات وہ آرام نہ کرے۔ اس وقت مجھے کسی کلب وغیرہ میں اپنے ساتھ لے جائے دو چار یہودیوں سے میرا تعارف کرا دے۔ اس کے بعد سرلا کا کام ختم ہو جائے گا۔ وہ دو چار یہودی مجھے دو چار لاکھ یہودیوں تک پہنچا دیں گے۔"

"یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ آپ ایک کے ذریعے ایک لاکھ تک پہنچ سکتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں ابھی دونوں میاں بیوی کو یہ خوش خبری سنا دیتا ہوں کہ وہ جلد ہی ایک دوسرے سے ملا دیے جائیں گے۔"

میں نے خاموشی اختیار کی مگر اس کے دماغ کو پڑھتا رہا۔ اب وہ سرلا سے فون پر رابطہ قائم کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی میں نے بازو والے کمرے میں فون کی گھنٹی کی آواز سنی۔ میں سرلا کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بستر پر کروٹ بدل کر فون کا ریسیور اٹھا رہی تھی۔ پھر اس نے ہیلو کہا۔ ماسٹر کی آواز سن کر فوراً ہی بیٹھ گئی۔

ماسٹر اسے بتا رہا تھا کہ کل ہی اسے نیویارک بھیج دیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ابھی فرہاد کے پاس جائے گا اور وہ جو چاہتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔

اسے پران پریمی کے پاس بھیجا جا رہا تھا۔ یہ بڑی خوشی کی بات تھی۔ لیکن اس بات نے اسے پریشان کر دیا کہ وہ اس وقت فرہاد کے کمرے میں جائے اور فرہاد جو چاہتا ہے۔ اس پر عمل کرے۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"مسٹر فرہاد کیا چاہتے ہیں؟"

ماسٹر نے جواب دیا "یہ سوال تمہیں خود اپنے مہمان سے کرنا چاہئے اور تمہارا مہمان ہم سب کے لئے معزز ہے۔"

وہ بولی "ٹھیک ہے مگر آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ جب ہم نے سپر ماسٹر کی تنظیم میں شرکت کی تو ہماری شرائط میں سب سے پہلی شرط یہی تھی کہ میرے پتی پران پریمی کبھی کسی عورت سے دلچسپی نہیں لیں گے اور نہ ہی مجھے کسی مرد کے ساتھ فلرٹ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ خواہ کیسی ہی ضرورت پیش آئے۔"

"ہمیں تم میاں بیوی کی شرطیں یاد ہیں۔ تم جا کر دیکھو تو سہی کہ مسٹر فرہاد کیا چاہتے ہیں؟"

"میں ابھی جا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اٹھ کر لباس کو درست کیا اور کمرے سے نکل کر میرے کمرے کی طرف آنے لگی۔ میں بستر کے سرہانے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے ذرا بلند آواز سے کہا "آ جاؤ۔"

دروازہ کھلا تو وہ سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ شکنیں بتا رہی تھیں کہ کتنی دیر سے وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی ہے۔ میں نے پوچھا "کیا میرا پیغام ماسٹر نیومین نے پہنچا دیا تھا؟"

وہ کمرے کے اندر آ کر بولی "ہاں پہنچا دیا تھا مگر اتنی دور سے پیغام پہنچانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ میں پاس والے کمرے میں ہی موجود ہوں۔"

میں نے جواب دیا "میں ایک عرصے سے خیال خوانی کر رہا ہوں میرے تجربات نے مجھے سمجھایا ہے کہ کسی شریف عورت کے دماغ میں بغیر اجازت کے نہیں پہنچنا چاہئے۔ اسی لئے میں تمہارے دماغ میں نہیں پہنچ سکا تھا۔ میں نے مجبوراً ماسٹر کے ذریعے تمہیں یہاں پر بلوایا ہے۔"

وہ مجھے تعریفی نظروں سے دیکھنے لگی، پھر بولی "مسٹر فرہاد! میں نے آپ کا ریکارڈ پڑھا ہے۔ آپ کی بہت ساری خوبیوں کے ساتھ جو چند خامیاں بتائی گئی ہیں۔ ان میں یہ بات بھی ہے کہ آپ بے حد عیاش ہیں اور ہر حسین اور جوان عورت پر مر مٹتے ہیں لیکن آج یہ بات غلط ثابت ہو رہی ہے۔"

"سرلا دیوی! بیشک میں عیاش تھا، لیکن رفتہ رفتہ تجربات سکھا دیتے ہیں کہ انسان کو کس طرح سنبھل سنبھل کر زندگی گزارنی چاہئے اور دوسری عورتوں کی بھی عزت کرنی چاہئے۔ میں تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں اور تمہیں ایک بہت ہی ذہین اور پُرخلوص دوست سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ کیا تم مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس وقت میرے ساتھ باہر چلو گی؟"

وہ مسکرا کر بولی "آپ کے لئے تو میں جان بھی دے دوں گی مجھے آپ کی طرف سے یہی خلوص اور اعتماد چاہئے۔ میں ابھی تیار ہو کر آتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی۔ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس وقت وہ بہت خوش تھی۔ میں نے اس کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ اسے اب یقین ہو گیا تھا کہ میں اسے کسی طرح بھی نہیں چھیڑوں گا۔ اور نہ ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے ٹریپ کروں گا۔ اس کی دوسری خوشی یہ تھی کہ وہ کل کسی وقت اپنے پتی سے ملنے کے لئے نیویارک جانے والی تھی۔ میں بستر سے اٹھ کر باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا۔

چار ماہ گزر گئے۔

ان چار مہینوں میں بہت سے واقعات پیش آئے میری ساتھی عورتیں مختلف ممالک میں عارضی طور پر آباد ہو گئیں۔ یہ سب باتیں بہت زیادہ اہم نہیں ہیں۔ اس لئے میں انہیں تفصیل سے پیش نہیں کر رہا ہوں۔ مختصر طور پر بیان کرتا ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے لندن میں اپنی پہلی رات سرلا کے ساتھ باہر تفریح میں گزاری۔ سرلا مجھے دو نائٹ کلبوں میں لے گئی، وہاں اس نے دو یہودیوں سے ملاقات کرائی جو اس کے شناسا تھے۔ دوسرے دن وہ نیویارک اپنے پتی کے پاس چلی گئی میں پران پریمی کے ایک پرائیویٹ بنگلے میں منتقل ہو گیا جہاں اس کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ وہاں میں آرام سے رہ سکتا تھا۔

اس پرائیویٹ بنگلے کا نام پران بسیرا تھا۔ وہاں میں نے آرام سے بیٹھ کر ان دو یہودیوں کے دماغوں کو ٹٹولا۔ ان کے ذریعے ان کے شناساؤں تک پہنچا۔ ان کے شناساؤں کے ذریعے پھر ان کے یہودی شناساؤں تک پہنچا۔ یہ عمل ایک ہفتے تک جاری رہا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوئی۔ وہ سب عام لوگ تھے۔ ان کا تعلق کاروبار سے تھا یا اپنی مذہبی یا سماجی تقریبات میں وہ دلچسپی لیتے رہے لیکن یہودیوں کا کوئی ایسا افسر یا لیڈر یا سرغنہ نہیں تھا جس کا تعلق جلال بیگ سے ہوتا، ماسٹر نیومین نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں پران پریمی کے روپ میں رہ کر یہودیوں کے کسی خاص کلب میں نہ جاؤں۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ کتنے یہودی پران پریمی کو جانتے ہیں۔ شاید ان میں سے کوئی پران پریمی کو سپر ماسٹر کا آدمی سمجھتا ہو۔ اس لئے مجھے محتاط رہنا چاہئے۔

اس رکاوٹ کے سبب میں چار مہینے میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ پران پریمی کا میک اپ میرے راستے میں رکاوٹ بن رہا تھا لیکن یہ روپ اختیار کر کے میں بہت بڑے ذرائع کا مالک بن گیا تھا۔ ہر جگہ میری عزت تھی۔ میں لندن کی اہم شخصیتوں سے ملتا رہتا تھا۔ یہ امید بھی تھی کہ شاید انہی شخصیتوں میں سے جلال بیگ بھی مجھ سے ٹکرا جائے۔

میں جہاں بھی جاتا تھا۔ وہاں کسی کو غیر معمولی انداز میں مسکراتے دیکھ کر سوچنے لگتا تھا۔ مجھے جلال بیگ یاد آ جاتا۔ اس کا انداز سبھی سے مختلف تھا۔ ایسی مسکراہٹ میں نے اب تک اور کسی کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی۔ کوئی ہونٹوں کو اس انداز میں بگاڑتا نہیں تھا۔ اگر مجھے کوئی پُراسرار شخص نظر آ جاتا تو میں اس کے پیچھے پڑ جاتا۔ اسے کسی نہ کسی طرح ٹیلی پیتھی کے ذریعے مسکرانے پر مجبور کرتا۔ پھر اس کی مسکراہٹ دیکھ کر مایوس ہو جاتا۔ وہ جلال بیگ والی مسکراہٹ مجھے نظر نہیں آ رہی تھی۔

چار ماہ کے عرصے میں رسونتی غلام کے ساتھ افریقہ کے مشرقی کنارے پہنچ گئی تھی ۔۔۔ دارالسلام کے ایک مضافاتی علاقے میں غلام نے بہت خوبصورت زمینیں قیمتاً حاصل کی تھیں۔ وہاں رسونتی کے لئے ایک خوبصورت سا کاٹیج تیار کیا تھا۔ اپنے قابلِ اعتماد لوگوں کو اپنے ہاں آ کر آباد ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ میرے ہونے والے بچے کے آس پاس مسلمانوں کا ہونا لازمی ہے۔

رسونتی اب صحت مند ہو گئی تھی۔ اس نے پھر یوگا کی مشقیں شروع کر دی تھیں۔ اپنی عادت کے مطابق وہ روز صبح بیدار ہوتی تھی اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہی سانس روکنے کی مشقیں کرتی رہتی تھی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر چاق و چوبند رہا کرتی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق وہ جلد ہی سانس روکنے کی عادی ہو جائے گی۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ ماں بننے سے پہلے اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آ جائیں لیکن میرا خیال تھا کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا، اور بچے کی ولادت کا وقت قریب آتا جائے گا ۔۔۔ وہ جسمانی طور پر کمزور ہوتی جائے گی ۔۔۔ ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں شاید اس کے بعد ہی اسے واپس مل سکیں۔

مرجانہ اور ڈیزجمال لندن پہنچ گئے تھے۔ وہ دونوں عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے باپ بیٹی کی حیثیت سے آئے تھے مرجانہ کا نام مس ماریہ اور ڈیزجمال کا نام مسٹر شان ڈگلس تھا

ڈیئر جمال نے اپنے جعلی پاسپورٹ اور دیگر کاغذات کے مطابق خود کو بنکاک کا ایک بہت بڑا صنعت کار ظاہر کیا تھا۔ اپنی بیٹی ماریہ کے ساتھ ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ پہلے مرجانہ عرف ماریہ کو ایک بہت بڑے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ پھر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ علاج طویل ہے لہٰذا اسے اپنے مکان میں رہنا چاہئے اور اپنے ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کرتے رہنا چاہئے۔

اب ان کی رہائش ایک کرائے کے کاٹج میں تھی۔ لندن، فرانس، جرمنی، اٹلی، ترکی، ہندوستان اور پاکستان کے بنکوں میں سائرہ بانو کے لاکھوں اور کروڑوں ڈالر جمع رہتے تھے... سائرہ بانو نے مرجانہ کو سادے چیکوں پر دستخط کرکے دے دیئے تھے تاکہ وہ ضرورت کے وقت لندن کے بنک سے رقومات نکال سکے اور اگر کسی قسم کی دشواری ہو تو میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کی تمام دشواریوں کو آسان کردوں۔

پہلے ہم جس ملک میں پہنچتے تھے۔ سپر ماسٹر کے ذریعے وہاں کی کرنسی حاصل کر لیتے تھے اور دوسری طرح کی آسائشیں بھی حاصل ہو جاتی تھیں لیکن میں نے اپنی تمام ساتھیوں کو منع کردیا تھا کہ وہ سپر ماسٹر سے کوئی رابطہ نہ رکھیں اور کسی بھی مدد کی توقع نہ کریں۔ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سائرہ بانو نے اپنے بنک اکاؤنٹ کے مطابق وہ سارے چیک مرجانہ کو دے دیئے تھے۔ اس سلسلے میں ایک بار پریشانی ہوئی۔ بنک کے منیجر نے کسی شبہ کا اظہار کیا۔ کیونکہ ڈیئر جمال نے بیک وقت پچاس ہزار پونڈ بنک سے نکلوانے چاہے تھے اور سائرہ بانو کی رہائش قانونی طور پر پیرس میں تھی۔ اس لئے وہ تصدیق کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہ کام آسان کردیا۔

میں ایسے کام کیسے کرلیتا ہوں؟ یہ میرے قارئین اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ اس لئے میں ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ اب سونیا کی طرف آتا ہوں۔ وہ سائرہ بانو کے ساتھ پاکستان پہنچ گئی تھی۔ سائرہ بانو اپنے اصلی روپ میں تھیں۔ مرجانہ کا وجود پاکستان میں ثابت کرنے کے لئے سونیا کے چہرے پر ہلکا سا میک اپ کیا گیا تھا۔ یعنی نہ تو وہ سونیا رہی تھی نہ مرجانہ! ایک تیسری لڑکی نظر آتی تھی۔ جلال بیگ کے آدمیوں کو شبہ میں مبتلا رکھنا تھا کہ مرجانہ کسی جعلی لڑکی کے میک اپ میں اپنی ماں سائرہ بانو کے ساتھ پاکستان میں ہے۔

سونیا اور سائرہ بانو دن رات ایک ساتھ رہتی تھیں۔ اس لئے سونیا کو اردو زبان سیکھنے کا اچھا خاصا موقع مل رہا تھا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اسے اردو زبان کے جملے سکھاتی تھیں اور اظہارِ بیان کا طریقہ بتاتی تھیں۔ سونیا بڑی مستعدی سے اور توجہ سے میری زبان سیکھ رہی تھی۔ وہ گھر کی چار دیواری میں بیٹھنے والی عورت نہیں تھی۔ دو ہفتے بعد ہی اس نے بور ہو کر کہا "فرہاد! میرے لئے کچھ کرو۔ میں یہاں رہنا تو چاہتی ہوں۔ پاکستان مجھے بہت پسند ہے لیکن میری کچھ مصروفیات بھی ہونی چاہئیں۔"

میں نے اسے تسلیاں دیں اور سوچتا رہا کہ اسے کس طرح وہاں مصروف رکھا جائے۔ اچانک مجھے سعید احمد صاحب کا خیال آیا۔ کئی برس پہلے جب میں پاکستان میں تھا۔ اس وقت سعید احمد صاحب ایک خاص محکمے کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ مجھ سے بہت گہری دوستی تھی۔ پاکستان سے باہر نکلنے کے بعد میں ان تمام برسوں میں مصروف رہا۔ کبھی ان سے دماغی رابطہ قائم نہ کرسکا۔ اب مجھے ان کا لب و لہجہ یاد نہیں آرہا تھا۔ یاد آجاتا تو میں فوراً ہی ان کے دماغ میں پہنچ کر پرانے تعلقات اور پرانی دوستی کو بحال کرلیتا۔

سائرہ بانو کی رہائش اپنی بہن اور بہنوئی یعنی مرجانہ کے خالہ اور خالو کے ہاں تھی۔ مرجانہ کے خالو ریٹائرڈ فوجی آفیسر تھے۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بتایا کہ اب سے تقریباً پانچ چھ برس پہلے سعید احمد صاحب فلاں محکمے کے افسرِ اعلیٰ تھے۔ آپ معلوم کریں کہ ان دنوں وہ کہاں ہیں؟ کیا اسی عہدے پر ہیں یا کسی اور سرکاری شعبے میں منتقل ہوگئے ہیں۔

تقریباً دو دن کے بعد پھر مرجانہ کے خالو سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے بتایا "سعید احمد صاحب ان دنوں ایک دوسرے محکمے میں نہایت اہم عہدے پر فائز ہیں۔ میں نے ان سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی جس کے نتیجے میں سرکاری طور پر میرے متعلق تحقیقات ہوئی۔ مجھ سے سوالات کئے گئے۔ تب مجھے مجبوراً کہنا پڑا کہ میرے ذریعے فرہاد علی تیمور جناب سعید احمد صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً ملاقات کا وقت مقرر کیا گیا۔ اب سے تقریباً چھ گھنٹے بعد میں ان سے ملاقات کرنے کے لئے جاؤں گا۔ اس وقت تم موجود رہو گے تو ان تک پہنچ سکو گے۔"

چند گھنٹے کے بعد ملاقات ہوگئی۔ سعید احمد اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے مرجانہ کے انکل سے باتیں کررہے تھے۔ تب ہی میں نے انکل کی زبان سے کہا "جناب سعید احمد صاحب! اب میں آپ کے سامنے کوئی ریٹائرڈ فوجی افسر نہیں بلکہ فرہاد علی تیمور ہوں۔ اب ان کے منہ میں میری زبان بول رہی ہے۔ ایک مدت کے بعد آپ سے مل کر بڑی خوشی ہورہی ہے۔"

یہ کہتے ہی مرجانہ کے انکل اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔ سعید احمد حیرانی سے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اور کبھی ان کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے ان کی زبان سے کہا "جناب! حیران نہ ہوں، میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ کیا آپ

مصافحہ نہیں کریں گے؟"

سعید احمد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "حیران نہیں ہونا چاہئے۔ جب تم میرے ساتھ رہا کرتے تھے تو تم نے ٹیلی پیتھی کے بڑے کمالات دکھائے تھے۔ حیرانی اس لئے ہے کہ اب وہ ساری باتیں خواب جیسی لگتی ہیں۔ اب بھی یہ خواب لگ رہا ہے۔ اگر تم واقعی فرہاد ہو تو یہ آپ والا تکلف چھوڑ دو۔"

میں نے انکل کے ذریعے ہنستے ہوئے کہا "ٹھیک ہے، میں تم کہوں گا۔ یہ بتاؤ میری تمہاری بھابی کیسی ہیں؟"

"شادی کے ایک برس بعد ہی مسز کا انتقال ہوگیا تھا۔"

میں نے افسوس کا اظہار کیا۔ اس نے پوچھا "تم اپنی سناؤ! تمہارے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے لیکن شادی کے سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہوا۔"

میں نے کہا "حال ہی میں میں نے رسونتی سے شادی کی ہے اور ایک بچے کا باپ بننے والا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیا واقعی تمہارے جیسا بدنام شخص ایسی شرافت کی زندگی گزار سکتا ہے۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "یقین آجائے گا۔ ابھی تو میں ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔"

"فرہاد! سچ پوچھو تو تمہارا نام سنتے ہی میں بے چینی سے انتظار کررہا تھا کہ کب یہ وقت آئے گا۔ اور کب تم سے ایک اہم مسئلے پر گفتگو کروں گا؟"

"کیا مسئلہ؟"

"یہ ہمارا تمہارا اور پاکستان کے کروڑوں محبِ وطن کا مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق میں تنہائی میں باتیں کرسکتا ہوں۔"

اس وقت مرجانہ کے انکل بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے تنہائی نہیں تھی۔ میں نے سعید احمد کے دماغ میں پہنچ کر کہا "ہیلو! اب میں تمہارے دماغ میں بول رہا ہوں۔"

اس نے بے اختیار اپنے سر کو تھام کر سوچا "کیا واقعی یہ فرہاد کی سوچ ہے؟"

"ہاں۔ کیا بھول گئے۔ میں پہلے بھی اس طرح تمہارے دماغ میں آچکا ہوں لیکن یہ بہت عرصے پہلے کی بات ہے۔ یاد کرو۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم بول رہے ہو۔"

"تو پھر بتاؤ، مسئلہ کیا ہے؟"

سعید احمد نے کہا "یہ بزرگ ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں چپ رہ کر سوچ کے ذریعے تم سے باتیں کروں اور یہ خاموش بیٹھے میرا منہ تکتے رہیں۔"

"اچھا ٹھہرو۔ میں ابھی انہیں رخصت کردیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے مرجانہ کے انکل کی سوچ میں کہا "میں خواہ مخواہ بیٹھا ہوا ہوں۔ اب تو فرہاد اور سعید احمد صاحب کا تعارف ہو ہی چکا ہے۔ یہ لوگ سوچ کے ذریعے باتیں کرلیں گے۔ مجھے چلنا چاہئے۔"

اس خیال کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ پھر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا "میں آپ کے دفتری کام میں زیادہ مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ میرا فرض ادا ہوگیا۔ میں جارہا ہوں۔"

سعید احمد نے اٹھ کر مصافحہ کیا۔ ان کے ساتھ دروازے تک آئے پھر انہیں رخصت کرنے کے بعد دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ اس کے بعد وہ سوچتے ہوئے اپنی کرسی پر آگئے۔ میز پر ایک سگار کیس رکھا ہوا تھا۔ اس میں سے ایک سگار نکال کر اس کے ایک سرے کو دانتوں سے دباتے ہوئے کہا "ایک محتاط اندازے کے مطابق اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ ہمارے ملک میں کچھ سرگرمیاں دکھارہے ہیں۔"

میں نے کہا "ان کی سرگرمی یہی ہوگی کہ وہ یہاں کے لوگوں کو صیہونیت کی طرف مائل کریں۔"

سعید احمد نے سگار کو سلگاتے ہوئے سوچ کے ذریعے کہا۔ "نہیں! یہودی اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان کفر کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ بخصوصاً پاکستانی مسلمان ایسے کٹر اور مستقل مزاج ہیں کہ انہیں صیہونیت کی طرف مائل نہیں کیا جاسکتا۔"

انہوں نے سگار کا کش لگا کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا "تم جانتے ہو، جمہوریہ چین سے ہمارے کتنے گہرے تعلقات ہیں۔ دنیا کی ہر بڑی طاقت اس فکر میں مبتلا رہتی ہے کہ وہ ہمارے تعلقات کی گہرائی کا اندازہ کرسکے۔ پاکستان اور جمہوریہ چین کے گہرے تعلقات کے کچھ اہم پہلو ایسے ہیں جن کا ذکر ایک خفیہ فائل میں موجود ہے اور وہ فائل ہمارے ریکارڈ روم میں بہت ہی حفاظت سے رکھی ہوئی ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق ایک بڑے ملک نے اسرائیلی ایجنٹوں کی خدمات حاصل کی ہیں اور وہ اس فائل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔"

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ اسرائیلی ایجنٹ ہوسکتے ہیں؟"

"ایک یہودی عورت ہماری گرفت میں آئی تھی۔ ہم اس پر مقدمہ چلا رہے تھے۔ اسی دوران کسی نے اسے قتل کردیا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنی ڈیوٹی سمجھ گیا۔ میں انہیں بے نقاب کروں گا۔ تم انہیں یا تو گرفتار کرلوگے یا وہ سب کے سب اس ملک سے بھاگنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"ہم یہی چاہتے ہیں۔ اس فائل کی حفاظت ہمارے لئے ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ کیا تم میرے دماغ میں رہ کر دشمنوں کو بے نقاب کروگے؟"

"ضرورت محسوس ہوئی تو تمہارے دماغ میں بھی رہا کروں گا۔ ویسے میں آدھا پاکستان میں موجود ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم کس طرح پاکستان میں آسمے موجود ہو؟"

"اس طرح کہ ان دنوں سونیا اسلام آباد میں ہے اور یہ تو دنیا کی تمام دہشت پسند تنظیمیں اچھی طرح جانتی ہیں کہ جہاں سونیا موجود ہوتی ہے وہاں آدھا فرہاد موجود رہتا ہے۔ میں اس کا نصف بہتر ہوں۔"

سعید احمد آرام دہ کرسی پر آرام سے بیٹھے ہوئے سگار کے کش لگا رہے تھے۔ سونیا کا نام سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پھر کہا: "سونیا یہاں موجود ہے اور مجھے اس بات کا علم نہیں ہے۔ فوراً بتاؤ۔ وہ کہاں ہے۔ میں ابھی اس سے بات کروں گا۔"

میں نے اسے بتایا کہ سونیا اس سے ضرور ملے گی لیکن خود کو دوسروں پر سونیا ظاہر نہیں کرے گی۔ وہ ایک اجنبی لڑکی کے میک اپ میں رہ کر دراصل مرجانہ کی حفاظت کر رہی ہے۔ اب یہ مرجانہ اور سائرہ بانو کون ہیں اور ہمارا قصہ کس طرح چل رہا ہے اور ہم کس طرح مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ ساری باتیں میں نے مختصر طور پر سعید احمد کو سمجھا دیں۔

اس نے ان تمام باتوں کو سننے کے بعد کہا: "اگر یہودی ایجنٹوں کو یہ پتہ چل جائے کہ سونیا یہاں موجود ہے تو پھر تمہاری اور سونیا کی دہشت ان پر طاری رہے گی۔ کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ سونیا سامنے آجائے اور ادھر مرجانہ کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

میں نے اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے تھوڑی سی مہلت حاصل کی۔ پھر دوبارہ رابطہ قائم کر کے سعید احمد کو بتایا: "مرجانہ یہاں میرے قریب رہتی ہے۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کی حفاظت کر لوں گا۔ اپنے ملک کا مفاد سب سے اہم ہے۔ اب دشمنوں پر واقعی سونیا کی دہشت طاری رہے گی۔ وہ ہمارے ہاں کی سیکرٹ فائل کو حاصل کرنے سے پہلے سونیا کو راستے سے ہٹانے کے لئے اس کے پیچھے پڑ جائیں گے اور سونیا انہیں دوڑاتی، بھگاتی رہے گی۔ حتیٰ کہ ملک سے باہر نکال دے گی۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔ ابھی تم ادھر اس مسئلے پر غور کر رہے تھے۔ ادھر میں بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر تم سونیا کو یہاں ظاہر کرنے پر راضی ہو جاؤ گے تو پھر دشمنوں کے سامنے ایک چال چلی جا سکتی ہے۔ سونیا کو باقاعدہ سیکرٹ سروس میں ایک اہم عہدہ دیا جائے گا۔ باقاعدہ اسے ٹریننگ دی جائے گی۔ اس کے بعد ایک ڈمی فائل اس کے حوالے کر دی جائے گی۔ دشمن یہی سمجھیں گے کہ خفیہ فائل اس کے پاس ہے حالانکہ اصل فائل ہم اپنے ہی پاس محفوظ رکھیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تدبیر بہت اچھی ہے۔ ہم اس پر عمل کر کے دیکھتے ہیں۔ سونیا کی طرف سے اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ دشمنوں کو خوب ناچ نچائے گی۔"

سعید احمد نے خوش ہو کر پوچھا: "اچھا۔ فرہاد! یہ وہی مادام سونیا ہیں جو پہلے ہماری دشمن تھی اور ہم بھی نفرت سے مادام سونیا کے بجائے اسے مادام کُتیا کہتے تھے۔ کیونکہ یہ تمہاری بُو سونگھتی پھرتی تھی اور ماسٹر لُوشے کو تمہارے پیچھے لگا دیا تھا۔"

"ہاں۔ یہ وہی ہے جس نے پنڈی میں تمہیں قید کیا تھا۔ تم سے کار ڈرائیو کرائی تھی اور تمہیں میرے پیچھے لگا دیا تھا۔ اگر تم اپنی گاڑی کو فٹ پاتھ پر چڑھا کر کہیں ٹکرا نہ دیتے تو سونیا ماسٹر لُوشے کو میرے دماغ تک پہنچا دیتی۔ بہت تیز طرار ہے۔ اب تو زندگی نے اور تجربات نے اس کے جسم کو فولاد، اس کے دماغ کو کمپیوٹر اور اس کے ہاتھ پاؤں کو مشین بنا دیا ہے۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ سونیا ہمارے ملک میں ہے۔ ذرا ٹھہرو، میں ابھی اس سلسلے میں اپنے باس سے بات کرتا ہوں جس کے بعد ہی سونیا کے متعلق کوئی اہم فیصلہ کیا جائے گا۔" میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر کہا: "اب تمہاری مصروفیات کا انتظام ہو گیا ہے۔ تم دن رات اس قدر مصروف رہو گی کہ بہت جلد پریشان ہو جاؤ گی۔"

"خدا تمہاری طرف سے ملنے والی پریشانیوں سے محفوظ رکھے باقی دنیا کی تمام پریشانیوں سے میں نمٹ لوں گی۔ بتاؤ وہ کیسی مصروفیات ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ کہ اپنا یہ میک اپ اتار لو اور سونیا کی حیثیت سے خود کو ظاہر کر دو۔"

میں نے سعید احمد سے ہونے والی ساری باتیں اسے سنا دیں۔ وہ خوش ہو کر بولی: "فرہاد! مرد چاہے کتنا ہی ہرجائی ہو، عورت اس کے قدموں کی خاک سے بھی محبت کرتی ہے۔ میں اس وقت جس خاک پر کھڑی ہوں یہ تمہارے وطن کی خاک ہے۔ تمہیں پیاری ہے تو مجھے بھی پیاری ہے۔ یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ مرد صرف گھر بناتا ہے لیکن عورت اس گھر کو سجاتی بھی ہے۔ آباد بھی کرتی ہے، اور اسے آئندہ نسلوں تک قائم رکھتی ہے۔ یہ جو پاکستان تم لوگوں نے بنایا ہے اسے آئندہ نسلوں کے لئے قائم رکھنا عورت کا کام ہے۔ میں اپنے اس وطن پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ میں تمام یہودی ایجنٹوں کو پہلے بے نقاب کروں گی تاکہ دنیا یہ دیکھ لے کہ یہ لوگ پاکستان میں کیسی تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد میں انہیں کتوں کی موت ماروں گی یا پھر انہیں یہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دوں گی۔"

میں نے ایک گھنٹے کے بعد سعید احمد صاحب کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہاں کچھ اور اعلیٰ افسران بھی تھے۔ وہ سب سونیا کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ ایک افسر نے کہا۔

"بیشک مادام سونیا پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ایک اہم سوال ہے اور وہ یہ کہ مادام سونیا اور مسٹر فرہاد جب ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے تو خیال خوانی کے ذریعے ہمارے ملک کے دوسرے تمام اہم رازوں تک بھی پہنچ جائیں گے۔ جتنے بھی خفیہ فائلیں ہمارے ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ انہیں کوئی دیکھے بغیر، پڑھے بغیر ان رازوں کو معلوم نہیں کر سکتا لیکن فرہاد صاحب تو ریکارڈ کیپر کے ذریعے تمام فائلوں کو پڑھ لیں گے۔ کیا ٹیلی پیتھی جاننے والے کو اس بات کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی محبِ وطن کیوں نہ ہو۔ راز آخر راز ہوتا ہے۔ اور اس راز کو صرف متعلقہ لوگوں تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔"

سعید احمد نے مسکراتے ہوئے کہا: "ہم اپنے رازوں کو کتنے ہی مضبوط تالوں کے پیچھے رکھیں۔ دنیا کا کوئی بھی تالا فرہاد کی خیال خوانی کو نہیں روک سکتا۔ فرہاد اس کے پیچھے ہر حال میں پہنچ جائے گا۔ وہ اس وقت بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔"

یہ سنتے ہی سب چونک گئے۔ اپنی کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ایک نے پریشان ہو کر پوچھا: "کیا واقعی فرہاد صاحب ہمارے درمیان موجود ہیں؟ کیا ہمارے دماغوں کے دروازے ان کے لئے کھل چکے ہیں؟"

سعید احمد نے کہا: "ہاں۔ ایسا ہو چکا ہے لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تب بھی فرہاد کے لئے ہمارے ریکارڈ روم تک پہنچنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ یہاں کے کسی چپراسی کے دماغ میں پہنچ کر اس کے ذریعے بڑے بڑے افسروں تک پہنچ سکتا تھا۔ وہ جب چاہے ریکارڈ کیپر کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے کر وہاں کے ہر فائل کو پڑھ سکتا ہے۔"

ایک افسر نے گہری سانس لے کر کہا: "یہ درست ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں ہر حال میں مسٹر فرہاد پر بھروسہ کرنا چاہئے۔"

سعید احمد نے کہا: "میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جس طرح ہم اپنے وطن کے وفادار ہیں۔ اسی طرح فرہاد صاحب بھی وفاداری کا جذبہ رکھتے ہیں۔ بس آزمائش شرط ہے۔"

وہ سب راضی ہو گئے۔ دوپہر کو جب سعید احمد سونیا سے ملنے کے لئے اس کی رہائش گاہ پر پہنچے تو اس کوٹھی کے چاروں طرف گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان گاڑیوں میں جو جوان تھے وہ سب کے سب مسلح تھے۔ میں نے سونیا سے کہا۔ "پریشانی کی بات نہیں ہے۔ سعید احمد تمہیں لینے آئے ہیں اور یہ تمام اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ تم دشمنوں کی نظروں میں آ جاؤ۔ تخریبی کارروائی کرنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم سیکرٹ سروس سے منسلک ہو گئی ہو۔"

مرجانہ کے انکل نے سعید احمد صاحب کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ پھر سونیا سے ان کا تعارف کرایا۔ سونیا نے انہیں دیکھتے ہی کہا: "ارے! آپ تو وہی آفیسر ہیں۔ میں نے کئی برس پہلے ماسٹر لُوشے کا ساتھ دینے کے لئے آپ کو ٹریپ کیا تھا۔"

سعید احمد نے ہنستے ہوئے مصافحہ کیا: "ہاں۔ میں وہی ہوں۔ آج ہم دوست بن کر مل رہے ہیں۔ آئیے۔ میں آپ کو اپنے دوسرے اعلیٰ افسروں سے ملاؤں گا۔"

سائرہ بانو نے انہیں تھوڑی دیر بیٹھنے اور چائے وغیرہ پینے کے لئے کہا۔ انہوں نے معذرت کی: "مجھے افسوس ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آج سے مادام سونیا بھی ڈیوٹی پر ہیں۔ انہیں سوتے جاگتے کسی وقت بھی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا ہو گا۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا: "جب سے فرہاد کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں میں سمجھتی ہوں کہ ہم کبھی پوری نیند نہیں سوتے۔ سوتے بھی ہیں تو ہمارا دماغ جاگتا رہتا ہے۔"

وہ سعید احمد کے ساتھ وہاں سے ایک ایئر کنڈیشنڈ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئی۔ اس کار کے آگے پیچھے مسلح جوانوں کی گاڑیاں تھیں۔ اسے ایک ایسی عمارت میں پہنچایا گیا جس کے چاروں طرف فوجیوں کا سخت پہرہ تھا۔ وہ اس وقت شلوار قمیص میں ملبوس تھی سینے اور سر پر دوپٹہ رکھا ہوا تھا۔ سائرہ بانو اسے اردو زبان سکھانے کے ساتھ ساتھ پاکستانی لباس پہننا بھی سکھا رہی تھیں۔

اس وقت وہ اس لباس میں ایک نہایت ہی حسین اور پُرکشش دوشیزہ لگ رہی تھی۔ اگر وہ گھر میں بیٹھنے والی عورت ہوتی تو اب تک اس کا جسم بھدا اور بے ڈول ہو جاتا لیکن زندگی میں پیش آنے والے نت نئے مسائل اسے ہمیشہ چاق و چوبند رکھتے تھے۔ قدرتی طور پر جسمانی ورزش ہوتی رہتی تھی۔ نتیجے کے طور پر اس کا جسم صحت مند اور بہت ہی پُرکشش رہتا تھا اس کے چہرے پر شوخی اور سنجیدگی کا امتزاج تھا۔ جب وہ سنجیدہ ہوتی تو دیکھنے والوں کو ایک نامعلوم سے خطرے کا احساس ہوتا۔ جب وہ مسکراتی تو چھپے ہوئے جذبے آنکھیں کھول دیتے۔ اس کی آنکھیں روشن اور چمکیلی تھیں۔ آنکھیں ذہانت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ دنیا جہان کا تجربہ رکھنے والے لوگ جب سونیا کی آنکھوں کو دیکھتے تو پہلی ہی ملاقات میں اس کی ذہانت کا اعتراف کر لیتے تھے۔

اس کا انتظار کرنے والے تمام اعلیٰ افسران اسے دیکھ کر کچھ دیر تک بالکل گم صم بیٹھے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ سونیا کوئی ادھیڑ

عمر کی مادام ہو گی یا اگر جوان بھی ہو گی تو اس کے چہرے پر سختی ہو گی، اور جسم پہلوانوں کی طرح بھاری بھرکم ہو گا لیکن وہ ایک قد آور دوشیزہ دکھائی دے رہی تھی۔ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی بہترین فائیٹر ہے اور چہرے سے تو بالکل ہی معصوم اور مسکراتی ہوئی ایک حسینہ لگ رہی تھی۔ سر پہ دوپٹے کا آنچل رکھا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی عبادت سے فارغ ہو کر اپنے بزرگوں کو سلام کرنے آئی ہو۔

سعید احمد نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا "یہ مادام سونیا ہیں۔"

اس کی آواز سن کر سب چونک گئے۔ یکے بعد دیگرے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر سونیا سے مصافحہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ایک نے مصافحہ کرتے ہوئے دریافت کیا "مادام! اگر آپ کے ذہن پر گراں نہ گزرے تو میں ایک ذاتی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی عمر کیا ہو گی؟"

سونیا نے مصافحہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا "میں عمر کی اس منزل پر ہوں جہاں حادثات اور تجربے آدمی کو چٹان بنا دیتے ہیں۔ چٹانوں کی عمر جاوداں ہوتی ہے۔ اس کا کوئی حساب نہیں ہوتا۔"

ایک اور آفیسر نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "مادام! آپ کے متعلق ہمارا ویو کچھ اور تھا۔ ہم سمجھ رہے تھے آپ جسمانی طور پر فولاد ہوں گی۔"

سونیا نے اس افسر سے بھی مصافحہ کرتے ہوئے کہا "کوئی ضروری ہے کہ فولاد بنا جائے جب پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے۔ تو جناب مجھے پھول ہی رہنے دیں۔"

تمام افسران باری باری اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنے طور پر سوالات کر رہے تھے اور اس کی حاضر دماغی سے متاثر ہو رہے تھے۔ پھر وہ سب اس کمرے سے نکل کر ایک بڑے ہال میں آ گئے۔ وہاں بہت سے لوگ جمناسٹک کے کرتب دکھا رہے تھے۔ کہیں باکسنگ اور کہیں فری اسٹائل کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ سونیا ان افسران کے ساتھ چلتے ہوئے ایک دروازہ کے پاس آئی۔ ایک آفیسر نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ دروازہ ایک طویل کوریڈور کی طرف کھلتا ہے۔ اس کوریڈور سے گزر کر جب تم آخری سرے پر پہنچو گی تو ہم وہاں تم سے ملاقات کریں گے۔"

ایک اور آفیسر نے کہا "لیکن اس کوریڈور کے دوسری طرف کوئی صحیح سلامت نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے وہاں ایک ڈاکٹر مرہم پٹی کے لئے موجود رہتا ہے جس کی حالت زیادہ خراب ہوتی ہے اس کے لئے ایمبولنس تیار رہتی ہے اور اسے فوراً ہسپتال میں پہنچا دیا جاتا ہے۔"

سعید احمد نے کہا "مادام! اس تہہ خانے میں جو نوجوان مختلف قسم کی ٹریننگ حاصل کرتے ہیں اور بالآخر کامیابی کے مرحلے تک پہنچتے ہیں ان کی آخری آزمائش اسی طرح ہوتی ہے۔ اس کوریڈور میں پانچ ناقابل شکست افراد سے سامنا ہوتا ہے۔ جب آپ کوریڈور میں داخل ہوں گی تو سب سے پہلے ایک بند آہنی جالی کا دروازہ ملے گا۔ اس دروازے کے پیچھے ایک شخص کھڑا ہو گا۔ وہ آپ سے باتیں کرے گا اور آپ اس سے باتیں کریں گی۔ وہ باتوں ہی باتوں میں اس آہنی دروازے کو کھولنے کا طریقہ بتلائے گا۔ اگر آپ ذہین ہوں گی تو اس کی باتوں کو پکڑ لیں گی اور اس دروازے کو کھلوا لیں گی۔ اس دروازے سے گزرنے کے بعد ایک باکسر سے سامنا ہو گا۔ وہ آپ کو ناک آؤٹ کرے گا۔ تو آپ ایک پوائنٹ بھی حاصل نہیں کر سکیں گی۔ اگر آپ نے بہت زیادہ تجربات سے کام لے کر دو چار پوائنٹ حاصل کر لئے تو یہ بڑی بات ہو گی۔ آج تک کا ریکارڈ یہی ہے کہ کوئی بھی اس باکسر کے مقابلے میں تین پوائنٹ سے زیادہ حاصل نہیں کر سکا جبکہ پورے نمبر دس ہوتے ہیں۔"

سونیا سر جھکائے سن رہی تھی۔ سعید احمد کہہ رہے تھے "آپ اس کے بعد مقابلے کے قابل رہیں گی تو پھر ایک کراٹے ماسٹر سے سامنا کرنا ہو گا۔ وہاں بھی دس پوائنٹ حاصل کرنے ہوں گے اور وہاں کا ریکارڈ بھی یہی ہے کہ آج تک کوئی پانچ پوائنٹ سے زیادہ حاصل نہیں کر سکا۔ اگر آپ ان مقابلوں کے بعد بھی اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل رہیں تو ایک خنجر زنی کے ماہر سے سامنا ہو گا۔ وہاں آپ کے لئے مختلف قسم کے خنجر موجود ہوں گے۔ آپ ان کے ذریعے اس سے مقابلہ کر سکتی ہو اگر آپ کے جسم پہ خنجر کا ایک زخم بھی نہیں لگے گا۔ تو آپ کو پورے دس پوائنٹ ملیں گے۔ اگر آپ زخمی ہونے کے باوجود اپنے مقابل کو ایک زخم بھی لگائیں گی تو آپ کو پانچ پوائنٹ حاصل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک بہت ہی مکار شخص سے سامنا ہو گا۔ وہ کوریڈور کے آخری دروازے کے پاس کھڑا ہو گا اور آپ کو کسی طرح بھی دروازہ کھول کر باہر نہیں جانے دے گا۔ اب یہ آپ کی ذہانت یا مکاری پر منحصر ہے کہ وہ دروازہ کس طرح کھول کر باہر نکلیں گی۔ یعنی ان پانچوں مقابلوں میں پہلی بار آپ کو ذہانت سے اس آہنی دروازے کو کھلوانا ہے اور آخری بار اپنی مکاری سے اس مکار کو شکست دے کر دروازے سے باہر نکلنا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جسمانی مقابلے کا مظاہرہ کرنا ہے اور اپنے آپ کو کامیاب ثابت کرنا ہے۔"

ایک آفیسر نے کہا "اور یہ تو ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کوریڈور سے گزر کر آخری دروازے کے باہر آنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے اس کے لئے ہمیشہ ایک ایمبولینس تیار رہتی ہے۔ اگر کوئی بہت

زیادہ کامیاب رہا۔ تب بھی وہ زخموں سے اس قدر چور ہوتا ہے کہ اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے ڈاکٹر موجود رہتا ہے۔"

ایک اور آفیسر نے کہا "مادام سونیا! ہم آپ کو یہ بتا دیں کہ کوریڈور میں داخل ہونے کے بعد آہنی دروازے کے پاس جو شخص کھڑا ہو گا۔ صرف وہی آپ سے باتیں کرے گا۔ آپ شاید فرہاد صاحب کی مدد سے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس دروازے کو کھولنے کا طریقہ معلوم کر لیں گی لیکن اس کے بعد باقی جو چار رہیں گے وہ گونگے اور بہرے بنے رہیں گے۔ آپ فرہاد صاحب کے ذریعے بھی انہیں زیر نہیں کر سکیں گی۔ آپ کو تنہا ان سے مقابلہ کرنا ہو گا۔"

سونیا ان تمام افسران کی باتوں کے دوران بڑی تیزی سے اور توجہ سے سوچتی جا رہی تھی کہ اسے کس طرح اس کوریڈور کو پار کرنا چاہئے۔ اس نے پوچھا "کیا اس کوریڈور کو پار کرنے کے لئے ان لوگوں سے مقابلہ کرنا ضروری ہے؟"

"ضروری ہے۔ اگر آپ مقابلہ نہیں کریں گی تو وہ آپ کو کوریڈور سے گزرنے نہیں دیں گے۔ آپ گزرنا چاہیں گی تو آپ کی پٹائی کریں گے۔ آپ کو اس وقت تک آخری دروازے سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ جب تک آپ زخموں سے چور نہیں ہو جائیں گی۔"

سونیا نے پوچھا "آخر اس مقابلے یا آزمائش کا مقصد کیا ہے؟"

ایک آفیسر نے جواب دیا "ہم اپنے جوانوں کی ذہانت اور حوصلے کو آزماتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مصیبتوں سے گزرنے کے دوران کس طرح پائیداری سے کھڑے رہتے ہیں۔ کس طرح زخموں کی تاب لاتے ہیں اور کس طرح ذہانت اور مکاری سے کسی بھی مصیبت کو ٹال سکتے ہیں۔ جہاں تک آپ کا تعلق ہے۔ آپ کی ظاہری حالت، حلیہ اور یہ لباس دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ آپ ہی سونیا ہیں۔ ویسے سونے کو سونا سمجھنے کے لئے کسی سے پوچھنا کیا ضروری ہے جبکہ اسے پرکھنے کے لئے اس کی ایک کسوٹی مخصوص ہوتی ہے۔ اسی طرح دلیری، ذہانت اور مکاری کو پرکھنے کے لئے بھی مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ اگر آپ مادام سونیا ہیں تو آپ کو ایسی کسی آزمائش سے گزرنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔"

"میں انکار نہیں کر رہی ہوں۔ میں یہ واضح کر دوں کہ کسی بھی آزمائش سے گزرتے وقت میں فرہاد کی ٹیلی پیتھی کا سہارا نہیں لیتی اپنی ذہانت اور دلیری کا مظاہرہ کروں گی لیکن ایسے وقت میرے گلے میں ایک تعویذ ہوتا ہے۔ وہ تعویذ میں اپنے گھر میں بھول آئی ہوں۔"

"تعویذ؟" تمام افسران نے اسے حیرانی سے اور بے یقینی سے دیکھا

وہ بولی "جی ہاں۔ آپ مجھے ضعیف الاعتقاد سمجھ لیں لیکن میں اس تعویذ پر بھروسہ کرتی ہوں۔ ایک بزرگ نے مجھے وہ تعویذ لکھ کر دیا تھا۔ بہرحال وہ مجھے زبانی یاد ہے۔ اگر کہیں سے کاغذ قلم مل جائے تو میں اسے کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھ لوں گی اور اس کوریڈور سے گزر جاؤں گی۔"

ایک آفیسر نے ہنستے ہوئے کہا "آپ مذاق کر رہی ہیں۔"

"بخدا میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ ایک کاغذ اور قلم مہیا کر دینے میں آپ لوگوں کو کیا زحمت ہو گی؟ پلیز!"

اس کے التجا کرنے کے بعد ایک کاغذ اور قلم پیش کیا گیا۔ وہ ان سے ذرا دور چلی گئی اور اس کاغذ پر کچھ لکھنے لگی۔ کچھ افسران سے ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ فرہاد علی تیمور کے ساتھ رہنے والی یہ عورت ایک تعویذ پر بھروسہ کرتی ہو گی۔ اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کو پس پشت ڈال دیتی ہو گی۔ کچھ آفیسر بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کاغذ پر کس قسم کا تعویذ لکھ رہی ہے۔

سعید احمد نے آواز دی "مادام! کیا ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کیا لکھ رہی ہیں؟"

اس وقت تک سونیا لکھ چکی تھی۔ اس نے کاغذ کو تہہ کرتے ہوئے کہا "سوری! یہ میرے ایک بزرگ کی ہدایت ہے کہ میں یہ عمل کسی کو نہ بتاؤں۔ کیا تھوڑا سا دھاگہ مل سکتا ہے؟"

اس کے لئے دھاگہ مہیا کیا گیا۔ اس نے اس تہہ کئے ہوئے کاغذ کو تعویذ کی صورت میں اچھی طرح باندھ دیا۔ پھر اسے اپنے گلے میں پہن کر اس بندھے ہوئے کاغذ کو اپنے گریبان کے پیچھے چھپا لیا۔ اس کے بعد بولی "چلئے۔ میں دروازے کو کھول کر کوریڈور میں جاؤں گی۔"

دروازے کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے بڑے ادب سے کہا "مادام! یہ دروازہ ایسے نہیں کھلے گا۔ یہ دیکھئے یہاں دروازہ کھولنے کا ہینڈل نہیں ہے۔ صرف ایک بٹن ہے اور بٹن کے اوپر اس خانے میں صفر نظر آ رہا ہے۔ آپ اس بٹن پر انگلی رکھیں گی تو ایک سے لے کر دس تک نمبر تبدیل ہو جائیں گے۔ اور اس تیزی سے تبدیل ہوتے رہیں گے کہ انہیں زبان سے نہیں بلکہ سوچ کی رفتار سے گنا جا سکتا ہے۔ آپ آزمائش کے طور پر بٹن کو ایک بار آن کر کے دیکھ لیں۔"

سونیا نے اس کی ہدایت کے مطابق بٹن پر انگلی رکھی تو صفر کا نمبر تبدیل ہو گیا اور ایک سے لے کر دس تک اتنی تیزی سے نمبر تبدیل ہونے لگے کہ واقعی زبان سے گننا دشوار تھا۔ دوسری بار سونیا نے پھر اس بٹن کو دبایا اور سوچ کی رفتار سے گننے

لگی۔ اس بار میں نے اس کا ساتھ دیا۔ دس تک گنتی مکمل ہوگئی پھر صفر آ کر ٹھہر گیا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے شخص نے کہا: "دیکھئے جب تیزی سے نمبر تبدیل ہوتے ہوئے سات تک پہنچے تو ٹھیک سات پر آپ دوبارہ اس بٹن پہ انگلی رکھیں گی۔ یہ دروازہ کھل جائے گا اگر سات سے پہلے رکھیں گی یا سات کے بعد رکھیں گی تو دروازہ کبھی نہیں کھل سکے گا۔"

ایک آفیسر نے کہا: "جو لوگ مقابلے کے لئے اس دروازے پر آتے ہیں تو سب سے پہلے ہم یہی آزماتے ہیں کہ اس کا دماغ کتنی تیزی سے سوچتا ہے اور کتنی تیزی سے عمل کرتا ہے۔ مقابلے میں شریک ہونے والے کتنے ہی لوگ اس پہلے مرحلے میں ہی ناکام ہو جاتے ہیں۔ آج آپ کی باری ہے، شروع کریں۔"

سونیا نے ایک بار پھر اس بٹن پر انگلی رکھی اور سوچ کی رفتار کے ساتھ اسے گن لیا کہ کتنی رفتار کے بعد ساتواں نمبر آتا ہے۔ دوسری بار اس نے آنکھیں بند کیں پھر بٹن پہ انگلی رکھ کر اسے دبایا۔ اب دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ صرف سوچ کی رفتار پہ اور سوچ کی اس مدّت پہ دھیان رکھنا تھا جس مدّت میں ساتواں نمبر آجاتا تھا۔ اس نے ٹھیک اسی رفتار، اسی مدّت کے مطابق بٹن پر انگلی رکھ کر دبا دی۔ اس کے کانوں میں ایک کھٹاک کی آواز آئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دروازہ کھل چکا تھا۔ سعید احمد اس کی تعریفیں کر رہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے کوریڈور میں داخل ہوئی۔ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اب باہر کھڑے ہوئے افسران نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کے سامنے ایک طویل کوریڈور دُور تک نظر آ رہا تھا۔ بہت دُور آخری دروازہ تھا اور اس آخری دروازے تک پہنچنے سے پہلے اسے پانچ افراد نظر آ رہے تھے۔

آہنی جالی کے دروازے کے پاس کھڑا ہوا شخص سونیا کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ قریب آئے گی اور دروازہ کھولنے کی درخواست کرے گی۔ سونیا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب آئی۔ پھر اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ سونیا کا انداز ایسا رازدارانہ تھا کہ وہ شخص اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

سونیا نے اپنے گریبان کے پیچھے سے اس تہہ کئے ہوئے کاغذ کو نکالا اور اسے کھول کر اس شخص کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اس کاغذ کو ایک بار دیکھا پھر دوسری بار سونیا کی طرف نظر اٹھائی۔ سونیا نے اشارے سے کہا کہ وہ اس کاغذ کی تحریر کو پڑھے۔

وہ پڑھنے لگا۔ پہلی بار پڑھتے ہوئے اس نے نظروں کو اٹھا کر سونیا کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر دوسری بار پڑھنے لگا۔ دوسری بار پڑھنے کے دوران اس نے نظریں اٹھا کر سونیا کے کانوں کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے کانوں میں ٹاپس پہنے ہوئے تھی۔ پھر وہ جلدی جلدی اس تحریر کو پڑھتا چلا گیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے پلٹ کر اس باکسر کے پاس گیا جو سونیا سے مقابلہ کرنے کا منتظر تھا۔ اس نے کاغذ باکسر کے حوالے کیا۔ باکسر نے اسے پڑھا۔ پھر وہ کاغذ کراٹے ماسٹر کے پاس پہنچایا گیا۔ اسی طرح وہ پانچوں افراد یکے بعد دیگرے اس کاغذ کی تحریر کو پڑھتے گئے اور سونیا کی طرف دیکھتے گئے۔ پھر وہ سب کے سب آہنی دروازے کے پاس آئے۔ دروازہ کھل گیا۔ اس کے بعد وہ پانچوں افراد سونیا کو اپنے درمیان لے کر بڑے اطمینان سے کوئی لڑائی جھگڑا کئے بغیر، کسی آزمائش سے سونیا کو گزارے بغیر اس کوریڈور سے گزارتے ہوئے آخری دروازے کی طرف لے جانے لگے۔

میں نے دل ہی دل میں سونیا کو بڑے پیار سے گالی دی۔ کم بخت کے دماغ میں مکّاریاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ میں اس کے دماغ سے نکل کر سعید احمد کے دماغ میں پہنچا۔ وہ تمام افسران دوسرے راستے سے گزرتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کوریڈور کے آخری دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں اطمینان تھا کہ ابھی سونیا کو مقابلہ کرنے میں کافی دیر لگے گی۔ وہ زخموں سے چُور ہو کر اپنے پیروں پر چلتے ہوئے آخری دروازے سے باہر نہیں آسکے گی۔ اسے دو آدمی اٹھا کر یا گھسیٹ کر لائیں گے لیکن ان کے سوچنے کے دوران ہی ایک ماتحت تیزی سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔ پھر ادب سے سیلوٹ کرنے کے بعد کہنے لگا: "جناب! مادام آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ سب ٹھٹک گئے۔ ایک آفیسر نے حیرانی سے پوچھا: "کس مادام کا ذکر کر رہے ہو؟"

"جناب! وہی مادام سونیا کہہ رہی تھیں کہ میں جا کر آپ لوگوں کو اطلاع دے دوں۔ وہ خیریت سے آخری دروازہ پار کر چکی ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ سب تیزی سے چلتے ہوئے اس آخری دروازے کی طرف جانے لگے۔ اُدھر سونیا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تعویذ والے کاغذ کو تہہ کرتے ہوئے اتنا مختصر کر رہی تھی کہ وہ پانچ پیسے سے کچھ چھوٹا ہو گیا تھا۔ اس تہہ کئے ہوئے کاغذ کو اس نے دھاگے سے اچھی طرح باندھ کر اسے ایک گولی کی طرح بنا لیا۔ پھر اس کراٹے ماسٹر کے سامنے پہنچ کر بولی: "میں نے ایک کراٹے ماسٹر کو دیکھا ہے۔ وہ حملہ کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اس طرح نچانے کے بعد منہ کو یوں کھولتا تھا اور ایک چیخ مارتا تھا۔"

سونیا ایسا کہنے کے دوران دونوں ہاتھوں کو نچا کر منہ کھول کر بتا رہی تھی کہ وہ ماسٹر کس طرح چیختا ہے اور اپنے مقابل کو للکارتا ہے پھر وہ بولی: "ماسٹر! آپ کس طرح اپنے مقابل کو للکارتے ہیں؟"

کراٹے ماسٹر نے پینترا بدل کر دونوں ہاتھوں کا پوز بنا کر للکارنے کے انداز میں منہ کو کھولا۔ اسی وقت سونیا نے کاغذ کی وہ گولی اس کے منہ میں ڈال دی۔ اس سے پہلے کہ کراٹے ماسٹر کچھ سمجھتا، سونیا کا ایک زبردست گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا۔ منہ بند ہوا دوسری بار آنک کی آواز کی ساتھ منہ کھُلا۔ تیسری بار منہ بند ہوا اور وہ گولی حلق کے نیچے اُتر گئی۔ سونیا نے اسے کچھ سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ مسلسل کراٹے کے کئی ہاتھ چلائے۔ دو چار لاتیں بھی جمائیں۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پچھلی دیوار سے جا کر ٹکرایا، اور بیٹھ گیا۔

باکسر نے فوراً ہی مکّے بازی کے لئے پوز بنا لیا۔ سونیا نے اسی وقت ایک فلائنگ کِک ماری تو وہ اپنا پوز بھول کر لڑکھڑاتا ہوا دُور جا گرا۔ تیسرا وہ شخص تھا جسے اپنی خنجر زنی پر ناز تھا۔ لیکن وہ خنجروں کو کوریڈور میں چھوڑ آیا تھا، اور خالی ہاتھوں سے مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے وہ ایک طرف تماشائی بنا کھڑا تھا، اور حیرانی سے دیکھ رہا تھا کہ جو لڑکی سیدھی سادی نظر آ رہی تھی وہ کتنی پھُرتیلی ہے۔ کبھی باکسر کی طرف حملہ کرتی تھی کبھی کراٹے ماسٹر کی خبر لیتی تھی۔ دونوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ ایسی تیزی، ایسی پھُرتی اس نے اپنی زندگی میں اگر دیکھی بھی ہوگی تو کسی عورت میں نہیں دیکھی ہوگی۔

یہ سب کچھ صرف ایک منٹ میں ہوا۔ دوسرے منٹ کے آغاز میں سونیا اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ کر کرسی پہ بیٹھ گئی۔ ایک طرف کراٹے ماسٹر، دوسری طرف باکسر زمین پہ پڑے ہوئے ہانپ رہے تھے۔ اور اپنی سانسیں درست کر رہے تھے۔ اپنی چوٹوں کو سہلا رہے تھے۔ اسی وقت تمام افسران وہاں پہنچ گئے۔ سعید احمد نے سونیا کو... بخیریت اطمینان سے بیٹھے دیکھ کر خوشی سے نعرہ لگایا: "برلو! مادام سونیا ہیئر یو آر...."

تمام افسران سونیا کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے جسم پر زخم کا نظر آنا تو دُور کی بات ہے۔ اس کے لباس پر ایک شکن بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے کسی سے مقابلہ نہیں کیا ہے اور بڑی آسانی سے کوریڈور کو پار کر لیا ہے۔ اس کے برعکس کراٹے ماسٹر اور باکسر زخمی نظر آ رہے تھے۔ ایک آفیسر نے ڈاکٹر سے کہا: "ذرا انہیں دیکھو۔ کیا مرہم پٹی کی ضرورت ہے۔"

پھر اس نے سونیا کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا: "آخر یہ سب کیا ہے؟ آپ کیسے بخیریت کوریڈور سے گزر آئیں؟"

وہ بولی: "میں نے کہا تھا نا کہ میرے پاس تعویذ ہو تو میں فرہاد کی ٹیلی پیتھی پر بھی بھروسہ نہیں کرتی۔"

تمام آفیسرز نے پھر ایک بار چونک کر سونیا کو دیکھا۔ کتنوں نے یہ سوالات کئے: "تعویذ؟ آخر وہ تعویذ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ ذرا ہمیں بھی دکھاؤ؟"

سونیا نے کہا: "اب وہ تعویذ کہاں ہے۔ میں نے آپ کے آدمیوں کو گھول کر پلا دیا ہے۔"

وہ بڑی مکّاری سے مسکرانے لگی۔ اپنے سامنے والوں کو یوں دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو: "مجھے دیکھ لو۔ مجھے مان لو کہ میں سونیا ہوں۔ سونے کو پرکھنے کے لئے ایک مخصوص کسوٹی ہوتی ہے۔ سونیا کو پہچاننے کے لئے اس کی مکّاریوں کا مظاہرہ کافی ہے۔"

کراٹے ماسٹر نے زمین پر سے اٹھتے ہوئے کہا: "یہ جھوٹ کہتی ہے۔ اس کے پاس کوئی تعویذ نہیں تھا۔ ایک کاغذ تھا جسے تہہ کر کے گولی بنا کر اس نے میرے منہ میں ڈال دیا۔"

ایک آفیسر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر پوچھا: "کہاں ہے وہ کاغذ کی گولی، ہمیں دکھاؤ۔"

"ایں؟" ماسٹر نے ہچکچاتے ہوئے آفیسر کی طرف دیکھا۔ پھر کہا: "جناب! وہ تو میں نگل چکا ہوں۔"

"نگل گئے، کیوں نگل گئے؟ وہ گولی کیا کھانے کی چیز تھی؟"

باکسر نے کہا: "نہیں جناب! اس عورت نے کاغذ کی گولی کو ماسٹر کے منہ میں ڈال کر ان کی ٹھوڑی پہ ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ وہ حلق سے نیچے اتر گئی۔ یہ بہت چالاک ہے۔ یہ مادام سونیا نہیں ہے۔"

سعید احمد نے سختی سے کہا: "بس مادام سونیا کی شان میں کوئی گستاخی پسند نہیں کروں گا۔ آئندہ ان کے متعلق ذکر کرتے ہوئے یا انہیں مخاطب کرتے ہوئے مادام کہا جائے۔"

خنجر چلانے والے نے کہا: "جناب! یہ تو میں بھی کہتا ہوں یہ مادام سونیا نہیں ہیں۔"

ایک آفیسر نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "تم سب خاموش رہو۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔"

اس نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا جو کوریڈور میں پانچواں آدمی تھا اور آخری دروازے پر کھڑا رہتا تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ کوئی بھی اپنی مکّاری دکھا کر اس سے آخری دروازے کو کھلوا نہیں سکتا۔ آفیسر نے پوچھا: "تم اپنی ذہانت اور مکّاریوں کا دعویٰ کرتے ہو۔ تم بتاؤ کیا یہ مادام سونیا نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو یہ کس طرح کوریڈور کو پار کر گئیں؟"

اس مکّار شخص نے سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ادب سے کہا: "جناب! میں ان کی عزّت کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی مکّارانہ ذہانت سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہی مادام سونیا ہیں۔ اب قصّہ کیا ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں۔ جب یہ کوریڈور کے پہلے دروازے سے اندر داخل ہوئیں تو ان کے گلے سے بندھے ہوئے دھاگے میں ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا۔ جو تعویذ کی شکل میں تھا۔ وہ کاغذ کھول کر انہوں نے ہمیں باری باری پڑھایا۔ اس کاغذ میں لکھا تھا کہ وہ مادام سونیا

نہیں ہیں بلکہ یہودیوں کی ایک ایجنٹ ہیں لیکن سونیا سے بہت متاثر ہیں اور فرہاد کی پرستار ہیں۔ اس لئے سونیا کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہیں لیکن وہ پیغام اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکیں کیونکہ ان کے کانوں میں جو ٹاپس ہیں وہ دراصل ایک بڑی قوت کے مائیک ہیں۔ وہ جو باتیں یہاں کریں گی وہ تمام باتیں دشمنوں تک نشر ہوتی رہیں گی۔ اس لئے ان کے سامنے کوئی بات نہ کی جائے بلکہ پیغام کو پڑھ لیا جائے۔ پیغام یہ تھا کہ مادام سونیا کو یہودیوں نے اغوا کیا ہے اور انہیں مصر کی پہاڑیوں کی طرف لے گئے ہیں۔ یہ جو ہمارے سامنے موجود ہیں یہ یہودیوں کی ایک ایجنٹ ہیں، یہ جب تک سلامت رہیں گی اور جب تک ان کے کانوں کے ٹاپس کے ذریعے ہماری اور ان کی آوازیں دشمنوں کو پہنچتی رہیں گی اس وقت سونیا کو بھی زندہ رکھا جائے گا۔ اگر ہم انہیں ہلاک کر دیں گے تو سونیا کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اس کاریڈور میں مار پیٹ کی آوازیں نہیں آنی چاہئیں۔

اس کاغذ پر آخر میں لکھا تھا کہ ہم اپنے اعلیٰ افسر کو ایک طرف تنہائی میں لے جا کر یہ ساری باتیں بتا دیں۔ پھر ہمارا کوئی آفیسر مادام سے تنہائی میں ملے گا تو یہ اسی طرح کاغذ پر لکھ لکھ کر ہمارے آفیسر کو سونیا کے تمام حالات سے آگاہ کریں گی اور دشمنوں کی صحیح نشاندہی بھی کریں گی۔ جناب! یہ اتنی اہم بات تھی کہ ہم مقابلہ کرنا بھول گئے اور اس پیغام کو آپ لوگوں تک پہنچانے کے لئے انہیں اپنے ساتھ لے کر اس دروازے سے نکل آئے۔ یہاں آنے کے بعد ان کی مکاری کا پتہ چلا۔ انہوں نے اس کاغذ کی گولی بنا کر سپرماسٹر کے منہ میں ڈال دی اور انہیں نگلنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ماسٹر اور ہمارے باکسر پر جس انداز میں تابڑ توڑ حملے کئے ہیں اور جس خوبصورتی سے اپنے لڑنے کے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہی مادام سونیا ہیں۔"

جب اس کی باتیں ختم ہو گئیں تو ایک آفیسر نے سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "مادام! یہ سب کیا ہے؟ آپ بتائیں کہ آپ نے ایسی چال کیوں چلی؟ آپ کو تو مقابلہ کرنا چاہئے تھا اور پوائنٹس حاصل کرنے چاہئیں تھے۔"

سونیا نے جواب دیا "میں پوائنٹس حاصل کر کے کیا کروں گی؟ میں نے اس کوریڈور میں داخل ہونے سے پہلے اس آزمائش کا مقصد معلوم کیا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ اپنے جوانوں کو آزماتے ہیں کہ مصیبت کو کس طرح ٹالا جاتا ہے اور کس طرح ذہنی اور جسمانی مشقوں سے انسان پورے حوصلے کے ساتھ گزرتا ہے۔ لیکن میرا اپنا نظریہ ہے کہ جب عقل کام آتی ہو تو نادانوں کی طرح لڑنا جھگڑنا اور وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں نے دیکھا کہ کوریڈور میں پانچ آدمی ہیں۔ میں ماسٹر اور باکسر سے کوریڈور پار کرنے کے بعد بھی مقابلہ کر سکتی ہوں۔ باقی جو چھرے باز ہے اس سے مقابلہ بالکل غیر ضروری تھا۔ خواہ مخواہ اپنی توانائی ضائع کرنے کی بات تھی۔ اسے تو بڑی آسانی سے بیوقوف بنایا جا سکتا تھا۔ باقی دو آدمی ایسے تھے جن سے جسمانی مقابلے کی نوبت نہ آتی۔ ان سے ذہانت آزمانا تھی۔ سو میں نے ذہانت کو آزما لیا۔ جب اس آخری دروازے سے نکل آئی تو کراٹے ماسٹر اور باکسر کی حسرتیں بھی پوری کر دیں۔ اب آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی "ویسے، میں خود اس ملک میں یہودیوں سے محاذ آرائی کے لئے آئی ہوں۔ فرہاد نے لیڈی سائرہ بانو کی حفاظت مجھے سونپ دی ہے۔ اگر آپ مجھے اس خفیہ فائل کی حفاظت پر مامور نہ کریں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہودیوں سے تو مجھے دو دو ہاتھ کرنے ہی ہیں۔ یہ ملک فرہاد کا ہے تو میرا بھی ہے۔ جو اس ملک کے خلاف کوئی تخریبی کارروائی کرے گا وہ میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں نکلے گا۔ میں اس آزمائش سے گزر کر آپ لوگوں کو ایک نمونہ دکھانا چاہتی تھی۔ میں آزمائش سے نہ گزرتی تو صرف میری ہی نہیں، فرہاد کی بھی سبکی ہوتی اور یہ مجھے منظور نہ تھا۔ بہرحال اب آپ لوگ اپنا فیصلہ سنائیں۔"

وہ تمام افسران اسے بڑی حیرت سے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ایک سینئر افسر نے قریب آ کر بڑے پیار سے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے۔ پھر اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا "یہ شلوار، یہ قمیص، یہ دوپٹہ میرے ملک کی بہنوں اور بیٹیوں کا لباس ہے۔ میری آرزو ہے کہ یہ لباس پہننے والیاں تمہاری طرح ذہین، دلیر اور حوصلہ مند ہو جائیں۔ میں آج سے تمہیں اپنی بیٹی کہتا ہوں۔"

سونیا کا حلیہ بھی بدل گیا تھا اور حالات بھی بدل گئے تھے۔ اب وہ فرہاد کے ساتھ رہنے والی آزاد سونیا نہیں رہی تھی اسے ایک اہم ملکی فرض سونپ دیا گیا تھا۔ ایک بہت ہی سیکریٹ فائل کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ڈال دی گئی تھی۔

جس عمارت میں وہ فائل موجود تھی اس کے چاروں طرف اتنا سخت پہرہ تھا کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا لیکن دورِ جدید کے سائنس دانوں نے آہنی دیواروں کو بھی غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ سونیا ان جدید ایجادات سے بخوبی واقف تھی۔ عمارت میں چند خاص لوگوں کے سوا کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی اور ان پر بھی وہ کڑی نظر رکھتی تھی۔ وہ اچانک عمارت میں پہنچ کر دیکھتی کہ کوئی اپنے فرض سے غافل تو نہیں ہے۔ عمارت میں موجود چند اہم شخصیتوں کے سوا کسی کو ٹیلیفون کرنے تک کی اجازت نہیں تھی۔ سونیا سے اجازت لیے بغیر کوئی اپنے بیوی بچوں سے بھی فون پر بات نہیں کر سکتا تھا۔

فون پر ہونے والی تمام گفتگو سونیا ایک انٹر لنک ریسیور کے ذریعے سنتی رہتی تھی۔

میں بھی اس سلسلے میں سونیا کی مدد کر رہا تھا۔ اسے معلومات فراہم کر رہا تھا کہ اس عمارت سے متعلق کون شخص اپنا وقت کہاں گزارتا ہے، کن لوگوں سے ملتا ہے۔ اس کے گھر کس قسم کے لوگوں کی آمدورفت ہے۔ سونیا ساری معلومات حاصل کر کے فرداً فرداً انہیں اپنے دفتر میں طلب کرتی اور ان کے معمولات کی تفصیل ان کے سامنے بیان کر کے اس کی تصدیق چاہتی تو وہ حیران رہ جاتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمارت میں کام کرنے والے تمام لوگ محتاط اور مستعد رہنے لگے تھے۔ سونیا اس عمارت کے جس حصے سے گزرتی تھی لوگ اسے دیکھ کر چوکنا ہو جاتے تھے۔ ہر شخص خوف زدہ رہتا تھا کہ پتہ نہیں کب اس کا محاسبہ ہو جائے۔ سونیا اب وردی میں ملبوس رہتی تھی۔ وہ اپنے پاس کبھی ریوالور جیسے ہتھیار نہیں رکھتی تھی لیکن اب دستور کے مطابق اس کی کمر سے کارتوس کی بیلٹ بھی بندھی رہتی تھی اور ہولسٹر میں ریوالور بھی موجود رہتا تھا۔ اسے رہائش کے لیے سائرہ بانو کی اقامت گاہ کے قریب ہی ایک بنگلہ دے دیا گیا تھا۔ آمدورفت کے لیے ایک جیپ مخصوص تھی۔ ایک اور جیپ میں اس کے محافظ ہر دم چاق و چوبند موجود رہتے تھے۔ اس نمود و نمائش کا مقصد یہ تھا کہ دشمنوں کو سونیا کے متعلق یہ علم ہو جائے کہ اب وہ ریکارڈ روم کی آئی ایم او بنا دی گئی ہے۔

ایک صبح وہ سعید احمد سے ملاقات کرنے جانے کے لیے اپنی رہائش گاہ سے روانہ ہونے والی تھی، اس کے محافظ اپنی جیپ میں بیٹھے اس کے باہر نکلنے کے منتظر تھے کہ میں نے سونیا کو مخاطب کیا "ہیلو سونیا! کہاں کی تیاری ہے؟"

"کیا تم نہیں جانتے؟"

"جانتا ہوں اور تمہیں یہ خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ اب دشمن نے تمہیں راہ سے ہٹانے کا منصوبہ مکمل کر لیا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"تمہاری جیپ میں ایک ٹائم بم چھپا دیا گیا ہے۔ تمہاری رہائش گاہ سے دفتر تک کا سفر آدھے گھنٹے کا ہے اور ٹائم بم میں پندرہ منٹ کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔"

"اور وہ کس جگہ رکھا گیا ہے؟"

"اسٹیئرنگ سیٹ کے نیچے۔"

وہ فوراً رہائش گاہ سے باہر آئی اور اپنی جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے محافظوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ جیپ کے پاس پہنچ کر اس نے ایک محافظ سے کہا "اسٹیئرنگ سیٹ کے نیچے ایک ٹائم بم رکھا ہوا ہے۔ اسے نکال کر اس کا سوئچ آف کر دو۔"

اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ اسٹیئرنگ سیٹ کے نیچے بم موجود تھا۔ محافظ نے اسے نکال کر سوئچ آف کر دیا۔ ایک ماتحت نے حیرانی سے پوچھا "مادام! یہ کس کی حرکت ہے؟"

سونیا نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "جس کی بھی حرکت ہے میں اس سے نمٹ لوں گی، چلو۔"

وہ سب اپنی جیپ میں جا کر بیٹھ گئے اور آگے پیچھے ان کی گاڑیاں روانہ ہو گئیں۔ راستے میں سونیا نے مجھ سے پوچھا۔

"فرہاد! یہ کس کی حرکت تھی؟ مجھے بتاؤ۔"

"تمہارے ریکارڈ روم میں ایک جونیئر آفیسر شمشیر علی ہے پچھلی رات اسے ایک تحریری پیغام کے ذریعے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی آدمی کے ذریعے سونیا کی جیپ میں ٹائم بم چھپا دے اور اس کے دفتر جانے کے وقت کا حساب کر کے بلاسٹنگ کا وقت مقرر کر دے۔"

سونیا نے پوچھا "تم نے شمشیر علی کے دماغ سے یہ نہیں معلوم کیا کہ وہ تحریر کس کی تھی؟"

"یہ بھی معلوم کر چکا ہوں۔ وہ پیغام اسے لاہور سے موصول ہوا تھا۔"

"ہاں، شمشیر علی چند دن پہلے لاہور سے ٹرانسفر ہو کر یہاں آیا ہے۔ اس کے ریکارڈ کے مطابق وہ ایک محبِ وطن اور ذمہ دار آفیسر ہے۔"

"ریکارڈ کی تحریریں بعض اوقات دھوکا بھی دے دیتی ہیں۔ وہ یہاں تنہا رہتا ہے۔ اس کے بیوی بچے امریکہ میں ہیں۔ بچے وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور بیوی بھی عیش و عشرت کی زندگی گزار رہی ہے۔ کیا ایک جونیئر آفیسر اپنے بیوی بچوں کو امریکہ جیسے مہنگے ملک میں رکھنے کا اہل ہو سکتا ہے؟ یقیناً اس کی آمدنی کے خفیہ ذرائع بھی ہیں جن کا علم ریکارڈ تیار کرنے والوں کو نہیں ہے۔"

"شمشیر علی کو وہ تحریری ہدایت کس نے دی تھی؟"

"جیمس روبن نامی گولف کے ایک کھلاڑی نے۔ وہ لاہور میں رہتا ہے اور وہیں شمشیر علی سے اس کے تعلقات قائم ہوئے تھے۔"

دفتر کی عمارت کے سامنے پہنچ کر سونیا نے جیپ روک دی۔ اسے دیکھتے ہی سب الرٹ ہو گئے۔ محافظوں نے اس کے لیے آہنی گیٹ کھول دیا۔ وہ جیپ ڈرائیو کرتی ہوئی اپنے محافظوں کے ساتھ عمارت کے مین دروازے کے پاس پہنچی اور گاڑی سے اتر کر باوقار انداز میں چلتی عمارت میں داخل ہو گئی۔ اس کے قدم

ایک دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

شمشیر علی اپنی کرسی پر بیٹھا بظاہر میز پر جھکا ہوا ایک فائل پڑھنے میں مصروف تھا لیکن اس کے کان کوریڈور سے ابھرنے والی قدموں کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ جب وہ آواز اس کے دروازے کے سامنے آ کر تھم گئی تو اس کے دل کی دھڑکنیں بھی رکنے لگیں۔ میں اس کے دماغ میں موجود اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا اور اسے میز پر رکھی ہوئی فائل کے نیچے رکھ لیا تاکہ سونیا اگر دشمن بن کر آئے تو فوراً ہی اس کا کام تمام کیا جا سکے۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ سونیا کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سونیا نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مجھے زندہ دیکھ کر تمہیں مایوسی ہو رہی ہے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "آپ کیا کہہ رہی ہیں مادام! ہماری تو دعا ہے کہ آپ ہمیشہ سلامت رہیں۔"

"جو دعا ٹائم بم کی ٹک ٹک سے مانگی گئی تھی۔ وہ میرے پاس محفوظ ہے۔"

شمشیر علی نے نہایت ہی پھرتی سے فائل کے نیچے سے ریوالور نکالا اور سونیا کا نشانہ لیتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا تھا فرہاد کے ذریعے تمہیں اس کا علم ہو جائے گا۔ میں نے اس بلیک میلر سے التجا کی تھی کہ یہ کام مجھ سے نہ کرائے لیکن اس نے مجھے مجبور کر دیا۔ اسی وقت میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تم بم سے بچ بھی گئیں تو میرے ریوالور سے نہیں بچ سکو گی۔ میں مرتے مرتے بھی تمہیں مار ڈالوں گا۔"

اچانک اس کا لہجہ بدل گیا کیونکہ اب میں اس کی زبان سے بول رہا تھا۔ "ہیلو جانِ من! فکر نہ کرو، اب میں بول رہا ہوں۔ ٹیلی فون ریسیور اٹھا کر سعید احمد کو شمشیر علی کے متعلق اطلاع دو۔"

سونیا نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔ شمشیر علی ریوالور لیے چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہ میری مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ سونیا نے سعید احمد کو اطلاع دینے کے بعد ریسیور رکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔

وہ بری طرح بوکھلا کر کبھی اپنے خالی ہاتھوں کو اور کبھی سونیا کے ہاتھ میں موجود اپنے ریوالور کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے کہا۔ "تم مرتے مرتے بھی مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے مگر اب کس طرح یہ خواہش پوری کر سکو گے۔ کیا وہ بلیک میلر جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تم اپنے ملک کو تباہ کرنے پر تل گئے تھے، اس وقت تمہاری مدد کر سکتا ہے؟"

سونیا کے ماتحت دروازے کے باہر موجود تھے۔ اس کے حکم پر انہوں نے اندر داخل ہو کر شمشیر علی کو گرفتار کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد سعید احمد اور دوسرے افسران بھی وہاں پہنچ گئے۔ شمشیر علی کو ایک عقوبت خانے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں بڑے بڑے سخت جان مجرموں کا پتا پانی ہو جاتا تھا اور وہ اصلیت اگلنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

وہاں پہنچ کر شمشیر علی کا حلق خشک ہونے لگا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اسے ان مجرموں کا انجام یاد آنے لگا جنہیں اس نے اس عقوبت خانے میں اذیتیں سہتے دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں سے نکل کر دوسرا راستہ قبرستان ہی کو جاتا ہے۔ اذیتوں سے بچنے کے لیے اس نے فوراً ہی اعتراف کر لیا۔ اس نے کہا۔ "میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اپنے ملک سے غداری کرتا رہا ہوں مگر میں ایسا کرنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔"

اس سے سوال کیا گیا۔ "ایسی کیا مجبوری تھی جس نے تمہیں غداری پر آمادہ کر دیا؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "عورت آدمی کو بھٹکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ میری بیوی بہت حسین ہے۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں اور اس کی کوئی بات نہیں ٹال سکتا۔ ہمارے ملک کی اکثر عورتوں کی طرح وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ اس کے پاس کلر ٹی وی ہو، نئے ماڈل کی ائیر کنڈیشنڈ کار ہو، ایک بنگلہ پاکستان میں اور ایک امریکہ میں ہو، دنیا کے کئی ملکوں میں اس کا بنک بیلنس ہو، جبکہ میری آمدنی اس کی بھی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں اپنے ملک میں بھی اپنا بنک بیلنس رکھ سکوں۔ مجھے اپنی بیوی کی فرمائش پوری کرنے کے لیے مجبوراً ملک دشمن عناصر کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ لوگ کون ہیں، میں اچھی طرح نہیں جانتا۔ اب تک میں نے صرف جمیس روبن کو دیکھا ہے جو گولف کا مشہور کھلاڑی ہے مجھے اسی سے تحریری ہدایات ملتی ہیں۔"

ایک افسر نے کہا۔ "تمہارے جیسے لوگ بیویوں کے غلام بن کر، بچوں کو مغربی تعلیم دلانے کی خاطر اور بیرونی ممالک میں اپنا بنک بیلنس بڑھانے کے لیے ملک سے غداری پر آمادہ ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو بھیانک اور عبرت ناک سزا ملنی چاہیے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ کبھی پکڑے گئے تو مار ڈالے جاؤ گے۔ تمہاری حسین اور جوان بیوی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ تمہارے بعد دوسری شادی کر لے گی۔ تمہاری اولاد جس ملک میں بھی رہے گی وہ ایک غدار

باپ کی اولاد کہلائے گی۔ کیا امریکی حکومت تمہاری اولاد پر اعتماد کر سکتی ہے یا پاکستان میں انہیں اچھی نظروں سے دیکھا جا سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ تم نے صرف اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے اپنے ملک کو بیچا جا رہا تھا۔ اب تمہاری زندگی موت کے ہاتھوں بک جائے گی۔"

شمشیر علی کو چپ چاپ ایک کال کوٹھری میں پہنچا دیا گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ شمشیر علی کی غداری کا علم اسٹاف کے دوسرے لوگوں کو نہ ہو۔ اور سونیا لاہور جا کر وہاں کی انتظامیہ کے تعاون سے جمیس روبن تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اگر شمشیر علی کی گرفتاری کی خبر عام ہو جاتی تو جمیس روبن ہوشیار ہو جاتا اور ایسی صورت میں وہ ملک سے فرار یا روپوش ہو سکتا تھا۔ لاہور آفس کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ مادام سونیا وہاں پہنچنے والی ہیں لیکن ان کی آمد سے پہلے ہی جمیس روبن کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔

سونیا دوپہر کی فلائیٹ سے لاہور جانے والی تھی سائرہ بانو نے کہا۔ "بیٹی! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ وہاں مرجانہ کے انکل رہتے ہیں۔ تم وہیں میرے ساتھ قیام کرنا۔ میں تمہیں لاہور کی سیر بھی کراؤں گی۔"

سائرہ بانو کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سونیا پر تھی۔ اس نے سوچا اگر وہ سائرہ بانو کو چھوڑ کر لاہور چلی گئی اور دشمنوں نے اس کی غیر موجودگی میں انہیں کچھ نقصان پہنچایا تو مرجانہ کو کیا جواب دے گی۔ اس خیال سے وہ سائرہ بانو کو بھی اپنے ساتھ لاہور لے جانے پر رضامند ہو گئی۔

لاہور ایئر پورٹ پر ایک اعلیٰ افسر نے سونیا کا استقبال کیا اور اسے یہ مایوس کن خبر سنائی کہ گولف کا کھلاڑی جمیس روبن غائب ہے۔ وہ گلبرگ کی ایک کوٹھی میں کرائے پر رہتا تھا۔ کوٹھی کی تلاشی لے لی گئی ہے۔ وہاں اس کا تمام سامان موجود ہے مگر سامان میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے اس کا کوئی سراغ مل سکتا۔

سونیا نے کہا۔ "جمیس روبن جن لوگوں سے ملتا تھا جس حلقے میں بیٹھتا اٹھتا تھا ان تمام افراد کی فہرست تیار کر کے ان سے معلوم کیا جائے۔ کوئی نہ کوئی سراغ ضرور ملے گا۔"

"مادام! ہم یہی کر رہے ہیں۔ ہمیں تھوڑی سی مہلت چاہیے۔ انشاءاللہ کل صبح تک کچھ نہ کچھ نتیجہ نکل آئے گا۔"

وہ سائرہ بانو کے ساتھ سیدھی مرجانہ کے انکل کی رہائش گاہ پہنچی اور وردی اتار کر ایک سیدھی سادی مشرقی دوشیزہ بن گئی۔

یہاں سائرہ بانو اور طاہرہ بانو کے بہت سے رشتہ دار بھی تھے جو اس سے بہت متاثر تھے۔ وہ میرے اور اس کے متعلق طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ سونیا مختصراً جواب دیتی رہی۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد سونیا ان لوگوں سے پیچھا چھڑا کر سائرہ بانو کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکل گئی۔

میں نے سونیا سے کہا۔ "اب تو تمہیں کل ہی صبح جمیس روبن کے متعلق کچھ اطلاع ملے گی۔ مجھے اجازت دو تاکہ دوسرے لوگوں کی بھی خبر گیری کر سکوں۔"

اس سے رخصت ہو کر میں دماغی طور پر پران بسیرا میں حاضر ہو گیا۔ پران بسیرا اس چھوٹے سے خوبصورت سے کاٹیج کا نام تھا جسے پران پریمی نے ایک ایسی جگہ تعمیر کرایا تھا جہاں وہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں وغیرہ سے دور تنہائی میں کچھ وقت گزار سکے۔ چونکہ میں پران پریمی کے روپ میں تھا اس لیے مجھے بھی اس کاٹیج سے استفادہ کرنے کی سہولت حاصل تھی۔ میں چند لمحوں تک ایک صوفے پر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر رسونتی سے رابطہ قائم کیا۔ کئی ماہ گزر چکے تھے۔ وہ جلد ہی ماں بننے والی تھی۔ ان دنوں وہ یوگا کی ہلکی پھلکی مشقیں کر رہی تھی۔ کبھی کھڑی ہو کر کبھی چاروں شانے چت لیٹ کر ذرا ذرا سی دیر کے لیے سانس روکتی پھر سانسیں لینے لگتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی یوگا سے متعارف کرا رہی تھی۔

میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس کی صحت بھی کافی اچھی ہو گئی تھی۔ سمندر کا ساحل وہاں سے تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر تھا وہ اکثر کار کے ذریعے وہاں جھیل قدمی کے لیے جاتی رہتی تھی۔ غلام نے ایک خوبصورت سی جھیل کے سامنے اس کے لیے ایک نہایت ہی خوبصورت سا کاٹیج تعمیر کرایا تھا۔ جھیل کے آس پاس جو لوگ آباد تھے وہ سب غلام کے تابعدار تھے۔ ان میں بہت سے مسلمان بھی تھے۔ رسونتی کے کاٹیج کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کی جا رہی تھی۔ گویا غلام میرے بچے کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے لیے اسلامی ماحول پیدا کر رہا تھا۔

میں تقریباً ایک گھنٹے تک خیال خوانی کے ذریعے رسونتی کو بہلاتا رہا۔ پھر اس سے رخصت ہو کر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اور ڈیر جمال عیسائی باپ بیٹی کی حیثیت سے ایک کرائے کے کاٹیج میں رہ رہے تھے۔ مرجانہ وہاں مس ماریہ کہلاتی تھی۔ اس کا علاج جاری تھا جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ سونیا کے متعلق سوچ رہی تھی۔

وہ سونیا کو دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی اور مجبوراً یہ عارضی

جدائی قبول کی تھی کیونکہ اس جدائی کے نتیجے میں اس میں جو تبدیلی آنے والی تھی وہ بڑی دلفریب تھی۔ اس تبدیلی کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے سونیا کو حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی اور ابھی سے اسے اپنی ملکیت تصور کرنے لگی تھی۔

میں نے اس کے دماغ میں چھُپ کر اسے سمجھانا چاہا۔ سونیا فرہاد کے سوا کسی کی نہیں ہو سکے گی۔ بے شک وہ مرجانہ کو بھی جان سے زیادہ چاہتی ہے لیکن محبت میں جان کی نہیں دل کی اہمیت ہوتی ہے اور وہ دل فرہاد کو پیش کر چکی ہے۔ مرجانہ کے لیے صرف جان رہ گئی ہے اور مرجانہ اس کی جان لینا نہیں اس پر جان قربان کر دینا چاہتی تھی۔

میں نے اسے مخاطب کرنا چاہا مگر اسی وقت ڈیئر جمال کی آواز سنائی دی۔ وہ مرجانہ سے پوچھ رہا تھا "بیٹے! کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ خیالوں سے چونک کر بولی "کچھ نہیں پاپا! میں سونیا کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "جب دیکھو سونیا کے متعلق سوچتی رہتی ہو بیٹے! محبت اچھی ہوتی ہے مگر دیوانگی اچھی نہیں ہوتی۔"

"پاپا! آپ مجھے بیٹا کہہ کر بیٹی کی طرح مخاطب کرتے ہیں۔ گویا بیک وقت بیٹا بھی سمجھتے ہیں اور بیٹی بھی۔"

"تم میری بیٹی ہی ہو۔ میں تمہیں بیٹا نہیں سمجھ رہا ہوں۔"

"اچھا، تو کیا میں تبدیل نہیں ہو رہا ہوں؟ کیا آپ میری آواز میں تبدیلی محسوس نہیں کر رہے ہیں؟"

اس کی بات سُن کر میں چونک گیا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اس کی آواز کو محسوس کر سکتا تھا اور اب میں نے توجہ دی تو معلوم ہوا کہ اس کی آواز تبدیل ہو چکی ہے۔ اس کے لہجے میں پہلے جیسی نرمی موجود تھی لیکن اس نرمی میں مردانہ سختی بھی شامل ہو گئی تھی۔ اس کی آواز قدرے بھاری ہو گئی تھی۔ اس میں وہ نسوانی ترنم نہیں رہا تھا۔

ڈیئر جمال نے کہا "بے شک تم تبدیل ہو رہی ہو۔ تقریباً ہو چکی ہو لیکن ابھی میرا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوا ہے۔ اسی لیے میں تمہیں لڑکی سمجھ کر اسی انداز میں گفتگو کرتا ہوں۔"

مرجانہ نے کہا "ڈاکٹروں نے آپ کو مشورہ دیا ہے کہ میرے ساتھ لڑکوں جیسا رویہ رکھا جائے تاکہ مجھ پر نفسیاتی اثر بھی پڑتا رہے۔ لہٰذا آپ مجھے لڑکا سمجھ کر ہی مخاطب کیا کریں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا "چلو بیٹے! تم تبدیل ہو چکے ہو اور میں اس بات کو تسلیم کر کے آج سے تمہیں بیٹوں کی طرح مخاطب کیا کروں گا۔"

"تھینک یو پاپا! جب آپ نے مجھے بیٹا سمجھ لیا ہے تو یہ بھی دیکھیے کہ یہ نوجوانی کی عمر ہے۔ اگر میں سونیا سے عشق کرتا ہوں تو کیا بُرا کرتا ہوں؟"

"مرجانہ! عشق میں بُرائی نہیں ہے مگر..."

مرجانہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ مرجانہ کیا ہوتا ہے۔ جب آپ نے مجھے بیٹا تسلیم کر لیا ہے تو بیٹی کے نام سے کیوں مخاطب کر رہے ہیں؟"

"بھئی نام بھی بدل دیا جائے گا۔ اب میں تمہاری امی کو خط لکھ کر ان سے مشورہ کروں گا کہ تمہارا کیا نام رکھا جائے۔"

"میں اپنے لیے جو نام تجویز کروں گا وہ امی کو ضرور پسند آئے گا۔ ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا تم نے کوئی نام تجویز کیا ہے؟"

"بہت سے نام سوچے ہیں لیکن کوئی جچ نہیں رہا ہے۔"

"دیکھو بیٹے! تم اپنے والد نواب سلامت علی کے نام کی مناسبت سے اپنا نام نواب کرامت علی یا نواب رحمت علی رکھ لو۔"

"جانے دیجیے پاپا! آپ مجھے سو سال پیچھے لے جا رہے ہیں۔ کوئی ماڈرن قسم کا نام بتائیے۔ ایسا کہ سونیا مجھے مخاطب کرے تو اس کے تخاطب میں بھی بے انتہا محبت رچی ہو۔"

ڈیئر جمال نے ہنستے ہوئے کہا "تو پھر اپنا نام محبت خان رکھ لو۔"

"آپ مذاق نہ اڑائیں۔ میں ایسا نام چاہتا ہوں جیسا آپ کا ہے ڈیئر جمال! امی جب ڈیئر کہتی ہوں گی تو آپ کو کتنا اچھا لگتا ہو گا۔"

وہ جھینپ کر بولا "شریر کہیں کی۔"

"کہیں کی نہیں، کہیں کا۔"

"اوہ سوری، تم بہت شریر ہو گئے ہو۔ اپنی امی کا مذاق اڑا رہے ہو۔"

"کبھی نہیں۔ مجھے اس سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں لیکن افسوس کہ آپ پرانے بزرگوں کی طرح میری محبت پر اعتراض کر رہے ہیں۔"

"میں اعتراض نہیں کر رہا ہوں، تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ سونیا اور فرہاد کا تمام ریکارڈ ہمارے سامنے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ سونیا کبھی فرہاد کو چھوڑ کر تمہاری طرف مائل نہیں ہو سکتی۔ پھر اس محبت اور طلب کا کیا فائدہ؟"

مرجانہ نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا کر کہا "پاپا! دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی طرف میں ہاتھ بڑھاؤں اور اسے حاصل نہ کر سکوں۔"

"یہ ضد کرنے اور بڑے بڑے دعوے کرنے کی عمر ہے جب زمانے کی اونچ نیچ سے گزر کے تجربہ حاصل کرو گے تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے گی کہ بعض معاملات میں دل پر جبر کر کے راستہ بدل لینے ہی میں عافیت ہے۔"

"آپ سمجھتے ہیں کہ میں فرہاد اور سونیا کی راہ میں حائل ہو رہا ہوں۔ پاپا! میری محبت میں سونیا کی بھلائی ہے۔ آپ کو شاید فرہاد کے متعلق زیادہ علم نہیں ہے۔ فرہاد ایک تو رسونتی سے شادی کر چکا ہے دوسرے یہ کہ وہ سونیا سے دور دور رہتا ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ سونیا سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ ایسے میں اگر میں سونیا کو بھرپور محبت دوں گا۔ اس کے زخمی دل پر مرہم رکھوں گا تو کیا وہ فرہاد کو بھول کر میری نہیں بن جائے گی؟ عورت محبت کے جواب میں محبت چاہتی ہے۔ سونیا بھی یہی چاہتی ہو گی اور جب اسے میری محبت ملے گی تو وہ سب کچھ بھول کر میری ہو جائے گی۔"

"اور فرہاد؟"

"فرہاد مجھے بہت چاہتا ہے۔ میں اس سے التجا کروں گا۔ اسے احساس دلاؤں گا کہ وہ سونیا جیسی حسین، ذہین اور دلیر عورت کی ناقدری کر رہا ہے۔ اسے اس کی ضرورت نہیں ہے تو میرے لیے چھوڑ دے۔"

ڈیئر جمال نے مسکراتے ہوئے کہا "بیٹے! تم جسے ناقدری کہہ رہے ہو وہ ہی حد سے بڑھی ہوئی قدر دانی ہے۔ تم فرہاد اور سونیا کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتے کہ وہ دور رہ کر بھی ایک دوسرے کو کس قدر چاہتے ہیں۔ محبت کرنے والے بعض اوقات ایک دوسرے سے اس طرح لڑتے جھگڑتے ہیں کہ ان کی محبت پر نفرت کا گمان ہونے لگتا ہے لیکن وہ بظاہر جتنے دور دور نظر آتے ہیں ان کے دل اتنے ہی قریب اور ایک دوسرے کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں۔ سونیا اور فرہاد کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔"

"آپ اس سلسلے میں کوئی بھی رائے رکھتے ہوں۔ بہرحال میں ایک بات جانتا ہوں کہ میرا جینا مرنا صرف اور صرف سونیا کے لیے ہے۔ اگر فرہاد نے میری بات نہ مانی اور وہ میرے راستے کی دیوار بنا تو میں سونیا کو لے کر اتنی دور بھاگ جاؤں گا جہاں فرہاد کبھی نہ پہنچ سکے گا۔"

"بیٹے! ذرا عقل سے کام لو۔ فرہاد کی نظروں سے تو تم بھاگ سکتے ہو مگر اس کی ٹیلی پیتھی سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟"

مرجانہ نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر کہا "فرہاد کی ٹیلی پیتھی بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے گی۔ میں سونیا کے ساتھ موت کی آغوش میں چلا جاؤں گا۔"

ڈیئر جمال نے پریشان ہو کر کہا "بیٹے! یہ کیسی دیوانگی کی باتیں کر رہے ہو۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ اس عمر میں مرنے کی باتیں نہیں کرتے۔"

"پاپا! وہ محبت ہی کیا جو موت سے ڈر جائے۔ آپ دیکھیے میں فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے لڑتا جھگڑتا آگ کے دریا سے گزر کر ایک دن سونیا تک پہنچ جاؤں گا۔ جب تک میں سونیا کو حاصل نہیں کر لوں گا مجھے موت بھی نہیں آئے گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈیئر جمال سوچ رہا تھا بیوقوف بہت ہی ناسمجھ ہے۔ اسے سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑے گی۔ میں سائرہ بانو سے بھی کہوں گا کہ کسی طرح اسے اپنے ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

وہ باتھ روم کی طرف جا رہی تھی۔ ڈیئر جمال نے اسے مخاطب کیا "بیٹے! نام کا مسئلہ تو رہ ہی گیا۔ تم نے بتایا نہیں کہ تم اپنا کیا نام رکھنا چاہتے ہو؟"

مرجانہ نے پلٹ کر کہا "جانِ من!"

"یہ کیا نام ہوا؟"

"جب ڈیئر جمال نام ہو سکتا ہے تو جانِ من کیوں نہیں ہو سکتا؟ جب سونیا مجھے جانِ من کہے گی تو میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو جائے گا۔"

"بیٹے! یہ کوئی نام نہیں ہے۔ یہ نام کسی کو پسند نہیں آئے گا۔"

"پاپا! میرا لڑکی سے لڑکا بننا بھی شاید بہت سے لوگوں کو پسند نہ آئے اور میرا سونیا سے محبت کرنا بھی بہت سوں کو بُرا لگے گا مگر میرا نام، میری شخصیت، میرا جینا اور مرنا سب کچھ سونیا کے لیے ہے۔ وہ مجھے جانِ من کہے گی تو مجھے کسی کی پسند اور ناپسند کی پروا نہیں رہے گی۔"

ڈیئر جمال نے گہری سانس لے کر کہا "سونیا کو دنیا میں ایک ہی نام پسند ہے اور وہ ہے فرہاد۔ تم اپنا نام سونیا سے پوچھ کر رکھو۔ وہ جو نام تجویز کرے گی اس میں محبت اور اپنائیت ہو گی اور تمہیں ساری زندگی یہ خوشی رہے گی کہ تم سونیا کے تجویز کردہ نام سے پکارے جا رہے ہو۔"

مرجانہ نے آگے بڑھ کر ڈیئر جمال کا ہاتھ تھام کر اس سے

مصافحہ کرتے ہوئے کہا "واہ پاپا! کیا تدبیر بتائی ہے۔ میں تو بالکل ہی بھول گیا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں سونیا سے مشورہ کرنا چاہیے میں ایک کیسٹ ——— میں اپنے دلی جذبات ریکارڈ کر کے سونیا کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ وہ ریکارڈر کے ذریعے میری آواز سن کر حیران رہ جائے گی کہ میں کتنا بدل گیا ہوں۔ پھر اس کے خیالوں سے مرجانہ مٹ جائے گی اور جانِ من اس کے دماغ میں طلوع ہو جائے گا۔"

"تمہاری بدلی ہوئی آواز سن کر وہ تسلیم کرنے سے انکار کر سکتی ہے کہ تم مرجانہ ہی ہو۔"

"پاپا! اس کیسٹ میں آپ کی بھی آواز ہوگی۔ آپ اسے یقین دلائیں گے کہ میں مرجانہ ہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تم آج رات کیسٹ تیار کرو۔ کل ہم وہ کیسٹ سونیا کے پاس بھیج دیں گے۔"

وہ خوش ہو کر باتھ روم میں چلی گئی۔ دروازہ بند کر کے اس نے لائٹ آن کی اور آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا وہاں ہلکی ہلکی سختی آگئی تھی۔ مونچھوں کی جگہ اور ٹھوڑی پر یوں تو پہلے ہی ہلکا ہلکا سنہرا پن جھلکنے لگا تھا مگر اب نمایاں طور پر کہیں کہیں مردانگی کی فصل اگتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہاں ڈیسز جمال کا شیونگ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس نے شیونگ اسٹک کھول کر اس میں بلیڈ رکھا اور اپنے چہرے پر شیونگ کریم لگا کر برش سے صابن کے جھاگ بنانے لگی۔

اگرچہ داڑھی مونچھوں کی جگہ کہیں کہیں برائے نام ننھے سے ریشم جیسے بال نظر آتے تھے۔ شیونگ کی قطعی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ اس لیے اپنے چہرے پر بلیڈ پھیر رہی تھی کہ فصل اور گھنی ہو جائے۔ سونیا نے ایک بار اسے بتایا تھا فرہاد کی بڑھی ہوئی شیو بڑی بھلی لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے پھول کو اپنے پیار بھرے کانٹوں کا رشتہ مل گیا ہو۔

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو جانِ من!"

میری سوچ کو محسوس کرتے ہی وہ چونک گئی اور مسکرا کر بولی۔ "ہیلو فرہاد! تم کب سے میرے دماغ میں ہو؟"

"جب سے تمہارے جذبات مچل رہے ہیں۔ میں نے تمہاری اور ڈیسز جمال کی گفتگو سنی ہے۔"

"یہ تو بڑی غلط بات ہے کہ تم بغیر اطلاع دیے دماغ میں گھس آتے ہو۔"

"جو لوگ غلط باتیں سوچتے یا غلط راہ پر چلتے ہیں وہ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کی سوچ پڑھ کر ان کی گمراہی کو سمجھ سکے۔"

"میں کون سی گمراہی کی طرف مائل ہوں؟"

"سونیا کو تم جس راہ پر لے جانا چاہتی ہو وہ اس راہ پر نہیں جا سکتی۔"

"تم اسے روکو گے تو شاید نہ جا سکے۔"

"محبت کرنے والوں کی راہ کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی لیے مجھے یقین ہے کہ تم سونیا کو میری راہ سے نہیں بھٹکا سکو گی۔ دیکھو جانِ من! اگرچہ تمہارا یہ نام مجھے پسند نہیں ہے لیکن فی الحال میں تمہیں اسی نام سے مخاطب کر رہا ہوں۔ تم سونیا سے ضرور دریافت کر لینا کہ وہ تمہیں کس نام سے مخاطب کرنا چاہتی ہے اور اس کا فیصلہ سونیا پر چھوڑ دو کہ وہ تمہاری طرف مائل ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ تمہاری طرف جھک گئی تو مجھے دکھ تو ہوگا لیکن سونیا کی خوشی اور تمہاری دوستی کی خاطر میں اس کا فیصلہ قبول کروں گا اور اگر وہ تمہیں ٹھکرا دے تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیا یہ بات انصاف کی نہیں ہے؟"

"ہاں اور مجھے یقین ہے کہ سونیا میرے حق میں فیصلہ دے گی کیونکہ تمہاری طرف سے اسے بے توجہی اور ناقدری کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میری محبت پا کر وہ تمہیں مسترد کر دے گی۔ بشرطیکہ تم اس دوران اسے نہ بھڑکاؤ اور علاج مکمل ہونے کے بعد مجھے کچھ عرصے تک سونیا کے قریب رہنے کا موقع دو۔ پھر دیکھ لینا کہ جیت کس کی ہوتی ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کروں گا۔ اچھا ایک بات بتاؤ، تم نے سونیا کے نقطۂ نظر سے تو اپنا نام جانِ من رکھ لیا۔ جب وہ جانِ من کہے گی تو تمہیں بڑا مزہ آئے گا، لیکن فرہاد کے نقطۂ نظر کے بارے میں بھی سوچا ہے جب میں تمہیں جانِ من کہہ کر پکاروں گا تو تمہیں کیسا محسوس ہوگا؟"

وہ پہلے تو جھینپ گئی پھر ڈھٹائی سے بولی "تم اپنے طور پر جو چاہو سوچ سکتے ہو، لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ارادوں میں اتنا سخت ہوں کہ فرہاد علی تیمور کی ٹیلی پیتھی مجھے ذہنی اذیتیں دینے کے باوجود توڑ نہیں سکتی۔ مجھے صرف سونیا کی محبت ہی توڑ سکتی ہے۔ میں اس کے قدموں میں ہی بکھر سکتا ہوں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کون کیا ہے۔ ابھی اس پر بحث کرنا فضول ہے۔ میں جا رہا ہوں خدا حافظ!"

میں خاموش ہو گیا مگر اس کے دماغ سے نہیں نکلا۔ وہ

شیو مکمل کرنے کے بعد اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتی اور مسکراتی رہی۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "آہ، مرجانہ! تم کہاں چلی گئیں، کہاں گم ہو گئیں۔ قدرت نے تمہیں جیتے جی مار ڈالا اور اب تمہاری خاک سے ایک نئی شخصیت جنم لے رہی ہے۔ میری دوست، میرے دکھ سکھ کی ساتھی مرجانہ! میں تمہیں الوداع کہتا ہوں اور تمہارے اندر سے جو نئی شخصیت جنم لے رہی ہے اسے خوش آمدید کہتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہم ہر روپ میں اچھے دوست بن کر رہیں اور دشمنی کے راستے پر نہ چلیں۔ خدا حافظ مرجانہ!"

میں نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی جگہ واپس آگیا۔ میرے چاروں طرف پران لیسرا کی خوابگاہ کا سناٹا تھا۔ وہ خوابگاہ میرے لیے مخصوص تھی۔ مجھے اس کے در و دیوار خاموش اور اداس اداس سے لگ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ابھی مرجانہ کو قبر میں اتار کر آرہا ہوں۔ میں، سونیا، رسونتی، سائرہ بانو اور ڈیسز جمال اب کبھی پرانی مرجانہ کو نہیں پا سکیں گے جسے پائیں گے وہ ایک نیا انسان ہوگا۔ ایک ضدی بچہ جو سونیا کے لیے مچلتا رہے گا۔

اچانک میں خیالات سے چونک گیا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی چیخ رہی تھی۔ میں صوفے سے اٹھ کر بستر کے سرے پر بیٹھ گیا، اور ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو پران پریمی دس اینڈ۔"

دوسری طرف سے مادام روزانہ کی آواز سنائی دی "ہیلو فرہاد! تمہارے لیے ایک ضروری اطلاع ہے۔ یہ شاید تمہارے لیے خوشخبری بھی ثابت ہو۔ آج میں نے ایک انتہائی حسین لڑکی کو دیکھا ہے۔ وہ حسن و شباب کا ایسا شاہکار ہے جسے دیکھ کر تم یقیناً پاگل ہو جاؤ گے۔"

میں نے بیزاری سے پوچھا "کیا تم نے یہی خوشخبری سنانے کے لیے فون کیا ہے؟"

"آگے تو سنو۔ اس حسینہ کا نام رینا جلال ہے۔"

میں ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "رینا جلال؟ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ کیا رینا کا تعلق جلال بیگ سے ہے؟"

"بیشک۔ میں نے اسے ایک قمار خانے میں دیکھا ہے۔ میں تمہیں اس قمار خانے کا پتہ بتا دیتی ہوں۔ وہ وہاں باقاعدہ آتی ہے اور مسز رینا جلال کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ کیسینو کے دفتر میں مستقل آنے والوں کے نام اور پتے درج ہیں میں نے اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کیں اور رجسٹر سے اس کا پورا نام اور پتہ حاصل کر لیا ہے۔ میں بتا رہی ہوں تم نوٹ کر لو۔"

"تم جو کچھ بتاؤ گی میرے دل پر نقش ہوتا رہے گا۔ بولتی رہو، روکو مت۔ بڑی مشکل سے تو ایک دروازہ دکھائی دیا ہے۔ جس سے گزر کر میں جلال بیگ تک پہنچ سکتا ہوں۔"

"نمبر ۱۷۵، بارہویں گلی، نیدرچیلسی۔ جانتے ہو نیدرچیلسی کے معنی ہیں دنیا کا آخر۔ اور تم دنیا کی آخری حسین ترین لڑکی سے ملنے جاؤ گے ذرا ہوشیار رہنا۔"

"کام کی بات کرو۔ اس کے متعلق جو کچھ جانتی ہو، ایک ایک بات مجھے بتا دو۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ جلال بیگ نے رینا سے شادی کی ہوگی؟"

"ہاں، میں نے ایک بار حشمت بیگ کے دماغ کو کرید کر جلال بیگ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ حشمت بیگ اپنے بیٹے کے متعلق زیادہ کچھ نہیں جانتا ہے لیکن اسے یہ معلوم ہے کہ جلال بیگ کسی بہت ہی حسین عورت کے عشق میں گرفتار ہے۔ حشمت بیگ اپنی بہو کو دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جلال بیگ نے میری ٹیلی پیتھی کے خوف سے انہیں نہیں ملنے دیا۔ اور حشمت بیگ آج تک رینا جلال کو نہیں دیکھ سکا مجھے یقین ہے کہ رینا جلال ہی وہ عورت ہے جس کے بارے میں مجھے حشمت بیگ کے دماغ نے بتایا تھا۔"

مادام روزانہ نے کہا "اب غور سے سنو۔ رینا جلال پچھلی رات کیسینو میں ایک لاکھ پونڈ ہار گئی ہے۔ میں نے اپنی تنظیم کی چند لڑکیوں کو اس کے فلیٹ کی طرف بھیجا تھا وہ لڑکیاں اپاہج بچوں کے لیے چندہ مانگنے گئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ رینا جلال کچھ جھنجھلائی ہوئی تھی۔ اس کے دماغ پر ہار کا اثر تھا۔ میری ہدایت کے مطابق ایک لڑکی نے اس سے کہا کہ جوا کھیلنے سے پہلے انسان کو اپنی تقدیر کا حال معلوم کر لینا چاہیے ہمارے ہاں لندن میں ایک ایسا نجومی ہے جو ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر مستقبل قریب کی پیش گوئی کر سکتا ہے۔ رینا نے کہا کہ یہ نجومی سب فراڈ ہوتے ہیں۔

لڑکی نے کہا "مگر وہ ایسا نہیں ہے۔ میں اس کا پتہ بتاتی ہوں۔ آپ اس سے مل کر آزمائیں۔ جو پوچھیں گی، اس کا آپ کو صحیح جواب ملے گا۔ وہ آپ کا ماضی، حال اور مستقبل آپ کے سامنے رکھ دے گا۔"

اس کے بعد اس لڑکی نے تمہارا پتہ بتا دیا۔ تمہارا ٹیلیفون نمبر بھی رینا نے نوٹ کر لیا ہے۔" پھر وہ جھک کر بولی "مجھے اپنے دل میں ذرا سی جگہ دے دو تو میں سونیا سے بھی بڑے کارنامے انجام دے سکوں گی۔ تمہارے لیے جان سے بھی گزر جاؤں گی۔"

"روزانہ! جان سے گزر جانا آسان ہے لیکن ذہانت

سے کام لینا بہت مشکل ہے۔ اگر تمہاری جگہ سونیا ہوتی تو جانتی ہو کیا کرتی؟"

اس نے پوچھا "کیا کرتی؟"

"وہ رینا جلال کو کبھی پران پریمی کا نام اور پتہ نہ بتاتی۔ وہ کسی طرح رینا کو گھیر کر اسی کیسینو میں لے جاتی جہاں وہ ایک لاکھ پونڈ ہار چکی ہے، پھر مجھے اطلاع دیتی۔ میں اجنبی بن کر اس کے سامنے جاتا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے دماغ میں اتر جاتا۔ پھر سارا کھیل آسان ہو جاتا۔"

وہ بولی "اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ دیکھ لینا وہ تمہارے فون نمبر پر تم سے رابطہ قائم کرے گی۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ میں جلال بیگ کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ رینا اس کے مشورے اور اجازت کے بغیر کبھی کسی اجنبی سے ملاقات نہیں کرے گی۔ جلال بیگ نے یقیناً سختی سے تاکید کی ہو گی کہ اگر وہ اس کی بیوی بن کر رہنا چاہتی ہے تو کسی بھی اجنبی سے اس کی اجازت کے بغیر نہ ملے۔"

"کیا کیسینو میں جوا کھیلنے کے دوران وہ اجنبیوں سے نہیں ملتی ہو گی؟"

"بیشک ملتی ہو گی لیکن جلال بیگ کے آدمی اس کے آس پاس رہ کر یہ معلوم کرتے رہتے ہوں گے کہ کوئی اجنبی رینا میں دلچسپی تو نہیں لے رہا ہے۔ میری معلومات کے مطابق جلال بیگ بہت زیادہ محتاط رہتا ہے۔ رینا کے فلیٹ میں آرام و آسائش کی تمام چیزیں موجود ہوں گی لیکن ٹیلیفون نہیں ہو گا تاکہ کوئی اسے فون کر کے اس کی آواز سننے کی کوشش نہ کرے۔"

مادام روزانہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "ہاں، یہ بات درست ہے۔ واقعی اس کے فلیٹ میں ٹیلیفون نہیں ہے۔"

"تم میں اور سونیا میں یہی فرق ہے۔ آئندہ کبھی خود کو سونیا کی ترازو میں تولنے کی کوشش نہ کرنا۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ مجھے روزانہ پر غصہ آ رہا تھا کمبخت کو جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ رینا اور جلال بیگ کا کیا رشتہ ہے تو وہ پہلے مجھے اطلاع دیتی لیکن وہ مجھ پر اپنی کارکردگی کا رعب جمانے کی کوشش میں مات کھا گئی تھی۔ اس کی وجہ سے اب میں بحیثیت پران پریمی اس کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رینا جلال بیگ سے نجومی پران پریمی کا ذکر ضرور کرے گی اور اول تو جلال بیگ پران پریمی کی حقیقت سے واقف ہو گا۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تو اس کا دماغ میری طرف جائے گا۔ وہ مجھے ڈھونڈ نکالنے کے لیے اپنے تمام ذرائع استعمال کر ڈالے گا۔

میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ مجھے رینا جلال کا پتہ معلوم ہو گیا تھا مگر موجودہ روپ میں وہاں جانا بے کار ہوتا۔ میں سوچتا اور بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ آخر صوفے پر بیٹھ کر میں نے لندن کے ماسٹر نیو مین سے دماغی رابطہ قائم کیا۔ "ہیلو ماسٹر! میں آپ سے کوئی مدد حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مادام روزانہ نے میرا کام بگاڑ دیا ہے اس لیے آپ کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔"

ماسٹر نیو مین نے کہا "فرہاد صاحب! ہم آپ کے دوست ہیں۔ ہم چوری چھپے آپ کی ہر طرح مدد کرتے رہیں گے فرمایئے؟"

میں نے ماسٹر نیو مین کو بتایا کہ روزانہ کارکردگی دکھانے کی کوشش میں کہاں غلطی کر بیٹھی ہے۔ ماسٹر نیو مین نے تائید کرتے ہوئے کہا "بیشک مادام سے غلطی ہو گئی ہے۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ اب پران پریمی کا خول اتار کر کسی ایسے جواری کا روپ اختیار کروں جو لندن میں کسی حد تک مشہور ہو۔ اس کے پاس اپنا شناختی کارڈ اور ایسے ثبوت ہوں کہ اگر جلال بیگ کے آدمی معلومات حاصل کریں تو انہیں کسی قسم کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔"

"جناب! میں دس منٹ کے بعد آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ دس منٹ کے بعد دوبارہ رابطہ قائم کرنے پر ماسٹر نے کہا "ایک پتہ نوٹ کر لیں۔ ایک سو پچاس پکاڈلی ڈبلیو، آئی ہائیڈ دو یا پانچ چار یا پانچ۔ اس عمارت پر شیئر لے فلیٹ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ فلیٹ نمبر چار کا دروازہ آپ کے لیے کھلا ہو گا۔ وہاں میک اپ کا ایک ماہر تمام سامان کے ساتھ موجود ہو گا اور وہ نامور جواری بھی موجود ہو گا جس کا روپ آپ اختیار کریں گے۔ جواری کا نام رائیٹ ایروس ہے وہ مسٹر رائیٹ کے نام سے مشہور ہے اور ہماری تنظیم کا ایک رکن ہے۔ مسٹر رائیٹ دُبلا پتلا، کیسینو کا ایڈ سرونٹ ہے اور کیسینو کی طرف سے تاش کی بازی لگاتا ہے۔ یہ وہی کیسینو ہے جہاں گزشتہ رات رینا جلال نے ایک لاکھ پونڈ ہارے ہیں۔ وہ کلب کے بارے میں تمام ضروری معلومات فراہم کرے گا اور آپ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرے گا۔"

میں نے پوچھا "پران پریمی کی موجودہ پوزیشن کا کیا بنے گا؟"

"آپ کاٹیج کو لاک کر کے چلے جائیں۔ ہم پران پریمی اور سرلا دیوی کو نیویارک سے واپس بلا لیں گے۔"

میں نے اسی وقت کاٹیج کو چھوڑ دیا۔ پران پریمی کی گاڑی بھی استعمال نہیں کی۔ ٹیکسی کے ذریعے ماسٹر نیو مین کے

بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ وہاں میرا انتظار ہو رہا تھا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی ایک عورت نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ایک نوجوان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "مسٹر فرہاد! میں رائیٹ ایروس ہوں مجھے اچھی طرح دیکھ لیجیے۔ اور یہ یاد رکھیے کہ میں بہت کم بولتا ہوں۔ یہ بات آپ کے لیے مفید ثابت ہو گی۔ آپ کو کیسینو میں زیادہ بولنا نہیں پڑے گا۔"

رائیٹ کیسینو کا ایک کروپیئر تھا (کیسینو کی طرف سے جواریوں میں شامل ہو کر کھیلنے والوں کو کروپیئر کہا جاتا ہے) اس نے مجھے کیسینو کے مالک، منیجر، ملازمین اور دوسرے کروپیئرز کے بارے میں تمام معلومات فراہم کیں۔ میک اپ کے دوران وہ مجھے اپنی عادات، مصروفیات اور احباب کے بارے میں بتاتا رہا۔ سب کچھ جاننے کے بعد میں نے اس سے سوال کیا "مسز رینا جلال نامی کسی عورت کو جانتے ہو؟"

"مسز رینا جلال؟" وہ چند لمحے سوچ کر بولا "ایک انتہائی حسین و جمیل عورت جو دو سال قبل ایک خوبرو نوجوان کے ساتھ پہلی بار کیسینو آئی تھی۔ لندن دنیا بھر میں قمار بازی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ امریکہ تک کے بڑے بڑے دولت مند جواری لاس ویگاس جانے کے بجائے جوا کھیلنے لندن آتے ہیں۔ ١٩٦٠ء کے بعد جب انگلینڈ میں جوئے کو قانونی تحفظ حاصل ہوا ہے۔ یہاں بڑے بڑے کیسینو قائم ہوتے ہیں۔"

میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا "مجھے قمار خانوں کے بارے میں نہیں، رینا جلال کے بارے میں بتاؤ۔"

"ابتدا میں وہ ایک کھیل کیرمن ڈیلر سے دلچسپی رکھتی تھی جبکہ میں دوسری میز پر ہوتا ہوں۔ چند ہفتے بعد ایک روز وہ میری میز پر آ گئی۔ پہلے دن میں نے اسے خاصی رقم جیتنے کا موقع فراہم کیا۔ جوئے میں ہار جیت ہوتی ہی رہتی ہے مگر میں رینا کو برابر چھوٹی چھوٹی رقمیں جیتنے کا موقع دیتا رہا کیونکہ میں اسے کیسینو کا مستقل ممبر بنانا چاہتا تھا۔ آخر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ہمارے کیسینو کی باقاعدہ ممبر بن گئی۔"

رائیٹ نے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر سلگانے لگا۔ میں نے پوچھا "کیا تم سگریٹ بہت زیادہ پیتے ہو؟"

"جی ہاں، جب میں تاش کی میز پر ہوتا ہوں تو ایک کے بعد دوسرا سگریٹ سلگاتا رہتا ہوں۔ یہ میری عادت ہے۔"

میں نے کہا "بڑی مشکل ہو گی۔ میں نے ایک عرصے سے سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا۔۔۔۔ بہرحال تم رینا کے کھیلنے کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے؟"

"جی ہاں، جب ہار جیت ساتھ ساتھ چلتی رہے تو جواری ہار کو یاد نہیں رکھتا۔ ایک روز رینا نے مجھے بتایا کہ وہ اب تک بتیس ہزار پونڈ جیت چکی ہے حالانکہ وہ ہارتی بھی رہی تھی مگر اسے صرف اپنی جیت کا حساب یاد رہا تھا۔ کل رات میں نے سارا حساب برابر کر دیا اور اس سے ایک لاکھ پونڈ جیت لیے۔"

میں نے کہا "میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے مقابل کی نفسیات سمجھتا رہتا ہوں اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ تم اپنے سامنے والے کھلاڑیوں سے کیسے جیت لیتے ہو؟"

"ہاتھ کی صفائی سے۔ کیسینو میں مجھ سے بہتر شاید کوئی نہیں ہے اس کے ساتھ ایک کروپیئر کو اپنے مقابل کی نفسیات سے بھی واقف رہنا پڑتا ہے۔ جو لوگ جوا کھیلنے کے لیے قمار خانے کا رخ کرتے ہیں میں ان کی نفسیات سے واقف ہوں۔"

اس نے سگریٹ کا ایک کش لے کر کہنا شروع کیا "فرہاد صاحب! جواری اس کھلی حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ قمار بازی کے اڈے منافع حاصل کرنے کے لیے قائم کیے جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کو منافع حاصل کرنے کا موقع کیسے دے سکتے ہیں؟"

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ اس نے کہا "سیمن رادین کہتا ہے ایسی چیز کو حاصل کرنے کی تگ و دو کیوں کی جائے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ جواری جان بوجھ کر تو نہیں ہارتے مگر غیر شعوری طور پر ہار کر خود کو سزا دیتے ہیں۔

ان میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اذیت رساں ہوتے ہیں اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں دوسرے وہ جو اذیت پسند ہوتے ہیں خود ہار کر بھی ایک طرح کی خوشی محسوس کرتے ہیں۔

جو لوگ حسن نظر نہیں رکھتے، پھول کے حسن کو نہیں سمجھتے تازہ ہوا میں ان کا دم گھٹنے لگتا ہے وہ قمار خانے کے گھٹے ہوئے ماحول میں سانس لینے آ جاتے ہیں یا جو ذہین نہیں ہوتے، کتاب کی افادیت کو نہیں سمجھتے، اپنی ذہانت سے اپنی تقدیر سنوارنا نہیں جانتے وہ تقدیر کا حال معلوم کرنے آ جاتے ہیں۔ قمار بازی صحت مند زندگی سے ایک دلچسپ فرار ہے۔ قمار بازی نقصان پہنچانے والی ایک فائدہ مند تفریح ہے۔ سیمن رادین کہتا ہے بعض جواریوں کو ہار کر ایک طرح کی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنی قوت کو ضائع کر کے یا جیب سے دولت کو نکلتے دیکھ کر وہ لذت حاصل کرتے ہیں۔ جناب فرہاد صاحب! میں نے ایک دولت مند بوڑھی عورت کو ہارنے کے بعد روتے دیکھا ہے۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ 'اب مجھے اچھا سبق مل گیا ہے۔ اب مجھ میں کبھی جوا کھیلنے کی تحریک پیدا نہیں ہو گی۔ اب قمار خانے میں نہ دلچسپی ہے، نہ خوبصورتی اور

نہ کشش۔ پہلے مجھے یہ خیال اس لیے نہیں آیا کہ میں مدہوش تھی۔ قمار بازی ایک نشہ ہے ایک بیماری ہے جو زندگی بھر کی محنت سے جمع کی ہوئی تمام پونجی نچوڑ کر پیچھا چھوڑتی ہے۔

رائیٹ ایروس بہت ہی نصیحت آمیز باتیں کر رہا تھا میں اپنی داستان میں اس کی تمام باتوں کو اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ شاید ان باتوں سے میرے ملک کے جواریوں کا کچھ بھلا ہو اور وہ اس سے سبق حاصل کر سکیں۔

میں رات کے آٹھ بجے تک رائیٹ ایروس کا روپ اختیار کر چکا تھا اور رائیٹ کسی دوسرے شخص کا میک اپ کرنے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک اسسٹنٹ کو بلا کر مجھ سے تعارف کرانے کے بعد کہا "جناب! یہ ہر جگہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ کیسینو میں یہ بھی آپ کے ساتھ رہے گا۔ یوں بھی نئی جگہ پر آپ کو ایک ایسے مددگار کی ضرورت ہوگی جو نئے ماحول میں آپ کی رہنمائی کرتا رہے۔"

اس نے اپنی کار کی چابی مجھے دیتے ہوئے کہا "میں ٹھیک آٹھ بجے کیسینو پہنچ جاتا ہوں۔ اس وقت آٹھ بج کر بیس منٹ ہو چکے ہیں۔ آپ اس اسسٹنٹ کے ساتھ جائیں۔ اپنے دیر سے پہنچنے کا کوئی بھی بہانہ کر دیں۔ میں کسی کا پابند نہیں ہوں۔ کسی کا رعب قبول نہیں کرتا۔ مالک بھی میرا بے حد خیال رکھتا ہے۔"

میں اس کی کار میں نو بجے ڈیلا ٹیلا کیسینو پہنچا۔ وہاں کے مالک اور منتظمین سے میرا سامنا ہوا مگر میں نے رائیٹ ایروس کے مزاج کے مطابق ان لوگوں سے بہت کم بات کی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ ریناجلال اکثر دس بجے آتی ہے اور ایک دو بجے واپس جاتی ہے۔ میں اس کا انتظار کرتا رہا اور اپنے سامنے میز کے گرد بیٹھے ہوئے کھلاڑیوں میں سے کسی کو جتاتا اور کسی کو ہراتا رہا۔ قارئین جانتے ہیں کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے کس طرح اپنے مقابل کھلاڑیوں کے دماغوں میں پہنچ کر ان کے پتے معلوم کر سکتا ہوں میں نے وہی چالیں چلیں اور کامیابی سے کھیلتا اور کھلاتا رہا۔ رات کا ایک بج گیا لیکن رینا نہیں آئی۔

میں نے کھیل کے دوران ماسٹر نیومین سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو ماسٹر! میں یہاں رائیٹ ایروس کے روپ میں جوا کھیل رہا ہوں لیکن جس کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا وہ ابھی تک نہیں آئی۔"

"جناب کل رات وہ بھاری رقم ہار چکی ہے۔ ابھی اس کا ماتم کر رہی ہوگی۔ شاید ایک دو روز کے بعد آئے۔ ویسے میں معلومات حاصل کر کے تھوڑی دیر بعد آپ کو بتاؤں گا۔ آپ کسی وقت بھی مجھ سے رابطہ قائم کر لیں۔"

بیس منٹ کے بعد میری ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ جس میز پر میں کھلا رہا تھا۔ وہاں دوسرا کروپیئر آ گیا۔ میں کیسینو سے نکل کر کار میں جا بیٹھا۔ میرا اسسٹنٹ میرے ساتھ موجود تھا وہ ڈرائیونگ کرنے لگا۔ اس وقت اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ جلال بیگ نے رینا پر پابندی لگا دی ہوگی۔ ابھی وہ رینا کو کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دے گا اور نہ ہی رینا کے بنگلے میں کسی کو آنے کا موقع دے گا۔ ایسی صورت میں ماسٹر نیومین وہاں اپنے آدمیوں کو بھیجے گا تو وہ جلال بیگ کے آدمیوں کی نظروں میں آ جائیں گے اور اس کا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ رینا کے ذریعے اسے ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

میں نے فوراً ہی ماسٹر نیومین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو اس کی ذہانت پر بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے اپنے کسی آدمی کو اس کام پر مامور کرنے کے بجائے دو آدمیوں کے ساتھ ایک تربیت یافتہ کتے کو رینا کے بنگلے کی طرف روانہ کیا تھا کتے کے گلے میں جو پٹہ بندھا ہوا تھا اس میں ایک طاقتور ٹرانسمیٹر کا ریلے پوشیدہ تھا۔ وہ ریسیور صرف آواز کو گرفت میں لے کر دوسرے ٹرانسمیٹر کی طرف نشر کرتا تھا اور دوسرا ٹرانسمیٹر ماسٹر نیومین کے سامنے رکھا ہوا تھا۔

میں نے ماسٹر کو مخاطب کیا، اس نے کہا "جناب میں بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے ایک کتے کو رینا کے بنگلے کی طرف روانہ کیا ہے۔ میرے آدمی کتے کو بنگلے سے ذرا دور چھوڑ دیں گے اور بنگلے کی نشاندہی کر دیں گے۔ کتا کسی طرح بھی بنگلے کے اندر داخل ہو جائے گا۔ اگر وہاں رینا ہو گی تو یقیناً کتے کو دیکھ کر کچھ کہے گی اور معلوم کرنا چاہے گی کہ یہ کتا کس کا ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ میں رینا کی آواز اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے سن لوں گا اور آپ وہ آواز میرے دماغ کے ذریعے سن کر رینا کا لب و لہجہ ذہن نشین کر لیں گے۔ میرے خیال سے یہ بہترین طریقہ ہے۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "ماسٹر! آپ کی ذہانت کا جواب نہیں ہے۔ میں آپ کے دماغ میں موجود رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں دماغی طور پر کار میں واپس آیا اور اسسٹنٹ سے کہا "میں اس وقت مصروف ہوں، تم ڈرائیو کرو۔ اگر کہیں رکنا ضروری ہوا تو ایسی جگہ رکنا جہاں کوئی مخاطب نہ کرے اور نہ ہی تم مجھے مخاطب کرنا۔"

اسے ہدایات دے کر میں پھر ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی ٹرانسمیٹر سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کوئی شخص کہہ رہا تھا "ارے دیکھو یہ کتا کہاں سے آ گیا ہے۔"

ایک دوسری آواز سنائی دی "یہ تو ہماری طرف ہی آ رہا ہے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر پہلے والی آواز ابھری "یہ دم ہلا کر محبت کا اظہار کر رہا ہے۔"

اس وقت تک میں ان دونوں کے دماغ میں پہنچ گیا تھا جو رینا کے بنگلے کے احاطے میں پہریدار کی حیثیت سے موجود تھے۔ یقیناً وہ جلال بیگ کے آدمی تھے۔ ان کے دماغ سے میں نے یہ معلوم کر لیا کہ رینا پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ وہ بنگلے سے باہر نہیں جا سکتی اور نہ ہی کسی اجنبی سے بات کر سکتی ہے۔

اس وقت کتا ان کے سامنے شرارتیں کر رہا تھا۔ وہ بنگلے کے دروازے تک دوڑتا ہوا جاتا تھا۔ دستک دینے کے انداز میں اپنا اگلا پاؤں اٹھا کر دروازے پر مارتا تھا پھر ان کے پاس واپس آ جاتا تھا وہ لوگ اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ میں نے ایک کے دماغ میں کہا "شاید یہ بھوکا پیاسا ہے۔"

اس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا "بھوکا ہے تو کیا کیا جائے۔ اب ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ ہم اتنی رات کو میڈم سے دروازہ کھلوا کر اس کتے کو کھانا کھلائیں۔"

اسی وقت اندر سے بہت ہی ہلکی نسوانی آواز سنائی دی۔

"دروازے پر کون ہے؟" یہ آواز رینا کی تھی۔

وہ ابھی تک جاگ رہی تھی اور دروازے کے پیچھے کسی کمرے میں موجود تھی۔ اس کی آواز بہت ہی دھیمی اور ناقابل گرفت تھی۔ اس آواز کو دوبارہ سننے کے لیے میں اس شخص کے دماغ میں موجود رہا۔ وہ شخص دروازے کے قریب پہنچ کر بولا۔

"میڈم! ایک کتا کہیں سے آ گیا ہے اور دروازے کے پاس ایسی حرکتیں کر رہا ہے جیسے دستک دے رہا ہو۔ بڑے عجیب تماشے دکھا رہا ہے۔"

"واقعی؟" اندر سے آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ میں اس آدمی کے دماغ سے سمجھ رہا تھا کہ رینا کھلے ہوئے دروازے میں کھڑی کتے کو دیکھ رہی تھی۔ کتا بڑا ہی تربیت یافتہ تھا۔ وہ کبھی پچھلی دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر چلنے لگتا اور کبھی الٹی قلا بازیاں کھانے لگتا۔ رینا نے ہنستے ہوئے کہا "واقعی یہ تو بہت ہی دلچسپ حرکتیں کر رہا ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟ کس کا ہے یہ؟"

میں نے رینا کے دماغ میں جگہ بنا لی۔ کتا اس کی طرف منہ اٹھا کر بھونک رہا تھا۔ وہ بولی "ارے یہ تو میری طرف دیکھ کر اس طرح بھونک رہا ہے جیسے اس کی مجھ سے کوئی دشمنی ہو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کتے نے اپنی اگلی دونوں ٹانگوں کو موڑ کر سر جھکا لیا اور دم ہلانے لگا۔ رینا نے مسکرا کر کہا "کمال ہے۔ ابھی بھونک رہا تھا، اب دم ہلا رہا ہے۔ اسے پکڑ کر اندر لے آؤ۔"

کتا اچھل کر دور چلا گیا۔ جیسے اس نے سن کر سمجھ لیا ہو۔ دونوں پہریدار اس کی طرف لپکے۔ کتا ان سے دور دور بھاگنے لگا۔ وہ دونوں اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جلد ہی وہ بنگلے کے احاطے کو پار کر کے کہیں غائب ہو گیا۔ رینا نے آواز دے کر کہا۔ "چھوڑو جانے دو۔ دوبارہ آئے تو پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے ماسٹر نیومین کے پاس پہنچ کر کہا "ماسٹر! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں رینا کے دماغ میں پہنچ چکا ہوں۔ آپ کے کتے نے میرے لیے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ انشاء اللہ میں جلد ہی جلال بیگ تک بھی پہنچ جاؤں گا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

میں دماغی طور پر گاڑی میں حاضر ہو گیا۔ رائیٹ ایروس کا اسسٹنٹ کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں نے کہا "مجھے رائیٹ کی رہائش گاہ تک پہنچا دو۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔"

اس نے آگے جا کر گاڑی دوسری سڑک پر موڑ دی۔ میں پھر رینا کے پاس پہنچ گیا۔ اب وہ اپنی خوابگاہ میں ایک ایزل کے سامنے کھڑی تھی۔ ایزل پر ایک نامکمل تصویر موجود تھی۔ وہ ایک اچھی آرٹسٹ تھی اور اس وقت اپنی یادداشت کے سہارے جلال بیگ کی تصویر بنا رہی تھی۔ سادے کینوس پر چہرے کا خاکہ بنا ہوا تھا۔ اب وہ اس خاکے میں رنگ بھرنا چاہتی تھی۔

میں بہت اطمینان سے اس کے دماغ کو کریدنے لگا۔ وہ جلال بیگ کی لاعلمی میں اس کی تصویر بنا رہی تھی۔ جلال بیگ نے بڑے پیار سے اسے سمجھایا تھا "رینی! اگر تم چاہتی ہو کہ فرہاد کبھی میرے دماغ تک نہ پہنچے اور میں تمہارے لیے زندہ سلامت رہوں تو مجھ سے میری تصویر کا مطالبہ نہ کرنا۔"

رینی نے اس کے گلے کا ہار بنتے ہوئے کہا تھا "جب تم نہیں ہوتے ہو تو میں اداس ہو جاتی ہوں۔ تنہائی میں وقت نہیں گزرتا تمہاری تصویر سامنے ہوگی تو دل بہلا رہے گا۔"

"تم کسی کام میں یا تفریح میں مصروف رہ کر بھی دل بہلا سکتی ہو۔ ابھی تو تم صرف تصویر نہ ملنے پر اعتراض کر رہی ہو، آئندہ میں تمہیں اپنی آواز بھی نہیں سنا سکوں گا۔ کبھی تمہارے پاس آؤں گا بھی تو گونگا بنا رہوں گا۔ کوئی ضروری بات کہنا بھی ہوگی تو تحریر کے ذریعے کہوں گا۔"

اس بات کو تقریباً گیارہ ماہ گزر چکے تھے۔ اس وقت رینا گیارہ ماہ پہلے کی باتیں سوچ رہی تھی۔ اس کا دماغ بتا رہا تھا کہ اب جب بھی جلال بیگ آتا ہے تو خاموش رہتا ہے۔ ویسے اسے ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ

زیادہ سے زیادہ وقت گزارتا ہے۔ جہاں جاتا ہے اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ان دنوں وہ لندن آیا ہوا تھا اور رینا کو بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ یہاں سے کسی اور ملک کی طرف جائے گا تو رینا کو ساتھ لے کر جائے گا۔ وہ اس حسینہ کا دیوانہ تھا لیکن دیوانگی کے عالم میں بھی اسے اپنی آواز چھپانے کا ہوش رہتا تھا۔

میں نے رینا کی سوچ کے ذریعے سوال کیا "جانے اب وہ کب آئے گا؟"

جواب ملا "جب تک کوئی جگہ تبدیل نہیں ہوگی ملاقات نہیں ہوگی۔ دن کو کچھ لڑکیاں چندہ مانگنے آئی تھیں اور مجھے کسی نجومی پیران پریمی سے ملنے کا مشورہ دے گئی تھیں۔ اس واقعے سے جلال بیگ محتاط ہو گیا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ پیران پریمی سپر ماسٹر کا آدمی ہے اور یہ کوئی چال ہو سکتی ہے لہٰذا وہ لندن چھوڑ دے گا یا رہائشی جگہ تبدیل کر دے گا۔ اس کے بعد ہی میں اس سے مل سکوں گی۔"

اس کی سوچ پڑھ کر مجھے وقتی طور پر مایوسی ہوئی البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ آج رات جلال بیگ رینا سے نہیں ملے گا۔ ویسے میں رینا تک پہنچ ہی گیا تھا اب کسی وقت کسی دن جلال بیگ تک بھی پہنچ سکتا تھا۔

رائیٹ کے اسسٹنٹ نے مجھے اس کی رہائش گاہ تک پہنچا دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ ماسٹر نیو مین نے میرے لیے کچھ ریڈی میڈ لباس، ایک جوڑا جوتا اور دوسرا ضروری سامان وہاں پہنچا دیا تھا۔ میں اس پر ایک نظر ڈال کر بستر پر لیٹ گیا۔ صبح کے چار بج رہے تھے مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے پہلے مرجانہ اور ڈیئر جمال کی خیریت معلوم کی۔ وہ دونوں سو رہے تھے۔ پھر سونیا کی خیریت معلوم کی۔ اس وقت پاکستان میں دن کے نو بجے ہوں گے لیکن ابھی تک سونیا سو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ پچھلی رات کسی وجہ سے وہ جاگتی رہی تھی۔ میں نے رسونتی کی بھی خیریت معلوم کی۔ پھر ہر طرف سے مطمئن ہو کر چار گھنٹے کے لیے سو گیا۔

نیند کے دوران میں نے بند آنکھوں کے پیچھے ایک شخص کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا اور مسکراتے وقت اس کے دائیں طرف کے ہونٹ آپس میں مل گئے تھے جب کہ بائیں طرف ہونٹ الگ تھے۔ بڑی مکارانہ مسکراہٹ تھی۔ یہ مسکراہٹ صرف جلال بیگ کی ہی ہو سکتی تھی۔

میری آنکھ کھل گئی۔ چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ میں بستر پر چاروں شانے چت لیٹا ہوا چھت کو دیکھتے ہوئے ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جس شخص کو میں نے جلال بیگ کے انداز میں مسکراتے دیکھا تھا اس کی صورت کیسی تھی۔ ناک نقشہ کیسا تھا؟ ذہن پر کافی زور ڈالنے کے باوجود اس کا ناک نقشہ میرے ذہن میں واضح نہ ہو سکا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں ہم جسے دیکھتے ہیں جاگنے کے بعد اس کی صورت یاد نہیں رہتی۔ اس وقت میرے ساتھ یہی ہوا تھا۔

زندگی میں پہلی بار میں نے کسی دشمن کو خواب میں دیکھا تھا۔ وہ کمبخت میرے حواس پر چھا گیا تھا۔ ایسی بات نہیں تھی کہ میں اسے بہت ہی زبردست اور ناقابلِ شکست سمجھتا تھا۔ اس کی نمود آوری اسی وقت تک تھی جب تک وہ مجھ سے چھپا ہوا تھا جس دن بھی ہتھے چڑھ جاتا میں اسے ہتھے سے اکھاڑ دیتا۔

میں لیٹے ہی لیٹے رینا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سو رہی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ ذہن کو ٹٹول کر دیکھا۔ پتہ چلا کہ جلال بیگ اس کے پاس نہیں آیا۔ وہ صبح تک اس کا انتظار کرتی رہی تھی اور اب تھک ہار کر سو رہی تھی۔ میرے اور جلال بیگ کے درمیان آنکھ مچولی کا کھیل اب اختتام کے قریب تھا۔ وہ اپنے انجام سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کسی وقت بھی اپنے انجام کو پہنچ سکتا تھا۔

میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ابھی تک سو رہی تھی۔ میں چار گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔ اس کی نیند کو پانچ گھنٹے ہو رہے تھے پھر بھی میں نے اسے بیدار نہیں کیا۔ چپ چاپ اس کے دماغ سے گزشتہ رات کی مصروفیات کے بارے میں معلوم کرنے لگا۔ میں نے سونیا کو اس وقت چھوڑا تھا جب وہ سائرہ بانو کے ساتھ شاپنگ کے لیے انارکلی کی طرف جا رہی تھی۔ شاپنگ کے دوران ایک بڑے جنرل اسٹور میں بختاور سے ان کا سامنا ہو گیا۔ بختاور نے سائرہ بانو کو دیکھتے ہی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور عاجزی سے کہا "گو مجھے سلام کرنا چاہیے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہاتھ جوڑنے سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ میں تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ تم ایک عظیم عورت ہو۔"

سائرہ بانو نے ناگواری سے کہا "دیکھو بختاور! جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اب کبھی سامنا ہو تو کترا کر نکل جایا کرو، مجھے مخاطب نہ کیا کرو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم نے مجھے معاف کر کے مجھ پر اور میرے خاندان والوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

سونیا نے پوچھا "آنٹی! یہ کون صاحب ہیں؟"

سائرہ بانو نے پوری طرح سونیا سے اس کا تعارف کرا دیا۔

سونیا نے کہا "مرجانہ نے مجھے ان کے متعلق بتایا تھا۔ وہ فرصت کے اوقات میں مجھے آپ کے اور اپنے تمام حالات بتاتی رہتی تھی۔"

سونیا ایک دم سے چونک کر چپ ہو گئی۔ بختاور کو کچھ دیر توجہ سے دیکھنے کے بعد سائرہ بانو سے بولی "آنٹی! یہ تو شاہینہ کے سسر ہیں نا؟"

"ہاں بیٹی! افسوس تو اسی بات کا ہے فرہاد کی بہن اس کی بہو ہے۔"

"اوہ آنٹی! پھر تو میں شاہینہ سے ضرور ملوں گی۔"

بختاور نے خوش ہو کر کہا "بیٹی! خدا تمہیں خوش رکھے۔ تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ میں ابھی تمہیں شاہینہ کے پاس لے چلوں گا۔ وہ اپنے فرہاد بھائی جان کو بہت یاد کرتی ہے مگر تم کون ہو؟"

"میرا نام سونیا ہے۔"

"سونیا؟" بختاور نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا فرہاد والی سونیا؟"

سائرہ بانو نے کہا "ہاں! وہی سونیا، یوں سمجھو کہ تمہاری بہو شاہینہ کی بھابی ہے۔"

اس نے آگے بڑھ کر سونیا کے سامنے بھی ہاتھ جوڑ دیے۔ "بیٹی! تم بھی میری بہو ہو۔ میں اب تمہیں ضرور اپنے ہاں لے چلوں گا۔ دیکھو! انکار نہ کرنا۔ انکار کرو گی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا "نہیں انکل! شاہینہ آپ کی بہو ہے اور آپ ہر حال میں ہمارے لیے قابلِ احترام ہیں۔ ہم ضرور آپ کے ساتھ چلیں گے، کیوں آنٹی؟"

سائرہ بانو بختاور کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں، لیکن انہیں میرے اور شاہینہ کے رشتے کا بھی خیال تھا سونیا نے مجبور کیا تو وہ جانے کے لیے راضی ہو گئیں۔ بختاور نے اپنے ڈرائیور کو یہ ہدایت دے کر پہلے ہی روانہ کر دیا کہ وہ گھر جا کر معزز مہمانوں کی آمد کی اطلاع دے دے اور خود سائرہ بانو کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

سائرہ بانو کار ڈرائیو کر رہی تھیں۔ راستے میں بختاور نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "سائرہ! میں تمہاری شرافت اور اعلیٰ ظرفی کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے جب تم میرے منہ پر تھوک سکتی تھیں۔ میرا جوان بیٹا بھی مجھے اس ذلت سے نہیں بچا سکتا تھا۔ مرجانہ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ اس وقت اگر تم میرے منہ پر تھوک دیتیں تو میں زندہ نہ رہتا۔"

سونیا نے کہا "مرجانہ نے بتایا تھا کہ آنٹی نے آپ کو معاف کر دیا تھا۔"

بختاور نے سائرہ بانو کی طرف عقیدت سے دیکھتے ہوئے کہا "مجھے فرہاد کی ٹیلی پیتھی راہِ راست پر نہ لا سکی مگر سائرہ بانو کی ایک بات نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "بے شک اللہ تعالیٰ جس کے ذریعے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ میں نے تو اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ مجھ سے یہ ذلت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ میری بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ تب سائرہ نے مرجانہ سے کہا۔ بیٹی دیکھو اس کی بند آنکھوں کے پیچھے سے آنسو نہیں تھوک بہہ رہا ہے۔ جب ضمیر کسی انسان پر تھوکتا ہے تو اس کی آنکھوں سے ضمیر کی تھوکی ہوئی نفرت بہتی ہے۔ ہم نادان اسے آنسو سمجھتے ہیں۔"

سونیا نے تعریف کی "آنٹی! آپ نے واقعی بہت اچھی بات کہی تھی۔ ایسی باتیں دل میں اتر جایا کرتی ہیں۔"

بختاور نے کہا "ہاں بیٹے! وہ بات میرے دل میں ایسی اتری کہ میں سچ مچ انسان بن گیا ہوں۔ میں نے شراب چھوڑ دی ہے لوگوں سے بہت کم ملتا ہوں۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔ دینی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، اور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دے۔ مجھے امید ہے کہ جب سائرہ جیسی عظیم خاتون نے مجھے معاف کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دے گا۔"

سونیا نے کہا "کبھی کبھی ایک بدترین دشمن بھی بہترین دوست ثابت ہوتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ دشمن سے انتقام ہی لیا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی غلطیوں کا احساس دلا دیا جائے۔ اگر وہ شریف اور حساس ہوگا تو خود ہی شرمندہ ہو جائیگا۔"

بختاور کی کوٹھی میں موجود لوگ ان کے منتظر تھے۔ گاڑی کی آواز سن کر بیگم بختاور باہر آئیں مگر سائرہ بانو اور سونیا کو دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔ وہ انہیں پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے شوہر سے بولیں "میں سوچ رہی تھی۔ پتہ نہیں آپ کن مہمانوں کو لا رہے ہیں۔ کچھ بتایا تو ہوتا۔"

بختاور نے کہا "بیگم! ان سے ملو۔ یہ سائرہ بانو ہیں ہماری وہ محسنہ جنہوں نے گمراہی کے راستے سے ہٹا کر مجھے راہِ راست پر پہنچا دیا۔"

بیگم بختاور خوش ہو کر آگے بڑھیں اور سائرہ بانو کے گلے لگ کر بولیں "بہن! آپ نے تو کمال کر دیا۔ میں تیس برس تک انہیں سمجھاتی رہی۔ اپنی محبت اور اولاد کے مستقبل کا واسطہ دیتی رہی۔ خدا کا خوف دلاتی رہی لیکن یہ راہِ راست پر نہیں آئے۔ آپ نے ہمارے پورے خاندان کو تباہی سے بچا لیا ہے آیئے اندر تشریف لایئے۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے وہاں منصور

اور اس کی بہن سلمیٰ بیٹھی ہوئی تھی۔ سائرہ بانو کو دیکھتے ہی منصور اچھل کر کھڑا ہو گیا اور حیرانی سے بولا۔ "آپ... آپ ہمارے گھر آئی ہیں۔"

سائرہ بانو نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "تم میرے بیٹے ہو اب مجھے شرمندہ مت کرو۔ جو ہو چکا ہم اسے بھلا چکے ہیں۔"

اسی وقت شاہینہ بھی اپنے شوہر زبیر کے ساتھ وہاں آ گئی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ بیگم بختاور نے سائرہ بانو سے اس کا تعارف کرایا۔

"بیٹی شاہینہ! میں آج تمہارے لیے اتنا شاندار تحفہ لایا ہوں کہ تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ذرا پہچانو تو یہ کون ہیں؟" بختاور نے سونیا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

شاہینہ کے ساتھ دوسرے اہل خانہ بھی سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ شاہینہ نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

بختاور نے مسکرا کر کہا۔ "بیٹی! یہ تمہارے بھائی فرہاد کی سونیا یعنی تمہاری بھابی ہیں۔"

"سونیا!" بیک وقت سب کی زبان سے نکلا۔ وہ سبھی سونیا کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے خلافِ توقع کوئی پسندیدہ چیز ہاتھ آ گئی ہو اور اب اسے پا لینے کا یقین کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ شاہینہ سونیا کے پاس آئی۔ سونیا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ شاہینہ نے اس کے ہاتھ کو تھام کر اسے اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے بڑی محبت اور عقیدت سے پوچھا۔ "کیا سچ مچ یقین کر لوں کہ میں اپنے بھائی جان کی سونیا کو دیکھ رہی ہوں؟"

سونیا نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔ "ہاں! میں وہی سونیا ہوں۔"

شاہینہ ایک دم سے گلے لگ گئی۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "بھائی جان سے سامنا ہوا مگر میری آنکھیں انکی صورت نہیں دیکھ سکیں۔ وہ کسی طارق محمود کے روپ میں تھے۔ میں نے ان سے کہا تھا۔ وہ دن میری زندگی کا سب سے زیادہ پُر مسرت دن ہو گا جب میں اپنے بھائی جان کا اصل چہرہ دیکھوں گی اس روز ان کے سینے سے لگ کر مجھے باپ کی شفیق محبت اور ماں کی ممتا بھری آغوش کا سکون حاصل ہو سکے گا۔"

سونیا نے اسے بڑے پیار سے تھپکتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے۔ فرہاد نے ایک ماں کی طرح پرورش کی ہے اور ایک باپ کی طرح تمہیں زمانے کے سرد گرم سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ مبارک دن جلد ہی آئے گا جب تم اپنے بھائی جان کو ان کے اصلی چہرے کے ساتھ دیکھ سکو گی۔"

سلمیٰ بھی آ کر سونیا سے چپک گئی تھی، وہ بولی۔ "اللہ یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ ہمارے گھر میں آئی ہیں اور ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم نے آپ کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔"

وہ دونوں سونیا اور سائرہ بانو پر قربان ہو رہی تھیں، بے انتہا اپنائیت اور عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا۔ طرح طرح کے پُر تکلف اور لذیذ کھانے دستر خوان پر لگائے گئے۔ کھانے کے بعد سونیا اور سائرہ بانو نے جانے کی اجازت چاہی۔ شاہینہ نے کہا۔ "نہیں، ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ آج رات آپ ہمارے ہاں رہیں۔"

سائرہ بانو نے کہا۔ "ہماری رہائش یہیں قریب ہی ہے گھبراؤ نہیں، ہم کل صبح پھر آئیں گے۔"

شاہینہ نے سونیا کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "بھابی میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ آج میں تمام رات جاگتی رہوں گی۔ آپ کو بھی جگاؤں گی۔ آپ سے اپنے بھائی جان کے متعلق باتیں کروں گی۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "تم فرہاد کی بہن ہو، میں تمہاری بات نہیں ٹال سکتی۔ ٹھیک ہے آج رات میں تمہارے پاس رہوں گی۔"

منصور سائرہ بانو کو ان کی رہائش گاہ تک پہنچانے کے لیے چلا گیا۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے خوب دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہو سکا۔ رات گئے سلمیٰ اٹھ کر اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "بھابی! میں ابھی آتی ہوں۔"

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ زبیر نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ پھر ریسیور سونیا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "آپ کا فون ہے۔"

سونیا نے ریسیور ہاتھ میں لے کر کہا۔ "ہیلو، میں سونیا بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے کسی لڑکی نے کراہتے ہوئے کہا۔ "سونیا بھابی! میں سلمیٰ بول رہی ہوں۔"

سونیا نے حیرانی سے پوچھا۔ "سلمیٰ! کون سلمیٰ؟"

"میں شاہینہ بھابی کی نند سلمیٰ ہوں۔ مجھے کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا ہے۔"

"تم کہاں سے بول رہی ہو؟"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری کوٹھی کے پیچھے پانچویں گلی میں ای ایک سو تیرہ نمبر کی کوٹھی ہے۔ آپ وہاں آ جائیں۔ اگر نہیں آئیں گی تو یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

"سونیا بھابی! یہ کہتے ہیں کہ آپ کو تنہا آنا ہو گا۔ کوئی ساتھ ہو گا تو..."

سونیا نے کہا۔ "میں تنہا آؤں گی۔ اگر وہ میرے دشمن ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سونیا اپنے ساتھ فوج لے کر کبھی نہیں چلتی۔"

اس کے پاس بیٹھے ہوئے بختاور کے خاندان والے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ اس نے ریسیور رکھا تو زبیر نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ آپ کس سلمیٰ سے بات کر رہی تھیں؟"

سونیا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "کچھ لوگ تمہاری بہن کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"نہیں۔" زبیر چیخ مار کر اٹھا اور سلمیٰ کے بیڈ روم کی طرف دوڑا۔ اس کے پیچھے بیگم بختاور اور شاہینہ بھی تھیں۔ بیڈ روم خالی تھا۔ کمرے کا پچھلا دروازہ جو پائیں باغ کی طرف تھا، کھلا ہوا تھا اس کا مطلب یہی تھا کہ سلمیٰ اسی راستے سے لے جائی گئی ہے۔

منصور غصے سے تلملانے لگا۔ "یہ کس کی جرأت ہے کہ کون میری بہن کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

سونیا نے کہا۔ "زیادہ جوش میں مت آؤ۔ جوش میں آنے سے ہوش گم ہو جاتا ہے اور آدمی قاعدے سے کوئی کام نہیں کر پاتا۔ تم مجھے اپنی کوٹھی کے پیچھے پانچویں گلی تک پہنچا دو۔ وہاں ای۔ ایک سو تیرہ نمبر کوٹھی میں سلمیٰ موجود ہے لیکن تم میرے ساتھ کوٹھی میں نہیں جاؤ گے۔ دور سے کوٹھی دکھا کر واپس آ جاؤ گے۔ میں تمہاری بہن کو واپس لے آؤں گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری غیرت کا سوال ہے۔ میری بہن کو کچھ بدمعاش اٹھا کر لے گئے اور میں چپ چاپ گھر واپس آ جاؤں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"اگر نہیں ہو سکتا تو پھر جاؤ اور اپنی بہن کی لاش اٹھا کر لے آؤ۔"

بیگم بختاور نے چیخ کر کہا۔ "نہیں بیٹی! ایسا نہ کہو۔"

سونیا نے کہا۔ "آپ کے صاحبزادے یہی چاہتے ہیں اگر آپ اپنی بیٹی کو زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو منصور کو سمجھائیں۔"

شاہینہ، زبیر اور بیگم بختاور نے منصور کو سمجھایا کہ سلمیٰ کو واپس لانے کے لیے سونیا جا رہی ہے۔ پھر ڈرنے یا فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہر حال منصور کو مجبور ہونا پڑا۔ وہ سونیا کے ساتھ کوٹھی سے باہر آیا اور اسے پانچویں گلی کی مطلوبہ کوٹھی کے قریب پہنچا دیا۔ سونیا نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔ "تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ مجھ پر بھروسہ رکھنا اور اس کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا ورنہ سلمیٰ کے حق میں بُرا ہو گا۔ جاؤ واپس چلے جاؤ۔"

منصور نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ وہ شلوار کرتے اور دوپٹے میں ملبوس بالکل مشرقی لڑکی لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی خطرناک سونیا ہے جس کی ساری دنیا میں شہرت ہے۔

منصور سر جھکائے واپس چلا گیا۔ سونیا چھوٹی سی سڑک کو پار کر کے کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ کوٹھی تقریباً تین ہزار گز کے پلاٹ پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے چاروں طرف نیم تاریکی تھی۔ باہر کی بتیاں روشن نہیں تھیں۔ سونیا نے بڑی بے نیازی سے مین گیٹ پر لگے کال بیل کے بٹن کو دبا دیا۔ گھنٹی غالباً بنگلے کے دور افتادہ حصے میں لگائی گئی تھی کیونکہ بٹن پش کرنے کے بعد گھنٹی کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ ایک منٹ تک کوئی نہیں آیا۔ نہ ہی عمارت کے اندر کہیں روشنی نظر آئی۔ اس نے کال بیل کا بٹن مسلسل دبانا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد قدموں کی مدھم سی چاپ سنائی دی۔ کوئی ادھر آ رہا تھا۔ پھر بغیر آواز کے چھوٹا سا گیٹ کھل گیا۔ اس کے سامنے ایک ٹھگنے قد کا ادھیڑ عمر سیاہ فام شخص کھڑا تھا۔ سونیا نے پوچھا۔ "سلمیٰ کہاں ہے؟"

وہ چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مؤدبانہ انداز میں ایک طرف ہٹ کر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ کوٹھی کے احاطے میں چاروں طرف تاریکی تھی لیکن اس تاریکی میں بھی لمبے لمبے گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ وہ احاطے میں داخل ہو گئی۔

سیاہ فام شخص اس کے آگے آگے کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا۔ سونیا اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولی۔ "کیا کوٹھی میں بجلی نہیں ہے؟"

اس نے مڑ کر سونیا کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔ سونیا نے اس سے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ جو لوگ اسے اور فرہاد کو پہچانتے ہیں وہ اپنی زبان نہیں کھولتے ان کے سروں پر ٹیلی پیتھی کا بھوت سوار رہتا ہے۔ وہ آگے آگے مستعدی سے چلتا ہوا مختلف نیم تاریک راہداریوں سے گزر کر اسے ایک کمرے میں لے آیا۔ کمرہ روشن اور گرم تھا۔ یہ کسی کی خواب گاہ تھی جسے نہایت پُر تکلف انداز میں سجایا گیا تھا۔ فرش پر دبیز سبز قالین بچھا ہوا تھا۔ بند کھڑکیوں میں اسی رنگ کے پردے لٹک رہے تھے۔ سیاہ آبنوسی مسہری کے سائیڈ ٹیبل پر ایک سیاہ رنگ کی بلی

آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔
یہ بلی عام بلیوں سے جسامت میں کافی بڑی اور اتنی کالی تھی کہ نیم تاریکی میں نظر نہیں آسکتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کمرے کی ساری تاریکی سمٹ کر بلی کی شکل اختیار کر گئی ہو۔
کمرے کے ماحول میں ایک عجیب سی بھینی بھینی دلنواز اور جان لیوا قسم کی خوشبو مہک رہی تھی۔ اس طلسماتی ماحول میں پہلی بار سیاہ فام شخص کی آواز سنائی دی۔
"مادام سونیا! میں اس یقین کے ساتھ اپنی آواز سنا رہا ہوں کہ ہمارے درمیان اس وقت مسٹر فرہاد موجود نہیں ہیں۔ وہ ہوتے تو تمہیں یہاں نہ آنے دیتے۔ پہلے سلمٰی کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لیتے کہ ان کی لاڈلی بہن کی نند اس وقت کہاں اور کس حال میں ہے؟"
سونیا نے پوچھا "سلمٰی کہاں ہے؟"
کاش میں موجود ہوتا تو واقعی سلمٰی تک پہنچ چکا ہوتا۔ سیاہ فام نے کہا "میں مسٹر فرہاد کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر تم سے اس بلی کا تعارف کرا رہا ہوں۔ فی الحال تم سلمٰی کو بھول جاؤ۔"
"کیسے بھول جاؤں۔ میں اسے لینے آئی ہوں۔ مجھے بلیوں سے تعارف حاصل کرنے کا شوق نہیں ہے۔ تم سلمٰی کے متعلق بتاؤ۔"
"جب تک تم میری بات اطمینان سے نہیں سنو گی اس وقت تک تمہیں سلمٰی کا سایہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ وہ جہاں بھی ہے زندہ سلامت ہے۔ بخیریت ہے اور اس کی حفاظت کی جا رہی ہے۔"
سونیا اسے چپ چاپ گھورتی رہی۔ سیاہ فام شخص نے کہا "میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم نے ایک بلی سامی کو مسٹر فرہاد کے پاس دیکھا ہوگا۔ شاید فرہاد نے اس بلی کو اس خیال سے اپنے پاس رکھا ہو کہ وہ ان کی گمشدہ محبوبہ سامی ہو سکتی ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔ وہ بلی حقیقتاً مسٹر فرہاد کی دلنواز محبوبہ سامی تھی۔"
وہ چند ساعتوں کے لیے چپ ہوا پھر بولا "پہلے میں اس طویل القامت سیاہ بلی کا تعارف کرا دوں۔ یہ بھی بلی نہیں چمکیلی ہے۔"
"کون چمکیلی؟"
یہ چھمیا کی ایک سہیلی تھی۔ چھمیا اور چمکیلی نے ایک ہی گرو سے کالے جادو کا علم حاصل کیا تھا۔ جن دنوں چھمیا ہمیشہ جوان رہنے کے لیے حسین سامی کا جسم حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، ان دنوں چمکیلی اُتر پردیش میں تھی۔ یہ چھمیا اور سامی کے درمیان ہونے والی طویل جنگ سے لاعلم تھی۔ وہ جنگ دلچسپ بھی تھی اور عام لوگوں کے لیے ناقابلِ یقین بھی۔"
میں سونیا کو چھمیا اور سامی کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا تھا اس لیے اب وہ اس شخص کی باتوں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "اکثر لوگوں کا چونکہ کالے جادو سے واسطہ نہیں پڑتا اس لیے وہ طلسماتی واقعات کو بکواس سمجھتے ہیں جبکہ حقیقتاً کالے جادو کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ آج بھی یورپ اور افریقہ میں ایسے جادوگر موجود ہیں جن کے متعلق اخبارات میں طویل کالم شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان جادوگروں کے متعلق بہت سی معلوماتی دستاویزی فلمیں بھی بن چکی ہیں۔"
سونیا نے کہا "میں جانتی ہوں کالا جادو ایک ایسا بھیانک علم ہے جس کے ذریعے بڑے ہی وحشت ناک واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن تم چمکیلی کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔"
"میں کہہ رہا تھا، یہ چمکیلی ہے جو اس وقت بلی کے جسم میں قید ہے۔"
"قصہ کیا ہے؟"
"طویل قصہ ہے۔ میں مختصر طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ چھمیا مر چکی ہے۔ جب چمکیلی کو معلوم ہوا کہ سامی اس کی سہیلی چھمیا کی دشمن تھی تو وہ سامی کے پیچھے لگ گئی۔ اس نے کالے علم سے معلوم کر لیا کہ سامی ایک بلی کے جسم میں قید ہے اور اپنے محبوب کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔"
سونیا سوچتی ہوئی نظروں سے اس بلی کو دیکھنے لگی۔ وہ بولتا رہا۔ "کالے علم کے ذریعے چمکیلی کو معلوم ہوا کہ سامی تقریباً پانچ برس تک بلی کے جسم میں قید رہے گی۔ اس عرصے میں جادو کا اثر آہستہ آہستہ زائل ہو جائے گا۔ اس دوران اگر چمکیلی ایک خاص منتر کا جاپ کر کے کالے علم کے ان دیکھے بندھن سے سامی کو اپنے ساتھ باندھتی رہے تو بوڑھی چمکیلی کو سامی کا حسن و شباب مل جائے گا۔"
سونیا نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا "یعنی چھمیا کی طرح چمکیلی بھی جوان بننا چاہتی تھی؟"
"دنیا کی کون عورت سدا جوان نہیں رہنا چاہتی۔ چمکیلی بھی عورت ہی ہے لیکن یہ سامی کا پُرشباب جسم حاصل کرنے کی کوشش کرتے کرتے اس بلی کے جسم میں قید ہو گئی ہے۔"
"یہ بلی کیسے بن گئی؟ ایسا کیوں ہوا؟"
"یہ میں نہیں جانتا۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ یہ کالے جادو کی ہیرا پھیری ہے۔ چمکیلی کو پہلے ہی علم ہو گیا تھا کہ جس کالے منتر سے وہ سامی کے ساتھ بندھ رہی ہے اس کے نتیجے میں جس وقت سامی بلی کے جسم سے آزاد ہو کر ایک حسین دوشیزہ کے روپ میں آئے گی اسی لمحے چمکیلی کسی بلی کے جسم میں قید ہو جائے گی۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہی سونیا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ وہ ہنستے ہوئے بولی "واہ، کیا شاندار کہانی ہے۔ بچوں کے لیے بہت دلچسپ ہے۔ پہلے سامی بلی کے جسم میں قید تھی۔ اب چمکیلی

بلی کے جسم میں قید ہو گئی اور سامی جو بلی بنی ہوئی تھی کسی حسین دوشیزہ کے روپ میں آ گئی۔ کیا بے وقوف بنانے والی باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم مجھے اتنا ہی ضعیف الاعتقاد سمجھتے ہو کہ میں ان باتوں پر یقین کروں گی۔ بے شک کالا جادو ایک علم ہے لیکن ایسا ہیرا پھیری والا علم میں نے نہ تو سنا نہ کبھی دیکھا۔"
وہ کہتے کہتے اچانک چپ ہو گئی۔ یک بیک اسے خیال آیا کہ سات ماہ پہلے فرہاد کی ہدایت پر پیرس کے ماسٹر کے ذریعے سامی کو تلاش کیا گیا تھا، لیکن وہ کہیں گم ہو گئی تھی۔ تلاش بسیار کے باوجود کہیں نظر نہیں آئی۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا تھا کہ واقعی سامی بلی کا جسم چھوڑ کر کسی حسین دوشیزہ کی شکل اختیار کر چکی ہے جبکہ چمکیلی سیاہ بلی کے جسم میں قید اس کے سامنے بیٹھی ہے۔
سیاہ فام شخص نے سونیا سے پوچھا "کیا سوچ رہی ہو۔ کیا تمہیں یقین نہیں آیا کہ سامی نے بلی کا جسم چھوڑ دیا ہے اور اب وہ فرہاد کے پاس ہو گی یا اسے تلاش کر رہی ہو گی۔ کیا تم اس کے متعلق ہمیں کچھ بتا سکتی ہو؟"
"مجھے کچھ نہیں معلوم۔ ہم نے اسے تقریباً آٹھ، نو ماہ پہلے پیرس میں چھوڑا تھا اور خود ایک جنگل میں پھنس گئے تھے۔ واپس آ کر اسے تلاش کیا تو وہ غائب ہو چکی تھی۔"
اس نے سر ہلا کر کہا "یقیناً جادو کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ وہ بلی کے جسم میں قید نہیں رہ سکتی تھی اس لیے آزاد ہو چکی ہے۔ فرہاد سے رابطہ قائم ہو تو اس کے بارے میں معلوم کرنا۔"
"میں اس سے ضرور معلوم کروں گی، لیکن تم مجھے کن معاملات میں الجھا رہے ہو۔ سلمٰی کہاں ہے، مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتاتے؟"
وہ ہنستے ہوئے بولا "سلمٰی تو اپنے بیڈ روم میں ہی ہے، اور اپنے پلنگ کے نیچے بیہوش پڑی ہے۔ ہم نے ایک انجکشن کے ذریعے بیہوش کر کے اسے پلنگ کے نیچے چھپا دیا تھا۔"
بستر کے ایک سائیڈ ٹیبل پر چمکیلی بیٹھی سونیا کو گھور رہی تھی۔ دوسرے سائیڈ ٹیبل پر ٹیلیفون رکھا تھا۔ سونیا نے تیزی سے ٹیلیفون اٹھا کر سیاہ فام شخص سے پوچھا "تم نے کس نمبر پر بختاور صاحب کے گھر فون کیا تھا؟"
اس کے بتانے پر سونیا نے فوراً نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر آواز آئی "ہیلو، میں زبیر بول رہا ہوں۔"
"زبیر میں سونیا ہوں۔ فوراً سلمٰی کے بیڈ روم میں جاؤ اور پلنگ کے نیچے دیکھو۔ وہ موجود ہو تو مجھے بتاؤ۔"
دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ آواز سنائی دی "ہاں سلمٰی وہاں بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ اسے کس نے بے ہوش کیا ہے؟"
"میں آ کر بتاؤں گی۔ وہ خود بخود ہوش میں آ جائے گی یا مناسب سمجھو تو کسی ڈاکٹر کو بلا کر اس سے مشورہ لے لو اور منصور کو اس طرف نہ آنے دینا۔"
"منصور ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے آس پاس ہی موجود ہے کوئی بات نہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گی۔"
وہ ریسیور رکھ کر سیاہ فام کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"
"ہمیں فرہاد کا پتہ چاہیے کیونکہ سامی اس کے پاس پہنچ چکی ہو گی یا پہنچنے والی ہو گی۔ میں چمکیلی کو بھی وہاں لے جانا چاہتا ہوں۔"
"میں نہیں جانتی، فرہاد کہاں ہے۔ جب اسے ضرورت ہوتی ہے وہ مجھ سے دماغی رابطہ قائم کر لیتا ہے۔ اس کے بعد گم ہو جاتا ہے۔"
سیاہ فام نے کہا "دوسری بات یہ کہ ایک پارٹی ہمیں بھارت سے یہاں لائی ہے۔ وہ لوگ ہماری ضروریات کا ہر طرح خیال رکھتے اور ہمیں تمام سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ہمیں فرہاد اور سامی تک بھی پہنچا دیں گے۔"
سونیا نے پوچھا "وہ کون لوگ ہیں اور تم دونوں پر اس قدر مہربانی کی وجہ کیا ہے؟"
"وہ ہمارے ذریعے تم سے ایک کام لینا چاہتے ہیں۔ تمہیں اس ملک میں کسی فائل کی حفاظت کے لیے آر۔ ایم۔ او کا عہدہ دیا گیا ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں وہ فائل تم سے حاصل کر کے ان کے پاس پہنچا دوں گا۔"
سونیا نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا "تم یہ بات اتنے اعتماد سے شاید یہ سمجھے بغیر کہہ رہے ہو کہ تمہارے سامنے سونیا ہے اور سونیا کے پیچھے فرہاد موجود رہتا ہے۔ تو جیسے وہ فائل حاصل کر کے اپنے لوگوں تک پہنچا دو۔"
سیاہ فام نے مسکرا کر چمکیلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیوں چمکیلی! وہ فائل کیسے حاصل ہو گا ذرا سونیا کو بتا دو۔"
اس کی بات سنتے ہی چمکیلی سائیڈ ٹیبل پر سے اچھل کر قالین پر آ گئی۔ پھر باتھ روم کے دروازے کے پاس جا کر میاؤں میاؤں کی آوازیں نکالنے لگی۔ سیاہ فام نے کہا "سونیا! باتھ روم کے دروازے کی طرف غور سے دیکھتی رہو۔ دروازہ کھلے گا تو چمکیلی کا وہ چیلا باہر آئے گا جو موت کی طرح نادیدہ ہے۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا مگر وہ اپنے شکار کو دیکھ کر اس کا گلا گھونٹ

کرمار ڈالتا ہے وہ دیکھو وہ آرہا ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی باتھ روم کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا جیسے کوئی دروازہ کھول کر باہر آرہا ہو۔ سیاہ فام کی آواز سنائی دی "ایسے وہ نظر نہیں آئے گا۔ اس دبیز قالین کو دیکھو۔ تمہیں اس کے قدموں کے نشان نظر آئیں گے۔"

سونیا نے کمرے کی تیز روشنی میں قالین کی طرف دیکھا۔ باتھ روم کے دروازے کے پاس ایک جگہ قالین یوں دبا ہوا تھا جیسے کوئی وہاں کھڑا ہوا ہو۔ پھر وہ حصہ ہموار ہو گیا۔ اسکے ایک قدم آگے قالین پھر دب گیا۔ کوئی بہت آہستہ آہستہ قدم بہ قدم سونیا کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔

کمرے کے ہولناک سناٹے میں چھپکلی کی غراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ قالین پر جہاں قدموں کے نشان نظر آتے تھے چھپکلی اس جگہ کو سونگھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ گویا اپنے نادیدہ چیلے کے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔ قالین پر بننے والے نشانات سونیا کے سامنے دو قدم کے فاصلے پر آکر رک گئے۔ پیچھے تمام قالین ہموار ہو چکا تھا صرف دو قدم کے فاصلے پر دو نشان یوں نظر آرہے تھے جیسے کوئی سونیا کے روبرو کھڑا ہوا ہو۔

پھر طویل خاموشی ٹوٹ گئی۔ کمرے کی محدود فضا میں کسی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری "ہیلو سونیا! مجھے افسوس ہے کہ تم مجھ سے مصافحہ نہیں کرسکو گی، کیونکہ میں ناقابلِ گرفت ہوں۔ تم ہاتھ بڑھا کر مجھے چھونا چاہو گی تو صرف ہوا میں ہاتھ لہرا کر رہ جاؤ گی۔ میرا کوئی ٹھوس وجود نہیں ہے۔"

سونیا بڑی توجہ سے سن رہی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس خالی جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں کسی کی موجودگی محسوس ہو رہی تھی۔ کسی نے پوچھا "کیوں سونیا! تمہاری دلیری، چالاکی اور حاضر دماغی کیا ہوگئی۔ کیا تم گونگی ہوگئی ہو؟"

سونیا نے اچانک مسکرا کر کہا "نہیں، میں سوچ رہی تھی کہ اگر تمہارا کوئی ٹھوس وجود نہیں ہے تو قالین تمہارے قدموں کے بوجھ سے کیوں دب رہا ہے؟"

"بہت خوب! خاصی ذہین ہو، مگر طلسم کو نہیں سمجھ سکتیں کالے علم سے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ انسانی عقل کی پہنچ سے بہت دور ہوتے ہیں۔ یہی دیکھ لو کہ میرا کوئی وجود نہیں ہے، میرا کوئی وزن نہیں ہے مگر اس قالین پر کالے علم کا بوجھ پڑ رہا ہے۔"

سونیا نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا۔ میں تمہیں چھو کر دیکھوں گی۔"

"بے شک آگے بڑھو۔"

سونیا آگے بڑھی اور ہاتھ لہرا کر اس جگہ جہاں قالین پر دو قدموں کا بوجھ نظر آرہا تھا، ٹٹولنے لگی۔ پھر وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "واقعی، تمہارا کوئی وجود نہیں ہے۔ اچھا بتاؤ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

سونیا نے مسکرا کر پوچھا "کیا میں سہمی ہوئی نظر آرہی ہوں۔ تم سے تو بچے ہی ڈر سکتے ہیں۔"

جواب میں ہنسی سنائی دی۔ پھر کسی نے کہا "باہر ایک نوجوان کھڑا ہوا تھا اور اس کوٹھی میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بھی ڈرنا نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہے۔"

سونیا نے چونک کر پوچھا "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جو تمہارے ساتھ کوٹھی سے یہاں تک آیا تھا۔ چونکہ وہ تمہارا آدمی ہے اس لیے میں نے اس کی جان نہیں لی۔ صرف گلا گھونٹ کر بے ہوش کر دیا ہے۔ تم یہاں سے واپس جاؤ گی تو وہ کوٹھی کے بیرونی برآمدے میں پڑا ہوا نظر آئے گا۔ اسے اٹھا کر لے جانا۔"

سونیا نظریں جھکا کر پھر قالین کے اس حصے کو دیکھنے لگی۔ اس نادیدہ شخص نے کہا "سونیا! اب بھی میں دوستانہ ماحول میں باتیں کر رہا ہوں۔ میری باتیں توجہ سے سنو۔ کل تم ایک اچھی دوست کی طرح یہاں سے اسلام آباد واپس جاؤ۔

تمہارے لیے ریکارڈ روم کے دروازے کھلے رہتے ہیں تم سیکرٹ فائل کی ایک مائیکرو فلم تیار کر کے اپنی رہائش گاہ لے آؤ۔ میں اسی طرح تمہارے پاس پہنچ کر وہ فلم تم سے لے لوں گا۔ کوئی مجھے دیکھ نہیں سکے گا۔ صرف تم میری آواز سن سکو گی۔"

"اگر میں ایسا نہ کروں تو؟"

"آج میں نے اس نوجوان کو صرف بیہوش کر کے ایک نمونہ پیش کیا ہے۔ تم میرا مطالبہ پورا کرنے کے لیے اسلام آباد نہیں جاؤ گی تو فرہاد کی بہن شاہینہ کی حفاظت کے لیے جتنے ذرائع استعمال کر سکتی ہو، جتنے پہرے بٹھا سکتی ہو، جتنے دروازے بند کر سکتی ہو، سب کر کے دیکھ لینا۔ کل رات کو ٹھیک بارہ بجے میں شاہینہ کا گلا گھونٹنے آؤں گا۔ کل رات بارہ بجے کے بعد فرہاد کی بہن کی زندگی کا انحصار تمہارے فیصلے پر ہے۔ اب میں جا رہا ہوں۔ کل ملاقات ہوگی۔ رات کے بارہ بجے . . ."

سونیا سر جھکائے قالین کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جانے

سے پہلے کہا تو قدموں کا دباؤ ختم ہوگیا اور واپس جاتے ہوئے قدموں کے نشانات نظر آنے لگے۔

سونیا کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ وہ بہت توجہ سے قالین کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ کسی کے واپس جاتے وقت ٹھیک اسی جگہ قدم نہیں پڑتے جہاں قدم رکھتا وہ آیا ہو، مگر اسکے قدم ٹھیک اسی جگہ پڑتے نظر آرہے ہیں جہاں آتے وقت نظر آئے تھے۔

سونیا نے ہاتھ اٹھا کر کہا "رک جاؤ، میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

بڑھتے ہوئے قدموں کے نشانات اسی جگہ رک گئے جیسے وہ سونیا کی باتیں سننے کے لیے رک گیا ہو۔ سونیا نے کہا "واپس آکر ذرا میری بات سن لو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی "میں یہاں سے سن رہا ہوں۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا "شاید تم میرے قریب دوبارہ نہیں آسکو گے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ دیکھو میں آرہا ہوں۔"

وہ پھر قالین کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ قدموں کے نشانات ٹھیک اسی جگہ پڑتے ہیں جہاں پہلے نظر آرہے تھے۔ وہ نادیدہ شخص قالین پر ادھر سے ادھر ایک انچ بھی ہٹ کر قدم نہیں رکھتا تھا۔ اس کے قدم رکھنے کی جگہ مخصوص تھی۔

سونیا نے نظریں اٹھا کر سیاہ فام شخص کو دیکھا اور اچانک ہی الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ ہاتھ اتنا زبردست تھا کہ اس کی ناک کے ایک نتھنے سے لہو بہنے لگا تھا۔ اس نے ناگواری سے کہا "الو کے پٹھے! تم مجھ پر نفسیاتی حربے استعمال کر رہے ہو۔ پہلے تم نے میرے دماغ میں یہ بات بٹھائی کہ یہ بلی نہیں ہے کوئی جادوگرنی ہے جس کا نام چھپکلی ہے۔ پھر تم نے سامی کا حوالہ دیا جو فرہاد کے پاس ہے۔ تم نے مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سامی بلی کے جسم سے آزاد ہو چکی ہے اور اس کے نتیجے میں چھپکلی بلی کے جسم میں قید ہو گئی ہے۔ تم نے یہ جادوئی قصے چھیڑ کر یہاں ایک طلسمی فضا پیدا کی، اس کے بعد اس نادیدہ شخص کو لے آئے۔ ذرا اپنے اس نادیدہ الو سے کہو کہ یہ میرا گلا گھونٹ کر مجھے مار ڈالے۔"

اچانک کمرے میں قہقہے گونجنے لگے۔ وہ نادیدہ شخص کہہ رہا تھا "سونیا! تم موت کو للکار رہی ہو۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ میں کل رات بارہ بجے آؤں گا۔ مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں ابھی تمہارا گلا نہیں گھونٹ سکتا کیونکہ مجھے اس فائل کی مائیکرو فلم چاہیے۔ نہ ملی تو کل آدھی رات کو اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔"

"تم لوگ میرے دل میں یہی وحشت طاری کرنا چاہتے تھے اور مجھے قائل کرنا چاہتے تھے کہ میں ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں مگر ایسی نادیدہ شیطانی قوت سے نہیں لڑ سکتی۔ اگر میں مائیکرو فلم لے کر نہیں آؤں گی تو فرہاد کی بہن ماری جائے گی۔ اگر مجھ میں حاضر دماغی نہ ہوتی تو تم لوگوں کی یہ چال بڑی حد تک کامیاب ہو جاتی۔"

آواز آئی "کیا تم اسے ہماری چال سمجھتی ہو۔ کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ یہ کالے جادو کا عمل ہے؟"

"بکواس مت کرو۔ تمہاری آواز میرے سامنے سے نہیں آرہی ہے بلکہ کمرے میں گونج رہی ہے۔ اگر تم سامنے موجود ہوتے تو آواز کی سمت کا آسانی سے تعین کر لیتی۔ قالین پر قدموں کے نشانات بنانا بھی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جہاں جہاں قدموں کے نشانات کی طرح دباؤ پڑتا ہے وہاں قالین کے نیچے خلا ہے اور ایئر کمپریشر کے ذریعے جب اس خلا کی ہوا کھینچی جاتی ہے تو قالین اندر کی طرف دب جاتا ہے۔ باتھ روم سے یہاں تک . . ."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک کمرے میں تاریکی چھا گئی اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بلی کی غراہٹ بھی سنائی دی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ایک دم سناٹا چھا گیا۔ اندھیرا ہوتے ہی سونیا نے اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔ اس بات کا خدشہ تھا کہ تاریکی میں کوئی حملہ نہ کر دے۔

وہ ٹٹولتے ہوئے ایک دیوار سے جا کر ٹک گئی تھی۔ وہ دروازے کی طرف جانا چاہتی تھی۔ اسی وقت میاؤں کی آواز سنائی دی۔ سونیا نے آواز کی سمت دیکھا سامنے دیوار کے پاس دو بڑی بڑی سی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ایک بار پھر میاؤں کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وہ طویل القامت بلی نظر آنے لگی۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ کمرے کی گہری تاریکی میں بھی وہ صاف نظر آرہی تھی۔ وہ کمرے کے فرش سے تقریباً دو فٹ بلند فضا میں معلق تھی۔ پھر چھن چھن کی ایسی آواز آنے لگی جیسے کوئی لڑکی پازیب پہن کر چل رہی ہو۔

سونیا حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کوئی جاندار فرش سے دو فٹ اوپر معلق رہ کر چل سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروجیکشن کے ذریعے کوئی فلم چل رہی ہو، لیکن بلی تو پہلے سے ہی کمرے میں موجود تھی۔ تاریک کمرے کی خاموشی میں کسی عورت کی ہنسی سنائی دی۔

سونیا نے حیرانی سے پلکیں جھپکا جھپکا کر دیکھا۔ طویل القامت بلی دھوئیں میں تبدیل ہو رہی تھی۔ دھواں اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا اور پھر وہ ایک انسان کے قد کی بلندی تک پہنچ کر رک گیا۔ ہنسی کی آواز برابر آ رہی تھی۔ پھر اس دھوئیں سے دو بوڑھے ہاتھ نمودار ہوئے جن میں چوڑیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک نسوانی آواز ابھری: "اچھا تو تم جادو کو فریب سمجھتی ہو۔ تم سمجھتی ہو تمہارے ساتھ کوئی چال چلی جا رہی ہے۔ دیکھو، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو میں وہی چھکیلی ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے بلی کے جسم سے آزاد ہو کر تمہیں اپنا آپ دکھا رہی ہوں۔ غور سے دیکھو۔"

سونیا غور سے دیکھ رہی تھی۔ دھواں رفتہ رفتہ ایک بوڑھی عورت کے سراپا میں تبدیل ہو گیا تھا جو سرخ گھاگھرے اور چولی کے ساتھ سرخ ہی چنری اوڑھے ہوئے تھی۔ ناک میں نتھ، گلے میں سونے کا ہار، کانوں میں سونے کے جھمکے تھے اور کمر کے گرد ایک چاندی کی پیٹی بندھی ہوئی تھی۔ پاؤں میں چاندی کی پازیب تھیں اور ماتھے پر جھومر سجا ہوا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک زیورات سے لدی ہوئی تھی۔

سونیا نے تن کر کہا: "اگر تم چھکیلی ہو تو آؤ مجھ سے ہاتھ ملاؤ۔"

جواب میں چھکیلی کا وجود تھرتھرانے لگا۔ پھر سونیا نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس کے وجود سے ایک اور چھکیلی نمودار ہوئی۔ پھر دوسری، تیسری، چوتھی۔ ایک کے اندر سے دوسری نکلتی چلی آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: "میں نے تمہاری دلیری کی داستانیں بہت سنی ہیں مگر افسوس میرے پاس کوئی جسم نہیں ہے کہ میں تم سے ہاتھ ملا سکوں۔ میں تو بس دھواں ہوں۔ ابھی تمہارے سامنے پھر دھواں بن کر بلی کے جسم میں سما جاؤں گی۔ اگر تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے اور تم مجھ سے ہاتھ ملانا چاہتی ہو تو مجھے سامی تک پہنچا دو۔ میں اس کے لہو سے غسل کر کے تمہاری آنکھوں کے سامنے مجسم ہو جاؤں گی میں ساری زندگی تمہارے ساتھ رہوں گی کیونکہ تمہارے ساتھ فرہاد رہتا ہے اور فرہاد مجھے بہت پسند ہے۔ میں کسی نوجوان دوشیزہ کا روپ اختیار کرتے ہی سب سے پہلے فرہاد کو اپنانا چاہتی ہوں۔ اس اعتبار سے تم مجھے اپنی سوتن بھی سمجھ سکتی ہو۔" وہ پھر چڑیلوں کی طرح ہنسنے لگی: "دیکھو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

سونیا نے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک ننھا سا پتلا تھا۔ وہ بولی: "یہ شاہینہ کا پتلا ہے۔ میں اس کے جس حصے میں سوئی چبھوؤں گی، شاہینہ اپنے جسم کے اسی حصے میں چبھن محسوس کرے گی۔ جب تک میں اس پتلے کے جسم سے سوئی نہیں نکالوں گی اسے آرام نہیں آئے گا۔ تم نے ہمارے کالے علم کو فریب سمجھا تھا یہ لو، میں ایک سوئی چبھو رہی ہوں۔ یہ ٹھیک اس پتلے کے بائیں شانے پہ ہے۔ اب تم جا کر دیکھ لینا۔ شاہینہ اس کی تکلیف
تڑپ رہی ہو گی۔ کل آدھی رات تک وہ مائیکرو فلم نہیں
پتلے کے جسم میں جگہ جگہ سوئیاں چبھو دی جائیں گی اور شاہینہ
تڑپنے کا منظر تم برداشت نہ کر سکو گی۔ اب میں جا رہی ہوں

وہ دھوئیں میں تبدیل ہونے لگی۔ سونیا نے جلدی سے کہا: "ٹھہرو، ایک بات کا جواب دیتی جاؤ۔ جب تمہارے
پاؤں نہیں ہیں جب تم بلی بنی ہوئی ہو تو سوئی کس
میں چبھو سکتی ہو؟"

جواب ملا: "میرا چیلا میرا کام کرتا رہے گا۔"

اس کے قہقہوں کی آواز تیز ہوتی گئی اور دھواں
بلی کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ اب وہاں بلی کے سوا کچھ
اچانک بلی بھی غائب ہو گئی۔

دوسرے ہی لمحے وہ تاریکی مٹ گئی۔ کمرے میں آنکھوں کو
چکا چوند کرنے والی روشنی ہو گئی۔ سونیا نے دیکھا۔ بلی قالین
آہستہ چلتی ہوئی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں
نے سر گھما کر سونیا کی طرف دیکھا اور میاؤں کی ایک آواز نکالی
اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ وہ کھلے ہوئے دروازے سے گزر کر
باہر چلی گئی۔

دروازہ کھولنے والا وہی سیاہ فام شخص تھا۔ وہ دروازہ
کھلا چھوڑ کر بلی کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ اس کا مطلب
کہ اب سونیا بھی جانتی ہے لیکن وہ کتنی ضدی اور ارادے
پکی ہے یہ میں ہی جانتا ہوں۔ وہ کمرے سے جانے کے
قالین کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر تیزی سے باتھ روم کے دروازے
پاس جا کر قالین کو ایک طرف الٹ دیا۔ اس کا خیال درست
نکلا۔ قالین کے نیچے چھوٹے چھوٹے گڑھے بنے ہوئے تھے۔
گڑھوں میں ایک ایک سوراخ تھا۔

کمرے میں اچانک ہی قہقہے گونجنے لگے۔ سونیا نے سر اٹھا کر
فانوس کی طرف دیکھا تو آواز آئی: "یقیناً تم یہ بھی معلوم کرو گی
کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہم تمہارے
کوئی مکارانہ چال نہ چلیں۔ تم بذات خود بہت بڑی مکار ہو
چال چلی جائے گی تم اس کی تہہ تک پہنچ جاؤ گی۔ لیکن کالا جادو
کوئی چال نہیں ہے۔ اگر تم شاہینہ کی خیریت چاہتی ہو تو
اس کے پاس پہنچو۔ وہ تکلیف میں مبتلا ہو گئی۔ جو سوئی ابھی تم
سامنے ایک پتلے میں چبھوئی گئی تھی وہ اس وقت تک نہ
نکالی جائے گی جب تک تم شاہینہ کے پاس پہنچ کر خود اپنی
آنکھوں سے وہ تماشا نہیں دیکھ لو گی۔"

وہ جانتی تھی کہ وچ ڈاکٹر کالے جادو کے عمل سے

معمول کے جسم میں سوئیاں چبھوتے ہیں۔ شاید ان کی یہ دھمکی درست ہو۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر آ گئی۔ اب کوریڈور بھی روشن ہو گیا تھا۔ وہ کوٹھی کے بیرونی برآمدے میں پہنچی تو وہاں منصور بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنی گردن سہلا رہا تھا۔ سونیا نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اس کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ چلو اٹھو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سونیا نے اسے سہارا دے کر پوچھا۔ "کیا تم چلنے کے قابل ہو؟"

اس نے سر ہلا کر کہا: "میں ایسا کمزور نہیں ہوں۔ پتہ نہیں کس نے پیچھے سے میری گردن دبوچ لی تھی۔ میں نے ہاتھ پاؤں سنبھلنے کی کوشش کی تو میرے دونوں ہاتھوں کو بھی گرفت میں لے لیا گیا اور مجھے سنبھلنے کا موقع تک نہیں ملا۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کوٹھی کے احاطے سے باہر نکلے۔ سونیا نے کہا: "دشمن ایسے نادان اور کمزور نہیں ہوتے جیسا کہ تم انہیں سمجھتے ہو۔"

"بڑی حیرانی کی بات ہے۔ آپ اور فرہاد صاحب خطرات سے کیسے بچ نکلتے ہیں؟"

"تجربات اور مصائب بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔ پھر یہ کہ ایک چھٹی حس ہوتی ہے جو مجھ میں، فرہاد میں اور ہم جیسے لوگوں میں خاصی تیز ہوتی ہے۔ یہ ایسی حس ہے جو محتاط رہنے والوں کو نیند کی حالت میں بھی چونکا دیتی ہے اور احساس دلا دیتی ہے کہ آس پاس کہیں خطرہ منڈلا رہا ہے۔ اس کے علاوہ حاضر دماغی بہت کام آتی ہے۔ بہرحال ساری باتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ مجھ پر اور فرہاد پر اللہ کا کرم ہے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے اپنی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ اندر آتے ہی پتہ چلا کہ گھر کے تمام افراد پریشان ہیں۔ شاہینہ اپنی خوابگاہ میں تھی۔ سونیا اور منصور زینہ طے کر کے اس کی خوابگاہ میں پہنچے۔ شاہینہ بستر کے سرے پر بیٹھی کراہ رہی تھی۔ زبیر اس کے ایک شانے کو ہولے ہولے سہلا رہا تھا۔ اس کی ساس پریشانی سے پوچھ رہی تھیں: "بیٹی! ابھی تم بھلی چنگی تھیں۔ یہ یک بیک تمہارے شانے میں چبھن کیسے ہونے لگی؟"

اس وقت تک سونیا قریب پہنچ گئی تھی۔ اس نے شانے پر ہولے سے ہاتھ رکھ کر پوچھا: "کیا یہاں کوئی چیز چبھی ہوئی ہے؟"

"نہیں بھائی جان! کوئی چیز نہیں ہے لیکن ایسا لگتا ہے جیسے اس جگہ سوئی چبھوئی جا رہی ہو۔ پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے شاہینہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر پچکارتے ہوئے کہا: "ذرا برداشت کرنے کی کوشش کرو۔ میں ابھی تمہیں اس تکلیف سے نجات دلا دوں گی۔"

بیگم بختاور نے کہا: "بیٹی! یہ کوئی دشمنوں سے مار پیٹ والی بات تو ہے نہیں کہ تم نجات دلا دو گی۔ مجھے تو کوئی جادو وادو کا چکر معلوم ہوتا ہے۔"

سونیا نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "آپ درست کہتی ہیں۔ شاہینہ پر جادو کیا گیا ہے۔ مجھے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ اس کے شانے پر چبھن محسوس ہو گی اور یہ تکلیف میں مبتلا رہے گی۔"

وہ لوگ حیرانی سے سونیا کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ مختصر طور پر تمام واقعات سنانے لگی جو اسے پیش آتے تھے۔ زبیر نے کہا: "اب کیا ہو گا۔ کیا شاہینہ کو اس تکلیف سے نجات دلانے کے لیے آپ اپنے ملک کے راز ان کے حوالے کر دیں گی؟"

"میں سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی نیچے ڈرائنگ روم سے بختاور نے آواز دی: "بیٹی سونیا! تمہارا فون ہے۔"

سونیا فوراً خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ اور بختاور سے ریسیور لے کر کہا: "ہیلو، میں سونیا بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے اسی نادیدہ شخص نے پوچھا: "کیا تم میری آواز پہچان رہی ہو؟"

"ہاں، پہچان رہی ہوں۔ تم وہی نادیدہ فراڈ ہو۔"

جواب میں پھر ہنسی سنائی دی: "کیا تمہاری نند تکلیف میں مبتلا نہیں ہے؟"

"ہاں، میں نے دیکھ لیا ہے۔ اس پر کالے جادو کا اثر ہے۔ اب اسے فوراً تکلیف سے نجات دلا دو۔"

"ضرور نجات دلائیں گے لیکن ہمارا مطالبہ؟"

"میں مطالبہ پورا کر دوں گی، لیکن اس کے لیے کل نہیں، پرسوں رات تک کا وقت درکار ہے۔"

"تم یہ مہلت اس لیے چاہتی ہو کہ فرہاد سے تمہارا رابطہ قائم ہو جائے۔"

"نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کل مجھے یہاں ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ میں اتنی جلدی لاہور نہیں چھوڑ سکتی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ پرسوں اس فائل کی مائیکرو فلم تیار کرنے کی کوشش کروں گی اور آدھی رات تک وہ فلم تمہارے حوالے کر دوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم پرسوں تک انتظار کریں گے لیکن یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اب ہم میں سے کوئی اپنی آواز نہیں سنائے گا۔ ہم خاموشی سے پرسوں رات کا انتظار کریں گے۔"

"مجھ سے فلم لینے کون آئے گا؟"

"کوئی نہیں۔ تم پرسوں رات ٹھیکر پڑیاں جاؤ گی۔ وہاں

ایک بڑے سے پتھر پر کالے رنگ سے کراس کا نشان بنا ہوگا تم اسی پتھر کے نیچے فلم کو رکھ کر چلی آنا۔ تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ تمہارے آگے پیچھے کوئی جاسوس نہ ہو۔"

سونیا نے کہا: "تم جن غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے کام کر رہے ہو ان لوگوں سے معلوم کرو۔ وہ بتائیں گے کہ سونیا اپنے آگے پیچھے کبھی مددگار لے کر نہیں چلتی۔ میں تنہا شکر پڑیاں جاؤں گی اور فلم تمہاری بتائی ہوئی جگہ رکھ کر واپس آجاؤں گی۔ فی الحال شاہینہ کو اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔"

"ہولڈ آن کرو، میں ابھی بات کرتا ہوں۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ سونیا انتظار کرتی رہی تھوڑی دیر بعد آواز آئی: "ہیلو، اب شاہینہ سے پوچھو، تکلیف ختم ہوئی یا نہیں؟"

"ابھی بات ہے میں ابھی پوچھ کر بتاتی ہوں۔" سونیا نے کہا۔ اس نے رسیور پر ہاتھ رکھ کر منصور کو آواز دی: "منصور ذرا معلوم کر کے مجھے بتاؤ شاہینہ کی تکلیف ختم ہوئی یا نہیں؟"

منصور نے بالکونی میں آکر جواب دیا: "ہاں اب انھیں آرام آگیا ہے۔"

وہ رسیور میں بولی: "تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں اپنے وعدے کے مطابق تمہارا کام کر دوں گی۔"

"بالکل، پھر آخری بار سن لو۔ اب ہم میں سے کسی کی بھی آواز تمہیں سنائی نہیں دے گی۔ تم چپ چاپ اپنا کام انجام دو گی۔"

یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ سونیا تھوڑی دیر تک سوچتے ہوئے انداز میں رسیور کو دیکھتی رہی۔ پھر اسے کریڈل پر رکھ دیا۔ بختاور پاس ہی کھڑا تھا، اس نے کہا: "بیٹے! میں نے ساری باتیں سنی ہیں۔ شاہینہ میری بہو اور فرہاد کی بہن ہے لیکن اسکی زندگی بچانے کے لیے کیا تم ملک سے غداری کرو گی؟"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا: "انکل یہ جو ہمارے دشمن ہیں نا، یہ بڑے مسخرے ہیں۔ کہیں نہ کہیں ہمیں چھیڑنے کے لیے آجاتے ہیں ہم بھی ذرا دل بہلا لیتے ہیں۔"

اوپر سے بیگم بختاور کی آواز سنائی دی۔ وہ زبیر، شاہینہ اور منصور کے ساتھ نیچے ڈرائنگ روم کی طرف آتے ہوئے کہہ رہی تھیں: "بیٹی سونیا! یہ منصور کہہ رہا ہے کہ ابھی تم نے فون کے ذریعے شاہینہ کی تکلیف ختم کرا دی ہے، کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں، جن لوگوں نے جادو کے ذریعے یہ عمل کیا تھا میں نے ان سے سمجھوتا کر لیا ہے، اب شاہینہ کو تکلیف سے نجات مل گئی ہے۔ انشاءاللہ آئندہ بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی ویسے سلمٰی کو ایسے کمرے میں نہ رکھا جائے جس کا دروازہ باہر کی طرف کھلتا ہو۔ شاہینہ کی طرح سلمٰی کا بیڈ روم بھی اوپر ہونا چاہیے۔"

بیگم بختاور نے کہا: "تمہارے کہنے سے پہلے ہی ہم نے سلمٰی کو اوپر ایک کمرے میں پہنچا دیا ہے۔ وہ آرام سے سو رہی ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ سونے دیا جائے۔"

سونیا نے پوچھا: "میرے سر میں درد ہو رہا ہے کیا اس وقت چائے یا کافی مل سکے گی؟"

منصور نے کہا: "ضرور ملے گی۔ میں آپ کے لیے بنا کر لاتا ہوں۔"

بختاور نے کہا: "واہ، صرف سونیا کے لیے کیوں۔ ہم سب ہی پئیں گے۔"

منصور کچن کی طرف چلا گیا۔ سونیا اپنی جگہ سے اٹھ کر شاہینہ کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ شاہینہ نے اس کے ہاتھ تھام کر کہا:

"رات کے تین بج رہے ہیں۔ میں نے سوچا تھا۔ آج رات اپنی بھابی جان کے ساتھ سوؤں گی، لیکن سونا نصیب نہیں ہو رہا ہے۔"

سونیا نے کہا: "ہم چائے پینے کے بعد سوئیں گے۔" پھر وہ شاہینہ کی طرف جھک کر اس کے کان میں بولی: "لیکن بے چارے زبیر کا کیا ہوگا؟"

شاہینہ نے ایک قہقہہ لگایا۔ پھر سونیا کے کان میں کہا:

"وہ پرانے ہو چکے ہیں۔ آپ تو بالکل نئی ہیں۔"

"کل تک میں بھی پرانی ہو جاؤں گی۔"

شاہینہ نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "بھابی تو ماں جیسی ہوتی ہے اور ماں کی گود کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ جب میں آپ سے لپٹ کر سوؤں گی تو مجھے اپنے بھائی جان کی خوشبو ملے گی۔"

چائے پینے کے بعد بھی وہ لوگ سونے کے لیے نہ جا سکے دشمنوں نے جو حالات پیدا کر دیے تھے ان کے متعلق باتیں ہونے لگی تھیں۔ یہ باتیں اتنی طویل ہوگئیں کہ صبح کے چھ بج گئے۔ تب بختاور نے محبت سے ڈانٹ کر کہا: "تم لوگوں کو کسی کے آرام کا خیال نہیں ہے۔ ہماری بیٹی دشمنوں سے الجھتی رہی ہے اسے آرام کرنے اور سونے کا موقع تک نہیں دے رہے ہو چلو اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔"

وہ سب وہاں سے اٹھ گئے۔ شاہینہ سونیا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بیڈ روم میں لے گئی۔ زبیر منصور کے کمرے میں سونے کے لیے چلا گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد شاہینہ سونیا کے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند میں ہے تو سونیا بڑی آہستگی سے الگ ہو کر بستر سے اتری اور دبے قدموں باتھ روم میں چلی گئی۔ اس نے اندر جا کر احتیاط سے دروازہ بند کیا اور اپنے گلے میں پڑا ہوا لاکٹ منہ کے پاس لے جا کر بٹن دبایا اور

کوڈ ورڈز میں کسی کو مخاطب کرنے لگی۔

جواب میں دوسری طرف سے آواز سنائی دی: "مادام سونیا! دی آر اٹینڈنگ ہیئر۔ اوور۔"

سونیا نے پوچھا: "کیا میرے لاکٹ سے دشمنوں کی آوازیں نشر ہو رہی تھیں؟ اگر ہو رہی تھیں تو کتنی آوازیں ریکارڈ کی گئی ہیں؟ اوور۔"

"تین قسم کی آوازیں ریکارڈ کی گئی ہیں۔ میں مختصر طور پر سناتا ہوں۔ پلیز ویٹ اے منٹ۔"

سونیا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحے بعد دوسری طرف سے سنائی جانے والی پہلی آواز سیاہ فام شخص کی تھی۔ دوسری آواز اس شخص کی تھی جو نظر نہیں آرہا تھا اور تیسری آواز بوڑھی چڑیل کی تھی جو تاریکی میں نظر آئی تھی۔ سونیا نے مطمئن ہو کر کہا: "ان تمام آوازوں کو محفوظ رکھو۔ مجھے کسی وقت بھی ان کی ضرورت پڑ سکتی ہے اوور اینڈ آل۔"

وہ باتھ روم سے باہر آگئی۔ اس وقت دن کے سات بج رہے تھے۔ شاہینہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ اس کے پاس آکر لیٹ گئی اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں تھوڑی دیر بعد وہ بھی گہری نیند میں ڈوب گئی۔

اسی وقت میں سونیا کے دماغ میں پہنچا تھا اور اسے سوتا ہوا پا کر واپس آگیا تھا۔ پھر میں بھی چار گھنٹے کے لیے سو گیا تھا اب چار گھنٹے کے بعد بیدار ہو کر دیکھا تو وہ اس وقت بھی سو رہی تھی۔ یقیناً بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی۔ اس کے خوابیدہ دماغ سے پچھلی رات کے واقعات معلوم کرنے میں کافی وقت گزر گیا تھا۔ اب وہ بیدار ہو رہی تھی۔ شاہینہ بھی آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں تو شاہینہ نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا: "بھابی جان! مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ آپ میرے اس قدر قریب موجود ہیں۔ آپ کا ایک نام فرہاد کی محبت ہے اور دوسرا نام دشمنوں کی موت۔ میں اتنی دیر تک محبت اور موت کے سائے میں سوتی رہی ہوں۔"

میں نے شاہینہ کے دماغ میں کہا: "اس کا تیسرا نام چڑیل ہے۔"

شاہینہ ایک دم سے چونک کر اٹھ بیٹھی، بولی: "بھابی جان! مجھے ایسا لگا ہے جیسے میرے دماغ میں کسی نے آپ کو چڑیل کہا ہے۔"

سونیا اٹھ کر بیٹھ گئی بولی: "یقیناً وہ تمہارے بھائی جان ہوں گے۔ اے مسٹر! اگر تم آگئے ہو تو ذرا مجھ سے بات کرو۔"

میں نے شاہینہ کے دماغ میں کہا: "میری پیاری بہنا میں ہوں تمہارا بھائی فرہاد۔ سونیا سے کہو میں آگیا ہوں اور اس وقت تم دونوں کے درمیان موجود ہوں۔"

شاہینہ نے بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا: "میرے دماغ میں جیسے بھائی جان بول رہے ہیں۔ کیا میں یقین کر لوں؟"

"ہاں یقین کر لو۔ تم سے دماغی رابطہ قائم کیے ایک عرصہ گزر گیا ہے اس لیے تمہیں یقین نہیں آرہا ہے۔" پھر وہ مجھ سے بولی "فرہاد! میں تمہیں بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "تم کیا بتاؤ گی تم سو رہی تھیں تو میں نے تمہارے خوابیدہ دماغ سے ساری باتیں معلوم کر لی ہیں۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ میں نے ہزار بار منع کیا ہے کہ بغیر اجازت دماغ میں نہ آیا کرو۔"

میں نے شاہینہ کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "دیکھا تمہاری بھابی کتنی نک چڑھی اور لڑاکا ہے۔ ارے اسے دھکے دے کر باہر نکالو۔"

شاہینہ نے مسکرا کر کہا: "بھائی جان کہتے ہیں کہ آپ نک چڑھی اور لڑاکا ہیں۔ آپ کو دھکے دے کر باہر نکال دیں جانتی ہیں میں بھائی جان کو کیا جواب دینا چاہتی ہوں۔"

"کیا جواب دو گی؟"

"یہ کہ بھائی جان پہلے آپ کو اپنے دل سے نکال کر دکھائیں۔"

"یہ بات میں ان سے ہزار بار کہہ چکی ہوں لیکن ان مردوں کا اپنے دل پر زور نہیں چلتا۔ گھر پہ زور چلتا ہے اس لیے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ دل پر زور نہیں چلتا ہے اس لیے جھنجھلاتے رہتے ہیں۔"

"بھابی! عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ عورت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں جو سر چڑھ کر بولتا ہے وہ سر سے اتر بھی جاتا ہے لیکن آپ جادو نہیں ہیں۔ ٹیلی پیتھی نکل جائے تو وہ خالی رہ جائیں گے۔ وہ آپ کے بغیر ادھورے ہیں۔"

یہ کہہ کر شاہینہ نے سونیا کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "کیوں اپنی بھابی کو سر پر چڑھا رہی ہو۔"

سونیا نے کہا: "اپنے بھائی جان سے کہو کام کی باتیں کریں۔" میں نے شاہینہ کی زبان سے کہا: "میں تمہارے دماغ کو پڑھ چکا ہوں۔ تم یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ کل رات جو جادوئی

واقعات پیش آئے ان میں فراڈ کس حد تک تھا؟"

"میں یہی معلوم کرنا چاہتی ہوں ویسے وہ نادیدہ انسان سراسر فراڈ تھا۔ لیکن وہ شاہینہ کو سوئی چبھنے والا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"وہ حقیقتاً کالے جادو کا عمل تھا۔ یہ تو ہم کتابوں میں بھی پڑھ چکے ہیں اور ایسے جادوگروں سے ہمارا سامنا بھی ہوا ہے۔ میں چھیا جیسی جادوگرنی کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ پھر افریقہ وغیرہ میں ایسے وچ ڈاکٹر ہیں جو پتلوں میں سوئی چبھو کر اپنے معمول کو اذیتوں میں مبتلا کر سکتے ہیں جس طرح کل رات شاہینہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔"

"میں تمہیں وہ آوازیں سنانا چاہتی ہوں جو ریکارڈ کی گئی ہیں۔"

"ضرور سناؤ، شاید میں ان لوگوں کے دماغ تک پہنچ سکوں۔"

"مجھے ملٹری انٹیلی جنس والوں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے باتھ روم میں جانا ہوگا یا پھر شاہینہ کو اس کمرے سے باہر بھیجنا ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ اسے یا کسی کو بھی میرے لاکٹ کی حقیقت کا علم ہو۔"

"احتیاط لازمی ہے۔ میں شاہینہ کو سمجھاتا ہوں۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے کمرے سے باہر چلی جائے گی۔"

سونیا مجھ سے باتیں کرتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ شاہینہ نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ شاید ہم لوگ کچھ راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہیں اس لیے اس کا موجود رہنا مناسب نہیں ہے۔ وہ بستر سے اٹھ کر بولی "آپ بھائی جان سے باتیں کریں میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔"

سونیا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "ارے کہاں جاتی ہو، بھلا ان سے کیا باتیں کرنی ہیں۔"

"مگر مجھے تو اپنے ساس سسر کی خدمت میں پہنچنا ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ سونیا نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر اپنے لاکٹ کو ایک ہاتھ سے تھام کر رابطہ قائم کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا اس نے کہا۔ "میں ڈپٹی چیف سے بات کرنا چاہتی ہوں، اوور۔"

"یس مادام! ابھی میں رابطہ قائم کرتا ہوں۔ پلیز ویٹ اے منٹ۔"

تھوڑی دیر بعد ٹرانسمیٹر کے ذریعے ڈپٹی چیف کی آواز سنائی دی "یس مادام سونیا! فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت، اوور۔"

"میں آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتی ہوں کہ اس وقت ہمارے درمیان مسٹر فرہاد علی تیمور موجود ہیں، ان سے باتیں کریں وہ پچھلی رات کی ریکارڈ کی ہوئی تمام آوازیں سننا چاہتے ہیں، اوور اینڈ آل۔"

اِدھر سونیا نے ٹرانسمیٹر کو آف کیا اُدھر میں ——— ڈپٹی چیف کے دماغ میں پہنچ گیا۔ "ہیلو چیف! میں فرہاد علی تیمور آپ سے مخاطب ہوں۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے خلا میں گھورنے لگا۔ میں نے کہا۔ "آپ حیران ہو رہے ہیں لیکن میرا رابطہ اسی طرح قائم ہوتا ہے۔"

وہ جلدی سے تائید میں سر ہلا کر بولا۔ "جی ہاں، جی ہاں مادام نے بتایا ہے اور ہم نے پہلے بھی یہ سن رکھا ہے۔ مگر مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ....."

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "بات یہ ہے کہ آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے تو پھر دیکھیے، آپ اپنی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے اب تک اپنے ٹرانسمیٹر کو آف نہیں کیا ہے مگر اب دیکھیے، آپ نے ٹرانسمیٹر کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور وہ آف ہو گیا ہے۔"

یہ کہتے ہی میں آفیسر کے دماغ پر قابض ہو گیا اور اس کے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر کو آف کرنے کے بعد اسے اسی طرح کرسی پر بٹھا دیا پھر دماغ کو آزاد چھوڑ کر پوچھا۔ "کیوں ٹرانسمیٹر آف ہو گیا نا؟"

اس نے ٹرانسمیٹر کو دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔ "بیشک، لیکن آپ تو یہاں موجود نہیں ہیں اسے کس نے آف کیا ہے؟"

"یہ ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ اب آپ کرسی سے اٹھ جائیں اور اپنے ماتحت سے کہیں کہ پچھلی رات کی ریکارڈ کی ہوئی آوازیں مجھے سنا دے۔"

وہ کرسی سے اٹھا اور اپنے کمرے سے نکل کر اس عمارت کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں پہنچا جہاں سیکڑوں فائل، فلمیں اور آوازوں کے کیسٹ بڑی حفاظت سے رکھے جاتے تھے۔ اس نے پچھلی رات تیار کی جانے والی کیسٹ متعلقہ افسر سے طلب کی پھر اپنے کمرے میں آ کر ایک کیسٹ ریکارڈر میں کیسٹ کو لگاتے ہوئے پوچھا۔ "فرہاد صاحب! کیا آپ موجود ہیں؟"

"موجود ہوں۔ زبان سے مخاطب کرنا ضروری نہیں ہے صرف سوچ کے ذریعے مجھ سے باتیں کی جا سکتی ہیں۔"

"سوری میں بھول گیا تھا۔ لیجیے وہ آوازیں سنیے۔"

اس نے کیسٹ ریکارڈر آن کر دیا۔ چند لمحوں تک خاموشی رہی پھر ایک آواز ابھری۔ "مادام سونیا! میں اس یقین کے ساتھ اپنی آواز سنا رہا ہوں کہ اس وقت ہمارے درمیان فرہاد موجود نہیں ہیں۔ وہ ہوتے تو تمہیں یہاں نہ آنے دیتے۔ پہلے سلمیٰ کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کر لیتے کہ ان کی لاڈلی بہن کی نند اس وقت کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔"

کیسٹ ریکارڈر سے ابھرنے والی اس آواز کو میں نے فوراً پہچان لیا۔ وہ یقیناً سیاہ فام شخص کی آواز تھی۔ اب میں اس کے لب و لہجے کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ میں نے آفیسر سے کہا۔ "آپ اس آواز کو بند کر کے دوسری آواز سنائیں۔"

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا، تھوڑی دیر بعد مجھے ایک دوسرے شخص کی آواز سنائی دی۔ وہ شخص اس یقین کے ساتھ بول رہا تھا کہ نہ تو سونیا اس کے فراڈ کو سمجھ سکے گی اور نہ ہی میں اس کے دماغ تک پہنچ سکوں گا مگر اب اس کی یہ خوش فہمی ختم ہونے والی تھی۔ میں نے کہا۔ "آفیسر! میں نے یہ آواز بھی سن لی ہے۔ پلیز اسے بھی فارورڈ کریں اور مجھے تیسری آواز سنائیں۔"

تیسری آواز کیسٹ کے دوسری طرف تھی۔ آفیسر نے تھوڑی دیر بعد وہ آواز بھی سنائی۔ یہ اسی عورت کی آواز تھی۔ جو سونیا کے سامنے دھواں بن کر انسانی جسم اختیار کر گئی تھی۔ وہ یقیناً چمکیلی کی آواز تھی۔

میں نے کہا۔ "شکریہ آفیسر! میں نے تمام آوازیں سن لی ہیں اب ان جادوگروں کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے بعد آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں اس سے رخصت ہو کر سیاہ فام شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک جگہ پلتھی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے آگ روشن تھی۔ اس کے اور آگ کے درمیان ماش کا ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ وہ کوئی ..... منتر پڑھتا تھا اور ماش کا ایک دانہ اٹھا کر آگ میں ڈال دیتا تھا پھر دوسری بار وہی منتر پڑھتا تھا اور دوسرا دانہ اٹھا کر آگ میں ڈال دیتا تھا ——— وہ طویل القامت بلی اس وقت اس کے کاندھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے وہ چمکیلی کہتا تھا۔

اس جلتی ہوئی آگ کے دوسری طرف ایک قد آدم خیالی شیطان کا مجسمہ تھا۔ اس مجسمے کے پھیلے ہوئے ہاتھ میں مٹی کا چھوٹا سا پتلا تھا جو شاہینہ کے نام سے بنایا گیا تھا۔ اور پچھلی رات اسی میں ایک سوئی چبھوئی گئی تھی۔ دوبارہ ضرورت کے وقت وہی عمل دہرانے کیلئے اس پتلے کو حفاظت سے شیطان کے ہاتھ پر رکھ دیا گیا تھا۔

پہلے میں نے یہ معلوم کیا کہ وہ سیاہ فام کون ہے اور اس وقت کس عمل میں مصروف ہے۔ پتہ چلا اس کا نام کھوند و چمار تھا۔ وہ ذات کا چمار تھا۔ اس لیے اسے کھوند و چمار کہا جاتا تھا۔

جب میں اس کے دماغ سے یہ باتیں معلوم کر رہا تھا تو وہ منتر پڑھتے وقت گڑبڑا جاتا تھا۔ یادداشت کے مطابق اس کی زبان منتر پڑھتی رہتی تھی لیکن دماغی سوچ میرے لیے معلومات فراہم کر رہی تھی۔ ایسے میں اس کا گڑبڑا جانا یقینی تھا۔ جب وہ دو تین بار اس طرح منتر پڑھتے پڑھتے ذرا گڑبڑایا تو بلی غراتے ہوئے اس کے کاندھے سے اتر کر سامنے آ گئی اور اسے گھور کر دیکھنے لگی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "چمکیلی مجھے معاف کر دے۔ پتہ نہیں میرا دماغ کہاں بھٹک گیا تھا۔ میں اب ٹھیک سے جاپ کروں گا۔ جب تک ماش کے ایک ایک دانے کو آگ میں نہیں ڈال دوں گا۔ اس وقت تک یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ میرے کاندھے پر بیٹھ جا۔"

بلی پھر اچھل کر اس کے کاندھے پر سوار ہو گئی میں بھی دوبارہ اس کے دماغ کو کریدنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔ "کیا اس جاپ سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا۔ "پورا کیوں نہیں ہوگا، ضرور ہوگا جب ماش کا ایک ایک دانہ آگ میں پہنچ جائے گا اور ہر دانے کے ساتھ منتر مکمل طور پر زبان سے ادا ہوتا رہے گا تو ماش کا آخری دانہ آگ میں گرتے ہی اڑتا ہوا دیوار کی طرف جائے گا اور وہاں دنیا کا بڑا سا نقشہ لٹک رہا ہے۔ وہ دانہ اس ملک اور اس شہر کی جگہ جا کر چپک جائے گا جہاں فرہاد موجود ہوگا۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔ "فرہاد کو تلاش کر کے کیا حاصل ہوگا؟"

اس کی سوچ نے کہا۔ "میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں۔ جبکہ مجھے معلوم ہے کہ فرہاد کے ذریعے ہی ہم سامی تک پہنچ سکتے ہیں۔ چمکیلی سامی کو تلاش کر رہی ہے اور ہمارے کالے علم نے بتایا ہے کہ سامی فرہاد کے پاس ہی ملے گی۔ کل رات سونیا نے فرہاد کا پتہ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ شاید وہ سچ مچ یہ نہ جانتی ہو کہ فرہاد کس ملک اور کس شہر میں رہتا ہے۔ بہرحال سونیا نہ بتائے تب بھی فرق نہیں پڑتا۔ ماش کے اس ڈھیر کا آخری دانہ اس جگہ کی نشاندہی کر دے گا۔ جہاں فرہاد موجود ہوگا۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر سامی کا تصور کیا۔ تصور میں بلی نظر آئی۔ سامی کا وہ چہرہ جو برسوں پہلے میری نگاہوں کے سامنے رہا کرتا تھا۔ دھندلا گیا تھا کچھ لوگوں کے ذہن پر یہ بات گراں گزرے گی کہ جو سامی مجھے دل و جان سے چاہتی ہے میری خاطر بلی بننے کے باوجود میرا پیچھا کرتی رہی۔ مجھ سے الگ رہنا گوارا نہیں کیا۔ اس کی آواز کو بھی میں نے بھلا دیا۔ اس کے لب و لہجے کو یاد نہیں رکھا اور اس کا چہرہ بھی میرے تصور میں دھندلا گیا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے میں اس قدر بے مروت ہرگز نہیں ہوں۔

یہ بات اس حد تک درست ہے کہ جب میں کسی کو دماغ سے نکالتا ہوں تو پھر اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ دوسری بات یہ کہ جس انداز میں میں اور سامی ایک دوسرے سے بچھڑے تھے اس کے بعد میں نے سامی کو دانستہ بھلا دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سامی کو اپنا جسم بہت عزیز تھا اور مجھے اپنے وطن کی سرزمین سے پیار تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ اپنے جسم کی حفاظت کے لیے ہماری سرحد سے پار جا رہی ہے تو مجھے بھی اپنی زمین سے محبت ہے۔ وہ اپنے جسم سے محبت کرے میں اپنی زمین پہ پاؤں جمائے بھوانی شنکر جیسے غیر ملکی ایجنٹ کا خاتمہ کر دوں گا۔

بہرحال میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ سامی سے کس طرح جدائی ہوئی تھی۔ میرے پڑھنے والے اچھی طرح میرے ماضی کو جانتے ہیں۔ نئے پڑھنے والوں کے لیے ایک بات میں عرض کروں گا اور وہ یہ کہ سامی کو بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اس لیے وہ بلی کے جسم میں قید رہنے

کے باوجود بھی میرے ساتھ لگی رہی تھی۔ پھر تقدیر نے اسے مجھ سے جدا کر دیا۔ ب مجبوندو چمار جاپ کے دوران تو کچھ کہہ رہا تھا [illegible] سننے کے بعد میں کچھ حیرانی اور بے یقینی سے سوچ رہا تھا۔ کیا وہی سامی ایک بار پھر ایک حسین دوشیزہ کے روپ میں میرے سامنے آئے گی؟ کیا وہ لوگ پھر سامی کو مجھ سے چھین کر لے جائیں گے؟

اس دوران پھر بھوندو چمار جاپ کرتے کرتے گڑبڑا گیا تھا۔ اس بار چمکیلی اس کے کاندھے سے اتر کر غراتی ہوئی اپنے پنجے زمین پر مار کر غصے کا اظہار کر رہی تھی۔ بھوندو چمار نے ہاتھ جوڑ کر کہا "چمکیلی! پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میرے دماغ میں رہ رہ کر دوسری باتیں آجاتی ہیں اور میں منتر بھول جاتا ہوں۔"

چمکیلی نے چھلانگ لگا کر اس کے منہ پر زور سے پنجہ مارا اور دوسری جانب جا کر بیٹھ گئی۔ بھوندو نے چیخ مار کر اپنا ہاتھ چہرے پر رکھ لیا۔ اس کے چہرے پر خراشیں پڑ گئی تھیں اور لہو کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں۔ اس نے گڑگڑا کر کہا "مجھے معاف کر دو۔ اب میں غلطی نہیں کروں گا۔ پورے دھیان سے منتر پڑھوں گا۔"

بلی نے آہستہ آہستہ آگ کے گرد ایک چکر لگایا اور ماش کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے دوبارہ زمین پر ہاتھ مارا۔ بھوندو چمار اس کی تمام حرکتوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سر ہلا کر کہا "میں سمجھ گیا تو کہہ رہی ہے کہ اب اس سے دگنے ماش کے دانوں پر مجھے منتر پڑھنا ہوگا۔ یہ میری سزا بھی ہے اور تیرے کالے علم کا تقاضا بھی، ٹھیک ہے اب میں اس ڈھیر کو دوگنا کر دیتا ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مگر دوگنا ڈھیر تو بہت زیادہ ہے۔ اس کے ایک ایک دانے پر منتر پڑھتے پڑھتے آدھی رات سے بھی زیادہ وقت گزر جائے گا۔"

اس نے پریشان ہو کر بلی کو دیکھا۔ بولا "چمکیلی کل تمام رات ہم جاگتے رہے بس ذرا سی دیر سونے کا موقع ملا۔ اب میں پھر سے پڑھنا شروع کروں گا تو آج کا سارا دن اور ساری رات بھی گزر جائے گی۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ دماغ میں کچھ گڑبڑ ہے۔ مجھے آج معاف کر دو میں کل صبح ہی اٹھ کر منتر پڑھنا شروع کر دوں گا۔"

بلی نے چند لمحوں تک اسے گھور کر دیکھا۔ پھر وہاں سے اٹھی اور آہستہ آہستہ جا کر شیطان کے مجسمے کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ بھوندو نے خوش ہو کر کہا "چمکیلی تو میری پریشانیوں کو سمجھتی ہے۔ میں کل تازہ دم ہو کر منتر پڑھوں گا۔ ہم کل شام تک فرہاد کا پتہ معلوم کر لیں گے۔"

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر آگ بجھائی۔ پھر ایک تھیلے میں سے ماش نکال کر اس ڈھیر کو پہلے سے دوگنا کر دیا۔ ایک طرف فرش پر سوکھی گھاس کا بستر لگا ہوا تھا۔ وہ وہاں جا کر آرام سے چاروں شانے چت لیٹ گیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ ایک جھونپڑی کے اندر ہے اور وہ جھونپڑی لاہور شہر سے دور راوی کے ایک ویران ساحل پر بنائی گئی ہے۔ وہاں

[illegible] مقررہ وقت پر [illegible] گاڑی وہاں آتی ہے اور انہیں وہاں سے شہر پہنچا دیتی ہے۔ اسی گاڑی میں وہ شہر سے جھونپڑی تک آتے ہیں۔ یہ گاڑی ان غیر ملکی ایجنٹوں کی تھی۔ جو بھوندو کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے تھے۔

اس کے دماغ نے بتایا کہ سونیا کو دی جانے والی مہلت کے مطابق وہ غیر ملکی ایجنٹ کل رات نو بجے آئیں گے۔ اگر اس نے مائیکرو فلم ان کے حوالے نہیں کی تو پھر وہ شاہینہ کو اذیتیں پہنچا پہنچا کر مجبور کریں گے کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کرے۔

مجھے ان غیر ملکی ایجنٹوں تک پہنچنے کے لیے کل رات تک کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے بھوندو کے دماغ سے معلوم کیا کہ شاہینہ کو کس طرح کالے جادو کے عمل سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس کی سوچ نے کہا "شاہینہ کے نام سے جو پتلا بنایا گیا ہے۔ اس کی کمر میں شاہینہ کے سر کا بال بندھا ہوا ہے۔ اس بال کو کھول دیا جائے تو شاہینہ کالے عمل کے اثر سے آزاد ہو جائے گی۔"

میں نے پوچھا "شاہینہ کا بال ہاتھ کیسے لگ گیا؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا "میں نے غیر ملکی ایجنٹ سے کہا تھا کہ اگر وہ لوگ سونیا کو بے بس، مجبور کر دینا چاہتے ہیں تو ہمیں شاہینہ کو کالے علم کا نشانہ بنانا ہوگا۔ اسکے لیے مجھے شاہینہ کے سر کا ایک بال درکار ہے۔ ان لوگوں نے دوسرے ہی دن مجھے بالوں کا پورا گچھا لا کر دے دیا۔ پتہ نہیں انہوں نے کیسے وہ بال حاصل کیے تھے۔ میں نے ان سے یہ بات نہیں پوچھی۔"

میں نے سوچا۔ اس پتلے کی کمر سے شاہینہ کے بال کو فی الحال کھولنا مناسب نہیں ہے۔ بھوندو اس بات سے پریشان ہو جائے گا کہ آخر بال کس طرح کھل گیا اور کہاں غائب ہو گیا۔ میں انھیں یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں ان کے دماغ تک پہنچ چکا ہوں۔

بھوندو چمار اور چمکیلی کے متعلق بہت کچھ معلوم کرنے کے بعد میں اس شخص کے دماغ میں پہنچا جو گزشتہ رات سونیا کے سامنے ایک نادیدہ شخص بنا ہوا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ میں پلک جھپکتے ہی اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ یہ وہی گولف کا کھلاڑی جیمس روبن تھا جس کی تلاش میں سونیا لاہور آئی تھی اور جواب لاپتہ ہو چکا تھا۔

وہ اس وقت نیند سے بیدار ہوا تھا اور بیڈ ٹی کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دور اس کی نگاہوں سے اوجھل کوئی عورت اس سے کہہ رہی تھی "ڈارلنگ دوپہر ہو چکی ہے۔ اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو۔ لنچ کے بعد چائے پی لینا۔"

اس کی آواز سنتے ہی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ یہ وہی عورت تھی جو گزشتہ رات چمکیلی بن کر سونیا کو مرعوب کرنا چاہ رہی تھی جیمس روبن نے بستر سے اٹھتے ہوئے پوچھا "مالنی کوئی پیغام آیا ہے کیا؟"

وہ اس کی طرف آتے ہوئے بولی "کوئی پیغام نہیں ہے۔ ہمارے تمام ساتھی محتاط ہو گئے ہیں۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ سونیا کو اپنی اور میری آواز نہ سناؤ لیکن تم جادوئی چالیں چلا کر اسے بیوقوف بنانا چاہتے

تھے۔ یہ حرافہ بہت ہی مکار ہے۔ ہماری سب چالیں ناکام ہو گئیں۔ ہمارے دوسرے ساتھی ہم سے دور رہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ شاید شام تک ان کا کوئی پیغام موصول ہو۔"

وہ خواب گاہ میں آکر بستر درست کرنے لگی تھی۔ جیمس روبن نے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا "میں منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔ تم میز پر کھانا لگاؤ۔"

وہ خواب گاہ سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی۔ میں اس کے دماغ میں موجود تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا "کل رات سونیا کو بڑی اچھی طرح الو بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے سامنے بلی دھواں بن کر بوڑھی چمکیلی کے روپ میں آگئی تھی۔ ہم نے کس طرح اسے یہ تماشا دکھایا تھا۔ کیا اس نے یہ بھی معلوم کر لیا ہوگا؟"

مالنی نے حقارت سے کہا "سونیا کا باپ بھی نہیں جان سکتا کہ ہم نے یہ سب پروجیکشن کے ذریعے کیا تھا۔ سونیا کے سامنے کی دیوار کا کچھ حصہ ایک طرف سرک گیا تھا۔ گہری تاریکی میں سونیا یہ نہیں دیکھ سکی ہوگی کہ دیوار کے سرکنے کے بعد ایک اسکرین نمودار ہو گیا ہے جس کے پیچھے پروجیکشن کے ذریعے فلم چلائی جا رہی تھی۔ اس فلم کا منظر یہی تھا کہ ایک بلی دھوئیں میں تبدیل ہو کر انسان کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور جب وہ چمکیلی بنتی ہے تو اسکرین پر ایک کے بجائے چار چمکیلی دکھائی جاتی ہیں پس منظر میں میں چمکیلی بن کر بول رہی تھی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "ہم نے سونیا کو مجبور اور بے بس بنانے کے لیے اپنے طور پر بڑی کامیاب چالیں چلی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ناکام رہے۔ بہرحال اب بھوندو چمار کے ذریعے کام تو ہو ہی جائے گا۔ روبن نت نئے منصوبے بنانے میں ماہر ہے اور بڑی کامیابی سے ان پر عمل کرتا ہے۔ آج اس کا ایک منصوبہ ناکام ہو گیا ہے تو ہمیں اپنے ساتھیوں سے الگ کر دیا گیا۔"

مالنی کی اپنی سوچ نے کہا "ہاں یہ بڑی مصیبت ہے فرہاد کے سلسلے میں جب کوئی مہم شروع کی جاتی ہے تمام لوگ ایک دوسرے سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ جیسے فرہاد کوئی متعدی مرض ہو۔ قریب آتے ہی انھیں بھی بیماری لگ جائے گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا "اب ہم سب سے علیحدہ تو ہو گئے ہیں لیکن رابطہ کیسے قائم ہوگا؟"

اس کی سوچ نے کہا "ٹیلیفون کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو بھی ہم سے فون پر بات کرے گا اسے اس بات کا اندیشہ رہے گا کہ کہیں فرہاد ہمارے دماغ سے اس کی آواز نہ سن لے۔ دنیا کا کوئی بھی مجرم خواہ وہ کتنے ہی مضبوط اعصاب کا مالک ہو۔ فرہاد سے دہشت زدہ رہتا ہے۔ ویسے میرا دعویٰ ہے اور روبن کو یقین ہے کہ فرہاد ابھی تک ہمارے دماغوں میں نہیں پہنچ سکا ہے۔"

مالنی کی سوچ کا رخ بدل گیا۔ مجھے میرے سوال کا جواب نہیں مل

رہا تھا۔ اس وقت وہ کچن سے کھانے کی ڈش اٹھا کر ڈائنگ روم کی میز پر لے جا رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "ہاں تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ اپنے لوگوں سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟"

اس سے پہلے کہ وہ سوچ کے ذریعے جواب دیتی ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جلدی سے ڈشوں کو میز پر رکھ کر ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ دوسری طرف سے جیمس روبن بھی دوڑتا ہوا آیا تھا۔ اس نے مالنی سے پہلے ہی ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو۔"

دوسری طرف سے ٹک ٹک ٹک کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ شاید ٹیلی گرام کی زبان میں کچھ کہا جا رہا تھا۔ روبن توجہ سے سن رہا تھا۔ پھر اس نے سر ہلا کر کہا "شکریہ، میں ابھی پیغام پڑھ لوں گا۔"

وہ ریسیور رکھتے ہوئے مالنی سے بولا "باہر لیٹر بکس میں ہمارے نام ایک خط ہے۔ وہ نکال کر لے آؤ۔"

مالنی باہر چلی گئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ڈائننگ روم میں آیا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں شاہینہ کا نام لیا۔ پھر اس کے سر کے بالوں کا تصور کیا۔ آدمی کے دماغ میں جس چیز کا خیال ابھر آئے وہ اسی کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ جیمس روبن مسکراتے ہوئے شاہینہ کے بالوں کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ بختاور کے ہاں جیراں نامی ایک ادھیڑ عمر کی ملازمہ ہے۔ مالنی نے اسے ایک ہزار روپے رشوت کے طور پر دیئے تھے اور اس سے کہا تھا کہ شاہینہ کے سر کا ایک آدھ بال کسی طرح حاصل کر کے لے آؤ۔

جیراں نے شام تک مالنی کو شاہینہ کے بال لا کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ جب وہ کوٹھی میں آئی تو اس وقت شاہینہ سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ کنگھی میں سر کے کچھ بال الجھے ہوئے تھے۔ اس نے کنگھی کے تمام بالوں کو نکال کر انھیں ایک چھوٹے سے گولے کی صورت میں لپیٹ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔ جیراں یہ دیکھتے ہی کوٹھی کے باہر کھڑکی کے پاس آئی اور ان بالوں کو اٹھا کر حفاظت سے کاغذ میں لپیٹ کر ایک جگہ چھپا دیا۔ پھر شام کو وعدے کے مطابق انھیں مالنی کے حوالے کر دیا۔ اچانک اس کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ مالنی لیٹر بکس سے خط لے کر آگئی تھی۔ اس نے کہا "مالنی! میں کھانا کھا رہا ہوں۔ تم خط پڑھ کر سناؤ۔"

وہ قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ کر پڑھنے لگی "وہ ابھی تک شہر میں ہے۔ دارالسلطنت نہیں گئی ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ سوئی والے واقعے کی وجہ سے وہ ہمارا مطالبہ پورا کرنے پر مجبور ہو جائے گی تم دونوں کو اب یہ ملک فوراً چھوڑ دینا چاہیے خواہ برین کینسر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ تم نے یہاں کی حکومت کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ تمہارے ملک کے سفارت خانے پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ بہرحال تم دونوں کو اب سرحد پار کر لینا چاہیے اندیشہ ہے کہ پاکستانی حکومت نے جس چالاک لڑکی کو ہمارے پیچھے لگایا ہے

وہ تمہارے ذریعے ایک ایک کو اس ملک سے باہر بھگا دے گی یا ختم کر دے گی۔ آج رات دس بجے تم دونوں تیار رہنا ایک گاڑی آج ہی رات کو تمہیں سرحد پار پہنچا دے گی۔"

خط سننے کے بعد جیمس روبن نے کہا "چلو چھٹی ہوئی۔ اب ہم اپنے ملک واپس جاسکیں گے۔"

مالنی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "سچ پوچھو تو فرہاد ایک برین کینسر ہی ہے۔ یہ جس کے دماغ میں ہو جائے اسے موت کے بعد ہی چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ اچھا ہے ہم یہاں سے چلے ہی جائیں۔"

میں نے جیمس روبن کے ذریعے معلومات حاصل کیں کہ وہ کس تنظیم سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بعد یہاں کون لوگ تخریبی کارروائیاں کرنے کے لیے رہ جائیں گے۔ معلوم ہوا وہ ایک اسرائیل نواز تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس تنظیم کا سربراہ منڈل مین کہلاتا ہے۔ وہ شخص بین الاقوامی سطح کا ایک دلال تھا۔ بڑے بڑے ملکوں کے لیے دوسرے ممالک میں جاکر جاسوسی کرتا تھا۔ ان دنوں اسرائیلی حکومت نے اسے کرائے پر حاصل کیا تھا اور اب وہ پاکستان میں سرگرم عمل تھا۔ وہ اس سیکرٹ فائل تک پہنچنا چاہتا تھا جو اب سونیا کی تحویل میں تھی۔

میں ان لوگوں کو چھوڑ کر سونیا کے پاس آگیا۔ وہ شاہینہ وغیرہ کے ساتھ ناشتے سے فارغ ہو چکی تھی۔ اب شاہینہ اور سلمیٰ اس کے پاس بیٹھی ہوئی ضد کر رہی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ لاہور کی سیر کرنے چلے۔ بختاور نے کہا "میں ابھی کسی کو سیر و تفریح کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم دیکھ رہی ہو کہ شاہینہ پر کالے جادو کا عمل کیا گیا تھا۔ دشمن پھر کسی وقت پریشان کر سکتے ہیں۔ جب تک ہماری بیٹی سونیا اور فرہاد ان جادوگروں تک پہنچ کر انھیں سزا نہیں دے دیں گے اس وقت تک میں تم لوگوں کو باہر جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

اس وقت اس کا تمام خاندان بیڈ روم میں موجود تھا۔ صرف زبیر کسی کام سے باہر چلا گیا تھا۔ منصور سونیا سے بے حد متاثر تھا۔ وہ اسی کے ساتھ لگا رہتا تھا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ کس طرح خطرات سے محفوظ رہ کر اپنے دشمنوں کے منصوبوں کو ناکام بنا دیتی ہے۔ وہ سونیا سے بہت کچھ سیکھنا چاہتا تھا۔

میں نے بیگم بختاور کی سوچ کے ذریعے سوال کیا "ملازمہ جیراں کہاں چلی گئی ہے؟"

ان کی سوچ نے جواب دیا "وہ صبح چھٹی لے کر اپنے پنڈ گئی ہے۔"

میں نے سونیا کو مخاطب کیا "ہیلو! میں آگیا ہوں۔ تم بختاور اور بیگم بختاور کو میری طرف سے سلام کہو اور ان سے کہو کہ جس کمرے میں تم سب بیٹھے ہوئے ہو اس کے دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کر دیں۔ میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔"

سونیا نے بختاور اور بیگم بختاور کو میرا سلام کہا تو وہ خوش ہو کر سلام کے جواب میں دعائیں دینے لگے۔ سونیا اور منصور نے کمرے کی کھڑکیاں [illegible] دروازوں کو بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے سونیا کی زبانی ان لوگوں کو بتایا کہ دشمنوں نے کس طرح جیراں کے ذریعے شاہینہ کے سر کے بال حاصل کیے تھے۔

یہ بات سب نے بڑی حیرانی سے سنی۔ بیگم بختاور نے کہا "میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جیراں ایسی ہوگی۔ آنے دو بدذات کو [illegible] جوتے ماروں گی کہ ......"

میں نے سونیا کی زبانی کہا "آنٹی! اسے مارنے سے یا اس کا محاسبہ کرنے سے بات بگڑ جائے گی۔ ابھی دشمن اس بات سے بے خبر ہیں کہ میں ان کے دماغوں تک پہنچ گیا ہوں۔ اور ان کے متعلق معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ جیراں کو ابھی ڈھیل دے دیں۔ وہ آئے تو اس کے ساتھ بالکل انجان بن جائیں۔ اگر ایسا نہ کر سکیں تو جیراں کی واپسی سے پہلے ہی کوئی دوسری ملازمہ رکھ لیں تاکہ جیراں کو ملازمت سے نکالنے کا معقول جواز پیدا ہو جائے اور دشمنوں کو کوئی شبہ نہ ہو۔"

منصور نے کہا "کیوں نہ ہم تھانے میں رپورٹ درج کرا دیں [illegible] سونے کی ایک انگوٹھی گم ہو گئی ہے اور شبہ ہے کہ جیراں یہاں سے جاتے وقت وہ انگوٹھی لے گئی ہے۔"

سونیا نے تائید کی "یہ ٹھیک ہے۔ پولیس والے جب جیراں کے پنڈ میں تحقیقات کریں گے تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جیراں [illegible] سے آتے وقت ایک ہزار روپے لے کر آئی تھی۔ گو وہ ہزار روپے اسے دشمنوں سے رشوت کے طور پر ملے تھے لیکن پولیس یہی سمجھے گی کہ اس نے انگوٹھی بیچ کر ہزار روپے حاصل کیے ہیں اس طرح اسے مالکوں سے غداری کی سزا مل جائے گی۔"

سونیا نے مجھ سے پوچھا "تم نے جو معلومات حاصل کی ہیں وہ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"

"تم اتنے لوگوں کے درمیان بیٹھی ہو۔ میں تفصیل بیان کروں گا تم خاموش بیٹھی سنتی رہوگی اور آس پاس والے تمہارا منہ تکتے رہیں گے اور طرح طرح کے سوال کریں گے۔ لہٰذا تم ڈیوٹی اٹینڈ کرنے کے بہانے گھر سے نکلو۔ میں راستے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

سونیا نے اٹھتے ہوئے کہا "انکل! مجھے دفتر جانا ہے۔ جب تک ہم دشمنوں کو گرفتار نہ کر لیں اس وقت تک آپ لوگوں کو اپنی زبان پر قابو رکھنا ہوگا۔"

بختاور نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "بیٹی! ہم بھی محب وطن ہیں تمہاری اور فرہاد کی قدر کرتے ہیں۔ تم دونوں [illegible] کے ساتھ خاک ہو جانے کے لیے بھی کہو گے تو ہم انکار نہیں کریں گے۔"

وہ شاہینہ کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں آئی اور اپنے سوٹ کیس سے پتلون اور شرٹ نکال کر پہننے لگی۔ سائرہ بانو نے اس کا سوٹ کیس

اس کے پاس پہنچا دیا تھا۔ شاہینہ نے پوچھا "بھابی جان! آپ کتنے عرصے سے بھائی جان سے جدا ہیں؟"

یہ سن کر سونیا کچھ اداس ہو گئی۔ پھر آہستگی سے بولی "یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔ تمہارے بھائی جان بہت ہی سنگدل اور بے مروت ہیں۔ کبھی میرے پاس ایک دن بھی رہنا گوارا نہیں کرتے طرح طرح کے بہانے بنا کر مجھ سے دور رہتے ہیں۔"

"یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ اور بڑی ناانصافی ہے۔ میں بھائی جان سے آپ کے لیے لڑائی کروں گی۔"

میں نے شاہینہ کے دماغ میں کہا "بیٹے! میں مجبوراً سونیا سے دور رہتا ہوں، ورنہ تم نے دیکھا ہے کہ تمہاری بھابی جان کتنی پیاری ہیں۔ ہر اعتبار سے قابل قدر ہیں۔ صورت، سیرت، شخصیت، ذہانت، بے باکی، بے خوفی کسی اعتبار سے بھی کوئی دوسری عورت سونیا کا بدل نہیں ہو سکتی۔"

"بھائی جان آپ اتنی تعریفیں کرتے ہیں۔ بھابی جان کو اتنا چاہتے ہیں۔ پھر دور کیوں رہتے ہیں؟"

"مجبوری ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ خود سونیا جانتی ہے کہ میں کیسے حالات سے گزرتا رہتا ہوں۔ اکثر اپنوں کی بھلائی کی خاطر مجھے ان سے دور رہنا پڑتا ہے۔ یہی دیکھو کہ سونیا تم سے ملنے آئی تو دشمن تمہیں ٹریپ کرنے لگے ہیں۔ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ اسی لیے ہم اپنوں کے ساتھ گھریلو اور خاندانی زندگی نہیں گزار سکتے کہ کہیں ہماری وجہ سے دشمن ہمارے عزیزوں اور رشتے داروں کو پریشان کرنا شروع نہ کر دیں۔ اس طرح ہم کمزور ہو جائیں گے اور بیک وقت کئی محاذوں پر نہیں لڑ سکیں گے۔"

"بھائی جان! میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ یقیناً آپ ہمارے ساتھ رہیں گے تو دشمن ہمیں نقصان پہنچائیں گے لیکن بھابی جان کے ساتھ رہیں گے تو کس کی مجال ہے کہ کوئی انھیں نقصان پہنچائے۔ وہ تو آپ کے بغیر ہی دشمنوں کے دانت کھٹے کر سکتی ہیں۔ پھر مجبوری کیسی ہے؟"

"بھئی تم تو بچوں کی طرح بحث کرنے لگی ہو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"میں جو چاہتی ہوں۔ وہ آپ سے منوا لوں گی۔ مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میں دن کو رات کہوں تو میرے بھائی جان بھی رات کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کیا میں غلط کہتی ہوں؟"

"نہیں بیٹے! تمہارے لیے تو فرہاد کی جان بھی حاضر ہے۔ میں تمہاری ہر ضد پوری کرنے پر مجبور رہوں گا مگر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میری بہن ضد کرتے وقت میری مجبوریوں کا بھی خیال رکھے گی۔"

"میں خیال نہیں رکھوں گی تو اور کون رکھے گا۔ سن لیجیے۔ میں اپنی بھابی جان کو پھر سے دلہن بنانا چاہتی ہوں۔"

میں نے چونک کر پوچھا "ایں یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ بھابی جان اس وقت غیر مسلم ہیں۔ آپ نے شادی بھی کی تو پورے اسلامی طور طریقے سے نہیں کی۔ میں انھیں اسلام قبول کرنے کے لیے کہوں گی۔ جب یہ مسلمان ہو جائیں گی تو باقاعدہ نکاح پڑھایا جائے گا۔ یہ شادی ہمارے مزاج، ہمارے مذہب، ہمارے معاشرے اور ہماری تہذیب کے مطابق ہوگی۔"

"مگر بیٹے! میں رسونتی سے شادی کر چکا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں رسونتی کی بھی عزت کروں گی۔ لیکن آپ برا نہ مانیں۔ رسونتی بھابی کو آپ سے دلی لگاؤ نہیں ہے۔ اگر وہ دل کی گہرائیوں سے محبت کرتیں تو آپ کی بیوی بننے سے پہلے اسلام قبول کر لیتیں۔ دیکھیے یہ ایک لمبی بحث ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا یا آپ نے انھیں مسلمان بنانا ضروری کیوں نہیں سمجھا۔ یہ آپ دونوں کا ذاتی عمل ہے۔ میں آپ لوگوں کا محاسبہ نہیں کرنا چاہتی لیکن ایک نیک کام کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ جو ہستی آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہے اور جو آپ کی خاطر ایک خدا اور آخری رسولؐ پر ایمان لا سکتی ہے۔ میں اسے مسلمان بنا کر باقاعدہ آپ سے نکاح پڑھوا کر اپنی بھابی جان بنانا چاہتی ہوں۔ کیا آپ انکار کریں گے؟"

"بھئی وہ تو تمہاری بھابی جان پہلے ہی ہیں۔ پھر دوسری بار نکاح پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ اسلامی اصولوں کے مطابق دوبارہ آپ کا نکاح ہونا چاہیے۔"

میں نے شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا "بیٹے! تمہاری یہ ضد ہر اعتبار سے جائز اور معقول ہے۔ میں تمہاری خوشی پوری کر دوں گا۔"

"کر دوں گا نہیں، ابھی کریں گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "ابھی کیسے؟"

"ایسے کہ بھابی جان دفتر سے واپس آئیں گی۔ تو ہم انھیں غسل کرا کے کلمہ پڑھائیں گے اور دو رکعت نماز پڑھا کر پوری طرح مشرف بہ اسلام کرنے کے بعد قاضی کو بلا کر نکاح پڑھائیں گے۔ آپ اتنی جلدی یہاں نہیں آسکتے ہیں لیکن سوچ کے ذریعے نکاح تو قبول کر سکتے ہیں۔ جب ہزاروں میل کے فاصلے سے ٹیلیفون کے ذریعے نکاح ہو جاتا ہے۔ تو پھر سوچ کے ذریعے کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"تم تو عجیب باتیں کر رہی ہو۔ پہلے ہمیں کسی عالم دین یا مفتی صاحب سے معلوم کرنا ہوگا کہ سوچ کے ذریعے نکاح پڑھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟"

"میں یہ معلومات حاصل کر لوں گی۔ لیکن آپ بھی اچھی طرح سن لیں۔ اگر مفتی صاحب نے یہ کہہ دیا کہ سوچ کے ذریعے نکاح نہیں پڑھایا جا سکتا ہے تو پھر آپ کو چوبیس گھنٹے کے اندر یہاں پہنچنا ہوگا۔ نہیں آئیں گے تو میں رو رو کر جان دے دوں گی۔"

"تم اپنی ضد سے مجھے پریشان کر رہی ہو۔ میں چوبیس گھنٹے کے اندر کیسے آسکتا ہوں؟"

"چلیے چوبیس گھنٹے نہ سہی اڑتالیس گھنٹے کے اندر تو آسکتے ہیں نا؟"

"بھئی مجھے کچھ سوچنے کا تو موقع دو۔ اپنی ہی بات منوانے پر اڑی ہوئی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ بھائی جان اس وقت دفتر جا رہی ہیں۔ شام تک آپ بھی اپنا فیصلہ سنا دیں۔"

وہ مجھ سے زبانی باتیں کر رہی تھی۔ اس لیے سونیا بھی سب کچھ سن سن کر اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "کیا بے حیاؤں کی طرح مسکرا رہی ہو۔ تم اسے سمجھا نہیں سکتیں؟"

"میں کیوں سمجھاؤں بے مروت کہیں کے۔ میں نے تمھیں باندھ کر رکھنے کے لیے ہزاروں کوششیں کر ڈالیں مگر تم بندھن توڑ کر بھاگتے رہے اب ذرا شاہینہ کو ناراض کر کے دکھاؤ۔ اگر تم نے اس کا دل توڑ دیا تو میں یقین کر لوں گی کہ تم انسان نہیں پتھر ہو اور دنیا میں کسی بھی رشتے کا احترام نہیں کر سکتے۔"

یہ کہہ کر سونیا نے شاہینہ کو اتنے شدید پیار کے جذبے سے دیکھا جیسے اس کی روح شاہینہ کے لیے کھنچ کر آنکھوں میں آگئی ہو پھر اس نے آگے بڑھ کر شاہینہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ممتا بھرے انداز میں اس کی پیشانی کو چوم کر کہا: "مرد کتنا ہی سنگدل ہو وہ اپنی اولاد کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ تم اگر فرہاد کی بیٹی ہو تو میری بھی بیٹی ہو اور اب اس رشتے سے وہ تمھاری ماں کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے۔"

اس نے شاہینہ کو اس طرح اپنی آغوش میں سمیٹ لیا جیسے کوئی عورت اپنے بے وفا اور سنگدل شوہر کی بے وفائی کے غم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی اولاد کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "شاہینہ میں عورت بن کر انھیں حاصل نہ کر سکی۔ تمھاری بھابی تمھاری ماں بن کر یقیناً انھیں جیت لوں گی۔"

میں نے شرمندگی سے کہا: "سونیا کیوں ایسی باتیں کرتی ہو۔ کیا تم اپنے دل میں جھانک کر یہ کہہ سکتی ہو کہ میں تمھیں دل و جان سے نہیں چاہتا ہوں؟ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو تمھارے مقابلے میں چاہی جا سکتی ہو کبھی نہیں سونیا! ہم دونوں کے مزاج ایسے ہیں کہ ہم لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں مگر وہ دوری ہزار قربتوں سے بہتر ہوتی ہے۔ ایک طویل جدائی کے بعد جب ہم ملتے ہیں تو ہماری محبت کی تجدید ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم پہلی بار مل رہے ہوں۔ پہلی بار ایک دوسرے پر دل و جان سے قربان ہو رہے ہوں۔ اب ہم پھر ملیں گے۔"

سونیا نے پوچھا "کب ملیں گے؟"

"پہلے یہ بتاؤ کیا تم میری خاطر اسلام قبول کر رہی ہو؟"

"جب تمھیں قبول کیا تھا اُسی وقت اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اب خدا کے آگے جھک کر اور اس کے آخری رسولؐ کی رسالت کا زبانی اعتراف کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دوں گی۔"

"تو پھر مجھے ذرا سوچ لینے دو۔ میں جلد سے جلد تمھارے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔ شاہینہ کو خوشخبری سنا دو کہ ہمارا نکاح سوچ کے ذریعے نہیں بلکہ بہ نفس نفیس ایک دوسرے کے روبرو پڑھایا جائے گا۔"

اس نے شاہینہ کو یہ خوشخبری سنا دی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑی اور اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کرتی، خوشی سے ناچتی، اپنی مسرتوں میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے ایک ایک کو آوازیں دیتی ہوئی نیچے ڈرائنگ روم کی طرف بھاگتی چلی گئی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ انتہائی مسرت سے ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر کہنے لگی: "میرے بھائی جان آنے والے ہیں۔ میرے بھائی جان آنے والے ہیں۔ اس گھر میں شادیانے بجیں گے۔ میں بھابی کو دلھن بناؤں گی اپنے ہاتھوں سے بھائی جان کے سر پر سہرا باندھوں گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "سونیا! آج شاہینہ بہت خوش ہے۔ اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی ہے بہرحال اب تم دفتر چلو۔ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

بختاور کی کوٹھی کے احاطے میں سرکاری گاڑی تھی اور چار مسلح جوان سونیا کے باڈی گارڈ کی حیثیت سے موجود تھے۔ سونیا نے باہر آ کر ان سے کہا "تم جوان یہیں رہ کر کوٹھی کے چاروں طرف گشت کرتے رہیں۔ کسی کو بختاور صاحب کی اجازت کے بغیر اندر نہ آنے دیا جائے۔"

انھیں ہدایت دے کر وہ ایک مسلح محافظ کے ساتھ دفتر کی طرف روانہ ہو گئی۔ مسلح محافظ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے اسے وہ تمام باتیں بتائیں جو جھونگا میں میرے اور مالنی کے دماغوں سے معلوم ہوئی تھیں۔ اس نے پوچھا: "کیا جیمس رومن اور مالنی کو آج رات سرحد پار کرنے کا موقع دے دیا جائے؟"

"ہاں، انھیں فرار ہو جانے دو۔ اگر ہم انھیں گرفتار کریں گے یا چھیڑیں گے تو مڈل مین ہوشیار ہو جائے گا۔ مڈل مین تک پہنچنے کے لیے ہمیں آلہ کاروں کو ڈھیل دے دینا چاہیے۔ یوں بھی جیمس رومن اور مالنی کے دماغ میری مٹھی میں ہیں۔ وہ کہیں بھی جائیں ہر جگہ میری گرفت میں رہیں گے"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرموں تک ایک جعلی مائیکرو فلم پہنچانے کے لیے مجھے اسلام آباد جانا ہوگا۔"

"تم چیف آفیسر سے مل کر اس بات کی پبلسٹی کرو کہ تم کل صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہی ہو۔ اس دوران ہم دیکھیں گے کہ کتنے لوگ ہماری نظروں میں آتے ہیں۔"

"اس پتلے کا کیا ہوگا جس کی کمر سے شاہینہ کے سر کے بال بندھے ہوئے ہیں؟"

"اسے ابھی یوں ہی رہنے دو۔ جب تک تم ان کی ہدایات پر عمل کرتی رہو گی۔ ان کا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کرتی رہو گی۔ اس وقت تک وہ پتلے میں سوئی نہیں چبھوئیں گے۔ اگر ایسا موقع آیا تو میں بھونڈ کے دماغ کو اپنے قابو میں لے کر اس کی کمر سے شاہینہ کے بال کھول کر انھیں ہوا میں اڑا دوں گا۔"

"میں یہاں کے معاملات سنبھال لوں گی۔ اب تم رسونتی کے پاس جاؤ۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "رسونتی کے پاس کیوں؟"

وہ مسکرا کر بولی: "سنا ہے تمھارے مذہب میں دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا پڑتی ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر سونیا کو خدا حافظ کہا اور دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ واقعی ابھی رسونتی کے ساتھ سر کھپانا تھا۔ اسے یقیناً میری بات بُری لگے گی۔

میں رائٹ ایروس کے بیڈ روم میں بیٹھا سوچ رہا تھا اچانک ہی میں نے اپنے دماغ میں بہت ہی ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ کس قسم کا جھٹکا تھا۔ میں پوری توجہ سے اپنے دماغ کی اندرونی کیفیت کو محسوس کرنے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی سانس روک لی۔ سانس روکتے ہی میرے دماغ میں ایک ذرا سا ہلکا پن محسوس ہوا جیسے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

یہ بڑی عجیب سی بات تھی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ مجھے خیال آیا کیا کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے دماغ میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا جب میں نے سانس روک لیا تو اس کی سوچ کی لہریں میرے دماغ سے واپس چلی گئیں۔ کیا کوئی میرے ساتھ بھی آنکھ مچولی کھیل رہا ہے؟

میرا خیال ایک دم سے رسونتی کی طرف گیا۔ میں نے پلک جھپکتے ہی اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا تو اس نے چونک کر سانس روک لی۔ میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ سے واپس آگئیں۔ اس کا مطلب تھا کہ رسونتی کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آگئی ہیں۔ اب وہ سانس روک کر میری سوچ کی لہروں کو واپس کر سکتی تھی۔

میں نے پھر اس کے دماغ میں جگہ بنا کر اسے مخاطب کیا: "ہیلو رسونتی! تم کیا کر رہی ہو؟"

اس وقت مجھے اس کے دماغ میں جگہ مل گئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے۔ آنکھیں بند کیے شمال کی طرف منہ کیے کھڑی تھی۔ اس نے کہا: "میں اپنے آپ کو آزما رہی ہوں۔ میری سوچ کی لہریں اب کسی کے بھی دماغ میں جگہ بنا سکتی ہیں۔ میں نے آزمائش کے طور پر تمھارے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو تم نے پہلے تو حیرانی کا اظہار کیا۔ پھر اپنی سانس روک لی جس کے نتیجے میں میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔"

"ہاں میں نے ایسا کیا تھا۔"

رسونتی نے پوچھا: "لیکن پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ میں تمھارے دماغ میں آرام سے پہنچ جاتی تھی اور تم سانس روک کر میری سوچ کی لہروں کو واپس نہیں کر سکتے تھے۔"

میں نے کہا: "یہ تعجب کی بات ہے اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ میں چونکہ دن رات خیال خوانی میں مصروف رہتا ہوں۔ میری مشقیں برابر جاری رہتی ہیں اس لیے اب میرا دماغ بہت زیادہ حساس ہو گیا ہے۔ وہ کسی بھی سوچ کی لہر کو فوراً ہی محسوس کر لیتا ہے۔ اپنی سوچ اور پرائی سوچ میں فوراً ہی تمیز ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تم میرے دماغ میں آئیں تو میں نے کچھ اجنبیت سی محسوس کی۔"

رسونتی نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ احساس کی جس شدت کو میں نے یوگا کی مشقوں سے حاصل کیا تھا تم نے دن رات کی خیال خوانی کی مشقوں سے وہی شدت حاصل کر لی ہے۔ اب میں یا کوئی بھی دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا تمھاری اجازت کے بغیر تمھارے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔ جب بھی میں تمھارے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کروں گی تو تمھارے احساسات بیدار ہو جائیں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اب میرے دل میں یہ اندیشہ نہ رہا کہ گا کہ رسونتی کسی وقت بھی میرے دماغ میں جھانک کر میری وہ باتیں معلوم کر سکتی ہے جو میں اس سے چھپانا چاہتا ہوں۔ میں نے پھر اپنے دماغ میں ایک بہت ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا "ہاں، بولو کیا بات ہے؟"

وہ بولی: "تم بڑی دیر تک غیر حاضر رہے تھے۔ میری خبر کیوں نہیں لی؟"

"میں سونیا کے پاس تھا۔ وہ پاکستان میں بڑے ہی اہم معاملات میں الجھی ہوئی ہے۔"

"فرہاد، جس طرح میں دنیا والوں سے کنارہ کش ہو کر یہاں گمنامی کی زندگی گزار رہی ہوں۔ نہ کوئی دشمن ہے۔ نہ کوئی ناگہانی آفت ہے۔ کیا تم اور سونیا ایسا نہیں کر سکتے۔ تم دونوں دنیا والوں سے چھپ کر یہاں آ سکتے ہو۔"

"ہاں ہمیں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا بس فرائض روک دیتے ہیں۔ دیکھو نا وہاں مرجانہ اور اس کی امی ہیں۔ پھر میرے اپنے رشتہ دار ہیں۔ میری اپنی بہن شاہینہ ہے جو میرے پیار کی محتاج ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرا اپنا وطن ہے جسے میری اور سونیا کی ضرورت ہے۔ میں ان سب فرائض کو بھول کر یہیے گوشہ تنہائی میں زندگی گزار سکتا ہوں؟"

"میں تمھیں تمھارے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اب سناؤ کہ جہاں رہتے ہو وہاں تمھاری کیا مصروفیات ہیں؟"

"میں جلد ہی جلال بیگ تک پہنچنے والا ہوں۔ شاید آج رات تک اس سے سامنا ہو جائے لیکن ابھی میں تم سے ایک ذاتی معاملے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"بولو میں سن رہی ہوں۔"

"میں سونیا کے متعلق تم سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ کیا وہ ساری

عمر اسی طرح میری محبت میں بھٹکتی رہے گی. کیا اسے ازدواجی زندگی کبھی نصیب نہیں ہوگی؟"

"اب یکایک سونیا سے اتنی محبت کیسے ہوگئی کہ ازدواجی رشتے کے متعلق سوچنے لگے ہو؟"

"سونیا ان دنوں میری بہن شاہینہ کے پاس ہے اور شاہینہ کی ضد ہے کہ میں اس سے ضرور شادی کرلوں"

وہ ذرا چڑ کر بولی "مبارک ہو"

"ناراض ہوگئیں؟"

"بہت خوش ہوں. دنیا کی کسی عورت سے بھی پوچھ لو. ایسے وقت وہ خوش ہوتی ہے یا اس کے دل پر بجلی گرتی ہے!"

"مگر سونتی! تم تو ہماری شادی سے پہلے ہی میرے حالات سے واقف تھیں. سونیا کا حق تم سے پہلے تھا. مگر پہلی بیوی تم بن گئیں. تم نے کہا بھی تھا کہ تمھیں سونیا کو کبھی سوتن کی حیثیت سے قبول کرنا بھی پڑا تو انکار نہیں کروگی!"

"بیشک میں نے یہ بات کہی تھی. مجھے سونیا سے کوئی دشمنی نہیں ہے. لیکن میں اپنی زبان سے اس کی اجازت دینے کی ہمت نہیں رکھتی. تم آخر مجھ سے اس سلسلے میں مشورہ ہی کیوں لے رہے ہو؟"

"ہمارے مذہب میں سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ اپنی پہلی بیوی سے اجازت حاصل کرو اور دوسری شادی کے لیے کوئی معقول جواز پیش کرو!"

"تمھارے پاس معقول جواز کیا ہے. کیا میں اپاہج ہوں. کیا میں ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں ہوں. کیا میں صحت مند نہیں ہوں. کیا میں تمھارے بچے کو جنم دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی؟ مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟"

"تم میں کسی بات کی کمی نہیں ہے لیکن پاکستان میں میرے رشتہ دار، دوست احباب اور سوسائٹی کے لوگوں کا تقاضا ہے کہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ازدواجی زندگی گزاروں. میری بیوی مسلمان ہو اور سونیا اسلام قبول کر رہی ہے. کیا تم یہ تقاضے پورے کرنے کے لیے اپنا دھرم بدل سکتی ہو؟"

"میں اپنے دھرم کو چھوڑ سکتی تو بہت پہلے ہی چھوڑ دیتی. ہم نے ایک دوسرے کو انسانی برادری کے ناتے سے اپنایا ہے. اس وقت ہمارے درمیان کوئی دھرم، کوئی مذہب نہیں تھا. وہ محبت تھی جو دنیا کا ایک مشترکہ مذہب ہے. مگر آج تم اپنی سوسائٹی، اپنے معاشرے اور اپنے وطن کے لیے سونیا کو اپنانا چاہتے ہو. بے شک اگر وہ اسلام قبول کر رہی ہے اور تمھارے لیے اپنا سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں. میں جانتی ہوں کہ وہ تو تمھیں جیتنا چاہتی ہے اور جیت کر رہے گی."

"سونتی! تم نے بھی مجھے جیت لیا ہے. لیکن تم سے جو کمی رہ گئی ہے اسے سونیا پورا کر دے گی اور یہی میری دوسری شادی کی وجہ ہے."

"تم سے شادی کرتے وقت میں جانتی تھی کہ کبھی یہ وقت بھی آئے گا. اب تم جاؤ. مجھے تنہا چھوڑ دو."

"تمھیں ناراض کر کے کیسے چلا جاؤں. کیا تم خوش دلی سے اجازت نہیں دے سکتیں؟"

"میں نہیں سمجھتی کہ دنیا کی کوئی بھی عورت اس کے لیے خوشی سے آمادہ ہو سکتی ہے. یہ رشتہ تو بس مجبوراً ہی قبول کیا جا سکتا ہے."

"شکریہ. تمھیں کچھ عرصے تک مجھ سے شکایت ضرور رہے گی. لیکن سونیا تمھیں اپنے سوتن ہونے کا احساس تک نہیں ہونے دے گی."

"میں سونیا کو جانتی ہوں. مجھے نہ کبھی اس سے شکایت رہی ہے نہ کبھی شکایت ہوگی."

"کیا تم سونیا کے کسی کام آنا چاہتی ہو؟"

"ماضی میں وہ میرے بہت کام آئی ہے. اس کے مجھ پر احسانات ہیں. میں بھی وقت آنے پر ضرور اس کے کسی کام آؤں گی."

"تو پھر اس کی خبر لیتی رہو. اب تمھاری صلاحیتیں کسی حد تک بحال ہو گئی ہیں. تم خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرتی رہنا کہ وہ کن حالات سے گزر رہی ہے. میں ذرا دوسری جگہ مصروف رہوں گا."

"ابھی نہیں. تم نے مجھے جو ذہنی صدمہ پہنچایا ہے پہلے اس سے سنبھل جانے دو — ابھی میں اس کے پاس جاؤں گی تو ممکن ہے جلاپے کا شکار ہو جاؤں. میرا سر دکھ رہا ہے. مجھے تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دو."

ہمارا رابطہ ختم ہو گیا. میں نے دوسرے ہی لمحے رینا جلال کے دماغ میں جھانک کر دیکھا. اس وقت لندن میں دن کے دو بج رہے تھے. رینا لنچ کے بعد بستر پر لیٹی آرام کر رہی تھی. جلال بیگ ابھی تک اس سے ملنے نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس کا کوئی پیغام آیا تھا. رینا کو اطمینان تھا کہ جب تک کوئی پیغام نہیں آئے گا، اس وقت تک جلال بیگ لندن ہی میں موجود رہے گا اور موقع ملتے ہی اس سے ملنے آئے گا.

رینا کی سوچ میرے لیے امید افزا تھی. میں بھی اسی کا منتظر تھا. میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر لباس تبدیل کیا. پھر فلیٹ سے باہر آ کر رائٹ ایروس کی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا. اس کا اسسٹنٹ ڈرائیو کرنے لگا. تھوڑی دیر بعد میں اس کے ساتھ ایک ریسٹوران میں کھانا کھا رہا تھا. کھانے کے دوران میں نے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا. اس وقت ایک ڈاکٹر اس کا معائنہ کر رہا تھا. اور اس کے لیے کچھ دوائیں تجویز کر رہا تھا. میں نے ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا کہ مرجانہ اپنی تبدیلی کے سلسلے میں کس مرحلے سے گزر رہی ہے.

ڈاکٹر کی سوچ کے ذریعے دو اہم انکشافات ہوئے. ایک تو یہ کہ مرجانہ تبدیلی کے مراحل سے گزرتے ہوئے ایک ایسے مرحلے پر رک گئی ہے جہاں سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی. دوسرا اہم انکشاف یہ تھا

جو ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا. وہ اس سے متاثر تھا اور چاہتا تھا کہ مرجانہ تبدیل نہ ہو بلکہ وہ اپنی قدرتی جنس کی طرف واپس لوٹ آئے.

میں نے ڈاکٹر کی سوچ میں سوال کیا "کیا ایسا ممکن ہے کہ مرجانہ پھر اپنے عورت پن کی طرف واپس آجائے؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا "ممکن ہے. دراصل ہارمونز کی کمی یا بیشی سے انسانوں میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں. مثلاً ایک عورت کے اندر ہارمونز کچھ زیادہ ہو جائیں تو اس کے چہرے پر کہیں کہیں مونچھیں اور داڑھی کے بال نکل آتے ہیں. یہ مردانہ پن کی نشانی ہے. اس میں کسی حد تک مردانگی بھی آجاتی ہے اور عورت پن قدرے کم ہو جاتا ہے. لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مرد بن جاتی ہے. وہ جسمانی اعتبار سے عورت ہی رہتی ہے بالکل اسی طرح مس ماریہ (مرجانہ) میں ہارمونز کی زیادتی نے انھیں مردانگی کی طرف مائل کر دیا تھا لیکن اب طبی سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ جن کے اندر ہارمونز زیادہ ہوں ان میں کمی کی جا سکتی ہے اور جن میں کم ہوں ان میں زیادہ کیے جا سکتے ہیں مس ماریہ (مرجانہ) میں ہارمونز کی جو زیادتی ہوگئی ہے. اسے میں رفتہ رفتہ دواؤں کے ذریعے کم کر رہا ہوں. یہی وجہ ہے کہ مس ماریہ کی تبدیلی رک گئی ہے."

ڈاکٹر کی سوچ پڑھ کر مجھے حیرانی ہوئی. شاید وہ کم بخت مرجانہ سے عشق کرنے لگا تھا اور اسے عورت کے ہی روپ میں دیکھنا چاہتا تھا. اس لیے مرجانہ کے مزاج کے خلاف اسے اس کی لاعلمی میں عورت پن کی طرف واپس لے جا رہا تھا.

اِدھر مرجانہ تھی کہ مرد بننے کے شوق میں شیو بھی کرنے لگی تھی. تاکہ جلدی سے داڑھی اور مونچھوں کے بال اگ آئیں. مجھے اس ڈاکٹر پر غصہ آنے کے بجائے خوشی ہوئی. یہ میری مرضی کے عین مطابق تھا. مجھے مرجانہ کی تبدیلی بالکل ہی پسند نہیں تھی. میں چاہتا تھا کہ قدرت نے اسے عورت بنا کر پیدا کیا ہے تو وہ عورت ہی رہے. ڈاکٹر میری یہ خواہش پوری کر رہا تھا. جس کمرے میں وہ مرجانہ کا معائنہ کر رہا تھا. وہاں ڈیڈ جمال بھی موجود تھا. میں نے ڈیڈ جمال کو اکسایا کہ مرجانہ کے شیو کرنے کا ذکر ڈاکٹر سے کرنا چاہیے.

ڈیڈ جمال نے کہا "ڈاکٹر! ہماری بیٹی کو بیٹا بننے کا بہت شوق ہے"

مرجانہ نے گھور کر کہا "آپ نے مجھے پھر بیٹی کہا"

"اوہ سوری، یہ ہمارا بیٹا ہے. اب یہ کس مرحلے پر ہے؟"

"میں دوائیں دے رہا ہوں. اگر آپریشن کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی ہو جائے گا. ویسے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا."

"لیکن ڈاکٹر! یہ تو اب شیو کرنے لگا ہے. کہیں ایسا نہ ہو کہ تبدیلی رک جائے اور شیو کرنے کی وجہ سے داڑھی مونچھ نکل آئے."

ڈاکٹر نے مسکرا کر مرجانہ کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ غلط بات ہے. وقت سے پہلے انسان کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے. جس کی وجہ سے بعد میں پچھتانا پڑے."

مرجانہ نے پوچھا "پچھتانا کیوں پڑے گا. اب تو میں مرد بن ہی رہا ہوں."

ڈاکٹر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں. اگر تمھاری آواز ذرا بھاری ہوگئی ہے اور تم اپنے اندر کچھ تبدیلیاں محسوس کرنے لگے ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی مرد بن چکے ہو. ابھی تو آزمائشی مرحلے ہے اس تبدیلی ....."

وہ کہتے کہتے رک گیا. مرجانہ نے پوچھا "آپ نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟"

"تمھیں یہ سن کر دکھ ہو سکتا ہے. تبدیلی رک گئی ہے اور میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟ تمھیں واپس تو لوٹایا جا سکتا ہے لیکن آگے بڑھانا ممکن نہیں ہے."

یہ سنتے ہی مرجانہ اٹھ کر بیٹھ گئی. وہ غصے سے بولی "جب واپس لوٹایا جا سکتا ہے تو آگے کیوں نہیں بڑھایا جا سکتا؟"

"واپس لوٹانا آسان ہے. جو ہارمونز پیدا ہو چکے ہیں ان میں کمی کی جا سکتی ہے. تمھارا عورت پن واپس آسکتا ہے."

مرجانہ نے کہا "اسی طرح ہارمونز کو بڑھایا بھی تو جا سکتا ہے؟"

"یہ نظامِ قدرت کے خلاف ہے. کوئی بھی ڈاکٹر ایک حد تک ہارمونز کی کمی کو پورا کر سکتا ہے لیکن اپنی مرضی سے اس حد تک ہارمونز پیدا نہیں کر سکتا کہ ایک عورت کو مرد بنا دے. اگر ایسا کیا جا سکتا تو ڈاکٹر کتنی ہی عورتوں کو اب تک مرد بنا چکے ہوتے."

مرجانہ نے غصے سے چیخ کر کہا "شٹ اپ. تم ڈاکٹر نہیں گھسیارے ہو. تم میرا علاج نہیں کر سکتے. آئی سے یو گیٹ آؤٹ. میں کسی دوسرے ڈاکٹر سے علاج کراؤں گا."

ڈاکٹر نے نرمی سے کہا "مس ماریہ! آپ ناحق غصہ ہو رہی ہیں."

وہ پھر چیخ کر بولی "میں مس نہیں ہوں. مسٹر ہوں."

"چلیے مسٹر ہی سہی. لیکن آپ قدرت سے نہیں لڑ سکتیں. میں نے آپ سے جھوٹ نہیں کہا ہے. آپ کے معائنے سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے. وہی میں آپ کو بتا رہا ہوں."

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی "میں نہیں مانتا. میں کسی دوسرے تجربہ کار

ڈاکٹر سے کنسلٹ کروں گا۔"

"آپ ایک نہیں دس ڈاکٹروں سے کنسلٹ کریں لیکن مجھے اُمید ہے کہ اگر دوسرے ڈاکٹروں کی رپورٹ میری رپورٹ سے مطابقت رکھے تو آپ مجھ ہی سے علاج کرائیں گی۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر بولی۔"علاج کرائیں گی نہیں علاج کرائیں گے۔"

"اوہ سوری میں بھول جاتا ہوں۔ کیا کروں جو مجھے نظر آ رہا ہے۔ میں اسی کے مطابق بولتا ہوں اور آپ مجھے اس کے برعکس بولنے پر مجبور کرتی ہیں۔ سوری کرتے ہیں۔"

میں ریستوراں میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ کھانا ختم کر کے میں نے بل ادا کیا اور پھر اُس کے ساتھ باہر آ گیا۔ کار میں بیٹھ کر میں نے اسے دریائے ٹیمز کے کنارے چلنے کی ہدایت کی اور دوبارہ مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت تک ڈاکٹر وہاں سے جا چکا تھا۔ میں نے ڈاکٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنی کار ڈرائیو کرتے ہوئے مرجانہ کے متعلق سوچ رہا تھا اور پریشان تھا کہ وہ دوسرے ڈاکٹروں سے کنسلٹ کرے گی۔ اور اس کے نسخے دکھائے گی تو راز کھل جائے گا۔

میں اسے چھوڑ کر پھر مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب وہ جس ڈاکٹر کے پاس جائے گی میں اس کے دماغ پر قابض ہو کر وہی نسخہ لکھواؤں گا جو پہلا ڈاکٹر اس کے لیے تجویز کر چکا تھا۔ میری کوشش یہی ہوگی کہ مرجانہ رفتہ رفتہ پھر عورت پن کی طرف واپس چلی آئے۔

مرجانہ کے ساتھ عجب تماشا ہو رہا تھا۔ وہ مرد بننے کے لیے شیو کرتی تھی۔ دوسری طرف تقدیر اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ ویسے بھی ڈاکٹر کا یہ حتمی فیصلہ تھا کہ مرجانہ اپنے طور پر کسی بھی ڈاکٹر کا علاج کرائے جس مرحلے پر اس کی تبدیلی رک گئی ہے۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھے گی۔ یعنی وہ مکمل مرد نہیں ہوگی اور واپسی کی دوائیں نہ دی جائیں تو مکمل عورت بھی نہیں رہے گی۔

اس وقت مرجانہ اور ڈیرچال گائیڈ بک سے لندن کے مشہور و معروف ڈاکٹروں کے پتے نوٹ کر رہے تھے۔ میں ان کے پاس سے واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں دریائے ٹیمز کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں چاروں طرف شبنمی دھند لکا چھایا ہوا تھا۔ میں اوورکوٹ پہنے فیلٹ ہیٹ پیشانی پر جھکائے سوچوں میں گم بے خیالی میں دریائے ٹیمز کی لہروں کو دیکھ رہا تھا کہ ایک نوجوان انگریز دوشیزہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے مسکرا کر پوچھا "کیا تمھارے پاس سگریٹ ہوگا؟"

میں نے اُسے کوئی بازاری عورت سمجھ کر بھگا دینا چاہا۔ مگر پھر خیال آیا ایک سگریٹ پلا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اسے سگریٹ دینے کے دوران اس کی سوچ پڑھی تو چونک گیا۔ وہ سوچ رہی تھی "اوہ گاڈ! یہ کسی طرح میرے دام میں آ جائے اور میں اسے کاٹن گودام تک پہنچا دوں تاکہ وہ لوگ مجھے پانچ سو پاؤنڈ دے دیں۔ اس رقم سے میرے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اوہ کرائسٹ میں تیرا نام لے کر کوشش کرتی ہوں۔"

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ میں نے اس کا سگریٹ سلگا دیا۔ اس نے ایک کش لے کر کہا "میں اسٹریٹ گرل ہوں۔ مگر تم سے ایک پینس بھی نہیں لوں گی۔ میں پارکنگ ایریا سے تمھارا پیچھا کرتی آ رہی ہوں۔ کیا میرے ساتھ چلوگے؟"

"تم اتنی حسین ہو اور پھر مجھ سے کچھ طلب بھی نہیں کرنا چاہتیں۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا۔ کہاں چلنا ہوگا؟"

"بس وہ اُدھر کاٹن گودام کے قریب میرا گھر ہے۔"

میں نے کہا "یہاں کا منظر بڑا ہی رومان پرور ہے ہم تھوڑی دیر بیٹھیں گے۔ یہ سگریٹ ختم ہو جائے گا تو چلیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

اس نے مسکرا کر اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن میں نے اُسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی سوچ نے ان لوگوں کی طرف بھٹکا دیا جو اسے کرائے پر حاصل کر کے مجھے گودام کی طرف بُلا رہے تھے۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ مجھے بلانے والے کون لوگ ہیں اور میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ میں نے رائیٹ ایروس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ ایک پب میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ میں نے کہا: "ہیلو رائیٹ! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

اس نے سوچ کے ذریعے کہا "فرمائیے جناب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں اس وقت دریائے ٹیمز کے کنارے ہوں اور میرے پہلو میں ایک نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ مجھے پھانس کر کاٹن گودام کی طرف لے جانا چاہتی ہے کچھ لوگوں نے اسے کرائے پر حاصل کیا ہے۔ کیا تمھارا کوئی ایسا دشمن بھی ہے۔ جو تمھیں تنہائی میں گھیر کر نقصان پہنچانا چاہتا ہو؟"

"بظاہر تو ایسا کوئی دشمن میری نظر میں نہیں ہے۔ جو لوگ کیسینو میں بڑی بڑی رقمیں ہار جاتے ہیں۔ وہ اکثر مجھے گالیاں بھی دیتے ہیں اور قتل کرنے کی دھمکیاں بھی، لیکن آج تک کسی نے نہ تو قتل کیا ہے نہ ہی مجھے کوئی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم یہاں آ جاؤ۔"

"کہاں آ جاؤں؟ میں تو ٹیمز کے قریب ہی ایک پب میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"پھر تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ میں جاتا ہوں۔ تم میری جگہ لو اور اس لڑکی کے ساتھ اس کاٹن گودام تک چلے جاؤ۔ میں خیال خوانی کے ذریعے تمھاری حفاظت کرتا رہوں گا۔"

"کیا میں اس لڑکی کے سامنے آپ کی جگہ لے سکتا ہوں؟"

"نہیں، تم وہاں کسی جگہ چھپ جانا۔ میں کسی بہانے تمھارے پاس آ کر اپنا ہیٹ اور اوورکوٹ تمھیں دے دوں گا۔ اسے پہن کر تم لڑکی کے پاس آ جانا۔"

"یہ مناسب ہے یہاں پب کے پاس ایک اوپن ایئر تھیٹر ہے میں وہاں ویٹنگ روم میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کیا اور اس کے اسسٹنٹ کے دماغ میں پہنچ کر اسے بتایا کہ جب میں ایک لڑکی کے ساتھ آ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں تو وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا اوپن ایئر تھیٹر کی طرف لے جائے۔ وہاں تھوڑی دیر کے لیے گاڑی روک دے میں اتر کر چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد اصلی رائیٹ ایروس پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ جائے گا اور لڑکی کو اس تبدیلی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔

اسے سمجھانے کے بعد میں نے سگریٹ ایک طرف پھینک دیا اور لڑکی کا ہاتھ تھام کر کہا "آؤ چلیں۔"

وہ خوش ہو کر میرے ساتھ اٹھ گئی۔ ہم پارکنگ ایریا میں پہنچے تو اسسٹنٹ نے ہمارے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ آدھے منٹ کے بعد ہی اوپن ایئر تھیٹر آ گیا۔ میں نے اس لڑکی کو سنانے کے لیے کہا۔ "تھیٹر کے قریب ذرا گاڑی روک دو۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔"

پھر میں نے لڑکی سے کہا "ایکسکیوز می میم۔ ایک منٹ میں آ جاؤں گا۔"

اس نے مسکرا کر اجازت دے دی۔ میں کار سے اتر کر تیزی سے چلتا ہوا ویٹنگ روم میں پہنچا۔ وہاں وہ میرا منتظر تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا "دیکھیے آپ کا حکم ملتے ہی میں نے اپنا میک اپ اتار دیا ہے اور اپنے اصلی روپ میں آ گیا ہوں۔"

میں نے اسے دیکھ کر کہا "یہ میں بھول ہی گیا تھا کہ کل تم نے میری خاطر میک اپ کر کے اپنا حلیہ بدل لیا تھا۔ جاؤ لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہے۔ میں تمھاری حفاظت کروں گا۔"

وہ مسکرا کر بولا "فرہاد صاحب! یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں تو آپ کے لیے جان دینے کو تیار ہوں۔ ابھی جاتا ہوں۔"

اس نے میرا اوورکوٹ پہنا۔ سر پر فلیٹ ہیٹ رکھی اور باہر نکل گیا۔ میں نے قریب ہی ایک کنٹین کے کاؤنٹر پر جا کر کافی کا آرڈر دیا اور پھر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈاکٹر سے ملنے کب جائے گی۔ پتہ چلا۔ اپائنٹمنٹ کے مطابق کل صبح ڈاکٹر سے ملاقات ہوگی۔ لندن کے مشہور و معروف ڈاکٹر اتنے معروف ہوتے تھے کہ ہفتوں کے بعد ملاقات کا وقت دیتے تھے۔ مرجانہ کو اتفاق سے ایک ایسا ڈاکٹر مل گیا تھا جس نے اصرار کے بعد دوسرے دن صبح کا وقت دے دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ بے چین تھی۔ جلد از جلد کسی اچھے ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنا چاہتی تھی۔ اب وہ گائیڈ بک دوبارہ کھول کر ایسے ہسپتالوں کے پتے نوٹ کر رہی تھی۔ جہاں اس وقت ڈاکٹر موجود ہو سکتے تھے اور اسی وقت اسے مشورے کے لیے وقت دے سکتے تھے۔

وہ مرد بننے کے جنون میں قدرت کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ میں مسکراتے ہوئے اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ سوچا تھوڑی دیر بعد معلوم کروں گا۔ اب میں برابر اس کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔ وہ جس ڈاکٹر کے پاس بھی جاتی، میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر پہلے والے ڈاکٹری نسخے کو جاری کرا دیتا۔ اس طرح وہ ہزار کوششوں کے باوجود پھر عورت پن کی طرف مائل ہو جاتی۔ جب قدرت کو یہ منظور تھا تو میں ایسا کیوں نہ کرتا؟

رائیٹ ایروس کار کی پچھلی سیٹ پر اس لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ فری ہو رہی تھی۔ رائیٹ اس سے زیادہ ہی فری ہو رہا تھا۔ راستہ اسی طرح گزر گیا۔ گاڑی کاٹن گودام کے سامنے پہنچ کر رک گئی، لڑکی نے ہاتھ پکڑ کر کہا "یہاں میری بہن رہتی ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں اس سے چابی لوں گی۔ پھر ہم فلیٹ میں چلیں گے۔ میں اپنی بہن سے بھی تمھارا تعارف کرا دوں گی۔"

رائیٹ ایروس گاڑی سے اتر کر اس کے ساتھ گودام کے ایک حصے میں داخل ہوا۔ گودام ایک وسیع و عریض میدان کی طرح دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اگر اس کی اونچی چار دیواری اور چھت نہ ہوتی تو وہ میدان ہی کہلاتا۔ ٹیلنگ کرین کے ذریعے روئی کی بڑی گانٹھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جا رہی تھیں۔ رائیٹ لڑکی کے ساتھ گودام کے ایک طرف سے گزرتا ہوا دوسرے حصے میں پہنچا وہاں مختلف کمرے اور راہداریاں بنی ہوئی تھیں۔ دو شخص کھڑے ہوئے انھیں دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے قریب آنے پر ہاتھ کے اشارے سے انھیں ایک راہداری کی طرف چلنے کے لیے کہا اور ان کی رہنمائی کرتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر لے آئے۔ دروازہ کھول کر رائیٹ۔ لڑکی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے دروازہ بند کر دیا گیا۔

کمرہ تقریباً نیم تاریک تھا۔ چھت میں لگے بلب کے اوپر بڑا سا شیڈ لگا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کمرے کا اوپری آدھا حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور نچلا آدھا حصہ روشن تھا۔ اس کی وجہ سے وہاں بیٹھے ہوئے لوگ بھی کچھ اندھیرے میں تھے اور کچھ اجالے میں۔ ان میں سے ایک شخص نے لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم اس راستے سے باہر چلی جاؤ۔ وہاں تمھیں پانچ سو پاؤنڈ مل جائیں گے۔"

لڑکی رائیٹ کو چھوڑ کر تیزی سے دوسرے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہاں دو مسلح جوان کھڑے تھے۔ انھوں نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ وہ باہر نکل گئی۔

جس نے لڑکی کو مخاطب کیا تھا اسی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اس کی تلاشی لو۔"

اس کا اشارہ رائیٹ ایروس کی طرف تھا۔ اس کا حکم سنتے ہی دو

آدمی رائیٹ کے پاس آکر اس کی تلاشی لینے لگے۔ اس نے حیران و پریشان ہو کر پوچھا "یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ آپ لوگ کون ہیں؟ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

اس شخص نے کہا "تم خاموش کھڑے رہو۔ زیادہ بننے کی کوشش نہ کرو۔ ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

تلاشی لینے والے نے کہا "اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

پھر وہ لوگ اسے کھینچتے ہوئے بلب کے سامنے روشنی میں لے آئے۔ ایک بوڑھے نے اس کے سامنے آکر اپنی عینک درست کرتے ہوئے محدب شیشے سے رائیٹ کے چہرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا پھر اسے چھو کر دیکھنے کے بعد انکار میں سر ہلا کر بولا "میک اپ نہیں ہے۔ یہ اصلی چہرہ ہے۔ مسٹر ذرا اپنے گریبان کے بٹن کھول کر قمیص شانے سے نیچے کرو۔"

رائیٹ نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ گریبان کھول کر قمیص کو شانے سے نیچے ہٹایا۔ دو آدمیوں نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیر کر دیکھنے کے بعد کہا "ماسک میک اپ بھی نہیں ہے۔"

رائیٹ نے پوچھا "جناب! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ لوگ مجھے کوئی بہروپیا سمجھ رہے ہیں؟"

ڈانٹ کر کہا گیا "تم خاموش رہو۔"

"لیکن میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ آپ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔"

"تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ ہم جو سوال کریں۔ ان کے بالکل صحیح صحیح جواب دو۔ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ تم جب ریستوراں میں کھانا کھا رہے تھے۔ اس وقت تمھارے چہرے پر میک اپ تھا۔"

رائیٹ نے انکار میں سر ہلا کر کہا "میں جیسا ریستوراں میں تھا ویسا ہی آپ کے سامنے ہوں۔ آپ کو وہاں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔"

اس شخص نے کہا "میں وہاں خود موجود نہیں تھا۔ ورنہ میں تصدیق کر لیتا۔ مجھے اطلاع ملی تھی۔ تمھارے بالوں کے قریب پیشانی کی جلد یوں .. ادھڑی ہوئی تھی جیسے میک اپ بگڑ گیا ہو۔"

ان کی بات سن کر میں نے سوچا۔ یہ اطلاع کس نے دی ہو گی۔ یقیناً اس ریستوراں میں جو ویٹرس ہماری میز پر کھانا رکھ کر گئی تھی۔ اسی نے مجھے قریب سے دیکھا تھا وہ کھانا رکھتے وقت میز پر جھکی ہو گی تو اس کی نظر میری پیشانی پر گئی ہو گی اور یقیناً وہاں کا میک اپ کچھ ادھڑا ہوا ہو گا۔

بہرحال ان اجنبی لوگوں نے رائیٹ کو ایک کرسی پر بیٹھا دیا۔ اور اس سے سوالات کرنے لگے۔ ایک نے کہا "پرسوں رات تم نے ایک حسین خاتون کو ایک لاکھ پاؤنڈ کا نقصان پہنچایا ہے۔"

رائیٹ نے مسکرا کر اس شخص کو دیکھ کر کہا "ہاں مجھے یاد ہے اس خاتون کا نام رینا جلال ہے۔ آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"مسز رینا جلال کو ایک ہی رات میں اتنا بڑا نقصان کیوں پہنچایا گیا؟ اس کے پیچھے کون سا مقصد کارفرما ہے؟"

رائیٹ نے پوچھا "آپ کیا سمجھتے ہیں؟"

"ہم سمجھتے ہیں کہ رینا جلال کو مشتعل کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ یہ اس کے ذریعے اس کے گھر تک پہنچنے کی ایک سازش بھی ہو سکتی ہے۔"

رائیٹ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "آپ اسے سازش نہ کہیں۔ یہ دل کا معاملہ ہے یقیناً میں رینا جلال کے گھر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

اس شخص نے چونک کر پوچھا "کیوں، تمھیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟"

"تعجب ہے۔ آپ رینا جیسی حسین عورت کو جانتے ہوئے بھی یہ پوچھ رہے ہیں۔ کون ہے جو اسے دیکھتے ہی اس پر جان دینے کے لیے تیار نہیں ہو جائے گا۔ وہ جب سے کیسینو میں آ رہی ہے۔ میں اس کا دل جیتنے کے لیے ہمیشہ اسے جیتنے کا موقع دیتا رہا ہوں۔ اگر آپ لوگ رینا کو قریب سے جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اب تک میں نے اسے ہزاروں پاؤنڈ جیتنے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔ لیکن وہ اتنی مغرور ہے کہ مجھے منہ نہیں لگاتی۔ آخر میں نے اس کے غرور کو ٹھیس پہنچانے کے لیے پرسوں رات اسے ایک لاکھ پاؤنڈ کا غچہ دے دیا۔ میں عورتوں کی فطرت کو خوب سمجھتا ہوں۔ خواہ وہ کتنی ہی دولت مند اور شاہ خرچ ہوں اور اپنی دولت کو پانی کی طرح بہاتی ہوں لیکن شکست کے انداز میں دولت کو ضائع کرنا گوارا نہیں کرتیں۔ انھیں جھنجلاہٹ ہوتی ہے کہ وہ کیوں ہار گئیں۔ رینا جیسی حسین عورتیں کہیں بھی شکست کھانا پسند نہیں کرتیں۔ میں نے سوچا، وہ ہارنے کے بعد میرے قریب آنے کی کوشش کرے گی اور جیتنے کا گر معلوم کرنا چاہے گی۔ اس طرح میں اس کے گھر تک پہنچ جاؤں گا۔"

وہ لوگ رائیٹ کی باتیں توجہ سے سن رہے تھے اور کبھی کبھی سر گھما کر اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو میز کے آخری سرے پر بیٹھا ہوا تھا وہ شروع ہی سے خاموش تھا۔ اس کے اوپری آدھے چہرے پر تاریکی تھی اور ناک سے نیچے کا آدھا حصہ روشنی میں تھا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا "جناب! کیا آپ اس کی باتوں سے مطمئن ہیں؟"

اس پُراسرار شخص نے اثبات میں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو وہ مطمئن ہے۔ دوسرے شخص نے کہا "جناب ہمارا بھی یہی خیال ہے مادام رینا کوئی معمولی خاتون نہیں ہیں۔ ایسے کتنے ہی کروڑپتی اور کتنے ہی بڑے بڑے دولتمندان کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوں گے لیکن وہ صرف آپ ہی کی دیوانی ہیں۔"

یہ سن کر وہ شخص یوں مسکرایا۔ جیسے رینا کی تعریف سن کر خوش ہو رہا ہو۔ رائیٹ کے دماغ نے بتایا کہ مسکراتے وقت اس کے بائیں طرف ہونٹ ایک دوسرے سے مل گئے تھے اور دائیں طرف ہونٹ

پوری طرح کھل گئے تھے۔ اس کی سوچ پڑھتے ہی اچانک مجھے جھٹکا لگا۔ میں کافی پی رہا تھا۔ ایک دم سے گڑبڑا گیا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جلال بیگ اچانک اس طرح میرے سامنے آجائے گا۔

مگر وہ میرے سامنے کہاں تھا۔ وہ رائیٹ کے سامنے تھا۔ اگر میں رائیٹ بن کر وہاں جاتا تو اس وقت وہ میرے روبرو ہوتا۔ لیکن میں وہاں جاتا تو میرے میک اپ کا بھانڈا پھوٹ جاتا اور اس سے پہلے کہ میں اس کی مسکراہٹ دیکھ سکتا۔ وہ وہاں سے فرار ہو جاتا۔

میں رومال نکال کر اپنے کوٹ پر گری ہوئی کافی پونچھنے لگا۔ کاؤنٹر پہ کھڑی ہوئی لڑکی میری بوکھلاہٹ پر ہنسنے لگی میں نے فوراً ہی دس پونڈ کا ایک نوٹ نکال کر اس کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "دی ریسٹ از یورس۔"

میں وہاں سے پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا ڈائننگ روم میں پہنچ گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر رائیٹ کے دماغ میں جا پہنچا۔ وہ لوگ رائیٹ کی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے اور ایک ایک آدمی اس سے ہاتھ ملا ملا کر معذرت کر رہا تھا پھر اسے واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ رائیٹ کے وہاں سے نکلتے ہی میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جو رائیٹ سے سوالات کر رہا تھا۔

اس نے جلال بیگ سے کہا "جناب تمام خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ یہاں آس پاس کہیں بھی فرہاد کا نام و نشان نہیں ہے ہم نے اچھی طرح چھان بین کی ہے۔ بیرماسٹر پہ بار بار دباؤ ڈالا ہے۔ وہ بھی مجبور ہے اور نہیں جانتا کہ فرہاد ان دنوں کس ملک میں ہے۔ بہرحال یہ تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ لندن میں نہیں ہے۔ آپ بالکل مطمئن ہو کر مادام رینا سے ملاقات کر سکتے ہیں۔"

جلال بیگ سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اپنے دست راست کی طرف بڑھا دیا۔ میں نے اس کے دماغ سے پڑھا۔ اس نے لکھا تھا "رینا کو تل ابیب روانہ کر دو میں اس سے وہیں ملاقات کروں گا۔"

اس دوران جلال بیگ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اب وہ جانا چاہتا تھا میں اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ میں ایک ایک آدمی کے دماغ میں چھلانگیں لگا رہا تھا۔ پتہ چلا کہ جو اس کا دست راست ہے۔ وہی اس کے ساتھ کمرے سے باہر جا رہا ہے میں اس کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ اب وہ جلال بیگ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں اس گودام کے پچھلے دروازے سے باہر نکلے۔ وہاں ایک سفید کار کھڑی تھی۔ اس کے دست راست نے اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ جلال بیگ کے بیٹھنے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آگیا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

اس نے پوچھا "جناب! کیا آپ ہوٹل جانا پسند کریں گے؟"

جلال بیگ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ کمبخت زبان نہیں ہلا رہا تھا مستقل گونگا بنا ہوا تھا۔ اپنے دست راست کے سامنے بھی کچھ نہیں بولتا تھا میں نے ڈرائیو کرنے والے کے دماغ میں پہنچ کر ہوٹل کا تصور کیا تو اس نے ہوٹل کا نام اور وہ کمرہ نمبر بھی بتایا جس میں جلال بیگ ٹھہرا ہوا تھا میں نے سوچا۔ اگر وہ لندن سے چلا جائے تو کیا ہو گا؟

میں نے اپنے آپ کو تسلی دی کچھ نہیں ہو گا۔ وہ یہاں سے تل ابیب جائے گا اور وہاں رینا سے ملاقات کرے گا میں رینا کے ذریعے اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کروں گا لیکن میری پوری کوشش یہی تھی کہ میں لندن میں ہی اسے ٹریپ کر لوں تھوڑی دیر بعد اس کی کار ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں رک گئی جلال بیگ ڈیش بورڈ پر کاغذ رکھے کچھ لکھ رہا تھا پھر اس نے وہ کاغذ اپنے دست راست کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں لکھا تھا "میرے چارٹرڈ طیارے کے پائلٹ کے پاس جاؤ اس سے کہو کہ وہ سرکاری کاغذات کی خانہ پُری کر کے ایک گھنٹے کے بعد لندن ائیرپورٹ چھوڑنے کی اجازت حاصل کر لے میرے تمام ضروری کاغذات اسی پائلٹ کے پاس ہیں لیکن خبردار! اسے باتیں کرنے پر مجبور نہ کرنا میں ایک گھنٹے بعد ائیرپورٹ پہنچ جاؤں گا۔"

جلال بیگ کار سے اتر کر ہوٹل کے اندر جا چکا تھا۔ وہ ایک گھنٹے بعد لندن چھوڑنے والا تھا میں اس کے دست راست کے دماغ میں موجود رہا۔ وہ پارکنگ ایریا سے کار نکال کر پائلٹ کی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا کینٹین کے کاؤنٹر پہ جس لڑکی نے میرے سامنے کافی کی پیالی رکھی تھی۔ اور جسے میں نے دس پونڈ کا ایک نوٹ دیا تھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی مجھ سے کہہ رہی تھی "مسٹر! تم نے بڑی ٹپ دی ہے میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں۔ یہ لو باقی رقم۔"

میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ ورنہ میں اسے سمجھاتا کہ میں نے نیک نیتی سے ٹپ دی تھی۔ میں نے اس سے وہ رقم لے کر جیب میں رکھ لی۔ اور دوسری طرف منہ پھیر لیا تاکہ وہ چلی جائے اور وہ چلی گئی میں پھر جلال بیگ کے دست راست کے دماغ میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک بنگلے کے دروازے پر کھڑا ہوا کال بیل کے بٹن کو دبا رہا تھا اندر گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی وہ انتظار کرنے لگا چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا ایک چھوٹی سی لڑکی نے سر باہر نکال کر پوچھا "یس مسٹر! آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"جیکب کہاں ہے۔ میں بگ باس کا پیغام لایا ہوں۔"

لڑکی نے کہا "ویٹ اے منٹ۔ وہ ایئر لائن کلب میں ہیں انھوں نے کہا تھا کوئی ضروری پیغام ہو تو میں فون پر انھیں اطلاع دے دوں۔"

وہ اندر چلی گئی میں اس لڑکی کے ساتھ تھا۔ وہ کمرے میں پہنچ کر ایئر لائن کلب کا فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

لڑکی نے کہا: "میں اپنے بھائی جیکب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"
سے ہولڈ آن کرنے کے لیے کہا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جیکب کی آواز سنائی دی: "ہیلو بے بی کیا بات ہے؟"
بے بی نے کہا: "بگ باس کی طرف سے ایک شخص کوئی پیغام لایا ہے۔"
"کیا تم نے اس شخص سے بات کی تھی؟"
"ہاں، بات کرنے سے ہی معلوم ہوا کہ پیغام لایا ہے۔"
"اوہ بے بی! میں نے تمھیں منع کیا تھا کہ کوئی بھی دروازے پر آئے تو اس کے سامنے گونگی بنی رہو تمھیں اشارے سے معلوم کرنا چاہیے تھا آنے والا کیا چاہتا ہے۔ بہرحال جو بھی ہو اب اس کے سامنے بات نہ کرنا۔ اسے فون کے پاس لے آؤ میں بگ باس کا پیغام سن لوں گا۔"
لڑکی نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ ریسیور ایک طرف رکھ کر باہر دروازے پر گئی اور اسے اشارے سے بلا کر اندر لے آئی۔ پھر ریسیور کی طرف اشارہ کیا۔ دست راست نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو جیکب میں بگ باس کا پیغام لایا ہوں۔ لیکن تمھاری آواز سننے کی ممانعت ہے۔"
دوسری طرف سے دوبار چٹکی بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے مطمئن ہو کر جلال بیگ کا پیغام اسے سنا دیا۔ جواب میں پھر دوبار چٹکی کی آواز سنائی دی۔ دو ریسیور رکھ کر گھر سے نکل گیا۔ میں اسے چھوڑ کر جیکب کے دماغ میں پہنچ گیا۔
جیکب کلب سے باہر آگیا تھا۔ ایئرپورٹ وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ وہ ایک سب وے سے گزرتے ہوئے سوچ رہا تھا بے بی نے پیغام لانے والے سے گفتگو کی ہے۔ کیا یہ بات بگ باس کو معلوم ہو جائے گی؟"
میں نے اس کی سوچ میں کہا: "بگ باس کو یہ بات کبھی معلوم نہیں ہوگی جو شخص پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے توجہ نہیں دی کہ میری بہن نے اس سے بات کی ہے۔ اگر وہ توجہ دیتا تو فون پر اس کا ذکر ضرور کرتا۔"
اس سوچ کے ساتھ ہی جیکب جھنجلا کر سوچنے لگا: "کیا ملازمت ملی ہے۔ ہمیشہ گونگے بن کر رہنا پڑتا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں ایک بہن ہے۔ اس کے سامنے بھی اکثر گونگا بن کر رہتا ہوں۔ بگ باس ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا ہے کہ نہ جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ زندہ ہے مگر سہما سہما سا رہتا ہے۔ فرہاد علی تیمور اس کے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے۔ آخر اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اس وقت فرہاد موجود ہوگا۔ کیا اس کو خبر ہوگی کہ میری کوئی چھوٹی بھی بہن ہے؟ اور وہ میری بہن کے ذریعے میرے دماغ تک پہنچ سکتا ہے؟ یہ سب کچھ بالکل ہی احمقانہ باتیں ہیں۔"
وہ سوچتے ہوئے ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہو گیا اور لاکر روم میں جا کر اس نے ایک چابی کے ذریعے لاکر کو کھولا۔ جلال بیگ کے پاسپورٹ کے علاوہ اہم کاغذات بھی وہاں محفوظ تھے۔ تمام لاکر اسی مقصد کے لیے تھے کہ آنے والے مسافر اپنے ضروری سامان کو حفاظت سے لاک کر سکیں۔
جیکب چارٹرڈ طیارے کی پرواز کے لیے قانونی طور پر اجازت حاصل کرنے ایک دفتر کی طرف چلا گیا تھا۔
میری خیال خوانی کا سلسلہ پھر ٹوٹ گیا۔ وہی کینٹین والی لڑکی میرے پاس بیٹھی، مجھے جھنجوڑ کر کہہ رہی تھی: "ارے کیا تم یہاں اجنبی ہو؟"
میں نے پوچھا: "آپ کیوں آئی ہو؟"
"اس لیے کہ تمھاری رہنمائی کر سکوں۔ اگر تمھیں کسی ساتھی کی ضرورت ہے تو کینٹین کے کاؤنٹر کے پاس لگے ہوئے نوٹس بورڈ کو پڑھ لو۔ وہاں تمھیں اچھی اچھی لڑکیوں کے ایڈریس مل جائیں گے۔"
میں نے سوچا۔ ابھی جیکب دفتری کارروائیوں میں مصروف ہے تھوڑی دیر بعد اس کی خبر لوں گا۔ اس وقت تک اس لڑکی سے لندن کی اسٹریٹ گرلز کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ یہ سوچ کر میں نے پوچھا: "اچھی اچھی لڑکیوں سے تمھاری کیا مراد ہے؟"
"اب ایسے بھی نادان نہیں ہو۔ اگر لندن میں نئے آئے ہو تو سن لو۔ یہاں پیشہ ور لڑکیاں کوڈ بزنس کے ذریعے دستیاب ہو جاتی ہیں لندن میں ایسی دکانیں ہیں جہاں بظاہر عام ضروریات کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں مگر اس کے پیچھے دوسرا دھندا ہوتا ہے۔ ان دکانوں کے نوٹس بورڈ پر مختلف لڑکیوں کے نام اور پتوں کے کارڈ لگے ہوتے ہیں۔ ایسی لڑکیاں اور ایسے دکاندار قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں۔ تم بھی قانون کی گرفت میں نہیں آؤ گے۔"
میں نے پوچھا: "وہ کیسے؟"
لڑکی نے کہا: "خود ہی جا کر نوٹس بورڈ پر لگے ہوئے کارڈز پڑھ لو۔ معلوم ہو جائے گا۔"
میں وہاں سے اٹھ کر اس لڑکی کے ساتھ کینٹین کے کاؤنٹر کے پاس آیا۔ نوٹس بورڈ پر کتنے ہی کارڈز لگے ہوئے تھے۔ ایک کارڈ پر لکھا ہوا تھا۔ "گھر کے اوپری کاموں کے لیے ملازمہ کی ضرورت ہو تو مس للی سے مندرجہ ذیل پتے پر ملاقات کریں۔ مس للی کی عمر سترہ سال ہے۔"
میں نے دوسرے کارڈ کی طرف دیکھا۔ وہاں لکھا تھا: "بچوں کی ٹیوٹر کے لیے مس فلاور سے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ قائم کریں۔ مس فلاور کی عمر فلاور جیسی ہے۔"
میں یہ اشاراتی جملے پڑھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ واقعی ایسی لڑکیاں اور ایسے دکاندار قانون کی گرفت میں نہیں آسکتے تھے میں پلٹ کر جانے لگا۔ لڑکی نے پوچھا: "کیا ہوا؟ کوئی پسند نہیں آئی؟ ارے خالی نام اور پتہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے جا کر ان کی صورتیں بھی تو دیکھو۔"
"مجھے کسی بھی پیشہ ور لڑکی کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"
"تم مجھے بہت بڑی ٹپ دے رہے تھے۔ میں چاہتی ہوں تم لندن

میں کسی غلط جگہ پھنس جاؤ۔ مجھے صاف صاف بتاؤ۔ کیا تم تنہا ہو؟"
"میں بالکل تنہا ہوں۔"
وہ ہمدردی سے بولی: "مجھے افسوس ہے۔ میں تمھاری تنہائی دور نہیں کر سکتی میں کچھ اوپر ٹائپ کی لڑکی ہوں لیکن میں اس سلسلے میں تمھاری مدد کر سکتی ہوں۔ دیکھو یہاں جو لوگ تنہا تفریح نہیں کر سکتے جنھیں کسی پارٹنر کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں مختلف ایجنسیوں کے ذریعے فلم کی ایکسٹرا یا ماڈل تقریباً سو پاؤنڈ میں ایک شام کے لیے مل جاتے ہیں لیکن یہ لوگ بہت ہی مہذب ہوتے ہیں۔ یہ لڑکیاں اپنے جسم کو سستا نہیں کرتیں بلکہ بڑے ہی مہذب انداز میں وقت گزارتی ہیں۔ اگر تمھیں کسی ایسی ہی اچھی اور مہذب ساتھی کی ضرورت ہے تو میں تمھیں اس کا بھی پتہ بتا دیتی ہوں۔"
میں نے مسکرا کر کہا: "میرے دل کے نوٹس بورڈ پر صرف ایک ہی لڑکی کا پتہ لکھا ہوا ہے۔"
میں نے اس کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے کہا: "اور میں اس پتے پر پہنچ گیا ہوں۔"
وہ خوشی سے کھل کر مسکرائی۔ اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر اوٹے ناز سے اٹھلا کر بولی: "بہت سے لوگ مجھے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں لیکن کوئی مجھے حاصل نہیں کر سکتا۔"
"ہلے بی، ایسے کسی کو چیلنج نہ کیا کرو۔ پتہ نہیں کیسے کیسے لوگ تمھارے سامنے سے گزر جاتے ہوں اور تمھیں نظر انداز کر دیتے ہوں یا تمھیں جبراً حاصل کرنا نہیں چاہتے ہوں۔ ایسوں کے لیے تمھاری بات ایک چیلنج بن جائے گی۔"
"میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں اتنے ٹھوس ارادے کی مالک ہوں کہ اپنی مرضی کے بغیر کسی کو انگلی پکڑنے کا بھی موقع نہیں دے سکتی۔ پھر مجھے اپنی مرضی سے کون لے جا سکتا ہے؟"
"چلو، میں ابھی ثابت کر دیتا ہوں کہ تم اسی وقت میرے ساتھ چلو گی۔"
وہ بولی: "ہرگز نہیں۔"
میں فوراً ہی اس کے دماغ پر قابض ہو گیا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اس عمارت کے باہر ایک پارک میں لے آیا۔ وہاں میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ چھڑا کر پوچھا: "میں یہاں کیسے آگئی؟"
"جس طرح میں تمھیں کینٹین سے یہاں لے آیا ہوں، اسی طرح یہاں سے کہیں اور بھی لے جا سکتا ہوں۔ تم خیریت چاہتی ہو تو اپنا چیلنج واپس لے لو۔"
وہ مجھے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اچانک ہی پلٹ کر بھاگتے ہوئے کینٹین کی طرف چلی گئی۔ میں مسکراتے ہوئے پارک سے نکل کر ایک شاہراہ کے کنارے فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ جلال بیگ جلد ہی میری گرفت میں آجائے گا۔ چونکہ مینا جلال کے بعد جلال بیگ کا اسسٹنٹ اور اس کے چارٹرڈ طیارے کا پائلٹ جیکب بھی ٹیلی پیتھی کی زد میں آگیا تھا اور اب میں کسی وقت بھی جلال بیگ کی آواز سننے کا منتظر تھا۔ اگر وہ خود نہیں بولتا تو میں کوئی ایسی سچویشن پیدا کر دیتا کہ وہ بے اختیار بولنے پر مجبور ہو جاتا۔
میں نے جیکب کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ پتہ چلا آدھے گھنٹے کے بعد ان کا طیارہ پرواز کرے گا اور پرواز سے صرف دس منٹ پہلے جلال بیگ طیارے میں سوار ہوگا۔ میں نے اس کے دماغ سے واپس آکر ماسٹر نیومین کو مخاطب کیا: "ہیلو ماسٹر! اس وقت میں ہیمنس کے قریب گل نرفیوں کی آخری دکان کے پاس ایک فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا ہوں میرے لیے ایک گاڑی بھیج دیجیے۔ اور کسی ایسی جگہ کا بندوبست کر دیجیے۔ جہاں میں اپنا یہ موجودہ میک اپ اتار کر اصلی روپ میں آسکوں۔"
ماسٹر نیومین نے حیرانی سے پوچھا: "کیا آپ اصلی چہرے کے ساتھ لندن میں رہنا چاہتے ہیں؟"
"ہاں کچھ دیر بعد میں اپنے آپ کو ظاہر کر کے آپ سے کچھ ضروری باتیں کروں گا۔ فی الحال گاڑی بھیج دیجیے اور میرے لیے کسی خاص جگہ کا انتظام کر دیجیے۔"
"آپ انتظار کریں۔ پندرہ منٹ کے اندر گاڑی آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"
"ماسٹر! گاڑی لانے والا کوئی اناڑی نہ ہو۔ بہتر ہے کہ آپ مادام روزانہ کو بھیج دیں اور تاکید کر دیں کہ اس وقت تک مجھ سے گفتگو نہ کریں جب تک میں گفتگو میں پہل نہ کروں۔ شکریہ۔"
میں نے پھر جیکب کے دماغ میں جھانک کر دیکھا اور مطمئن ہو کر واپس آگیا۔ میں وقت گزارنے کے لیے رسونتی، سونیا، مرجانہ اور سائرہ بانو وغیرہ سے باتیں کر سکتا تھا لیکن ابھی میں کسی طرف دھیان نہیں دینا چاہتا تھا۔ وقت تیزی سے گزر تا جا رہا تھا۔ اور وہ سچویشن آنے ہی والی تھی جب جلال بیگ کی ساری حفاظتی تدبیر دھری کی دھری رہ جاتیں اور اس کے چہرے سے پُراسراریت کا نقاب اتر جاتا۔
ٹھیک پندرھویں منٹ ایک بڑی سی خوبصورت کار میرے سامنے آکر رک گئی۔ مادام روزانہ کھڑکی سے مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی میں دوسری طرف سے گھوم کر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی: "مجھے تاکید کی گئی ہے کہ میں گفتگو میں پہل نہ کروں مگر مجھے بڑی بے چینی ہے۔ پلیز یہ بتا دو۔ کیا جلال بیگ تک پہنچ گئے ہو؟"
"ابھی نہیں۔ میں مینا تک پہنچ گیا ہوں اور جلال بیگ کے انتظار میں ہوں۔"

میں نے دانستہ اس سے جھوٹ بول کر اسے تاکید کی "دیکھو. اب باتیں نہ کرنا میں سونیا سے رابطہ قائم کر رہا ہوں"

وہ سونیا کا نام سن کر جل جاتی تھی. خود کو سونیا سے برتر سمجھتی تھی. بے شک سپر ماسٹر کی تنظیم میں اسے بہت اہمیت حاصل تھی اور اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے لیکن اس وقت میں یہ دیکھ کر حیران نہ گیا کہ وہ سونیا کے نام پر بڑی خوش دلی سے مسکرا رہی تھی یہ بات مادام روزانہ کے مزاج کے بالکل خلاف تھی میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو فوراً سنبھل گیا. مادام روزانہ اپنے بنگلے کے ایک کمرے میں بندھی پڑی تھی اور جو میرے پاس بیٹھی ڈرائیو کر رہی تھی. وہ کوئی اور تھی اس نے بڑی کامیابی سے روزانہ کی نقل کی تھی اور مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جا رہی تھی.

وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جب تک میں اسے مادام روزانہ سمجھتا رہوں گا، اس کے دماغ میں جھانک کر نہیں دیکھوں گا. مجھے کچھ بولنا یا پوچھنا ہوا تو میں اس سے زبانی پوچھوں گا.

میں اس کے دماغ کو آہستہ آہستہ ٹٹولنے لگا اس کار کے اسٹیرنگ سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمٹر منسلک تھا. اس ٹرانسمٹر کے ذریعے جلال بیگ اپنی کار میں بیٹھا ہماری گفتگو سن رہا ہے. لڑکی کی سوچ نے بتایا کہ اس وقت جلال بیگ ایئرپورٹ کی طرف جا رہا ہوگا. جب تک وہ طیارے میں بیٹھ کر وہاں سے پرواز نہیں کرے گا. اور لندن ایئرپورٹ کو نہیں چھوڑ دے گا اس وقت تک وہ مجھے اپنی باتوں میں الجھائے رہے گی.

میں نے ایک ذرا رینا جلال کے دماغ میں جھانک کر تھوڑی سی معلومات حاصل کیں پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "جس سے رابطہ قائم کرتا ہوں. اسی سے مایوسی ہوتی ہے."

وہ مسکرا کر بولی "کیا ہوا؟"

"ہوگا کیا؟ سونیا کے دماغ میں پہنچا تو وہ سو رہی ہے. رسوتی پوجا میں مصروف ہے پھر میں نے سوچا رینا کے دماغ سے کچھ معلومات حاصل کی جائیں. پتہ چلا کہ وہ اپنا سامان پیک کر رہی ہے اور تل ابیب جانے والی ہے."

وہ مسکرا کر بولی "یہ ٹیلی پیتھی بڑی کمال کی چیز ہے. تم ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے کہاں کہاں پہنچ جاتے ہو."

"ہاں، پہنچ تو جاتا ہوں مگر اکثر ناکامی ہوتی ہے. اب یہی دیکھو میں توقع کر رہا تھا. رینا اور جلال بیگ کی یہاں ملاقات ہوگی. مگر اب وہ تل ابیب پہنچے گی تو جلال بیگ اس سے کس دن ملے گا. یہ رینا نہیں جانتی ہے."

میں گفتگو کے وقفے میں اپنی ہمسفر کے دماغ میں جھانکتا رہتا تھا اس وقت وہ کہنا چاہتی تھی فرہاد تم رائیٹ ایروس کے میک اپ میں رہ کر بھی جلال بیگ تک نہ پہنچ سکے. دراصل وہ یہ سوال کر کے ذریعے جلال بیگ پر واضح کر دینا چاہتی تھی کہ فرہاد رائیٹ کے میک اپ میں ہے. ادھر وہ ہوشیار ہو جاتا کہ جس سے کاٹن گودام میں سامنا ہوا تھا. فرہاد اس کے وست راست کے دماغ تک بھی پہنچا ہوگا.

بہرحال میں نے اپنی ہمسفر کو یہ سوال کرنے کا موقع نہ کے دماغ پر قابض ہو کر میں نے اس کی زبان سے کہا "سڑکوں پر اپنے اصلی روپ میں گھوم رہے ہو اگر جلال بیگ نے لیا تو وہ محتاط ہو جائے گا."

میں نے ہنستے ہوئے کہا "کیسی باتیں کر رہی ہو جب چھوڑ کر تل ابیب جا رہی ہے تو یقیناً جلال بیگ بھی جا رہا ہوگا. یہاں سامنا نہیں ہو سکے گا. مجھے اطمینان ہے میں کسی کے ذریعے اسے گرفت میں لے لوں گا."

میری ہمسفر حیرانی سے سوچ رہی تھی کیا بھی اسے کتنی دیر کے لیے دماغی طور پر غیر حاضر ہو گئی تھی. میں نے نہیں دیا. دوبارہ اس کے دماغ پر قابض ہو گیا.

چارٹرڈ طیارے کے لیے پرواز کا جو وقت مقرر گزر چکا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ طیارہ پرواز کر چکا ہے اس میں سفر کر رہا ہے. میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے ہمسفر سے گاڑی رکوا کر انجن بند کر دیا. ٹرانسمٹر کو کار کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا. انجن کے بند ہونے سے ٹرانسمٹر تھا. لہٰذا ٹرانسمٹر بھی آف ہو گیا. اب جلال بیگ ہماری سکتا تھا. میں اس کے دماغ کو آزاد کر کے پائلٹ جیکب کے پہنچ گیا.

جہاز بلندی پر پرواز کر رہا تھا. ایک نہایت ہی سجے آرام دہ کیبن میں جلال بیگ بیٹھا ہوا تھا جیب سے دو تھا بالکل خاموش تھا. وہ احتیاطاً ہمیشہ خاموش ہی رہا کرتا تھا.

میں چند ساعتوں کے لیے جیکب کے دماغ میں دیر میں میری ہمسفر اپنے دماغ میں ہونے والی گڑبڑ کو سمجھ اسی وقت اپنا پستول نکال لیا تھا. وہ مجھے گولی مارنا چاہتی تھی اس کے دماغ کو جھٹکا دیا تو پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میں نے کہا "چلو اسے پھر اٹھاؤ اور مجھے گولی مارو."

اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا پستول اس کے قدموں میں پڑا ہوا تھا میں اس کے دماغ پر قابض اس نے جھک کر پستول کو اپنے قدموں سے اٹھایا. اس میں سے نکال کر کھڑکی کے باہر پھینکیں پھر پستول میری طرف اچھال دیا. نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر پستول اٹھا کر کہا "دیکھو اب یہ میرے پاس ہے."

موت کو سامنے دیکھ کر وہ زرد پڑ گئی تھی. اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے. میں نے پستول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا. "میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا. یہ لو. مجھے گولی مار دو."

اس نے بڑی حیرانی سے مجھے اور پھر پستول کو دیکھا. اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے لے سکتی تھی. اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا.

"نن.... نہیں. میں تمہیں نہیں مار سکتی."

"اسے لے لو. اگر تم مجھے گولی نہیں مارو گی تو جلال بیگ کے آدمی تمہیں مار ڈالیں گے."

وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں میں پستول تھام کر مجھے دیکھنے لگی پستول اس کے قبضے میں تھا لیکن وہ بری طرح کانپ رہی تھی. وہ تذبذب کا شکار تھی. پھر اس نے جلدی سے پستول پچھلی سیٹ کی طرف پھینکتے ہوئے کہا. "نہیں بگ باس کے آدمی مجھے گولی نہیں ماریں گے. میں بیان دوں گی کہ تم میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکے تھے اور آخر تک یہ دھوکا کھاتے رہے کہ میں مادام روزانہ ہوں."

"تم مجھے کہاں لے جا رہی تھیں؟"

"وکٹوریہ اسٹریٹ میں میرے آدمی تمہارے منتظر ہیں. وہ تمہارا اصلی چہرہ دیکھتے ہی تمہیں گولی مار دیتے. بگ باس کا حکم ہے کہ اب تمہیں ذرا بھی چھوٹ نہ دی جائے. جہاں بھی نظر آؤ گے. تمہیں بے دریغ قتل کر دیا جائیگا."

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ماسٹر تھوم نے مادام روزانہ کے ذریعے میرے پاس ایک گاڑی بھیج رہا ہے پھر اتنی جلدی یعنی پندرہ منٹ کے اندر تم نے روزانہ کا روپ بھی اختیار کر لیا اور گاڑی بھی لے کر پہنچ گئیں؟"

"میں پچھلے دو دن سے مادام روزانہ کے میک اپ میں ہوں. روزانہ کے ٹیلیفون کے ساتھ ایک جاسوسی آلہ لگا دیا گیا ہے. وہ ماسٹر تھوم سے جو بھی بات کرتی ہے وہ ساری باتیں ہمیں معلوم ہو جاتی ہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ پندرہ منٹ کے اندر تمہارے پاس گاڑی پہنچنی چاہیے لہٰذا ادھر میں گاڑی لے کر آئی. ادھر میرے آدمیوں نے مادام روزانہ کو قابو میں کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے ہوں گے."

"اب مجھے کہاں لے جاؤ گی؟"

"اگر مجھ پر اعتماد کرو گے تو اپنے فلیٹ میں لے جاؤں گی."

"تم پر اعتماد نہ ہوتا تو پستول تمہارے حوالے نہ کرتا."

وہ خوش ہو کر بولی "تم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے فرہاد میرے فلیٹ میں قدم رکھے اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوگی."

"اچھا تھوڑی دیر کے لیے اجازت چاہتا ہوں. ذرا خیال خوانی کر لوں. پھر تم سے باتیں کروں گا."

یہ کہہ کر میں پھر جیکب کے دماغ میں پہنچ گیا. وہ ایک تجربہ کار پائلٹ تھا. بڑی مہارت سے جہاز کو اپنی مرضی کے مطابق کنٹرول کر رہا تھا میں اس کی سوچ کے ذریعے ان چند آلات کو سمجھنے لگا جن کے ذریعے جہاز کنٹرول کیا جاتا تھا. معلومات حاصل کرنے کے دوران کار ایک جگہ رک گئی. میں نے چونک کر پوچھا "کیا یہی ہماری منزل ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں بڑی خوبصورت منزل ہے. آ جاؤ."

میں نے کار سے اترتے وقت اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا. کہیں کوئی فراڈ نہ ہو لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی. وہ صحیح معنوں میں ایک میزبان کی حیثیت سے مجھے اپنے ہاں لائی تھی.

جلال بیگ تک پہنچنے کے لیے میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی. اگر کسی معاملے میں جلد بازی کی جائے اور وقت اور ماحول کا خیال نہ رکھا جائے تو کام بگڑ جاتا ہے. مجھے ایسے ماحول کی ضرورت تھی. جہاں میں اطمینان سے اسے گرفت میں لے سکوں. میں یہ کبھی نہیں بھولتا کہ سامنے جو دشمن بے دست و پا نظر آ رہا ہے اس کے پاس اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں ہوگی. دشمن اپنے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی حربہ ضرور رکھتا ہے.

ہم سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل کے ایک فلیٹ میں پہنچے. میری ہمسفر نے دروازہ کھول کر لائٹ آن کی. یہ ایک سجا سجایا خوبصورت سا بیڈ روم تھا. وہ مسکرا کر بولی "کیسا ہے میرا فلیٹ؟"

"بہت شاندار ہے ابھی تک تم نے اپنا نام نہیں بتایا اور نہ ہی اپنا اصلی چہرہ دکھایا ہے. یہ مادام روزانہ کا میک اپ کب اترے گا؟"

"یہی سوال میرا بھی ہے. مجھے فرہاد علی تیمور کا چہرہ کب نظر آئے گا؟"

ہم دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر باتھ روم میں داخل ہو گئے. آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اپنے چہرے پر دینشنگ کریم لگائی. اس دوران میں پھر جیکب کے پاس پہنچ گیا تھا. اس کی سوچ نے بتایا تھا کہ سفر لمبا ہے اور ابھی پرواز جاری رہے گی میں پھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا. صابن سے ہاتھ منہ دھو کر میں بیڈ روم میں واپس آ گیا. بیڈ روم میں ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا. وہ تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے بیڈ روم میں آئی اور مجھے دیکھتے ہوئے بولی "مائی گڈنس، تمہیں پہلی بار دیکھ رہی ہوں. مجھے کچھ ہو رہا ہے."

میں خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا. وہ بے حد حسین لونہلانے ہی پرکشش سراپا کی مالک تھی میں نے پوچھا "تمہارا نام؟"

"لیزا ہارورڈ"

"کیا یہودی ہو؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی "غالباً یہ جان کر تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "ابھی مجھے نفرت کرنے کی فرصت نہیں ہے ذرا چند منٹ انتظار کرو. میں ابھی آتا ہوں. یاد رکھو جب تک میں تمہیں مخاطب نہ کروں تم مجھے مخاطب نہ کرنا."

یہ کہتے ہی میں جکیب کے دماغ میں پہنچ کر اس پر قابض ہوگیا۔ اب میں ان آلات کو اپنے طور پر کنٹرول کر رہا تھا اور میرا کنٹرولنگ سسٹم ایسا تھا کہ جہاز کبھی ایک طرف جھکنے لگا تھا کبھی دوسری طرف۔ یقیناً پیچھے کیبن میں بیٹھا یا لیٹا ہوا جلال بیگ اِدھر سے اُدھر لڑھک رہا ہوگا۔ وہ حیران ہوگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ چند لمحوں کے بعد ہی کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اب بھی زبان نہیں کھول رہا تھا۔ دستک کے ذریعے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جہاز میں کیا گڑبڑ پیدا ہوگئی ہے۔

پھر جہاز کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگنے لگے۔ یہ ایسی سچویشن تھی کہ اچھے اچھوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور ساری مستقل مزاجی اور قوتِ ارادی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ ایک جھٹکے سے کیبن روم کا دروازہ کھلا اور وہ پائلٹ روم میں جھانک کر چیختے ہوئے بولا "جکیب یہ کیا ہو رہا ہے؟ جہاز کو کنٹرول کرو۔"

میں نے اسی وقت اپنی آنکھیں کھول دیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر خوشی سے چیخا "وہ مارا ہپ ہپ ہُرّا۔"

مجھے خوشی سے چیختے دیکھ کر لیزا ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے حیرانی سے مجھے دیکھ کر پوچھا "کیا ہوا؟"

میں نے ایک ہاتھ سے کیسٹ ریکارڈر آن کر دیا۔ ردمبا سمبا کی پُرشور دھن کمرے میں گونجنے لگی میں نے لیزا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے اردو میں کہا "آؤ یہودی جان! آج میں بہت خوش ہوں۔"

میں نے رقص کے انداز میں ایک چکر لگایا۔ موسیقی کی تال پر لیزا کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنے لگا۔ وہ بہت اچھی رقاصہ تھی۔ رقص کے دوران سر سے پاؤں تک چھما چھم ہو رہی تھی۔

یہ میرا وعدہ ہے کہ میں جلال بیگ کو کبھی جان سے نہیں ماروں گا۔ وہ ہر لمحہ موت کی دعائیں مانگنے کے لیے زندہ رہے گا جبکہ اس کے دماغ پر مُردنی چھائی رہے گی۔

لیزا کے ساتھ رقص کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے قدم زمین پر پڑنے کے بجائے جلال بیگ کے سر پر پڑ رہے ہوں اور ہم اس کی مردہ کھوپڑی پر محوِ رقص ہوں۔

اب طیارے کی پرواز پُرسکون ہوگئی تھی۔ جکیب کا دماغ بھی پُرسکون تھا۔ فی الحال میں نے جلال بیگ کو نظر انداز کر دیا۔ اس کا دماغ میری چٹکی میں آچکا تھا۔ میں جب چاہتا اس کی کھوپڑی کو اِدھر سے اُدھر کر سکتا تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ وہ ابھی شک و شبہے میں مبتلا رہے اندیشے اسے گھیرے رہیں۔ وہ غلطیاں کرتا رہے۔ وہ ہر لمحے خواس باختہ ہو کر میرے متعلق سوچے گا لیکن تصدیق نہیں ہوگی کہ اس پر جو گزر رہی ہے اس کے پیچھے میرا ہی ہاتھ ہے۔

ہاں تو جکیب کا دماغ پُرسکون ہوگیا تھا۔ اس لیے طیارہ بھی بڑے سکون سے پرواز کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ جہاز کیوں اس کے قابو سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کا دماغ کیوں نہیں کام کر رہا تھا۔ اسی وقت پائلٹ کیبن کا دروازہ پیٹنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے جکیب کے دماغ سے جلال بیگ کی آواز سنی۔ وہ غصے میں پوچھ رہا تھا "بولو باسٹرڈ۔ کیا تم نشے میں ہو؟ جہاز تمھارے کنٹرول سے باہر کیسے ہوگیا؟"

جکیب نے پریشان ہو کر کہا "سر پلیز، ویٹ اے منٹ، میں بہت پریشان ہوں۔"

میں نے جکیب کی سوچ میں کہا "شاید میں اس لیے پریشان ہوں کہ میرے دماغ کے گوشے میں میری بہن چھپی رہتی ہے۔ میں اسے تنہا چھوڑ کر آتا ہوں۔"

میری اس بات کے تسلسل سے اس نے خود ہی سوچنا شروع کیا "ہاں جب میں لندن سے آتا ہوں تو میری بے بی ہاسٹل میں رہنے چلی جاتی ہے۔ وہیں اس کی تعلیم ہوتی ہے لیکن کب تک ایسا ہوگا۔ وہ جوان ہو رہی ہے۔ مجھے اب اس کے پاس رہنا چاہیے۔"

ایسا سوچتے ہوئے اس نے پھر حیرانی سے سوچا "لیکن جہاز کی پرواز سے میری بہن کا کیا تعلق ہے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "بہت گہرا تعلق ہے۔ انسانی نفسیات کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ جو بات ایک پریشانی بن کر اندر ہی اندر دماغ میں پکتی رہتی ہے، وہی بات غیر محسوس طریقے سے دماغ کو تھوڑی دیر کے لیے ناکارہ بنا دیتی ہے۔ میں اس وقت بہن کے متعلق سوچ رہا تھا۔ تبھی یہ طیارہ میرے کنٹرول سے باہر ہوگیا۔"

میں ایک بھائی کو بہن کی محبت میں الجھا کر جلال بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پائلٹ کیبن کے دروازے کے دوسری طرف ڈسٹس پر یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے گر پڑا ہو۔ واقعی جہاز کے ڈگمگانے کے دوران وہ دروازے کے پاس آ کر گر پڑا تھا اور وہیں سے دروازے کو کئی بار پیٹ کر پائلٹ جکیب کو مخاطب کرتا رہا تھا۔ پھر اس کے دماغ میں بات آئی "میں بھی بدحواس ہوگیا ہوں خواہ مخواہ یہاں سے چیخ کر باتیں کر رہا ہوں جبکہ انٹرکام کے ذریعے آسانی سے گفتگو ہو سکتی ہے۔"

وہ کراہتے ہوئے اٹھنے لگا۔ اسے جگہ جگہ چوٹیں آئی تھیں۔ جہاں وہ موجود تھا وہاں کی بہت سی چیزیں اِدھر اُدھر گر پڑی تھیں — وہ ایک سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ سیٹ کے پاس ہی ایک بٹن ایسا تھا جسے دباتے ہی دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوگیا "ہیلو جکیب کیا بات ہے۔ جہاز بے قابو کیوں ہوگیا تھا؟"

دوسری طرف سے جکیب کی آواز سنائی دی "سر میں کچھ پریشان ہوگیا تھا۔ آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ لندن میں تنہا اپنی بہن کو چھوڑ کر آتا ہوں۔ اسی کے متعلق سوچنے کے دوران اپنی ڈیوٹی سے غافل ہوگیا۔ مجھے افسوس ہے آپ کو پریشانی ہوئی۔"

"جکیب! انسان کے لیے فرض سب سے اہم ہوتا ہے۔ فرض کی ادائیگی کے دوران رشتوں کو یکسر بھلا دیا جاتا ہے۔"

"میں ایسا ہی کرتا ہوں لیکن میں آپ کو سمجھا نہیں سکتا۔ میرے اندر بہن کی محبت جوش مارتی ہے۔ یہ اپنے اپنے دل و دماغ کی بات ہے، آپ یقیناً فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ اپنے خون کے رشتوں کو بھلا دیتے ہیں۔ سوری جناب، میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

چند لمحوں تک جلال بیگ نے سوچنے کے بعد کہا "اچھی بات ہے۔ پیرس کے ایئرپورٹ سے رابطہ قائم کرو۔ یہ طیارہ وہاں لینڈ کرے گا۔ میں تمھیں واپس لندن جانے کی اجازت دوں گا تاکہ تم اپنی بہن سے مل سکو۔ تمھاری جگہ کوئی دوسرا لے گا۔"

"تھینک یو سر، آپ بہت مہربان ہیں میرے دکھ درد کو سمجھتے ہیں۔"

"جکیب! میں سمجھتا ہوں تم بھی مجھے سمجھو اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے تو مجھ سے نہ چھپاؤ۔ ذرا غور کرو اور جواب دو۔ کیا فرہاد کسی طرح تمھارے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا؟"

جکیب سوچنے لگا، یکبیک اسے یاد آیا کہ جلال بیگ کے دستِ راست نے اس کے گھر آ کر اس کی بہن سے گفتگو کی تھی۔ یہ ایسی غلطی تھی جس پر جکیب نے اپنی بہن کو سمجھایا تھا کہ آئندہ وہ پیغام لانے والے سے گفتگو نہ کرے، گونگی بنی رہے لیکن وہ غلطی ہو چکی تھی۔

اب وہ سوچ رہا تھا "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ فرہاد جلال بیگ کے اس دستِ راست کے دماغ میں پہنچ چکا ہو۔ اس کے ذریعے وہ میری بہن کے دماغ میں پہنچا ہو اور بہن کے ذریعے میرے دماغ میں بھی پہنچ گیا ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میرا دماغ اتنی لمبی دوڑ لگا رہا ہے۔ فرہاد کتنوں کے دماغ سے گزرتا ہوا میرے دماغ میں آسکتا ہے۔ یہ محض کہانی کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے سوچا جائے تو یقین نہیں آتا — ایسا نہیں ہو سکتا۔"

جکیب کی اپنی سوچ نے کہا "اگر ایسا ہو بھی جائے تو مجھے اپنی زبان بند رکھنی چاہیے۔ جلال بیگ جتنا سیدھا، شریف اور مہربان ہے۔ اتنا ہی ظالم ہے۔ اگر اسے پتہ چلا کہ میری بہن نے اس کے دستِ راست سے گفتگو کی تھی تو وہ میری بہن کو زندہ نہیں چھوڑے گا اور مجھے بھی مار ڈالے گا۔"

جلال بیگ کی آواز سنائی دی "جکیب کیا تم میری باتوں پر غور کر رہے ہو؟"

"یس سر، میں نے اچھی طرح سوچا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ فرہاد کس طرح میرے دماغ میں پہنچ سکتا ہے۔ میں تو بہت محتاط رہتا ہوں۔"

جلال بیگ نے کہا "مجھ سے زیادہ محتاط کوئی نہیں رہتا۔ اس کے باوجود مجھے بھی سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے۔ تم بھی اپنی ایک سوسائٹی رکھتے ہو، تمھیں کیا پتہ کہ فرہاد کس کے روپ میں، کس وقت تمھارے سامنے سے گزر گیا ہوگا۔ بہرحال تم انجان ہو۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔ میں تم سے کیا کہہ سکتا ہوں۔"

جلال بیگ نے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر اسی مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگا۔ اس کا دماغ اپنے اس دستِ راست کی طرف جا رہا تھا جسے اس نے پیغام دے کر جکیب کے پاس بھیجا تھا۔ وہ اپنا شبہ دور کرنا چاہتا تھا۔ ہر طرح سے مطمئن ہونا چاہتا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے ایک چھوٹے سے سوٹ کیس کو اٹھایا۔ پھر ایک آرام دہ برتھ پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس نے اس بریف کیس کو کھولا وہ ایک ٹرانسمیٹر تھا۔

اس ٹرانسمیٹر میں کچھ تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ اس میں مختلف بٹن لگے ہوئے تھے اور ٹیلیگراف کے طرز پر پیغام رسانی ہوتی تھی۔ اس نے ٹرانسمیٹر کو آن کیا۔ پھر مختلف بٹن یوں باری باری دبانے لگا جیسے ٹیلیگراف کی اشاراتی زبان ہوتی ہے: "ٹملے ٹکا۔ ٹکا ٹکا۔ ٹلے ٹکا۔"

میں اس کے دماغ سے اشاراتی زبان سمجھ رہا تھا جلال بیگ اپنی ایک لیڈی سیکرٹری سے کہہ رہا تھا "لندن کے مسٹر کیمرون سے فوراً رابطہ قائم کرو۔ اس سے پوچھو۔ کیا کسی طرح وہ اپنے دماغ میں کوئی اجنبیت محسوس کر رہا ہے، کوئی ایسی بات محسوس کر رہا ہو جس سے یہ شبہ ہو کہ فرہاد اس کے دماغ میں پہنچ گیا ہے۔ ابھی مجھے اس بات کا جواب دو۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

پیغام رسانی ختم ہوگئی۔ وہ سوٹ کیس کو اپنے سامنے رکھے انتظار کرنے لگا۔ اس نے اپنی لیڈی سیکرٹری سے کسی مسٹر کیمرون کا ذکر کیا تھا میں نے اس کے دماغ سے معلوم کیا۔ مسٹر کیمرون اس کا وہی دستِ راست تھا جو جکیب کے پاس پیغام

لے گیا تھا۔ میں فوراً ہی کیمرون کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک کلب کے بلیرڈ روم میں تھا اور بلیرڈ میز کی مخملی سطح پر چمکتا ہوا ایک سرخ گیند پر ہٹ لگا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کلب کے چپراسی نے اطلاع دی کہ اس کا ٹیلی فون ہے۔ وہ کھیل چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آیا۔ پھر ریسیور کو اٹھا کر بولا "ہیلو"۔

دوسری طرف سے کوڈ ورڈز میں کہا گیا "ٹرانسمٹر اٹینڈ کرو"۔

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا کلب کے باہر آیا۔ پارکنگ ایریا میں پہنچا پھر وہاں اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈیش بورڈ کو کھول کر اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹرانسمٹر نکالنے کے بعد اسے اپنے سامنے رکھ لیا اور انتظار کرنے لگا۔

پانچ منٹ کے بعد ٹرانسمٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے ایک بٹن کو دبایا۔ کسی کی آواز آنے لگی۔ کوئی کوڈ ورڈز میں اسے مخاطب کر رہا تھا۔ اس نے بھی کوڈ ورڈز میں جواب دیا۔ پھر اسے جلال بیگ کا پیغام سنایا گیا۔

اس نے جواب دیا "میں اپنے دماغ میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کر رہا ہوں"۔

"کیا کیسینو کے اس کرو بیٹر رائٹ ایرس کے ذریعے فرہاد تمہارے دماغ تک نہیں پہنچ سکتا؟"

"رائٹ ایرس کے متعلق پوری تحقیقات کی گئی تھی۔ ہمارے بگ باس بھی اس کے سامنے بیٹھے ہوئے اس کا بیان سن رہے تھے۔ ہم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ فرہاد کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ فرہاد میرے دماغ میں کیسے پہنچ سکتا ہے؟"

"تمہاری باتیں درست ہیں لیکن تم تنہائی میں اطمینان سے بیٹھ کر سوچو شاید کوئی بات سمجھ آ جائے"۔

"ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ بگ باس رفتہ رفتہ وہمی ہوتے جا رہے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے فرہاد کے سوا انھیں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ وہ اپنے سائے پر بھی شبہ کرتے ہیں۔ ان کے شبہے کے علاج ہمارے پاس نہیں ہے"۔

"ہاں یہ تو ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بگ باس کو نہ فرہاد مارے گا نہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی مارے گی۔ ان کا وہم ہی انھیں مار ڈالے گا۔ اوور اینڈ آل"۔

رابطہ ختم ہو گیا۔ میں کیمرون کے دماغ سے نکل کر جلال بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ مجھے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ پھر ٹرانسمٹر کے ذریعے وہی اشاراتی پیغام موصول ہونے لگا۔ جلال بیگ نے تمام باتیں سننے کے بعد رابطہ ختم کر دیا۔ اس سوٹ کیس کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ اب اسے مطمئن ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ پریشان تھا۔ ایک ہی بات دماغ میں گونج رہی تھی کہ طیارہ کیوں ڈگمگا رہا تھا۔ جیکب کو کیا ہو گیا تھا؟

میں نے سوچا۔ ابھی اس کے لیے اتنی ہی پریشانی کافی ہے۔ اب وہ ہر طرح سے مطمئن ہونے کے لیے اپنے ایک ایک آدمی کو چیک کرتا رہے گا۔ ایک ایک آدمی کا بیان لیتا رہے گا لیکن اسے کبھی نہیں معلوم ہوگا کہ میں اس کے پاس موجود رہتا ہوں۔

میں نے آئندہ اسے کسی اور عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے فی الحال ڈھیل دے دی۔ اسے چھوڑ کر اپنی جگہ دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ لینزا بستر پر لیٹی ہوئی مجھے توجہ سے دیکھ رہی تھی جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی "کیا خیال خوانی میں مصروف تھے؟"

"تمہارے بگ باس کی خیریت معلوم کر رہا تھا"۔

لینزا نے مسکرا کر کہا "اب وہ بے چارہ خیریت سے نہیں رہے گا"۔

"وہ جتنا بڑا باس بن رہا ہے اور جتنا پُراسرار نظر آتا رہا ہے اتنا ہی اندر سے اپنے آپ کو کھوکھلا کر رہا ہے ہر لمحہ مجھ سے خوف زدہ رہتا ہے"۔

"ہاں یہ بات ہمارے لوگ کہتے رہتے ہیں کہ بگ باس ایک ان دیکھے عذاب میں مبتلا ہے"۔

اچانک مجھے یاد آیا کہ لینزا مادام روزانہ کے میک اپ میں مجھے گھیر کر لا رہی تھی جس کار میں میں لینزا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اس کے اسٹارٹر سے ایک ایسا ٹرانسمٹر منسلک تھا جس کے ذریعے دوسری طرف جلال بیگ میری اور لینزا کی گفتگو سن رہا تھا۔ یہ بات مجھے لینزا کے دماغ سے معلوم ہوئی تھی۔

اب سوچنے کی بات یہ تھی کہ جلال بیگ لندن میں میری موجودگی کو سمجھ گیا تھا۔ پھر وہ اپنے لندن کے ماتحتوں کے ذریعے یہ کیوں نہیں معلوم کر رہا تھا کہ مجھے گھیرنے میں وہ لوگ کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور اب ان کی کیا پوزیشن ہے؟

یہ سوچتے ہی میں نے لینزا سے پوچھا "مادام روزانہ کے ٹیلی فون کے ساتھ ایک جاسوسی آلہ منسلک کیا گیا تھا جس کے ذریعے تم ماسٹر نومین اور مادام روزانہ کے درمیان ہونے والی باتیں سن لیا کرتی تھیں یا تمہارے آدمی سن لیا کرتے تھے۔ کیا ان کے ذریعے یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ میں لندن میں موجود ہوں اور میرے لیے ہی مادام روزانہ کار لے کر آ رہی ہیں"۔

لینزا نے جواب دیا "مادام روزانہ اور ماسٹر نومین اپنی

گفتگو کے دوران کبھی تمہارا نام نہیں لیتے ہیں۔ آخری بار بھی ماسٹر نومین نے فون پر کہا تھا کہ بی سی کو فلاں جگہ مادام کا انتظار ہے لہٰذا مادام کو پندرہ منٹ کے اندر کار لے کر وہاں پہنچنا چاہیے"۔

میں نے لینزا سے پوچھا "بی سی کا مطلب تم لوگ کیا سمجھے تھے؟"

"یہی کہ بی سی تمہیں کہا جاتا ہے اور یہ بی سی یقیناً برین کینسر کا مخفف ہے۔ تمہیں یاد ہے جب میں اس وقت کار لے کر تمہارے پاس پہنچی تھی تو پہلی بات تم سے کیا ہوئی تھی؟"

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے"۔

لینزا نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا۔ مجھے تاکید کی گئی ہے کہ میں گفتگو میں پہل نہ کروں مگر مجھے بڑی بے چینی ہے۔ پلیز یہ بتا دو کیا جلال بیگ تک پہنچ گئے ہو؟"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں تم نے یہی بات کہی تھی"۔

"کہنے کا مقصد یہ تھا کہ کار کے ساتھ جو ٹرانسمٹر منسلک ہے۔ اس کے ذریعے جلال بیگ میرا سوال اور تمہارا جواب سن لے"۔

"پھر تو جلال بیگ کو یقین کر لینا چاہیے تھا کہ میں لندن میں موجود ہوں لیکن اب اس کا دماغ میرے متعلق اس انداز میں نہیں سوچ رہا ہے۔ ذرا ٹھیرو۔ میں ابھی اس کے دماغ سے ہو کر آتا ہوں"۔

میں پھر جلال بیگ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ آرام سے بستر پر لیٹا ہوا تھا مگر ذہنی طور پر آرام سے نہیں تھا۔ بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس کی دماغی آنکھوں کے سامنے لینزا کا تصور پیش کیا، اس تصور کے ساتھ ہی وہ لینزا کے متعلق سوچنے لگا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ لینزا ان دنوں مادام روزانہ کے میک اپ میں رہتی ہے اور جو کار وہ استعمال کرتی ہے اس کے ساتھ ٹرانسمٹر منسلک کر دیا گیا ہے اور اس کی فریکوئنسی بھی بتا دی گئی تھی جلال بیگ ایئرپورٹ جانے سے پہلے اس ٹرانسمٹر کے ذریعے اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن جب تقدیر بگڑتی ہے تو بہت کچھ بگڑنے لگتا ہے۔ جانے کیا ہوا تھا کہ اچانک اس کا ٹرانسمٹر خراب ہو گیا تھا اور وہ میری اور لینزا کی ہونے والی گفتگو نہیں سن سکا تھا۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ ماسٹر نومین اور مادام روزانہ اپنی گفتگو کے دوران بی سی کس کو کہتے ہیں۔ اگر بی سی برین کینسر کا مخفف ہے تو وہ برین کینسر کہلانے والا شخص کیا فرہاد ہے؟ اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی۔

میں مطمئن ہو کر جلال بیگ کے پاس سے واپس آ گیا۔ لینزا نے پوچھا "کیا ہوا؟"

میں نے جواب دیا "میری قسمت اچھی تھی اور جلال بیگ کی قسمت تو بگڑ ہی چکی ہے اس کا ٹرانسمٹر بگڑ گیا تھا۔ وہ میری اور تمہاری گفتگو نہیں سن سکا اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہو سکا کہ میں ہی بی سی کہلاتا ہوں"۔

میری بات ختم ہوتے ہی کال بیل کی آواز سنائی دی۔ لینزا نے چونک کر کہا "شاید میرے ساتھی ہیں۔ وہ معلوم کریں گے کہ بی سی کہلانے والے جس شخص کو میں گھیرنے گئی تھی اسے میں نے ان کے پاس کیوں نہیں پہنچایا؟"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستگی سے کہا "میں باتھ روم میں جا رہا ہوں تم دروازہ کھول کر آنے والے سے باتیں کرو"۔

وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی "لیکن میرے آدمی ہوں گے تو وہ میرے فلیٹ کی تلاشی لیں گے۔ باتھ روم میں بھی جھانک کر دیکھیں گے"۔

"تم فکر نہ کرو۔ بس ان سے باتیں کرنا۔ باقی میں سمجھ لوں گا"۔

یہ کہہ کر میں باتھ روم میں چلا گیا۔ وہ دوسرے کمرے میں گئی اور بیرونی دروازے کو کھول دیا۔ کھلے ہوئے دروازے کے سامنے تین آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے اسے دیکھتے ہی کہا "ہیلو، تم نے اپنے متعلق کوئی خبر نہیں دی؟"

میں نے لینزا کے دماغ میں پہنچ کر اس کی زبان سے کہا "اندر آ جاؤ۔ جس کے ڈر سے میں نے خبر نہیں دی وہ مجھے گولی مار سکتا ہے"۔

وہ تینوں فوراً ہی اندر آ گئے۔ ایک نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟ تم پریشان ہو؟"

"ماسٹر نومین اور مادام روزانہ جس شخص کو بی سی کہتے ہیں۔ وہ میری کار میں بیٹھ کر لیورپول تک آیا۔ پھر اس نے مجھے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔ میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ تم لوگوں کی چالاکیاں سمجھتا ہوں۔ سیدھی طرح یہاں سے اپنے گھر جا کر آرام سے سو جاؤ۔ اگر تم نے اپنے آدمیوں سے ملنے کی کوشش کی یا مادام روزانہ کے خلاف اور کوئی قدم اٹھایا تو میں کہیں سے بھی تمہیں گولی مار سکتا ہوں"۔

اس شخص نے پوچھا "لیکن اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم نے مادام روزانہ کو اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ آخر وہ لوگ سپر ماسٹر کے اہم آدمی ہیں۔ ان کے ذرائع بہت وسیع ہیں، وہ اب تک یہ معلوم کر چکے ہوں گے کہ تم لوگوں نے مادام روزانہ کو باندھ کر اسٹور روم میں بند کر دیا ہے اور پتہ نہیں وہ ہمارے خلاف کیسے اقدامات کریں"۔

ایک اور شخص نے کہا "گھبراؤ نہیں۔ تم اس بند فلیٹ

میں محفوظ رہو گی۔ ہم باہر جانتے ہیں۔ اگر کوئی مخالف دشمن نظر آیا تو اس سے نمٹ لیں گے۔"

وہ لوگ تسلیاں دے کر باہر چلے گئے۔ لیزا نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگی۔ اس وقت تک میں باتھ روم سے نکل کر آ گیا تھا اور اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے میرے پاس آ گئی۔ اس کے بعد ہم بڑی دیر تک مسکراتی ہوئی گھڑیاں گزارتے رہے پھر میں نے کہا "بہت رات ہو چکی ہے۔ تم آرام سے سو جاؤ۔"

"اور تم ؟"

"میں سونے سے پہلے اپنے لوگوں کی خیریت معلوم کرتا ہوں۔ اس کے بعد سوتا ہوں۔"

میں ایک کرسی پر آ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ رابطہ قائم کرتے وقت سب سے پہلے سونیا کا نام دماغ میں آیا کرتا تھا لیکن میں سب سے آخر میں اس سے رابطہ قائم کرتا تھا۔ کیونکہ وہی ایک ہستی ایسی تھی جس کے متعلق میں ہمیشہ مطمئن رہتا تھا۔ مجھے کبھی یہ پریشانی لاحق نہیں رہی کہ کوئی دشمن اس کا کچھ بگاڑ سکے گا۔

میں ایک بیٹے کا باپ بننے والا تھا۔ میری توجہ سونیا کی طرف رہتی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ سو رہی تھی۔ ایک دم سے چونک کر بیدار ہو گئی۔ پھر اس نے خلا میں گھورتے ہوئے پوچھا "فرہاد کیا تم ہو ؟"

"ہاں میں ہوں۔ تم نے سونے سے پہلے اپنے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ میری سوچ کی لہروں سے بیدار ہو جاؤ گی۔"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں، میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتی ہوں تم بھی میری طرف سے محتاط ہو کر اسی طرح اپنے دماغ کو ہدایات دیتے ہو گے۔"

"چلو کوئی بات نہیں ہے۔ میاں بیوی خواہ کتنے ہی گہرے رشتے میں ڈوب جائیں پھر بھی وہ ایک دوسرے سے اپنی کوئی نہ کوئی چھوٹی بڑی بات چھپاتے ہیں۔ بات چھپانے میں یہ مقصد نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے کے اعتماد کو دھوکا دے رہے ہیں۔ بس یہ انسانی فطرت ہے۔ کسی نہ کسی مجبوری سے بھی کوئی بات چھپائی جاتی ہے۔ اس لیے ہم اپنے اپنے دماغوں پر ایسے تالے ڈال دیں کہ کوئی ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر اندر نہ آ سکے تو اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں برا نہیں مانتی۔ بولو اس وقت کیا کر رہے ہو ؟"

"سونے جا رہا ہوں۔"

"اور کوئی خاص بات ؟"

"بہت ہی خاص بات ہے۔ میں جلال بیگ کے دماغ میں پہنچ چکا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "کیا سچ ؟"

"ہاں بالکل سچ۔ میں نے ابھی اس کے دماغ کو چھیڑا نہیں ہے۔ چپکے چپکے اسے ذہنی پریشانیوں میں مبتلا کرتا رہوں گا۔ ویسے وہ پہلے ہی سے دماغی خلجان میں مبتلا رہتا آیا ہے۔ ہر لمحہ مجھ سے دہشت زدہ رہتا ہے۔"

"فرہاد اس کم بخت کو زندہ نہ چھوڑنا۔ اس کی وجہ سے ہماری ممی ماری گئیں۔ میں وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتی جب ممی نے میری جان بچانے کے لیے میرے سامنے ڈھال بن کر دشمن کی گولی اپنے سینے پر کھائی تھی اور وہ دشمن اسی جلال بیگ کا بھیجا ہوا تھا۔ اسی نے ہمیں جنگلوں میں بھٹکایا تھا۔"

"میں یکلخت اسے مار ڈالوں گا تو وہ زندگی کے غموں سے نجات پا جائے گا۔ میری طرف سے جو اندیشے ہر لمحے اسے کھا رہے ہیں انہیں اسے کھانے دو۔ آہستہ آہستہ مرنے دو۔"

وہ جمائی لینے لگی۔ میں نے کہا "تم کچی نیند سے بیدار ہوئی ہو۔ سو جاؤ۔ کل ملاقات ہو گی۔"

وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی "ہائے میں بہت تھک گئی ہوں لیکن سونے سے پہلے یہ کہہ دوں کہ میں نے سونیا سے دماغی رابطہ قائم کیا تھا۔"

"کیا واقعی ؟"

"میں نے اسے بتا دیا ہے کہ میری صلاحیتیں واپس آ گئی ہیں اور اسے تاکید بھی کی ہے کہ کسی اور کو یہ بات نہ بتائے۔ میں جانتی ہوں تم بھی اس سے کوئی بات نہیں چھپاتے ہو۔"

"یہ تم نے اچھا کیا۔ جو اسے بتا دیا۔"

"میں نے اسے شادی کی مبارک باد بھی دی ہے۔"

"سونی، تم بہت ہی فراخ دل ہو۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

"بس اب خوشامدیں نہ کرو۔ میں سو رہی ہوں اب جاؤ۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنے دماغ کے دروازے بند کر لیے۔ میری سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لیزا بستر پر گہری نیند سو رہی تھی اچانک مجھے مادام روزانہ کا خیال آیا میں اسے بھول ہی گیا تھا۔ میں نے فوراً اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ واقعی وہ اسٹور روم میں بندھی پڑی تھی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور اوپر سے ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ دونوں ہاتھ پشت کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے تک نہیں لا سکتی تھی۔ بہرحال وہ بری طرح مجبور تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا "ہیلو روزانہ کس حال میں ہو ؟"

وہ بولی "جان بوجھ کر پوچھ رہے ہو۔"

"اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ سونیا سے کبھی پوچھنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس نے دشمنوں کو کبھی ایسا موقع نہیں دیا۔ کیا تم اسی برتے پر سونیا سے برتری کا دعویٰ کرتی رہی تھیں ؟"

"طعنے نہ دو۔ ماسٹر کو اطلاع دو۔"

ماسٹر نیومین سونے جا رہا تھا۔ میں نے اسے اطلاع دے دی کہ مادام روزانہ اپنی رہائش گاہ کے ایک اسٹور روم میں بندھی پڑی ہیں۔ مختصر طور پر میں نے اپنے تمام حالات سنا دیے۔ اس نے فوراً ہی اپنے ماتحتوں کو بلایا اور انھیں مادام روزانہ کی رہائش گاہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کہا "ہمارے درمیان یہ بات طے پائی تھی کہ آپ کا سپر ماسٹر میرے اور جلال بیگ کے درمیان نہیں آئے گا اور میں نے بھی کہا تھا کہ آئندہ میں سپر ماسٹر سے کسی قسم کی امداد حاصل نہیں کروں گا۔"

ماسٹر نیومین نے کہا "مجھے یاد ہے لیکن آپ کو بھی یاد ہونا چاہیے کہ سپر ماسٹر کی تنظیم سے ہٹ کر ہم آپ کے کام آتے رہیں گے۔ یہ میرا وعدہ تھا۔"

"آپ کا وعدہ یاد ہے۔ ابھی ایک کام آپ سے آ پڑا ہے۔"

"آپ حکم دیں جو بھی کام ہو گا میں ذاتی طور پر انجام دوں گا۔"

"ماسٹر! پاکستان میں میری ایک ایسی بہن ہے جس کا حکم میں کبھی ٹال نہیں سکتا اور اس کا حکم ہے کہ میں اڑتالیس گھنٹے کے اندر پاکستان پہنچ جاؤں۔ کیا اس کے انتظامات ہو سکتے ہیں ؟"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ کیا آپ میک اپ میں جائیں گے ؟"

"ظاہر ہے ورنہ میرے آس پاس بھیڑ لگ جائے گی۔"

"میں آپ کے میک اپ کا اور عارضی رہائش کا بندوبست کرتا ہوں۔ آپ اس وقت کہاں ہیں ؟"

میں نے لیزا کے فلیٹ کا پتہ بتاتے ہوئے کہا "آپ یہاں گاڑی بھیج دیں اور یہ بتا دیں کہ میری عارضی رہائش کہاں ہو گی ؟ اور میں لندن سے لاہور کس طرح یہاں سے جاؤں گا ؟"

"آپ ذرا انتظار کریں۔ ابھی تمام معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

"ماسٹر ایک بات اور۔ یہ بات مادام روزانہ کو بھی نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں پاکستان جا رہا ہوں۔"

"فرہاد صاحب آپ کا راز صرف میرے دل میں محفوظ رہے گا۔ میں اس تنظیم کے کسی بھی فرد کو آپ کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گا جو بھی مجھ سے پوچھے گا۔ میں یہی کہوں گا کہ آپ اچانک لندن سے غائب ہو گئے ہیں یا پھر ہم سے رابطہ قائم نہیں کر رہے ہیں۔"

میں ماسٹر کے دماغ سے واپس آ گیا۔ دس منٹ کے بعد پھر میں نے رابطہ قائم کیا۔ اس نے کہا "جناب! میں اپنے ایک ماتحت کو بلا کر باتیں کر رہا ہوں آپ اس کی سوچ کو پڑھ لیں، وہ گاڑی لے کر آپ کے پتے پر ابھی پہنچنے والا ہے۔"

اس نے اپنے ماتحت کو بلایا۔ اس سے باتیں کیں۔ اسے ہدایت دی کہ کس پتے پر ابھی جانا چاہیے۔ یہ معاملہ طے ہونے کے بعد میں دماغی طور پر لیزا کے فلیٹ میں حاضر ہو گیا وہ گہری نیند میں تھی۔ میں اسے اسی حالات میں چھوڑ کر جانا چاہتا تھا جس حد تک دوستی ضروری تھی وہ ہو چکی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ میں جھانک کر کہا "لیزا! تم سو رہی ہو اور اسی طرح سوتی رہو گی۔ میں جا رہا ہوں۔ جب بیدار ہونا تو یہ سمجھ لینا کہ میں نے جاتے وقت اخلاقاً تم سے اجازت حاصل کی تھی۔"

اس کے دماغ میں خواب کا سا منظر تھا اور اسی منظر میں وہ مجھے دیکھ رہی تھی اور آگے بڑھ کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے مجھے روک رہی تھی "نہیں فرہاد، نہ جاؤ، اب تو میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"مجھے افسوس ہے میری دوستی کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے اس لیے مجھے بھولنے کی کوشش کرنا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم کوئی بھلا دینے والی چیز ہو۔ میں تو جتنا بھلاؤں گی اتنا ہی یاد آؤ گے۔"

"میں تم سے زیادہ بحث نہیں کر سکتا۔ میری روانگی کا وقت ہو رہا ہے۔ تمھاری خوابیدہ آنکھوں کے سامنے سے اب یہ منظر گم ہو رہا ہے۔ میں گزرنے والا وقت ہوں۔ تمھاری زندگی سے گزر چکا ہوں۔ ہٹ چکا ہوں۔ اب تم مجھے کبھی نہیں دیکھ سکو گی اور اس وقت بھی نہیں دیکھ رہی ہو۔"

اس کے خوابیدہ دماغ سے وہ منظر گم ہو گیا۔ اب وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی۔ بے خواب نیند میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے خیال خوانی کے ذریعے معلوم کیا۔ ماسٹر نیومین کا ماتحت میرے لیے گاڑی لے کر فلیٹ کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ میں نے وہاں سے

چلتے وقت سوچا۔ اگر میں فلیٹ سے نکل کر جاؤں گا تو اس فلیٹ کا بیرونی دروازہ کھلا رہے گا۔ ایک جوان حسین لڑکی یہاں سو رہی ہے۔ کوئی بھی یہاں داخل ہو کر اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

میں نے لیزا کے دماغ میں جھانکتے ہوئے کہا: "میں جا رہا ہوں اٹھو اور فلیٹ کے دروازے کو اندر سے بند کر لو لیکن تم اس طرح اٹھو گی کہ نیند کی حالت میں چلتی ہوئی آؤ گی۔"

وہ میری ہدایت کے مطابق اٹھنے لگی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اسے سہارا دے رہا تھا۔ وہ سوچ کی لہروں پر بہتی ہوئی، میرے ساتھ چلتی ہوئی فلیٹ کے دروازے تک آئی۔ میں رخصت ہونے لگا۔ رخصت ہونے کا منظر اس کے خواب میں تھا۔ وہ رخصتی لمحوں کو خواب کی صورت میں دیکھ رہی تھی۔ پھر میں اسے چھوڑ کر دروازے سے باہر آ گیا۔ اس کے دماغ کو کنٹرول کرتے ہوئے دروازے کو اندر سے بند کر کے چٹخنی چڑھا دی، اس کے بعد وہ اسی طرح نیند کی حالت میں چلتی ہوئی اپنے بستر پر پہنچی اور وہاں آرام سے لیٹ گئی۔

میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔ گلی میں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ خیال خوانی کے ذریعے معلوم کیا تو وہی کار میرے لیے آئی تھی۔ میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گیا۔ ماسٹر نومین کے ماتحت نے پلٹ کر مجھے دیکھا میں اپنے اصلی روپ میں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ حیرت اور مسرت سے بولا: "جناب، یہ آپ ہیں؟ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ آپ کو دیکھ رہا ہوں اور آپ کی خدمت کے لیے آیا ہوں۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "گاڑی آگے بڑھاؤ۔ یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔"

اس نے فوراً گاڑی کو اسٹارٹ کیا۔ پھر اسے آگے بڑھا دیا۔ میں نے پوچھا: "تم مجھے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو۔ کیا ماسٹر نے تمہارے سامنے میرا ذکر نہیں کیا تھا؟"

"ماسٹر بہت کم گو ہے۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ مجھے یہاں آنا ہے اور یہاں سے آپ کو پکاڈلی اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں پہنچانا ہے۔"

لیزا کے فلیٹ سے پکاڈلی اسٹریٹ زیادہ دور نہیں تھی، میں وہاں کے ایک فلیٹ میں پہنچ گیا۔ اس فلیٹ میں ایک ملازم میرا منتظر تھا۔ اس نے کہا: "جناب! آپ ماسٹر سے رابطہ قائم کر لیں۔ وہ آپ سے ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے ماسٹر کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا: "آج رات آپ اس فلیٹ میں آرام کریں۔ کل صبح ایک میک اپ مین آپ کے پاس آئے گا اور آپ کے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلیاں کرے گا۔ کل تک پاسپورٹ وغیرہ تیار ہو جائیں گے۔ کل دوپہر کی فلائٹ میں آپ کے لیے ایک سیٹ ریزرو کرا دی گئی ہے۔"

میں نے ماسٹر کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اس سے رخصت ہو کر فلیٹ کے ملازم سے کہا: "میرے لیے سینڈوچز اور کافی لے آؤ۔"

"جناب، کچن میں کھانے کا انتظام نہیں ہے۔ آپ انتظار کریں تو میں باہر سے لے آتا ہوں۔"

میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ پھر ایک آرام دہ صوفے میں دھنس گیا۔ ارادہ تھا کہ پہلے ثنا ہمینہ اور سونیا سے رابطہ قائم کر کے انہیں اپنی آمد کی خوشخبری سناؤں لیکن جلال بیگ کا خیال آیا۔ میں اس بیمار آسیب زدہ کو ٹیلی پیتھی کی پہلی خوراک دے چکا تھا۔ اب دوسری خوراک کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا۔ بے چارہ پیرس پہنچ چکا تھا اور وہاں کے ایک بنگلے میں ایک بیمار کی طرح بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس کی طبیعت اور بگڑ گئی تھی۔ اس کے اندر کچھ عجیب سی گھبراہٹ پیدا ہو رہی تھی۔

اس کے بستر کے پاس کھڑا ہوا ایک ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ "آپ کچھ بولتے نہیں ہیں۔ اندر ہی اندر گھلتے جا رہے ہیں۔ میں آپ کا ایک بہت پرانا قابلِ اعتماد ڈاکٹر ہوں۔ کم از کم میرے سامنے زبان کھولیں۔ اپنے دل کا حال سنائیں۔ اگر میں کسی ماہرِ نفسیات کی خدمات حاصل کروں تو بے کار ہوگا۔ کیونکہ آپ اس ماہرِ نفسیات کے سامنے بھی زبان نہیں کھولیں گے۔ آپ کے دل و دماغ میں یہی بات بیٹھی ہوئی ہے کہ فرہاد کسی کے بھی ذریعے آپ کے دماغ میں پہنچ جائے گا۔ یہ تو بڑی مشکل ہے۔ آپ کا علاج کیسے کیا جائے؟"

جلال بیگ ایک کاغذ پر لکھنے لگا: "میں آج ہمیشہ سے زیادہ پریشان ہوں۔ آج کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ طیارہ پرواز کے دوران اس قدر کیوں ڈگمگا رہا تھا اور رہ رہ کر بمپنگ کیوں ہو رہی تھی۔"

ڈاکٹر نے اس تحریر کو پڑھ کر کہا: "جناب! کچھ تو آپ سمجھنے کی کوشش کریں — طیارے میں کچھ خرابی ہو سکتی ہے۔ آپ کا پائلٹ بھی ذہنی طور پر پریشان تھا۔ اس سے بھی کچھ غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ آپ ایک ہی بات کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو روگ لگاتے رہتے ہیں۔"

اتنے میں بگ باس کی تنظیم کے کچھ اہم افراد کمرے میں آ گئے۔ ڈاکٹر نے ایک چھوٹے سے گلاس میں دوا انڈیل کر کہا:

"اسے پی لیجیے۔ آپ کے اعصاب میں جو کھنچاؤ ہے۔ اس میں کمی ہوگی۔ ذرا سکون حاصل ہوگا۔"

جلال بیگ نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس چھوٹے سے گلاس کو لیا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو کپکپانا شروع کر دیا۔ وہ دماغی طور پر حاضر تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر پوری طرح قبضہ نہیں کیا تھا لیکن اس کی سوچ کو ذرا کمزور کر کے اپنی سوچ کو حاوی کر رہا تھا۔

وہ بری طرح دہشت زدہ ہو کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ گلاس میں جو دوا تھی وہ آہستہ آہستہ چھلک رہی تھی۔ وہ بے اختیار بولنے لگا: "دیکھیے، دیکھو ڈاکٹر۔ میرا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں مگر یہ کپکپی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہو رہی ہے۔ فرہاد میرے دماغ میں پہنچ چکا ہے ....."

اس نے گلاس کو ایک طرف پھینک دیا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں، فرہاد آپ کے دماغ میں نہیں ہے آپ کو وہم ہو گیا ہے۔"

دوسرے ماتحت جو آس پاس کھڑے ہوئے تھے وہ بھی اسے سمجھانے لگے۔ جلال بیگ فوراً ہی اپنے بستر سے اتر کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ سہمی ہوئی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس وقت میں اس کے دماغ پر قابض تھا۔ وہ بچوں کی طرح ڈرتا ہوا پیچھے ہٹتا ہوا، الماری کے پاس چلا گیا اور وہاں دبک کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ سر جھکا کر کہنے لگا: "فرہاد آئے تو کہہ دینا میں گھر پر نہیں ہوں، سمجھے، اسے میرا پتہ نہ بتانا۔"

وہ سب لوگ خاموش کھڑے ہوئے اپنے بگ باس کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے کتنا اونچا نام رکھا تھا۔ بگ باس! لوگ طاقت کے گھمنڈ میں جانے اپنے کیسے کیسے نام رکھ لیتے ہیں، غرور میں بھول جاتے ہیں کہ ازل سے آج تک کتنی ہی بے شمار بڑی بڑی طاقتیں مٹی میں مل چکی ہیں۔ جب تک وہ میری ٹیلی پیتھی کی مٹھی میں نہیں آیا تھا تو بہت ہی پُراسرار اور بہت ہی بارسوخ ذرائع کا مالک نظر آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دنیا کو ٹھوکروں میں اڑا رہا ہو۔ وہ مجھ کو اور میری ساتھیوں کو جنگلوں میں بھٹکا رہا تھا۔ جو دل میں آ رہا تھا وہ کرتا چلا جا رہا تھا اور اب؟ اب وہ کیا تھا؟ ایک چیونٹی بھی اس سے بہتر اور برتر تھی۔

جب وہ اتنا ہی حقیر ہو گیا تھا تو اسے زندہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں پلک جھپکتے ہی اس کا کام تمام کر سکتا تھا۔ خس کم جہاں پاک ہو جاتا لیکن مجھے تسلی نہ ہوتی۔ اس نے جس طرح سائرہ بانو کو پریشان کیا تھا جس طرح ممی اس کی وجہ سے ماری گئی تھیں اور جس طرح اس نے ہمارے ملک کے خلاف سازش کی تھی تو اس کی سزا یہ نہیں تھی کہ اسے یک لخت مار دیا جاتا۔ نہیں اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہیے۔ دنیا والوں کے سامنے ایک عبرت ناک تماشہ بنانا چاہیے، پھر یہ کہ وہ ایک اسرائیلی مہرہ تھا۔ میں اس مہرے کے ذریعے ان کی بچھائی ہوئی بساط تک پہنچ سکتا تھا۔

وہ الماری کے پاس چھپنے کے انداز میں اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ تب وہ اپنے آپ کو حیرانی سے دیکھنے لگا۔ اس وقت تک اس کے ماتحت قریب آ گئے تھے اور اسے پکڑ کر کہہ رہے تھے: "جناب! آپ بہت پریشان ہیں یہاں آرام سے لیٹ جائیں۔ فرہاد نہیں آئے گا۔ ہم سب آپ کی حفاظت کے لیے موجود ہیں۔"

وہ ان لوگوں کے ہاتھوں کو جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولا: "میں۔ میں فرہاد سے نہیں ڈرتا ہوں۔ میں یہاں کیسے آ گیا۔"

ڈاکٹر نے کہا: "آپ کی حالت بگڑتی جا رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک دن آپ ذہنی توازن کھو بیٹھیں آپ خاموشی سے بستر پر آ کر لیٹ جائیں میں انجکشن لگاتا ہوں۔ آپ کو گہری نیند آ جائے گی۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بستر پر آ کر بیٹھا۔ پھر یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا اور گھبراتے ہوئے انداز میں بولا: "کیا میں اتنی دیر سے تم لوگوں کے سامنے بول رہا ہوں۔ کیا میں نے اپنی زبان کھولی ہے، فرہاد، تم میں سے کسی کے دماغ میں ہو گا تو وہ میری آواز سن رہا ہوگا اور اب میرے دماغ میں پہنچ رہا ہوگا۔"

ڈاکٹر نے اس کے ماتحتوں سے کہا: "پلیز آپ لوگ انہیں زبردستی بستر پر لٹا دیں۔ انہیں انجکشن لگانا بہت ضروری ہے۔"

اس کے تمام ماتحتوں نے اسے پکڑ لیا بلکہ جکڑ لیا اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اس کے بازو میں انجکشن لگا رہا تھا۔ اس کے چند لمحے بعد جلال بیگ کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں، وہ نیند میں ڈوب رہا تھا۔

میرے مریض کے لیے یہ دوسری خوراک کافی تھی۔ میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ملازم میرے لیے کھانا لے آیا تھا۔ میں کھانے لگا۔ کھانے کے بعد سگریٹ کی طلب ہوئی۔ رائٹ ابروس کے میک اپ میں رہ کر مجھے بہت زیادہ سگریٹ پینا

پڑا تھا۔ پھر وہی لت پڑنے والی تھی۔ میں نے پوری قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے سگریٹ کی طلب کو کچل دیا۔ آہستہ آہستہ چسکی لیتے ہوئے کافی پینے لگا۔

اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ پاکستان میں صبح کے چھ بجنے والے تھے۔ سونیا اور شاہینہ بیدار ہو گئی تھیں۔ شاہینہ نے اس رات بھی سونیا کو ضد کر کے اپنے ہی پاس سلایا تھا۔ وہ بیدار ہونے کے بعد اس کے بازو پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی "بھابی! آپ کے دل کے دھڑکنے کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا زبیر کی دھڑکنیں بھی اسی طرح سنتی ہو؟"

"آنے دیجیے بھائی جان کو۔ یہی سوال میں آپ سے کروں گی۔"

سونیا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا "شاہینہ! آج دوپہر کو مولوی صاحب آئیں گے وہ جو دوپہر کی نماز ہوتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں؟"

"اسے ظہر کی نماز کہتے ہیں۔ اچھا بتائیے۔ آپ نے پہلا کلمہ یاد کر لیا؟ میں چاہتی ہوں کہ آپ مولوی صاحب کے سامنے بیٹھ کر اسلام قبول کریں تو آپ کو پہلے ہی سے کلمہ یاد ہو۔"

"رات کو سونے سے پہلے یاد کیا تھا۔ ٹھہرو پہلے میں دل میں دہرا لوں۔ پھر تمھیں سناتی ہوں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی سوچ کلمہ پڑھ رہی تھی پڑھنے کے دوران اٹک رہی تھی۔ ایک جگہ وہ بھول گئی۔ پھر شروع سے پڑھنے لگی۔ اس بار میں نے اس کی سوچ میں پڑھنا شروع کیا تو وہ خوش ہو کر بولی "مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے سنو!"

وہ سنانے لگی۔ چونکہ میں اپنی سوچ کے ذریعے سہارا دے رہا تھا اس لیے اس نے سنا دیا۔ شاہینہ نے خوش ہو کر کہا۔ "شاباش پھر سے سنائیے۔"

اس بار میں چپ رہا۔ وہ اپنی یادداشت کے سہارے پڑھنے لگی۔ اس نے اٹک اٹک کر پڑھا مگر صحیح پڑھ لیا۔ میں نے اس کے دماغ میں کہا "مبارک ہو میرا اسلام اور تمھاری اسلامی زندگی مبارک ہو!"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ شاہینہ نے پوچھا "کیا ہوا بھابی؟"

سونیا نے اپنے سر پہ آنچل رکھتے ہوئے پوچھا "تم نے ہی بتایا تھا نا؟ کہ اپنے شوہر کا ذکر ہو تو پہلے سر پہ آنچل رکھ لیا جائے؟"

"ہاں کیا آپ بھائی جان کا ذکر کرنے والی ہیں؟"

"وہ ہمارے درمیان موجود ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "سچ؟" پھر اس نے مجھے مخاطب کیا "بھائی جان! آپ میری آواز سن رہے ہیں؟"

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "ہاں سن رہا ہوں اور تمھاری خوشی بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"میری خوشی تو اس وقت پوری ہو گی جب آپ یہاں اڑتالیس گھنٹے کے اندر پہنچیں گے اور اب اڑتالیس گھنٹے کی مدت میں کتنے گھنٹے کم ہو گئے ہیں آپ ذرا حساب کر لیں۔"

"حساب کر چکا ہوں اور تمھیں ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔"

"بس بس میں سمجھ گئی، وہ خوش خبری یہی ہو سکتی ہے کہ آپ آ رہے ہیں۔"

"ہاں آ رہا ہوں اب سے بارہ گھنٹے کے بعد شاید میرا سفر یہاں سے شروع ہو گا۔"

وہ ذرا ناراض ہو کر بولی "شاید کا کیا مطلب ہے؟"

"یونہی میری زبان سے نکل گیا۔ میں ضرور آ رہا ہوں۔ روانگی سے پہلے تمھیں اور سونیا کو بتا دوں گا کہ وہ طیارہ کس وقت لاہور پہنچے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے شاہینہ کی زبان سے سونیا کو اپنی آمد کی خبر سنائی۔ وہ خوش ہو کر بولی "کیا واقعی۔ مجھے یقین کر لینا چاہیے؟"

"یقین کر لو۔ یہ میری بہن کی ضد ہے۔ تم نے کہا تھا نا اگر میں نے اپنی بہن کی ضد پوری نہیں کی تو مجھے ایسا سنگدل اور پتھر سمجھو گی جو کسی رشتے کی محبت سے پگھل نہیں سکتا۔ میں پگھل چکا ہوں۔"

شاہینہ نے کہا "بھائی جان! میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میرے ارادے کے بغیر میری زبان کیسے ہل رہی ہے؟ اور میں کیسے بولتی جا رہی ہوں؟"

"میری بہنا! یہی ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ یہ بتاؤ مجھے ایئرپورٹ لینے آؤ گی؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے ابھی سے جا کر رن وے پر بیٹھ جاؤں۔"

میں ہنسنے لگا "ایک بات ہے بھائی جان۔ ہم سب کے سب آپ کو لینے آئیں گے لیکن بھابی نہیں آئیں گی۔"

"سونیا کیوں نہیں آئے گی؟"

"شادی سے پہلے آپ دلہن کو نہیں دیکھ سکتے اور دلہن بھی آپ سے نہیں مل سکتی۔ آپ لوگوں پر بڑی سخت پابندیاں

ہوں گی۔ نکاح کے بعد جو دستور ہے اسی دستور کے مطابق آپ کو بھابی کا منہ دیکھنا ہو گا۔"

"شاہینہ! میں جانتا ہوں تم میری اس شادی میں اپنے تمام ارمان پورے کرو گی۔ مجھے اور سونیا کو پوری طرح دولہا اور دلہن بناؤ گی لیکن ایک بات میری مان لو۔ بہت زیادہ دھوم دھام نہ کرنا۔ بہت سے لوگوں کو دعوت نہ دینا۔ صرف تمھارے سسرالی رشتے دار ہوں۔ سائرہ بانو کے خاندان والے ہوں اور سعید احمد چند اہم افسران کے ساتھ شریک ہوں۔ یہ بات انھوں سے باہر نہ جائے ورنہ میری شادی کی خبر پھیلے گی تو ایسا مجمع لگے گا کہ دولہا، دلہن کو بھاگنا پڑے گا۔ صرف شادی کرانے والے ہی رہ جائیں گے۔"

"آپ کے دشمن بھاگیں گے۔ آپ ایسی باتیں منہ سے نہ نکالیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "یہ محاورہ غلط ہو گیا یہ باتیں منہ سے نہیں، سوچ کے ذریعے تمھارے پاس پہنچ رہی ہیں۔"

"میں آپ کی یہ بات مان لیتی ہوں کہ زیادہ دھوم دھام نہیں ہونا چاہیے لیکن میں جو کہوں گی آپ وہی کریں گے۔"

"ہاں بابا وہی کروں گا اور کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ آپ اب بھابی سے بالکل باتیں نہیں کریں گے۔ سوچ کے ذریعے بھی نہیں۔"

سونیا نے جلدی سے کہا "یہ کیا کہہ رہی ہو۔ میں سرکاری فرائض کی پابند ہوں۔ دشمن میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں میں نے ان سے مہلت حاصل کی ہے۔ اگر ان کے کانوں میں یہ بھنک پڑ گئی کہ میں فائل لانے کے بجائے اپنی شادی کر رہی ہوں تو یہ شادی پتہ نہیں کیسے ہنگاموں میں بدل جائے گی۔ تمھارے بھائی جان سے مجھے ان مسائل پر گفتگو کرنا ہے۔"

"رہنے دیجیے بھابی، ہمارے ہاں کی عورتیں باہر کے معاملات میں بالکل دلچسپی نہیں لیتیں۔ آپ نے لی ہے تو اب یہ ساری ذمہ داری بھائی جان پر ہے۔ بھائی جان آپ کے دشمنوں سے نمٹ لیں گے۔ اب ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ آپ یہاں دلہن بن کر بیٹھیں گی اور دشمنوں سے مقابلہ بھی کرتی رہیں گی۔ نہیں ہمارے ہاں کی دلہنیں ایسا نہیں کرتی ہیں۔"

میں نے چپکے سے سونیا کے دماغ میں کہا "بھئی اس کی بات مان لو۔ ہم چپ چاپ سوچ کے ذریعے ان مسائل پہ باتیں کر لیں گے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے اس کے گردن میں بانہیں ڈال کر کہا "میری جان تم فرہاد کی جان ہو۔ تمھاری بات میں کیسے ٹال سکتی ہوں۔ اب وہ میرے دماغ میں آ کر باتیں کرنا چاہیں گے تو میں بولنے سے انکار کر دوں گی۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ میں ابھی جا کر سب لوگوں کو بھائی جان کے آنے کی خوش خبری سناتی ہوں۔"

وہ پلنگ سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی دروازے تک گئی۔ وہاں پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی۔ پلٹ کر بولی "بھائی جان! آپ کہاں ہیں؟"

میں نے اس کے دماغ میں کہا "میں تمھارے پاس ہوں۔"

"چلیے بھابی کے کمرے سے باہر چلیے۔ آپ یہاں میری غیر موجودگی میں بھی نہیں آ سکتے۔"

"اچھا، میں جا رہا ہوں۔ یہاں بھی میری بہت سی مصروفیات ہیں۔ خدا حافظ۔ میں پھر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں چپ ہو گیا۔ وہ چند لمحوں تک آنکھیں پھاڑ کر خلا میں تکتے ہوئے انتظار کرتی رہی۔ جب اس نے اپنے دماغ میں مجھے محسوس نہیں کیا تو مطمئن ہو کر دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ "دیکھیے بھابی، اپنے وعدے پر قائم رہیے گا۔ بھائی جان آئیں تو بھگا دیجیے گا۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی، میں نے سونیا سے کہا۔ "دیکھا بہن کیا ہوتی ہے۔ شادی میری ہو رہی ہے لیکن اسے دنیا جہان کی خوشیاں مل رہی ہیں۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا تمھارے ہاں اتنی سختی سے پردے کی پابندی ہوتی ہے؟"

"اکثر گھرانوں میں پردے کا بہت ہی سخت رواج ہے لیکن ہمارے درمیان نکاح پڑھانے تک کی بات ہے۔ اس وقت ہمیں شاہینہ کی بات ماننی پڑے گی۔ ہم اس کی موجودگی میں ایک دوسرے سے نہ تو مل سکتے ہیں نہ باتیں کر سکتے ہیں۔"

"ویسے فرہاد، تمھارے ہاں کی یہ مشرقی رسمیں بہت دلچسپ بھی ہیں اور بڑی معنی خیز بھی۔ جب ہم شادی سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے۔ ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئیں گے، ایک دوسرے سے باتیں نہیں کریں گے تو کتنی کشش پیدا ہوتی رہے گی۔ میرا دل تمھاری طرف اور تمھارا دل میری طرف لگا رہے گا۔ ہم یوں محسوس کریں گے جیسے پہلی بار مل رہے ہوں۔"

"ہم شاہینہ کی بدولت زندگی میں پہلی بار جائز رشتے میں منسلک ہونے والے ہیں۔ اس سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں ہو سکتی لیکن اس خوشی میں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارے ساتھ قدم قدم پر کوئی نہ کوئی مصیبت بھی چلتی رہتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ شادی کے پُرمسرت موقعے پر کوئی نیا ہنگامہ

کھڑا ہو جائے۔ ہمیں ہر پہلو پر غور کر لینا چاہیے۔ دشمنوں کی ناکہ بندی کر دینا چاہیے جب تک میری بہن کی تمام خوشیاں پوری نہ ہوں اس وقت تک کوئی دشمن ہمارے راستے میں نہ آئے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو، ہمیں دشمنوں کو بھولنا نہیں چاہیے۔"

"صرف دشمنوں کو نہیں بلکہ ناگہانی آفتوں کو بھی نہیں بھولنا چاہیے کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن ہمارے راستے میں حائل نہیں ہوتے۔ کوئی عجیب قسم کی نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔"

"فرہاد! سب سے پہلے تو شاہینہ کی حفاظت کی جائے۔ جو شاہینہ کے نام سے پتلا بنا کر رکھا گیا ہے اس پتلے کی کمر سے شاہینہ کے سر کے بالوں کو کھول دیا جائے۔ اس جادو کا توڑ کیا جائے۔"

"میں ابھی چمکیلی کے چیلے بھوندو چمار کے پاس جا کر دیکھتا ہوں تم سعید احمد سے رابطہ قائم کرو۔ انھیں شادی کی بات نہ بتانا۔ صرف اتنا کہہ دینا کہ میں یہاں پہنچنے والا ہوں اس لیے وہ لاہور چلے آئیں۔ وہ میری آمد کے متعلق اپنے خاص افسران کو بتا سکتے ہیں۔ زیادہ لوگوں کو یہ بات نہ معلوم ہو۔"

میں سونیا سے رخصت ہو کر بھوندو چمار کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت سات بجنے والے تھے۔ اچھی طرح دن نکل آیا تھا لیکن بھوندو گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بلی جسے چمکیلی کہا جاتا تھا۔ وہ شیطان کے مجسمے کے قدموں میں سو رہی تھی۔ میں نے بھوندو کے خوابیدہ دماغ میں جھانک کر معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ وہ پچھلی رات تین بجے تک ماشش کے دانوں پر منتر پڑھتا رہا تھا۔ ابھی ماشش کا تھوڑا سا ڈھیر باقی رہ گیا تھا۔

اس نے چمکیلی سے وعدہ کیا تھا کہ بیدار ہونے کے بعد باقی ماشش کے ڈھیر سے ایک ایک دانہ اٹھا کر منتر پڑھا جائے گا اور اس دانے کو آگ میں پھینکا جائے گا جس کے نتیجے میں ماشش کا آخری دانہ طلسماتی اثرات سے اڑتا ہوا اس دیوار کی طرف جائے گا جہاں دنیا کا نقشہ لگا ہوا تھا۔ وہ دانہ اس ملک اور اس شہر کے نام پر جا کر چپک جائے گا جہاں فرہاد موجود ہوگا۔

میں نے بھوندو چمار کو اس طرح اٹھایا کہ اس کا جسم جاگتا رہا اور دماغ سوتا رہا۔ یعنی وہ نیند کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے احکامات پر عمل کر رہا تھا۔ اپنی جگہ سے چلتا ہوا اس مٹی کے چھوٹے سے پتلے کے پاس آیا۔ جو شاہینہ کے نام سے بنایا گیا تھا۔ اس پتلے کی کمر سے شاہینہ کے چند بال بندھے ہوئے تھے۔ بھوندو نے ان بالوں کو کھول دیا جنھیں میں پکڑ کر کھڑکی کے پاس آیا۔ سرکنڈے سے بنی ہوئی دیوار کی سی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اُس نے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اپنی مٹھی کھول دی۔ وہ بال ہوا میں اڑ کر کہیں گم ہو گئے۔

وہ کھڑکی کے پاس سے پلٹ گیا۔ اس کے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے کہ شانے سے نیچے تک آتے تھے۔ وہ اپنے سر کے ایک ایک بال کو توڑنے لگا۔ چار عدد بالوں کو توڑنے کے بعد اس نے انھیں پتلے کی کمر سے باندھ دیا۔ اب دور سے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ شاہینہ کے بال وہاں بندھے ہوئے ہیں۔

میں ایسا احتیاطاً کر رہا تھا۔ دشمنوں پہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ میری خیال خوانی کی زد میں آ چکے ہیں۔ بھوندو اپنی جگہ آ کر اسی طرح لیٹ گیا۔ پھر میری خیال خوانی نے اسے دوبارہ گہری نیند میں گم کر دیا۔

میں چاہتا تو اس سیاہ بلی کی نیند سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اگر وہ سچ مچ چمکیلی تھی تو میں بھوندو کے ہاتھ میں چاقو دے کر اس کے ہاتھوں اس بلی کو ہلاک کر سکتا تھا یا ماشش کے دانے کو ایسے بکھیر دیتا یا ان کے ڈھیر میں اضافہ کر دیتا کہ وہ منتر اختتام تک نہ پہنچ سکتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کیا ماشش کا آخری دانہ وہاں سے اڑ کر لندن شہر کی جگہ آ کر چپکتا ہے؟ اگر ایسا ہوگا تو یہ بڑی حیرت انگیز جادوگری ہوگی اور میرے تجربے میں اضافہ بھی ہوگا۔

میں سونیا کے پاس واپس آیا۔ وہ ٹیلی فون کا ریسیور اٹھائے سعید احمد سے باتیں کر رہی تھی، سعید احمد خوش ہو کر کہہ رہے تھے "میرا بیٹا لاہور آ رہا ہے اور میں نہ آؤں؟ میں ہر حال میں شام تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

جب ان کی باتیں ختم ہو گئیں اور سعید احمد نے ریسیور رکھ دیا تو میں نے کہا "ہیلو سعید صاحب۔ کیا حال ہیں؟"

انھوں نے چونک کر کہا "ارے فرہاد، تم ہماری باتیں سن رہے تھے؟"

"جی ہاں سن رہا تھا۔ آپ نے سونیا سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اچانک لاہور کیوں پہنچ رہا ہوں؟"

"تمھارے آنے کی خوشی ایسی تھی کہ اور کوئی سوال دماغ میں پیدا نہیں ہوا۔ تم بتا دو؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اصل بات یہ ہے کہ ہماری شادی ہو رہی ہے۔"

"یہ ہماری کا مطلب کیا ہوا؟"

"میری اور سونیا کی شادی۔"

"اس کا بھی مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا تمھاری شادی پہلے نہیں ہوئی تھی؟"

"دل کے رشتے سے ہوئی تھی مگر ایمان سے نہیں ہوئی تھی اب سونیا اسلام قبول کر رہی ہے۔"

"اچھا سمجھ گیا۔ بھئی مبارک ہو۔ میں تو ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"اور دیکھیے۔ میں نے سونیا سے بھی کہا ہے۔ اپنی بہن شاہینہ کو بھی سمجھا دیا ہے۔ زیادہ دھوم دھام نہیں ہونا چاہیے۔ آپ تو جانتے ہیں۔ ہماری شادی کی بات عام ہوگی تو میلہ لگ جائے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ میں صرف اہم افسروں کو تمھاری آمد کی اطلاع دوں گا۔"

میں نے تھوڑی دیر تک ان سے گفتگو کی۔ پھر سونیا کے پاس آ گیا۔ وہاں شادی کی خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، شاہینہ، زبیر، منصور، سلمیٰ اور ان کے والدین سب کے سب شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں ایک دوسرے کو ذمہ داریاں تقسیم کر رہے تھے۔

میں سونیا اور شاہینہ کو مخاطب کیے بغیر دماغی طور پر فلیٹ میں حاضر ہو گیا۔ اب اپنوں میں مرجانہ رہ گئی تھی۔ ابھی اس کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ میرا خیال تھا وہ سو چکی ہوگی۔ میں اس کے خوابیدہ ذہن سے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ مرجانہ کا قصہ ایک مقام پر آ کر اٹک گیا تھا یعنی اس کی تبدیلی اٹک گئی تھی۔ جو ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا تھا اس نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ مرجانہ مکمل مرد نہیں بن سکے گی۔ وہ تبدیلی کے جس مرحلے پر ٹھہر گئی ہے وہاں سے اسے عورت پن کی طرف واپس لایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر کی یہ بات سن کر مرجانہ بری طرح ناراض ہو گئی تھی۔ اس نے ڈاکٹر سے علاج کرانے سے انکار کر دیا تھا اور اب کسی دوسرے ڈاکٹر سے مشورے لے رہی تھی، میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ جب میں اس کے دماغ میں پہنچا تو وہ خلافِ توقع جاگ رہی تھی اور اپنے سوٹ کیس میں کپڑے رکھ رہی تھی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ سفر کی تیاری کر رہی ہے۔ میں حیران رہ گیا۔ رات کے دو بجے وہ کہاں جانے کی تیاری کر رہی تھی؟

میں نے اس کے دماغ کو کریدنا شروع کیا۔ تب ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ اسے میری اور سونیا کی شادی کا علم ہو گیا تھا۔ یہ بات اس لیے حیرت انگیز تھی کہ ابھی ہماری شادی کی بات یا تو شاہینہ کے خاندان والے جانتے تھے یا پھر مجھے اور سونیا کو معلوم تھا۔ ماسٹر نیومین ایک دوست کی حیثیت سے میری روانگی کے تمام انتظامات کر رہا تھا لیکن بے چارہ ہماری شادی کے متعلق نہیں جانتا تھا۔ پھر مرجانہ تک کس نے یہ خبر پہنچائی؟

ایک خیال سائرہ بانو کی طرف گیا۔ شاید انھیں شاہینہ کے ہاں جا کر یہ خبر مل گئی ہوگی اور انھوں نے بیٹی کو فوراً اطلاع دی ہوگی۔ میں نے پھر مرجانہ کے دماغ کو ٹٹولنا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ سائرہ بانو سے رابطہ قائم نہیں ہوا ہے وہ اپنی امی کو اطلاع دیے بغیر اچانک لاہور پہنچنا چاہتی ہے اور کسی طرح ہماری شادی کو روکنا چاہتی ہے۔

میں نے مرجانہ کی سوچ میں کہا "اچھا ہوا مجھے یہ اطلاع مل گئی۔ اگر نہ ملتی تو سونیا فرہاد کی شریک حیات بن جاتی۔ اطلاع دینے والے کا شکریہ۔"

میری اس سوچ کے تصور سے اس کا ذہن اطلاع دینے والے کی طرف گھوم گیا۔ اب وہ سوچ رہی تھی اور میں سمجھ رہا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ وہ رات کو دس بجے سو گئی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے اچانک ہی آنکھ کھل گئی۔ اس کے سرہانے ٹیلی فون کی گھنٹی چیخ رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا "ہیلو۔ میں ماریہ بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے کسی مرد کی آواز سنائی دی "آپ ماریہ نہیں، مس مرجانہ ہیں، میں سوچ رہا ہوں، آپ کو مس کہوں یا مسٹر؟"

مرجانہ نے پوچھا "آپ کون ہیں؟"

"یہ نہ پوچھو میں کون ہوں۔ یہ سمجھو کہ تم کون ہو مس ہو یا مسٹر ہو؟ اگر مس ہو تو فرہاد کی محتاج ہو۔ اگر مسٹر ہو تو فرہاد سے اپنا حق چھیننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ سونیا سے شادی کرنے کے لیے کل یہاں سے لاہور جا رہا ہے۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر بے یقینی سے بولی۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اگر تم میری سچائی کو سمجھنا چاہتی ہو تو فرہاد جب بھی رابطہ قائم کرے اس سے کہو کہ کل شام کو تم اس سے ملنا چاہتی ہو۔ وہ بہانے کرے گا تم سے نہیں مل سکے گا۔ جانتی ہو کیوں؟ وہ کل شام سے پہلے ہی لندن چھوڑ دے گا۔ لاہور جانے کے لیے۔ سونیا کو حاصل کرنے کے لیے....."

مرجانہ نے کہا "فرہاد اور سونیا کے بہت پرانے تعلقات ہیں۔ آج تک انھوں نے شادی کی ضرورت محسوس نہیں کی پھر اب یہ شادی کیسی؟"

"ایسی کہ تمھارے فرہاد صاحب کچھ زیادہ ہی مسلمان ہوتے جارہے ہیں اور وہ سونیا کو بھی مشرف بہ اسلام کرنے کے بعد اسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتے ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ وہ تمھارے ڈر سے فوراً ہی سونیا کو اپنا لینا چاہتا ہے۔ تم تیزی سے تبدیلی کے مراحل طے کرتے ہوئے مرد بننے والی ہو۔ اس سے پہلے وہ سونیا کو تم سے دور کردے گا۔"

وہ قائل ہوکر بولی "فرہاد ایسا کرسکتا ہے اب میں کیا کروں۔ کس طرح اڑ کر سونیا کے پاس پہنچ جاؤں ؟"

"فکر نہ کرو۔ میں تمھارا دوست ہوں۔ ہر مرحلے پر تمھاری مدد کروں گا۔ تمھیں لندن سے لاہور پہنچاؤں گا۔ تم روانگی کی تیاری کرو۔ کل صبح تک تمھیں اور تمھارے پاپا کو ایسے پاسپورٹ مل جائیں گے جن سے تم دونوں بغیر کسی روک ٹوک کے لاہور پہنچ سکو گے۔ تمھارے لیے یہاں سے روانہ ہونے والے پہلے طیارے میں سیٹ ریزرو کرادی جائے گی۔"

"جب تم مجھ سے اس حد تک دوستی نبھا رہے ہو، میرے کام آرہے ہو تو اپنا نام بتاؤ، اپنا تعارف کراؤ میرے سامنے آؤ۔"

"مجھے افسوس ہے، میں تمھارے سامنے نہیں آسکوں گا۔ میں تمھاری دوستی کا دعویٰ کررہا ہوں اور اس کا عملی ثبوت دے رہا ہوں۔ آیندہ بھی تمھارے کام آتا رہوں گا۔"

"اس دنیا میں کوئی اپنی غرض یا لالچ کے بغیر کسی کے کام نہیں آتا۔ فرہاد علی تیمور جیسا دوست بھی اس وقت اپنی غرض کا بندہ بنا ہوا ہے۔ مجھے اندھیرے میں رکھ کر شادی رچانے جارہا ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو اگر خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تو نہ سہی لیکن اپنا مقصد بیان کردو۔ بتاؤ اس سلسلے میں تم مجھ سے کیا چاہو گے ؟"

"بائی گاڈ، میں تم سے اپنی دوستی اور امداد کے صلے میں کچھ نہیں چاہوں گا۔ میں تمھارے ساتھ بے لوث دوستی کا مظاہرہ کرتا رہوں گا۔ آزمائش شرط ہے۔ بس تیاری کرو۔ کل صبح تم سے فون پر گفتگو ہوگی۔"

یہ کہتے ہی دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ مرجانہ نے دو تین بار ہیلو ہیلو کہہ کر آواز دی۔ پھر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ بستر سے اٹھ کر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ پھر اس نے اپنے پاپا کو بلایا اور فون پر ہونے والی گفتگو کا تفصیلی ذکر کیا۔ ڈیئر جمال نے ساری باتیں سننے کے بعد پریشان ہوکر کہا "کہیں ایسا تو نہیں کہ دشمن ہمیں بے وقوف بنارہے ہوں اور فرہاد صاحب کے خلاف بھڑکا رہے ہوں ؟"

"پاپا! بھڑکانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم لاہور جائیں گے امی سے ملاقات ہوگی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں سونیا سے ملوں گی، شادی ہورہی ہے یا نہیں۔ یہ ساری باتیں معلوم ہوجائیں گی۔ جانے میں ہرج کیا ہے ؟"

"یہاں تمھارا علاج ہورہا ہے۔"

آج شام کو جو ڈاکٹر نے نئے نسخے لکھ کر دیے ہیں۔ اس کے مطابق میں دوائیں لے آئی ہوں۔ یہ دوائیں پاکستان میں بھی مل سکتی ہیں یا پھر میں دواؤں کا کچھ اسٹاک اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ ہمارے پاکستان میں بھی قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر ہیں ان سے مشورے لیتی رہوں گی لیکن میں ضرور جاؤں گی۔ آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ تمھاری ضد ہے تو تیاری کرو۔ میری دعا ہے کہ ہمارے جانے سے پہلے فرہاد صاحب ہم سے رابطہ قائم کریں۔ ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔"

مرجانہ نے کہا "دیکھیے پاپا۔ اگر فرہاد واقعی سونیا سے شادی کرنے جارہے ہیں تو وہ مجھے نظر انداز کریں گے یا رابطہ قائم بھی کریں گے تو حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ بہرحال رابطہ قائم ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ آپ سفر کی تیاریاں کریں۔ میں بھی کررہی ہوں۔"

میں مرجانہ کے دماغ کو ٹٹول کر یہ ساری باتیں معلوم کررہا تھا اب وہ سچ مچ جانے کی تیاریاں کررہی تھی۔ میں اپنی جگہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ دو سوال میرے دماغ میں گونج رہے تھے۔ مرجانہ کو کس پراسرار شخص نے میری شادی کی اطلاع دی ؟ دوسرا سوال یہ کہ مرجانہ رکاوٹ بنے گی تو ہماری شادی کا کیا بنے گا ؟ دوسرے سوال کا جواب آسان تھا۔ میں اپنے ٹیلی پیتھی کے ذریعے کوئی چکر چلا کر مرجانہ کے سامنے رکاوٹیں پیدا کرسکتا تھا لیکن سب سے اہم سوال یہ تھا کہ اس شادی کی اطلاع اس پراسرار شخص کو کیسے ملی ؟

کون ہے وہ شخص ؟ میں ادھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے بڑی تیزی سے سوچنے لگا۔ چاروں طرف اپنے ذہن کو دوڑانے لگا۔ میرا خیال گھوم پھر کر رسونتی کی طرف جارہا تھا۔ کیا وہ اپنی سوت کا راستہ روکنے کے لیے دور سے کوئی چال چل رہی ہے ؟

میرے ذہن نے جواب دیا "وہ کیسے اتنی گہری چال چل سکتی ہے۔ فرض کیا کہ اس نے لندن کے کسی شخص کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے ٹریپ کیا ہو اور اس کے دماغ پر قابض ہوکر مرجانہ سے ٹیلی فون پر بات کی ہو۔ رسونتی اس حد تک چال چل سکتی ہے لیکن وہ مرجانہ اور ڈیئر جمال کے لیے جعلی پاسپورٹ کس کے ذریعے تیار کراسکتی تھی۔ اس کے لیے اسے سپر ماسٹر کی تنظیم کے کسی ماسٹر سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔

میں نے ماسٹر نیومین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس وقت وہ سورہا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ ذہن سے معلومات حاصل کیں۔ پتہ چلا کہ رسونتی سے اس کا رابطہ قائم نہیں ہوا ہے۔

میں نے ماسٹر عبداللہ بن صمیم کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس کے بعد میں پیرس کے ماسٹر کے دماغ میں پہنچا۔ کسی بھی ماسٹر کے دماغ سے معلوم ہوا کہ رسونتی سے کسی کا بھی رابطہ قائم نہیں ہوا ہے۔

غلام بھی سورہا تھا۔ اس نے جو چھوٹی سی بستی رسونتی کے لیے آباد کی تھی۔ اس بستی میں تمام لوگ اس کے اپنے اعتماد والے تھے۔ کسی سے کسی قسم کا دھوکا نہیں ہوسکتا تھا۔ کوئی باہر کا آدمی بھی ایسا نہیں آتا تھا۔ جس نے رسونتی سے ملاقات کی ہو یا رسونتی نے اس کے ذریعے کسی اور تنظیم سے رابطہ قائم کیا ہو۔ رسونتی کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ کسی دشمن تنظیم سے رابطہ قائم کرے گی۔ میں محض احتیاطاً رسونتی کے متعلق شبہ کرتے ہوئے اتنی دور تک سوچ رہا تھا لیکن وہ ایسی نہیں ہوسکتی تھی۔

جو پراسرار شخص مرجانہ اور ڈیئر جمال کے لیے جعلی پاسپورٹ تیار کررہا تھا۔ ان کے لیے کل کسی طیارے میں سیٹ ریزرو کرا رہا تھا اور آیندہ بھی ہر طرح کی امداد پہنچانے کا دعویٰ کررہا تھا وہ کوئی معمولی شخص نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ یقیناً بہت بڑے ذرائع کا مالک ہوگا یا کسی بڑی تنظیم سے تعلق رکھتا ہوگا اور اس وقت میرے مقابل وہی یہودیوں کی تنظیم تھی۔

جلال بیگ اب تک گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بھی ہماری شادی کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کا علاج کرنے والا ڈاکٹر بھی سو رہا تھا۔ بھلا اتنی رات کو کون جاگتا ہے ایک میں ہی ہوں جسے خیال خوانی سے فرصت نہیں ملتی۔ بہرحال میں نے اس ڈاکٹر کے بھی خوابیدہ ذہن سے معلومات حاصل کیں، پتہ چلا کہ ساری دنیا میں یہودیوں کی ایک بہت بڑی تنظیم ہے جس کا نام کاہال ہے۔ کاہال تنظیم کی جانب سے ڈاکٹر کو اور جلال بیگ کے دوسرے ماتحتوں کو حکم دیا گیا تھا۔ اب وہ کاہال کے کسی بھی فرد سے رابطہ قائم نہیں کرسکتے تھے۔ جلال بیگ مشکوک ہوچلا ہے۔ ان کے شبے کے مطابق فرہاد اس کے دماغ میں پہنچ چکا تھا۔ کاہال تنظیم کا فیصلہ تھا کہ جب ڈاکٹر اور ماہر نفسیات کسی ایک نتیجے پر پہنچیں گے تو جلال بیگ اور اس کی بگ باس والی تنظیم کے دوسرے افراد سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔ اس وقت تک جلال بیگ کا داخلہ اسرائیلی حدود میں ممنوع ہوگا۔ اب وہ تل ابیب نہیں جاسکتا تھا۔ اسے اسرائیلی امداد اور ذرائع سے محروم کردیا گیا تھا۔

میں دماغی طور پر حاضر ہوکر ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ہماری شادی کی اطلاع کسی پراسرار شخص کو کیسے پہنچ گئی ؟ میں نے سونیا کو مخاطب کیا اور اسے یہ ساری باتیں بتائیں۔ اس نے کہا۔

"ابھی مرجانہ کی جگہ کوئی اور ہوتی یا ہوتا تو ہم اسے چٹکیوں میں مسل دیتے۔ اپنی خوشی کے راستے میں حائل ہونے کا موقع نہ دیتے لیکن دشواری یہی ہے کہ مرجانہ ہماری اپنی ہے۔ ہم اس سے دشمنوں کے انداز میں مخالفت نہیں کرسکتے۔ اس کی امی میری شادی کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔ مرجانہ یہاں پہنچے گی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا ہمیں سائرہ بانو کا دل بھی نہیں دکھانا چاہیے۔"

"میں اس کی امی کو کسی قسم کا صدمہ پہنچائے بغیر اسے اور ڈیئر جمال کو روک سکتا ہوں میرے پاس بڑے ہتھکنڈے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ پراسرار شخص کون ہے ؟"

سونیا نے کہا "سیدھی سی بات ہے۔ کوئی اپرا غیر مخالفانہ انداز میں ہم سے دل چسپی نہیں لے گا۔ یہ دشمنوں کی چال ہے۔ وہ مرجانہ کے ذریعے ہماری شادی میں بھی رکاوٹ پیدا کررہے ہیں اور اسے ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ بنارہے ہیں۔"

"میں یہ ساری باتیں سمجھ رہا ہوں لیکن ایک سوال کا جواب نہیں مل رہا ہے اس پراسرار شخص کو ہماری شادی کی اطلاع کیسے ملی ؟ یہ بہت اہم سوال ہے، سونیا۔ اس کا جواب تلاش کرو۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم مجھے چالاک اور مکار کہتے ہو شاید اس لیے کہ میں دشمنوں کی مکاریوں کو اپنی مکاریوں کے ترازو میں تولتی ہوں تو سنو میرے پاس پہلے سے جواب موجود ہے۔ میں تمھارا دل نہیں دکھانا چاہتی۔"

"اس میں دل دکھانے کی کیا بات ہے تم کسی نتیجے پر پہنچ رہی ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"فرہاد، سیدھی سی بات ہے۔ تم نے تمام ماسٹروں کے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیا۔ غلام کے دماغ سے ہوکر چلے آئے میرے دماغ کو ٹٹول سکتے ہو۔ یہاں جتنے لوگ ہیں فرداً فرداً ہر ایک سے معلومات حاصل کرسکتے ہو صرف ایک ایسی ہستی ہے جس کے دماغ میں تم نہیں پہنچ سکتے اور وہ ہے رسونتی تم اس کے چور خیالات کو نہیں پڑھ سکو گے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ وہ تمھاری دشمن ہے مگر وہ ایک عورت ہے۔ میری دشمن نہ ہوتے ہوئے بھی میرے سوتن والے اقدام کی مخالفت میں ضرور کوئی قدم

اٹھائے گی۔"

"تمھاری اس بات میں وزن ہے کہ میں رسونتی کے خیالات نہیں پڑھ سکتا۔"

"فرہاد، عورت بیوی بننے کے بعد اپنے مرد کے لیے راز نہیں رہتی خصوصاً تمھارے جیسے ٹیلی پیتھی جاننے والے سے چھپ نہیں سکتی۔ میں نے آج تک اپنی کوئی بات تم سے نہیں چھپائی۔ اگر رسونتی تم سے سچی محبت کرتی ہے تو اس سے کہو۔ وہ اپنے دماغ کے دروازے ہمیشہ تمھارے لیے کھلا رکھا کرے تاکہ تم جب چاہو اس کے خیالات پڑھ سکو۔"

"وہ راضی نہیں ہوگی۔"

"کوئی بات نہیں صرف اتنا کہو کہ وہ دو چار گھنٹے کے لیے اپنے دماغ کو آزاد چھوڑ دے تاکہ تم اچانک اس کے دماغ میں پہنچ سکو اور حقیقت معلوم کر سکو۔ اگر وہ بے قصور ہے۔ کوئی چال نہیں چل رہی ہے تو دو چار گھنٹے کے لیے تو ضرور راضی ہو جائے گی۔"

"تم نے کتنا اچھا مشورہ دیا ہے۔ میں ابھی رسونتی سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔"

میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ گہری نیند میں تھی جیسے ہی میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ تک پہنچیں وہ ایک دم سے چونک کر بیدار ہو گئی، بیدار ہوتے ہی اس نے اپنے دماغ کے دروازے بند کر لیے۔ میں نے پھر اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پوچھا: "فرہاد، کیا تم ہو؟"

"ہاں تم بہت محتاط ہو کر سونے لگی ہو۔ صرف گھر کے دروازے نہیں دماغ کے دروازے بھی بند کر لیتی ہو۔"

"ایسا ہی ہے، اتنی رات کو مجھے نیند سے کیوں جگایا ہے؟"

"بہت ضروری بات کہنے آیا ہوں۔"

"میں سن رہی ہوں۔"

میں نے اسے وہ ساری تفصیل سنائی کہ کس طرح ایک پُراسرار شخص نے مرجانہ کو ہماری شادی کی اطلاع دی ہے رسونتی نے ساری باتیں سن کر پوچھا: "تمھارا کیا خیال ہے؟ اس شخص کو کیسے اطلاع مل سکتی ہے؟"

"رسونتی شادی کی بات ابھی ہم تین کے درمیان ہے، میں، سونیا اور تم۔ ادھر شاہینہ کے رشتے داروں اور سائرہ بانو نے مرجانہ کو اطلاع نہیں دی ہے۔ اب ہم تینوں میں سے کون دے سکتا ہے؟"

وہ طنزیہ انداز میں بولی: "میں ہی دے سکتی ہوں۔ مجھ پر ہی شبہ کر رہے ہو۔ کیوں؟"

"ناراض ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں دور دور تک متعلقہ لوگوں کے دماغوں میں جھانک کر دیکھ چکا ہوں۔ صرف تمھاری اجازت کے بغیر تمھارے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔"

"صاف صاف کہو کیا مجھ پر شبہ کر رہے ہو؟"

"اپنوں پر بھی شبہ کیا جاتا ہے لیکن نفرت سے نہیں محبت سے۔"

"لچھے دار باتیں نہ کرو تم مجھ پر شبہ کر رہے ہو تو مجھے شرم سے مر جانا چاہیے۔ کیا میں سونیا کو سوتن بننے سے روکنے کے لیے تمھاری دشمن تنظیموں سے رابطہ قائم کروں گی اور اگر رابطہ قائم نہیں کیا ہے تو میرے پاس ایسے کون سے ذرائع ہیں کہ میں مرجانہ اور ڈیئر جمال کے لیے جعلی پاسپورٹ تیار کروں ان کے لیے فوراً ہی کسی طیارے میں سیٹ ریزرو کرا دوں۔ کیا یہ بچوں کا کھیل ہے۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ چلے جاؤ میرے دماغ سے۔ میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"میں جانتا تھا۔ تمھیں غصہ آئے گا۔ تم بیوی ہو ناراض ہو سکتی ہو۔ یہ تمھارا حق ہے۔ اور میرا حق ہے کہ میں تمھیں مناتا رہوں گا۔ انصاف سے بولو میں اپنی پریشانیوں کا ذکر تم سے نہیں کروں گا تو اور کس سے کروں گا؟"

"پریشانیوں کا ذکر کرنا اور بات ہے۔ بیوی پر شبہہ کرنا اور بات ہے۔"

"تو پھر میری ایک بات مان لو۔"

"کیا بات ہے؟"

"دو چار گھنٹے کے لیے اپنے دماغ کو بالکل آزاد چھوڑ دو۔ اپنے دماغ کے دروازے بند نہ کرو۔ میں کسی وقت بھی آ کر چپکے سے تمھارے خیالات پڑھوں گا۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ عورت کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔ وہ بیوی بن کر سب کچھ اپنے مرد کے حوالے کرنے کے باوجود اپنے بہت سے جذبوں کو چھپا کر رکھتی ہے۔ وہ جذبے ایسے نہیں ہوتے کہ مرد کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی جائے بس عورت کی انا ہوتی ہے۔ اس کی اپنی ایک فطرت ہوتی ہے کہ وہ کچھ چھپاتی رہے۔"

"تم کیا چھپاتی ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں چھپا رہی ہوں جس سے تمھیں کوئی نقصان پہنچے گا۔ میں تمھاری دھرم پتنی ہوں۔ تمھارا نقصان میرا نقصان ہے بلکہ ہمارے بچے کا نقصان ہے۔"

"لیکن میرا فائدہ تمھارا فائدہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"سونیا میری شریکِ حیات بنے گی تو تمھارا کوئی فائدہ نہیں ہوگا نقصان ہوگا۔ تمھاری سوچ کے مطابق سونیا سے ہونے والا بچہ تمھارے بچے کی محبت کو تقسیم کرے گا۔ باپ کو ادھر سے اُدھر لے جائے گا۔"

وہ غصے سے بولی: "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میرے متعلق اس انداز سے سوچو گے۔ میں نے تمھاری دوسری شادی پر اعتراض نہیں کیا۔ میں نے سونیا سے رابطہ قائم کر کے اسے مبارکباد دی۔ میں اس سے نہ تو نفرت کرتی ہوں اور نہ ہی دشمنی کر سکتی ہوں۔ اس کی احسان مند بھی ہوں۔ وہ کئی بار میرے بُرے وقت میں کام آئی ہے۔ میں اس سلسلے میں اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ تم چلے جاؤ۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ پتہ نہیں کتنی رات ہو چکی ہے۔ تم نے میری نیند اڑا دی ہے۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ پلیز۔"

"بیویاں اپنے شوہروں پر جان دینے کا دعویٰ کرتی ہیں، کوئی ایسا موقع آ جائے تو تم میرے لیے جان کی بازی بھی لگا دو گی۔ کیا میں غلط سمجھتا ہوں؟"

وہ ناراضی سے منہ پھلا کر بولی: "ایسا وقت آئے گا تو مجھے آزما لینا پہلے بھی کئی بار مجھے آزما چکے ہو۔ میں نے کبھی بُرے وقت میں تمھارا ساتھ نہیں چھوڑا۔"

"جب اتنی محبت کرتی ہو۔ میری اتنی وفادار ہو تو کیا اتنی سی بات نہیں مان سکتیں۔ صرف دو گھنٹے کے لیے اپنے دماغ کو آزاد چھوڑ دو۔"

"میں نے کہہ دیا۔ میں ایسا نہیں کروں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ تم ناراض ہوتے ہو تو ہوتے رہو، میں تمھاری بیوی ہی نہیں بلکہ ہونے والے بچے کی ماں بھی ہوں تم مجھ سے رُوٹھ کر کہیں نہیں جا سکو گے۔"

یہ کہتے ہی اس نے سانس روک لی۔ دماغ کے دروازے بند کر لیے میں واپس آ گیا۔ سونیا کو مخاطب کرنے کے بعد کہا۔ "رسونتی دو گھنٹے کے لیے بھی اپنے دماغی دروازے کھلے رکھنے پر راضی نہیں ہے۔ کہتی ہے کہ عورت اپنے شوہر سے بھی بہت کچھ چھپاتی ہے اور چھپانے میں اس کا کوئی بُرا ارادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی شوہر کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے اور تم سے بھی بے انتہا محبت کا دعویٰ کر رہی ہے، ہم کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر اس پر شبہ نہیں کر سکتے۔"

"اس سے بڑا ثبوت اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ تمھارے لیے بھی دماغ کے دروازے تھوڑی دیر کے لیے نہیں کھول سکتی۔ بہرحال رسونتی کو ٹارگٹ بنا کر سوچتے رہو گے تو پریشان ہوتے رہو گے۔ میرا مشورہ ہے اسے نظر انداز کرو اور مرجانہ کے متعلق سوچو کیا اسے محبت سے سمجھایا جا سکتا ہے؟"

"امید نظر نہیں آتی، میں اس کا فون نمبر معلوم کر کے تمھیں بتاتا ہوں تم وہاں سے رابطہ قائم کرو اور اپنے طور پر سمجھاؤ، ادھر میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے تھوڑی دیر کے لیے مرجانہ کے دماغ میں جھانک کر اس کے کاٹیج کا فون نمبر معلوم کیا۔ پھر وہ نمبر سونیا کو بتا دیا اس کے بعد میں نے مرجانہ کو مخاطب کیا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی میرے مخاطب کرتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی، کہنے لگی: "مجھے امید نہیں تھی کہ شادی سے پہلے تم مجھ سے رابطہ قائم کرو گے۔"

"مجھے بھی یہ امید نہیں تھی کہ تم دشمنوں کے بھڑکانے میں آؤ گی اور ہماری شادی میں رکاوٹ بننے کی تیاریاں کرو گی۔"

"اپنا وعدہ یاد کرو۔ تم نے کہا تھا کہ مجھے سونیا کے پاس جانے کا، اس سے باتیں کرنے کا اور اسے اپنی طرف مائل کرنے کا موقع دو گے میرے راستے میں رکاوٹ نہیں بنو گے۔ کیا یہ باتیں یاد ہیں؟"

"یاد ہیں۔ لیکن جب سونیا کی رضامندی حاصل ہو گئی ہے وہ شادی کے لیے تیار ہے تو پھر تمھارے اعتراض کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔"

"گنجائش ہے۔ ایک بار مجھے سونیا سے ملنے دو۔ میں اس کا ارادہ بدل دوں گا۔"

"میں نے تمھارا فون نمبر سونیا کو بتا دیا ہے۔ وہ وہاں سے رابطہ قائم کرنے والی ہے۔ شاید دو چار گھنٹوں میں تم اس کی آواز سن سکو۔"

"یہ تم نے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے میں ابھی اپنی جان کی آواز سنوں گا۔ تم بھی موجود رہو گے؟"

"وہ تو رہنا ہی ہوگا۔ تم نے آج میری نیند حرام کر دی ہے۔ میں سونا چاہتا تھا۔ کل سویرے بہت سے کام کرنے ہیں مگر تمھارا معاملہ تو نمٹانا ہی ہوگا۔"

"بہت آسانی سے نمٹ جائے گا۔ سونیا سے دستبردار ہو جاؤ۔ تمھارے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"یہ تم سوچ رہی ہو۔ ورنہ سونیا تم سے زیادہ میرے لیے اہم ہے میں دنیا چھوڑ سکتا ہوں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔"

وہ سر ہلا کر بولی: "میرا بھی یہی دعویٰ ہے۔ میں بھی سونیا کے لیے ساری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

"تم چھوکروں کی طرح بولتے ہوئے عجیب سی لگتی ہو، خدا کے لیے لڑکی ہی بنی رہو۔"

"قدرت مجھے مرد بنا چکی ہے۔"

"یہ تمھاری خوش فہمی ہے۔ تم ڈاکٹر کی رپورٹ کو غلط سمجھتی ہو۔ بہرحال آنے والا وقت ہی تمھیں سمجھائے گا۔ میں نہیں سمجھا سکتا۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ اس کے ساتھ فضول بحث کر کے اپنا سر کھپانا نہیں چاہتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد جب میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو اس کے تھوڑی دیر کے بعد ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مرجانہ نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کہا گیا: "لانگ ڈسٹنس کال مس ماریہ کے لیے ہے۔"

مرجانہ نے کہا: "یس ماریہ اٹینڈنگ۔"

تھوڑی دیر بعد سونیا کی آواز سنائی دی: "ہیلو مرجانہ! میری آواز پہچان رہی ہو؟"

مرجانہ نے خالص رومانی انداز میں کہا: "جس آواز کو سنتے سنتے مرجانا چاہتا ہوں بھلا اسے کیسے نہیں پہچانوں گا۔"

"کیا تم میری خوشیاں دیکھنا نہیں چاہتیں؟"

"میں تمھاری خوشی کے لیے تمھیں اپنانا چاہتا ہوں۔ تم نے فرہاد سے شادی کرنے کی غلطی کی تو ابھی دور رہ کر پچھتاتی ہو شادی کے بعد اور زیادہ پچھتاؤ گی۔"

"میں پچھتاتی ہوں یا نہیں۔ یہ ایک لمبی بحث ہے جو فون پر نہیں ہو سکتی۔"

"فون پر کوئی بھی اہم فیصلہ نہیں ہو سکتا، اسی لیے میں تمھارے پاس آ رہا ہوں۔ پاپا بھی آ رہے ہیں۔"

"تمھیں علاج کے لیے وہاں رہنا چاہیے، یہاں آنا ضروری نہیں ہے۔"

"کیسی بے مروت ہو، ایک تو میری مرضی کے خلاف شادی کر رہی ہو۔ دوسرے جھوٹے منہ بھی میری آمد سے خوشی ظاہر نہیں کر رہی ہو۔"

"میں جانتی ہوں تم رکاوٹ بننے کے لیے آ رہی ہو۔"

"میں تمھیں برا لگوں گا تو دھتکار دینا۔ میں تمھاری دنیا سے دور چلا جاؤں گا لیکن ایک بار آ کر تمھارے روبرو تمھیں سمجھاؤں گا۔ تمھیں منانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"اور میں جانتی ہوں تم جھگڑا بھی کرو گی۔ کسی نہ کسی طرح رکاوٹیں بھی پیدا کرو گی۔ ہم تمھارے مزاج کو خوب سمجھتے ہیں مرجانہ۔"

"مجھے مرجانہ نہیں، محبت ہے تو جانِ من کہو۔"

"دیکھو پھر فون پر بحث کر رہی ہو۔ میں نے تمھیں صرف یہ سمجھانے کے لیے رابطہ قائم کیا ہے کہ علاج کو ادھورا نہ چھوڑو۔ علاج کے بعد چلی آنا۔ یا ہم تمھارے پاس آ جائیں گے۔"

"میں ہر حال میں آؤں گا۔"

"اپنی محبت کا ثبوت دو۔ میری بات مان لو۔"

"میں تمھاری بات مانتا ہوں اور محبت کا ثبوت دینے کے لیے علاج بھی ادھورا نہیں چھوڑوں گا۔ ڈاکٹروں کے نسخے کے مطابق تمام دوائیں لے کر تمھارے پاس پہنچوں گا۔"

"تم ضد سے باز نہیں آؤ گی مرجانہ؟"

"مرجانہ نہیں، جانِ من کہو۔"

"میں جانِ من پر لعنت بھیجتی ہوں۔ مجھے صرف مرجانہ سے محبت ہے۔ میں مرجانہ کے لیے جان بھی دے سکتی ہوں اگر کوئی جانِ من میرے سامنے آیا تو میں اس کی دھجیاں اڑا دوں گی۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔ تمھارے ہاتھوں سے مروں گا تو شہیدِ وفا کہلاؤں گا۔"

"تم کتنی ڈھیٹ ہو۔"

"یہ اس وقت معلوم ہو گا جب میں تمھارے پاس پہنچوں گا۔ تمھیں آخری حد تک سمجھاؤں گا۔ اگر تم نے میرے ساتھ وفا نہیں کی تو تمھارے نکاح سے پہلے اپنی جان دے دوں گا۔ پھر تم دلھن بنی میری لاش پر آنسو بہاؤ گی۔"

"مرجانہ! تمام خطرناک تنظیموں میں تمھیں میرا ریکارڈ دیکھنے کا موقع ملے تو میرے ریکارڈ میں آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں آئے گا۔ میں لٹنے والی عورت نہیں ہوں۔"

پھر اس نے مجھے مخاطب کیا: "فرہاد! کیا تم ہماری باتیں سن رہے ہو؟"

"میں نے سب کچھ سنا ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ سر کھپانا فضول ہے۔ ریسیور رکھ دو۔ میں دیکھوں گا کہ اس کا راستہ کیسے روک سکتا ہوں۔"

سونیا نے ادھر ریسیور رکھ دیا۔ ادھر مرجانہ ریسیور منہ سے لگائے چیخنے لگی: "ہیلو ہیلو، سونیا کیا تم نے ریسیور رکھ دیا ہے یا رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ ہیلو، ہیلو ایکس چینج ...."

دوسری طرف سے آواز آئی: "سوری، دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

مرجانہ نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ پھر سوچنے لگی: "سونیا نے آخری بار فرہاد کو مخاطب کیا تھا۔ فرہاد نے یقیناً اس سے کچھ کہا ہو گا۔ جب ہی اس نے رابطہ ختم کر دیا ہے۔"

وہ سوچ کے ذریعے مجھے پکارنے لگی: "فرہاد! کیا تم میرے دماغ میں موجود ہو۔ مجھے بتاؤ تم نے سونیا سے کیا کہا ہے؟"

میں نے خاموشی سے اس کی بات سنی۔ پھر اس کے دماغ سے چلا آیا۔ جی چاہتا تھا اسے خوب دماغی جھٹکے پہنچاؤں

اسے محبت کرنے کے تو کیا سوچنے سمجھنے کے قابل بھی نہ چھوڑوں۔ مگر افسوس وہ ہماری اچھی ساتھیوں میں سے ایک تھی ہم نے اچھا اور برا وقت ایک ساتھ گزارا تھا۔ خطرناک آزمائشی مراحل سے ایک ساتھ گزرے تھے۔ اس کی والدہ سائرہ بانو ہم سب کے لیے محترم تھیں۔ ہم مرجانہ کو کوئی نقصان پہنچا کر ہم سائرہ بانو کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔

میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، پھر میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ دشمن کو نفرت سے اور دوست کو محبت سے سزا دینا چاہیے۔ میں نے مرجانہ کو سزا دینے کا طریقہ سوچ لیا۔

طریقہ یہ تھا کہ اسے مرد بننے کا موقع نہ دیا جائے۔ نہ وہ مرد بنے گی نہ مردانہ انداز میں سونیا کا مطالبہ کرے گی، میری تدبیر کے مطابق قدرت بھی میرا ساتھ دے رہی تھی میں اسے تیزی سے کسی ڈاکٹر کے ذریعے عورت پن کی طرف لا سکتا تھا اور اتنا ہی نہیں کہ اسے عورت پن کے مرحلے پر پہنچا کر چھوڑ دوں نہیں اب میں اسے بھرپور عورت بنانا چاہتا تھا ایسی عورت جو نزاکت سے سوچتی ہے۔ ایک مرد کو اپنا آئیڈیل بناتی ہے۔ اب وہ سونیا کو نہیں، مجھ کو اپنا آئیڈیل بنائے گی۔ میں اس سے نہ تو محبت کروں گا نہ شادی کروں گا۔ اسے سزا دوں گا۔ اسے تڑپا تڑپا کر یہ سبق سکھاؤں گا کہ دوسروں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور ان کی خوشیوں کو پامال کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

ٹھیک ہے، فولادی مرجانہ! اب میں تمھیں ایک نازک اندام حسینہ بناؤں گا۔

میں نے اس ڈاکٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا جو مرجانہ کو چپکے چپکے چاہتا تھا۔ وہ دواؤں کے ذریعے اسے عورت پن کی طرف واپس لا رہا تھا۔ اس وقت وہ سو رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو ایک ہلکا سا جھٹکا پہنچایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ جیسے ہی وہ بیدار ہوا۔ میں نے اس کے دماغ میں کہا۔ "ماریہ، ماریہ، میری ماریہ ...."

اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر مرجانہ کا تصور کیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "وہ مجھ سے علاج نہیں کرا رہی ہے۔ ناراض ہو گئی ہے کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ کر رہی ہے۔"

ڈاکٹر کی اپنی سوچ نے کہا: "میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ جس ڈاکٹر کے پاس وہ جائے گی۔ میں کل صبح معلوم کروں گا۔ اس ڈاکٹر کو اس کی میڈیکل رپورٹ دکھاؤں گا۔ میں نے اب تک اس کی جو اسٹڈی کی ہے اس ڈاکٹر کو بتاؤں گا۔ پھر وہ یقیناً مرجانہ کو وہی دوائیں دے گا جو میں دے رہا ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "وہ دوسرے ڈاکٹر سے دوائیں بھی لا چکی ہو گی۔ شاید اس نے ایک خوراک استعمال بھی کی ہو گی۔"

ڈاکٹر کی اپنی سوچ نے کہا: "ایک خوراک سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کچھ نہیں ہوتا تو مجھے ابھی اس کے کاٹیج میں جانا چاہیے، اس کے پاس جو دوسرے ڈاکٹر کی دی ہوئی دوائیں رکھی ہوئی ہیں انھیں بدل دینا چاہیے۔"

وہ محبت کا مارا تھا۔ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا: "میں نے جو نسخہ اس کے لیے تجویز کیا ہے۔ اسی کے مطابق ابھی دوائیں خرید کر لے جانا چاہیے تاکہ میں دواؤں کو بدل سکوں۔"

وہ دوائیں خریدنے اور پھر مرجانہ کے پاس پہنچنے کے لیے لباس تبدیل کرنے لگا۔ میں نے ڈیئر جمال کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ سو گیا تھا۔ مرجانہ بھی اس وقت بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں دھیرے دھیرے اس کے دماغ کو تھپکنے لگا۔ اسے نیند کی وادی میں لے گیا۔ تقریباً دس منٹ کے اندر میں نے اسے گہری نیند سلا دیا۔ اس کے دماغ کو ہدایت دی کہ صبح آٹھ بجے سے پہلے اس کی آنکھ نہ کھلے یا پھر کوئی اسے بیدار کرے تبھی وہ بیدار ہو ورنہ سوتی رہے۔

ڈاکٹر اب کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک ڈے اینڈ نائٹ ڈرگ اسٹور میں پہنچ گیا تھا اور وہاں سے اپنے نسخے کے مطابق دوائیں خرید رہا تھا۔ میں ڈیئر جمال کے پاس آ گیا۔ اسے میں نے نیند کی حالت میں اٹھایا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر بستر سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کاٹیج کے بیرونی دروازے کے پاس آیا۔ وہاں اس نے دروازے کو کھول دیا۔ اس کے بعد واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ میں نے اس کے بھی دماغ کو ہدایت دی کہ صبح آٹھ بجے تک سوتا رہے یا پھر کسی کے بیدار کرنے پر بیدار ہو۔

وہ ڈاکٹر دوائیں خریدنے کے بعد کار ڈرائیو کرتا ہوا کاٹیج کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کے دل میں دھڑکا لگا ہوا تھا کہ میں کس طرح کاٹیج میں داخل ہوں گا۔ اگر مرجانہ نے یا اس کے پاپا نے اسے پکڑ لیا اور یہ پوچھ لیا کہ اتنی رات کو چوروں کی طرح کیوں آیا ہے تو کیا جواب دے گا؟

میں اس کی سوچ کو کنٹرول کرنے لگا۔ اس کے اندر حوصلہ پیدا کرنے لگا، ایک تو وہ یوں بھی عاشق تھا، اور عاشق نڈر، بے باک ہوتے ہیں، انھیں ذرا سا حوصلہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بس وہ کاٹیج کے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ اسے حیرانی

ہوئی کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دبے قدموں اندر آیا۔ پہلے کمرے میں ڈیئر جمال سو رہا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں پہنچا۔ وہاں مرجانہ سو رہی تھی، وہ تھوڑی دیر تک اس حسینہ کو بڑی محبت سے دیکھتا رہا۔ پھر سرہانے کی میز کے پاس آیا۔ وہاں دوائیں رکھی ہوئی تھیں۔ پلاسٹک کی ایک ڈبیہ میں مختلف ٹیبلیٹس اور کیپسول رکھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے ڈبیہ خالی کر دی اس میں اپنے لائے ہوئے ٹیبلیٹس اور کیپسول رکھ دیے۔

اس کے بعد وہ دوا کی شیشی اٹھا کر باتھ روم میں گیا۔ وہاں اس نے شیشی کھول کر مساوی دوا سنک میں انڈیل دی۔ پانی کے ذریعے دوا کو بہا دیا۔ بوتل کو اچھی طرح صاف کر دیا۔ پھر جو بوتل وہ لے کر آیا تھا۔ اس کی دوا اس خالی بوتل میں منتقل کر دی اور اس کا ڈھکنا بند کر دیا۔

اب لیبل کے اعتبار سے مرجانہ کے لیے وہی دوا تھی جو دوسرے ڈاکٹر نے دی تھی لیکن استعمال کے اعتبار سے وہ دوا تھی جو مرجانہ کا عاشق اس کے لیے تجویز کر چکا تھا۔

اس عاشق نے وہ دوا لا کر سرہانے کی میز پر رکھ دی۔ اپنی خالی بوتل لے کر کمرے سے جانے لگا۔ دروازے کے پاس رک کر اس نے پھر مرجانہ کو بڑی محبت سے دیکھا۔ میں نے اسے پلٹا دیا۔ اب اس کا کام ہو چکا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں ایک عاشق کی حیثیت سے رہے۔ وہ باہر آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ پھر ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے مکان کی طرف جانے لگا۔ میں نے اس کے دماغ میں پوچھا "دوائیں تمام بدل گئیں۔ انجکشن کا کیا ہوگا؟"

اس کی سوچ نے کہا "وہ میرے زیرِ علاج نہیں ہے جس ڈاکٹر کے پاس جائے گی وہی انجکشن لگائے گا اس کے لیے میں مجبور ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ صرف انجکشن کوئی اثر نہیں دکھائے گا اس کے برعکس میری دوائیں کام کریں گی۔ ویسے میری دواؤں کے کمبینیشن میں میرا تجویز کردہ انجکشن ہوتا تو بہتر ہوتا۔"

میں نے اس کی سوچ کے ذریعے اس کے تجویز کردہ انجکشن کا نام معلوم کیا اور اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا۔ ارادہ تھا کہ اب مرجانہ کسی بھی ڈاکٹر کے پاس نسخہ لے کر جائے گی تو میں انجکشن تبدیل کرا دوں گا۔

"تین بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ رات گزر رہی تھی بلکہ گزر چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی تھی۔ تھکن سے برا حال تھا۔ مرجانہ نے بہت پریشان کیا تھا۔ میرا سر دکھ رہا تھا۔ بس ایک آرام وہ بستر پر لیٹ گیا۔

خیال آیا۔ صبح کے وقت سو جاؤں گا تو ادھر مارٹن اپنے میک اپ مین کو میرے پاس بھیجے گا۔ پھر مجھے بیدار کیا جائے گا۔ یہ سوچ کر میں نے ماسٹر نیومین کے خیالات پڑھ کر کو ہدایت دی کہ فرہاد صبح آٹھ بجے تک سوتا رہے گا۔ میک اپ مین کو نو بجے بھیجا جائے۔

اس کے بعد میں حسبِ معمول اپنے دماغ کو ہدایات دے کر سو گیا۔ بہت زیادہ تھکن کے بعد ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹنے کا موقع ملے تو زیادہ آرام ملتا ہے، ایسی گہری نیند آتی ہے جیسے بے ہوشی طاری ہو گئی ہو۔ جب آنکھ کھلی تو یوں لگا، ابھی آنکھ بند ہوئی تھی اور ابھی کھل گئی لیکن دماغی طور پر جو ہدایات دی گئی تھی اس کے مطابق دن کے آٹھ بجے ہی میری آنکھ کھل گئی میں بستر سے اٹھ کر غسل خانے میں گیا۔ پھر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے ملازم سے کہا "ناشتہ لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ناشتہ لے کر آیا۔ ناشتے کے ساتھ اخبار بھی تھا۔ اس نے کہا "جناب! ڈرائنگ روم میں میک اپ مین آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

میں ناشتہ کرنے کے دوران اخبار پڑھتا رہا۔ کافی پینے کے بعد ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ وہاں میک اپ مین نے اٹھ کر مجھے سلام کیا۔ پھر ایک بڑا سا لفافہ میری طرف بڑھایا۔ اس کے اندر نئے پاسپورٹ اور دوسرے ضروری کاغذات کے ساتھ ایک نوجوان کی تصویر بھی تھی۔ میک اپ مین نے کہا "آپ اس روپ میں یہاں سے جائیں گے۔ چہرے پر معمولی سی تبدیلی کرنی ہوگی۔ زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ شخص انگریزی بولتا ہے۔ آپ پاکستان پہنچنے کے بعد اس میک اپ کو ختم کر دیں گے۔"

میں نے تائید میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد میک اپ شروع ہو گیا۔ میں نے اس دوران سب سے پہلے جلال بیگ کی خبر لی۔ وہ انجکشن کے اثر سے پچھلی رات گہری نیند سوتا رہا تھا۔ صبح اٹھنے کے بعد دماغی طور پر نارمل رہا۔ وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر عمدہ لباس زیبِ تن کر کے بظاہر بڑا ہی ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسے اس کے ایک ماتحت نے بڑا سا لفافہ لا کر دیا۔ اس لفافے میں سے چند کاغذات برآمد ہوئے۔ اسے کھول کر دیکھتے ہی پتہ چل گیا کہ یہودیوں کی سب سے بڑی تنظیم کاہال کی جانب سے حکم نامہ ہے اور جلال بیگ کے لیے ضروری ہدایات ہیں۔ وہ انھیں پڑھنے لگا۔ لکھا ہوا تھا۔

"مسٹر بگ باس! ہم تمھاری خدمات سے بہت خوش ہیں

تم نے ہمارے لیے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں جن کی تفصیل ہمارے پاس ریکارڈ کے طور پر موجود ہے لیکن ادھر کچھ عرصے سے تم ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہو رہے ہو۔ ہو رہی بدن تمھاری ذہنی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ تم اپنے سائے سے بھی بدک جاتے ہو کسی سے بات نہیں کرتے۔ کچھ کھاتے وقت تمھارا ہاتھ لرزنے لگتا ہے کہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی نے اس کھانے میں زہر نہ ملا دیا ہو، کوئی آہٹ سنائی دیتی ہے تو تمھارے لیے فرہاد کی طرف سے ایک دھماکا ہوتا ہے۔ ہمارے ڈاکٹروں نے تمھیں اعصابی کھنچاؤ سے محفوظ رکھنے اور پُرسکون رہنے کی دوائیں دیں۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

سپر ماسٹر کی تنظیم کے لوگ اگر اسے برین کینسر کہتے ہیں تو غلط نہیں کہتے۔ تمھارے دماغ میں یہی کینسر ہو گیا ہے۔ وہ تمھارے پاس نہیں پہنچ سکا ہے مگر اس کی وحشت پہنچ چکی ہے اور یہ وحشت اتنی شدید ہے کہ شاید فرہاد کی موجودگی بھی اتنی شدید نہ ہوتی۔ پچھلی شام تم نے اپنے معالج کے اور اپنے ماتحتوں کے سامنے بچوں جیسی حرکتیں کیں۔ بچوں کی طرح سہمے رہے تمھارے جیسا دانش مند، دلیر اور پُرعزم انسان بچوں جیسی حرکتیں کرے تو اسے بچہ نہیں پاگل کہتے ہیں۔ یقین کرو تم رفتہ رفتہ پاگل پن کی حدود میں داخل ہونے لگے ہو۔

تمھارے موجودہ حالات کے پیشِ نظر تنظیم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ دوسرے صفحے پر درج ہے۔ اسے پڑھ لو اور اس پر عمل کرو۔ تم جانتے ہو کہ تنظیم کی طرف سے جو احکامات صادر ہوتے ہیں ان کی تعمیل لازمی ہوتی ہے جو تعمیل نہ کرے اسے گولی مار دی جاتی ہے۔ تم ہمارے بہت ہی وفادار ساتھی ہو، ہمیں مجبور نہ کرنا کہ تمھارے خلاف بھی ایسا سخت قدم اٹھانا پڑے۔"

جلال بیگ نے دوسرے صفحے کو اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔

"تنظیم کے ارکان اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ مسٹر جلال بیگ کے ذہنی توازن بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے لہٰذا انھیں ہدایات دی جاتی ہیں کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کریں۔ ان کے آس پاس ہمارے افراد موجود رہیں گے اور ان کی اسٹڈی کرتے رہیں گے۔ نارمل نہ رہنے کی صورت میں وہ چوبیس گھنٹے کے بعد پیرس چھوڑ کر سوئٹزرلینڈ چلے جائیں اور وہاں کے پاگل خانے میں داخل ہو جائیں، اس پاگل خانے میں ان کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ خاص طور پر علاج کیا جائے گا۔ ہم ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں، انھیں اپنا بہترین ساتھی تسلیم کرتے ہیں اور ان کے لیے پریشان بھی ہیں لیکن جب ہماری تحریک کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ پیدا ہوگا اور جب ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ فرہاد واقعی ان کے دماغ میں پہنچ چکا ہے تو ہمارا آخری فیصلہ وہی ہوگا جسے مسٹر جلال بیگ خوب جانتے ہیں۔"

جلال بیگ کے ہاتھ سے وہ کاغذ چھوٹ گیا۔ وہ خوب جانتا تھا۔ آخری فیصلہ موت ہوتا ہے۔ کاہال تنظیم کے افراد جب اس کی طرف سے خطرہ محسوس کریں گے تو اسے گولی مار دیں گے۔ میں نے اس کی سوچ میں ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا "کیا میں انسان نہیں ہوں۔ انسان کبھی نیم پاگل ہو جائے تو کیا وہ پاگل کتا ہوتا ہے جسے گولی مار دی جاتی ہے۔ کیا میری تمام پچھلی خدمات کا یہی صلہ ملے گا؟"

اس نے تیسرے کاغذ کو اٹھا کر پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔

"تنظیم کے اراکین نے فیصلہ کیا ہے جب تک مسٹر جلال بیگ دماغی طور پر نارمل نہیں ہو جائیں گے، اس وقت تک ان کی بگ باس والی تنظیم کی سرگرمیاں معطل رہیں گی۔ بگ باس کی جانب سے کوئی حکم نہ تو صادر ہوگا نہ ہی قابلِ عمل ہوگا۔ بگ باس کے تمام ماتحت اب کاہال تنظیم کے احکام کے پابند ہوں گے۔

مسٹر جلال بیگ کے مخصوص ٹرانسمیٹر کی فریکوئنسی اور وہ تمام ٹیلی فون نمبر منسوخ کر دیے گئے ہیں جن کے ذریعے تنظیم سے رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔

مسز رینا جلال کو جلال بیگ کے پاس بھیجا جا رہا ہے دونوں میاں بیوی کا داخلہ اسرائیلی حدود میں ممنوع ہے۔

مسز رینا جلال اور جلال بیگ کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ تنظیم کے کسی بھی سب آفس یا جیوش ایجنسی کی طرف رخ نہ کریں۔ ادھر جائیں گے تو ادھر کا کوئی بھی آدمی ان کی جان کا دشمن بن سکتا ہے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ یہ احکامات صادر کرنے پڑ رہے ہیں۔ جلال بیگ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح انھوں نے سائرہ بانو کے بیٹے سے بم باندھ کر انھیں لمحہ لمحہ موت کی اذیتوں سے گزارا تھا ٹھیک اسی طرح اس وقت جلال بیگ کے دماغ سے ٹیلی پیتھی کا بم بندھا ہوا ہے۔ جب تک اس بم کا سوئچ ہٹایا نہیں جائے گا ہم میں سے ہر شخص مسٹر جلال بیگ سے دور رہے گا۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ ان سے امید ہے کہ وہ ہماری مجبوریوں کو سمجھ کر ہمارے احکامات پر عمل کریں گے اور اچھے دوست ہونے کا ثبوت دیں گے۔"

وہ تیسرا کاغذ بھی جلال بیگ نے ایک طرف رکھ دیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک

دیا گیا ہو۔ آس پاس اس کا کوئی بھی ہمدم، مددگار نہیں تھا۔ یہودی تنظیم کے اراکین اسے دلاسے دے رہے تھے۔ خفیہ طور پر اس کی مدد کر سکتے تھے لیکن اب نہ تو وہ بگ باس رہا تھا اور نہ ہی اس کا حکم ایک کتے پر بھی چل سکتا تھا۔ اس نے ملازم کو بلانے کے لیے کال بیل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلا اور ایک نیا ملازم نظر آیا۔ اس نے کاغذ پر لکھ کر پوچھا "تم کون ہو؟ میرا ملازم کہاں ہے؟"

جواب میں ملازم نے بھی کاغذ پر ایک تحریر پیش کی۔ اس میں لکھا ہوا تھا "میں آپ کا نیا ملازم ہوں مجھے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے زبان نہ کھولوں۔ آپ کے تمام پرانے ملازموں اور ماتحتوں کو یہاں سے دور کر دیا گیا ہے۔"

جلال بیگ نے ایک گہری سانس لے کر بے بسی سے ملازم کو دیکھا پھر تحریری حکم دیا "میرے لیے ناشتہ لے آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد ملازم ناشتہ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔ جانے کیا ہوا کہ وہ ٹھوکر کھا کر گرا۔ ٹرے زمین پر گرتے ہی زوردار آواز ہوئی، جلال بیگ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں چیخ کر کہا۔

"فرہاد، فرہاد آ گیا..."

وہ چیخ پڑا "یہ ٹیلی پیتھی کی ٹھوکر کھا کر گرا ہے۔ فرہاد یقیناً یہاں موجود ہے، مجھے بچاؤ۔ بچاؤ..."

اس کی آواز سنتے ہی کمرے کے دونوں دروازے کھلے۔ کتنے ہی لوگ داخل ہوئے۔ کسی کے ہاتھوں میں کیمرہ تھا۔ کسی کے ہاتھوں میں کیسٹ ریکارڈر تھا۔ کوئی نوٹ بک لیے کچھ لکھ رہا تھا اور جلال بیگ کو دیکھتا جا رہا تھا۔ سبھی اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس کی اسٹڈی کر رہے ہوں۔ فوٹو گرافر اس کی تصویریں لے رہے تھے۔ متحرک فلم میں اس کی ایک ایک حرکت کو محفوظ کیا جا رہا تھا۔ کیسٹ ریکارڈر کے ذریعے اس کی آواز کو بھی محفوظ کیا جا رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ساری چیزیں کاہال تنظیم کے اراکین کے پاس بھیجی جائیں گی تاکہ وہ جلال بیگ کی دماغی حالت کو سمجھ سکیں۔

اور دماغی حالت تو ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ میں ایک ذرا سی چنگاری پھونکتا تھا اور اس کے دماغ میں شعلے بھڑکنے لگتے تھے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اضطراری حرکتیں کرنے لگتا تھا۔ دیکھنے والوں کو اس کے پاگل پن کا یقین ہوتا جا رہا تھا۔

میں اس کے پاس سے واپس آ گیا۔ مجھے یاد آیا کہ صبح کا وقت ہے۔ مرجانہ ناشتہ کرنے کے بعد دوائیں استعمال کرے گی۔ مجھے دیکھنا چاہیے۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک پتھریلے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پہلے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور کیوں اس طرح بیٹھی ہوئی ہے۔ پھر اس کے دماغ نے بتایا کہ وہ قانون کی گرفت میں آ گئی ہے۔ لندن کی پولیس نے اسے حراست میں لے لیا ہے مگر کیوں؟

میں اطمینان سے اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ پچھلی رات میں اس سے رخصت ہو کر اپنے بستر پر سو گیا تھا۔ تقریباً چار بجے دروازے پر دستک سنائی دی۔ دروازہ کھلا ہی ہوا تھا کیونکہ وہ ڈاکٹرات کو دوائیں بدل کر گیا تھا۔ ڈیئر جمال بیدار ہو گیا۔ اس نے دروازے پر آ کر دیکھا۔ چند پولیس والے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک پولیس آفیسر تھا۔ اس نے کہا "ہم آپ لوگوں کے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات چیک کرنے آئے ہیں۔"

ڈیئر جمال نے انہیں کمرے میں بلایا۔ پھر دوسرے کمرے میں جا کر مرجانہ کو جگایا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ چند پولیس والے ان کے کاغذات دیکھنا چاہتے ہیں تو اس نے اپنے بیگ میں سے وہ پاسپورٹ اور کاغذات نکالے جن کی رو سے مرجانہ ماریہ بنی ہوئی تھی اور ڈیئر جمال مسٹر شان ڈگلس کے روپ میں تھا۔ وہ تمام کاغذات لے کر دوسرے کمرے میں آئی اور انہیں پولیس آفیسر کی طرف بڑھایا۔ آفیسر نے ایک نظر پاسپورٹ پر اور اس کی تصویروں پر ڈالی۔ پھر اسے ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا "یہ فراڈ ہے، ہمیں معلوم ہو چکا ہے تم مس مرجانہ ہو اور یہ ڈیئر جمال ہیں، کیا غلط ہے؟"

ڈیئر جمال نے ہچکچاتے ہوئے مرجانہ کو دیکھا۔ مرجانہ نے کہا "آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں ماریہ اور یہ مسٹر شان ڈگلس نہیں ہیں؟"

"کسی کے کہنے سننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پولیس اسٹیشن میں پہنچ کر آپ لوگوں کے چہرے کی صفائی کی جائے گی تو اصلیت سامنے آ جائے گی۔"

مرجانہ فوراً ہی پیچھے ہٹ کر بولی "میں پولیس اسٹیشن نہیں جاؤں گا۔"

آفیسر نے کہا "آپ کا اعتراض کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ آپ سیدھی طرح ہمارے ساتھ نہیں جائیں گی تو جبراً ہتھکڑی پہنا کر لے جانا ہوگا۔"

ڈیئر جمال نے کہا "بیٹی، ضد نہ کرو ہم قانون سے ٹکرا نہیں سکتے۔"

وہ غصے سے بولی "پاپا میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ فرہاد کی چال ہے۔ اسی نے ہمارے خلاف رپورٹ دی ہے۔ ورنہ کسے کیا معلوم ہو سکتا تھا کہ ہم کون ہیں۔ اس وقت چار بجے ہیں۔ اندھیرے میں کبھی کوئی پولیس آفیسر کسی کے گھر پر آ کر چھاپہ مارتا

یہ سب میرے خلاف چالیں چلی جا رہی ہیں تاکہ میں لاہور نہ پہنچ سکوں۔ آفیسر! آپ صرف اتنا بتا دیں کہ ہمارے خلاف کس نے رپورٹ دی ہے؟"

"کسی نے نہیں۔ ہماری انٹیلی جنس خود کام کرتی ہے۔"

اچانک ہی مرجانہ نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ وہ دروازے تک پہنچ کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن جیسے ہی وہ چھلانگ لگا کر دروازے کے قریب پہنچی کسی نے اس کی ٹانگ پر ٹانگ ماری۔ وہ اوندھے منہ گر پڑی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی کسی نے اس کے سر کے پچھلے حصے پر ایک شدید ضرب لگائی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ دماغ اندھیرے میں ڈوبنے لگا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک پتھریلی زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاس ڈیئر جمال بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ سامنے ایک آہنی سلاخوں والی دیوار تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر وہاں آئی۔ پھر سلاخوں کو تھام کر انہیں جھنجوڑ جھنجوڑ کر چیخنے لگی "مجھے باہر جانے دو۔ دن نکل آیا ہے۔ مجھے لاہور جانا ہے مجھے ہر حال میں وہاں پہنچنا ہے میں کہتا ہوں میرے راستے میں رکاوٹ نہ ہو۔"

اس کی باتوں کا کہیں سے جواب نہیں ملا۔ وہ غصے میں جھنجلا کر کہنے لگی "فرہاد کو بلاؤ۔ وہ بزدل میرے راستے میں قانون کی دیواریں کھڑی کر رہا ہے۔ اگر میرے سامنے آنے کا حوصلہ نہیں ہے تو سوچ کے ذریعے باتیں کرے۔ میں اسے چیلنج کرتا ہوں۔ شادی سے پہلے ہر حال میں سونیا کے پاس پہنچ کر دکھاؤں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے اس کی دشمن تنظیموں کا آلۂ کار کیوں نہ بننا پڑے۔ مگر میں ہر حال میں سونیا کو حاصل کروں گا۔"

ڈیئر جمال نے اس کے بازو کو تھام کر کہا "بیٹے! یوں چلانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا میں آوازیں دے چکا ہوں یہاں آس پاس کوئی نہیں ہے۔"

"پاپا! آپ خود سمجھیں اگر یہ قانونی کارروائی ہوتی تو سپاہی ضرور موجود ہوتے۔ آس پاس بھی کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔ پتہ نہیں ہمیں کس ویرانے میں قید کیا گیا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے مرحوم ابا کی تمام جائداد داؤ پر لگا دوں گا۔ میں جلال بیگ کا دوست بن جاؤں گا۔ میں یہودی تنظیم میں شامل ہو جاؤں گا۔ میں سپر ماسٹر کا آلۂ کار بن جاؤں گا۔ آج یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ سونیا کو حاصل کرنے کے لیے پہلے فرہاد کو موت کے گھاٹ اتارنا ہوگا اور شاید اس کی تقدیر میں میرے ہی ہاتھوں سے موت لکھی ہوئی ہے۔"

وہ بڑی دیر تک چیختی چلاتی رہی۔ کبھی ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی کبھی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔ کبھی سلاخوں کو تھام کر باہر دیکھتی رہی مگر سلاخوں کے باہر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ دور تک ایک کاریڈور نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد کیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کوئی مکان تھا۔ کوئی پرانی عمارت تھی۔ وہ لندن شہر تھا یا کوئی دوسری جگہ تھی کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

آخر وہ تھک ہار کر اپنے پاپا کے پاس بیٹھ گئی۔ ڈیئر جمال اسے تسلیاں دے رہا تھا اور سمجھا رہا تھا "بیٹا! غصہ کرنے سے کبھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ سہولت سے سوچو۔ غصہ تھوک دو۔ فرہاد ہمارا دوست ہے۔ وہ ایسی دشمنی کبھی نہیں کرے گا۔ یہ دشمنوں کی چال معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ فرہاد کی طرف داری نہ کریں ورنہ میں آپ کو بھی دشمن سمجھوں گا۔ آپ اس مکار کو نہیں جانتے۔ میں اس کے ساتھ کافی عرصہ رہ چکا ہوں۔ کبھی کبھی تو وہ اپنوں کو بھی بے وقوف بناتا ہے ایسی چالیں چلتا ہے کہ اس کے اپنے بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔"

"میں فرہاد کی حمایت نہیں کر رہا ہوں۔ حقیقت کو سمجھنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔"

"حقیقت بس اتنی ہے کہ فرہاد اپنی شادی کے معاملے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں چاہتا۔ سب سے بڑی رکاوٹ میں ہوں۔ آخر یہ اچانک ہی ہم سے دشمنی کیوں ہو رہی ہے۔ اس سے پہلے تو کوئی ہمارا دشمن نہیں تھا۔ صرف فرہاد ہماری حفاظت کر رہا تھا مگر اب کیسے کرے گا۔ یہ تو صرف اس کی چال ہے۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میک اپ مین نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "جناب! آپ آئینے میں دیکھیں اور اس تصویر سے اپنا چہرہ ملا لیں۔ کوئی خامی ہو تو مجھے بتائیں۔"

میں وہ تصویر دیکھ کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ اس نے بڑے کمال کا میک اپ کیا تھا۔ میں نے اس کی تعریف کی مگر میرا ذہن مرجانہ کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ یہ کس کی چال تھی۔

میں نے میک اپ مین کو رخصت کر دیا۔ پھر ملٹونوین کو مخاطب کیا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہا تھا "ماسٹر! آپ نے میرے ساتھ بڑا تعاون کیا ہے۔ میرا میک اپ ہو چکا ہے۔ پاسپورٹ اور ضروری کاغذات بھی پہنچ گئے ہیں۔ اب یہاں سے کب روانہ ہونا ہے؟ میں ایک اور ضروری بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"کیا آپ کے آدمیوں نے مرجانہ اور ڈیڈی جمال کو حراست میں رکھا ہوا ہے؟"

"نہیں جناب! کیا مس مرجانہ اور ڈیڈی جمال اپنے کاٹیج میں نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ پچھلی رات کے آخری حصے میں چند پولیس والے آئے تھے۔ انھیں اس الزام میں پکڑ کر لے گئے کہ وہ ماریہ اور شان ڈگلس نہیں ہیں۔ انھیں کسی ایسے نامعلوم مقام میں قید کر کے رکھا گیا ہے جس کے ایک کمرے کی دیوار آہنی سلاخوں والی ہے لیکن وہ جیل نہیں ہے۔ نہ ہی اسے لاک اپ یا حوالات کہا جا سکتا ہے۔"

ماسٹر نومین نے شدید حیرانی کا اظہار کیا۔ یوں بھی میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر اس کے جھوٹ اور سچ کو سمجھ سکتا تھا۔ وہ مجھے دھوکا نہیں دے رہا تھا۔ اس نے پوچھا: "آپ کا شبہ کس پر ہے؟ پولیس والے یقیناً ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر یہ پولیس کیس ہو گا تو میں منٹوں میں انھیں چھڑا لاؤں گا۔"

"ماسٹر! میں اپنے مذہبی احکامات کے مطابق سونیا سے شادی کرنے جا رہا ہوں۔ یہ بات میں نے مرجانہ سے بھی چھپائی تھی۔ وہ میری اور سونیا کی شادی کے خلاف ہے۔ ہماری شادی کا علم میرے اور سونیا کے علاوہ صرف رسونتی کو تھا لیکن کسی پراسرار شخص کو یہ خبر مل گئی۔ اس نے مرجانہ کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔"

ماسٹر نومین نے پوچھا: "وہ پراسرار شخص کون ہو سکتا ہے؟ اور اسے کیسے شادی کی خبر مل سکتی ہے جبکہ آپ نے اتنی احتیاط سے کام لیا تھا؟"

"ماسٹر! یہی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس وقت مرجانہ کو جس نے بھی قید کیا ہے وہ یقیناً دوہری چال چل رہا ہے۔ ایک طرف اسے میرے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ دوسری طرف اسے یہ تاثر دے رہا ہے کہ اس کی گرفتاری میری وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ میری دشمن

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں ابھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے اور مرجانہ کو کہاں قید کیا گیا ہے؟"

میں مرجانہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت ڈیڈی جمال اس سے کہہ رہا تھا: "بیٹے! اگر پولیس والے ہمیں حراست میں لے کر آتے تو ہمارا سامان بھی ساتھ نہ لاتے۔ ہم دونوں کے سوٹ کیس یہاں رکھے ہوئے ہیں۔ تمھاری دوائیں بھی موجود ہیں۔"

"پاپا! آپ نے دیکھا نہیں تھا کہ یہ لوگ کن راستوں سے گزر کر یہاں تک آئے ہیں؟"

"ہم دونوں ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں تھے۔ وہ حصہ چاروں طرف سے بند تھا۔ تم بے ہوش پڑی ہوئی تھیں اور میں باہر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ پھر میں نے سوچا، دیکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پولیس والے ہیں، کسی پولیس اسٹیشن تک ہی لے جائیں گے۔ بڑی دیر تک سفر جاری رہا۔ ان کے چار آدمی سپاہیوں کی وردی میں میرے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب گاڑی ایک جگہ رک گئی تو انھوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ میں نے وجہ پوچھی تو ایک نے ریوالور نکال کر مجھے نشانے پر رکھ لیا۔ میں نے چپ چاپ اپنی آنکھوں پر پٹی بندھوالی۔ اس کے بعد وہ لوگ ہم کو اس کمرے میں لے آئے۔"

مرجانہ سوٹ کیس کے اوپر رکھی ہوئی دواؤں کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی: "شاید فرہاد کو یہ نہیں معلوم ہے کہ میں نے ڈاکٹر بدل دیا ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا ہو گا کہ پہلے ڈاکٹر کے نسخے کے مطابق مجھے عورت پن کی طرف واپس لے جایا جا رہا ہے لہٰذا اس نے یہ دوائیں بھی میرے ساتھ اسی قید خانے میں پہنچا دی ہیں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "ٹھیک ہے وہ دھوکا کھا رہا ہے تو اسے دھوکا دینا چاہیے اور مجھے ان دواؤں کا استعمال جاری رکھنا چاہیے۔ میں جتنی باقاعدگی سے دوا استعمال کروں گا اتنی ہی جلدی مکمل مرد بنوں گا اور اب تو فرہاد کے مقابلے میں ڈٹ کر رہنے کے لیے یہ دوائیں لازمی ہیں۔"

اس خیال کے ساتھ ہی وہ دوائیں استعمال کرنے لگی۔ میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اسے مرجانہ کا تمام حال سنایا۔ وہ پریشان ہو کر بولی: "فرہاد یہ کیا ہو رہا ہے؟ دشمنوں کی بن آئی ہے۔ وہ بڑی مکاری سے مرجانہ کو ہمارے خلاف بھڑکا رہے ہیں اور کامیاب ہو رہے ہیں۔ کسی طرح اسے سمجھاؤ۔"

"سچ پوچھو تو میں اس لڑکی سے بہت بیزار ہو گیا ہوں۔ خیال خوانی کے ذریعے بھی اس سے رابطہ قائم کرنا نہیں چاہتا۔ مجبوراً اس کے پاس پہنچ کر حالات کو سمجھنا پڑتا ہے۔"

"مجبوری ہی سہی اس کے پاس جاؤ اور اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔"

میں مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پتھریلے فرش پر بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس نے دوائیں استعمال کی تھیں۔ پچھلے کئی ماہ سے وہ دوائیں اس کے استعمال میں رہی تھیں۔ اس کے عاشق ڈاکٹر نے نسخے تبدیل کیے تھے لیکن وہ تمام نسخے ایسے ہی تھے جو اسے عورت پن کی طرف واپس لے جا رہے تھے۔ ان دواؤں کے استعمال میں ایک دن کا بھی ناغہ نہیں ہوا تھا۔ البتہ انجکشن کا ناغہ ہو رہا تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ وہ کسی ڈاکٹر کے پاس جا نہیں سکتی تھی۔

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر آہستہ آہستہ ماضی کی وہ باتیں یاد دلائیں جب وہ میرے ساتھ رہی تھی۔ ایک بار ہم نے ایک ہی چھت کے نیچے ایک رات گزاری تھی۔ میں اس کے دماغ میں کہہ رہا تھا: "فرہاد کے اندر شرافت اور تہذیب ہے۔ اسی لیے اس رات اس نے مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور بڑی شرافت سے رات گزار دی تھی۔"

پھر میں نے وہ تصورات پیش کیے جب وہ خوشبو کے جزیرے میں تنہا تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "اگر فرہاد میرا ساتھ نہ دیتا تو میں کبھی وہاں سے زندہ سلامت واپس نہ آتی۔ بیشک میرے پاس قوت ہے۔ میں لڑنے کا فن جانتی ہوں لیکن فرہاد کی دوستی اور محبت کا جذبہ ہے کہ وہ مجھے وہاں سے نکال لایا۔"

میں نے اس کے دماغ کی اسکرین پر وہ مناظر بھی دکھلائے جب سائرہ بانو کے سینے سے بم کو باندھا گیا تھا اور اس سلسلے میں ایک میں ہی نہیں بلکہ میری تمام ساتھی عورتیں اور تمام ماسٹرلیوں پریشان ہو گئے تھے جیسے سائرہ بانو سے خون کا رشتہ ہو۔ ان کی موت سب کی موت ہو۔ ان کی زندگی سب کی زندگی ہو۔ اس کی امی کو اگر نئی زندگی ملی تھی تو میرے ذریعے اور محبت سے ملی تھی۔ ان کے مقابلے میں جو دشمن زیر ہوئے تھے تو ان کے پیچھے میرا ہی ہاتھ تھا۔ پھر میں دشمن کیسے ہو سکتا ہوں؟"

وہ پتھریلے فرش پر بیٹھ گئی۔ اپنے طور پر سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ میں نے اس کے دماغ کی اسکرین پر اپنے ہنستے مسکراتے ہوئے چہرے کو قائم رکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی: "اگر فرہاد نے مجھ سے دشمنی نہیں کی ہے۔ تو پھر یہ سب کیا ہے؟ کون مجھے سونیا کے پاس جانے سے روک رہا ہے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "شاید فرہاد کے دشمن کوئی چال چل رہے ہوں۔ اور مجھے اس کی مخالفت میں لانا چاہتے ہوں۔"

اس نے اپنے سر کو جھٹک کر سوچا: "یہ فضول باتیں ہیں۔ حقیقت ایک ہی ہے۔ میں سونیا کو چاہتا ہوں اور مجھے اس چاہت سے روکا جا رہا ہے۔"

ڈیڈی جمال نے پوچھا: "بیٹے کیا سوچ رہے ہو؟"

مرجانہ نے کہا: "مجھے فرہاد کے احسانات یاد آ رہے ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ جو شخص اتنی گہری دوستی نبھاتا ہے اور خطرات میں میرے لیے اور امی کے لیے جان کی بازی لگا چکا ہے وہ آج میرا دشمن کیوں بن گیا ہے؟"

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔ فرہاد دشمن نہیں ہے۔ تم جوش اور جذبے میں غلط فیصلے کر رہی ہو۔"

"آپ مجھے پھر لڑکی کہہ رہے ہیں۔"

"سوری بیٹے، تمھاری یہ خوش فہمی بھی دیرپا نہیں ہے۔ تم لڑکی ہو۔ لڑکی ہی رہو گی۔ میں تمھیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں اس لیے لڑکا کہتا رہتا ہوں لیکن میرے کہنے سے قدرت کے نظام میں تبدیلی تو نہیں آئے گی۔ تمھیں پہلے ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ وہی دوائیں استعمال کرنی تھیں۔ بہرحال موجودہ دواؤں کے استعمال سے اپنی ضد پوری کر لو۔ دیکھیں کہ تم قدرت سے لڑ سکتی ہو یا نہیں۔ سوری، لڑ سکتے ہو یا نہیں۔"

"پاپا! بات میری تبدیلی کی نہیں، فرہاد کی دشمنی کی ہو رہی ہے۔"

"بات ایک ہی ہے۔ کیا یہ تبدیلی نہیں ہے کہ تم فرہاد جیسے دوست کو دشمن سمجھ رہے ہو؟"

"آپ مجھ سے عمر میں زیادہ ہیں۔ تجربات میں زیادہ ہیں لیکن آپ اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ فرہاد نے یہاں قید کرنے کے بعد ہمیں نظر انداز کیوں کر دیا ہے؟ کیا اس نے خیال خوانی سے اب تک رابطہ قائم کیا ہے؟ اگر وہ رابطہ قائم کرے تو آپ اس سے صرف ایک بات کہہ دیں کہ وہ ایک آخری بار دوستی کا ثبوت دے اور سونیا کو میرے حوالے کر دے۔ اس کے بعد میں فرہاد کا ایک ادنیٰ غلام بن کر زندگی گزار دوں گا۔ لیکن ایسا نہیں ہو گا۔ فرہاد مجھے اسی طرح الجھاتا رہے گا۔ میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتا رہے گا لیکن میری محبت کو میرے حوالے نہیں کرے گا۔"

میں بڑی دیر سے مرجانہ کے دماغ میں اپنی دوستی، محبت اور خلوص کی یادیں تازہ کر رہا تھا۔ جس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ اسے شکایت تھی کہ میں نے اسے قید کر کے اس سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔ سوچا کہ اس کی شکایت دور کر دوں اور اسے خود سمجھاؤں۔ اسی وقت کہیں سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ مرجانہ اور ڈیڈی جمال فوراً ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دوڑتے ہوئے آہنی سلاخوں کے پاس آ کر دیکھنے لگے۔

ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ویران کاریڈور تھا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ باہر رہ رہ کر فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ قریب ہی کچھ لوگوں کے لڑنے جھگڑنے اور تکلیف سے کراہنے کی آوازیں سنائی دیں پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب آنے لگیں۔ ایک شخص کاریڈور میں داخل ہوا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ پھر وہ دوڑتا ہوا سلاخوں کے قریب آنے لگا۔ اسی وقت دوسرے شخص نے کاریڈور میں داخل ہوتے ہوئے فائر کیا۔ دوڑ کر آنے والا چیخ مار کر لڑکھڑایا اور فرش پر اوندھے منہ گر پڑا۔ فائر کرنے والا اب تیزی سے دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ اس نے زمین پر گرنے

والے کی جیبوں کی تلاشی لی۔ ایک جیب سے چابیوں کا گچھا نکال لیا۔اس کے بعد وہ جلدی سے چلتا ہوا آہنی سلاخوں کے پاس آگیا پھر بڑے سے تالے کو کھولنے لگا۔

مرجانہ اور ڈائیر جمال آزاد ہوگئے۔ آہنی پنجرے سے نکل آئے۔ وہ شخص اشارے سے انھیں اپنے پیچھے آنے کے لیے کہتا ہوا تیزی سے کاریڈور کو طے کرنے لگا۔ کاریڈور کے آخری سرے پر پہنچ کر اُس نے دیوار کی آڑ لے کر باہر کی طرف دیکھا۔ میں نے مرجانہ کے دماغ میں سوال پیدا کیا۔ میرے اس سوال کے مطابق مرجانہ نے اس سے پوچھا "تم کون ہو؟ ہمیں یہاں کس نے قید کیا تھا؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ان کی مدد کرنے والے نے ہاتھ کے اشارے سے چلنے کے لیے کہا۔ پھر خود باہر چلا گیا۔ مرجانہ اور ڈائیر جمال دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے باہر آئے۔ وہاں دور دور تک ہرا بھرا جنگل نظر آیا۔ ذرا فاصلے پر ایک جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کی مدد کرنے والا انھیں اشارے کرتا ہوا جیپ کار کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ان دونوں نے ادھر دوڑ لگاتے ہوئے اپنے آس پاس دیکھا کتنی ہی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ دو چار آدمی ہاتھ میں اسٹین گن لیے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً مدد کرنے والے کے ساتھی تھے۔ اسی لیے انھیں نقصان نہیں پہنچا رہے تھے۔

بہر حال وہ سب اس جیپ کار میں بیٹھ گئے۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی پھر تیز رفتاری سے ایک طرف چلنے لگی۔ میں نے ماسٹر نومین کے پاس پہنچ کر کہا "ماسٹر! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کے آدمی مرجانہ کے پاس پہنچ گئے ہیں اور اسے رہائی دلا کر اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔"

ماسٹر نومین نے حیرانی سے کہا "جناب! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہمیں ابھی تک مرجانہ کا سراغ نہیں مل سکا ہے ـــــ آخر کون لوگ اسے اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں؟"

میں اس کی بات سن کر پریشان ہوگیا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن پھر کوئی چال چل رہے ہیں۔ اسے یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ اب تک فرہاد کی قید میں تھی اور اس کے انجانے دوست اسے رہائی دلا کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔"

"فرہاد صاحب، پلیز آپ مرجانہ کے دماغ میں رہ کر معلوم کریں کہ وہ کون سی جگہ ہے آس پاس کا ماحول ہمیں بتائیں جیسے ہی وہ جگہ معلوم ہوگی۔ ہم منٹوں میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہماری تیز رفتار گاڑیاں اور ہیلی کاپٹر وغیرہ تیار ہیں۔ صرف میرے حکم کی دیر ہے۔"

میں پھر مرجانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک ہیلی کاپٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہی تھی۔ میں نے ماسٹر سے کہا "وہ ایک ہیلی کاپٹر میں سوار ہو چکی ہے۔"

"آپ فوراً ہی یہ بتائیں کہ وہ ہیلی کاپٹر کس رنگ کا ہے اور کس ملک کا ساختہ ہے۔"

میں پھر مرجانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے اور ڈائیر جمال کے علاوہ میں کسی کے دماغ میں جھانک کر معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ سب گونگے بنے ہوئے تھے۔ میں نے مرجانہ کے دماغ کو ہیلی کاپٹر کی طرف لگایا پھر ماسٹر کے پاس آکر بتایا کہ پیلے رنگ کے ہیلی کاپٹر پر دو بڑی بڑی کالے رنگ کی دھاریاں ہیں۔ ماسٹر نے سر ہلا کر کہا "میں سمجھ گیا۔ یہ پیرس کے ایک ادب پتی پیری مرسیفرڈ کا ہیلی کاپٹر ہے۔ اس ہیلی کاپٹر کی پرواز فرانس سے انگلینڈ تک محدود ہے۔ اس سے آگے جانے کا اجازت نامہ نہیں ہے اگر یہ انگلینڈ کے کسی حصے سے پرواز کر رہا ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ فرانس تک جائے گا۔ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے مختلف ماسٹروں اور ماتحتوں سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ مرجانہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھ رہی تھی "! مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کن دوستوں کے درمیان ہوں؟"

ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہو کر پرواز کر رہا تھا۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے اپنی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کھول کر پڑھنے لگی۔ اس میں لکھا ہوا تھا "مسٹر! پہلے تو ہم آپ کو مس سے مسٹر بننے کی مبارک باد دیتے ہیں۔ حقیقتاً آپ جیسی فولادی ہستی کو عورت کا روپ بھلا نہیں تھا۔ آپ کو مرد بننا چاہیے تھا۔ قدرت نے آپ کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے۔

اس مبارک باد کے بعد ہم آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ سونیا پر آپ کا اور صرف آپ کا حق ہے۔ سونیا بھی آپ پر دل و جان سے مرتی ہے اور آپ ہی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہے لیکن جب آپ اس سے پوچھتے ہیں تو وہ زبان سے انکار کرتی ہے کیوں؟ محض اس لیے کہ سونیا کی زبان انکار کرتے وقت سونیا کی زبان نہیں ہوتی بلکہ فرہاد اس کے دماغ میں بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کے ذریعے سونیا کے اقرار کو انکار میں بدل دیتا ہے وہ تمھارے سامنے مجبوراً انکار کرتی ہے اور کسی وقت بھی اپنے دل و دماغ کی آزادی سے تمھاری محبت کا دم نہیں بھر سکتی۔ وہ فرہاد کی محبت کی نہیں، بلکہ ٹیلی پیتھی کی اسیر ہے۔

اب فرہاد نے آپ کو چار دیواری میں اسیر کیا تھا۔ آپ مقصد اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ وہ آپ کو سونیا کے پاس پہنچنے سے روک رہا ہے لیکن ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم آپ کو سونیا کے پاس پہنچائیں گے

اب آپ سوچیں کہ ہم فرہاد کے خلاف آپ کی مدد کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ فرہاد ہمارا پہلا اور آخری دشمن ہے اور وہ ہمارا اور آپ کا مشترکہ دشمن ہے۔ ہم مشترکہ جدوجہد کے ذریعے اسے زیر کر سکتے ہیں۔ اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ختم کر سکتے یا غیر مؤثر بنا سکتے ہیں۔ اب یہ کیسے ہوگا؟ یہ ہم آپ کو رفتہ رفتہ بتائیں گے۔ پہلے تو ہمارے درمیان دوستی مستحکم ہونی چاہیے دوستی کے استحکام کے لیے ہم آپ کو سونیا تک پہنچا رہے ہیں۔ یہ دوستی کا پہلا ثبوت ہے۔ دوسرا ثبوت آپ کو اس وقت ملے گا جب آپ کا یہ سفر ختم ہوگا جس منزل پر آپ پہنچیں گے۔ وہاں ہم آپ کے سامنے ایک ایسا تحفہ پیش کریں گے کہ آپ آنکھیں بند کر کے ہماری دوستی پر ایمان لے آئیں گے۔

ہم مجبور ہیں۔ براہ راست آپ سے گفتگو نہیں کر سکتے اس کی وجہ آپ خوب جانتے ہیں۔ منزل پر پہنچنے کے بعد ہمارا ایک نمائندہ آپ سے تفصیلی گفتگو کرے گا۔"

تحریر ختم ہوگئی میں اس کی روشنی میں پوری طرح سمجھ گیا کہ یہودی کھل کر میرے سامنے محاذ بنا رہے ہیں۔ اپنے پہلے محاذ پر مرجانہ کو میرے خلاف پیش کر رہے ہیں۔ مرجانہ کی تنہا کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ صرف ایک ناقابل شکست فائٹر تھی فولادی جسم رکھتی تھی۔ اور اپنے مدمقابل کو زیادہ دیر پیروں پر کھڑے رہنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ ایسے فائٹر میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

اس کے علاوہ مرجانہ کے پاس کوئی ایسی ذہنی صلاحیت نہیں تھی جو قابل ذکر ہو یا جسے یہودی تنظیم کے لوگ اپنے کام میں لا سکیں۔ وہ لوگ صرف موقع سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مرجانہ کے عاشقانہ جذبے کو ہوا دے رہے تھے۔ ہمارے درمیان تفرقہ پیدا کر رہے تھے اور کامیاب ہو رہے تھے۔

یہودی، فوجی نوعیت کی جنگیں بہت کم لڑتے ہیں۔ وہ دماغی بساط پر مکاری اور سازشی مہرے چلنے کے عادی ہیں۔ یہ کتنی بڑی مکاری تھی وہ مرجانہ کو سمجھا رہے تھے کہ سونیا اس کی محبت سے انکار نہیں کرتی ہے بلکہ فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی زبان سے انکار کراتا ہے۔ یہ بڑا ہی کامیاب سازشی نکتہ تھا۔ جس پر مرجانہ آنکھیں بند کر کے یقین کر رہی تھی۔

میں ماسٹر نومین کے پاس پہنچا۔ ماسٹر نے کہا "جناب ہمیں اس ہیلی کاپٹر کا سراغ مل گیا ہے ہمارے دو ہیلی کاپٹر اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ بہت جلد اسے اپنے گھیرے میں لے لیں گے۔"

"آپ اپنے ہیلی کاپٹر واپس بلوالیں۔"

"وہ کیوں؟"

"آپ انھیں واپس آنے کا حکم دیں۔ پھر میں بتاتا ہوں۔"

اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے حکم دیا۔ اس کے بعد میں نے کہا "مرجانہ کو میرے خلاف پوری طرح بھڑکایا گیا ہے۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ اس چار دیواری میں اسے میں نے ہی قید کرایا تھا اور اس کے یہودی دوست وہاں سے رہائی دلا کر لے جا رہے ہیں اگر آپ کے ہیلی کاپٹر ان کا تعاقب کریں اور انھیں گھیرے میں لیں گے تو مرجانہ کے دماغ میں یہ بات جڑ پکڑ لے گی کہ میں اسے گھیر رہا ہوں۔ اسے یہودی تنظیم کی جانب سے ایک خط موصول ہوا ہے وہ خط مرجانہ کے مخالفانہ خیالات کو مستحکم کرتا ہے۔ لہٰذا اب آپ اس معاملے سے الگ ہو جائیں۔"

"اس وقت ایک بج رہا ہے۔ ٹھیک پانچ بجے طیارہ یہاں سے پرواز کرے گا۔ آپ ساڑھے چار بجے ایئرپورٹ پہنچ جائیں وہاں آپ سے کوہی میک اپ مین ملاقات کرے گا اور آپ کے سامان کی رسید دے گا۔"

میں نے پوچھا "کیسا سامان؟"

اس نے مسکرا کر کہا "مادام سونیا دلھن بن رہی ہیں۔ اس لیے میری طرف سے کچھ تحائف ہیں۔ آپ کی بہن اور بہنوئی کے لیے بھی میں نے بہت کچھ خرید کر رکھ دیا ہے۔"

"ماسٹر آپ نے تو میرا دل جیت لیا۔ آپ میرا کتنا خیال کرتے ہیں۔"

"جناب! میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے آپ سے کتنی عقیدت ہے۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں۔ سپر ماسٹر کی لاعلمی میں کر رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔ وہاں شاہینہ کے اور بھی رشتے دار ہیں۔ آپ سامان میں کچھ اضافہ کر دیں تاکہ میں شاہینہ کے ساس سسر دیور اور نند کو بھی کچھ تحفے پیش کر سکوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اس تمام سامان کی رسید آپ کو ایئرپورٹ میں مل جائے گی۔"

میں نے رسونتی سے رابطہ قائم کیا۔ اسے تمام حالات بتا کر کہا "میں مرجانہ کے پاس جا رہا ہوں وہ یقیناً اپنی کسی منزل تک پہنچ گئی ہوگی۔"

رسونتی نے کہا "تم اسے مخاطب نہ کرنا۔ میں بھی اس کے دماغ میں پہنچ رہی ہوں۔ اسے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کروں گی۔"

ہم دونوں ایک ساتھ اس کے دماغ میں پہنچے۔ پیرس کے مضافاتی علاقے میں ایک بہت بڑی کوٹھی تھی جہاں وہ پہنچائی

گئی تھی۔ اس وقت وہ اور ڈاکٹر جمال ایک نہایت ہی خوبصورت سجے ہوئے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے ناشتے کی ٹرے لائی گئی تھی۔ مرجانہ نے کہا: "مجھے بھوک نہیں ہے۔ میں سونیا کے پاس پہنچنے کے بعد کھاؤں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی کمرے کا ایک دروازہ کھلا وہاں سے ایک شخص داخل ہوا۔ اس نے ادب سے جھک کر مرجانہ کو سلام کیا پھر کہا: "آپ کو ہم پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔ ہم آپ کو ضرور سونیا کے پاس پہنچائیں گے۔"

"میں فرہاد سے پہلے وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"آپ پہنچتے جا کر کیا کریں گے۔ اگر شیر کے منہ سے نوالہ چھینا ہوتا تو ہم آپ کو رائفل اور دوسرے آتشی اسلحہ دے کر روانہ کر دیتے لیکن آپ فرہاد سے سونیا کو چھیننے جا رہے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو بڑی تیاریاں کرنی ہوں گی۔ جوش اور جذبے میں وہاں پہنچیں گے تو چیخنے چلانے کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں سے آپ کچھ ایسے سامان لے کر جائیں جو آپ کی کامیابی کا سامان پیدا کردیں۔ ہمارے ذرائع آپ کے لیے ہوں گے۔ آپ کے پیچھے ایک فوج ہوگی۔ آپ کے پیچھے ہر وہ اسلحہ ہوگا جو آپ کے کسی وقت بھی کام آسکتا ہے۔ وہاں پہنچ کر شاید ایسا وقت بھی آئے جب سونیا ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجبور ہو کر آپ کی محبت سے انکار کردے اور آپ کو مجبور ہو کر اسے اغوا کرنا پڑے۔ لہٰذا اغوا کرنے کے تمام ذرائع ابھی سے مستحکم کر لیے جائیں۔ آپ کا فرہاد سے پہلے پہنچنا ضروری نہیں ہے۔ ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان کی شادی سے پہلے ہم آپ کو پہنچا دیں گے۔ پلیز، آپ ہماری میزبانی قبول کریں اور کچھ کھالیں۔"

وہ اس کی باتوں سے قائل ہو کر کھانے لگی۔ رسونتی نے اسے مخاطب کیا: "ہیلو مرجانہ، کیا تم میری آواز اور لہجے کو محسوس کر رہی ہو؟"

وہ کھاتے کھاتے رک گئی۔ غصے سے بولی: "آواز اور لہجہ تو رسونتی کا ہے لیکن میں خوب سمجھتا ہوں۔ فرہاد تم مرد سے عورت بن کر میرے دماغ میں آ رہے ہو۔"

رسونتی نے کہا: "یہ فرہاد نہیں۔ رسونتی ہوں تم یقین کرو۔"

"کیسے یقین کروں۔ رسونتی کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں۔"

"ختم ہو جاتیں تو اس وقت میں تم سے گفتگو نہ کرتی۔"

"میں کہتا ہوں شرم کرو۔ مرد ہو۔ عورت بن کر نہ بولو۔"

"مرجانہ! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تمھیں کس طرح سمجھاؤں۔ چلو، مجھے فرہاد سمجھ لو۔ مگر میری بات سن لو۔"

"بکواس کرتے رہو۔ مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

وہ کھانے میں مصروف ہوگئی۔ رسونتی نے کہا: "دیکھو مرجانہ، فرہاد ہمیشہ سے دوست رہا ہے۔ وہ کبھی کسی حال میں دشمن نہیں بن سکتا۔ تم خواہ مخواہ سونیا کے لیے ضد کر رہی ہو۔"

مرجانہ نے اچانک زوردار قہقہہ لگایا۔ ڈاکٹر جمال چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے بولی: "رسونتی کبھی نہ کہتی کہ میں سونیا کے لیے ضد کر رہی ہوں۔ کیونکہ وہ تمھاری شریک حیات ہے اور کوئی بھی عورت اپنی سوتن کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتی۔ فرہاد تمھارا بھید کھل چکا ہے۔ تم رسونتی بن کر بول رہے ہو۔ چلے جاؤ میرے دماغ سے۔"

میں نے رسونتی سے کہا: "فضول ہے۔ وہ کبھی یقین نہیں کرے گی۔"

رسونتی نے کہا: "فرہاد، تم اسے مخاطب کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ابھی وہ تمھارے لب و لہجے کو مجھ سے منسوب کر رہی تھی۔ اب کہے گی کہ میرا رسونتی والا فراڈ نہیں چلا اس لیے اپنے لب و لہجے میں مخاطب کر رہا ہوں۔ میں ہر طرح اس کے سامنے دشمن کی حیثیت سے آ رہا ہوں۔ اس کے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ نہ وہ دوست بن کر سوچے گی نہ میں خود کو دوست ثابت کر سکوں گا۔"

"اب کیا کرو گے؟"

"کیا کر سکتا ہوں؟ میں اس کے دماغ پر قابض ہو کر ان دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا میں چوبیس گھنٹے اس کے دماغ پر قابض رہ سکتا ہوں۔ جب میں اس کے دماغ کو آزاد چھوڑوں گا اور جب وہ اپنے ہوش و حواس میں ہوگی۔ تو یہی سوچے گی کہ میں ان کے خلاف قدم اٹھا رہا ہوں، جو ابھی اس کے سب سے بڑے دوست اور ہمدرد ہیں۔"

"وہ ایسا ہی سوچے گی۔ پھر تم کیا کرو گے۔ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"کچھ تو کروں گا۔ پہلے دیکھ لوں کہ اس کے دوست اور ہمدرد بننے والے کیسے منصوبے بناتے ہیں۔ آؤ ہم پھر مرجانہ کے دماغ میں چلیں۔"

ہم اس کے پاس پہنچ گئے وہ ناشتے سے فارغ ہو چکی تھی۔

اور اب کافی کی ایک پیالی اٹھائے آہستہ آہستہ چسکی لے رہی تھی۔ اس کے سامنے صوفے پر وہ شخص بیٹھا ہوا تھا جو یہودی تنظیم کا نمائندہ تھا۔ اس نے کہا: "مسٹر! آپ کا کوئی نام ہونا چاہیے تاکہ آپ

کو مخاطب کرنے میں آسانی رہے۔"

مرجانہ نے کہا: "مسٹر ہی کافی ہے۔ مجھے سفر کے دوران بتایا گیا ہے کہ یہاں پہنچتے ہی کوئی غیر معمولی تحفہ پیش کیا جائے گا۔"

"آپ کافی ختم کریں۔ وہ تحفہ ابھی پیش کیا جائے گا۔"

مرجانہ نے پیالی کو میز پر رکھتے ہوئے کہا: "پیش کرو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا: "وہ تحفہ ایسا ہے کہ آپ خود چل کر اسے دوسرے کمرے میں دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر وہ ایک کمرے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مرجانہ اور ڈاکٹر جمال بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے دروازے تک آئے۔ اس نے دروازے کو کھولتے ہوئے کہا: "آئیے اندر تشریف لائیے۔"

وہ اندر آگئے۔ وہ ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ مگر سامان سے خالی تھا۔ کمرے کے آخر میں دو کرسیاں تھیں جن پر رینا جلال اور جلال بیگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نمائندے کے دماغ سے جلال بیگ کا نام سن کر میں چونک گیا۔ فوراً ہی سمجھ گیا کہ یہ مکار یہودی جلال بیگ اور مرجانہ کا سامنا کیوں کرا رہے ہیں؟"

رینا اور جلال بیگ مرجانہ کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑے ہو گئے یقیناً انھوں نے مرجانہ کی اور ہم سب کی تصویریں دیکھی ہوں گی اس نمائندے نے آگے بڑھ کر کہا: "تم نے تو پہچان لیا کہ یہ مرجانہ ہے۔"

اس نے مرجانہ کی طرف رُخ کر کے کہا: "اور مسٹر آپ کے لیے سب سے بڑی خوشخبری، آپ کا وہ دشمن آپ کے سامنے ہے جس نے آپ کی والدہ کے سینے میں بم کو باندھ کر ہر لمحہ انھیں موت کی اذیتوں سے گزارا تھا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مرجانہ نے ایک زور کی چیخ ماری۔ کراٹے کا پوز بنایا۔ پھر چشم زدن میں سب نے دیکھا کہ وہ فضا میں اڑتی ہوئی جلال بیگ کی طرف گئی تھی اور اس کے سینے پر ایک بھرپور لات ماری تھی۔ جلال بیگ کے حلق سے ایک چیخ نکلی وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا کرسی کو ساتھ لیے فرش پر گر پڑا۔ رینا چیختی ہوئی جلال بیگ کی طرف گئی: "نہیں نہیں، انھیں نہ مارو۔ یہ پہلے ہی دہشت زدہ ہیں۔ میں تم سے ان کی زندگی اور سلامتی کی بھیک مانگتی ہوں۔ میرا اس دنیا میں ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

مرجانہ نے کراٹے کا پوز بناتے ہوئے ایک جگہ رک کر کہا: "اے عورت ہٹ جا۔ تو اس کی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے جس نے میری امی کو تماشا بنا کر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت تو نے میری امی کی زندگی کے لیے بھیک نہیں مانگی ہوگی۔ آج میں اس ذلیل کے جسم کے کسی اور حصے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی صرف سینے پر اسی جگہ حملے کروں گی جہاں میری امی کے سینے پر بم باندھا گیا تھا۔ میں اس کے جسم کو ٹھیک اسی جگہ ہاتھوں سے کھوکھلا کردوں گی۔ سنا ہے کہ یہ زبردست قوت ارادی کا مالک ہے۔ میں دیکھوں گی کہ میرے کتنے ہاتھ اس کے سینے پر پڑتے ہیں اور اس کے دل کی دھڑکنیں کب تک برقرار رہتی ہیں۔ کتنی دیر قوت ارادی سے یہ اپنی دھڑکنوں کو جاری رکھ سکتا ہے؟"

میں نے مرجانہ کے دماغ میں کہا: "اس وقت تم صحیح معنوں میں ایک بیٹی کے جوش اور جذبے سے باتیں کر رہی ہو۔ اسی لیے بیٹی کے انداز میں گفتگو کر رہی ہو۔ لڑکا بننا بھول گئی ہو۔"

وہ چونک کر سوچنے لگی: "کیا میں ابھی جوش میں اور روانی میں لڑکی کی طرح بول رہی تھی نہیں بول رہا تھا۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "امی نے مجھے جس ممتا سے اور جس دکھ درد سے جنم دیا ہے اس جنم کے رشتے سے میں بیٹی ہوں۔ اس وقت میں ان کے لیے انتقام لینا چاہتی ہوں۔ تو میرے اندر صرف ایک بیٹی بول رہی ہے۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی اس نے اپنی سوچ کو جھٹک کر کہا: "نہیں میں بیٹا ہوں۔"

اس وقت تک جلال بیگ فرش پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نمائندے کو گھونسہ دکھا کر کہہ رہا تھا: "ذلیل کمینے! میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ کاہل تنظیم کے لوگ مجھے ناکارہ سمجھ رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں فرہاد کی مٹھی میں آگیا ہوں۔ تم لوگوں کو مجھ سے خطرہ ہے۔ مجھے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو۔ تم لوگ مجھے گولی بھی مار سکتے تھے۔ لیکن تمھاری مکاری کا جواب نہیں ہے تم اس چھوکری کو میرے مقابلے پر لے آئے تاکہ اس کی خوشنودی حاصل کر سکو اور اس پر جتا سکو کہ تم لوگوں نے اس کے بہت بڑے دشمن کو اس کے سامنے لا کر دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ تم اپنی ذلالت سے باز آجاؤ۔ میں ناکارہ نہیں ہوں۔ مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فرہاد میرے دماغ تک نہیں پہنچ سکا ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی اس نمائندے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "جلال بیگ تم آدھے پاگل ہو چکے ہو۔ تم اپنی احتیاطی تدابیر بھول چکے ہو۔ یہ بھی بھول گئے کہ اس وقت مرجانہ کے سامنے چیخ چیخ کر بول رہے ہو۔ فرہاد ضرور تمھارے لب و لہجے کو گرفت میں لے چکا ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں اگر اس چھوکری کے ہاتھوں نہیں مروں گا تو تم لوگ گولی مار دو گے۔ جب مرنا ہی ٹھہرا تو پھر فرہاد سے کیا ڈرنا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی مرجانہ نے اس پر حملہ کیا۔ اس نے حملے کو روک لیا۔ اس نے پھر حملہ کیا پھر اس نے روک لیا۔ تیسری

بار پھر زبردست حملہ کیا۔ جلال بیگ نے اسے بھی روک لیا۔ وہ کوئی چیونٹی نہیں تھا کہ مرجانہ آسانی سے مسل دیتی۔ وہ جتنی ذہنی صلاحیتیں رکھتا تھا۔ اتنی ہی جسمانی صلاحیتوں کا بھی مالک تھا اور اپنے حلقے میں ایک بہترین فائٹر تسلیم کیا جاتا تھا۔

مرجانہ پلٹ گئی۔ جلال بیگ دھوکا کھا گیا کہ وہ نمائندے کی طرف جا رہی ہے۔ اسی وقت اس نے اچانک ہی پلٹ کر ایک لات ماری۔ لات اس کی ٹھوڑی پر پڑی تھی۔ اس کا سر اوپر کی طرف اٹھ گیا۔ اس نے دوسرا زبردست حملہ کیا اس کے سینے پر چار انگلیوں کا پنج مارا۔ ایسے پنچ کو وہی لوگ جانتے ہیں جو انتہائی جان لیوا قسم کے کراٹے آرٹ میں مہارت رکھتے ہیں۔ مرجانہ نے اپنے استاد وانٹوروکی سے ایسے پنچ کا آرٹ بڑے ہی خطرناک انداز میں سیکھا تھا۔ لوہے کے ذرات کے ڈھیر میں وہ سیدھی انگلیوں کے پنچ مارا کرتی تھی جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں بھی فولاد ہو گئی تھیں۔

جلال بیگ مضبوط اور صحت مند جسم کا مالک تھا لیکن مرجانہ کا وہ پنچ ایسا تھا کہ ایک دم سے اس نے ابکائی لی اور اس کے منہ سے خون گرنے لگا۔ مرجانہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "اس لہو کو منہ سے ابلنے سے روکو۔ میں تمہارے سینے سے خون ابلتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اب جو دوسرا ہاتھ پڑے گا تو میری چاروں انگلیاں سینے میں پیوست ہو جائیں گی۔ سنبھلو۔"

یہ کہتے ہی اس نے کراٹے کا ایک پوز بنایا۔ للکارنے کے انداز میں ایک چیخ ماری۔ پھر اس پر حملہ کیا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو بھٹکا دیا۔ حملہ ناکام ہو گیا۔ دوسری بار پھر وہ پینترا بدل کر حملہ کرنے لگی۔ میں نے پھر بھٹکا دیا۔ وہ رک کر حیرانی سے جلال بیگ کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی، یہ کیا ہو رہا ہے۔

میں جلال بیگ کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ تب وہ سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور آستین سے لہو پونچھتے ہوئے بولا: "مرجانہ! میں فرہاد تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔"

وہ چونک کر جلال بیگ کو دیکھنے لگی۔ پھر سر ہلا کر بولی: "اچھا اب سمجھ میں آیا کہ میرے حملے ناکام کیوں ہو رہے تھے۔"

میں نے جلال بیگ کی زبانی کہا: "تمہارے حملے آئندہ بھی ناکام ہوتے رہیں گے۔ تمہاری یہ حسرت کبھی پوری نہ ہو گی کہ تمہارا دشمن تمہارے ہاتھوں مر سکے۔ میں جلال بیگ کو مرنے نہیں دوں گا۔"

دور کھڑے ہوئے نمائندے نے کہا: "مسٹر فرہاد! اگر آپ واقعی ہم سے مخاطب ہیں تو سن لیجیے۔ جلال بیگ اس کمرے سے زندہ واپس نہیں جائے گا۔ اگر مسٹر کے ہاتھوں نہ مر سکا تو ہم اسے گولی ماردیں گے۔ آپ زیادہ سے زیادہ مجھے مار سکتے ہیں مگر جلال بیگ کو مرنے سے نہیں بچا سکتے۔"

میں نے جلال بیگ کی زبانی کہا: "مجھے جلال بیگ کی موت سے نہیں اس کی زندگی سے دلچسپی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تڑپ تڑپ کر ہر روز تھوڑا تھوڑا مرتا رہے۔ میں اسے ایسی اذیتوں میں مبتلا کرنا چاہتا ہوں کہ دوسرے عبرت حاصل کریں۔ لیکن یہ لڑکی جوش میں آ کر ہوش کھو بیٹھی ہے۔ مجھ جیسے دوست کو اپنا دشمن سمجھ رہی ہے اور جلال بیگ کو ایک دم مار کر تمام اذیتوں سے نجات دلانا چاہتی ہے میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ جلال بیگ اس طرح نہیں مرے گا۔"

وہ چیخ کر بولی: "ضرور مرے گا میں ابھی اسے ختم کر دوں گی۔"

یہ کہتے ہی ایک فلائنگ کک ماری۔ میں اس کی سوچ پڑھتے ہی ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ فضا میں اڑتی ہوئی آئی اور دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑی۔ میں نے کہا: "مرجانہ! اٹھ کر کھڑی ہو جاؤ۔ تمہارے سامنے فرہاد ہے۔ تم اسی طرح دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر مر جاؤ گی۔"

وہ فوراً ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اور جلال بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "دیکھو فرہاد! مجھ سے زیادہ دشمنی نہ بڑھاؤ۔ بہتر ہے جلال بیگ کو میرے حوالے کر دو۔"

میں نے کہا: "میرے ایک سوال کا جواب دو۔ تمہاری نظروں میں کس کی زیادہ اہمیت ہے۔ ماں کی یا محبوبہ کی؟"

اس نے پوچھا: "تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب یہی ہے کہ اگر ماں کی اہمیت زیادہ ہے اور تم اپنی ماں کی مصیبتوں کا انتقام اپنے اس بدترین دشمن سے لینا چاہتی ہو تو سونیا سے دستبردار ہو جاؤ۔ میں ابھی جلال بیگ کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اور اگر سونیا تمہارے لیے بہت زیادہ اہم ہے تو ماں کی طرف سے انتقام کو بھول جاؤ۔ تم ایسی خود غرض اولاد ہو جو جوانی میں عشقیہ جذبوں کو اہمیت دے کر اپنے ماں باپ کو بھول جاتی ہے۔"

"میری امی نے بیس سال تک جو تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ انہیں میں بھول نہیں سکتا۔ میں اس سے انتقام ضرور لوں گا۔ اور سونیا کو بھی حاصل کر کے رہوں گا۔ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"میں نے کہہ دیا ہے کہ جلال بیگ کو اس وقت تک تمہارے حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک تم سونیا سے دستبردار نہیں ہو گی چاہے یہ لوگ جلال بیگ کو گولی کیوں نہ مار دیں مگر یہ دشمن تمہارے ہاتھوں سے نہیں مرے گا۔ تمہیں یہ اعزاز کبھی حاصل نہیں ہو گا۔ تم اپنی امی کے سامنے سر جھکا کر یہی کہو گی کہ سونیا کے حصول کے لیے تم نے اپنے دشمن کو چھوڑ دیا تھا۔"

مرجانہ چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے نمائندے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ جلال بیگ کو گولی نہ ماری جائے اسے میرے لیے زندہ رکھا جائے۔"

نمائندے نے ادب سے کہا: "آپ کا حکم سر آنکھوں پر ہم اسے آپ کے لیے زندہ رکھیں گے۔"

میں نے جلال بیگ کے ذریعے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "یہ زندہ کیسے رہے گا۔ یہ تو آہستہ آہستہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ میں اسے سسکا سسکا کر مار رہا ہوں۔ یہ اعزاز مجھے حاصل ہے کہ میں تمہاری امی کا انتقام لے رہا ہوں۔ دیکھو میں اسے کس طرح موت کی تھوڑی تھوڑی سی خوراک دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے جلال بیگ کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر اپنے آس پاس دیکھنے لگا پھر اس نے پوچھا: "مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

رینا اس کے قریب آ کر بولی: "ابھی مسٹر فرہاد، تمہارے دماغ پر قابض تھے اور تمہارے ذریعے ان لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔"

وہ ایک دم سے سہم گیا۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کر حیران حیران سا رینا کو دیکھنے لگا۔ میں نے سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کیا: "ہیلو جلال بیگ! میں تمہیں مخاطب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ تمہارے ذہن میں بیٹھ کر چپ چاپ تمہیں آہستہ آہستہ اندر سے کھوکھلا کرنا چاہتا تھا لیکن مرجانہ کی جلد بازی نے کام بگاڑ دیا۔ میں مجبور ہو کر تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ چلو، اب فرش پر گھٹنے ٹیک دو۔ دونوں ہاتھوں کے بل جھک جاؤ اور کتے کی طرح بھونکنا شروع کر دو۔"

"نہیں نہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں بلند مرتبہ اور باعزت آدمی ہوں۔"

"تم ایسا ضرور کرو گے جلال بیگ! میں تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دوں گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ تم کتے بن گئے ہو۔ یہ نہیں سوچیں گے کہ ٹیلی پیتھی سے مجبور ہو کر ایسا کر رہے ہو۔"

"نہیں، لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجبور کیا گیا ہوں۔"

"نہیں جلال بیگ! وہ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ٹیلی پیتھی سے خوفزدہ ہو کر ایسا کر رہے ہو۔ چلو اب شروع ہو جاؤ۔"

میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ گھٹنے ٹیک کر دونوں ہاتھوں کے بل جھک گیا اور کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ سب لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ رینا تڑپ کر اس کے پاس آئی اور اسے جھنجھوڑ کر کہنے لگی: "جلال! یہ کیا کر رہے ہو؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

جلال بیگ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر میں نے اس کی زبان سے کہا: "دیکھو مرجانہ! یہ کس قدر ذلیل ہو گیا ہے۔ دشمن کو آہستہ آہستہ ایسی ہی ذلت کی موت سے دوچار کرنا چاہیے۔ میں ایسا ہی کر رہا ہوں۔ تم نہیں کر سکو گی۔ کبھی نہیں کر سکو گی۔"

میں نے جلال بیگ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے رینا کی طرف دیکھا۔ رینا نے کہا: "جلال! تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ تم کتے کی طرح کیوں بھونک رہے تھے؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر زمین پر گر پڑا۔ وہ ذلت کے احساس سے مرا جا رہا تھا۔ اس نے بڑی محنت سے عزت بنائی تھی، نام کمایا تھا۔ ایک پراسرار باس بن کر حکومت کی تھی لیکن اب اتنا گر گیا تھا کہ خود اپنی نظروں میں کوئی مقام نہ رہا تھا۔

میں مرجانہ کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ واقعی یہ جس طرح ذلت کے احساس سے مر رہا ہے اسے ایسی ہی موت ملنی چاہیے لیکن اس کی موت میں میرا ہاتھ نہیں ہو گا تو میں امی کے سامنے سرخ رو نہ ہو سکوں گا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نمائندے کے پاس آئی اور اس سے کہا: "جلال بیگ کو کسی ایسی جگہ قید کر دو جہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ صرف ایک آدمی اس کی روزمرہ ضروریات پوری کرنے اس کے پاس جائے۔ جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو گا تو یہ تنہائی میں کچھ بھی کرتا رہے اسے اپنی ذلت کا اتنا احساس نہ ہو گا پھر میں دیکھوں گا کہ فرہاد کس طرح اسے ذلت کی موت مارتا ہے۔ میں اسے ہر حال میں صرف اپنے انتقام کے لیے زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ڈیبجمال کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "تم ابھی بچی ہو، نادان لڑکی! تم جلال بیگ کو کسی کال کوٹھڑی میں بھیج دو۔ زمین کی تہہ میں چھپا دو۔ میں اسے دنیا والوں کے سامنے ذلت کی موت مارنے کے لیے پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔"

اسی وقت نمائندے نے کمرے میں آ کر کہا: "مسٹر اگر آپ فرہاد کو زیر کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس ایک بہت ہی عمدہ تدبیر ہے۔ آپ مسٹر ڈیبجمال کو اس کمرے میں آرام کرنے دیں اور میرے ساتھ دوسرے کمرے میں چلیں تاکہ میں آپ کو اس کی تفصیل بتا سکوں۔"

مرجانہ نے کہا: "پاپا! آپ آرام کریں میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ نمائندے کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی وہاں دیوار پر ایک چھوٹا سا اسکرین بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف ایک پروجیکٹر رکھا تھا۔ پروجیکٹر سے فلم چلانے کے تمام انتظامات مکمل تھے نمائندے نے کہا: "مسٹر! میں نہیں جانتا کہ وہ تدبیر کیا ہے۔ مجھے بھی یہ بات نہیں بتائی گئی ہے۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ آپ کو اس کمرے میں چھوڑ کر باہر چلا جاؤں گا۔ آپ دروازہ اندر سے بند کر کے پروجیکٹر آن کر دیں۔ آپ کو تمام معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ مرجانہ نے دروازہ اندر سے بند کیا اور پروجیکٹر کے پاس آ کے کمرے کی بتی بجھائی پھر پروجیکٹر آن کر دیا۔ سامنے اسکرین پر ایک کمرے کا منظر نظر آنے لگا۔ اس کمرے میں ایک شیشے کا لوبھ بنا ہوا تھا پھر اسکرین پر صرف لوبھ رہ گیا۔ اور ایک تحریر نظر آنے لگی: "اس لوبھ کو اچھی طرح

دیکھو۔ اس کے اندر جانے کے بعد جب تم باہر نکلو گے تو تمھاری زندگی بدل جائے گی۔ تمھاری دنیا بدل جائے گی اور تم ناقابلِ شکست بن جاؤ گے۔ فرہاد بھی تمھیں کبھی شکست نہیں دے سکے گا۔ بلکہ تم سے دور بھاگتا رہے گا۔"

اس کے بعد بوتھ بھی غائب ہوگیا اور صرف تحریری ہدایتیں حرکت کرتی نظر آنے لگیں۔ مرجانہ اسکرین پر پڑھ رہی تھی اور میں اس کی سوچ سے پڑھ رہا تھا۔ "فرہاد کے پاس صرف ٹیلی پیتھی کی صلاحیت ہے۔ چونکہ وہ تمھارے لب و لہجے کو اچھی طرح پہچانتا ہے اس لیے تمھارے دماغ کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے اگر کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ وہ تمھارے دماغ تک نہ پہنچ سکے تو پھر کبھی وہ تمھیں زیر نہیں کر سکے گا بلکہ تمھارے پاس فولادی قوت اور خطرناک آرٹ ہے وہ فرہاد کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔ فرہاد ایک طرح کا برین کینسر ہے جس طرح خون کے کینسر میں وقفے وقفے سے پورے جسم کا خون تبدیل کرکے مریض کو کینسر کے خطرناک اثرات سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح تمھارا وہ کینسر زدہ دماغ جو تمھاری کمزوری بن گیا ہے، جس کی وجہ سے تم فرہاد سے شکست کھا جاتے ہو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔"

پھر منظر بدل گیا اب شیشے کے بوتھ میں کوئی شخص بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر فولادی ٹوپی چڑھی ہوئی تھی۔ چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ تحریریں ابھرنے لگیں۔ اب اُسے بتایا جارہا تھا یہ برین واش کا عمل ہے۔ اس عمل کے ذریعے تمھارا برین صاف کیا جاسکتا ہے۔ تمھارا ذہن یوں ڈھل جائے گا کہ تم کچھ عرصے کے لیے اپنے آپ کو بھی بھول جاؤ گے۔ اپنا لب و لہجہ بھول جاؤ گے۔ برین واشنگ کے بعد تمھیں نئے لب و لہجے کے ساتھ گفتگو سکھائی جائے گی۔ اس کے بعد تم صرف تین ہستیوں کو یاد رکھ سکو گے۔ سونیا، جو تمھیں جان سے پیاری ہے۔ تمھاری امی جو تمھیں ایمان کی طرح عزیز ہیں اور ڈیڑھ جمال جو تمھاری امی کی پسند ہیں۔ برین واشنگ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ فرہاد تمھارے دماغ تک کبھی نہیں پہنچ سکے گا۔ تم ہمیشہ گونگی بنی رہو گی اور تمھاری آنکھوں پر آئی لینس چڑھے رہیں گے۔ فرہاد نہ تو تمھاری آنکھوں کے ذریعے تمھارے دماغ تک پہنچ سکے گا نہ لب و لہجے کے ذریعے۔ تم ہمیشہ کے لیے اس کی ٹیلی پیتھی سے نجات پاجاؤ گے۔ اگر تمھیں ہماری پیش کش منظور ہے تو اس کمرے کے دوسرے دروازے کو کھول کر ایک اور کمرے میں داخل ہوجاؤ۔ تمھارے سامنے شیشے کا بوتھ ہوگا۔ ہمارے ماہرین تمھیں اس بوتھ تک پہنچا کر برین واشنگ کے عمل سے گزار دیں گے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر اس وقت فرہاد تمھارے دماغ میں موجود ہوگا تو تمھیں اس کمرے میں جانے سے روکے گا۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ تمھارا برین واش نہ کیا جائے۔ اس لیے ہم نے پہلے سے اسی کمرے میں ایسے آدمی چھپا رکھے ہیں جو تمھیں کسی بھی اضطراری حرکت سے روکیں گے۔ تم صرف الٹے بلند آواز سے کہہ دو۔ "مجھے برین واشنگ منظور ہے۔"

اس سے پہلے کہ میں اسے روکتا۔ اس نے چیخ کر کہا "مجھے برین واشنگ منظور ہے۔"

میں فوراً ہی اس کے دماغ پر قابض ہوگیا اور اسے اٹھانا چاہا لیکن اچانک وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ پتہ چلا کہ کسی نے ٹانگ پر ٹانگ ماری تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی یا میں اٹھاتا، اندھیرے میں نہ جانے کتنے لوگوں نے اسے دبوچ لیا۔ اس نے انجکشن کی سوئی کی چبھن اپنے بازو پر محسوس کی۔ اس لمحہ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ سے واپس آگئیں۔

میں چند لمحوں کے لیے بدحواس سا ہوگیا۔ مرجانہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ اس کا دماغ میری گرفت میں نہیں رہا تھا۔ میں اسے دشمنوں کی سازشوں سے نہیں بچا سکتا تھا۔ میں نے فوراً ہی ڈیڑھ جمال کے پاس پہنچ کر کہا "آپ فوراً اس دروازے کو کھول کر اندر جانے کی کوشش کریں۔ جہاں ابھی مرجانہ گئی تھی اس کے ساتھ بڑی بھیانک سازش ہو رہی ہے۔ اس کا برین واش کیا جانے والا ہے۔"

ڈیڑھ جمال اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ وہ اس دروازے کی طرف بڑھا تو اس نمائندے نے راستہ روکتے ہوئے کہا "جناب رک جائیے۔" ڈیڑھ جمال نے ایک گھونسا اس کے منہ پر رسید کیا وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا۔ ڈیڑھ جمال نے تیزی سے دروازے کے پاس پہنچ کر اُسے کھولنا چاہا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ مرجانہ نے دروازہ اندر سے بند تو کردیا تھا مگر اب وہ اسے کھولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یوں پلٹا کھائیں گے اب مجھے مرجانہ کی طرف سے فکر لاحق ہوگئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ برین واشنگ کے بعد وہ سب کچھ بھول جائے گی۔ یا صرف چند باتیں اس کے دماغ سے صاف ہوجائیں گی۔ میں پریشان تھا کہیں وہ سب کچھ بھول کر دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے۔

میں نے جلال بیگ کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ میں کہا۔ "شیشے کا بوتھ برین واشنگ۔"

میری سوچ کے ساتھ ہی جلال بیگ کے خیالات برین واشنگ کی طرف مڑ گئے۔ وہ اس کمرے کے بارے میں سوچنے لگا میں اس کی سوچ کے ذریعے معلومات حاصل کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ برین واشنگ اس حد تک بھی ہوتی ہے کہ انسان کی گفتگو کا انداز بدل دیا جائے۔ اس کے لب و لہجے کو بدل دیا جائے اور اس کے سوچنے کے انداز کو بھی کسی حد تک تبدیل کردیا جائے جو مخالفانہ خیالات سے وابستہ ہو جائیں اور جو وابستہ ہوں وہ مخالفانہ ہو جائیں۔

ان معلومات نے میری پریشانیوں میں اضافہ کردیا۔ مرجانہ نادانی سے ایسے ہاتھوں میں چلی گئی تھی جہاں سے میں اسے واپس نہیں لاسکتا تھا۔ اب وہ واپس آتی تو بھی ہماری اپنی نہیں رہے گی۔ یہ بہت بڑا المیہ تھا۔ اس کی امی سنیں گی تو بے چاری پر کیا گزرے گی۔

مشکل یہ تھی کہ میں جلال بیگ سے بھی کوئی کام نہیں لے سکتا تھا کیونکہ وہ قید میں تھا۔ اگر میں اسے وہاں سے فرار کرادیتا تب بھی اس کی رسائی اس کمرے تک نہ ہوتی جہاں مرجانہ تھی۔ یقیناً اس کمرے کے چاروں طرف ایسے حفاظتی انتظامات کیے گئے ہوں گے کہ میری ٹیلی پیتھی کی لہریں بھی وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔

میں نے اپنی سوچ کی لہروں کو سونیا کے پاس پہنچا دیا۔ وہ چونک گئی۔ اس نے اپنی سانس روک لی۔ مگر دوسرے ہی لمحے سانس لے کر میری سوچ کی لہروں کو قبول کرلیا۔ اس وقت وہ رو رہی تھی میں نے پوچھا "کیا بات ہے۔ کیوں رو رہی ہو؟"

"کیا مرجانہ کے انجام پر مجھے خوش ہونا چاہیے؟ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے ساتھ ایسا ہوگا۔ اب کیا ہوگا فرہاد؟"

"سونیا! تم یہ نہیں سوچ سکتی تھیں کہ مرجانہ کے ساتھ ایسا ہو گا پھر تم کیا سوچ رہی تھیں؟"

سونیا نے چونک کر پوچھا "کیا مطلب، تمھارے اس سوال کا مطلب کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، میں پھر اپنا وہی سوال دہراتا ہوں۔ تم سچ سچ بتاؤ مرجانہ کو ہماری شادی کی خبر کس نے دی؟"

"دیکھو فرہاد! تم پھر مجھ پر شبہ کررہے ہو۔ خود تم نے مجھے بتایا ہے کہ کسی پراسرار شخص نے ٹیلیفون پر مرجانہ کو اطلاع دی تھی۔"

"لیکن اس پراسرار شخص کو کس نے بتایا؟"

"میں نہیں جانتی۔ مجھ سے فضول سوال نہ کرو۔"

"نہیں کروں گا بشرطیکہ تم میری بات مان لو اور صرف ایک گھنٹے کے لیے اپنے دماغ کو آزاد چھوڑ دو۔"

"میں ایسا نہیں کروں گی۔ تم ناراض ہوتے ہو تو ہوتے رہو۔"

"جب تک ثبوت نہیں ملتا میں کسی پر ناراض نہیں ہوسکتا مگر یاد رکھو اگر کبھی مجھ پر یہ ظاہر ہوگیا کہ ہماری شادی کی خبر تمھارے ذریعے دشمنوں تک پہنچی جنھوں نے اُسے مرجانہ تک پہنچا دیا جس کی وجہ سے مرجانہ اس حال کو پہنچ رہی ہے تو پھر میں تم سے صرف ناراض نہیں ہوں گا بلکہ تم سے ــــــ"

میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ سونیا نے کہا "ہاں آگے کہو۔ مجھ سے رشتہ توڑ دو گے تو کیا اپنے بچے سے بھی رشتہ توڑ دو گے؟ کیا تمھیں اسی بات کا غصہ ہے کہ تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو، بچے کو اپنی طاقت بنا کر میرے ساتھ ایسی سازشیں کرو گی تو کیا میں تم سے خوش رہوں گا؟"

"تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہو، خواہ مخواہ مجھ پر شبہ کر رہے ہو۔ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔"

میں اس سے رخصت ہو کر سونیا کے پاس پہنچا۔ اسے تمام حالات بتائے۔ سونیا نے بھی دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ وہ بولی "فرہاد! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہماری شادی ہو رہی ہے یا مرجانہ کی بربادی۔ مرجانہ کی امی کا کیا حال ہوگا؟"

"اب جو کچھ بھی ہو۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ تم اس کی امی کے پاس جاؤ اور انھیں نرمی سے ساری باتیں بتا کر سمجھانے کی کوشش کرو کہ وہ ان حالات میں صبر کریں اور اپنی بیٹی کی واپسی کا انتظار کریں۔ وہ ہماری شادی رکوانے کے لیے یہاں ضرور پہنچے گی۔"

"فرہاد میں چاہتی ہوں کہ ابھی شادی کا پروگرام منسوخ ہو جائے دیکھو حالات ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔"

"سونیا! ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ میری بہن کی خواہش ہے اور یہ خواہش ہر حال میں پوری ہوگی۔ ہمارا نکاح ضرور ہوگا۔ خواہ دشمنوں کی لاشوں پر بیٹھ کر پڑھایا جائے۔ تم جاکر سائرہ بانو کو سمجھاؤ۔ میرے فلائیٹ کا وقت ہوگیا ہے۔ میں اب روانہ ہونے والا ہوں۔ شاہینہ کو یہ خوشخبری سنا دو۔"

سونیا نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "ایک المناک خبر ہے جو مجھے آنٹی سائرہ بانو کو سنانی ہے۔ ایک خوشخبری ہے جو شاہینہ کے لیے ہے۔ فرہاد! میں اس وقت کس مقام پر کھڑی ہوں؟"

"زندگی میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں۔ مجبوری ہے ہمیں ان حالات سے بھی گزرنا ہی ہے۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کردیا۔ اپنی چھوٹی سی اٹیچی اٹھائی اور فلیٹ سے باہر آکر ایک ٹیکسی میں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ میں نے بھونددچمار کی خبر لی۔ ان کی طرف سے بھی یہ اندیشہ تھا کہ کہیں اس پتلے کو غور سے دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کے کمر سے بندھے ہوئے بال بدل دیے گئے ہیں۔

وہ اس بات سے بے خبر تھا اور جلتی ہوئی آگ کے سامنے بیٹھا ماش پر منتر پڑھ پڑھ کر اسے آگ میں ڈالتا جا رہا تھا۔ اس کے سامنے چند ماش کے دانے رہ گئے تھے۔ وہ جلد ہی ختم ہونے والے تھے۔ میں ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ وہاں وہی میک اپ مین نظر آیا۔ اس نے سامان کی رسیدی۔ پانچ بجنے والے تھے۔ اعلان ہو رہا تھا کہ مسافروں کو طیارے میں پہنچ جانا چاہیے۔

میں میک اپ مین سے رخصت ہو کر طیارے کی طرف چل دیا۔

طیارے میں اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھ کر میں نے دوبارہ بھوندو چمار سے رابطہ قائم کیا۔ ماش کا آخری دانہ بھوندو چمار کی چٹکی میں تھا۔ اس نے منتر پڑھ کر اسے بھی آگ میں پھینکنا چاہا لیکن وہ آگ میں جانے کے بجائے فضا میں معلق ہو گیا۔ بھوندو چمار آگ کے پاس جا کر اسے دیکھنے لگا۔ دانہ اڑتا ہوا اس دیوار کی طرف گیا جہاں دنیا کا بہت بڑا نقشہ لٹکا ہوا تھا اور لندن کی جگہ جا کر چپک گیا۔ بھوندو چمار خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بلی کو اٹھا کر نقشے کے پاس لایا اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولا "دیکھ، دیکھ چمکیلی! دیکھ فرہاد لندن میں ہے۔ ہم وہیں جائیں گے۔"

اس کا جادو اس کی صحیح رہنمائی کر رہا تھا۔ اس وقت میں لندن میں ہی تھا۔ تھوڑی دیر بعد طیارے نے پرواز کی اور لندن کی زمین کو چھوڑ کر فضا میں بلند ہونے لگا۔ بھوندو چمار اب اس نقشے کے سامنے نہیں تھا۔ چمکیلی کو لے کر جھونپڑی سے باہر نکل گیا تھا وہ اپنے صاحب لوگوں کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ فرہاد لندن میں ہے اگر وہ واپس آ کر نقشے کی طرف دیکھتا تو شاید ماش کا دانہ اب لندن سے چپکا ہوا نظر نہ آتا۔

میں نے بھوندو چمار کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ چمکیلی اس کے کاندھے پر بیٹھی تھی اور وہ کہہ رہا تھا: "چمکیلی! فکر نہ کر۔ اب فرہاد کا پتہ چل گیا ہے۔ سامی ضرور فرہاد کے پاس ہو گی تجھے اس کا جسم ضرور ملے گا۔"

میں طیارے کی کھڑکی سے باہر بادلوں کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا، کیا سامی واقعی بلی کے جسم سے آزاد ہو کر کسی دوشیزہ کا جسم اختیار کر چکی ہے۔ بھوندو چمار اور چمکیلی کے جادو نے بیشک بہت سے کمالات دکھائے تھے۔ کیا ان کی یہ بات بھی درست ہو گی لیکن کیسے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ سامی میرے پاس ہے لیکن سامی میرے پاس نہیں ہے۔ پھر وہ کہاں ہے؟

میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ ایک حسین دوشیزہ ایئر ہوسٹس کے لباس میں چلی آ رہی تھی۔ مجھ سے نظریں ملیں تو وہ مسکراتی ہوئی میرے پاس سے گزر گئی۔ میں نے سوچا اگر ان کے کہنے کے مطابق سامی میرے پاس ہے تو اسے بھی میرے ساتھ اس طیارے میں ہونا چاہیے تھا۔

مجھے خیال آیا کہ اٹھ کر ان تمام حسین دوشیزاؤں کو دیکھوں جو اس وقت طیارے میں سفر کر رہی تھیں۔ شاید ان میں سے کوئی سامی ہو لیکن یہ سراسر احمقانہ خیال تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہمسفر نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا: "ویل مسٹر! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ کوئی عمدہ لطیفہ ہو تو مجھے بھی سنائیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "اس سے بڑا لطیفہ اور کیا ہو گا کہ کسی لطیفے کے بغیر ہی کوئی شخص ہنس دے۔"

"مسٹر! آپ تو فلسفی معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے کہا: "بائی دی وے، آپ جادو پر یقین رکھتے ہیں؟"

وہ ہنسنے لگا۔ میں نے پوچھا: "کیا کوئی لطیفہ یاد آ گیا؟"

اس نے بدستور ہنستے ہوئے کہا: "مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ آپ ایک جادوگر سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ جادو پر یقین رکھتا ہے یا نہیں، مسٹر! میں میجک ڈاکٹر ہوں۔"

میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میرا نام بشیر احمد ہے میں لاہور پاکستان جا رہا ہوں۔"

اس نے جواباً مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "مجھے پروفیسر اوڈیلو چیمپین کہتے ہیں۔ نام تو میرا صرف اوڈیلو ہے چونکہ میں جادو کے کمال دکھانے کے کئی مقابلے جیت چکا ہوں۔ اس لیے چیمپین کہلاتا ہوں۔ میرے موکل مجھے پروفیسر کہتے ہیں۔ اس طرح میں پروفیسر اوڈیلو چیمپین بن گیا ہوں۔"

میں نے پوچھا: "کیا آپ بھی مشرق ہی کے کسی ملک جا رہے ہیں؟"

"نہیں میں اٹلی جا رہا ہوں۔ اب آپ پوچھیں گے کہ وہاں کیوں جا رہا ہوں تو سنیے۔ میں نے ایک بہت بڑا چیلنج قبول کیا ہے۔ ایک بہت ہی حیرت انگیز جادو کا توڑ کرنے جا رہا ہوں۔"

میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا: "وہ جادو کیسا ہے جس کا توڑ آپ کرنے والے ہیں؟"

اس نے کہا: "آپ لندن سے آ رہے ہیں۔ یقیناً پرسوں کا کوئی اخبار آپ نے پڑھا ہو گا۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "پرسوں میں بہت مصروف تھا۔ اخبار نہیں پڑھ سکا۔"

"پھر تو آپ نے کچھ نہیں پڑھا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور ایک اخبار نکال کر کھولتے ہوئے کہا: "یہ دیکھیے۔"

اس نے اخبار کی ایک تصویر میرے سامنے کر دی۔ وہ ایک حسین دوشیزہ کی تصویر تھی لیکن ذرا دھندلی تھی۔ چہرہ واضح نہیں تھا۔ لیکن اس دھندلی تصویر سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بے حد حسین دوشیزہ ہے۔

میں نے پوچھا: "اس تصویر میں کیا بات ہے؟"

وہ تصویر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا: "یہی تو خاص بات ہے۔ یہ آپ کو یقیناً لڑکی نظر آ رہی ہو گی۔"

میں نے حیرانی سے اسے دیکھا: "یہ لڑکی ہی تو ہے جو بھی اسے دیکھے گا لڑکی ہی کہے گا۔"

وہ فخریہ انداز میں یوں مسکرایا جیسے مجھے احمق سمجھ رہا ہو۔ اس نے کہا: "آپ یقین نہیں کریں گے یہ لڑکی نہیں بلی ہے۔"

"کیا؟" میں ایک دم سے سیدھا ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اور اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر غور سے دیکھنے لگا۔ کاش اس تصویر والی دوشیزہ کا چہرہ واضح ہوتا۔ اگر آنکھیں صاف طور پر نظر آتیں تو میں ابھی اس بلی تک پہنچ کر اس کی حقیقت معلوم کر لیتا۔

تصویر کے نیچے لکھا تھا۔ "یہ ایک نوعمر لڑکی ہے جو دنیا کی کوئی زبان نہیں جانتی اور میاؤں میاؤں کے سوا کچھ نہیں بول سکتی۔"

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ سامی کی دھندلی سی تصویر نظروں کے سامنے آ گئی۔ پھر وہ بلی بھی نظروں میں گھومنے لگی جو ایک عرصے تک میرے ساتھ رہی تھی۔ اگر میں اسے پیرس کے ماسٹر کے حوالے کر کے خود جنگلوں میں بھٹکنے کے لیے نہ نکل جاتا تو وہ میرے ہی پاس ہوتی۔

میں پھر اس اشتہاری مضمون کو پڑھنے لگا۔ لکھا تھا "ہم نے اس لڑکی کا طبی معائنہ کرایا۔ اس کے سر کا ایکسرے حاصل کیا۔ ڈاکٹروں نے اس کی دماغی کمزوریوں کو پانے کی کوشش کی لیکن کوئی کمزوری نظر نہیں آئی لہٰذا ہر دماغی حالت صحیح ہے لیکن یہ انسانوں کی طرح سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے سے قاصر ہے پھر ہم نے ماہرین نفسیات کی خدمات حاصل کیں لیکن کوئی بھی اس کا ذہنی تجزیہ نہ کر سکا۔ آخر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شاید یہ لڑکی کسی کالے جادو کے زیر اثر ہے اس لیے ہم اس سلسلے میں بڑے بڑے تجربے کار جادوگروں کی توجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو بھی جادوگر اس لڑکی کو کالے جادو کے عمل سے نجات دلا سکے گا اسے ہم دس ہزار ڈالر انعام کے طور پر دیں گے۔"

اس اشتہاری مضمون کے نیچے پتہ لکھا ہوا تھا۔ پروفیسر اوڈیلو چیمپین نے کہا: "دیکھا، دس ہزار ڈالر انعام رکھا گیا ہے۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں ہے اور میں اتنی بڑی رقم کو جیب میں سجا کر حاصل کروں گا۔ میں معلوم کروں گا کہ اس پر کس نے جادو کیا ہے اور اس جادو کا توڑ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ میرے سامنے فر فر بولنے لگے گی۔ بلی کی میاؤں میاؤں بھول جائے گی۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لڑکی کیا بچپن سے میاؤں، میاؤں کرتی رہی ہے؟ اگر بچپن سے ایسا کرتی ہے تو پھر اب جوانی میں اس کے متعلقین اس کے لیے پریشان کیوں ہیں؟ اور اب اس کے لیے دس ہزار ڈالر کیوں خرچ کر رہے ہیں؟"

"اس میں یہ تو نہیں لکھا ہے کہ یہ لڑکی بچپن سے ایسا کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے جوانی میں اس پر جادو کیا گیا ہو۔"

"تو اس کے متعلقین بھی نہیں جانتے کہ کالا جادو کیا گیا ہے یا وہ آپ ہی آپ انسان سے بلی بن کر میاؤں میاؤں کرنے لگی ہے۔"

اوڈیلو نے کہا: "یہ وہی لوگ جانیں کہ اصل قصہ کیا ہے۔ وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہو گا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔"

میرے دل کی عجیب حالت تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اپنا سفر ملتوی کر دوں اور اٹلی پہنچ کر اس لڑکی کے متعلق معلومات حاصل کر لوں۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ یہ لڑکی کن لوگوں کے پاس تھی۔ یہ تو ظاہر تھا کہ وہ جن لوگوں کے پاس تھی۔ وہ خود اس کے متعلق زیادہ نہیں جانتے تھے۔ اگر وہ انھیں پیرس یا فرانس کے کسی دوسرے علاقے سے ملی تھی تو یقیناً وہ سامی ہو گی مگر اس کی تصدیق کیسے ہو گی کہ سامی ہی ہے؟ کوئی ضروری تو نہیں کہ میاؤں، میاؤں کرنے والی لڑکی سامی ہی ہو۔ سامی کے چہرے کے تمام نقوش میرے ذہن سے مٹ چکے تھے۔ پھر بھی مجھے یقین تھا اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو بھولی ہوئی تمام باتیں یاد آ جائیں گی۔ اس کے چہرے کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں تازہ ہو جائے گا۔

مجھے ماضی کا ایک واقعہ یاد آیا۔ جب چھمیا نے سامی کے جسم پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ وہ بھارتی فوج کے نرغے میں تھی اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ سامی اس جنگل کے کمشنر جان پوکر کی لڑکی ہی ہے یا کوئی اور ہے۔

سامی کے ڈیڈی جان پوکر اپنی بیٹی کی شناخت کے لیے آئے تھے۔ چونکہ چھمیا سامی کے اندر سمائی ہوئی تھی اس لیے وہ جان پوکر کو اپنا باپ تسلیم کرنے سے انکار کر رہی تھی۔ تب ایک فوجی آفیسر نے جان پوکر سے کہا تھا کہ آپ اپنی بیٹی کی کوئی ایسی نشانی بتائیں جس سے تصدیق ہو سکے کہ یہ آپ کی بیٹی سامی ہے۔ جان پوکر نے بتایا تھا کہ اس کی بیٹی کی کمر پر بائیں جانب ایک سیاہ تل ہے۔

میں ماضی کی باتیں یاد کر رہا تھا اور مجھے سامی کی ایک نشانی یاد آ گئی تھی۔ اسی وقت طیارے میں اعلان ہونے لگا کہ اب ہم اٹلی کے شہر روم پہنچ رہے ہیں۔ سب لوگ سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔"

میں نے بیلٹ کستے ہوئے سفر ملتوی کرنے کے بارے میں سوچا لیکن فوراً ہی میری نگاہوں کے سامنے شاہینہ کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں ساری دنیا سے منہ موڑ کر سامی کے لیے روم میں ٹھہر جاتا لیکن اپنی بہن کو مایوس نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بڑی آس لیے بیٹھی خوشیاں منا رہی تھی۔ اگر میں سوچ کے ذریعے اسے بتا دیتا کہ کسی مجبوری کے تحت سفر ملتوی ہو گیا ہے

تو وہ رونا شروع کر دیتی اور میں اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے اپنے آپ کو سمجھایا جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ روم میں ایک ایسی لڑکی موجود ہے جو صرف بلی کی بولی بولتی ہے۔ لہٰذا میرا روم جانا ضروری تو نہیں۔ پروفیسر اوٹیلو جیمیئن وہاں جا ہی رہا ہے۔ میں اس کے ذریعے ان تمام لوگوں کے دماغوں میں پہنچ سکتا ہوں جن کی پناہ میں وہ لڑکی ہے۔ اس طرح اس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرنے کے علاوہ کسی عورت کے ذریعے اس کی کمر پر تل دیکھ لوں گا اگر وہ سامی ہی ہے تو سونیا سے شادی کر کے بہن کی خوشیاں پوری کرنے کے بعد اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

سامی میری پہلی محبت تھی۔ دل کو اطمینان نہیں تھا عجیب سا لگ رہا تھا کہ اپنی بچھڑی ہوئی محبت کو روم میں چھوڑ کر آگے نکل جاؤں لیکن دل کی بات کو دماغ پر ترجیح دینے کے بجائے دل پر جبر کر کے آگے بڑھ جانا ہی مناسب معلوم ہوا۔

طیارہ روم سے پرواز کرنے لگا تو مجھے اپنے دماغ میں اجنبی سوچ کی لہریں محسوس ہوئیں میں نے فوراً ہی سانس روک لی۔ وہ لہریں واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد میں نے آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے پوچھا "رسونتی کیا تم ہو؟"

"ہاں، میں ہی ہوں۔ کہو سفر جاری ہے؟"

"ہاں، میں لاہور جا رہا ہوں۔"

وہ بولی "میری سوچ کی لہروں نے مرجانہ کے دماغ کو چھو لیا ہے۔ دماغ تو موجود ہے لیکن اس میں کوئی سوچ نہیں ہے شاید اس پر طویل بے ہوشی طاری ہے؟"

"ٹھہرو، ذرا میں بھی دیکھ لوں۔"

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر محسوس کیا وہاں ہلکی ہلکی سرسراہٹ تھی ہم اس کے دماغ میں پہنچ تو سکتے تھے مگر وہاں ویرانی اور سناٹا تھا میں نے واپس آ کر رسونتی سے کہا "ہاں، وہ زندہ ہے یقیناً برین واشنگ کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔"

"میں مرجانہ کے دماغ میں جھانکتی رہتی ہوں۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ برین واشنگ کب اور کیسے ہوتی ہے۔"

"اچھا ہے تمہیں معلومات بھی ہوں گی اور یہ بھی پتہ چلے گا کہ برین واش کرنے کے بعد وہ لوگ کس قسم کے خیالات اور نظریات مرجانہ کے دماغ میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھتی ہوں وہ کٹر صیہونی لڑکی بن کر سامنے آئے گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو بڑے افسوس کی بات ہوگی۔"

"عجیب مذاق ہے۔ اُدھر تم سونیا کو مسلمان بنا رہے ہو اِدھر ایک مسلمان لڑکی یہودی بنائی جا رہی ہے کیا تماشہ ہے؟"

"یہ سب کچھ مرجانہ کی بے جا ضد اور نادانی کی وجہ سے ہو رہا ہے ٹھیک ہے ابھی تو اس سے سامنا ہوگا میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کا برین واش کر دوں گا اور پھر اسے اپنی طرف مائل کر لوں گا۔"

"بھول جاؤ۔ فرہاد! جب تم ابھی اسے اپنی طرف مائل نہ کر سکے اور دشمنوں نے پے در پے ایسے حالات پیدا کر دیے جو اسے تمہارے خلاف بھڑکانے کے لیے بہت زیادہ تھے تو آئندہ کیا کر سکو گے جبکہ اس کی پچھلی سوچیں ختم ہو رہی ہیں۔ اس کا لب و لہجہ بدل رہا ہے۔ اس کا مزاج، اس کا ذہن بدل رہا ہے۔ اب اس کے دماغ میں پہنچنے کا راستہ کہاں ملے گا؟"

"تم جانتی ہو میں ہمت ہارنا نہیں جانتا میرا ایک راستہ روکا جائے تو میں دوسرے کئی راستے ڈھونڈ نکالتا ہوں میں مایوس ہونا نہیں جانتا۔"

"اچھی بات ہے۔ یہ بتاؤ اس جادوگرنی جمکیلی کا کیا ہوا؟"

میں نے رسونتی کو بتایا کہ جب میں لندن سے روانہ ہو رہا تھا تو اس وقت بھوندو چمار کے منتر کا جاپ ختم ہو گیا تھا اور ماش کا آخری دانہ نقشے میں لندن کے نشان پر جا کر چپک گیا تھا۔

رسونتی حیرانی سے ساری باتیں سن رہی تھی پھر اس نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جادو ان کی صحیح رہنمائی کر رہا ہے۔"

"ہاں، ابھی مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ روم میں ایک ایسی نوجوان لڑکی ہے۔ جو انسانی زبان نہیں جانتی۔ صرف بلی کی طرح بولتی اور ویسی ہی حرکتیں کرتی ہے۔"

"اس کا مطلب کیا ہوا؟ کیا وہ سامی ہو سکتی ہے؟"

"پتہ نہیں، ایک وچ ڈاکٹر میرا ہمسفر تھا۔ وہ سامی کے سلسلے میں ہی روم گیا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس پر کالے جادو کا اثر ہے یا نہیں۔ میں اس وچ ڈاکٹر کے ذریعے اس تک پہنچ کر معلوم کروں گا۔"

"فرہاد! مجھے اس وچ ڈاکٹر تک پہنچا دو۔ میں بھی تمہاری غیر موجودگی میں اس کے دماغ کو ٹٹولتی رہوں گی۔ شاید میں سامی کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں۔"

"ٹھیک ہے میں اس کے دماغ میں پہنچتا ہوں۔ اس کا نام پروفیسر اوٹیلو جیمیئن ہے۔"

یہ کہہ کر میں اوٹیلو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک ہوٹل کے کمرے میں اپنا سامان درست کر رہا تھا۔ اس کی سوچ کو رسونتی نے اپنی گرفت میں لے کر کہا "ٹھیک ہے، فرہاد! میں اب اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک باتیں کرتی رہی۔ پھر رخصت ہو گئی۔ رات کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا میں کھانے کے دوران ڈیڈ جمال کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بہت پریشان تھا میں نے اسے تسلیاں دیں وہ کہنے لگا "جناب! اب مرجانہ کا کیا ہوگا؟ وہ تو ہمارے لیے بالکل ہی اجنبی ہو جائے گی۔"

اب تو جو بھی نہ ہو جائے کم ہے مرجانہ کے والد مرحوم بظاہر ایک روایتی قسم کے نواب تھے جن کے پاس معمولی سی دولت تھی لیکن خفیہ دولت کا علم بہت کم لوگوں کو تھا۔ پیرس میں جب نواب سلامت علی سائرہ بانو کے ساتھ مقیم ہوئے اور اپنی خفیہ دولت وہاں منتقل کی تو یورپ کے بڑے بڑے دولت مندوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ ان کے پاس ایسے ایسے نادر ہیرے جواہرات تھے جن کی مالیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہودی بہت دولت مند کہلاتے ہیں لیکن ان میں صف اول کے جو دولت مند ہیں۔ ان میں بھی اب سائرہ بانو سرفہرست ہوں گی۔ کتنے ہی لوگ ان کے خفیہ خزانے کو دیکھ کر اس کی مالیت کا اندازہ لگانے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اب مرجانہ ان کی مٹھی میں آ گئی ہے۔ وہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق اس کا دماغ واش کریں گے جب وہ ہمارے سامنے آئے گی تو یہودیوں کی وفادار ہوگی اور اسی وفاداری میں وہ اپنے باپ کی یہ دولت ان کے حوالے کر دے گی۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہیں اور اس کے لیے سائرہ بانو اور ہم سب کو پریشان کرتے رہے ہیں۔ اب یہ مرحلہ ان کے لیے آسان ہو گیا ہے۔"

"فرہاد صاحب! کیا آپ کچھ نہیں کر سکتے؟"

"میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھتا رہتا ہوں۔ اس کا دماغ سوچ سے خالی ہے۔ وہ ایک ایسے عالم میں ہے جب انسان خوابوں سے، خیالوں سے اور دنیا کی ہر چیز سے غافل ہوتا ہے۔ میری اور سونیا کی سوچ کی لہریں اس کے دماغ سے واپس آ چکی ہیں۔ ہم نہ تو اسے مخاطب کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی سوچ سے اسے متاثر کر سکتے ہیں۔"

"آپ بڑی دیر تک مرجانہ کو نظر انداز کرتے رہے تھے۔ جب ہم قید میں تھے اس وقت آپ کیوں نہیں آئے؟"

"میں آپ لوگوں کے پاس موجود تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ وہ مجھے دشمن سمجھ رہی تھی۔ اس وقت میں جتنا بھی اسے یقین دلانے کی کوشش کرتا۔ وہ یقین نہیں کرتی۔"

ڈیڈ جمال نے تائید میں سر ہلا کر کہا "آپ درست فرماتے ہیں۔ وہ مجھے بھی آپ کی حمایت میں نہیں بولنے دیتی تھی۔ تعجب ہے اچانک ہی دشمن بن گئی تھی۔ میں پریشان ہوں۔ سائرہ بانو سے سامنا ہوگا تو ان سے کیسے کہوں گا کہ میں ان کی بیٹی کی حفاظت نہ کر سکا۔"

"ہم سب پریشان اور شرمندہ ہیں۔ میں نے سونیا سے کہا ہے۔ وہ سائرہ بانو کو تمام حالات سے آگاہ کرے۔ اور انہیں ہماری مجبوریوں کا احساس دلائے تاکہ ہم ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔"

"بہرحال کچھ بھی ہو میں یہاں مرجانہ کا انتظار کرتا رہوں گا۔ وہ لوگ مجھے لاہور بھیجنا چاہتے تھے۔ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ مرجانہ کو ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔ زبردستی کی گئی تو راستے میں اپنی جان دے دوں گا۔ لیکن خالی ہاتھ سائرہ بانو کا سامنا نہیں کروں گا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ ہم آپ کو شرمندگی سے بچا لیں گے۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ کھانا بھی ختم ہو چکا تھا میں نے سونیا کے پاس جا کر پوچھا "کیا سائرہ بانو کو سب کچھ بتا دیا ہے؟"

"ہاں، وہ بہت رو رہی ہیں۔"

"رونے کی تو بات ہی ہے۔ بہرحال آہستہ آہستہ انہیں صبر آ جائے گا۔"

"جب تک وہ مرجانہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گی اس وقت تک صبر نہیں آئے گا۔ وہ سوچتی ہیں کہ دشمن اسے جانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں میں نے سمجھایا کہ دشمنوں کو اگر جانی نقصان پہنچانا ہوتا تو پہلے ہی ایسا کر چکے ہوتے لیکن وہ کبھی بیٹی کو گرفت میں لے کر اور کبھی دوسرے ہتھکنڈوں سے سائرہ بانو کو مجبور کرتے رہے کہ وہ انہیں خزانوں تک پہنچا دیں لہٰذا جب تک سائرہ بانو کے دماغ میں خزانے کا راستہ پوشیدہ ہے اس وقت تک وہ مرجانہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ لیکن ان کے ساتھ کئی گھنٹے گزارنے اور تسلیاں دینے کے بعد جب میں واپس آئی تب بھی وہ رو رہی تھیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

اس سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ اپنے تمام لوگوں کی خیریت معلوم ہو گئی تھی۔ اب میں سونے سے پہلے ایک بار جلال بیگ کی خبر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسے کوشش کرنا ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ تمام تر کوشش کے باوجود میں اس کے دماغ میں پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا وہاں بھی مکمل ویرانی اور سناٹا تھا۔ وہ بھی مرجانہ کی طرح بے حس ہو گیا تھا۔ اس کا دماغ کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ نہ وہ کچھ سوچ سکتا تھا نہ میری سوچ کی لہروں سے متاثر ہو سکتا تھا۔

چند گھنٹے قبل میں نے اُسے اچھا خاصا چھوڑا تھا۔ اس کا دماغ خود بخود ناکارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ناکارہ بنایا گیا تھا مگر کیوں؟ وہ لوگ تو اسے گولی مار کر قصہ ہی ختم کر دینا چاہتے تھے

پھر اس کے دماغ میں ایسا اندھیرا کیوں کر دیا کہ میری ٹیلی پیتھی کی روشنی وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

میں یہودیوں کے اس نمائندے کے پاس پہنچ گیا جو مرجانہ سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو چپ چاپ ٹٹولا۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ جب تک جلال بیگ کے سلسلے میں اس بات کی تصدیق نہیں ہوئی تھی کہ فرہاد اسے اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ اس وقت تک یہی تاثر دیا جا رہا تھا کہ جلال بیگ کو یا تو پاگل خانے بھیج دیا جائے گا یا پھر اُسے بالکل ہی ناکارہ سمجھ کر گولی مار دی جائے گی۔ تاکہ فرہاد اس کے دماغ سے کچھ حاصل نہ کر سکے۔

میں نے اس نمائندے کی سوچ میں سوال کیا "ایسا تاثر کیوں اور کیسے دیا جا رہا تھا؟"

نمائندے کی سوچ نے کہا "دراصل فرہاد کو ہی یہ سمجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر فرہاد جلال بیگ کے دماغ میں موجود رہتا ہے تو وہ ہمارے فیصلوں کو بھی سنے گا اور یہی ہوا ایک مقام پر وہ مرجانہ سے جلال بیگ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے دماغ میں ظاہر ہو گیا۔"

میں نے اس کی سوچ سے کہا "لہٰذا اس کے دماغ کو ناکارہ بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ فرہاد اب اُسے گرفت میں نہ لے سکے۔"

اس کی سوچ نے جواب دیا "صرف ناکارہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ اس کے برین کو بھی واش کیا جائے گا۔ اس کے لب و لہجے کو بدل دیا جائے گا۔ جلال بیگ یہودی تنظیم کا بہت ہی قابل اور وفادار ممبر ہے۔ کاہال تنظیم کے لوگ کبھی اسے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ اسی لیے اس کے برین کو اس حد تک واش کیا جائے گا کہ اس کا لب و لہجہ بدل جائے، اس کے مزاج میں کچھ تبدیلی آ جائے، سوچ کا انداز بدل جائے۔ لیکن اس کی صلاحیتیں متاثر نہ ہوں۔"

میں نے اس کے دماغ سے تمام باتیں معلوم کرنے کے بعد اس کی سوچ میں کہا "فرہاد تو میرے دماغ میں بھی پہنچ چکا ہے۔ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

اس کی سوچ نے کہا "میرے ساتھ بھلا کیا ہو گا۔ میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ کاہال تنظیم کے لوگ مجھے اتنی ہی باتیں بتلاتے ہیں جتنی فرہاد میرے دماغ سے معلوم کر سکے اور مجھے اسی لیے یہاں روکا گیا ہے کہ جب مرجانہ برین واشنگ کے بعد سامنے . . . آئے گی تو فرہاد اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکے گا۔ میرے ہی دماغ سے معلوم کر سکے گا کہ مرجانہ کی واپسی ہو چکی ہے اور اب وہ ایک نئے انداز میں اس کے مقابل آئے گی اور جلال بیگ کے متعلق بھی فرہاد میرے ہی دماغ سے معلومات حاصل کر سکے گا۔ مجھے تو محض آلۂ کار بنا کر یہاں رکھا گیا ہے۔ شاید یہ لوگ جانتے ہیں کہ فرہاد مجھ جیسے لوگوں کو جانی نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ ہم جیسے لوگوں سے تو اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ ہی نقصان پہنچتا ہے۔"

میں اس کے دماغ سے واپس آ کر طیارے میں حاضر ہو گیا۔ بہت سے مسافر اونگھ رہے تھے۔ کچھ سوچ رہے تھے۔ کچھ ابھی تک جاگ رہے تھے۔ میں نے سونے سے پہلے سوچا آج اپنے دماغ کو کس طرح ہدایات دوں کیونکہ میں کسی بند کمرے میں نہیں تھا، آگے پیچھے بہت سے مسافر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اٹھ کر باتھ روم کی طرف جا سکتا تھا۔ ایئر ہوسٹس وغیرہ کا بھی آنا جانا تھا۔ میں دماغ کو یہ ہدایت نہیں دے سکتا تھا کہ کسی کی نقل و حرکت سے میری آنکھ کھل جائے۔ چنانچہ میں نے سونے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کسی پُراسرار شخص نے مرجانہ کو میرے خلاف بھڑکانے کے لیے یہ اطلاع دی تھی کہ میں کیوں لاہور جا رہا ہوں۔ [illegible] کی بات چھپانے کے باوجود ظاہر ہو گئی تھی۔ یقیناً وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس وقت میں کس طیارے سے سفر کر رہا ہوں۔ اگر انہوں نے میک اپ میں، مجھے نہیں پہچانا ہے۔ تو کسی وقت بھی پہچان سکتے تھے۔

جاگنے کے لیے خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھنا ضروری تھا اور میرے پاس خیال خوانی کی مصروفیات ہمیشہ رہتی تھیں۔ یہ ایک ایسا شغل تھا جو مجھے بیٹھے بیٹھے دور تک پہنچا دیتا تھا اور ٹی وی کے اسکرین پر اتنی دلچسپ فلمیں کبھی نظر نہیں آ سکتیں جتنی دلچسپ باتیں اور واقعات میرے دماغ کی اسکرین پر رونما ہوتے رہتے تھے۔ میں نے پروفیسر ڈبلیو چیمپئن کے دماغ میں جھانکنا شروع کر دیا۔

وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے خوابیدہ دماغ نے بتلایا کہ رات زیادہ ہو چکی تھی اس لیے اس نے دوسرے دن سویرے اس پتے پر جانے کا ارادہ کیا ہے جہاں اس بلی کی بولی بولنے والی لڑکی سے سامنا ہوتا لیکن میں کل صبح تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سو رہا تھا۔ میں جاگ رہا تھا اور مجھے جاگنے کے لیے کوئی مشغلہ چاہیے تھا۔

میں نے اس کے خوابیدہ دماغ کی اسکرین پر خواب دکھانا شروع کیا۔ خواب کے منظر میں ایک لڑکی کا دھندلا پیکر تھا۔ وہ لڑکی اپنے گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل زمین پر جھکی ہوئی میاؤں میاؤں کر رہی تھی۔

پھر وہ ہنسنے لگی اور انسانوں کی طرح بولنے لگی "پروفیسر! پروفیسر! تم سو رہے ہو اور میں تمہارے انتظار میں جاگ رہی ہوں۔ تم ہی مجھے کالے جادو سے نجات دلا سکتے ہو۔ جب تم مجھ پر عمل کرو گے تو میں سارا بھید کھول دوں گی اور تمہیں دس ہزار ڈالر انعام دلواؤں گی۔ آ جاؤ میرے پاس آ جاؤ۔"

پھر میں نے خواب کے منظر میں دکھایا کہ نوٹوں کی بارش ہو رہی ہے اسے انعام کے طور پر ڈھیر ساری دولت مل گئی ہے۔ فوراً ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خالی خالی آنکھوں سے ہوٹل کے کمرے کو دیکھنے لگا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ اوہ! میں تو خواب دیکھ رہا تھا۔ اور خواب تو خواب ہی ہوتا ہے۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے لیٹ کر دوبارہ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے بند آنکھوں کے پیچھے پھر وہی منظر دکھایا۔ لڑکی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی میاؤں میاؤں کرنے کے بعد انسانی زبان میں بولی "تم کیسے پروفیسر ہو۔ پھر سو گئے جبکہ میں تمہیں بلا رہی ہوں۔"

اس نے پھر آنکھیں کھول دیں۔ حیرانی سے نیم تاریک کمرے کو دیکھنے لگا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی نیلی روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں میاؤں، میاؤں کیا تو وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس کی نظروں کے سامنے دیوار کے پاس اس کا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر کوئی منتر پڑھتے ہوئے اپنے سوٹ کیس کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ اچانک وہ سوٹ کیس آپ ہی آپ کھل گیا۔ میں حیرانی سے اور دلچسپی سے اس کے دماغ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

سوٹ کیس کھلنے کے بعد اس نے ایک بار پھر کوئی منتر پڑھا تو سوٹ کیس میں سے ایک انسانی کھوپڑی برآمد ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ کر فضا میں معلق ہو گئی۔

اُس نے پھر منتر پڑھنا شروع کیا۔ چند لمحوں بعد میں نے اس کے دماغ سے گھنٹیوں کی آوازیں سنیں۔ بہت سی گھنٹیاں ایک ساتھ بج رہی تھیں۔ پھر ان آوازوں کے ساتھ ایک نسوانی قہقہہ بلند ہونے لگا۔ میں نے توجہ سے سنا۔ کوئی عورت کسی اجنبی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔

میں نے پروفیسر کے دماغ سے اس کا ترجمہ سنا۔ وہ کہہ رہی تھی "نہیں، یہ خواب نہیں ہے۔ خواب نہیں ہے۔"

پروفیسر نے پوچھا "پھر حقیقت ہے؟"

"نہیں حقیقت نہیں ہے۔ حقیقت نہیں ہے۔"

"جب خواب بھی نہیں ہے اور حقیقت بھی نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟"

"کوئی عامل ہے تیرے دماغ میں گھسا ہوا ہے۔"

"اسے پکڑو۔ مجھے بتاؤ وہ کون ہے۔"

"نہیں پکڑ سکتی۔ نہیں پکڑ سکتی۔ نہ وہ زمین پر ہے نہ آسمان پر ہے دونوں کے درمیان تیزی سے تیر رہا ہے۔ میں اُسے نہیں پکڑ سکتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ عامل چاہتا ہے کہ میں اس وقت اس لڑکی سے ملنے جاؤں۔ تبھی وہ لڑکی کے ذریعے مجھے بلا رہا ہے تو بتا۔ کیا مجھے اس وقت وہاں جانا چاہیے؟"

"میں تجھے یہاں آنے سے روکتی رہی۔ تجھے منع کیا۔ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ مگر تو یہاں تک چلا آیا۔"

"مجھ سے بحث نہ کر۔ اتنا بتلا دے۔ ابھی جانا چاہیے یا نہیں؟"

"نہ ابھی جانا چاہیے۔ نہ کبھی اور۔"

"آخر کیوں؟ کیا مجھے نقصان پہنچے گا؟"

"نہ نقصان پہنچے گا نہ فائدہ حاصل ہو گا۔"

پروفیسر نے غصے سے کہا "شیطان کی بچی! تو مجھے کبھی پوری بات نہیں بتاتی۔ جا بھاگ جا یہاں سے۔ میں تیرے باپ سے پوچھ لوں گا۔"

گھنٹیوں کی آوازیں دور ہوتے ہوتے آہستہ آہستہ ختم ہو گئیں۔ فضا میں معلق کھوپڑی دوبارہ سوٹ کیس کے اندر چلی گئی تھی اور سوٹ کیس بند ہو گیا۔

پروفیسر کے دماغ نے بتایا کہ اب وہ دوسرا منتر پڑھ کر شیطان کو بلائے گا۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک دوسری اٹیچی کھول کر لیٹر پیڈ اور قلم نکالا۔ اور ایک کاغذ پر لکھنے لگا۔

"ابے او شیطان کے چیلے! کیا منتر ہی پڑھتا رہے گا۔ منتر سے کچھ نہیں ہو گا۔ عمل کر عمل۔ جا، اس لڑکی کے پاس چلا جا۔ فقط تیرا باپ۔"

لکھنے کے بعد اس نے قلم وغیرہ کو اٹیچی میں بند کر دیا۔ پھر کاغذ کو لے کر اس سوٹ کیس کے پاس آیا۔ جس میں انسانی کھوپڑی اور جادو کے دوسرے آلات رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سوٹ کیس کو کھول کر کھوپڑی کو ایک ہاتھ میں لیا اور اس کھوپڑی کے کھلے ہوئے منہ میں لکھے ہوئے کاغذ کو لپیٹ کر گھسا دیا۔ کاغذ آدھا کھوپڑی کے منہ کے اندر تھا اور آدھا اس طرح باہر جیسے وہ کھوپڑی منہ میں سگار دبائے ہوئے ہو۔

اس نے کھوپڑی کو سوٹ کیس میں رکھ کے بند کر دیا۔ پھر واپس بستر پر آ کر اسی طرح بیٹھ گیا۔ اسی وقت میں نے اس کے دماغ کو آہستہ آہستہ آزاد چھوڑنا شروع کیا۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا ابھی وہ غافل کیسے ہو گیا تھا۔ پھر اُس نے سر کو جھٹک کر منتر پڑھنا شروع کیا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ وہ پہلے ایسا منتر پڑھ رہا ہے جس سے کھوپڑی آپ ہی آپ سوٹ کیس سے باہر نکل آئے۔

ایسا ہی ہوا۔ پہلے کی طرح وہ کھوپڑی پھر سوٹ کیس سے نکل کر فضا میں معلق ہو گئی۔ اس کے کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ابھی

وقت میں اس کے دماغ پر قابض ہوگیا اور اُسے مزید منتر پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے دیکھا کھوپڑی فضا میں معلق تھی۔ اور اس کے منہ میں کوئی کاغذ سگار کی طرح دبا ہوا تھا۔ اس نے پہلے تو حیران ہو کر اس منظر کو دیکھا۔ یقین نہیں آیا کہ آنکھ سے جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ سچ ہے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھوپڑی کے قریب گیا۔ غور سے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کاغذ کو اس کے منہ سے نکال کر کھولا اور پڑھنے لگا۔

اس کے لیے شدید حیرانی کا مقام تھا۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا شیطان نے تحریر کی صورت میں کبھی ایسا حکم نہیں دیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ حیران ہوگا پھر لڑکی کے پاس چلا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ پوری طرح منتر پڑھ کر شیطان سے باتیں کرنا چاہتا تھا معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

وہ پھر آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ کھوپڑی اسی طرح فضا میں معلق تھی۔ وہ منتر پڑھنے لگا۔ میں چپ چاپ تماشا دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس کے کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں اور ایک مردانہ قہقہہ سنائی دیا۔ یقیناً شیطان آ گیا تھا۔ پھر کوئی اجنبی زبان سنائی دی۔

پروفیسر کے دماغ نے ترجمہ کیا۔ کوئی کہہ رہا تھا "میری پوجا کرنے والے، میں تیرے سامنے حاضر ہوں۔"

پروفیسر نے کہا "میرے آقا، میں تیرا غلام ہوں۔ کیا یہ سچ ہے کہ کوئی عامل میرے دماغ میں گھسا ہوا ہے؟"

"ہاں، کوئی تیرے دماغ میں موجود ہے۔ اس وقت تو اکیلا نہیں ہے۔"

"کون ہے میرے دماغ میں۔ میرے آقا! اسے پکڑ کر سزا دو۔"

"میں اسے نہیں پکڑ سکتا۔ وہ زمین پر نہیں ہے۔ آسمان پر نہیں ہے۔ میری بیٹی نے تجھ سے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"تم باپ اور بیٹی مجھے دس ہزار ڈالر کمانے سے کیوں روک رہے ہو۔ اس لڑکی کے پاس جانے کیوں نہیں دیتے؟"

شیطان نے جواب دیا "ہم نے تجھے جانے سے نہیں روکا تو وہاں تک پہنچ گیا ہے۔ اب لڑکی کے پتے پر بھی چلے جانا مگر تجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

میں وہ باتیں سن رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا۔ میں نے پروفیسر کی زبان سے انگریزی میں کہا "آخر مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ لڑکی کے پاس جانے سے مجھے کچھ حاصل کیوں نہیں ہوگا؟"

جواب میں شیطان کی انگریزی سنائی دی "ہمیں آگے کا حال جس حد تک معلوم ہوتا ہے وہ ہم تجھے بتا دیتے ہیں۔"

شیطان کی انگریزی سنتے ہی میں فوراً اس کے دماغ میں پہنچ گیا وہ ایک ٹانگ پر کھڑا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ اس کی ایک ہی ٹانگ ہے۔ سچ ہے شیطان کی دوسری ٹانگ ہوتی تو وہ دوسرے راستے پر چلتا اور بدی کو چھوڑ دیتا۔

اس انگریز شیطان کے سامنے ایک الاؤ روشن تھا شعلے بلند ہو رہے تھے اور وہ ان شعلوں کو ایک آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ پتہ چلا اس کی ایک ہی آنکھ ہے۔ موٹے دایان کی بھی ایک ہی آنکھ ہے اور سنا ہے کہ دجال بھی ایک آنکھ رکھتا ہے۔ اگر اتفاق سے کوئی کانا نیک اور شریف ہے تو یہ خدا کی شان ہے۔

ہاں تو وہ کانا شیطان ایک آنکھ سے گھور کر دیکھتے ہوئے شعلوں کو گھورتا ہوا اپنے چیلے پروفیسر اوٹیلو چیمپئن سے گفتگو کر رہا تھا۔ لیونگ روم میں تھا۔ اور اس کا آقا لندن سے بہت دور کسی کھنڈر میں تھا۔ اس کے پاس اس کی بیٹی ایک گھاس کے بستر پر بیٹھی ہوئی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس کے دماغ سے پتہ چلا کہ پروفیسر اوٹیلو اس کا داماد یعنی اس کی بیٹی کا شوہر ہے۔ ایسے لوگ قانوناً قابل گرفت ہوتے ہیں۔ جو لوگ قانون کی نظروں میں آ جاتے ہیں وہ پولیس سے چھپتے پھرتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ باپ بیٹی شہر سے دور ایک کھنڈر میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ ان کا داماد پروفیسر اوٹیلو چیمپئن باقاعدہ شہر میں زندگی گزارتا تھا۔ سوسائٹی میں اس نے اپنی عزت بنا رکھی تھی۔ شعبدے بازی کے کمالات دکھاتا تھا۔ خود کو جادوگر ظاہر نہیں کرتا تھا۔ وہ قابل گرفت نہیں تھا۔

مجھے ان لوگوں کے ذاتی حالات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے اس لنگڑے اور کانے شیطان کے دماغ پر قبضہ کر کے اور اس کی زبان سے کہا "اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو ابھی اس لڑکی کے پاس جاؤ اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ ہو سکے تو فوراً واپس آؤ۔ میری بیٹی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے کانے شیطان کی زبان بند کر دی۔ اس کے دماغ پر قابض رہا تاکہ وہ کچھ کہہ نہ سکے۔ اگر اس کا دماغ آزاد ہوتا اور وہ منتر پڑھنے کے قابل ہوتا تو شاید میری ٹیلی پیتھی کی گرفت میں نہ آتا لیکن میں اسے منتر پڑھنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

ایک منٹ کے بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑا اب وہ حیران اور پریشان تھا۔ اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے وہ دماغی طور پر کیسے غافل ہو گیا تھا، کیا کر رہا تھا۔ اس نے یہ بات اپنی بیٹی کو بتائی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا "اوٹیلو سے پوچھو کہ اس وقت وہ کیا کر رہا ہے۔ اس کے دماغ میں بھی تو کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کہو کہ واپس آ جائے۔"

کانے شیطان نے منتر پڑھنا شروع کیا۔ وہ اوٹیلو سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا پھر اس نے منتر ختم کر دیا اور اپنی بیٹی سے کہا "اس نے کھوپڑی اپنے سوٹ کیس میں بند کر دی ہے۔ جب تک وہ منتر پڑھ کر کھوپڑی کو باہر نہیں نکالے گا ہم سے رابطہ قائم نہیں ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے وہ سو گیا ہے۔"

اس کی بات سن کر میں اوٹیلو کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سو نہیں رہا بلکہ اپنے سسر شیطان کا یہ حکم سنتے ہی کہ اسے لڑکی کے پاس جانا چاہیے۔ وہ اپنے جادوئی سامان والا سوٹ کیس اٹھا کر ہوٹل سے چل پڑا تھا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ ایک بج کر تیس منٹ پر ٹیکسی کے ذریعے اس بنگلے کے سامنے پہنچ گیا جس کا پتہ اخبار میں شائع ہوا تھا۔ بنگلے کے چوکیدار نے کہا "جناب! اس وقت تو صاحب لوگ آرام کر رہے ہیں۔ آپ صبح آئیں۔"

اوٹیلو نے کہا "اپنے صاحب کو خبر کر دو کہ لندن سے ایک بہت بڑا وِچ ڈاکٹر پروفیسر اوٹیلو چیمپئن آیا ہے اور صبح سے پہلے واپس چلا جائے گا۔ اگر وہ لڑکی کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ابھی مجھ سے ملاقات کریں۔"

دربان نے خوش ہو کر پوچھا "آپ جادوگر ہیں تو کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ اس لڑکی کو کس نے اغوا کیا ہے؟"

اوٹیلو نے حیرانی سے پوچھا "اغوا؟"

دربان نے کہا "جی ہاں، ابھی شام کو پتہ نہیں لڑکی کیسے غائب ہو گئی۔ صاحب لوگ بہت پریشان ہیں۔ پولیس والوں کو خبر کی گئی۔ لوگ اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔"

اوٹیلو نے مایوس ہو کر پوچھا "اس کا مطلب ہے کہ لڑکی اب اس بنگلے میں نہیں ہے۔"

دربان نے کہا "جناب! آپ اغوا کا مطلب نہیں سمجھتے۔ جب میں نے کہا کہ وہ اغوا کی گئی ہے تو یقیناً وہ یہاں نہیں ہے۔ سبھی اس کے لیے پریشان ہیں۔"

اوٹیلو نے ایک گہری سانس لے کر سوچا۔ وہ دونوں باپ بیٹی ٹھیک ہی کہہ رہے تھے کہ یہاں آ کر مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اس نے دربان سے پوچھا "وہ لڑکی کون تھی، کیا بچپن سے یہیں رہتی تھی؟"

"نہیں جناب! وہ تو ابھی چند ماہ پہلے یہاں لائی گئی تھی۔"

اوٹیلو نے پوچھا "کہاں سے لائی گئی تھی؟"

دربان نے کہا "جناب! شام سے پولیس والے سوالات کر کر کے پریشان کرتے رہے ہیں۔ اب آپ تو پریشان نہ کریں۔"

اوٹیلو نے جیب سے پانچ ڈالر نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "صرف اتنا بتا دو کہ وہ لڑکی کہاں سے لائی گئی تھی؟"

دربان نے ڈالر جیب میں رکھتے ہوئے کہا "میں اچھی طرح نہیں جانتا۔ صاحب لوگوں کو یہ باتیں کہتے سنا تھا کہ وہ لوگ سرحد کی طرف شکار کے لیے گئے تھے وہیں وہ لڑکی ایک جھاڑی کے پاس گھاس پر پڑی ہوئی نظر آئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ یہاں لے آئے۔"

اوٹیلو نے پوچھا "وہ بلی کی طرح میاؤں میاؤں کیا کرتی ہے؟"

"یہی تو کسی کو معلوم نہیں ہے مگر ایک بات بڑی عجیب ہے۔"

"وہ کیا؟"

"صاحب لوگ کہتے ہیں جنگل میں جہاں وہ لڑکی پڑی ملی تھی وہیں اس کے قریب ایک مردہ بلی پڑی تھی۔ اب یہ لوگ جادوگروں کے ذریعے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس بلی سے اس لڑکی کا کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اور اگر نہیں ہے تو یہ بلی کی طرح حرکتیں کیوں کرتی ہے۔ میرا مطلب ہے کرتی تھی۔ اب تو وہ نہیں ہے۔"

میں دماغی طور پر طیارے میں حاضر ہو گیا۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی سامی ہے۔ ایک مردہ بلی کا اس کے پاس پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے لیکن اب وہ کہاں ہے کن لوگوں نے اُسے اغوا کیا ہے اور اغوا کرنے والوں کی نظروں میں سامی کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ یا وہ کس کے لیے بہت زیادہ اہم ہو سکتی ہے!

اس کا جواب بالکل واضح تھا۔ سامی سب سے زیادہ چمکیلی کے لیے اہم تھی۔ وہ اس کے لہو سے اشنان کر کے سدا بہار دوشیزہ بننا چاہتی تھی۔ چمکیلی کا خیال آتے ہی میں نے بھوند وچا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنی جھونپڑی میں سو رہا تھا۔

اس کے خوابیدہ دماغ نے بتایا کہ ماش کے آخری دانے نے نقشے پر لندن کی نشاندہی کر دی تو وہ چمکیلی کو اپنے کاندھے پر کر باہر چلا گیا تھا اور اپنے صاحب لوگوں کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ فرہاد لندن میں ہے۔

ہندی زبان جاننے والے ایک انگریز صاحب نے بھوند وچا سے کہا "سونیا ابھی تک اسی شہر میں ہے۔ اس نے ہمیں ٹالنے کے لیے مہلت حاصل کی تھی۔ اس لیے اب فرہاد کی بہن کو سزا دینا ضروری ہے تم لوگ اس کے بدن میں سوئی چبھوتے رہو تاکہ سونیا مجبور ہو کر اسلام آباد چلی جائے۔"

بھوندوان کے حکم پر عمل کرنے کے لیے چمکیلی کے ساتھ پھر جھونپڑی میں آ گیا۔ اس نے ایک سوئی اس پتلے کے بدن میں چبھو دی۔ اتنا ہی کافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سونیا پریشان ہو کر اس کے صاحب لوگوں سے رابطہ قائم کرے گی۔ اب وہ مطمئن ہو کر آرام سے سو رہا تھا۔ میں اس کے دماغ سے جاننا ہی چاہتا تھا کہ وہ نیند میں کسمسانے لگا۔ میں نے اس کے دماغ میں رہ کر محسوس کیا کہ وہ نیند کی حالت میں بھی کسی گاڑی کی آواز سن رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے جھونپڑی سے نکل کر دیکھا تو دور ایک کار کھڑی ہوئی تھی اور اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی جھونپڑی کی طرف آرہی تھی وہ سمجھ گیا کہ اس کے صاحب لوگ اس سے ملنے آئے ہیں۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کار کے قریب پہنچا ایک انگریز جو ہندی زبان جانتا تھا۔ اس نے غصے سے کہا: "تم یہاں آرام کر رہے ہو تم نے ہمارے حکم پر عمل نہیں کیا"

"جناب! میں نے تو وہی کیا ہے جو آپ نے کہا تھا۔ میں نے پتلے کے جسم میں سوئی چبھو دی ہے"

"بکواس کرتے ہو۔ فرہاد کی بہن تو بالکل آرام سے ہے۔ اس پر تمہارے جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے"

بھوندو چمار نے حیرانی کا اظہار کیا۔ اس انگریز نے کہا: "تمہارا جادو بالکل جھوٹا ہے۔ تم نے کہا تھا کہ فرہاد لندن میں ہے۔ یہ بھی غلط ہے ایک لڑکی جو بلی کی طرح بولتی اور حرکتیں کرتی ہے وہ روم میں موجود تھی۔ ہمارے آدمیوں نے آج شام کو اسے اغوا کر لیا ہے"

بھوندو نے حیرانی سے پوچھا: "کیا کہا وہ لڑکی بلی کی طرح بولتی اور حرکتیں کرتی ہے؟"

"ہاں، یقیناً یہ وہی سامی ہو گی جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔ ہم سامی کو کل صبح تک تمہارے پاس پہنچا دیں گے۔ ہمارے آدمی اسے یہاں لا رہے ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ فرہاد کی بہن شاہینہ کو اذیتوں میں مبتلا رکھا جائے۔ اس کے بغیر ہمارا کام نہیں چلے گا اور اس کے بغیر تمہیں سامی بھی نہیں ملے گی"

بھوندو نے کہا: "حضور! سامی کو ہمارے حوالے کر دیجیے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں چمکیلی اس کے لہو سے اشنان کر کے جو روپ اختیار کرے گی۔ اس روپ میں وہ آپ لوگوں کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو گی"

انگریز نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہمیں افسوس ہے تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔ ورنہ سامی بھی ہمارے بہت کام کی لڑکی ہے۔ اس کی وجہ سے فرہاد خود اس کی طرف کھنچا آئے گا"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر چونک کر بولا: "ایک طرح سے تمہارا جادو ٹھیک ہی کہتا ہے کہ جہاں فرہاد ہو گا وہاں سامی ہو گی دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ جہاں سامی ہو گی وہاں فرہاد ہو گا۔ اب یہی دیکھو کہ ہماری معلومات کے مطابق فرہاد کل صبح یہاں پہنچنے والا ہے اور دوسری طرف ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ سامی کو اغوا کر کے یہاں لایا جا رہا ہے۔ اس طرح تمہاری طلسمی پیش گوئی درست ثابت ہوئی ہے"

یہ کہہ کر وہ اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بھوندو نے عاجزی سے کہا: "حضور! ہماری درخواست پر غور کریں اور سامی کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم آپ کے بہت کام آئیں گے۔ مری میری چمکیلی"

اس نے ڈانٹ کر کہا: "بکواس مت کرو۔ ہمیں صرف اپنی چمکیلی کی پڑی ہے۔ اگر تم اس بلی کو انسانی روپ میں لانا چاہتے ہو تو فرہاد کی بہن کو اذیتیں پہنچاؤ۔ سونیا کی شادی کو رکواؤ اور اسے اسلام آباد جانے پر مجبور کرو"

گاڑی اسٹارٹ ہو کر جانے لگی۔ بھوندو گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر پلٹ کر تیزی سے جھونپڑی میں آیا۔ چمکیلی غرا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ غصے میں پھر اس دیوار کے پاس آیا جہاں دنیا کا نقشہ لٹک رہا تھا۔ اب تک وہ ماش کا دانہ لندن کی جگہ چپکا ہوا تھا۔ اس نے غصے سے دانے کو ایک گھونسا مارا۔ وہ نیچے گر پڑا۔

چمکیلی غرا کر اس کے پاس آئی۔ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر کہنے لگا: "چمکیلی! میں دن رات محنت کر کے منتر پڑھتا رہا۔ تو نے بتایا تھا کہ ایسا کرنے سے ہمیں فرہاد کا پتہ معلوم ہو گا۔ لیکن جانتی ہے، دانہ غلط جگہ آ کر چپک گیا فرہاد لندن میں نہیں ہے۔ وہ کل صبح یہاں پہنچنے والا ہے اور سامی بھی یہیں آرہی ہے"

سامی کا نام سنتے ہی چمکیلی میاؤں میاؤں کرتے ہوئے شیطان کے مجسمے کے پاس گئی اور اس کے قدموں پر اپنا سر رگڑنے لگی۔ وہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی بھوندو نے آگے بڑھ کر کہا: "تو خوش ہو رہی ہے۔ مگر سامی تجھے نہیں ملے گی"

بلی نے سر اٹھا کر بھوندو کی طرف دیکھا۔ وہ کہنے لگا: "ابھی صاحب لوگ آئے تھے۔ وہ کہہ رہے ہیں جب تک ہم فرہاد کی بہن کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور سونیا کو اسلام آباد جانے پر مجبور نہیں کریں گے اس وقت تک سامی کو ہمارے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ میں نے اس پتلے میں سوئی چبھو دی ہے۔ لیکن اس کی بہن کو کوئی تکلیف نہیں ہو رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہمارا جادو بے اثر کیوں ہو رہا ہے! سوئی چبھونے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ماش کا دانہ غلط جگہ جا کر چپک گیا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

وہ غصے میں کہہ رہا تھا اور چمکیلی سر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ میں بھوندو کے دماغ سے نکل آیا۔ اب وہ جو بھی تدبیر کرنے والا تھا اسے میں بعد میں اس کے دماغ سے سمجھ سکتا تھا۔ فی الحال میں اس انگریز بہادر کے دماغ میں پہنچ گیا جو ابھی بھوندو سے مل کر گیا تھا۔ اس سے پہلے بھوندو کا رابطہ جیمس روبن اور اس کی ساتھی مالنی سے تھا۔ ان دونوں کو سرحد پار بھیج دیا گیا تھا اب یہ نیا انگریز بھوندو سے رابطہ قائم کرتا تھا۔

وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ میں اس

سوچ پڑھنے لگا۔ اس کا نام تھامسن تھا۔ وہ یہودی تو نہیں تھا مگر ان کا آلۂ کار تھا۔ ہمارے ملک میں خفیہ یہودی نواز تنظیم کا باس مٹل مین کہلاتا تھا۔ تھامسن اسی مٹل مین کے لیے کام کر رہا تھا۔ مگر اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ دراصل یہودیوں کے لیے کام کر رہا ہے۔ اسے اچھا خاصا معاوضہ ملتا تھا اور وہ اسی لالچ میں کام کر رہا تھا۔ اس کا کام صرف اتنا تھا کہ جو تحریری پیغامات اور احکامات اسے موصول ہوں وہ ان کے مطابق بھوندو سے رابطہ قائم کرے۔ ابھی تھامسن نے بھوندو سے کہا تھا کہ کسی طرح بھی شاہینہ کو اذیتیں پہنچا کر سونیا کو اسلام آباد جانے پر مجبور کرے لیکن تھامسن خود یہ نہیں جانتا تھا کہ سونیا کو اسلام آباد جانے پر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ سامی کون ہے کہاں سے لائی جا رہی ہے اور یہاں کہاں اور کب پہنچائی جائے گی۔ وہ صرف حکم کا بندہ تھا۔

میں اس کے ذریعے معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا اس کے دماغ میں پہنچ چکا تھا اس سے یہی فائدہ حاصل ہوتا کہ کبھی کسی موقع پر میں خوداسے آلۂ کار بنا سکتا تھا۔ اور مٹل مین کے خلاف اسے استعمال کر سکتا تھا۔ میں بھوندو کے پاس آگیا۔

چمکیلی انگیٹھی کے چاروں طرف گھوم رہی تھی۔ بھوندو بھی اس کے پیچھے پیچھے گھوم رہا تھا۔ انگیٹھی کی آگ سرد ہو چکی تھی۔ پھر چمکیلی وہاں سے چلتی ہوئی شیطان کے مجسمے کے پیچھے آئی۔ وہاں ایک پتلا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ چمکیلی نے اپنا ایک پنجہ اس پتلے پر رکھ دیا۔

بھوندو نے قریب آ کر پتلے کو اٹھاتے ہوئے کہا: "میں سمجھ گیا۔ تو چاہتی ہے کہ اب اس پتلے پر عمل کیا جائے"

وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا: "دیکھ چمکیلی! یہ تو فرہاد کا پتلا ہے جب تک فرہاد کی کوئی چیز ہمیں نہیں ملے گی فرہاد پر کوئی جادو اثر نہیں کرے گا۔ اس کے لیے ایئرپورٹ جانا ہو گا۔ تاکہ فرہاد کے آتے ہی اس کی کوئی چیز حاصل کی جا سکے"

پھر اس نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: "لیکن سونیا نے مجھے دیکھا ہے اگر وہ ایئرپورٹ فرہاد کو لینے آئے گی تو مجھے پہچان لے گی۔ میں وہاں نہیں جا سکتا"

اس کی بات سن کر چمکیلی اچھل کر اس کے کاندھے سے ہوتی ہوئی سر پر پہنچ کر اپنا پنجہ اس کے سر پر مارنے لگی۔ بھوندو دیدے پھیلائے اس کے پنجوں کا حساب کر رہا تھا پھر اس نے سر ہلا کر کہا: "میں سمجھ گیا تو ایئرپورٹ جانا چاہتی ہے۔ میں تجھے دور ہی سے وہاں چھوڑ دوں گا۔ تو کیا کرے گی۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اچھی بات ہے۔ میں تیرے کہنے پر عمل کروں گا"

میں سعید احمد کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بیدار ہو گئے تھے اور اب بستر سے اٹھ کر باتھ روم جانا چاہتے تھے۔ میں نے کہا: "السلام علیکم"

وہ چونک کر بولے: "فرہاد! تم ہو؟"

"ہاں، میں ہوں۔ یہ پوچھنے آیا ہوں کہ ایئرپورٹ پر میرے لیے کچھ خفیہ حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں نے اپنے طور پر سخت انتظامات کیے ہیں۔ یہاں کوئی دشمن نظر میں ہو تو بتاؤ"

"یہ تو تمہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ یہودی نواز تنظیم کا ایک مٹل مین ہمارے ملک میں موجود ہے لیکن اتنا پُراسرار ہے کہ ابھی تک سونیا کی نظروں میں بھی نہیں آسکا ہے لیکن اس کے آلۂ کار یقیناً ایئرپورٹ ضرور پہنچیں گے۔ دوسری بات یہ کہ ایک ہندوستانی ٹھگنے قد کا آدمی ایک بلی کے ساتھ ادھر آئے گا۔ لیکن ایئرپورٹ سے بہت دور اس بلی کو چھوڑ دے گا۔ وہ بلی دراصل ایک جادوگر بڑھیا ہے" میری اس بات پر سعید احمد مسکرانے لگے۔ میں نے کہا: "میں جانتا ہوں آپ یقین نہیں کریں گے۔ طلسمی معاملات پر بڑی مشکل سے یقین آتا ہے۔ بہرحال آپ سن لیں"

"میں سن رہا ہوں"

"بلی کے ساتھ جو ناٹے قد کا آدمی ہے اس کا نام بھوندو چمار ہے۔ ان لوگوں نے پہلے شاہینہ پر کالے جادو کا عمل کیا تھا اور اسے تکلیف پہنچائی تھی اب وہ مجھ پر عمل کر رہے ہیں۔ میرے ذریعے وہ سامی تک پہنچنا چاہتے ہیں کیونکہ سامی بھی یہاں پہنچ رہی ہے اور یقیناً وہ میرے آس پاس ہی کہیں رہے گی"

"کیا تم میک اپ میں رہو گے؟"

"ہاں، آپ لوگوں کو پہچاننے کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔ میں خود ہی خیال خوانی کے ذریعے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ یہ بتائیں کہ گھر سے مجھے لینے کے لیے کتنے لوگ آرہے ہیں؟"

"میں نے شاہینہ کو سمجھایا ہے کہ زیادہ لوگوں کا ایئرپورٹ پر آنا مناسب نہیں ہے۔ زبیر نے بھی اسے سمجھایا لیکن وہ ماننے والی نہیں ہے۔ مجبوراً میں نے اسے اور منصور کو ساتھ آنے کی اجازت دے دی ہے۔ اب ہم دو گھنٹے بعد ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوں گے"

میں نے شاہینہ اور منصور وغیرہ کی خبر لی۔ وہاں سارا گھر میرے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ سونیا اپنے کمرے میں چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ شاہینہ نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ وہ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتی تھی۔ نہ ہی مجھ سے ملنے آسکتی تھی۔ میں نے کہا: "میری جان! اب تو نکاح کے بعد ہی ملاقات ہو گی"

"ہاں، دل بڑا بے چین ہے تم سے ملنا چاہتی ہوں لیکن یہ بھی اچھا لگ رہا ہے کہ ہمارے درمیان محبت سے رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں"

"کاش مرجانہ بھی محبت سے رکاوٹ بنتی۔ ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بھوندو چمار میری کوئی چیز حاصل کر کے اب میرے بنائے ہوئے پتلے پر کالا عمل کرنا چاہتا ہے۔ شاہینہ کی حفاظت بھی لازمی ہے۔ وہ کوئی بھی اوچھا وار کر سکتے ہیں۔"

سونیا نے کہا "ہمیں اپنے موجودہ حالات کا سرسری طور پر جائزہ لینا چاہیے اور چند اہم نکتوں کو یاد رکھنا چاہیے۔"

"سونیا! سب سے اہم نکتہ تو یہ ہے کہ مرجانہ کو جس پراسرار شخص نے ہماری شادی کی اطلاع دی ہے۔ اس شخص کو کس نے اطلاع دی ہے؟ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ مرجانہ کا برین واش ہو رہا ہے۔ وہ ہماری شادی تک کیا رنگ لائے گی؟ شاید جلال بیگ کا بھی برین واش کیا جا رہا ہے کیونکہ اس کا دماغ بھی اب میری مٹھی میں نہیں آ رہا ہے۔ اسے میری ٹیلی پیتھی سے نجات دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ سامی کا سراغ مل گیا ہے لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی جب اس نے کسی دوشیزہ کا روپ اختیار کیا ہے تو وہ انسانوں کی طرح کیوں نہیں بول سکتی۔ کیا طویل عرصے تک بلی بن کر رہنے کے باعث وہ انسانی زبان اور انسانی مزاج کو بھول گئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ سامی بھی یہاں پہنچ رہی ہے۔ بھوندو چمار کی طلسماتی پیش گوئی کے مطابق وہ کسی نہ کسی طرح میرے قریب آنے والی ہے۔"

سونیا نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ہائے فرہاد! کیا شادی ایسے ہوتی ہے؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ایسے تو نہیں ہوتی مگر ہماری ہو رہی ہے۔ چاروں طرف سے شکنجے مضبوط کیے جا رہے ہیں۔ رائفلوں اور اسٹین گنوں کی نالیں صاف کی جا رہی ہیں۔ کارتوس بھرے جا رہے ہیں۔ کہیں سرنگیں بچھائی جائیں گی۔ کہیں جادو کے بان چلائے جائیں گے۔ کوئی ٹائم بم کے کانٹے کو موت کی گھڑی کی طرف لے جانے کی سوچ رہا ہو گا۔ کہیں سے کوئی سنسناتی ہوئی گولی ہو گی۔ خون کی ہولی ہو گی۔ آگ کا دریا ہو گا۔ سونیا اور فرہاد موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نکاح قبول کریں گے۔ یہ ہماری شادی ہے اور ہماری شادی میں ہنگامہ نہ ہو۔ تو ہمیں کون پہچانے گا؟"

میرا سفر ختم ہونے ہی والا تھا۔ طیارہ لاہور کی فضا میں پرواز کر رہا تھا مگر ابھی زمین تک پہنچنے میں ذرا دیر تھی۔ مجھے ائیرپورٹ سے شاہینہ کی کوٹھی تک پہنچانے کے لیے جو حفاظتی اقدامات کیے گئے تھے۔ میں ان سے مطمئن تھا۔ پھر میں نے آخری بار بھوندو چمار کی خبر لی۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ بھوندو چمار اب چکیلی کی رائے کے مطابق میری کوئی چیز حاصل کر کے میرے نام سے بنائے ہوئے پتلے سے منسلک کرنا چاہتا تھا تاکہ اس پر کالے جادو کا عمل کرے اور اس کے ذریعے مجھے اذیتیں پہنچائی جائیں۔ جو ہو سکتے ہیں۔ مسئلہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔ بھوندو چمار کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ وہ میری کوئی چیز کیسے حاصل کرے گا۔ ایک سونیا سے اس کا سامنا ہو چکا تھا۔ اب وہ ائیرپورٹ کی طرف نہیں آ سکتا تھا۔ پہچان لیے جانے کا اندیشہ تھا۔

چکیلی نے اشارتی زبان سے سمجھایا تھا کہ بھوندو خود ہی وہ ائیرپورٹ جائے گی اور کسی طرح میری کوئی چیز حاصل کرے گی لہٰذا میں ائیرپورٹ کی زمین پر قدم رکھنے سے پہلے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ چکیلی کس طرح میرے پاس آ کر میری کوئی چیز حاصل کرنا چاہتی ہے۔

اب میں نے بھوندو چمار کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو ایک نیا انکشاف ہوا۔ وہ چکیلی کو کاندھے پر بٹھا کر ائیرپورٹ کی طرف آ رہا تھا۔ راستہ بہت لمبا تھا۔ وہ آبادی کے قریب پہنچ کر کسی گاڑی کے ذریعے جانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی ایک کار قریب آ کر رک گئی۔ کار چلانے والا سفید وردی میں ملبوس تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر ایک نہایت ہی حسین و جمیل دوشیزہ بیٹھی ہوئی تھی۔ بھوندو نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ چکیلی اسے دیکھ کر غرانے لگی۔

اس دوشیزہ کے حسن کی تعریف کرنے کے لیے بھوندو کی زبان شاعرانہ نہیں تھی۔ ایسے لوگ جنہیں اظہار کے لیے الفاظ نہیں مل سکتے تعریف کے لیے زبان ہوتے ہوئے بھی وہ گونگے بن جاتے ہیں۔ حیران حیران سے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اس کا حسن ایسا تھا کہ دیکھنے والی آنکھوں کو حیران ہونا سکھا دیتا تھا۔

دوشیزہ کی رنگت گلابی تھی۔ اس کا لباس بھی گلابی تھا۔ اس کے گلے میں سیاہ موتیوں کی ایک مالا تھی۔ موتیوں کے دانے بڑے بڑے اور چمکیلے تھے۔ سیاہی کے باوجود چمکتے تھے۔ ان سے کبھی نیلا، کبھی پیلا، کبھی نارنجی اور کبھی بنفشی رنگ ابھرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہار کے وہ دانے ادھر ادھر سے ایک آنکھ کھول کر دیکھتے ہوں اور پھر آنکھ بند کر لیتے ہوں۔ وہ کوئی غیر معمولی ہار تھا۔

اس کے دانے جگنو کی طرح چمکتے تھے۔ بجھتے تھے اور پھر چمکنے لگتے تھے۔ اس دوشیزہ نے ہار کے ایک دانے کو اپنی ایک چٹکی میں لے کر اس سے کھیلتے ہوئے کہا "بھوندو! اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

بھوندو نے حیران ہو کر پوچھا "آپ کون ہیں اور میرا نام کیسے جانتی ہیں؟"

"یہ سوال تم راستے میں بھی کر سکتے ہو۔" وہ کار کے اگلے دروازے کو کھول کر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند ہوا اور کار آگے بڑھ گئی۔ جانے اس دوشیزہ میں کیا بات تھی۔ بھوندو اسی کے سحر میں کھویا ہوا تھا۔ اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اسے اپنے پیچھے سے آواز سنائی دی۔

"سامی یہاں پہنچ گئی ہے۔"

بھوندو نے ایک دم سے چونک کر پیچھے کی طرف گھوم کر دیکھا۔ چکیلی بھی سامی کا نام سن کر بھوندو کے کاندھے پر آ بیٹھی تھی اور غرا کر اس دوشیزہ کو دیکھ رہی تھی۔ دوشیزہ نے حکم دیا۔ "اس بلی کو نیچے اتارو۔ اپنی گود میں بٹھاؤ یا سیٹ پر۔ یہ میری طرف یوں دیکھتی رہے گی تو میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گی۔"

وہ بلی کو پچکارتے ہوئے اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے بولا۔ "ابھی آپ سامی کے متعلق کہہ رہی تھیں۔ کیا واقعی وہ یہاں پہنچ گئی ہے؟"

"میں ایک بار کہوں گی۔ اگر یاد نہ رہے یا یقین نہ آئے تو دوسری بار سوال نہ کرنا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔ اتنا بتا دیجیے۔ سامی کہاں ہے؟"

"تم جس مقصد کے لیے اسے تلاش کر رہے ہو وہ مقصد میرے ذریعے پورا ہو جائے گا۔"

"آپ کون ہیں؟ ہمیں کیسے جانتی ہیں؟"

"پہلے تمہارا رابطہ جیمس روبن اور مالنی سے تھا۔ پھر تھامسن تم سے ملنے لگا۔ اب ان کی جگہ میں آ گئی ہوں۔"

"اچھا تو تم ہمارے دوستوں کی طرف سے آئی ہو؟"

"ہاں میں جو کہوں اس پر عمل کرو۔ اگر ائیرپورٹ کے قریب تھامسن نظر آئے تو اس سے منہ پھیر لینا۔ اجنبی بن جانا۔ وہ تمہیں مخاطب کرے تو صاف طور سے جواب دے دینا کہ تم اسے بالکل نہیں جانتے اور نہ ہی اس کے کسی حکم پر عمل کرو گے۔ کیونکہ وہ ہم سے غداری کر رہا ہے۔ اب وہ ہمارا آدمی نہیں رہا۔"

"لیکن میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں؟"

"میری باتوں کا یقین آ جائے گا۔ جب میں چکیلی کو سامی کے خون سے غسل کراؤں گی۔"

یہ سنتے ہی چکیلی پھر غرا اٹھی۔ بھوندو نے اسے تھپک کر بہلاتے ہوئے کہا "بیٹھ جا چکیلی! تیری جگہ میں باتیں کر رہا ہوں۔"

پھر اس نے لڑکی سے پوچھا "کیا تم مجھے اور چکیلی کو سامی تک پہنچا سکتی ہو؟ میں ایک ہی وار میں اس کے جسم سے اتنا خون نکال لوں گا کہ چکیلی اس میں بھیگ کر بلی کے جسم سے رہائی حاصل کر لے گی پھر جو بھی حسین دوشیزہ قریب ہو گی وہ اس کے جسم میں سما جائے گی۔"

پچھلی سیٹ سے دوشیزہ نے کہا "میں جانتی ہوں۔"

"آپ کیسے جانتی ہیں؟"

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ چکیلی کو آخری بار جس دوشیزہ کا جسم ملے گا اگر وہ جسم مر جائے گا تو چکیلی بھی ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے گی۔ لہٰذا اسے سوچ سمجھ کر کسی ایسے جسم میں جانا ہو گا جو خطرات سے محفوظ ہو۔"

بھوندو نے حیرانی سے کہا "آپ ہمارے کالے جادو کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہیں جبکہ جیمس روبن صاحب اور تھامسن صاحب کچھ نہیں جانتے تھے لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ چکیلی کو اب آخری بار جسم ملے گا؟"

"میں کہہ چکی ہوں۔ مجھ سے بار بار ایک ہی سوال نہ کرو اور میرے مشورے سے فائدہ اٹھاؤ۔"

"فائدے کی بات ہو گی تو ہم ضرور مانیں گے۔"

"اگر چکیلی یہ چاہتی ہے کہ اس بار کسی دوشیزہ کے جسم میں محفوظ رہے۔ موت اس کے قریب نہ آئے تو اس کے لیے اس شہر میں اور خصوصاً ائیرپورٹ کے پاس صرف ایک ہی جسم ایسا ہے جو ہر طرح سے محفوظ ہو گا۔"

بھوندو نے پوچھا "وہ کس کا جسم ہے؟"

پچھلی سیٹ سے وہی مترنم آواز سنائی دی "وہ شاہینہ کا جسم ہے۔"

یہ سنتے ہی چکیلی غرانے لگی۔ بھوندو نے اس کی طرف دیکھا وہ اشارتی زبان سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر بھوندو نے کہا "چکیلی کو اعتراض ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ دراصل یہ فرہاد سے عشق کرنا چاہتی ہے۔"

دوشیزہ نے حقارت سے کہا "اونہہ! پھر تو یہ حرام موت مرے گی۔ اگر میری بات نہ مانی گئی تو میں اسے سامی کے خون سے غسل کرنے کا موقع نہیں دوں گی اور اگر مان جائے گی تو ابھی اسے سامی کا خون مل جائے گا۔"

بھوندو نے کہا "ہم آپ کی بات مان لیں گے۔"

"ہوں دھوکا ہوا تو سمجھ لینا کہ یہ زندہ نہیں رہے گی۔ میں اس کی ناک میں رہوں گی۔ اس نے شاہینہ کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت کا جسم منتخب کیا تو میں اسے ہلاک کر دوں گی۔"

"آپ یہ کیوں چاہتی ہیں کہ جھپکیلی صرف شاہینہ کے جسم میں داخل ہو؟"

"صرف میں نہیں چاہتی۔ ہمارا باس بھی چاہتا ہے۔ تمھارے وہ دوست چاہتے ہیں جو تم لوگوں کو ہندوستان سے یہاں لائے ہیں اور یہاں سے کسی دوسرے ملک میں بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ہم آپ کے مشورے پر عمل کریں گے۔"

"جھپکیلی شاہینہ کے جسم میں داخل ہو کر فرہاد کے قریب رہ سکے گی۔ کالے جادو کے لیے فرہاد کی کوئی چیز بڑی آسانی سے حاصل کر سکے گی۔ ہمیں یہ فائدہ پہنچے گا کہ اس کے ذریعے فرہاد اور سونیا کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہے گا۔ کیونکہ یہ ان کے ساتھ تنہائی میں بھی وقت گزار سکے گی۔"

بھوندو نے قائل ہو کر کہا "جھپکیلی تو سن رہی ہے نا؟ بیشک تجھے آخری بار کسی انسان کا جسم ملے گا تو شاہینہ کے جسم میں ہی ہر طرح محفوظ رہے گی۔"

اس دوشیزہ نے کہا "فرہاد جیسا شخص اسے اپنی بہن سمجھ کر اپنی جان کی بازی لگا کر اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔ باس کا حکم ہے، جس وقت فرہاد طیارے کے زینے سے اتر کر ایئرپورٹ کی عمارت کی طرف آرہا ہوگا۔ اسی وقت جھپکیلی جو شاہینہ کے جسم میں ہوگی خوشی سے چیخ چیخ کر اپنے بھائی جان کو پکارتے ہوئے دوڑتی ہوئی اس کے پاس جائے گی۔"

بھوندو نے پوچھا "ایسا کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

"تم بہت زیادہ سوالات کرتے ہو۔ کیا اتنی عقل نہیں ہے کہ ایک بہن برسوں کے بعد اپنے بھائی کو دیکھ کر دیوانہ وار اسے پکارتے ہوئے اس کی طرف دوڑے گی۔ کیا اتنا ہی سمجھ لینا کافی نہیں ہے؟"

"میں سمجھ گیا جھپکیلی ایسا ہی کرے گی۔"

ان کی باتیں جاری رہیں، فاصلے طے ہوتے رہے پھر ایئرپورٹ کے قریب کار رک گئی۔ پچھلی سیٹ سے دوشیزہ نے ایک چھوٹی سی بوتل بھوندو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ہے سامی کا خون۔"

بھوندو نے لپک کر دونوں ہاتھوں سے اس بوتل کو تھام لیا۔ جھپکیلی اس سرخ سیال کو دیکھ کر غرا رہی تھی۔ دوشیزہ نے کہا۔ "اسے لے کر گاڑی سے باہر چلے جاؤ لیکن جھپکیلی شاہینہ کو کیسے پہچانے گی۔ بغیر پہچانے ہوئے اس کے جسم میں کیسے داخل ہوگی؟"

"ہاں ہم نے شاہینہ کا پتلا بنایا تھا لیکن ایسے پتلے خیالی ہوتے ہیں جھپکیلی نے صرف شاہینہ کے بال دیکھے ہیں صورت نہیں دیکھی ہے۔"

دوشیزہ نے کہا "میں نشانی بتاتی ہوں۔ اسے یاد رکھو۔ ایک شخص نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس ہوگا، نیلے رنگ کی ٹائی ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوشیزہ ہوگی۔ وہ چاکلیٹی کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس ہے۔ اس چاکلیٹی کلر پر پیلے رنگ کے پھول بنے ہوئے ہیں۔ اس کے جوڑے میں بھی پھولوں کی وینی ہے۔ اتنی نشانی کافی ہے۔ اگر جھپکیلی نے یاد نہیں رکھا اور اس کے جسم میں جا کر نہیں سمائے گی تو بری طرح پچھتائے گی۔"

بھوندو ایک ہاتھ میں خون کی بوتل اور دوسرے ہاتھ میں جھپکیلی کو اٹھا کر کار سے باہر نکل گیا۔ دوشیزہ نے اپنی پچھلی سیٹ کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا "جھپکیلی کو اچھی طرح سمجھا دو۔ اگر یہ شاہینہ کے لباس کو یاد نہیں رکھے گی اور اس کے جسم میں نہیں سمائے گی تو میرے ہاتھوں سے ماری جائے گی اب جلدی جاؤ۔"

اس کے بعد کار اسٹارٹ ہوئی اور دوسری طرف چلی گئی۔ بھوندو جھپکیلی کو لے کر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں لوگوں سے چھپ کر بلی کو لہو سے غسل کرا سکے۔ اسے یقین تھا کہ اس کے باس نے سامی کا خون بوتل میں بند کر کے بھیجا ہے۔ ایئرپورٹ کے قریب ہی ایک کوٹھی کے پاس رک گیا۔ کوٹھی کے احاطے کی دیوار کے سامنے خوب صورت تراشیدہ جھاڑیاں تھیں۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر ایک جھاڑی کے پیچھے چلا گیا۔ پھر بوتل کھول کر تھوڑا تھوڑا سا خون ایک ہاتھ کے چلو میں لے کر اس بلی کے بدن پر لگانے لگا اسے لہو سے بھگونے لگا۔ دوسرے لفظوں میں سامی کے لہو سے غسل کرانے لگا۔ جب وہ پوری بھیگ گئی تو ایک دم سے غراتی ہوئی میاؤں میاؤں کرکے تڑپنے لگی پھر تڑپتے تڑپتے زمین پر گر کر ٹھنڈی ہو گئی۔

ایسے طلسمی واقعات بھی ہوتے ہیں جن کا ذکر سنو تو یقین نہیں آتا۔ جو لوگ آنکھوں سے ایسے جادوئی کمالات دیکھتے ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری دنیا میں کیسے کیسے حیرت انگیز ناقابل یقین واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

بھوندو نے یہ تو دیکھا تھا کہ بلی کا جسم ساکت ہو گیا وہ مر چکی تھی لیکن اب جھپکیلی کہاں گئی؟ وہ نہیں جانتا تھا اور وہ جاننا چاہتا تھا لیکن اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ ایئرپورٹ کے قریب جاتا۔ مجھے یہ ساری معلومات اس وقت حاصل ہوئیں جب جھپکیلی بلی کا جسم چھوڑ چکی تھی۔ بھوندو اس جھاڑی سے نکل کر اپنے ہاتھ دھو کر ایئرپورٹ کے قریب بھٹک رہا تھا۔

میں نے شاہینہ کی حفاظت کے لیے اس کے پاس پہنچ کر

وہ ایک کار کی پچھلی سیٹ پر منصور کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کار کے دروازے لاک کر دیے گئے تھے۔ کھڑکی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ آس پاس مسلح محافظ تھے۔ میں نے اس کی سوچ سے معلوم کیا تو وہ ہلکے آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھی۔ منصور براؤن کلر کی پتلون اور سفید بنیان پہنے ہوئے تھا یعنی اس دوشیزہ نے بھوندو کو جو نیلے سوٹ اور چاکلیٹ کلر کے شلوار سوٹ کے متعلق بتایا تھا۔ وہ غلط تھا۔ جھپکیلی بلی کے جسم سے رہائی حاصل کر کے میری بہن تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اگر پہنچتی تو اب تک پہنچ چکی ہوتی۔ جھپکیلی نہ جانے کس کے جسم میں سما گئی تھی۔ بہرحال مجھے اپنی بہن کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا۔

اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا میرے جسم کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ طیارے کے چند مسافروں کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی کیونکہ طیارہ زمین کو چھو کر رن وے پر دوڑتا جا رہا تھا۔ میرا دھیان اس پراسرار دوشیزہ کی طرف تھا جو کار کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی بھوندو سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے جانے کہاں سے سامی کا خون بوتل میں لا کر دیا تھا۔ یقیناً وہ سامی کا ہی لہو ہوگا جبھی تو جھپکیلی بلی کے جسم سے نجات پا چکی تھی۔

یہ تماشا عجیب بھی تھا اور دلچسپ بھی لیکن اس تماشے کا مقصد کیا تھا جبکہ میری بہن محفوظ تھی۔ ایک طرف اس دوشیزہ نے جھپکیلی کی مخلصانہ مدد کی تھی۔ دوسری طرف اس کی غلط راہنمائی کی تھی۔ شاہینہ کے بجائے اسے کسی دوسری طرف لگا دیا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟

طیارہ ٹھہر گیا تھا۔ مسافر اپنے اپنے سیفٹی بیلٹ کھول رہے تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اترنے سے پہلے اپنے اپنے سامان کو چیک کر رہے تھے۔ ابھی دروازہ کھلنے میں دیر تھی۔ میں پھر اس دوشیزہ کے متعلق سوچنے لگا۔ اس بار سوچتے وقت سامی کی طرف دھیان گیا۔ اس پراسرار دوشیزہ نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ سامی کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اب میں نے سوچا، جب بوتل میں وہ لہو سامی کا تھا تو یقیناً سامی کو نقصان پہنچایا گیا ہے اور جانی نقصان پہنچایا گیا ہے تبھی اس کا خون حاصل کیا گیا ہے۔

اس خیال سے میرے اندر بے چینی پیدا ہونے لگی۔ میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ سامی کے پاس جانے کا دروازہ مجھے معلوم نہیں تھا، پتہ نہیں وہ لوگ سامی کو یہاں کس جگہ لائے تھے اور کہاں اس کی زندگی سے کھیل کر اس کے لہو کو جھپکیلی تک پہنچایا تھا۔

مجھے تھامسن کا خیال آیا جو مڈل مین کا آلۂ کار تھا اور اب جیمس روبن کی جگہ کام کر رہا تھا۔ میں اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھنے لگا۔ پتہ چلا کہ سامی ابھی تک پاکستان نہیں پہنچی ہے۔ لاہور میں اس نے قدم نہیں رکھا ہے۔ میں نے تھامسن کی سوچ میں کہا "یہ ہو سکتا ہے۔ مڈل مین اور اس تنظیم کے دوسرے لوگ مجھ سے سامی کو چھپا رہے ہوں۔ اس سلسلے میں مجھے کچھ نہ بتا رہے ہوں۔"

تھامسن نے بے بسی سے سوچا "ہاں ایسا ہو سکتا ہے میں تو ایک معمولی آلۂ کار ہوں۔"

وہ درست سوچ رہا تھا۔ میں اس کے پاس سے واپس آگیا۔ بڑی حیرت کی بات تھی۔ کیا چکر تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دل یہی کہتا تھا کہ سامی پہنچ گئی ہے۔ تھامسن سے بات چھپائی گئی ہے اور اب سامی اس دنیا میں نہیں رہی، صرف اس کا لہو تھا جو کام آگیا۔

طیارے کا دروازہ کھل گیا میرے پاس بیٹھے ہوئے مسافر کو شاید اترنے کی جلدی تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر جانا چاہتا تھا مگر دروازے کی طرف دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہاں چار فوجی جوان نظر آئے ان میں ایک افسر بھی تھا۔ وہ مسلح تھے اور سیدھے میری طرف آ رہے تھے۔ انھوں نے آتے ہی میرے آگے اور پیچھے والی سیٹوں کے مسافروں سے کہا "پلیز، آپ لوگ یہ سیٹیں خالی کر دیں۔"

ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جیسے ہی میرے آگے پیچھے والی سیٹیں خالی ہوئیں، جوان ادھر چلے گئے۔ یعنی دو جوان میرے آگے اور دو پیچھے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے ریوالور نکال کر مجھے نشانے پر رکھ لیا تھا۔ طیارے میں بالکل سناٹا چھا گیا تھا۔ تمام مسافر سوالیہ نظروں سے مجھے اور ان محافظوں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک افسر نے بلند آواز سے کہا "مسٹر دنیا کا بڑے سے بڑا اسمگلر ہماری زمین پر قدم رکھے تو ہمیں پہلے ہی اس کی بو مل جاتی ہے۔ ہم ابھی تمھارے سامان سے میرے برآمد کر سکتے ہیں اس کے لیے تمھیں کسٹم کے دفتر تک چلنا ہوگا لیکن سب سے آخر میں۔ پہلے معزز مسافر اس طیارے سے باہر جائیں گے۔"

مسافروں کو یکے بعد دیگرے باہر جانے کے لیے کہا گیا۔ میں گھبراہٹ کا اظہار کر رہا تھا لیکن اندر سے مطمئن تھا کیونکہ یہ سب سعید احمد صاحب کی چال تھی۔ وہ مجھے دشمنوں کے سامنے ایک اسمگلر ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

میں نے پہلے ہی خیال خوانی کے ذریعے سعید احمد صاحب کو بتا دیا تھا کہ میں کس لباس میں رہوں گا لیکن جھپکیلی جو کسی انجانے جسم میں سرایت کر گئی ہوگی وہ مجھے کیسے پہچانے گی؟

اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے میں بھوندو کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایئرپورٹ سے دور بھٹک رہا تھا اور چھبیلی کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی سوچ نے بتایا۔ "اس دوشیزہ نے اپنی ہدایات اور احکامات کے دوران فرہاد کی شناخت بتائی تھی۔ ان سے کہا تھا کہ جیسے ہی کوئی شخص سفید سوٹ، سفید ہیٹ اور سیاہ چشمے میں طیارے سے باہر آئے وہ اکیلا ہو یا محافظوں کے درمیان ہو چھبیلی اسے بھائی جان کہہ کر پکارتی ہوئی اس کے پاس جائے گی۔"

یہ بڑے تعجب کی بات تھی۔ میں کس لباس میں سفر کر رہا تھا یہ صرف سعید احمد کو معلوم تھا لیکن وہ دوشیزہ بھی میرے لباس کے متعلق جانتی تھی۔ اس کی معلومات کتنی وسیع تھیں۔ کون تھی وہ؟ اگر مُل مین سے اس کا کوئی تعلق تھا تو پھر اس نے چھبیلی کی غلط راہنمائی کیوں کی تھی؟

میں سوچ سوچ کر الجھ رہا تھا۔ پھر میں نے اپنے دماغ کو سمجھایا۔ خواہ مخواہ پریشان ہو رہا ہوں۔ ابھی طیارے سے نکلوں گا تو حقیقت سامنے آ جائے گی۔ اتنا تو اطمینان ہے کہ میری بہن شاہینہ بالکل محفوظ ہے اور سونیا بھی بخیریت ہے۔

طیارے کے تمام مسافر چلے گئے۔ پھر میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک جوان نے میرا سامان اٹھا لیا۔ میں ان کے آگے آگے چلتا ہوا طیارے کے دروازے پر پہنچا۔ پھر ایک ایک قدم زینے سے اترنے لگا۔ ایک بار پھر میں نے شاہینہ کی خیریت معلوم کی اور مطمئن ہو گیا۔ وہ اسی طرح کار کی پچھلی سیٹ پر منصور کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ کار کے باہر سعید احمد کھڑے ہوئے تھے۔ شاہینہ کو سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کار کے شیشے بھی نیچے نہ کرے۔

میں سیڑھیوں سے اتر کر ان محافظوں کے گھیرے میں عمارت کی طرف چلنے لگا۔ اسی وقت ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ بھائی جان کہتی ہوئی دوڑتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ اس کے بدن پر چاکلیٹی سوٹ تھا اور اس سوٹ پر نارنجی اور پیلے پھول بنے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ چھبیلی میری طرف چلی آ رہی تھی۔

وہ خود کو شاہینہ سمجھ رہی تھی۔ اس پُراسرار دوشیزہ نے اسے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے روکنے کے لیے اپنے آس پاس کے محافظوں سے کچھ کہتا۔ اس وقت ایک گولی چلی۔ دوڑنے والی کی چیخ سنائی دی۔ وہ لڑکھڑائی۔ اس کے گرنے سے پہلے پھر ایک گولی چلی اس کے ساتھ ہی وہ زمین پر گر پڑی۔

پہلے فائر کے ساتھ ہی ایک گاڑی سائرن بجاتی ہوئی تیزی سے ہماری طرف چلی آ رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے ہمارے سامنے رکی۔ مجھے فوراً بیٹھنے کے لیے کہا گیا۔ گولی کھا کر گرنے والی گاڑی سے چند قدموں کے فاصلے پر تھی۔ میں نے اس کی کراہتی ہوئی آواز سنی "نہیں میں نہیں مر سکتی۔ زندہ رہوں گی۔ میں دوسرے جسم میں جاؤں گی۔"

میں فوراً گاڑی کے اندر بیٹھ گیا۔ محافظ بھی میرے ساتھ بیٹھ گئے۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ چھبیلی اپنی نئی زندگی پا کر نیا جسم پا کر پھر موت کی آغوش میں جا رہی تھی۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی لیکن کالے عمل کے مطابق اب اسے کوئی دوسرا جسم نہیں مل سکتا تھا۔ اس کا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ زندگی کے لیے تمام بھاگ دوڑ اور کالے جادو کا عمل سب بے کار ہو چکے تھے۔ جب زندگی آخری سانس لیتی ہے تو انسان کی تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ میں نے اس کے لہجے کو گرفت میں لیتے ہوئے اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس کا دماغ مر چکا تھا۔

ہم جس گاڑی میں تھے۔ وہاں ایک افسر چھوٹے سے ٹرانسمٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر رہا تھا کسی سے کہہ رہا تھا "مسٹر سعید احمد کو خبر کی جائے۔ ہم فرہاد صاحب کو مسٹر بختاور کی کوٹھی میں لے جا رہے ہیں۔ وہ ان کے خاندان والوں کے ساتھ وہیں پہنچ جائیں یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔"

دو بار گولیاں چلنے اور ایک عورت کے ——— ہلاک ہونے کے بعد وہاں سراسیمگی پھیل گئی ہوگی۔ میں وہاں کے حالات معلوم نہیں کر سکتا تھا۔ ہماری گاڑی ایئرپورٹ کے حدود سے نکل گئی تھی۔ خیال خوانی کے ذریعے معلوم ہوا کہ سعید احمد بھی اس کار میں وہاں سے چلے آ رہے تھے جس کی پچھلی سیٹ پر شاہینہ اور منصور بیٹھے ہوئے تھے منصور کہہ رہا تھا "بھابی! ہمارا یہاں آنا ہی بیکار ہوا۔ اب تو ان سے اپنی کوٹھی میں ہی ملاقات ہوگی۔"

شاہینہ کا منہ لٹک گیا تھا۔ وہ مایوسی سے کہہ رہی تھی۔ "پتہ نہیں میری تقدیر میں کیا ہے؟ بھائی جان میرے پاس آ کر بھی بچھڑ جاتے ہیں۔"

سعید احمد نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے کہا "گھبراتی کیوں ہو؟ میں ابھی تمہارے بھائی جان کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔"

میں نے شاہینہ کو تسلی دینے کے لیے اس سے دماغی رابطہ قائم نہیں کیا۔ میرا ذہن قتل کی واردات میں الجھا ہوا تھا۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ کیوں وہ عورت قتل کر دی گئی جو شاہینہ بن کر بھائی جان کہہ کر دوڑتے ہوئے میری طرف آ رہی تھی؟

اس کا جواب سمجھ میں آ گیا۔ دشمن میری بہن کو قتل کر کے مجھے بہت بڑا صدمہ پہنچانا چاہتے تھے۔ سونیا کو اسلام آباد سے خفیہ فائل لانے کے لیے کہا گیا تھا۔ نہ لانے کی صورت میں شاہینہ کو کالے جادو کے عمل کے ذریعے اذیتیں پہنچانے کی دھمکی دی گئی تھی۔ چونکہ سونیا نے اپنے وعدے پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ سرِعام شاہینہ کو گولی مار کر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ بھی اپنی دھن کے پکے ہیں۔ جو چیلنج کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں۔ افسوس ان بے چاروں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ انھوں نے کسی اور کو گولی مار دی تھی لیکن وہ عورت کون تھی؟

یہ پولیس کی تفتیش کے بعد پتہ چل جائے گا لیکن وہ پُراسرار دوشیزہ کون ہے۔ وہ تو میری ہمدرد نکلی۔ اس نے شاہینہ کے بجائے کسی دوسری لڑکی کو میری طرف دوڑا دیا تھا۔ جن لوگوں نے بھی گولی چلائی تھی وہ شاہینہ کو صورت شکل سے نہیں جانتے تھے۔ اس کے عمل سے انھوں نے پہچانا کہ جو لڑکی دیوانہ وار اپنے بھائی کو پکارتی ہوئی جا رہی ہے وہی شاہینہ ہوگی۔

بہرحال چھبیلی ماری گئی تھی۔ میں نے بھوندو کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ابھی تک ایئرپورٹ سے دور بھٹک رہا تھا۔ چھبیلی کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اب اس کم بخت کا کیا کام رہ گیا تھا۔ مجھے جتنے جادوئی تماشے دیکھنے تھے وہ دیکھ چکا تھا۔ اسے گرفتار کرا دینا ضروری تھا لیکن اس وقت تک ہم کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ میں نے تھوڑی دیر کیلئے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔

کوٹھی کے احاطے میں ہماری گاڑی رک گئی، وہاں جگہ جگہ مسلح جوان نظر آئے۔ میں گاڑی کے پچھلے حصے سے اتر کر باہر آیا۔ تو کوٹھی کے دروازے پر زبیر اور بختاور کھڑے ہوئے تھے بیگم بختاور کی گود میں ایک ننھی سی بچی تھی۔ یقیناً وہ میری شاہینہ کی بیٹی اور میری بھانجی تھی۔ انھوں نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا لیکن وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ہی فرہاد ہوں کیونکہ مسلح محافظ مجھے ہی لے کر آئے تھے۔

میں نے بختاور اور ان کی بیگم کو سلام کیا۔ پھر زبیر سے کہا۔ "ہیلو زبیر! میں فرہاد ہوں۔"

میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا "مگر آپ؟"

"میں میک اپ میں ہوں۔ اندر چلو، ابھی اپنے اصل روپ میں آ جاؤں گا۔"

میرے ساتھ آنے والے افسر نے میری تصدیق کی۔ تب بختاور نے مجھے گلے لگا لیا۔ بیگم دعائیں دینے لگیں۔ میں بچی کو گود میں لے کر خوب پیار کرنے لگا۔ زبیر نے ندامت سے کہا "بھائی جان! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "اس وقت تو آئینہ دیکھ کر میں بھی خود کو نہیں پہچان سکتا۔ اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ چلو۔"

ہم سب اندر آئے۔ سونیا اوپر بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی مجھے دیکھتے ہی پیچھے ہٹ گئی۔ زبیر نے مسکراتے ہوئے کہا "ہماری ہونے والی بھابی پردہ کر رہی ہیں۔ شاہینہ کا بہت سختی سے حکم ہے کہ آپ ان کے سامنے نہ جائیں۔ وہ آپ کے سامنے نہ آئیں مگر ہاں، شاہینہ اور منصور کہاں ہیں؟"

میں نے مختصر طور پر انھیں بتایا "ایئرپورٹ پر ایک قتل کی واردات ہو گئی ہے۔ مجھے الگ گاڑی میں آنا پڑا اور وہ لوگ سعید احمد کے ساتھ....."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ اسی وقت پورچ میں ایک گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا "شاید وہ لوگ آ گئے ہیں۔"

زبیر نے پوچھا "یہ شاید کا کیا مطلب ہوا۔ آپ تو خیال خوانی کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں۔ دوسرے لمحے آنکھیں کھول کر کہا "ہاں شاہینہ آ گئی ہے۔" میں دروازے کی طرف بڑھا۔ اُدھر سے وہ داخل ہوئی۔ اس نے ٹھٹھک کر مجھے دیکھا میں نے گود کی بچی کو چومتے ہوئے کہا "میری شاہینہ! میں تمہارا بھائی فرہاد ہوں۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے شوہر زبیر کو دیکھا۔ اس کے ساس سسر نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں بیٹی یہ تمہارے بھائی جان ہیں۔" زبیر نے بھی تائید کی تب وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔

بہنوں کے آنسو بھی خوب ہوتے ہیں۔ بھائی بچھڑتے ہیں تو بھی روتی ہیں، بھائی ملتے ہیں تب بھی روتی ہیں۔ کیا کیا جائے خوشیوں کی انتہا قہقہوں سے نہیں آنسوؤں سے ظاہر ہوتی ہے۔

میں چند لمحوں تک خاموش رہا، شاہینہ کو اپنے بازوؤں میں محسوس کرتا رہا۔ وہ میرے لیے اب بھی ایک ننھی سی بچی تھی جو میری گود میں کھیلتی رہی تھی اور مجھے اپنی ماں اور اپنا باپ سمجھتی رہی تھی۔ برسوں کے بعد ہمارے اس ملاپ میں بڑی سنجیدگی تھی لیکن میں نے سوچا۔ سنجیدگی اختیار کروں گا تو یہ روتی ہی رہے گی۔ اس کے آنسو پونچھنا مشکل ہو جائے گا۔

میں نے فوراً ہی زندہ دلی کا مظاہرہ کیا "منصور! میں جانتا ہوں تم مجھ سے مصافحہ کرنے یا بغل گیر ہونے کے لیے بے چین ہو لیکن کیا کیا جائے یہ میری بیٹی ہے۔ اس نے آتے ہی مجھ پر قبضہ

جالیا ہے اب تو یہ مجھے کسی سے ملنے نہیں دے گی۔"

شاہینہ نے آنسو پونچھ کر مسکراتے ہوئے کہا: "کیوں نہیں ملنے دوں گی۔ آج ہی تو مجھے موقع ملا ہے۔ میں اپنے سسرال والوں کے سامنے فخر سے ایک ایسے بھائی کو پیش کر سکتی ہوں جس کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ جو ساری دنیا میں بھائی کے رشتے سے جب بھی پہچانا جائے گا تو شاہینہ کے نام سے پہچانا جائے گا۔ یہ فخر مجھے اپنی سسرال میں حاصل ہے۔"

بخاولنے آگے بڑھ کر شاہینہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! ہمیں تو شروع سے تم پر فخر ہے۔ تم ہمارے خاندان کی بڑی بہو ہو۔ رہ گئے فرہاد میاں تو اب ہمارا خاندان بھی انھیں اپنا رشتہ دار کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا رہے گا۔"

شاہینہ نے مجھے پیار سے جھنجوڑتے ہوئے کہا: "پہلے اپنی صورت تو دکھائیے۔"

"وینشنگ کریم لے آؤ۔ میں ہاتھ روم میں جا کر میک اپ صاف کروں گا۔"

میں نے منصور سے مصافحہ کیا۔ وہ مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اسی وقت سعید احمد بھی اندر آئے۔ وہ بھی مجھ سے بغل گیر ہو گئے۔ ان سے تھوڑی دیر تک باتیں ہوئیں۔ پھر میں بچی کو شاہینہ کی گود میں دے کر ہاتھ روم میں چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اپنے اصلی روپ میں تھا۔ شاہینہ پھر مجھ سے لپٹ گئی۔ ایک ملازم ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ ٹرالی کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی چلی آ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا کر سلام کیا۔ پھر کہا: "مجھے پہچانیے میں کون ہوں مگر آپ خیال خوانی نہ کریں۔"

میں شاہینہ کے ساتھ چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ پھر اسے دوسرے بازو میں سمیٹ کر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا: "تم میری وہ بہن ہو جو بے ہوش ہو کر پلنگ کے نیچے سو جاتی ہے۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ سلمیٰ جھینپ گئی۔ منصور نے مجھ سے کہا: "بھائی جان! اگر سونیا بھابی نہ ہوتیں تو ہمیں پتہ ہی نہ چلتا کہ یہ پلنگ کے نیچے بے ہوش پڑی ہیں۔ بے چاری بھابی ادھر دشمنوں میں جا کر پھنس گئی تھیں۔"

میں نے سونیا کے ذکر پر سر اٹھا کر بالکنی کی طرف دیکھا وہ کھڑی ہوئی تھی۔ اسی وقت شاہینہ نے سخت مگر محبت بھرے لہجے میں کہا: "یہ کیا ہو رہا ہے؟ بھابی اندر جائیے۔"

اس بات پر قہقہے بلند ہوئے۔ سعید احمد نے کہا: "شاہینہ ایسا ظلم تو نہ کرو۔ فرہاد بہت دنوں بعد آیا ہے۔ اسے سونیا سے دو باتیں کرنے کا موقع دو۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "اگرچہ ہمارے ہاں پردے کا رواج نہیں ہے لیکن شادی سے پہلے دلھنیں پردہ کرتی ہیں۔"

اس کی باتوں کے دوران میں نے سونیا سے کہا: "میری جان! کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ بس خیال خوانی کے ذریعے ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔"

یہ کہہ کر میں نے شاہینہ سے کہا: "اچھا مجھے تھوڑی دیر خاموش رہنے کی اجازت دو۔ میں کچھ ضروری دماغی رابطے قائم کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ میں خوب سمجھتی ہوں —— آپ بھابی سے باتیں کریں گے۔"

"میں دشمنوں کے سلسلے میں رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔" پھر میں نے سعید احمد سے کہا: "سعید صاحب! میں نے آپ کو خیال خوانی کے ذریعے بتایا تھا کہ ایک بلی ایئرپورٹ کی طرف آئے گی۔"

سعید احمد نے کہا: "مجھے یاد ہے لیکن محافظوں کو بلی کہیں نظر نہیں آئی۔"

میں نے مختصر طور پر وہ واقعات سنائے کہ کس طرح چمکیلی نے بلی کا جسم چھوڑ دیا تھا اور اس عورت کے جسم کو اپنا لیا تھا جو ایئرپورٹ کے حدود میں ماری گئی ہے۔ وہ سب حیرانی سے میری باتیں سن رہے تھے۔ سعید احمد نے پوچھا: "تمہارے بیان کے مطابق وہ ماری جانے والی عورت بھائی جان کہتی ہوئی تمہارے پاس آ رہی تھی۔"

"ہاں! اور دشمن اسے شاہینہ سمجھ رہے تھے۔ اسی لیے گولی مار دی۔"

سب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ لوگ کبھی شاہینہ کو اور کبھی مجھ کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے سر ہلا کر کہا: "دشمن مجھے صدمہ پہنچانا چاہتے تھے۔ اس سے بڑا صدمہ اور کوئی نہ ہوتا کہ میری آنکھوں کے سامنے میری بہن قتل کر دی جاتی۔ خدا کا شکر ہے۔ کسی پراسرار دوشیزہ نے شاہینہ کو موت کے منہ سے بچا لیا۔"

سعید احمد نے پوچھا: "وہ کون ہو سکتی ہے؟"

"کبھی وہ میری ٹیلی پیتھی کی زد میں آئے گی تو میں کچھ معلوم کر سکوں گا۔ اچھا میں اس بھوندو چمار کو قانون کے ہاتھوں میں دے دوں۔ پھر باتیں کریں گے۔"

یہ کہہ کر میں نے بھوندو کے دماغ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ پریشان حال ایک جگہ کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کہ چمکیلی واپس کیوں نہیں آئی۔ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ دوڑتے ہوئے ایئرپورٹ کی طرف جانے لگا۔ وہاں قتل کے متعلق طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ جب بھوندو وہاں پہنچا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس کے قریب ہی دو آدمی باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا: "کوئی عورت ماری گئی ہے پتہ نہیں چلتا کہ کون ہے۔ پولیس والے ادھر کسی کو جانے نہیں دیتے ہیں۔"

دوسرے شخص نے کہا: "میں نے اس عورت کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ دوڑتے ہوئے ان لوگوں کی طرف جا رہی تھی جو طیارے سے اتر کر آ رہے تھے اور وہ کسی کو بھائی جان کہہ کر پکار رہی تھی۔"

میں نے بھوندو کی زبان سے سوال کیا: "بھائی صاحب! کیا آپ اس عورت کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟ وہ کس قسم کے لباس میں تھی؟"

اس شخص نے ذرا سوچتے ہوئے کہا: "میں نے اس کا چہرہ تو نہیں دیکھا۔ جب وہ بھاگ رہی تھی تو اس کی پشت میری طرف تھی۔ ہاں اس نے چاکلیٹ کلر کا شلوار سوٹ پہنا ہوا تھا۔"

"کیا اس چاکلیٹ کلر کے اوپر نارنجی اور پیلے رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے؟"

اس شخص نے سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہاں ہاں ایسے ہی پھول بنے ہوئے تھے۔"

بھوندو نے ایک چیخ ماری اور اپنے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: "ہائے چمکیلی! کیا تو مر گئی ہے؟ کس نے تجھے مار ڈالا؟ کیا تو میرے پاس دوبارہ واپس نہیں آئے گی؟"

وہ دونوں اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے پوچھا: "کیا تم اس عورت کو جانتے ہو؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔" پھر وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا: "نہیں، نہیں، وہ نہیں مر سکتی وہ کبھی نہیں مر سکتی۔ وہ امر ہے۔ میں اسے مرنے نہیں دوں گا۔"

اس وقت ایک ٹرالی پر اس مرنے والی کی لاش رکھ کر لے جائی جا رہی تھی۔ اس پر ایک چادر ڈال دی گئی تھی۔ پولیس والے مسافروں کو دور ہٹا رہے تھے۔ کسی کو قریب آنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ بھوندو کے قریب کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔ "یہ اسی عورت کی لاش کو لے جا رہے ہیں۔"

یہ سنتے ہی بھوندو چمکیلی کا نام لے کر چیخیں مارتے ہوئے اس لاش کی طرف جانے لگا۔ دو سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا مگر وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک سپاہی نے آ کر اس کے منہ پر طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا: "ابے کیا بکواس کر رہا ہے۔ کیا چاہتا ہے؟"

وہ کہنے لگا: "یہ میری عورت ہے۔ یہ چمکیلی ہے۔ مجھے اس کے پاس جانے دو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میں بھوندو کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے لوگوں میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ میرے حاضر ہوتے ہی سب نے ناشتہ کرنا شروع کیا۔ میں سعید احمد کو بتانے لگا: "میں نے بھوندو چمار کو پولیس والوں کے ہتھے چڑھا دیا ہے۔ اب جو بھی ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم کر لیا جائے گا۔"

میں نے محسوس کیا۔ سعید صاحب میری باتوں کو توجہ سے نہیں سن رہے ہیں بلکہ ٹالنے کے انداز میں ہوں ہاں کرتے جا رہے ہیں۔ مجھے چپ چاپ ان کے دماغ میں جھانکنا پڑا۔ تب میں مسکراتے مسکراتے رہ گیا۔ بات بڑی دلچسپ تھی۔ سعید احمد سامنے بیٹھی ہوئی سلمیٰ سے متاثر ہو رہے تھے۔ ان کا دھیان اسی کی طرف لگا ہوا تھا اور وہ سب کی نظریں بچا بچا کر اسے دیکھ رہے تھے۔

یوں تو خوب صورت اور اسمارٹ لڑکیاں بہت سی نظر آتی ہیں لیکن سلمیٰ میں کچھ اور خوبیاں بھی تھیں۔ خوب صورت اور تعلیم یافتہ ہونے اور نئی نسل کے نئے رجحانات رکھنے کے باوجود اس میں گھریلو لڑکیوں جیسی سنجیدگی تھی۔ وہ بے پردگی سے آزادانہ گھومتی تھی لیکن شرم و حیا کا پاس تھا۔ بڑے ہی پیارے انداز میں نظریں جھکا کر مسکراتے ہوئے باتیں کرتی تھی۔ یہی انداز سعید احمد کو لبھا رہا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ان کی جان لے رہا تھا۔

ہم خواہ کتنے ہی فیشن ایبل اور مغرب زدہ ہوں لیکن اپنی آئیڈیل شریک حیات کے بارے میں سوچتے ہیں تو اس میں مشرقی تہذیب تلاش کرتے ہیں۔ خصوصاً مشرقی شرم و حیا کے بغیر ہم کسی عورت کو اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں کرتے۔ سعید احمد بھی جانے کتنے خاندانوں میں اٹھتے بیٹھتے تھے اونچی سوسائٹی میں رہتے تھے لیکن سلمیٰ جیسی لڑکی نے انھیں پہلی بار متاثر کیا تھا۔ شاید اس لیے کہ ہمارے ہاں اب کسی کسی گھر میں سلمیٰ جیسا مشرقی انداز نظر آتا ہے۔

مجھے یہ جوڑا بہت پسند آیا۔ میں نے اسی وقت دونوں کو ایک سنگم پر لانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس ارادے سے چپ چاپ سلمیٰ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے شوق کو بھی سعید احمد کی طرف ہوا دوں۔ جب وہاں پہنچا تو انکشاف ہوا کہ لڑکیاں خاموش رہتی ہیں لیکن ان کی خاموشی کا مطلب نادانی نہیں ہوتا۔ سلمیٰ ان کی نگاہوں کو محسوس کر رہی تھی۔ پہلی بار جب اس کی چھٹی حس نے بتایا کہ دو آنکھیں اسے پیار سے اور پسندیدگی سے

دیکھ رہی ہیں تو اس نے نظریں اٹھا کر سعید صاحب کی طرف دیکھا تھا۔ پھر جلدی سے نظریں جھکا لی تھیں۔ اس وقت اسے گھبراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ دل کی دھڑکنیں کچھ کہنے لگی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ وہ گھبراہٹ شرم و حیا میں تبدیل ہونے لگی۔ اب وہ نظریں اٹھا کر نہیں دیکھ رہی تھی۔

اس کی سوچ کہہ رہی تھی: "یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ مجھے تو دن رات جانے کتنے لوگ دیکھتے رہتے ہیں۔ میں کبھی کسی کی پروا نہیں کرتی مگر یہ دیکھ رہے ہیں تو کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔"

کیسا عجیب سا لگ رہا ہے، اس کی تفسیر اتنی جلدی سمجھ میں آتی نہیں ہے لیکن بے اختیار ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ اس کا دل کہہ رہا تھا: "سعید صاحب بہت اچھے ہیں۔ سوٹ میں کیسے بھاری بھرکم اور باوقار نظر آرہے ہیں۔ ہائے اللہ! یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ یہ اتنے بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہیں۔ کہاں یہ، کہاں میں......"

میں نے سوچا۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ ان کے درمیان کوئی چکر چلانا ہوگا۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے اگر کسی لڑکے کو کسی لڑکی سے محبت ہوتی ہے تو لڑکا دانستہ وہ چیز پسند کرتا ہے جو لڑکی کو پسند ہوتی ہے۔ اس کا دل جیتنے کے لیے اس کا ہم مزاج بننے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے سلمیٰ کی سوچ میں معلوم کیا کہ اس کی پسندیدہ چیزیں کیا ہیں اور اس کا پسندیدہ مشغلہ کیا ہے؟ اسے مصوری کا بہت شوق تھا اپنے کمرے کے پاس ہی دوسرے کمرے میں اس نے چھوٹا سا اسٹوڈیو قائم کر رکھا تھا۔ جہاں وہ فرصت کے اوقات میں پینٹنگ کرتی رہتی تھی۔

میں سعید صاحب کی پسند اور ناپسند کو اور ان کے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ جب پہلی بار انھوں نے ثمر سے محبت کی تھی تو میں نے ثمر کو بھابی بنانے کے لیے ٹیلی پیتھی سے بہت کام لیا تھا۔ میرے ذریعے وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے۔ افسوس کہ ثمر بھابی اس دنیا میں نہیں رہیں۔ اس کے بعد کافی عرصے تک سعید صاحب نے شادی کے متعلق نہیں سوچا۔

میں نے سعید صاحب کے اندر ذرا شوخی پیدا کی۔ وہ بے اختیار بولے "بھئی ہم کچھ نہ کچھ کھا رہے ہیں لیکن سلمیٰ منہ دیکھ رہی ہیں۔ کیا ڈاکٹر نے انھیں منع کیا ہے؟"

سلمیٰ نے فوراً اپنے دوپٹے کو ادھر ادھر سے درست کیا۔ شرم و حیا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زبان بند ہو جائے۔ شرم آنکھوں میں ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی نظریں جھکی رہیں۔ وہ بڑے ہلکے تبسم کے ساتھ بولی: "کسی کو کھانے کا شوق ہوتا ہے کسی کو کھلانے کا۔"

میں نے کہا: "سلمیٰ! اس کا عملی ثبوت دینا ہے۔"

سلمیٰ نے فوراً ہی ایک نمکین ڈش اٹھا کر سعید صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "لیجیے، میں اپنا شوق پورا کر رہی ہوں کھلانے کا۔ آپ اپنا شوق پورا کریں کھانے کا۔"

اس بات پر سب قہقہے لگانے لگے۔ سعید صاحب نے جھینپ کر کہا: "اچھا تو مجھے پیٹو سمجھ کر قہقہے لگائے جا رہے ہیں۔"

"آپ سلمیٰ کی گفتگو کو سمجھیں کتنے اچھے انداز میں اس نے اپنے اور آپ کے شوق کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔"

سعید احمد نے کہا: "ویسے سلمیٰ کی یہ بات مجھے بڑی پسند آئی ہے کہ یہ بزرگوں کے سامنے منہ کھول کر نہیں ہنستی ہیں، ہر ہنسنے کی بات کو مسکرا کر ٹال دیتی ہیں۔"

میں نے کہا: "سعید صاحب! میری بہن میں بڑی خوبیاں ہیں۔ یہ آپ کو رفتہ رفتہ معلوم ہوگا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ سلمیٰ بہت اچھی تصویریں بناتی ہے؟"

سعید احمد نے چونک کر سلمیٰ کو دیکھا۔ پھر تعریفی انداز میں کہا: "بھئی مجھے تو مصوری سے بڑا لگاؤ ہے۔ میں چاہتا ہوں کوئی مجھے مونالیزا کی مسکراہٹ کینوس پر اتار کر دے۔"

سلمیٰ نے کہا: "مونالیزا کی مسکراہٹ عورت کی حیا، تقدس، سنجیدگی اور اس کی کم سخنی کی ایک بھرپور تفسیر ہے۔ اس مسکراہٹ کو سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسے کینوس پر اتارنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے کوشش کی ہے۔ میرے ذاتی اسٹوڈیو میں ایسی ہی ایک تصویر موجود ہے۔"

سعید صاحب نے کہا: "میں ضرور دیکھوں گا اور ابھی دیکھوں گا۔"

میں نے کہا: "آپ کا ہاتھ کس نے پکڑا ہے۔ جائیے اور دیکھ لیجیے۔ آپ کے چلے جانے سے کم از کم ہمیں کھانے کا موقع تو ملے گا۔"

اس بات پر سب ہی قہقہے لگانے لگے۔ میں نے سلمیٰ سے کہا: "چلو اٹھو۔ سعید صاحب کو لے جا کر اپنا اسٹوڈیو دکھاؤ۔"

سلمیٰ ہچکچانے لگی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "یہ اچھا موقع ہے۔ مجھے جانا چاہیے لیکن امی اور ابو کیا سوچیں گے؟"

میں نے فوراً ہی بختاور کی زبان سے کہلوایا: "ہاں بیٹی جاؤ، سعید صاحب کو اسٹوڈیو دکھاؤ۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ انھیں بھی مصوری کا شوق ہے۔"

سعید صاحب یہی چاہتے تھے۔ فوراً ہی کھڑے ہو گئے۔ سلمیٰ کو بھی اٹھنا پڑا۔ وہ آنچل کو درست کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ سعید صاحب اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دروازے سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

میں نے بختاور سے کہا: "انکل! میں شاہینہ کی طرح سلمیٰ کو بھی اپنی بہن سمجھتا ہوں اور اپنے طور پر اس کا رشتہ طے کرنا چاہتا ہوں۔"

بیگم اور بختاور نے تقریباً ایک ساتھ کہا: "یہ ہماری خوش نصیبی ہے۔"

زبیر نے کہا: "بھائی جان! آپ نے یہ ذمہ داری لے کر ہمارے سر سے بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ کیا آپ کی نظروں میں کوئی لڑکا ہے؟"

"ہے تو سہی۔ کیا آپ لوگ میری پیش کش منظور کریں گے؟"

بختاور نے کہا: "بیٹا! تم غیروں کی طرح کیوں باتیں کر رہے ہو۔ وہ تمھاری بہن ہے۔ تم جس سے بھی منسوب کرو گے ہم اس کا حسب و نسب پوچھنے بھی نہیں جائیں گے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے شاہینہ کو دیکھا۔ پھر بختاور کی بیگم سے کہا: "آنٹی! آپ یہ بتائیں۔ ہمارے سعید صاحب کیسے رہیں گے؟"

"کیا؟" سب ہی نے حیرانی سے میری طرف دیکھا۔ سبھی کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنے بڑے سرکاری عہدیدار سے سلمیٰ منسوب ہو سکے گی۔ بختاور نے پوچھا: "کیا سعید صاحب نے تم سے اس سلسلے میں کچھ کہا ہے؟"

"انکل! کیا میرے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت پڑتی ہے؟ میں خود ہی اس کے دماغ سے باتیں نکال کر لے آتا ہوں۔"

وہ مسکرانے لگے۔ زبیر نے کہا: "واہ! کمال ہے بھائی جان یعنی آپ نے چپکے چپکے سعید صاحب کے دل کی بات معلوم کی ہے۔"

"میں دونوں کے ہی دل کی باتیں جانتا ہوں۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کر رہے ہیں لیکن آپ لوگ ابھی اس معاملے میں بالکل انجان بنے رہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔ بس دونوں کو ملنے جلنے کی آزادی دی جائے یہ بات رفتہ رفتہ شادی تک پہنچ جائے گی۔"

شاہینہ نے خوش ہو کر کہا: "ہائے بھائی جان! آپ کے پاس کتنا حیرت انگیز علم ہے۔ ادھر لڑکے کے دماغ میں منتر پڑھا۔ ادھر لڑکی کے دماغ میں پھونک ماری اور دونوں شادی کے لیے راضی ہو گئے۔ آپ شادی دفتر کھول لیں بہتوں کا بھلا ہوگا۔"

اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔ میں نے شاہینہ سے کہا: "لیکن تم کسی کی بھلائی نہیں چاہتیں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا: "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"درست کہہ رہا ہوں۔ ہم سب کتنے خوش ہیں کیسے قہقہے لگا رہے ہیں جیسے دنیا جہاں کی خوشیاں مل گئی ہوں اور وہ بے چاری سونیا اکیلی کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے یا کہیں چھپی ہوئی ہم لوگوں کو دیکھ رہی ہے۔ کتنا ظلم ہو رہا ہے بے چاری ہماری ہنسی میں شریک نہیں ہو سکتی۔"

منصور نے مجھ سے کہا: "بھائی جان! آپ کو اتنا زیادہ ہنستے دیکھ کر ایک سوال پیدا ہو رہا ہے۔ ذرا جواب دیں۔ کیا یہ لطیفہ درست ہے کہ ابھی آپ ہنس رہے ہیں۔ شادی کے بعد سونیا بھابی خوب ہنسیں گی اور آپ روئیں گے۔"

منصور کی امی نے ڈانٹ کر کہا: "روئیں فرہاد کے دشمن، ایسی منحوس باتیں نہ کرو۔"

"امی! یہ منحوس باتیں نہیں لطیفہ ہے۔"

"چولھے میں گیا تمھارا لطیفہ۔"

ان کی بات ختم ہوتے ہی ٹیلی فون کی مختصر سی گھنٹی سنائی دی۔ شاہینہ نے ریسیور کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: "اچھا تو بھابی کو سکون نہیں مل رہا ہے۔ اوپر سے فون کر رہی ہیں۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر کہا: "ہیلو! کیا بات ہے؟"

میں نے شاہینہ کے دماغ سے سنا۔ اوپر سے سونیا بول رہی تھی: "اپنے بھائی جان سے کہو، ہنسی مذاق میں مگن نہ رہیں۔ اپنے دشمنوں کی بھی خبر لیں۔ ذرا معلوم کریں کہ ائیرپورٹ پر مرنے والی وہ عورت کون تھی اور بھوندو چمار کا کیا ہوا؟"

"بھابی! یہ پولیس والے، انٹیلی جنس والے اور سعید صاحب کے محکمے والے سمجھیں گے۔ بھائی جان کو تھوڑی دیر آرام کرنے اور ہنسنے بولنے کا تو موقع دیں۔"

میں نے انجان بن کر پوچھا: "شاہینہ کیا بات ہے؟"

وہ مجھے سونیا کی باتیں بتلانے لگی۔ میں نے فوراً ہی اٹھ کر کہا: "اوہ، میں تو واقعی ہنسی مذاق میں بھول گیا تھا۔ یہ معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہیں۔ میں ابھی دوسرے افسران سے باتیں کر کے آتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے میں کوٹھی کے باہر آیا۔ احاطے میں اور احاطے کے مین گیٹ پر مسلح جوان موجود تھے۔ انیکسی میں دو افسر بھی تھے۔ میں نے وہاں آ کر پوچھا: "کچھ پتہ چلا وہ مرنے والی کون تھی؟"

ایک افسر نے ٹرانسمیٹر کی طرف سے پلٹ کر کہا: "وہ عورت میک اپ میں تھی۔ اس کا میک اپ اتارا گیا تو شناخت ہو گئی۔ یہ دشمنوں کے گروہ سے تعلق رکھنے والی ایک عورت ہے۔ اس کا نام مالنی ہے۔ مادام سونیا جانتی ہیں۔ شاید آپ کو بھی معلوم ہو۔"

میں نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "لیکن مالنی اور جیمس روبن تو سرحد پار کر چکے ہیں؟"

"ان کے سفارت خانے سے یہی رپورٹ ملی تھی لیکن مالنی کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ جیمس روبن بھی یہاں موجود ہے۔"

میں ایک کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ میری سوچ کا مرکز وہی پراسرار دوشیزہ تھی۔ اب اس کی ایک اور چال سمجھ میں آئی۔

وہ یہ کہ اس نے ایک تیر سے کئی شکار کیے تھے۔ اس نے مالنی کو شاہینہ بنا کر پیش کیا تھا یعنی ایک طرف اس نے چمکیلی کو ختم کیا۔ دوسری طرف اسی جسم والی مالنی کو ختم کیا۔ تیسرے یہ کہ مالنی ٹمل مین کی آلۂ کار تھی۔ انھیں بھی نقصان پہنچایا۔ یقیناً ٹمل مین کے ہی کسی آدمی نے مالنی کو نہ پہچانتے ہوئے اور اسے شاہینہ سمجھتے ہوئے گولی ماری تھی کیونکہ مالنی میک اپ میں تھی۔ اپنے اصلی روپ میں نہیں تھی۔ ٹمل مین کا وہ آلۂ کار جس نے گولی ماری تھی وہ مالنی کے اصل روپ کو تو جانتا ہوگا لیکن اسے یہ نہیں معلوم ہوگا کہ وہ میک اپ میں چھپ کر ائرپورٹ کی طرف آئی ہے اور وہی شاہینہ بن کر فرہاد کی طرف بڑھ رہی ہے۔

وہ پُراسرار دوشیزہ بہت سوچ سمجھ کر بڑی گہری چالیں چلتی رہی تھی اور ان چالوں میں کامیاب ہو چکی تھی لیکن وہ ایسا کیوں کر رہی تھی؟ وہ ٹمل مین کی دشمن اور میری دوست کیسے تھی؟ کون تھی؟ مجھ سے ہمدردی کیوں کر رہی تھی؟ شاہینہ کو اس نے میری خاطر کیوں بچایا تھا؟ جب وہ میرے لیے اتنا کچھ کر رہی تھی تو اس نے میری ساتھی کا لہو کہاں سے پایا تھا؟ کیوں اسے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ دوستی کا کون سا انداز ہے کہ ایک طرف شاہینہ کو بچایا جائے، دوسری طرف ساتھی کو مار دیا جائے۔ کیا وہ کوئی ایسی چال نہیں چل سکتی تھی کہ دونوں کی زندگی بچائی جا سکتی؟

ایک آفیسر نے کہا: "فرہاد صاحب! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بھونددو چمار گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ اس عورت کے قتل کے سلسلے میں کچھ جادوئی قصے سنا رہا ہے۔ پاگل معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے کہا: "پولیس والے تو کیا، اس دور کے بچے بھی اس بات کو پاگل پن ہی کہیں گے۔ بہرحال بھونددو چمار اب قانون کے ہاتھوں سزا پائے گا۔ اس کی میری نظروں میں کوئی اہمیت نہیں رہی۔"

میری نظروں میں اس وقت صرف ایک ہستی کی اہمیت تھی اور وہ پُراسرار دوشیزہ تھی۔ میں کسی طرح معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے لیکن کیسے معلوم کروں؟ معلومات کا کوئی ذریعہ تو ہونا چاہیے اور اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

یہ سوچتے ہوئے میں چونک گیا۔ تعلق کیوں نہیں ہے اگرچہ میں اسے نہیں جانتا ہوں مگر وہ تو مجھے جانتی ہے۔ پھر وہ میرے دشمنوں کو بھی جانتی ہے۔ یقیناً وہ میرے کسی آدمی سے یا دشمنوں کے کسی آلۂ کار سے ضرور کوئی رابطہ رکھتی ہوگی تب ہی اسے دشمنوں کے منصوبوں کا علم ہوتا ہوگا۔ ویسے وہ کیسے وسیع ذرائع کی مالک تھی؟ کس طرح اتنی ساری معلومات حاصل کر لیتی تھی؟

یہاں دشمنوں کا ایک آدمی تھامسن میری ٹیلی پیتھی کی زد میں تھا۔ اس دوشیزہ نے بھونددو چمار اور چمکیلی کو ٹریپ کیا تو ہو سکتا ہے کہ اس نے تھامسن کو بھی ٹریپ کیا ہو اور ہاں وہ مالنی اور جیمس روبن کو بھی جانتی تھی جبھی تو اس نے مالنی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا یعنی میں جیمس روبن اور تھامسن جیسے آدمیوں کو جانتا تھا جن سے اس دوشیزہ کا بھی رابطہ رہا ہے۔

میں اس نکتے پر پہنچ کر پہلے جیمس روبن کے پاس پہنچا۔ وہ ایک کمرے میں بند تھا۔ اِدھر سے اُدھر ٹہلتا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔ بہت پریشان تھا۔ سوچ رہا تھا "میں نے بڑی غلطی کی۔ مالنی کے ساتھ ائرپورٹ کی طرف نہیں جانا چاہیے تھا لیکن میں کیا کرتا۔ مالنی کی ضد تھی۔ وہ فرہاد کو دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے بھی سوچا کہ اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہیے شاید ہم کسی طرح اسے نقصان پہنچا سکیں یا اس کی ٹیلی پیتھی سے محفوظ رہنے کا کوئی راستہ دریافت کر سکیں۔ ہمارے دماغوں میں بہت سا تجسس تھا جو ہمیں کشاں کشاں وہاں لے گیا۔"

وہ ایک سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگانے کے بعد سوچنے لگا "پولیس والوں نے مالنی کی لاش کو پہچان لیا ہوگا۔ اس کے چہرے سے میک اپ اتر گیا ہوگا۔ اب وہ لوگ میری تلاش میں ہوں گے۔ سفارت خانے والوں نے یہاں کی سرکار کو یقین دلایا تھا کہ ہم سرحد پار کر چکے ہیں لیکن اب کیا ہوگا۔ اوہ! وہ کم بخت پُراسرار دوشیزہ کون تھی؟ اس نے وارننگ دی تھی کہ ہم نے اس کے مشوروں پر عمل نہ کیا تو ہم میں سے کسی کی جان جائے گی۔"

میں جیمس روبن کے دماغ سے اس دوشیزہ کا ذکر سن کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور توجہ سے اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا "کل رات دس بجے جب میں اور مالنی رات کے کھانے سے فارغ ہوئے تو دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ باہر گیٹ کے احاطے کے پاس ایک سفید رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اسی کار میں کوئی آیا تھا۔ دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دروازے کے پاس جو کوئی تھا وہ کھڑکی سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کون ہے؟" ایک نہایت ہی دلکش آواز سنائی دی "

فرام ٹمل مین، پلیز اوپن دی ڈور۔"

میں نے تیزی سے دروازے کے پاس پہنچ کر اسے کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی میں نے اپنے سامنے ایک ایسی حسین دوشیزہ کو دیکھا جس پر سے نظریں نہ ہٹ سکیں، مجھے محسوس ہوا جیسے اس کا حسن مجھے مسحور کر رہا ہے۔ عجیب بے مثال حسن تھا

لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے گلے میں سیاہ موتیوں کی ایک مالا پہنے ہوئے تھی۔ وہ غیر معمولی مالا تھی اس کے موتی یکے بعد دیگرے یوں چمکتے تھے جیسے ننھے آنکھ کھول رہے ہوں۔ پھر آنکھ کھول کر روشنی دکھا رہے ہوں۔ میں نے موتیوں کی ایسی مالا کبھی دیکھی نہیں تھی۔ کبھی اس کے متعلق سنا نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مالا اس دوشیزہ کے جسم کا ایک اہم حصہ ہو۔ اس کی شخصیت سے اس مالا کا گہرا تعلق ہو۔

میں ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ ایک ادائے ناز سے کمرے میں داخل ہوئی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک صوفے کی طرف جانے لگی۔ کیا غضب کی چال تھی۔ یوں لگتا تھا، اس کے پاؤں زمین پر نہ پڑ رہے ہوں۔ ہوا اپنی ہتھیلی پر اسے اٹھائے اٹھائے اس کی چال کو ایک نیا انداز دے رہی ہو۔

وہ صوفے کے پاس پہنچ کر پلٹ گئی۔ میری طرف بڑی سنجیدگی سے دیکھا پھر موڑ کر دروازے کو دیکھا۔ وہاں مالنی کھڑی ہوئی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ صوفے کے ہتھے پر ہاتھ رکھ لیے وہ ایسے شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے ملکۂ عالیہ تختِ طاؤس پر جلوہ افروز ہوں۔

ہم کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوتے لیکن اس کے انداز میں اس کی شخصیت میں ایسا رعب اور دبدبہ تھا کہ میں اور مالنی دونوں ہی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو رہے تھے۔ اسی وقت اس دوشیزہ نے نہایت مترنم آواز میں کہا "میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں تمھارے دوستوں میں سے نہیں ہوں۔ ٹمل مین سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

یہ سنتے ہی میں چونک گیا۔ جلدی سے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر غرّا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا "کون ہو تم؟ یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولی "روبن! مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے لہجے کو نرم رکھو۔ ورنہ میں ابھی تم دونوں کو قانون کے حوالے کر دوں گی۔"

اس کی دھمکی بڑی زوردار تھی۔ میں ٹھنڈا پڑ گیا۔ مالنی بھی مرجھا سی گئی۔ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی "بہن! تم کون ہو اور ہم سے کیا چاہتی ہو؟"

"میں کسی کی بہن نہیں ہوں۔ میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں کسی کی بے تکلفی برداشت نہیں کرتی۔"

مالنی نے جلدی سے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے پوچھا کہ آپ چاہتی کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ "میں چاہتی ہوں تم دونوں ٹمل مین سے ملاقات کرو اور اس سے باتیں کرو۔"

میں نے کہا "ٹمل مین کسی سے باتیں نہیں کرتا ہے نہ کبھی ملاقات کرتا ہے۔ ہم نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔"

اس دوشیزہ نے بڑے یقین کے ساتھ کہا "میں تمھیں اس کا جلوہ دکھاؤں گی، تمھیں اس کا پتہ بتاؤں گی تم اور مالنی اس سے گفتگو کرو گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم ٹمل مین کو جانتی ہو؟"

"یہ سوال فضول ہے۔ ابھی میں کہہ چکی ہوں۔۔۔۔۔"

"تم یہ کیوں چاہتی ہو کہ ہم اس سے گفتگو کریں؟"

"اسی لیے کہ جب فرہاد یہاں آئے تو تمھارے دماغ کے ذریعے ٹمل مین تک پہنچ جائے۔"

میں نے گھبرا کر پوچھا "تم کون ہو؟ فرہاد کو کیسے جانتی ہو؟ کیا فرہاد میرے دماغ تک پہنچ چکا ہے؟"

"اگر نہیں پہنچا ہے تو صبح تم اور مالنی ائرپورٹ جاؤ گے اور کسی بہانے فرہاد سے کوئی بات کرو گے۔ اس طرح وہ تمھارے دماغوں کے دروازے سے گزر کر ٹمل مین کے دماغ تک پہنچ جائے گا۔ میں یہ بات صرف تم سے نہیں کہہ رہی ہوں۔ ٹمل مین کے تمام آلۂ کاروں سے کہہ رہی ہوں کہ وہ ٹمل مین کو ایک راز نہ رہنے دیں۔"

"تم فرہاد کی کون ہو؟"

"یہ غیر ضروری سوال ہے میرے سوال کا جواب دو۔"

"ہم یا مالنی فرہاد کا سامنا نہیں کر سکتے۔ ٹمل مین کا حکم ہے کہ ہم یہاں چھپے رہیں یہاں کی انٹیلی جنس والوں کو یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ ہم سرحد پار بھاگ گئے ہیں۔ ٹمل مین مجھے اور مالنی کو چھوڑنا نہیں چاہتا خصوصاً مالنی اردو زبان بہت روانی سے بولتی ہے اس کی یہاں سخت ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے میں بھی یہاں ہوں۔ اب ہم ٹمل مین کی مرضی کے خلاف تمھارے بتائے ہوئے پتے پر اس سے ملاقات کریں گے تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

وہ بولی "میں تمھیں بتاؤں گی کہ ٹمل مین کس دن کس وقت کس ہوٹل میں کھانے کے لیے جائے گا تم اور مالنی بھی اسی وقت اسی ہوٹل میں کھانے کے لیے جاؤ گے اور اس کی ناواقفیت میں سامنا کرو گے۔ کوئی بات چھیڑ دو گے اس طرح ٹمل مین تمھیں پہچان تو لے گا لیکن وہ یہی سمجھے گا کہ تم لوگوں سے انجانے میں سامنا ہو گیا ہے اور تم دونوں اسے پہچانتے نہیں ہو۔ اس طرح وہ تمھارا دشمن نہیں بنے گا۔ تم پر اعتماد کرتا رہے گا۔"

مالنی نے کہا "تعجب ہے۔ تم ٹمل مین کے متعلق اتنی

باتیں جانتی ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ کہاں سوتا ہے۔ کس ہوٹل میں کھانا کھاتا ہے۔ تم خود فرہاد کو اس کے پاس کیوں نہیں پہنچا دیتیں ؟"

اس دوشیزہ نے آرام سے صوفے کی پشت پر ٹیک لگاتے ہوئے کہا "میری اس سے دشمنی ہے۔"

میں نے اور مالنی نے تقریباً ایک ساتھ چیختے ہوئے حیرانی سے پوچھا "کس سے دشمنی ہے ؟"

اس نے جواب دیا "فرہاد سے۔ وہ میرا دشمن ہے۔ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی۔ اس سے بولنا نہیں چاہتی۔ اس کے کسی کام نہیں آنا چاہتی۔"

میں نے پریشان ہو کر پوچھا "بھئی تم کون ہو۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ فرہاد کے لیے سب کچھ کر رہی ہو۔ ہمیں ٹمل مین کے پاس بھیجنا چاہتی ہو۔ اگر وہ تمھارا دشمن ہے تو آؤ، ہماری دوست بن جاؤ، ہمارے لیے کام کرو۔"

وہ حقارت سے بولی "تم لوگوں کی حیثیت کیا ہے۔ ایک معمولی آلۂ کار اور تم مجھے اپنا دوست بناؤ گے۔ اپنی حیثیت دیکھ کر بات کرو۔ میں اونچے دشمنوں سے دشمنی کرتی ہوں۔ جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اس طرح ایک دشمن سے دوسرے دشمن کو کاٹتی ہوں۔ فرہاد میرا دشمن ہے ٹمل مین بھی میرا دشمن ہے اور میں فرہاد سے اس ٹمل مین کو کاٹنا چاہتی ہوں اور ایسا ہی ہوگا۔"

میں نے کہا "چلو تمھارا طریقۂ کار سمجھ میں آگیا۔ اب اتنا بتا دو کہ فرہاد کو کس دشمن کے ذریعے کاٹنا چاہو گی ؟"

"کیا ضروری ہے کہ میں فرہاد کو نقصان پہنچاؤں۔ دشمنی کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ جانی نقصان پہنچایا جائے۔"

"پھر کیا مطلب ہوتا ہے ؟"

"یہی کہ دشمن بن کر بھی محبت کی جائے۔ محبت دوست کے لیے ہو تو پھولوں کا ہار ہے اور یہی محبت دشمن کے لیے ہو تو زہریلا ہتھیار ہے۔ تم میری اس بات کو نہیں سمجھو گے کیونکہ تم لوگوں نے ساری زندگی ایک دوسرے سے دشمنی کی ہے اور محبت کے ہتھیار کو کبھی آزمایا نہیں ہے۔ اگر آزمانا چاہو تو میں طریقہ بتاتی ہوں۔"

"تمھاری باتوں میں بڑا وزن ہے۔ چلو، ہم ایک بار یہ ہتھیار بھی آزما کر دیکھیں، طریقہ بتاؤ ؟"

وہ کہنے لگی "تم اور مالنی کل میک اپ میں ایئرپورٹ جاؤ اور وہاں فرہاد سے سامنا کرو۔ ٹمل مین تم لوگوں کو پہچان نہیں سکے گا نہ ہی اس کے آدمی تمھیں پہچانیں گے۔"

"لیکن وہاں فرہاد سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی، ہم کس طرح اس کے پاس پہنچ سکتے ہیں۔"

"نہایت آسان طریقہ ہے۔ مالنی بہن بن کر فرہاد کے پاس جائے گی۔ اگر وہ بھائی جان، بھائی جان کہہ کر پکارتے ہوئے اس کے پاس جائے تو فرہاد بھی پہلے حیران ہوگا۔ پھر خیال خوانی سے معلوم کر لے گا کہ تم دونوں اس کے دوست بن رہے ہو، وہ ہر طریقے سے تمھاری حفاظت کرے گا۔ تم دونوں دو طرفہ چال چلو گے۔ ایک طرف ٹمل مین کے آدمی رہو گے۔ دوسری طرف فرہاد کی حمایت حاصل کر لو گے۔ فرہاد تمھاری یہ سوچ پڑھ کر خوش ہوگا کہ تم جلد ہی ٹمل مین سے ملنے والے ہو اور وہ تمھارے ذریعے اس دشمن تک پہنچنے والا ہے، ہر طرح سے تمھارے لیے آسانیاں ہیں اور تم دونوں کے تحفظ کی ضمانت ہے۔"

مالنی نے مجھ سے کہا "روبن ! ہمیں اس مشورے پر غور کرنا چاہیے، یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ آخر ہم کب تک مجرموں کی طرح اس ملک میں چھپ کر رہیں گے۔ ٹمل مین ہمیں سرحد پار کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا ہے۔"

مالنی درست کہہ رہی تھی، میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ ہم اس مشورے پر غور کریں گے۔"

وہ دوشیزہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے کہا "میں جا رہی ہوں۔ رات کے دو بجے فون پر معلوم کروں گی کہ میرے مشورے پر کل صبح عمل کیا جائے گا یا نہیں۔ اگر مشورہ قابلِ قبول ہو تو مجھے فون پر بتا دینا کہ کل کون سا لباس پہن کر جاؤ گے۔ جواباً میں تمھیں بتاؤں گی کہ فرہاد کس لباس میں اور کس حلیے میں طیارے سے باہر آئے گا۔"

یہ کہہ کر وہ اطمینان سے چلتے ہوئے پھر دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلی گئی۔ میں اور مالنی اسے سحر زدہ سے دیکھتے رہے ہم نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ ہم نے دروازے کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ باہر مین گیٹ کے پاس کھڑی ہوئی گاڑی اب گھوم کر جا رہی تھی۔ میں نے دروازے کو بند کرتے ہوئے مالنی سے سخت لہجے میں کہا "تم کسی کی باتوں میں فوراً آجاتی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت ٹمل مین کی طرف سے آئی ہو اور وہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ ہم اس کے کتنے وفادار ہیں۔"

مالنی نے کہا "نہیں، یہ عورت ایسی نہیں لگتی۔ یہ تو کچھ عجیب قسم کی ہے۔ سچ پوچھو تو میں اس کے سامنے اپنے کو بہت چھوٹا سمجھ رہی تھی۔"

یوں تو میں بھی اپنے کو کمتر سمجھ رہا تھا لیکن میں نے مالنی کے سامنے اظہار نہیں کیا۔ وہ ضد کرتی رہی کہ ہم صبح ایئرپورٹ جائیں گے لیکن میں انکار کرتا رہا۔ اس نے محبت سے اپنی اداؤں سے مجبور کرنا شروع کیا۔ تب میں نے کہا "ٹھیک ہے ہم کل میک اپ میں جائیں گے لیکن اس پُراسرار دوشیزہ کو یہ نہیں بتائیں گے کہ ہم کس میک اپ میں ہیں اور کس لباس میں رہیں۔ ہم ٹمل مین سے غداری نہیں کریں گے۔"

مالنی راضی ہوگئی۔ ٹھیک دو بجے فون کی گھنٹی بجنے لگی میں نے ریسیور اٹھا کر سنا۔ وہی دوشیزہ پوچھ رہی تھی "کیا فیصلہ کیا ؟"

میں نے سخت لہجے میں کہا "تم کوئی زبردست فراڈ ہو ہم تمھارے مشورے پر عمل نہیں کریں گے۔ آیندہ ہمیں فون نہ کرنا۔"

"میں نے سمجھانے کا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر میرے مشورے پر عمل نہ کیا گیا تو تم دونوں میں سے کسی ایک کی جان جائے گی۔"

یہ کہتے ہی ادھر سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ میں نے جھنجلا کر ریسیور کو کریڈل پر پٹختے ہوئے کہا "مالنی ! یہ کیسی بلا ہمارے پیچھے پڑ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے تو ہمارا فون نمبر بھی معلوم ہے۔"

مالنی نے کہا "اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ جو عورت یہ دعویٰ کرتی ہو کہ وہ ٹمل مین کو اچھی طرح جانتی ہے۔ وہ ہمارے تعلق کیسے نہ جانتی ہوگی۔"

بہرحال وہ رات گزر گئی۔ دوسری صبح وہ دونوں جس میک اپ میں اور جس لباس میں ایئرپورٹ گئے۔ اس میں وہ دوشیزہ تو کیا ٹمل مین بھی انھیں نہیں پہچان سکتا تھا لیکن وہی ہوا جو اس دوشیزہ نے کہا تھا یعنی تم دونوں میں سے کوئی ایک جان سے جائے گا اور مالنی جان سے چلی گئی تھی اور اب جمیس روبن بے چینی سے گھبرایا ہوا اپنے بند کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اسی وقت میں خیال خوانی کے لیے اس کے پاس پہنچ گیا تھا اور یہ ساری معلومات حاصل کر رہا تھا۔

جتنی معلومات حاصل ہوتی جا رہی تھیں اتنی ہی زیادہ دوشیزہ پُراسرار بنتی جا رہی تھی اور اپنی ذات کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بناتی جا رہی تھی۔ اگر وہ ٹمل مین کا پتہ جمیس روبن کو بتا کر جاتی تو میں اس کے ذریعے اس ٹمل مین کا پتہ جمیس روبن تک پہنچ جاتا۔ کم از کم یہ تو معلوم کرتا کہ سامی جو روم سے لاہور پہنچنے والی تھی وہ پہنچی ہے یا نہیں ؟ اور اگر نہیں پہنچی ہے تو اس دوشیزہ کو سامی کا لہو کہاں سے حاصل ہو گیا تھا ؟

بڑے پیچیدہ واقعات تھے۔ میرا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ اتنے میں سعید صاحب تیزی سے چلتے ہوئے انیکسی میں داخل ہوئے۔ انھوں نے آتے ہی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "فرہاد ! ابھی کسی لڑکی نے سونیا سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کون ہے۔ یہاں سے لے کر اسلام آباد تک جتنے مجرم ہیں وہ سب کے نام اور پتے جانتی ہے اور یہ پتے اس نے سونیا کے ذریعے نوٹ کرائے ہیں اور اس نے تمھارے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔"

میں حیرانی سے سعید صاحب کی باتیں سن رہا تھا جس لڑکی نے ابھی سونیا سے رابطہ قائم کیا تھا وہ اور کون ہو سکتی تھی۔ لاہور سے اسلام آباد تک تمام مجرموں کے نام اور پتے جاننے والی کوئی غیر معمولی لڑکی ہی ہو سکتی تھی، وہ وہی تھی ہاں وہی تھی۔

سعید احمد نے پوچھا "تم اس طرح میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو ؟"

"میں اسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ بہرحال آپ بتائیں اس نے میرے لیے کیا پیغام بھیجا ہے ؟"

"یہی کہ مسٹر فرہاد سے کہو۔ اپنے آس پاس گہری نظر رکھا کریں۔ جن دشمنوں کے دماغوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ انھیں بھول نہ جایا کریں۔ ہندوستان میں سائرہ بانو کا ایک بدترین دشمن تھا۔ اس کا نام کبیر بیدل ہے۔ اگر مسٹر فرہاد کبیر بیدل کے دماغ میں پہنچیں گے تو انھیں ٹمل مین دکھائی دے جائے گا۔"

میں نے حیرانی سے کہا "واقعی میں اسے بھول چکا تھا۔ اگر یاد بھی رکھتا تو یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ٹمل مین وہی ہوگا یا اس کا ٹمل مین سے گہرا تعلق ہوگا لیکن میں کتنے لوگوں کے لب و لہجے یاد رکھ سکتا ہوں۔ بہت عرصہ پہلے میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ پڑھی تھی۔ اب اسے بھول گیا ہوں۔"

سعید صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ لڑکی تمھارے مزاج کو خوب سمجھتی ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ تمھیں کبیر بیدل یاد نہیں رہا ہوگا۔ اس لیے اس نے اس کا موجودہ پتہ نوٹ کرایا ہے۔ اس کا فون نمبر بھی ہے۔ کیا رابطہ قائم کیا جائے ؟"

میں کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بڑبڑانے کے انداز میں کہنے لگا "خدا کی قسم، اس پُراسرار لڑکی نے تو مجھے صرف حیران ہی نہیں۔ پریشان بھی کر دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کون ہے اور اسے اتنی ساری معلومات کیسے حاصل ہو جاتی ہیں ؟"

"اس لڑکی کے متعلق بعد میں سوچا جا سکتا ہے۔ ابھی یہ بتاؤ، اس کبیر بیدل کے پاس کیسے پہنچنا چاہتے ہو ؟"

"آپ اس کا فون نمبر بتائیں۔"

انھوں نے نمبر بتایا۔ میں جمیس روبن کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور اٹھا کر میں نے وہ نمبر ڈائل کرایا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ پوچھا گیا "ہیلو کون ہے ؟"

جمیس روبن نے خوف زدہ ہو کر ہکلاتے ہوئے کہا "میں روبن ہوں۔ بہت پریشان ہوں۔ ایسا لگتا ہے فرہاد نے مجھے ٹریپ کیا ہے شاید اسی وجہ سے مالنی ماری گئی ہے۔"

دوسری طرف سے خاموشی رہی۔ یقیناً وہاں جو بھی بول رہا تھا۔ وہ یہ سن کر گونگا بن گیا تھا کہ فرہاد جمیس روبن کے دماغ میں

پہنچ گیا ہے لیکن دوسری طرف سے بولنے والا ایک جملہ اپنی زبان سے ادا کر چکا تھا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے پوچھا تھا: "کون ہے؟" اور کون ہے کے سلسلے کو تمام کر کے میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس نے اب ریسیور رکھ دیا تھا اور پریشان ہو کر سوچ رہا تھا: "جیمس روبن کو ہمارا فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

اسی وقت کسی نے اس سے پوچھا: "کس کا فون تھا؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

اس نے چونک کر اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا۔ اتنی دیر میں میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ چکا تھا اور وہ کبیر بیدل تھا۔ ریسیور رکھنے والے نے کہا: "سر! جیمس روبن کا فون تھا وہ بہت گھبرایا ہوا ہے۔"

کبیر بیدل نے حیرانی سے پوچھا: "اسے ہمارا فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ وہ خوف زدہ انداز میں کہہ رہا تھا، شاید فرہاد نے اسے ٹریپ کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے ریسیور رکھ دیا۔"

"کیا؟" کبیر بیدل نے حیرانی اور پریشانی سے اپنے ماتحت کا منہ دیکھا پھر پوچھا: "تمہارے ریسیور رکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم نے کچھ تو اس سے بات کی ہو گی؟"

"جناب! میں نے ریسیور اٹھا کر صرف اتنا پوچھا تھا۔ 'کون ہے'۔ اس سے آگے کوئی بات نہیں کی۔"

وہ پریشان ہو کر ٹہلتے ہوئے دوسری طرف گیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر بولا: "تم سے بڑی بھول ہوئی۔ تمہیں ایک لفظ بھی ریسیور پر نہیں کہنا چاہیے تھا۔ تم ٹیلی پیتھی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ دو لفظ کہہ دینا ہی بہت ہے۔ اگر جیمس روبن کا اندیشہ درست ہے تو فرہاد تمہارے دماغ میں پہنچ چکا ہے اور میں تو پہلے ہی تم سے سوال کر بیٹھا تھا اس طرح فرہاد میرے دماغ میں بھی آچکا ہو گا۔"

ایسا کہتے ہوئے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے دماغ کے اندر جھانک رہا ہو۔ وہ محسوس کرنا چاہتا تھا، سمجھنا چاہتا تھا کہ میں اس کے دماغ میں ہوں یا نہیں؟ پھر اس نے دیدے نچا کر سر کو انکار میں ہلاتے ہوئے کہا: "نہیں، وہ میرے دماغ میں نہیں ہے۔ مجھے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا ہے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "یہ فضول اندیشے ہیں مجھے موجودہ مسائل پر غور کرنا چاہیے۔"

میری اس سوچ کے بعد وہ موجودہ مسئلے پر غور کرنے لگا۔ سوچنے کی بات یہ تھی کہ مالتی میک اپ میں ائیرپورٹ کیوں گئی تھی؟ اور جانے سے پہلے اس نے اس کو یعنی کبیر بیدل کو یعنی ہم ین کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی اس سے چھپ کر کیوں گئی تھی؟

بعد میں کبیر بیدل نے بحیثیت مڈل مین یہ سوال جیمس روبن سے کیا تھا اور جیمس روبن نے جھوٹ کہہ دیا تھا کہ اسے اس بات کا علم نہیں ہے کہ مالتی وہاں کیوں گئی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق مالتی اس کی لاعلمی میں چپ چاپ گئی تھی۔

کبیر بیدل نے اپنے ایک نشانہ باز کو اس کام پر مقرر کیا تھا کہ جو عورت فرہاد کی طرف پہلے بڑھے گی۔ شاید اسے بھائی جان کہہ کر بھی پکارے گی وہ یقیناً شاہینہ ہو گی۔ فرہاد کی زندگی میں ایک بہن ہے کوئی اور عورت اسے بھائی جان نہیں کہتی ہے۔ جیسے ہی وہ عورت نظروں میں آئے فوراً اسے گولی مار دی جائے۔

کبیر بیدل کی یہ سوچ پڑھ کر میں دانت پیس کر رہ گیا۔ کم بخت میری بہن کو مارنا چاہتا تھا اب خود موت کی چھاؤں میں سانس لے رہا تھا۔ ابھی اسے خبر نہیں تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بہرحال اس کا مسئلہ یہ بھی تھا کہ بھونڈو چمار پولیس والوں کی حراست میں چلا گیا تھا اور الٹے سیدھے بیانات دے رہا تھا۔

میرے لاہور پہنچنے کے باعث کبیر بیدل نے اپنے منصوبوں میں تھوڑی تبدیلی کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ میرے آنے سے اس خفیہ فائل کو حاصل کرنے میں اور زیادہ دشواریاں پیدا ہوں گی۔ میں سونیا کے لیے پوری طرح ڈھال بن جاؤں گا اور وہ سونیا کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اسے اسلام آباد جانے پر مجبور نہیں کر سکیں گے۔ دوسری طرف بھونڈو چمار نے شاہینہ کے پتلے کے ذریعے اذیتیں پہنچانے کا جو کالا عمل کیا تھا وہ بے اثر ہو گیا تھا لہٰذا منصوبے میں یہ تبدیلی ہوئی تھی کہ شاہینہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

کبیر بیدل کا دماغ سوچ رہا تھا: "اس کے علاوہ سامی یہاں پہنچنے والی ہے۔ فرہاد کے پاس اس کی تصویریں بھیجی جائیں گی اور اس سے کہا جائے گا کہ شاہینہ کے بعد سامی موت کے گھاٹ اتار دی جائے گی۔ وہ اپنی پہلی محبوبہ کے لیے جان کی بازی لگائے گا مگر وہ کس سے ٹکرائے گا جبکہ مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ سامی کو بچانے کا بس ایک ہی راستہ ہو گا کہ وہ خفیہ فائل ہمارے حوالے کر دیا جائے۔"

بے چارہ مڈل مین بڑی خوش فہمی میں سوچتا جا رہا تھا: "اگر اس کے بعد بھی وہ خفیہ فائل حاصل نہ ہوا تو بھی ہم فرہاد اور سونیا کو الجھائے رکھیں گے۔ ان کی شادی نہ ہونے دیں گے۔ کاہال تنظیم سے احکامات موصول ہوئے ہیں، ان کے مفاد کے لیے اس شادی کو روکنا بہت ضروری ہے۔ شادی میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی تو مرجانہ خوش ہو گی اور کاہال تنظیم کو ابھی مرجانہ کی سخت ضرورت ہے۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ابھی فرہاد اور سونیا کے سامنے بہت سے مسائل پیدا کیے جائیں گے۔"

کبیر بیدل کے دماغ نے مرجانہ کے متعلق سوچا تو میں نے اس کی سوچ میں کہا: "مرجانہ اس وقت کہاں ہو گی؟"

وہ سر جھکا کر اپنے آپ سے کہنے لگا: "یہ میں کیا سوچ رہا ہوں، مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہو گی۔ کاہال تنظیم والے اتنا کہاں بتاتے ہیں میں تو محض ان کا ایجنٹ ہوں۔ وہ مجھ سے اپنا کام نکالنے کی حد تک اپنے راز میں شریک کرتے ہیں۔ کاش میرے پاس ایسے ذرائع ہوتے کہ میں کاہال تنظیم کی جڑوں تک پہنچ جاتا۔ پھر کسی موقع پر انہیں بھی بلیک میل کرتا اور ان کے راز کسی دوسری مخالف سپر طاقت کے ہاتھوں فروخت کرتا۔"

یقیناً کبیر بیدل بین الاقوامی قسم کا دلال تھا۔ اپنے مفاد کے لیے اور زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کے لیے وہ مختلف ممالک کی طرف سے جاسوسی کے فرائض انجام دیتا تھا۔

وہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں اندیشہ پیدا کیا: "جیمس روبن کو میرا فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

وہ چند لمحوں تک گہری سنجیدگی سے سوچتا رہا، اب اس کا خیال ایک دوشیزہ کی طرف جا رہا تھا۔ ایک ایسی حسین و جمیل دوشیزہ جس کا رنگ و روپ دیکھ کر جس کی چال اور انداز دیکھ کر وہ دیوانہ ہو گیا تھا۔

اس کی سوچ پڑھ کر میں سمجھ گیا کہ وہ پُراسرار دوشیزہ اس مڈل مین تک بھی پہنچ گئی ہے۔ یہ بات نہایت ہی حیرت انگیز ہے کہ سونیا اپنی ذہانت سے اور میں اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے مڈل مین تک نہیں پہنچ سکا اور وہ پہنچ گئی۔ کیسے پہنچ گئی؟ کس طرح اس کی اور مڈل مین کی ملاقات ہوئی؟

میرے سامنے مڈل مین کا دماغ ایک کتاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور میں اسے پڑھ رہا تھا۔ وہ دو دن پہلے شالامار باغ کی سیر کرنے گیا تھا۔ وہیں رنگا رنگ پھولوں کے، ہجوم میں وہ کھڑی ہوئی تھی۔ کبیر بیدل نے اسے دیکھا تو اس پر سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ چلتے چلتے اس کے قریب رک گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ کیا سوچے گی، اس لیے آگے بڑھ گیا۔ وہ پیچھے رہ گئی لیکن اب وہ اپنے تصور میں اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کا حسن نگاہوں سے اوجھل ہو کر تصور کی آنکھوں میں کھلا جا رہا تھا۔ اس نے ذرا آگے بڑھ کر دیکھا تو ٹھٹھک گیا۔ سامنے فوارے کے پاس وہ کھڑی ہوئی تھی۔ فوارے کا پانی رقص کرتا ہوا آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ پھر بل کھاتا ہوا زمین کی طرف لوٹ کر صاف و شفاف حوض میں گر رہا تھا۔ وہاں کا ماحول نہایت ہی اجلا، صاف، معطر اور رنگوں سے بھرپور تھا۔ ان خوشبوؤں اور رنگوں کے درمیان اس کے حسن کو صرف دیکھا جا سکتا تھا۔ تعریف کے لیے لفظوں کا انتخاب کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔

کبیر بیدل نے حیران ہو کر سر گھماتے ہوئے پھولوں کی اس انجمن میں دیکھا۔ جہاں پہلے وہ کھڑی ہوئی تھی اب وہ وہاں نہیں تھی۔ نگاہوں کے سامنے فوارے کے پاس تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ پھولوں کی انجمن سے فوارے تک اتنی جلدی کیسے آگئی تھی؟ وہاں کبیر بیدل سے پہلے کیسے پہنچ گئی تھی؟

اس کے گلے میں سیاہ موتیوں کی ایک مالا تھی۔ شام کا وقت تھا۔ تھوڑی دیر میں اندھیرا پھیلنے والا تھا اور شام کی اس ڈھلتی روشنی میں اس ہار کے دانے یکے بعد دیگرے چمک رہے تھے اور بجھ رہے تھے۔ جیسے جگنو چمک رہے ہوں، بجھ رہے ہوں اور پھر چمک رہے ہوں۔ کبیر بیدل نے اپنی عمر کے پچاس برس میں دنیا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا تھا لیکن ایسی مالا نہیں دیکھی تھی جس کے سیاہ دانوں سے روشنی پھوٹتی ہو۔

نظریں ملتے ہی دوشیزہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ کبھی کبھی مسکرانے والا زبان سے کچھ نہیں کہتا مگر مسکرانے کا انداز بتا دیتا ہے جیسے برسوں کی پرانی جان پہچان ہو۔ وہ اس مسکراہٹ کو پڑھتے ہی ایک دم سے سہم گیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات آئی: "کہیں یہ سونیا تو نہیں ہے؟"

وہ سہم کر پلٹ گیا۔ دل کو دھڑکانے والا حسن و شباب تھا لیکن سونیا کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ کسی بھی حسن سے محظوظ نہیں ہو سکتا تھا۔ تیزی سے پلٹ کر وہاں سے جانے لگا، اسے اپنے پیچھے ایک نہایت ہی مترنم ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ایسا ترنم تھا جیسے ہنسی فوارے کی طرح پھوٹ رہی ہو۔ رقص کرتی ہوئی آسمان کی طرف جا رہی ہو اور فضا میں بکھرتی ہوئی اسے چیلنج کر رہی ہو۔ حسن ہو، شباب ہو اور شراب ہو تو دنیا کی ہر چیز بھلا دی جاتی ہے۔ اگر سونیا کو بھلا سکتے ہو تو آؤ۔ جانے کہاں ہو؟

وہ چلا آیا۔ دل و دماغ پر سونیا کی دہشت طاری تھی۔ وہی حال تھا جو جلال بیگ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ پہلے وہ پُراسرار بگ باس بنا ہوا تھا۔ ادھر یہ پُراسرار مڈل مین بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ حقیقتاً پردوں میں چھپ کر رہنے والے بزدل ہی ہوتے ہیں اسی لیے پُراسرار بنتے ہیں اور اپنی تمام

قوتوں کو تمام ذرائع کو چھپ چھپ کر استعمال کرتے ہیں، ہمیشہ ان کے دماغ پر یہ دہشت طاری رہتی ہے کہ اگر وہ بے نقاب ہوگئے تو کیا ہوگا؟

کبیر بیدل کی صرف دو خواہشیں تھیں۔ ایک یہ کہ کسی طرح وہ خفیہ فائل حاصل کرکے یہودیوں کی نظروں میں بہت اونچا مقام حاصل کرلے۔ دوسری اہم خواہش یہ تھی کہ کبھی سونیا سے سامنا نہ ہو۔ بہرحال رات کو وہ آفیسرز کلب میں گیا۔ وہاں اس نے چند افسروں سے دوستی گانٹھ لی تھی اور ان سے بے تکلف ہوگیا تھا۔ رات کے گیارہ بجے وہ نشے میں لڑکھڑاتا ہوا کلب سے باہر نکلا۔ اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی کوٹھی کی طرف جانے لگا۔ شادمان کالونی کے ایک راستے پر اسے اپنی گاڑی کی رفتار کچھ دھیمی کرنی پڑی۔ سامنے ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا بونٹ اٹھا ہوا تھا اور ڈرائیور جھکا ہوا اس کی کوئی خرابی دور کررہا تھا لیکن کبیر بیدل نے کچھ اور دیکھ کر گاڑی کی رفتار سست کی تھی۔ وہاں کار کے بونٹ کے پاس وہ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ نشے میں تھا۔ دور سے اسے پہچان نہیں سکا تھا لیکن نشے کی حالت میں بھی ذرا دور سے سیاہ موتیوں کی وہ چمکتی ہوئی مالا نظر آگئی تھی۔ وہ سست رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا اس بگڑی ہوئی کار کے قریب سے گزرنے لگا۔ وہ فتنہ عالم اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی پھر ایک ہاتھ اٹھا کر ٹاٹا کرنے کے انداز میں یوں ہلایا جیسے کہہ رہی ہو "جاتے ہو تو جاؤ ہم پھر ملیں گے۔"

کار آگے بڑھ گئی تھی۔ اب وہ عقب نما آئینے میں نظر آرہی تھی۔ جب تک کار آگے بڑھتی رہی اور وہ عقب نما آئینے میں نظر آتی رہی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ آئینے کی زد سے نکل گئی تو اس نے گاڑی روک دی۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھنا چاہا لیکن اسے جو کچھ نظر آیا۔ وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا تھا وہ دوشیزہ کو تقریباً پچیس گز کے فاصلے پر پیچھے چھوڑ آیا تھا اور وہ بڑی دیر تک عقب نما آئینے میں نظر آتی رہی تھی لیکن پلٹ کر دیکھتے ہی وہ اسے اپنی ہی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اس نے اپنی ایک چٹکی میں مالا کے ایک موتی کو تھام لیا تھا اور بڑے ہی دل کش انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بین الاقوامی دلال بڑے ہی دل گردے کا مالک تھا۔ نہ کوئی اسے متاثر کرسکتا تھا نہ ہی خوف زدہ کرسکتا تھا لیکن اس یقین نے اسے دہشت زدہ کردیا کہ سونیا اس سے دو یا ڈھائی فٹ کے فاصلے پر پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے اور اگر وہ سونیا نہیں ہے تو کون ہے؟

پہلے تو وہ سہما سہما ہوا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کار کے پچھلے شیشے کے اس پار بہت دور دیکھا تو وہ بگڑی ہوئی کار نظر آئی۔ اس کا بونٹ اپنی جگہ آچکا تھا۔ کار درست ہوچکی تھی۔ وہ دوشیزہ ایک سائے کی طرح وہاں نظر آرہی تھی اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کار میں بیٹھ رہی تھی۔ پھر وہ کار اسٹارٹ ہوئی اور وہاں سے جانے لگی۔ کبیر بیدل اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ اگر وہی دوشیزہ وہاں کھڑی ہوئی تھی اور اس کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر گئی تھی تو یہاں اس پچھلی سیٹ پر وہی دوشیزہ کیسے بیٹھی ہوئی ہے؟

"کون ہو تم؟"

کبیر بیدل کے سوال پر وہ مسکرائی۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے کی طرف گیا۔ وہ بڑے ہی مترنم آواز میں بولی "میں سونیا نہیں ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا۔ پھر وہ کار سے باہر جانے لگی۔ کبیر بیدل نے ہاتھ بڑھا کر کہا "ٹھیرو۔ رک جاؤ۔ یہ بتاؤ۔ تم میری کار کی پچھلی سیٹ پر کیسے پہنچیں۔ میں جب سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ نہ تو دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ جسے میں ابھی پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں وہ اتنی جلدی میری کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائے۔"

وہ کار کے باہر چلی گئی۔ دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کردیا۔ پھر آہستگی سے بولی "میں وہاں بھی تھی میں یہاں بھی ہوں تم جہاں جاؤ گے، وہاں پہنچ جاؤں گی۔ یقین نہ ہو تو اپنی کوٹھی میں جاؤ۔ میں اس وقت تمہارے بیڈ روم میں بیٹھی ہوئی ہوں۔"

اس نے پہلے تو اسے حیرانی سے دیکھا پھر کہا "تم بہت پراسرار بننے کی کوشش کررہی ہو، میں تمھیں جانے نہیں دوں گا۔ تمھیں بتانا ہوگا کہ تم کون ہو؟"

"میں جو کوئی بھی ہوں تمہارے لیے خطرہ بھی ہوں اور نہیں بھی ہوں تمہاری نظروں میں پراسرار ہوں اور تمہاری پراسراریت کو ختم کرسکتی ہوں۔ اپنی خیریت اور سلامتی چاہتے ہو تو چپ چاپ اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں وہاں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔"

وہ گھوم کر جانے لگی۔ وہ اس کے گھومنے اور پھر چلنے کے انداز کو دیکھنے لگا عجیب دل کشی تھی۔ جب تک وہ نظر آتی رہی اس کی نظریں اس پر جمی رہیں۔ جب وہ ایک گلی میں مڑ گئی۔ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تب وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر سیدھا

ہوکر بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے واپس موڑ کر اس گلی کی طرف آیا۔ وہ اس کا تعاقب کرنا چاہتا تھا لیکن اب وہ گلی دور تک خالی نظر آرہی تھی۔

وہ تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا اس گلی سے گزرتا ہوا دوسری گلی میں پہنچا۔ دوسری سے تیسری گلی میں آیا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ آخر مایوس ہوکر وہ اپنی کوٹھی کے سامنے پہنچا۔ چوکیدار نے مین گیٹ کو کھولا۔ اس نے اسٹیئرنگ سیٹ کی کھڑکی سے جھانک کر پوچھا "کیا مجھ سے ملنے کے لیے کوئی لڑکی آئی تھی؟"

چوکیدار نے انکار میں سر ہلا کر کہا "کوئی نہیں صاحب۔"

وہ پورچ میں آیا۔ کار سے اتر کر کوٹھی کے اندر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس نے ملازم سے بھی یہی سوال کیا۔ ملازم نے بھی انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں صاحب! آپ سے کوئی بھی ملنے نہیں آیا۔ آپ کا کوئی فون بھی نہیں آیا۔"

کبیر بیدل نے دل ہی دل میں کہا "سب بکواس ہے وہ کم بخت پراسرار بننے کی کوشش کررہی تھی۔ مجھے مرعوب کرنے کے لیے کہہ رہی تھی کہ مجھ سے پہلے ہی میرے بیڈ روم میں پہنچ کر انتظار کرتی ملے گی۔ ایسا کبھی ہوسکتا ہے؟"

اس نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ اس کا پہلا کش لیتے ہی دماغ نے کہا "ایسا ہوسکتا ہے۔ اگر نہیں ہوسکتا تو پھر وہ دوشیزہ جو سڑک پر کھڑی ہوئی نظر آئی تھی وہ اچانک اس کی کار کی پچھلی سیٹ پر کیسے پہنچ گئی تھی؟"

اس کا جواب کبیر بیدل کے پاس نہیں تھا۔ وہ ٹہلنے لگا۔ دوشیزہ نے ایسا چکر دیا تھا کہ نشہ ہرن ہوگیا تھا۔ پھر پینے کو دل چاہ رہا تھا۔ بیڈ روم میں چھوٹا سا فریج رکھا ہوا تھا اور فریج میں بوتلیں تھیں۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنے بیڈ روم کے دروازے تک آیا۔ وہ اپنے بیڈ روم کو مقفل کرکے جاتا تھا۔ اس کا کوئی ملازم اور کوٹھی میں رہنے والا اس کا خاص ماتحت بھی اس بیڈ روم میں نہیں جاسکتا تھا۔ وہاں اس کے بہت ضروری کاغذات اور کچھ ایسی اہم چیزیں ہوتی تھیں جنھیں وہ کسی کی نظروں میں لانا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے جیب سے چابی نکالی۔ پھر اسے کی ہول میں ڈال کر کھولنا چاہا تو پتہ چلا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ حیران رہ گیا اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ اس پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا اور جب وہ کھلا تو بستر پر وہی نظر آئی اس کے گلے میں سیاہ موتیوں کی مالا تھی اور وہ ایک موتی کو اپنی چٹکی میں دبائے مسکرا رہی تھی۔

کبیر بیدل نے اندر آکر فوراً ہی دروازے کو بند کیا۔ پھر سہمے ہوئے انداز میں پوچھا "کون ہو تم؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی "میں سونیا نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ جو کوئی بھی ہوں اس سے تمھیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ فریج کے پاس آئی، اسے کھول کر ایک بوتل نکالی۔ پھر ایک گلاس نکالا۔ پھر ایک پیگ بناتے ہوئے پوچھا "پانی ملاتے ہو، سوڈا ملاتے ہو یا نیٹ پیتے ہو؟"

وہ اس کے قریب جاتے ہوئے بولا "میں پی کر مدہوش ہونے والا نہیں ہوں تم یہاں سے نہیں جاسکو گی۔"

وہ ہنسنے لگی "جس طرح آئی ہوں۔ اس طرح چلی بھی جاؤں گی۔ تم میری فکر نہ کرو لو پیو۔"

اس نے گلاس کو بڑھایا۔ کبیر بیدل نے گلاس کے ساتھ اس کے ہاتھ کو بھی تھام لیا۔ وہ غرا کر بولی "گلاس لو۔ ہاتھ چھوڑ دو۔ ایک۔ دو۔ تین۔"

تین تک گنتی پوری کرتے ہی کبیر بیدل کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے چلا گیا۔ گلاس اس دوشیزہ کے ہاتھ میں رہا۔ اس کی چیخ سننے کے بعد دروازے پر دستک ہونے لگی، اسے اپنے ہاتھ میں یوں لگ رہا تھا جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ وہ ابھی تک ایسی ہی زہریلی جلن محسوس کررہا تھا۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر جلدی سے چلتا ہوا وہاں تک پہنچا اور اس کی چٹخنی گرادی۔

دونوں ملازموں نے اندر آتے ہی پوچھا "صاحب کیا ہوا؟ آپ کی چیخ سنائی دی تھی۔"

اس نے کراہتے ہوئے کہا "تم دونوں اس کوٹھی میں کیا کررہے تھے۔ یہ میرے بیڈ روم میں کیسے آگئی؟"

اس نے ایسا کہتے وقت اس دوشیزہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا تھا۔ دونوں ملازموں نے اشارے کے مطابق ادھر دیکھا۔ حیرانی کا اظہار کیا۔ پھر ایک ملازم نے پوچھا "صاحب کون آگئی؟"

وہ چیخ کر بولا "کیا اندھے ہوگئے ہو تمھیں وہ سامنے کھڑی ہوئی لڑکی نظر نہیں آرہی ہے؟"

"صاحب! ہمیں تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے، آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟"

دوسرے ملازم نے کہا "آپ اپنا کمرہ بند کرکے جاتے ہیں۔ چابی آپ کے پاس ہوتی ہے۔ پھر بھلا یہاں کون آسکتا ہے۔ حضور یہاں کوئی نہیں ہے۔"

وہ ملازم ایسا کہتے کہتے چونک گیا۔ پھر غور سے اُدھر دیکھا جہاں وہ دوشیزہ کھڑی ہوئی تھی۔ پھر اس نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا "ارے یہ گلاس کیسے اوپر اٹھا ہوا ہے۔ نہ زمین پر ہے نہ فرنیچر کے اوپر ہے۔ آپ ہی آپ ہوا میں کیسے ٹھیرا ہوا ہے؟"

دوسرے ملازم نے بھی غور سے دیکھا۔ پھر وہ دونوں اس گلاس کے قریب گئے اور اسے دیکھنے لگے۔ کبیر بیدل نے پاؤں پٹک کر ان کے قریب آتے ہوئے ان کی گردنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے کہا "بے وقوف کے بچو! کیا تم اندھے ہو۔ یہ گلاس ہوا میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ لڑکی پکڑے ہوئے ہے تم اسے چھو کر دیکھو۔"

ایک ملازم نے ڈرتے ہوئے گلاس کو ہاتھ لگایا۔ پھر اسے پکڑ لیا۔ گلاس اس کے ہاتھ میں آگیا۔ لڑکی نے اس گلاس کو چھوڑ دیا تھا۔ کبیر بیدل نے کہا "دیکھو، اس لڑکی نے گلاس کو چھوڑ دیا ہے اور اب یہ گلاس تمھارے ہاتھ میں آگیا ہے۔"

"نہیں صاحب! اس گلاس کو تو کسی نے نہیں پکڑا ہے۔ اسے میں نے پکڑا ہے۔"

اس نے غصے سے کہا "ابے، تو نے ابھی پکڑا ہے، پہلے وہ پکڑے ہوئے تھی۔"

"حضور، کون پکڑے ہوئے تھی، جو پکڑے ہوئے تھی آپ اسے پکڑ کر تو بتائیں۔"

"دیکھو میں ابھی پکڑتا ہوں۔"

اس نے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ کو دیکھتے ہی اسے اپنے ہاتھوں کی جلن یاد آئی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ پھر دوسرے ملازم کے سر پر ایک چپت مارتے ہوئے بولا "تو یہاں کیا کر رہا ہے۔ ہاتھ آگے بڑھا کر اسے پکڑ لے۔"

ملازم نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "حضور! ہم آپ کے غلام ہیں آپ کا ہر حکم مانتے ہیں مگر ہوا کو کیسے پکڑیں؟"

"میں کہتا ہوں تمھارے سامنے ہوا نہیں ہے۔ ایک لڑکی کھڑی ہوئی ہے۔ ذرا ہاتھ آگے بڑھا کر اسے چھو کر تو دیکھو۔"

ملازم نے حکم کی تعمیل کی۔ آہستہ آہستہ ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھایا۔ جب وہ ہاتھ اس کے قریب پہنچنے لگا تو وہ ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ ملازم اپنے ہاتھ کی لمبائی تک اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا۔ دوشیزہ اس سے پرے کھڑی ہوئی تھی۔ کبیر بیدل نے کہا۔

"وہ پیچھے ہٹ گئی ہے۔ تم ذرا آگے بڑھ کر پکڑ لو۔"

ملازم نے پھر حکم کی تعمیل کی۔ ذرا آگے بڑھا۔ دوشیزہ اور پیچھے ہٹ گئی۔ ملازم پھر اِدھر اُدھر اندھے کی طرح دونوں ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا۔ کبیر بیدل نے کہا "وہ پیچھے ہٹ رہی ہے۔"

"حضور! پیچھے ہٹ رہی ہے تو آپ اسے پکڑ لیں پھر ہم اسے چھو کر دیکھیں گے۔"

"میں؟ لیکن میں اسے نہیں پکڑ سکتا۔"

"تب ہم کیسے پکڑیں؟"

وہ جھنجلا کر بولا "سورما کہاں ہے۔ اسے بلاؤ۔ وہ اسے چیونٹی کی طرح مسل دے گا۔"

ایک ملازم نے کہا "حضور! آج سورما صاحب نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ انیکسی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

کبیر بیدل نے غصے سے جھنجلاتے ہوئے کہا "کیا اسی طرح وہ میرا باڈی گارڈ بن کر رہے گا۔ یہاں مجھ پر یہ آفت آئی ہوئی ہے اور وہ نشے میں مدہوش ہے۔"

ایک ملازم نے عاجزی سے کہا "اگر یہاں کوئی آفت ہے تو سیدھی سی بات ہے۔ آپ اپنا ریوالور نکالیں اور اسے گولی مار دیں۔ قصہ ختم ہو جائے گا۔"

"اوہ، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔"

وہ تیزی سے اپنی الماری کی طرف گیا۔ اپنا ریوالور نکالنا چاہتا تھا کہ دوشیزہ نے کہا "ٹھیرو۔ ریوالور نکالنے سے پہلے یہ سن لو۔ میں مر جاؤں گی تو وہ زندہ رہے گی جسے تم نے سڑک کے کنارے ایک بگڑی ہوئی کار کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بھی مر جائے گی تو اسے دیکھو گے جسے تم نے شالامار باغ میں فوارے کے پاس دیکھا تھا۔ وہ مر جائے گی تو اسے دیکھو گے جو پھولوں کے جھرمٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ تم کس کس کو مارو گے؟"

"پہلے تمھیں ماروں گا۔ اس کے بعد سوچوں گا۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ لیکن میرے مرتے ہی یہاں پولیس والے چاروں طرف سے تمھیں گھیر لیں گے۔"

وہ سینہ تان کر بولا "میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔"

"تم مڈل مین ہو۔" وہ ایک دم سے چونک گیا۔ "اور مڈل مین تمھارا نام کبیر بیدل ہے۔"

وہ پھر حیران اور پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے دونوں ملازموں سے کہا "گدھو! کھڑے کھڑے میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ کیا تم اس کی آواز بھی نہیں سن رہے ہو؟"

دونوں نے ایک ساتھ پوچھا "کس کی آواز؟"

"کیا تم اندھے ہونے کے ساتھ ساتھ بہرے بھی ہو گئے ہو۔ وہ میرے ساتھ باتیں کر رہی ہے۔"

"حضور! آپ کے ساتھ کوئی باتیں نہیں کر رہی ہے۔ آپ ہمارے سامنے بڑبڑا رہے ہیں۔"

وہ غصے سے دوڑتا ہوا آیا اور ان کی پٹائی کرنے لگا۔ وہ مار کھا رہے تھے اور گڑگڑا رہے تھے۔ دوشیزہ نے کہا "کھسیانی بلی کھمبا نوچتی ہے۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے صرف ان کمزوروں پر غصہ اتار سکو گے۔"

کبیر بیدل نے انھیں دھکے دیتے ہوئے کہا "نکل جاؤ۔ اس کمرے سے۔"

وہ دونوں بھاگتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ اس نے الماری کی دراز میں سے ریوالور نکالا۔ پھر لڑکی کا نشانہ لیتے ہوئے کہا "میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ مجھے سچ سچ بتا دو تم کون ہو اور مجھے کیسے جانتی ہو؟"

"کبیر بیدل! میں وہ ہوں جسے نہ تمھارے آدمی دیکھ سکتے ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں۔ تم اپنی آنکھوں سے تماشا دیکھ چکے ہو۔ یہ مت پوچھو کہ تمھیں کیسے جانتی ہوں۔ اس کا جواب دینا میں ضروری نہیں سمجھتی۔"

"تو پھر تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاؤ گی"۔ یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کے ٹریگر کو دبایا۔ کھٹ کی آواز آئی لیکن دھماکا نہیں ہوا۔ گولی نہیں چلی۔ گولی کی آواز کے بجائے اس کی مترنم ہنسی کمرے کی فضا میں گنگنانے لگی۔

اس نے ریوالور کو تعجب سے دیکھا۔ پھر دوشیزہ کی طرف دیکھا۔

"کیا الو کی طرح دیکھ رہے ہو۔ کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ میں تمھارے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ تم نے غصے میں الماری کو کھولتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ الماری پہلے سے کیسے کھلی ہوئی تھی اور اگر کھلی ہوئی تھی تو پھر اس ریوالور کا چیمبر کیسے بھرا ہوا رہ سکتا تھا۔"

یہ سنتے ہی کبیر بیدل کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ فوراً خیال آیا کہ الماری کے اندر اس کی بہت سی اہم دستاویزات اور ایسی چیزیں رکھی ہوئی ہیں جو اس کے جرائم پر سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ اسے ایک بین الاقوامی دلال ثابت کرتی ہیں۔

وہ فوراً ہی پلٹ کر الماری کے ایک خانے سے کپڑوں کو نکال کر باہر پھینکنے لگا۔ اس الماری کے پچھلے حصے میں ایک اور چور خانہ تھا۔ جہاں وہ اہم دستاویز رکھی ہوئی تھیں۔ اسی وقت دوشیزہ کی آواز سنائی دی "فضول ہے مڈل مین۔ تمھیں جن چیزوں کی تلاش ہے وہ میری ہمزاد لے گئی ہے۔"

اس نے پلٹ کر اسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کن چیزوں کی بات کر رہی ہو؟"

"مجھی سے ذلیعے تم ہو دلیوں کے جمچے ثابت ہو سکتے ہو اور وہ مائیکرو فلم بھی جسے تم اپنے ہی ملک ہندوستان سے چرا کر لائے ہو اور اسے دوسرے ملک کے ہاتھوں بیچنا چاہتے ہو۔"

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "وہ میرا سرمایہ کہاں ہے وہ؟"

"میں نے کہا نا وہ میری ہمزاد کے پاس ہے۔ اِدھر تم مجھے قتل کرو گے اُدھر تمھاری ہلاکت کا سامان ہو گا۔ اگر تم یہاں اسی طرح بہروپیے بن کر رہنا چاہتے ہو تو میں تمھارے راستے میں نہیں آؤں گی۔ تم میرے راستے میں نہ آؤ۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے کی طرف گئی، اس نے کہا "جب تم میرے راستے میں نہیں آؤ گی تو پھر میری چیزیں واپس دے دو پلیز۔ تمھیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اگر اس کا معاوضہ چاہتی ہو تو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

وہ دروازہ کھول کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "جب میں ضروری سمجھوں گی تو سودا ہو گا۔ ابھی انتظار کرو۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ کبیر بیدل چند لمحوں تک کھڑا اِدھر دیکھتا رہا۔ پھر جلدی سے آگے بڑھا۔ اس وقت تک وہ کوٹھی سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ بھی تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کے باہر پورچ میں آیا۔ وہ سبک خرام مین گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ مین گیٹ بند تھا۔ باہر چوکیدار کھڑا ہوا ہو گا۔ اس نے وہاں پہنچ کر دستک دی۔

دوسرے ہی لمحے گیٹ کھل گیا۔ اس دوشیزہ نے گیٹ کو پوری طرح کھول دیا۔ باہر کھڑا ہوا چوکیدار حیرانی سے گیٹ کو کھلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ دوشیزہ اس سے کترا کر چلی گئی۔ اُدھر کبیر بیدل تیزی سے چلتا ہوا چوکیدار کے پاس آیا۔ چوکیدار نے کہا "حضور پتہ نہیں کیا بات ہے۔ ابھی مجھے اس گیٹ پر ٹھک ٹھک کی آواز سنائی دی۔ میں نے کھولا تو کوئی نظر نہیں آیا بلکہ یہ گیٹ اور زیادہ کھلتا چلا گیا۔"

کبیر بیدل اس کی بات سن رہا تھا اور اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ سامنے ہی سڑک پر ایک سفید رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ دوشیزہ وہاں جا کر بیٹھنے لگی۔ کبیر بیدل نے فوراً ہی چوکیدار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو اس کار کا پچھلا دروازہ ڈرائیور نے کھولا ہے۔ وہاں ایک لڑکی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ رہی ہے۔ کیا تمھیں نظر نہیں آ رہا ہے؟"

چوکیدار نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں صاحب! یہ تو دکھائی دے رہا ہے کہ گاڑی کے ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولا

ہے اور پھر بند کر دیا ہے مگر آپ کس کی بات کر رہے ہیں کون وہاں جا کر بیٹھ رہی ہے ؟"

کبیر بیدل دوڑتا ہوا کار کی طرف گیا۔ اس وقت تک کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ آگے بڑھنے والی تھی۔ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا" ٹھیرو۔ رک جاؤ" ڈرائیور نے سر جھکا کر کھڑکی کے باہر کبیر بیدل کو دیکھا۔ وہ بھاگتا ہوا قریب آیا۔ پھر اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔ " کیا تمھیں یہ عورت نظر آ رہی ہے جو پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے اور جس کے لیے ابھی تم نے دروازہ کھول کر بند کیا ہے ؟ "

ڈرائیور نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر پوچھا" کیا تم کوئی پاگل ہو؟ یہ میری مالکہ ہیں۔ بھلا مجھے نظر کیوں نہیں آئیں گی"

کبیر بیدل نے حیرانی سے دوشیزہ کی طرف دیکھا——وہ اپنی ایک چٹکی میں ایک سیاہ موتی کو دبائے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ وہ پھر ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے بولا" بڑی حیرانی کی بات ہے میرے کسی بھی ملازم کو یہ نظر نہیں آ رہی ہے"

ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا" آج سے پہلے تمھیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی"

"ہاں نظر نہیں آ رہی تھی"

"اب نظر آ رہی ہے؟"

"ہاں یہی تو کہہ رہا ہوں۔ اب نظر آ رہی ہے"

ڈرائیور نے پوچھا" تو پھر اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ؟"

" بھئی کتنی سی بات ؟"

"یہی کہ جس کی موت آتی ہے اسی کو موت نظر آتی ہے"

یہ کہتے ہی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ پھر تیز رفتاری سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر دانت پیس کر رہ گیا۔ ایک لڑکی کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ آخر وہ کیسے کچھ بگاڑ سکتا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑتے ہی جیسے بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ الماری سے ریوالور نکالا تو اس کا چیمبر خالی تھا۔ سورما جو اس کا باڈی گارڈ تھا۔ وہ مدہوش پڑا ہوا تھا۔

وہ غصے میں چلتا ہوا کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا۔ پھر انیکسی میں پہنچا۔ وہاں اس کا باڈی گارڈ بستر پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر اسے زور کی ایک لات ماری۔ اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر اس نے اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا جس کے نتیجے میں اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی، پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ اسے مخاطب کرنا یا اس کی پٹائی کرنا حماقت تھی۔ اس پر کچھ اثر نہ ہوتا۔

وہ وہاں سے چلتا ہوا اپنے بیڈ روم میں آیا۔ وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے یہودی نواز سفارت خانے سے رابطہ قائم کرتا تھا۔ اس کے دل میں دہشت بیٹھ گئی تھی اس کے جرائم کا ریکارڈ پرائے ہاتھوں میں پہنچ گیا تھا۔ اب وہ یہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ یہاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔

بیڈ روم میں پہنچتے ہی عقل آ گئی۔ اس نے سوچا، اگر سفارت خانے والوں سے اس دوشیزہ کے متعلق باتیں کرے گا تو گڑبڑ ہو جائے گی اس دوشیزہ سے اپنے جرائم کے ریکارڈ کا سودا ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی کاہال تنظیم کو پتہ چل جائے گا کہ ان کے ایک ایجنٹ کی تمام کمزوریاں ایک لڑکی کے ہاتھوں میں چلی گئی ہیں تو وہ تنظیم والے اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

وہ سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اسے باتھ روم کی طرف سے اشارہ موصول ہوا۔ وہاں ٹرانسمیٹر رکھا تھا۔ وہ باتھ روم میں آیا۔ پھر ٹرانسمیٹر سے موصول ہونے والے پیغام کو سننے لگا۔ اسے بتایا جا رہا تھا" فرہاد اور سونیا کی شادی ہونے والی ہے۔ یہ اطلاع درست ہے تو یقیناً فرہاد شادی کے لیے لاہور پہنچے گا جب بھی اس اطلاع کی تصدیق ہو گی اور اس کے جلسے کے متعلق معلومات حاصل ہوں گی تو ہم تمھیں اطلاع دیں گے۔ بہرحال ہوشیار رہو۔ فرہاد کسی نہ کسی دن وہاں پہنچے گا لالا سامی کو اس سے پہلے وہاں پہنچانے کی کوشش کی جائے گی۔"

ان کے منصوبے کے مطابق فرہاد پاکستان پہنچے گا تو اس پر دو طرف سے دباؤ ڈالا جائے گا۔ ایک طرف اس کی بہن شاہینہ ہے جس پر کالے جادو کا عمل کرایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف اس کی پہلی محبت سامی ہے۔ اسے بھی نقصان پہنچایا جائے گا تب فرہاد اور سونیا اس خفیہ فائل کو لانے پر مجبور ہو جائیں گے، اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو فرہاد کے سامنے پہلے شاہینہ اور پھر سامی کو قتل کیا جائے گا۔

❁

کبیر بیدل کا دماغ میرے سامنے ایک کتاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور میں اسے پڑھ رہا تھا، اچانک سعید صاحب کی آواز نے چونکا دیا" بھئی کب تک خیال خوانی کرتے رہو گے کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ کیا معلومات حاصل ہو رہی ہیں ؟"

میں نے سونیا کو سوچ کے ذریعے مخاطب کرتے ہوئے کہا" میں زبان سے سعید صاحب کو کبیر بیدل کے متعلق تمام باتیں بتا رہا ہوں اور تم سوچ کے ذریعے سنتی رہو گی"

اس نے کہا" ذرا ٹھیرو فرہاد۔ ابھی شاہینہ اور سلمیٰ میرے پاس بیٹھی ہوئی ہیں، ان سے کوئی بہانہ کرتی ہوں"

اس نے شاہینہ سے کہا" میں باتھ روم سے ہو کر ابھی آتی ہوں" یہ کہہ کر وہ باتھ روم میں آ گئی۔ پھر اندر سے دروازے کو لاک کرتے ہوئے کہا" ہاں، اب بولو"

میں سعید صاحب کو کبیر بیدل سے جتنی معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ وہ سب کچھ بتانے لگا۔ سونیا نے تمام باتیں سوچ کے ذریعے سننے کے بعد کہا" فرہاد! کافی معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ وہ دوشیزہ یقیناً بہت پراسرار بھی ہے اور چالاک بھی ہے۔ ہم اس کے متعلق بعد میں باتیں کریں گے۔ پہلے تم اپنا ایک فرض ادا کرو۔ تم نے ابھی تک سائرہ بانو سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔ یہ بری بات ہے۔ وہ ہماری بزرگ ہیں تم انھیں تسلی دو کہ ہماری جلد ہی ان سے آ کر ملے گی اور ہم اسے پہلے کی طرح دوست بنائے رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے"

سعید صاحب نے مجھ سے پوچھا" تم کیا کہتے ہو۔ کیا اس کبیر بیدل کو حراست میں لے لیا جائے ؟"

"قانوناً ایسا کرنا چاہیے لیکن میں یہ بتا چکا ہوں کہ اس کے پاس جرائم کے جتنے ثبوت تھے۔ اب وہ اس پراسرار دوشیزہ کے پاس ہیں"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولے" ہاں، ثبوت کے بغیر ہم یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ اسی شخص کے حکم پر ہمارے ہاں سے خفیہ فائل چرانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں"

میں نے کہا" سعید صاحب ..."

انھوں نے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا" یار! کتنی بار سمجھایا ہے کہ یہ سعید صاحب والا تکلف نہ کرو"

"اس لیے کہ میں آپ کی دل سے بے حد عزت کرتا ہوں"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہے جسے تم کہہ کر مخاطب کرتے ہو کیا تمھارے وہ ہیں ان کے لیے عزت نہیں ہوتی۔ بلکہ اور زیادہ عزت ہوتی ہے بے تکلفی ہوتی ہے۔ اپنا پن ہوتا ہے"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا" آپ کا اپنا پن تو صرف سلمیٰ سے ہو گا"

وہ ذرا جھینپ گئے۔ ذرا مسکرائے۔ پھر کہنے لگے" اسی طرح تمھارا تعاون حاصل رہا تو سلمیٰ میری ہو جائے گی۔ پھر میں رشتے کے لحاظ سے بھی تمہارے اور شاہینہ کے بہت قریب آ جاؤں گا۔ اس لحاظ سے یہ آپ والا تکلف ..."

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا" میں آپ کی تمام باتیں مانتا ہوں بے تکلفی سے اپنا پن ظاہر ہوتا ہے لیکن میں آپ کو آپ اس لیے کہتا ہوں کہ آپ صرف سعید احمد نہیں ہیں بلکہ آپ میرے ملک کے ایک بہت بڑے ذمے دار اور فرض شناس افسر ہیں۔ میں اس افسر کی عزت کرتا ہوں! اس عہدے کو سلام کرتا ہوں"

وہ بے بسی سے بولے" اگر سلمیٰ نے بھی دور ہی سے سلام کیا تو میرا کیا ہو گا؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا" ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ دیکھیے جیسے اسپورٹس میں اسپرٹ ہوتی ہے اسی طرح آپ محبوب والی اسپرٹ پیدا کریں۔ اس سے قریب ہونے کی کوشش کریں۔ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اندر جائیں اس سے باتیں کرنے کا موقع نکالیں"

"کیسے جاؤں؟ سلمیٰ سے یا اس کے خاندان والوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو تمھارے دوست کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں"

"تو پھر دوست کی حیثیت سے جائیے اور میری شادی کی بات چھیڑ دیجیے۔ ان کے درمیان یہ بحث شروع کر دیں کہ میری اور سونیا کی شادی کب ہو گی وہ بحث میں الجھ جائیں تو سلمیٰ کو اشارے سے باغ میں ملنے کے لیے کہہ دیں"

"بھئی کیوں مار کھلانے والی باتیں کرتے ہو، ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔ وہ بہت شرماتی ہے۔ بڑے رکھ رکھاؤ والی لڑکی ہے۔ میرے اشارے کا برا مان گئی تو کیا ہو گا ؟"

"آپ آفیسر ہی رہتے تو اچھا رہتا، خواہ مخواہ محبوب بن رہے ہیں۔ جائیے، میں اس سلسلے میں مدد کروں گا۔ آپ جب چاہیں گے میں سلمیٰ کو باغ میں پہنچا دوں گا"

انھوں نے خوش ہو کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی میں نے سائرہ بانو سے رابطہ قائم کیا۔ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ دوسرے رشتے دار بھی تھے۔ ان کے بہنوئی کہہ رہے تھے" اگر آپ فرہاد سے ملنے چلی جاتیں تو بہتر ہوتا۔ دیکھیے، اس وقت ایک بجنے والا ہے۔ فرہاد صاحب کو یہاں آنا ہوتا تو وہ اب تک آ چکے ہوتے"

سائرہ بانو نے کہا" اس کے ساتھ بڑی مجبوریاں ہوتی ہیں وہ بہت سے مسائل میں گھرا رہتا ہے۔ جب بھی اسے فرصت ملے گی وہ میرے پاس ضرور آئے گا"

ایک نوجوان لڑکی نے کہا" آنٹی! آپ تو بلاوجہ ضد کر رہی ہیں۔ ہمارا کتنا دل چاہ رہا ہے کہ فرہاد صاحب کو دیکھیں مگر آپ وہاں چلتی ہی نہیں ہیں"

سائرہ بانو نے کہا" تم ابھی نادان ہو۔ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ خواہ مخواہ ضد نہ کرو"

مجھے ان کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ خود آ کر کہیں نہیں ملنا چاہتیں دراصل شاہینہ کا گھر اس وقت شادی کا گھر بنا ہوا تھا اور جو شادی ہماری ہو رہی تھی اس کے حوالے سے ان کی بیٹی مرجانہ کی بربادی ہو رہی تھی وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ مرجانہ کی ضد مناسب نہیں ہے لیکن اپنی اولاد کی ضد نامناسب بھی تو نہیں لگتی۔

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ شاہینہ اور زیبا ایجنسی میں آئے تھے۔ وہ کہنے لگی "بھائی جان! آپ یہاں آ کر بیٹھ گئے ہم وہاں انتظار کر رہے ہیں۔ چلیے، کھانا لگایا جا رہا ہے۔ پہلے کھانا کھا لیجیے۔"

میں نے اٹھ کر ان کے ساتھ چلتے ہوئے سعید صاحب کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا، وہ اس وقت سلمیٰ کے چھوٹے سے اسٹوڈیو میں تھے اور اس کی بنائی ہوئی تصویروں کو دیکھتے ہوئے اس سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کے دماغ سے بیگم بختاور کی آواز سنی، وہ ڈرائنگ روم سے اپنی بیٹی کو پکار کر کہہ رہی تھیں "سلمیٰ! سعید صاحب کو یہاں لے آؤ، کھانا لگایا جا رہا ہے۔"

دوسرے افسروں اور مسلح جوانوں کے لیے ایجنسی میں کھانا بھیجا جا رہا تھا۔ ہم سب ڈائننگ روم میں جمع ہو گئے اور میز کے اطراف بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران خوب مزے کی باتیں ہوتی رہیں لیکن بے چاری سونیا اس وقت بھی غیر حاضر رہی۔ اسے اس وقت بھی پردہ کرایا گیا۔ شاہینہ نے کہا "بھائی جان! آپ فکر نہ کریں۔ ہم بھابی کو بھوکا نہیں رکھیں گے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں اور سلمیٰ آپ لوگوں کو کھلا رہے ہیں۔ خود نہیں کھا رہے ہیں اس لیے کہ آپ لوگوں کے بعد بھابی کے ساتھ کھائیں گے۔"

کھانے کے بعد میں نے کہا "سعید صاحب! میں سائرہ بانو سے ملنے کے لیے جا رہا ہوں۔"

انھوں نے کہا "میں آپ کے لیے حفاظتی انتظامات کر دیتا ہوں۔"

"آپ ایسا نہ کریں۔ آخر کب تک میرے لیے ایسے انتظامات کیے جائیں گے۔ یوں بھی میں کوئی سرکاری عہدے دار نہیں ہوں ہاں جب ہماری شادی کا وقت قریب آئے گا تو اس وقت ایسے انتظامات کی ضرورت ہوگی۔"

بختاور نے کہا "بیٹے! آج شادی کا دن مقرر ہو جانا چاہیے۔"

میں نے فوراً ہی سوچ کے ذریعے سونیا سے پوچھا "تمھارا کیا خیال ہے شادی کی تاریخ کب مقرر کی جائے؟"

"شادی کسی وقت بھی ہو سکتی ہے لیکن یہ مناسب نہیں

لگتا کہ مرجانہ کا کوئی سراغ نہ ملے اور ہم خوشیاں منائیں ... وہاں دکھی ہوں گی۔ ہمیں کم از کم ایک ہفتے تک مرجانہ کی ... کا انتظار کرنا چاہیے۔"

میں دماغی طور پر ڈائننگ روم میں حاضر ہو گیا ... نے مسکرا کر پوچھا "کہاں چلے گئے تھے؟"

میں نے جھینپ کر کہا "جی کہیں نہیں بس مشورہ ... تھا کہ شادی کی تاریخ کب مقرر کی جائے؟"

شاہینہ نے آنکھیں دکھا کر پوچھا "آپ کس ... لے رہے تھے؟"

"بھئی، سائرہ بانو سے مشورہ لے رہا تھا۔ وہ کہہ ... کہ پہلے میرے پاس آؤ۔ مجھ سے باتیں کرو۔ اس کے بعد ... کی تاریخ مقرر ہوگی۔"

شاہینہ مطمئن ہو گئی۔ میں نے منصور سے کہا "منصور ... تم تو سائرہ بانو کی رہائش گاہ جانتے ہو مجھے وہاں لے چلو ..."

منصور خوشی سے تیار ہو گیا۔ اس نے باہر جا کر گیراج ... کار نکالی۔ پھر ہم دونوں اس میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ...

میں نے سائرہ بانو کے دماغ میں پہنچ کر کہا "امی! السلام علیکم"

پہلے تو وہ گم صم رہیں۔ پھر جلدی سے بولیں "وعلیکم ... فرہاد کیا تم ہو؟"

"ہاں امی! میں ہوں۔ یہاں آنے میں بہت زیادہ ... ہو گیا۔ اب آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ اس وقت راستے میں ہوں ... بس پہنچنے ہی والا ہوں۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اپنی بہن اور ... سے کہا "فرہاد میاں آ رہے ہیں آؤ، ہم کوٹھی کے باہر برآمدے ... میں چلیں۔"

منصور نے کہا "بھائی جان! آپ کو اور سونیا بھابی کو ... دیکھ کر میرے دل میں بڑا جوش اور جذبہ پیدا ہوتا ہے ... آپ میرے دماغ میں جھانک کر دیکھیں۔ میں کبھی خطرات سے ... گھبراتا اور میرے حوصلے ہر حال میں بلند رہتے ہیں۔ آپ ... بڑے بھائی ہیں کیا مجھے اپنی ٹیم میں شامل نہیں کر سکتے؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "تم میرے چھوٹے بھائی ہو ... لیکن یہ تو بتاؤ کہ میری ٹیم ہے کہاں؟"

"واہ کیوں نہیں ہے، سونیا بھابی ہیں۔ رسونتی ... ہیں اور وہ مرجانہ ہے اور، اور سنا ہے کہ کوئی سالی ... آ رہی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "کیا تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ ... مردے کو دونوں کی ٹیم بنائی ہو؟"

اس نے چند لمحوں تک سوچا۔ پھر کہا "آپ نے بنائی تو نہیں ہے لیکن حالات نے بنا دی ہے اور وہ بھی ایسی ٹیم ہے جو بڑی بڑی خطرناک تنظیموں پر بھاری ہے۔"

"منصور! ٹیم یا جماعت یا تنظیم کی ایک تعریف یہ ہے کہ اس کا ایک سربراہ ہوتا ہے اور اس سربراہ کے احکامات ماننے والے ہوتے ہیں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سربراہ کو مشورے دیتے ہیں اور وہ ان کے مشوروں پر عمل کرتا ہے لیکن ہمارے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔ میری نہ تو کوئی ٹیم ہے۔ نہ میں سربراہ ہوں کبھی سونیا کا دل چاہتا ہے تو وہ میری مرضی کے خلاف یا مجھ سے مشورہ لیے بغیر بھی کوئی قدم اٹھا لیتی ہے یا کسی مسئلے میں الجھ جاتی ہے، رسونتی کا بھی یہی حال ہے۔ جب چاہتی ہے میری فرمانبردار بن جاتی ہے اور جب چاہتی ہے اپنے لیے الگ کسی راہ کا تعین کر لیتی ہے۔ مرجانہ کی مثال بھی تمھارے سامنے ہے۔ میں کسی پر زور نہیں دیتا۔ کسی پر زبردستی اپنا حکم نہیں چلاتا۔ ہم ایک مزاج ہو کر ایک خیال ہو کر کسی مرحلے سے گزرتے ہیں تو دنیا والے اسے ہماری ایک ٹیم سمجھتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ٹیم پھر کسی دوسرے وقت منتشر ہو جاتی ہے۔"

"میں آپ سے ایک ذاتی قسم کا سوال کروں؟"

"ہاں ضرور۔"

"آپ کی ساتھیوں میں سب سے زیادہ آپ کو عزیز کون ہے یا آپ سب سے زیادہ کس سے متاثر ہیں اور سب سے زیادہ کس پر اعتماد کرتے ہیں۔"

میں نے کہا "سونیا کو ایک طرف رکھ دو۔ اس کا مقابلہ کسی سے نہ کرو۔ باقی میری زندگی میں جو بھی ساتھی ہیں، کچھ آتے رہتے ہیں کچھ جاتے رہتے ہیں میں ان سب کا احسان مند ہوں۔ انھوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی محبت اور اپنے اپنے تعاون کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔"

"آنٹی سائرہ کا مکان قریب آ رہا ہے میں جلدی سے ایک اور سوال پوچھ رہا ہوں۔ آج ہمارے گھر میں اس پُراسرار دوشیزہ کا بڑا ذکر ہو رہا ہے۔ بڑی بحثیں ہو رہی ہیں لیکن آپ بہت ہی مطمئن نظر آ رہے ہیں۔ کیا آپ اس دوشیزہ تک پہنچنا نہیں چاہتے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جس شہر میں سونیا ہو۔ اس شہر میں کوئی پُراسرار شخص رہ جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے۔ میں اپنی ٹیلی پیتھی سمیت ایک بار پُراسرار رہنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن وہ مجھے ٹیلی پیتھی کے آہنی پردے کے پیچھے سے نکال لائی تھی۔"

منصور نے حیرانی سے پوچھا "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سونیا بھابی ابھی پردے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ دلھن بننے والی ہیں کیا ایسے میں وہ اس پُراسرار دوشیزہ تک پہنچ جائیں گی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم تو شاہینہ کی خوشیوں کا احترام کر رہے ہیں اور یوں بھی اس دوشیزہ تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں ہے کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ ہماری حمایت میں ہی کام کر رہی ہے۔"

ہم اس کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ جہاں سائرہ بانو کا قیام تھا وہ باہر ہی برآمدے میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ کھڑی تھیں۔ کار کو رکتے دیکھ کر سب مین گیٹ کی طرف آنے لگے۔ میں کار سے باہر نکلا اور سائرہ بانو کے پاس پہنچ کر ان کے سامنے جھکتے ہوئے کہا "امی! میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہو گیا ہوں۔"

وہ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگیں۔ پھر انھوں نے میری پیشانی کو چوم کر کہا "اندر آؤ، آس پاس کی کوٹھیوں میں نہ جانے یہ بات کیسے پھیل گئی کہ آج تم یہاں آنے والے ہو۔ سبھی جیسے تمھارے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

میں ان کے ساتھ چلتا ہوا کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں آیا۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں میرے قریب آنے کی کوشش کر رہے تھے اور طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ ہنس رہے تھے کچھ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ پیچھے سے ایک لڑکے کی دھیمی آواز سنائی دی "یہ تو ہمارے ہی جیسے ہیں۔"

دوسرے لڑکے نے جواب دیا "تم کیا سمجھ رہے تھے فرہاد انکل کے دو سر ہوں گے؟ ایک میں آدمی کا دماغ ہوگا۔ ایک میں ٹیلی پیتھی کی مشین ہوگی۔"

اس بات پر اس کے آس پاس والے لڑکے لڑکیاں ہنسنے لگے۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سب لوگ آس پاس بیٹھنے لگے جسے جگہ نہیں ملی وہ صوفے کے پیچھے کھڑے ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ سائرہ بانو نے کہا "بچو! بھیڑ نہ لگاؤ۔ میں فرہاد میاں سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

ایک لڑکے نے کہا "نہیں آنٹی! پہلے ہم انکل سے باتیں کریں گے۔ پھر آپ کو باتیں کرنے کی اجازت دیں گے۔"

ایک لڑکی نے کہا "انکل آپ بتائیں، میں کیا سوچ رہی ہوں؟"

دوسری لڑکی نے کہا "نہیں پہلے میرے دماغ میں آئیے۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کیسا لگتا ہے۔"

ایک طرف سے ایک لڑکے نے کہا "کیا تم لوگوں

نے انکل کو خرید لیا ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ نہیں انکل پہلے میری سوچ پڑھ کر بتائیے۔"

میں نے ہاتھ اٹھا کر سب لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارا کرتے ہوئے کہا۔" میں سب ہی کی سوچ پڑھ لوں گا اور سب ہی کی خواہش پوری کر دوں گا لیکن پہلے اچھی طرح اس بات پر غور کرلو اگر میں نے کسی کا چھپا ہوا راز آشکار کر دیا تو اس محفل میں اس کی پوزیشن کیا ہوگی ؟"

لڑکیاں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ ایک لڑکے نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔" میرے اندر کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ انکل یہ لڑکیاں گھنی ہوتی ہیں۔ اپنے دلوں میں بہت سی باتیں چھپا کر رکھتی ہیں، ہم تو بہت صاف گو ہیں۔"

میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر آنکھیں بند کرلیں۔ سب خاموش ہوگئے پھر تقریباً آدھے منٹ بعد آنکھ کھول کر میں نے اس لڑکے سے کہا۔" تمھارا نام رفیع احمد ہے تم نے شازیہ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ پہلے تم فرحانہ سے محبت کرتے تھے فرحانہ نے تمھیں لفٹ نہیں دی تو شازیہ کی طرف چلے آئے۔"

اچانک ایک لڑکی اچھل کر کھڑی ہوگئی اور غصے سے رفیع احمد کو دیکھنے لگی۔ وہ شازیہ تھی۔ رفیع احمد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔" انکل ! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کیسی سوچ پڑھ رہے ہیں، میں نے تو بات اصل میں یہ ہے کہ ۔۔۔۔"

شازیہ نے کہا۔" ہاں ہاں اور جھوٹ بولو تم دنیا والوں سے چھپ سکتے ہو، مجھے بے وقوف بنا سکتے ہو، میرے ماں باپ کو بھی بے وقوف بنا سکتے ہو مگر انکل سے کیسے باتیں چھپاؤ گے ؟"

میں نے کہا۔" شازیہ ! اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ تم سب اچھی طرح سن لو کہ ہر انسان میں کوئی خامی ہوتی ہے۔ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ اس کے اندر جانے کتنے بھید ہوتے ہیں، اگر میں یہاں تم سب کے دماغ میں جھانکنا شروع کر دوں تو تم لوگوں کی خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی سامنے آئیں گی۔ اگر تم لوگ یہ کہو گے کہ صرف خوبیاں سامنے آئیں تو پھر دماغ کے اندر جھانکنے کا فائدہ کیا ہے ؟ خوبیاں تو ویسے نظر آ ہی جاتی ہیں۔ میری ایک بات گرہ میں باندھ لو اور ہمیشہ یاد رکھو۔ چاہے تم کتنے ہی پارسا اور ایمان وار ہو لیکن یہ دعویٰ کبھی نہ کرو کہ تمھارے اندر کوئی خامی نہیں ہے۔ تمھارے خیالات میں کوئی کمزوری نہیں ہے اگر کوئی خامیوں سے اور کمزوریوں سے اور عیبوں سے پاک ہے تو وہ صرف خدا کی ذات ہے۔"

سائرہ بانو نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔" آؤ بیٹے ! ہم دوسرے کمرے میں چلیں۔ یہ بچے پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

میں ان کے ساتھ دوسرے کمرے میں آگیا۔ انھوں نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ میں آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ پلنگ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔" سونیا نے مجھے مرجانہ کے تمام حالات بتائے ہیں۔ بڑا دکھ ہے۔ وہ لڑکی بہت ضدی ہے۔ میرے سامنے ہوتی میں اپنی ممتا کا واسطہ دے کر اسے سمجھا دیتی۔"

" امی ! تب بھی وہ نہ سمجھتی۔ دشمنوں نے اسے اتنی چال بازی سے میرے خلاف بھڑکایا ہے کہ وہ مجھے اپنا سب سے بدترین دشمن سمجھنے لگی ہے۔ اس کی سوچ کی انتہا یہ ہے کہ سونیا تک پہنچنے کے لیے وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتی ہے۔"

سائرہ بانو نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر کہا۔" توبہ ! اللہ اسے عقل دے۔ بیٹا تم نے ہم پر جو احسان کیے ہیں ہم اسے کبھی بھلا نہیں سکتے۔ وہ نادان ہے۔ میری طرف سے اسے معاف کر دو۔"

" آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، ہم آج بھی اس کے دشمن نہیں ہیں۔ آئندہ بھی اسے دوست بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے لیکن آپ یہ تو سوچیں جب اس کا برین واش ہوگا جب یہودی اپنے خیالات اور نظریات اس کے دماغ میں ٹھونسیں گے اور اس کے دماغ کو اپنے طور پر استعمال کرنے کے لیے ہر ممکن حربے استعمال کریں گے تو پھر وہ لڑکی کس طرح ہماری ہو سکے گی، میں نہیں سمجھتا کہ برین واش کے بعد وہ آپ کی بات بھی مان سکے گی۔ نہیں وہ تو بالکل ہی باغی بن کر سامنے آئے گی۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔" بیٹے کبھی وہ میرے پاس نہیں تھی۔ میں اس سے ملنے کی دعائیں مانگتی تھی۔ بیس برس بعد وہ مجھ سے ملی تو میں سوچنے لگی کہ اس کے لیے دنیا جہان کی تمام خوشیاں خرید لوں گی میرے پاس اتنی دولت ہے جسے میں ظاہر کر دوں تو اس دنیا کی کم از کم تیسری دولت مند عورت کہلاؤں گی۔ میں اس کے لیے کیا نہیں خرید سکتی لیکن افسوس سونیا بہت مہنگی ہے۔ میں اپنی تمام دولت سے اسے خرید نہیں سکتی نہ تم اسے چھوڑ سکتے ہو۔"

" آپ اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں، دل کے سودے دولت سے نہیں ہوتے۔ یہ اپنی اپنی مرضی، اپنی اپنی پسند ہوتی ہے سونیا میرے سوا کسی دوسرے کو اپنی محبت نہیں دے سکتی مرجانہ خواہ مخواہ ضد کر رہی ہے۔ قدرت بھی اس کے خلاف ہے۔ اس کی تبدیلی ایک مرحلے پر رک گئی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسے ایسی دوائیں استعمال کرنی چاہئیں جو اسے عورت پن کی طرف واپس لے جائیں لیکن وہ نہ تو ڈاکٹروں کے مشورے

پر مانتی ہے نہ قدرت کی مرضی کو سمجھتی ہے اور نہ ہی سونیا کے دل، دماغ کو سمجھنا چاہتی ہے پھر اسے کون سمجھا سکے گا ؟"

وہ مجھے بڑی ہی مجبور نظروں سے دیکھ رہی تھیں پھر انھوں نے ٹھیرے ہوئے لہجے میں کہا۔" بیٹے ! ایک بات مانو گے ؟"

" ہم آپ کی ہزار باتیں مانیں گے۔ آپ حکم دیں۔"

" ابھی تم نے کہا ہے کہ قدرت بھی مرجانہ کے خلاف ہے اس کی تبدیلی رک گئی ہے۔ وہ عورت پن کی طرف واپس آئے گی۔ قدرت سے وہ لڑ نہیں سکتی۔ اگر تم اسے بہلانے پھسلانے کے لیے، اس کا دل رکھنے کے لیے، اس کی ضد پوری کرنے کے لیے کچھ عرصے تک سونیا سے دستبردار ہو جاؤ۔ تمھارا یا سونیا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ایک بچی جو گمراہ ہوگئی ہے وہ راہِ راست پر آجائے گی۔"

میں نے سوچنے کے انداز میں سر کو جھکا لیا پھر سونیا کو مخاطب کیا، اسے سائرہ بانو کی یہ باتیں سنائیں اور کہا۔" سونیا ! ان کی یہ بات دل کو لگتی ہے۔ جب وہ عورت سے مرد بن ہی نہیں سکتی اور عورت پن کی طرف واپس آئے گی تو پھر تمھارا اس سے کترانا بے معنی ہے۔ کیوں نہ ہم اس کا دل رکھنے کے لیے اس کی بات مان لیں اور کچھ عرصے کے لیے اپنی شادی ملتوی کر دیں۔ اسے اطمینان ہو جائے گا۔ پھر ہم آہستہ آہستہ اس کے دماغ میں یہ خیال مستحکم کریں گے کہ ہم اس کے اپنے ہیں۔ دشمن کبھی اپنے نہیں ہوتے۔"

سونیا نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔" میری قسمت ہی ایسی ہے جس روز میں نے اسلام قبول کیا اس روز میں نے اللہ تعالیٰ سے پہلی دعا یہی مانگی کہ فرہاد میرا ہو جائے۔ ساری دنیا کے سامنے میں فخر سے کہہ سکوں کہ میں اس کی شریکِ حیات ہوں لیکن اب یہ فخر حاصل نہیں ہوگا۔"

" سونیا ! اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اگر ہماری شادی میں کچھ عرصے کے لیے رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے تو شاید اس میں بھی ہمارے لیے کوئی بھلائی ہو۔"

" میں تھوڑی دیر کے لیے مایوس ہوتی ہوں لیکن ہمت نہیں ہارتی مگر تم شاہینہ کو کیسے سمجھاؤ گے ؟ وہ خوشی سے دیوانی ہو رہی ہے، شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔"

" ہاں شاہینہ کا ایک مسئلہ ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اسے کس طرح سمجھایا جا سکتا ہے۔ اچھا میں پھر تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے سر اٹھایا اور اپنے سامنے بیٹھی ہوئی سائرہ بانو کو دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔" آپ نے بڑی اچھی بات کہہ دی ہے۔ ہمیں مرجانہ کو ایک نادان بچی سمجھ کر اسے بہلانا چاہیے، میں آپ کے مشوروں پر عمل کروں گا مگر یہ تو معلوم ہو کہ مرجانہ یہاں کب آئے گی ؟"

سائرہ بانو نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے اور ذرا ہچکچاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔" آج صبح جمال صاحب نے پیرس سے فون کیا تھا۔ وہ مجھے بہت تسلیاں دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مرجانہ کو یہاں پہنچنے میں تقریباً ایک ماہ لگ جائیگا۔"

" آپ نے یہ تو پوچھا ہوگا کہ مرجانہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے ؟"

" ہاں پوچھا تھا۔ جمال صاحب کہہ رہے تھے، مرجانہ سے ملاقات نہیں ہو رہی ہے لیکن جو لوگ مرجانہ کے حمایتی دوست اور ہمدرد بنے ہوئے ہیں وہ یقین دلا رہے ہیں کہ ایک ہفتے بعد مرجانہ سے جمال صاحب کی ملاقات کرائیں گے اور ایک ماہ بعد جمال صاحب مرجانہ کو لے کر پاکستان جا سکیں گے۔"

انھوں نے چند لمحوں تک خاموش رہ کر مجھے دیکھا۔ پھر پوچھا۔" بیٹے ! کیا تم اس کے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے ؟"

" میں نے کوشش کی تھی۔ اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ کی لہروں کو نہ پا سکا۔ وہاں بالکل سناٹا ہے۔ سناٹے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کا دماغ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ خدا اسے سلامت رکھے وہ زندہ ہے لیکن ایسے عالم میں ہے جہاں جسم زندہ ہوتا ہے لیکن دماغ کے سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ برین واشنگ میں یہی ہوتا ہے جس طرح ایک پکی ہوئی ہانڈی کو چولہے سے اتار کر اس کا کھانا نکال کر پھر اسے خالی کر دیا جاتا ہے۔ اس ہانڈی کو دھو کر صاف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مرجانہ کے دماغ کو صاف کر دیا گیا ہے۔ پھر دوسرے وقت اس ہانڈی میں جو کھچڑی پکائی جاتی ہے اسی طرح اب مرجانہ کے دماغ میں نئے خیالات اور نئے نظریات کی کھچڑی پکائی جائے گی۔ آپ کو یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ وہ زندہ سلامت ہے اور یہاں بخیریت واپس آئے گی۔"

ہم بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ میں انھیں تسلیاں دیتا رہا اور یقین دلاتا رہا کہ ہم ان کے مشورے پر عمل کریں گے اس کے بعد ہم کمرے سے باہر آئے۔ ڈرائنگ روم میں اسی طرح نوجوان لڑکے لڑکیاں اور اس خاندان کے بزرگ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں منصور بھی بیٹھا ہوا تھا۔

میرے وہاں پہنچتے ہی تکلفات کی ٹرالی لائی گئی۔ میں نے تھوڑا سا ناشتہ کیا۔ چائے پی۔ پھر جانے کی اجازت چاہی۔

اس گھر کے بزرگ اصرار کرنے لگے کہ میں رات کا کھانا ان کے ساتھ کھاؤں۔ تمام بچے بھی ضد کرنے لگے۔ میں نے کہا۔ "دیکھیں میں یہ بات خود نہیں جانتا کہ ابھی یہاں ہوں تو تھوڑی دیر بعد تقدیر مجھے کہاں لے جائے گی یا کون سی مصیبت میرے سامنے آکر میرا راستہ بدل دے گی۔ اگر میں آج رات تک بخیریت لاہور میں رہا تو آپ کے ہاں نو بجے تک کھانے کے لیے آجاؤں گا۔ نہ آسکا تو میرے لیے دعائیں کیجیے گا۔"

میں اٹھ گیا۔ اسی وقت اس نوجوان لڑکے رفیع احمد نے کہا۔ "انکل! آپ نے تو میرا کباڑا کر دیا۔ یہ شازیہ مجھ سے ناراض ہے بلکہ ہمارے بزرگ ایک دوسرے سے ناراض ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ مجھے فراڈ سمجھ رہے ہیں۔ آپ میری سوچ پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے شازیہ سے اگر فرحانہ کی بات چھپائی تھی تو اس میں میری نیک نیتی تھی۔"

میں نے مسکرا کر شازیہ کو دیکھا۔ پھر رفیع سے کہا۔ "تم نے سینہ ٹھوک کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ تم بہت صاف گو ہو۔ اسی لیے میں نے تمہاری پول کھول دی۔ اگر صاف گوئی کا دعویٰ تھا تو ہزار مجبوریوں کے باوجود تم شازیہ کو اپنی پہلی محبت کا فسانہ سنا دیتے لیکن تمہاری صاف گوئی باقی نہیں رہی۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہو؟"

"جی ہاں، یہ میں تسلیم کرتا ہوں۔ آئندہ ایسے دعوے کبھی نہیں کروں گا۔"

میں نے شازیہ سے کہا۔ "اب تم سنو، میں نے اس وقت رفیع احمد کے دماغ کی پوری باتیں بیان نہیں کی تھیں یہ یقیناً تمہارے لیے بہت ہی پرخلوص ہے اور اس کی محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ اس نے اس لیے یہ بات چھپائی کہ ایک عورت دوسری عورت کا ذکر پسند نہیں کرتی۔ پھر یہ کہ فرحانہ نے رفیع کو لفٹ نہیں دی تو اس میں رفیع کی کوئی توہین نہیں ہوئی۔ تم اسے دوسرے پہلو سے سوچو کہ فرحانہ رفیع کی قدر نہ کر سکی۔ تم نے قدر کی۔ تم اسے پانے والی ہو۔ یہ ضروری تو نہیں کہ فرحانہ کو لپ اسٹک کا جو شیڈ یا نیل پالش کا جو رنگ پسند ہو وہی شیڈ، وہی رنگ تمہیں بھی پسند ہو۔ دونوں کی پسند اور مزاج میں اختلاف یقینی ہے۔ اسی طرح ایک آئیڈیل کو پسند کرنے کے سلسلے میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ میں تمہارے بزرگوں کو اپنی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ رفیع احمد تمہارا بہترین جیون ساتھی ثابت ہوگا۔"

یہ کہہ کر میں منصور کے ساتھ باہر آگیا اور کار میں بیٹھ گیا۔ وہ لوگ مجھے کار تک چھوڑنے آئے تھے۔ بہت خوش ہو رہے تھے اور بار بار کہہ رہے تھے کہ مجھے آج رات نو بجے تک کھانے پر آنا چاہیے۔ میں وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ منصور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "بھائی جان! میں آپ سے کچھ پوچھوں؟"

"تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ کیا مجھ سے اجازت لے کر باتیں کیا کرو گے؟"

"نہیں، میں سوچتا ہوں، آپ بہت مصروف رہتے ہیں، خیال خوانی بھی کرتے ہیں، لوگوں سے باتیں بھی کرتے ہیں، تھک جاتے ہوں گے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ محنت تو بہت ہوتی ہے اس کے باوجود مجھے جتنی گہری اور پرسکون نیند حاصل ہوتی ہے دنیا میں شاید ہی کسی آدمی کو حاصل ہوتی ہوگی کیونکہ میں تنویمی عمل کے ذریعے اپنے دماغ کو ہدایات دیتا ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی کئی رات تک سونے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے باوجود جب بھی نیند آئی تو بے خوف و خطر آئی۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں ایک چھوٹی سی درخواست کر رہا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ مجھے کسی مہم پر لگا دیں۔ کوئی ایسا کام دیں کہ میں اپنی صلاحیتیں آپ پر ثابت کر سکوں۔"

میں نے اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے تم نے اس پراسرار دوشیزہ کے تمام واقعات اور حالات سن لیے ہیں۔ کیا تم اسے تلاش کر سکتے ہو؟"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "آپ ذرا سی رہنمائی کریں۔ میں اسے ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"پہلے تم اپنے طور پر سوچو کہ اس کا سراغ لگانے کے لیے تمہیں کن راستوں پر چلنا ہوگا اور کن لوگوں سے ملنا ہوگا۔"

وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔ "وہ دوشیزہ جن سے مل چکی ہے۔ مجھے ان سے ملنا چاہیے یا چپ چاپ اس سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیے۔"

میں نے کہا۔ "اس سے پہلے اور بھی بہت کچھ سوچنا ہے مثلاً یہ کہ وہ دوشیزہ کوئی جادوئی عمل جانتی ہے یا ذہانت سے خود کو پراسرار بنا رہی ہے۔ اگر وہ جادوئی عمل جانتی ہے تو صرف کبیر بہیل کو اور جمیس روبن اور مالنی کو ہی کیوں نظر آئی ان لوگوں نے اس کی آوازیں بھی سنیں اس سے براہِ راست گفتگو بھی کی لیکن کبیر بہیل کے ملازم کو وہ نظر نہیں آئی اور نہ ہی وہ ملازم اس کی آواز سن سکے۔"

"ہاں بھائی جان! یہ سوچنے کی بات ہے۔"

"یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ وہ دوشیزہ اپنی مرضی سے کسی کے لیے دیدہ اور کسی کے لیے نادیدہ بن جاتی ہے۔ وہ

بھی باتوں کو کیسے جان لیتی ہے مثلاً یہ کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ مالنی چاکلیٹ کلر کا شلوار سوٹ پہن کر آئے گی اور جمیس روبن نیلے سوٹ میں ہوگا۔ اس دوشیزہ نے صرف ایک بار کبیر بہیل سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اس کے پاس نہیں گئی۔ پھر اسے کیسے معلوم ہوا کہ میں طیارے سے کون سا لباس پہن کر اتروں گا۔ میرے سر پر کون سا ہیٹ ہوگا اور آنکھوں پر کون سا چشمہ ہوگا؟"

"بھائی جان! ان باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی جادوئی عمل جانتی ہے۔"

"اتنی جلدی کسی نتیجے پر نہ پہنچو — ایک ایک نکتے پر مختلف پہلوؤں سے غور کرو۔"

ہم کوٹھی کے احاطے میں پہنچ گئے۔ ایجنسی سے دوسرے افسران چلے گئے تھے۔ دو مسلح جوان رہ گئے تھے۔ سعید صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ سلمیٰ کی کشش نے انہیں بٹھائے رکھا تھا۔ جب میں کوٹھی کے اندر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہاں سبھی میرے منتظر تھے۔ سعید صاحب نے کہا۔ "ابھی اس دوشیزہ کا فون آیا تھا۔ سونیا بھابی نے اس سے بات کی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ ابھی ہم کبیر بہیل کی کوٹھی پر چھاپہ ماریں۔ اس کی الماری میں اس کے جرائم کے تمام ثبوت رکھ دیے گئے ہیں۔ فرہاد ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

میں نے تائید کی۔ "ٹھیک ہے۔ آپ پولیس کی ایک جماعت لے کر اور ذمہ دار افسران کو لے کر ان کے ساتھ جائیں اور ہاں یہاں سے منصور کو اپنے ساتھ لے جائیں۔"

ان کے جانے کے بعد شاہینہ نے کہا۔ "بھائی جان! جب وہ کبیر بہیل گرفتار ہو جائے گا تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ وہی کم بخت سونیا بھابی کو فائل لانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے بھی کالے جادو کے ذریعے اذیتیں پہنچائی جا رہی تھیں اب تو وہ جادوگر بھی گرفتار ہو چکا ہے۔"

میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری خوشیوں کو سمجھتا ہوں لیکن تمہیں نہیں معلوم ہے کہ ایک مصیبت ختم ہوتی ہے تو دوسری دس مصیبتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ دیکھو جب تک مرجانہ واپس نہیں آئے گی، یہ شادی ادھوری رہے گی۔ تمہیں تو خوشیاں مل جائیں گی لیکن سائرہ بانو سے بھی ہمارا گہرا تعلق ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے اداس ہیں۔ وہاں وہ ماتمی حالات سے گزر رہی ہیں، یہاں شادی کی خوشیاں ہوں تو کیسا نامناسب لگتا ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، کیا شادی نہیں کریں گے؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ شادی ضرور ہوگی لیکن مرجانہ کے آنے کے بعد، پہلے ہم اسے سمجھائیں گے، اسے دوست بنائیں گے۔"

"بھائی جان! وہ دشمن بن چکی ہے۔ دوست کبھی نہیں بنے گی۔"

"کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

بختاور نے کہا۔ "فرہاد میاں! اگر اسے دوست بنانے کی کوئی معقول تدبیر ہو تو پھر کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"جی ہاں، تدبیر یہ ہے کہ جب وہ یہاں آئے گی تو میں سونیا کو اس کے حوالے کر دوں گا۔ کچھ عرصے تک سونیا اس کے ساتھ رہے گی اور مجھے یقین ہے کہ سونیا اپنی صلاحیتوں سے اسے پھر سے اپنا بنا لے گی۔"

شاہینہ نے میرے پاس سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے نہیں بولتی۔ آپ میری بھابی جان کو اس کے حوالے کریں گے۔ میں یہاں سے انہیں جانے نہیں دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "بیٹے! حالات کو اور مجبوریوں کو سمجھا کرو۔ تم اپنی بھابی جان کو کب تک اپنے آنچل سے باندھ کر رکھو گی۔ وہ بھی ایک بہتا ہوا دریا ہے۔ حالات اسے پتہ نہیں کہاں لے جاتے ہیں۔ ہم کبھی ایک جگہ ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ یہ تو تمہاری خوشیوں کا خیال تھا کہ ہم اتنی دیر حالات سے لڑتے جھگڑتے ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

اس نے منہ پھیر لیا۔ مجھ سے ناراض ہو گئی۔ بیگم بختاور نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بیٹے! اگر تم نے اس کی خواہش پوری نہیں کی تو ہماری مصیبت آجائے گی۔ یہ سب سے روٹھی رہے گی اور ہم اپنی بہو کو کبھی ناراض نہیں ہونے دیتے۔"

میں نے بے بسی سے کہا۔ "آپ ہی مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟"

بختاور نے کہا۔ "میری ایک تجویز ہے۔ اس پر عمل کرو تو شاہینہ کی خوشی بھی پوری ہو جائے گی اور مرجانہ کا انتظار بھی کر لیا جائے گا۔"

"ہاں، ضرور فرمائیں، میں اس پر غور کروں گا۔"

بختاور نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت چار بج کر پینتیس منٹ ہوئے ہیں۔ ہم مغرب کی نماز کے بعد اور عشا سے پہلے تمہارا اور سونیا کا چپ چاپ نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ اس طرح شاہینہ کی خوشی پوری ہو جائے گی، ہمارے گھر والوں کے علاوہ کسی کو اس نکاح کی خبر نہیں ہوگی حتیٰ کہ سائرہ بانو کو بھی اس میں شریک نہیں کیا جائے گا۔"

میں نے اس مشورے پر غور کیا، نہایت ہی مناسب مشورہ

تھا۔ میں نے سائرہ بانو سے وعدہ کیا تھا کہ میں سونیا سے کچھ عرصے کے لیے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس وقت سونیا میری منکوحہ نہیں ہوگی اور وہ میری شریک حیات ہو یا نہ ہو اس سے مرجانہ کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ مرجانہ آخر مرجانہ تھی یعنی لڑکی ہی تھی اور لڑکی ہی رہے گی۔

شاہینہ میرا منہ تک رہی تھی اور میرے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے منظور ہے۔ میں اپنی بہن کی خوشی کے لیے آج ہی سونیا سے نکاح پڑھوا لوں گا۔"

وہ خوشی سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر دوڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر سونیا کے پاس جانے لگی۔ بیگم بختاور نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پگلی ہے اور ہاں منصور کا نکاح میں شریک ہونا تو ضروری ہے۔"

بختاور نے پوچھا۔ "اور سعید صاحب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"سعید صاحب بالکل اپنے ہیں میرے بہت گہرے دوست بھی ہیں اور رازدار بھی پھر یہ کہ اللہ نے چاہا تو ہمارے آپ کے رشتے دار بھی بن جائیں گے۔"

میری یہ بات سنتے ہی سلمٰی وہاں سے جانے لگی۔ بختاور نے کہا۔ "زبیر! تم ابھی جاؤ اور قاضی صاحب سے بعد نماز مغرب نکاح کے لیے وقت مقرر کر لو۔ واپسی میں پھولوں کے ہار لیتے آنا۔"

میں اس ہنگامی شادی کی اطلاع دینے کے لیے سعید صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ منصور کے ساتھ کبیر بیدل کی کوٹھی میں پہنچ چکے تھے۔ اس کوٹھی کو چاروں طرف سے پولیس والوں نے گھیر لیا تھا۔ پولیس کے اعلیٰ افسران کبیر بیدل کے بیڈ روم کی تلاشی لے رہے تھے الماری کھول کر وہ تمام ثبوت حاصل کر رہے تھے جس کا ذکر اس دوشیزہ نے کیا تھا ایک آفیسر نے کہا۔ "اچھا تو تمہارا نام کبیر بیدل ہے۔ تم مڈل مین کہلاتے ہو اور یہاں اشرف حسین کے نام سے مسلمان بن کر ہم لوگوں کو دھوکا دیتے رہے ہو؟"

اسی وقت ایک اور آفیسر باتھ روم سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ دیکھیے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بین الاقوامی سطح کا مجرم ہے۔"

دوسرے آفیسر نے کہا۔ "یہ ثابت کرنے کے لیے وہ تمام ثبوت ہی کافی ہیں جو الماری سے برآمد ہوئے ہیں۔"

میں نے سعید صاحب سے کہا۔ "آپ منصور کو لے کر گھر چلے آئیں۔ یہاں آپ کا کام ختم ہو گیا ہے لیکن وہاں شروع ہونے والا ہے۔"

"وہاں کون سا کام شروع ہونے والا ہے؟"

"آپ آئیں گے تو بتاؤں گا۔ بس منصور کو لے کر چلے آئیں۔"

وہ پولیس والوں سے رخصت ہونے لگے۔ میں نے اپنی سوچ کی لہروں کو جیمس روبن تک پہنچایا لیکن پہنچا نہ سکا۔ سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مارا گیا ہے۔ میں فوراً ہی کبیر بیدل کے دماغ میں پہنچا۔ اس کی سوچ کو ٹٹولنے لگا۔ وہ اس اندیشے میں گھرا ہوا تھا کہ جیمس روبن کو اس کا فون نمبر کیسے معلوم ہوا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو تحقیق کے لیے جیمس روبن کے پاس بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ معقول جواب نہ ملے تو اسے گولی مار دی جائے۔

میں نے ایک پولیس آفیسر کے دماغ میں جیمس روبن کا خیال پیدا کیا۔ اس آفیسر نے کبیر بیدل سے پوچھا۔ "وہ گولف کا مشہور کھلاڑی جیمس روبن کہاں ہے؟"

میں فوراً ہی کبیر بیدل کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے جواب دیا۔ "اسے میں نے اپنے آدمیوں کے ذریعے قتل کرا دیا ہے۔"

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے شبہ تھا کہ فرہاد اس کے دماغ میں پہنچ گیا ہے۔ میرا فون نمبر میرے کسی بھی ماتحت کو نہیں معلوم تھا۔ اسے معلوم ہو گیا۔ بس اسی شبہ کی بنا پر میں نے اسے قتل کروا دیا۔"

ایک سب انسپکٹر اپنے ہاتھوں میں چھوٹا سا کیسٹ ریکارڈر لیے اس کے بیانات کو ریکارڈ کرتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر اپنے سر کو ٹٹولنے لگا۔ دیدے پھیلا کر اپنے آس پاس کھڑے ہوئے افسروں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں۔ میں نہیں جانتا کہ جیمس روبن کون ہے۔"

ایک آفیسر نے اس کے منہ پر طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو نے اعتراف کیا ہے کہ اسے قتل کرایا تھا اور اب کہتا ہے کہ اسے جانتا نہیں ہے۔"

میں پھر اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔ "ہاں جناب، میں جانتا ہوں میں نے ہی اسے قتل کرایا ہے۔ غلطی ہوئی۔ میں نے جھوٹ کہا۔"

آفیسر نے کہا۔ "بس ایک ہی طمانچے میں سیدھا ہو گیا۔ ابھی تو تجھے ایسی اذیتیں پہنچائی جائیں گی کہ تو حوالات ہی دولہا کی چکی کھائے گا اور ان کے ایک ایک منصوبے سے ہمیں آگاہ کرے گا۔"

میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ دوپہر کو سائرہ بانو سے ملاقات کے دوران جب ہماری طویل گفتگو ہوئی تھی تو میں نے ان کے سامنے کبیر بیدل کا ذکر بھی کیا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت

خوش ہوئی تھیں کہ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا ہوں اور وہ عبرت ناک سزا پانے والا ہے۔

سائرہ بانو کے چار بدترین دشمن تھے۔ جن میں سے حشمت بیگ ہمارے ہاتھوں کتنی ہی بار سزائیں پا چکا تھا۔ آخری بار جب اس کے سینے سے بم باندھا گیا تو اس کے اپنے بیٹے جلال بیگ کے رویے نے اسے بدول کر دیا۔ اس کا اپنا بیٹا اسے گولی مارنے کا حکم دے چکا تھا اور میں نے اسے بچایا تھا۔ یہ ایسی بات تھی کہ سنگدل سے سنگدل دشمن بھی شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتا ہے اب وہ سر جھکا کر ایک حقیر چیونٹی کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔

دوسرا بدترین دشمن بختاور تھا۔ تقدیر نے اسے بھی سائرہ بانو کے سامنے اس بری طرح شرمندہ کیا تھا کہ اب وہ نہایت ہی شریفانہ طرز کی گھریلو زندگی گزار رہا تھا۔ شراب سے توبہ کر لی تھی۔ غرور بھول گیا تھا اور بڑا بول منہ سے کبھی نکلتا بھی تو کان پکڑ کر توبہ کرنے لگتا تھا۔

تیسرا بدترین دشمن کبیر بیدل تھا جو اب اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچنے والا تھا۔

چوتھا دشمن رگھو ابھی نہ جانے کہاں تھا۔ کبھی اس سے بھی سامنا ہو سکتا تھا اور میری کوشش تھی کہ اس سے بھی ایک بار نمٹ لیا جائے۔ سائرہ بانو کے دل میں یہ حسرت نہ رہے کہ فرہاد نے ان کے تمام دشمنوں سے انتقام نہیں لیا اور ان کے دشمن اپنے عبرت ناک انجام کو نہیں پہنچے تین تو پہنچ گئے تھے آخری دشمن رگھو رہ گیا تھا۔

مجھے کبیر بیدل کے باڈی گارڈ سورما کا خیال آیا۔ وہ اس پُراسرار دوشیزہ کی آمد کے وقت سنتے میں مدہوش انیکسی میں پڑا ہوا تھا۔ میں پھر کبیر بیدل کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں ایک سب انسپکٹر ملازموں سے سوالات کر رہا تھا اور وہ جواب دے رہے تھے۔ ایک سوال کے جواب میں ملازم نے بتایا کہ ان کے صاحب کا ایک باڈی گارڈ ہے جس کا نام سورما ہے؟"

سب انسپکٹر نے کبیر بیدل سے پوچھا۔ "تمہارا وہ باڈی گارڈ کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "وہ میری ملازمت چھوڑ کر جا چکا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہو گا۔"

میں نے اس کے دماغ کو ٹٹولنا شروع کیا۔ پتہ چلا کہ اسے میری لاہور میں آمد کی توقع تھی اس لیے سورما کی ڈیوٹی ایک کوٹھی میں لگا دی گئی تھی۔ وہ کوٹھی شاہینہ اور زبیر کی کوٹھی کے ٹھیک سامنے تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے سامنے والی کوٹھی دشمنوں کا اڈہ تھی۔

پہلے میں نے سورما کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اب خیال آیا کہ جو لوگ شاہینہ کو ایئرپورٹ میں ہلاک نہ کر سکے۔ وہ آسانی سے سامنے والی کوٹھی سے یہ کام کر سکتے ہیں۔ شاہینہ کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں نے فوراً ہی بختاور سے کہا۔ "انکل آپ شاہینہ، سلمٰی اور آنٹی پر پابندی لگا دیں کہ کوٹھی سے باہر بالکل نہ جائیں۔ کم از کم ایک گھنٹے تک دروازوں اور کھڑکیوں کی طرف نہ جائیں۔ ایک دشمن ہمارے قریب ہے۔ میں پہلے اس سے نمٹ لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں پھر کبیر بیدل کے پاس پہنچا اور اس کی زبان سے کہنے لگا۔ "جناب مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے آپ سے جھوٹ کہا تھا۔ سورما میری ملازمت چھوڑ کر نہیں گیا ہے۔ میں نے اس کی ڈیوٹی اس کوٹھی پر لگائی ہے جو بختاور کی کوٹھی کے سامنے ہے۔"

ایک آفیسر ٹیلی فون کے سامنے آیا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ احکامات صادر کر رہا تھا کہ بختاور کے سامنے والی کوٹھی کا محاصرہ کیا جائے۔ محاصرہ کرنے والوں کو اس کوٹھی کا نمبر بتایا گیا۔ میں نے کبیر بیدل کی زبان سے کہا۔ "اور جناب وہاں محاصرہ کرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ سورما کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں۔ ان کے پاس ریوالور اور اسٹین گنیں ہیں۔"

میں دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ وہاں بختاور کا پورا خاندان کچھ سہما ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ "گھبرانے کی بات نہیں ہے بس احتیاط کی ضرورت ہے۔ ابھی کوئی باہر نہ جائے۔"

اسی وقت گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میں نے کہا۔ "منصور اور سعید صاحب آ گئے ہیں۔ میں انہیں دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں کھڑکی کے پاس آیا اور دیکھنے لگا۔ سامنے والی کوٹھی نظر آ رہی تھی۔ وہ تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ہو گی۔ منصور اور سعید احمد کار سے اتر کر بخیریت کوٹھی کے اندر آ گئے۔ ابھی تو خیریت رہی تھی۔ سورما اور اس کے ساتھی سامنے والی کوٹھی میں چھپے رہنے کے باوجود ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے تھے۔ یہ غنیمت اس لیے کہ اسے کبیر بیدل کی طرف سے ایسے احکامات نہیں ملے تھے میرے اندازے کے مطابق وہ دوربین کے ذریعے ہماری طرف دیکھ رہا ہو گا اور ہم لوگوں کے آنے جانے پر نظر رکھ رہا ہو گا۔

سعید احمد اور منصور کو بتایا گیا کہ اس وقت پوزیشن کیا ہے منصور نے کھڑکی کے پاس آ کر سامنے والی کوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان! میرا ایک کلاس فیلو یہاں رہتا ہے۔"

وہ ذرا عیاش قسم کا نوجوان ہے اس لیے میں اس سے زیادہ دوستی نہیں رکھتا۔"

اچانک مجھے کچھ خیال آیا۔ میں نے پوچھا: "کیا تمھیں اس کا فون نمبر معلوم ہے؟"

منصور نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "چلو اس کا نمبر ڈائل کرو۔"

منصور نے نمبر ڈائل کیا۔ میں ریسیور کان سے لگا کر سننے لگا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر منصور سے پوچھا: "جسے فون کیا جا رہا ہے اس نوجوان کا نام کیا ہے؟"

"اس کا نام ارشد علی ہے۔"

"اس کے اور بھائی بہن ہیں؟"

"ایک بہن ہے۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ وزیر آباد گئی ہے اس کا نام شمیمہ ہے۔"

میں نے اشاروں سے شاہینہ کو اپنی طرف بلایا اور ریسیور اسے دے دیا۔ وہ کان سے لگا کر سننے لگی۔ ابھی تک دوسری طرف فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا تھا۔ شاہینہ کا دماغ مکمل طور پر میرے قبضے میں تھا۔ اور میں پوری توجہ سے ادھر گھنٹی کی آواز سن رہا تھا۔ پھر ہلکی سی کلک سنائی دی۔ کسی نے ریسیور اٹھایا۔ شاہینہ نے میری مرضی کے مطابق ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بہت ہی باریک سی آواز میں یوں کہا۔ جیسے بہت دور سے کہا جا رہا ہو: "ہیلو، ہیلو، مسٹر ارشد علی وزیر آباد سے ٹرنک کال ہے۔ اٹینڈ کریں۔"

یہ بات دو بار دہرائی گئی۔ پھر ارشد علی کی آواز سنائی دی

"ہیلو، میں ارشد علی بول رہا ہوں۔"

شاہینہ کا ہاتھ ابھی تک ماؤتھ پیس پر رکھا ہوا تھا۔ وہ جیسے چیختے ہوئے بول رہی تھی: "میں شمیمہ بول رہی ہوں بھائی جان! آپ میری آواز سن رہے ہیں؟"

"سن رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کس لیے فون کیا ہے؟"

"بس فون کیا ہے، بس بہن ہوں۔ کیا اپنے بھائی کو فون نہیں کر سکتی۔ ہم آج رات تک وہاں پہنچنے والے ہیں۔ امی آپ کے لیے بہت بے چین ہیں۔"

میں نے شاہینہ کے دماغ کو آزاد چھوڑ کر کریڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا اور دوسرے ہی لمحے ارشد کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ریسیور اٹھائے "ہیلو، ہیلو" کہہ کر چیخ رہا تھا۔ اس وقت وہ ٹیلی فون کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے ایک شخص اسٹین گن اپنے کاندھے سے لٹکا اس کی طرف جھکا ہوا تھا اور ریسیور سے آنے والی آواز سن رہا تھا۔ باقی دو اشخاص سامنے ہی ریوالور اور اسٹین گن لیے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کی طرف جھکے ہوئے شخص نے اس سے ریسیور چھینتے ہوئے کہا: "کیا ہیلو ہیلو کر رہے ہو۔ ادھر سے لائن کٹ گئی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا پھر کہنے لگا: "یہ تمھاری بہن تھی میں سب سن رہا تھا۔ وہ تمھارے ماں باپ کے ساتھ رات کو کسی وقت پہنچنے والی ہے۔ یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ اب کیا ہوگا؟"

وہیں اس کمرے میں ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک لڑکی بستر سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ارشد ڈیئر! اپنے ماں باپ کو فون کر دو کہ ابھی نہ آئیں۔ کیا ہماری ملاقات اتنی مختصر ہوگی؟"

ارشد علی نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "ابھی لائن کٹ گئی ہے شاید دوبارہ فون آئے تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ وہ لوگ یہاں نہ آئیں۔ میں آج رات کو ان کے پاس جا رہا ہوں کل صبح تک یہاں پہنچوں گا۔ اس طرح وہ لوگ میرے انتظار میں رک جائیں گے۔"

لڑکی نے خوش ہو کر کہا: "یہ ہوئی نا بات۔ تم سچ مچ چاہتے ہو۔ کیوں سورما؟" اس نے اس قد آور شخص کو مخاطب کیا جس نے ارشد سے ریسیور چھین کر کریڈل پر رکھا تھا۔ اس کے گلے سے ایک دوربین لٹک رہی تھی اور کاندھے سے اسٹین گن۔ وہ ڈیل ڈول میں ہاتھی جیسا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا: "باہر چلو۔ ارشد بابو کو موج کرنے دو۔"

وہ تینوں باہر چلے گئے۔ ارشد نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر اس لڑکی کے پاس چلا آیا۔ میں سورما کے پاس آ گیا۔ وہ اندر سے پریشان تھا۔ سوچ رہا تھا کہ مڈل مین نے کوئی پیغام کیوں نہیں بھیجا۔ آخر اس کوٹھی میں کب تک رہا جا سکتا تھا۔ ارشد کو ایک حسین لڑکی کا لالچ دیا گیا ہے لیکن اگر اس کے دوسرے رشتے دار یہاں آ جائیں تو کیا پوزیشن ہوگی؟

اس نے کھڑکی کے پاس پہنچ کر پردے کو ذرا سا کھسکایا۔ پھر آنکھوں سے دوربین لگا کر دیکھنے لگا۔ دوربین لگانے ہی وہ ایک دم سے چونک گیا۔ پتہ چل گیا کہ اس کوٹھی کا محاصرہ کیا جا رہا ہے۔ چاروں طرف پولیس کے جوان چھپ رہے تھے پھر ایک انسپکٹر نے اسپیکر کے ذریعے چیخنا شروع کیا: "سورما! تم اس کوٹھی میں چھپے ہوئے ہو، باہر آ جاؤ، ہم تمھیں وارننگ دیتے ہیں۔ اگر باہر نہیں آؤ گے تو ہم تمھیں چوہے کی بل سے بھی نکالنا جانتے ہیں۔"

سورما نے اپنے آدمیوں سے کہا: "ہم تو بری طرح پھنس گئے ہیں۔ مقابلے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

اس کے ایک ساتھی نے کہا: "استاد! پہلے ارشد بابو کو باہر بھیجا جائے اور انھیں سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ ہم یہاں نہیں ہیں۔"

سورما نے اسے جھڑک کر کہا: "بے وقوف نہ بنو۔ اگر ارشد چلا گیا تو ہم یہاں صرف ہتھیاروں کے ساتھ رہ جائیں گے۔ ارشد رہے گا تو ہم پولیس والوں کو دھمکی دیں گے۔ اگر وہ ہمیں گرفتار کرنے کے لیے کوٹھی کے اندر آئے تو ہم ارشد کو ختم کر دیں گے۔ پولیس والے ایک بے گناہ شہری کی زندگی بچانے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

میں سورما کی باتیں سن رہا تھا۔ اس طرح تو معاملہ طویل ہو جاتا۔ میں اتنی دیر تک اس کھیل کو جاری رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں سورما کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے کہا: "اچھا ایسا کرو، تم دونوں اپنے اپنے ریوالور مجھے دے دو۔ تمھارے پاس اسٹین گنیں کافی ہیں۔"

انھوں نے اپنے ریوالور اسے دے دیے۔ اس نے کہا۔ "اب تم اس طرف جاؤ اور تم ادھر جاؤ۔"

وہ دونوں جانے لگے۔ اسی وقت اس نے ایک فائر کیا۔ اس کا ایک ساتھی چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر گرا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا ساتھی صورتِ حال کو سمجھتا دوسری گولی چلی اور وہ بھی فرش پر گر پڑا۔ وہ لڑکی دوڑتی ہوئی باہر آئی۔ پھر پوچھا۔ "سورما، یہ کیا ہو گیا؟"

سورما نے اسے اور ارشد کو ریوالور دکھاتے ہوئے کہا: "تم دونوں کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو باہر چلو۔"

لڑکی نے حیران اور پریشان ہو کر پوچھا: "یہ تم کیا کر رہے ہو، کیا اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں جو کہہ رہا ہوں۔ وہ کرو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

لڑکی ارشد کے ساتھ چلتے ہوئے باہر جانے لگی۔ سورما ان کے پیچھے تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کوٹھی سے باہر آ گئے۔ چاروں طرف پولیس کے جوان پھیلے ہوئے تھے۔ آفیسر نے اسپیکر کے ذریعے کہا: "سورما، اپنا ریوالور اور اسٹین گن پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

سورما نے چیخ کر کہا: "اس وقت میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ آپ لوگ میرے قریب آ سکتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اسٹین گن اور ریوالور کو دور پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی دوڑتی ہوئی ریوالور کی طرف گئی۔ سورما نے ایک چھلانگ لگائی۔ ادھر لڑکی ریوالور کے پاس پہنچی۔ ادھر وہ پہنچا۔ پھر اس نے ایک ٹھوکر اس کے منہ پر رسید کی۔ وہ چیختی ہوئی دوسری طرف الٹ گئی۔ اس وقت تک پولیس کے تمام جوان وہاں پہنچ گئے تھے۔ لڑکی کو اور ہتھیاروں کو اپنے قبضے میں لے رہے تھے۔ دو جوانوں نے سورما کو بھی پکڑ رکھا تھا۔ پھر افسر کے حکم سے سورما کو ہتھکڑی لگائی گئی۔ اس کے بعد میں نے کہا: "اچھی بات ہے اب میں رخصت ہوتا ہوں آپ سے اب اصلی سورما گفتگو کرے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ سورما ایک دم سے لڑکھڑایا۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامنا چاہتا تھا پتہ چلا کہ ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی ہے۔ وہ حیران پریشان اپنے آس پاس دیکھنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "یہ کیا ہو گیا؟ میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟"

آفیسر نے مسکرا کر اس کوٹھی کی طرف دیکھا جہاں میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر سورما سے کہا: "مسٹر فرہاد نے تمھیں یہاں تک پہنچایا ہے۔"

میں نے سعید صاحب اور منصور کے ساتھ کوٹھی سے باہر آ کر آفیسر سے ملاقات کی۔ مصافحہ کیا۔ پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور سورما سے کہا: "تم یہاں میری بہن کو قتل کرنے آئے تھے۔ میں تم سے اس بری طرح انتقام لیتا کہ تمھارے ساتھی تمھارا انجام دیکھ کر تھرا جاتے لیکن میں پاکستان کا ایک پُرامن شہری ہوں۔ یہاں قانون کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لوں گا۔ تم خود ہی اپنے انجام کو پہنچو۔"

میں سعید صاحب اور منصور کے ساتھ کوٹھی میں واپس آ گیا۔ وہاں بیگم بختاور اوپری منزل کی طرف منہ اٹھا کر کہہ رہی تھیں: "اری لڑکیوں! نیچے بھی آؤ۔ دلھن کو ابھی سے بنانے سنوارنے کی کیا ضرورت ہے۔ نکاح کے بعد دلھن کا سنگار کیا جاتا ہے۔"

اوپر سے سلمیٰ نے کہا: "امی! ہم سنگار نہیں کر رہے ہیں بلکہ مہندی لگا رہے ہیں۔"

سلمیٰ بالکونی میں کھڑی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔ اس نے ہمیں آتے ہوئے دیکھا۔ سعید صاحب کو دیکھ کر اس نے جلدی سے سر پر آنچل رکھ لیا۔ پھر مجھ سے کہا: "بھائی جان! آپ دم سے ٹل رہے ہیں۔ مغرب کا وقت ہو چلا ہے۔ چلیے غسل کیجیے اور یہ مغربی لباس اتار دیے پاکستانی لباس میں نکاح

پڑھا جائے گا۔"

میں نے بالکونی کی طرف منہ اٹھا کر اس سے کہا۔ "بی بی! زیادہ چہکنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ میں سعید صاحب کو بھی پاکستانی لباس پہنا کر تیار کردوں گا۔"

یہ سنتے ہی وہ شرما کر وہاں سے بھاگ گئی۔ سعید صاحب مسکرا رہے تھے۔ بیگم بختاور دوپٹے میں منہ چھپا کر وہاں سے چلی گئیں۔ میں منصور کے کمرے میں آیا۔ وہاں میرا سامان رکھا ہوا تھا۔ پھر میں غسل کرنے، لباس بدلنے اور دولہا بننے کی تیاریاں کرنے لگا۔

ابھی مجھے کچھ اطمینان حاصل ہوا تھا۔ سب سے زیادہ اطمینان شاہینہ کی طرف سے تھا کہ میں نے اس کے دشمنوں کو قانون کے حوالے کردیا تھا۔ اس میں اس پُراسرار دوشیزہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے میری بہن پر احسان کیا تھا۔ حقیقتاً شاہینہ کو نئی زندگی اسی سے ملی تھی۔ کاش! وہ میرے سامنے ہوتی تو میں اس کا شکریہ ادا کرتا۔

صبح سے رسونتی کئی بار یاد آئی۔ سوچا اس سے رابطہ قائم کروں۔ پھر وقت کا بھی خیال تھا کہ جلدی تیار ہونا ہے۔ اگر رسونتی سے کسی بحث میں الجھ گیا تو دیر ہوگی۔ رات کو سونے سے پہلے اس سے رابطہ قائم کروں گا۔

سہاگ رات کے تصور سے ہی سونیا کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آگیا۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ کسی حد تک گھونگھٹ میں چھپی ہوئی سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ سلمیٰ اور شاہینہ اس کے پاؤں میں مہندی لگا رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ سہاگ کے گیت گنگنا رہی تھیں اور سونیا کو چھیڑتی جا رہی تھیں۔

سونیا میری زندگی کی پہلی عورت تھی جو تقریباً چار برس سے میری شریکِ حیات بننے کی ضد کرتی رہی تھی اور میں اسے ٹال دیا کرتا تھا۔ دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی۔ جس پر سونیا ہاتھ ڈالے اور اسے حاصل نہ کرلے۔ ایک میں ہی رہ گیا اور آج بڑے ارمانوں سے وہ مجھے بھی حاصل کر رہی تھی۔

میں نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس پہنا اور قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو دیکھنے لگا مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ شاید پانچ برس کے بعد میں نے پاکستانی لباس شلوار قمیص پہنا تھا۔ دل اور دماغ تو پاکستانی ہی تھا لیکن آج لباس سے اس کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔ منصور نے کمرے میں آکر کہا۔ "بھائی جان! ڈی جی صاحب آپ سے ملاقات کرنے آئے ہیں۔ ان کے ساتھ دوسرے افسران بھی ہیں۔ سعید صاحب نے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔ آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

میں ڈرائنگ روم میں آیا۔ سعید صاحب نے ڈائریکٹر جنرل کے افسران سے تعارف کرایا۔ ہم ایک دوسرے سے مصافحہ کر کے صوفے پر بیٹھ گئے۔ ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "مسٹر فرہاد علی! آج آپ سے مل کر جتنی مسرت ہو رہی ہے اتنی ہی مجھے اس بات پر شرمندگی ہے کہ ہمیں اپنا ایک فرض ادا کرنے آنا پڑا جو کہ فی الحال مناسب نہیں ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر فرض یوں ادا کیا جائے کہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں تو پھر وہ فرض نامناسب نہیں ہوتا۔ آپ جو کہنا چاہتے ہیں اسے کھل کر بیان کریں۔"

انھوں نے کہا۔ "ہم آپ کے سلسلے میں تفتیش کرنے آئے ہیں۔ یوں تو کوئی معمولی افسر بھی آسکتا تھا چونکہ آپ کا معاملہ ہے اس لیے میں نے خود آنا مناسب سمجھا۔"

میں نے پھر مسکرا کر کہا۔ "یہ میری عزت افزائی ہے۔"

"ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ پاکستان کی سرحد میں کس طرح داخل ہوئے؟"

یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب دیتے ہی میں قانون کی گرفت میں آسکتا تھا مگر جواب تو دینا ہی تھا۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "میں ایک پاسپورٹ کے ذریعے آیا ہوں۔"

"اور وہ پاسپورٹ جعلی تھا۔"

"جناب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میرے جیسے ہزاروں دشمن ہیں۔ مجھے بہروپیا بن کر آنا پڑتا ہے۔"

"یہ آپ کی مجبوریاں ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بین الاقوامی قوانین کے خلاف بھی ہیں اور ہمارے ملکی تحفظ کے لیے چیلنج بھی۔"

سعید صاحب نے کہا۔ "بے شک یہ خلافِ قانون ہے لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ ان کی شخصیت کتنی اہم ہے۔ اس کے علاوہ یہ محبِ وطن ہیں۔ انھوں نے آج تک پاکستان کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔ آج کل یہ اور سونیا ہمارے ملک کے لیے جتنے اہم فرائض ادا کر رہے ہیں کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک خفیہ معاملہ ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ملک دشمن عناصر کی گرفتاریاں عمل میں آرہی ہیں اور وہ ان کے طفیل ہو رہا ہے۔"

ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ "جناب سعید صاحب! آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ میں فرہاد صاحب کو صرف اچھی طرح جانتا ہی نہیں ہوں بلکہ اس بات کا بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ ان کا بہت بڑا معتقد ہوں۔ ان کے لیے کسی بھی وقت تن من دھن سے کام آنے کے لیے تیار ہوں لیکن اس وقت ایک سرکاری عہدے دار ہوں اور قانون کا محافظ ہوں۔ قانون کی بالادستی قائم رکھنا میرا فرض ہے اور اسی کے لیے میں حاضر ہوا ہوں۔"

ایک اور آفیسر نے کہا۔ "جناب فرہاد صاحب! ہم سب آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ خیال خوانی کے ذریعے ہمارے اندرونی خیالات کو پڑھ لیں۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ ہم آپ کو کتنا چاہتے ہیں لیکن بہت مجبور ہو کر یہ ناگوار فرض ادا کرنے آئے ہیں۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ اوپر سے احکامات آئے ہیں کہ جنھیں سن کر پہلے تو ہم پریشان ہوگئے۔ ہم نے ڈائریکٹر جنرل صاحب سے مشورہ کیا کہ آپ کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔ پھر یہ بہت ساتھ آنے کے لیے راضی ہوگئے۔ ہم سب کس دل سے یہ فرض ادا کرنے آئے ہیں ––– آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے معلوم کرسکتے ہیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خواہ مخواہ خیال خوانی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں آپ لوگوں کے خلوص اور محبت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ آپ یہ بتائیں کہ اوپر سے کیا احکامات آئے ہیں؟"

افسروں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔ پھر وہ ڈائریکٹر جنرل کی طرف دیکھنے لگے۔ انھوں نے کہا۔ "آپ پر الزامات ہیں کہ آپ جعلی پاسپورٹ کے ذریعے پاکستان میں آئے ہیں۔ صرف پاسپورٹ ہی جعلی نہیں، بلکہ آپ کی شخصیت بھی جعلی ہے۔ غیر ملکی جاسوس اور دوسرے تخریب پسند عناصر اسی طرح سرحدوں میں داخل ہوتے ہیں اور ان کا سختی سے محاسبہ کیا جاتا ہے۔ عدالت میں ان کے خلاف فیصلے سنائے جاتے ہیں۔ انھیں سزائیں دی جاتی ہیں۔ آپ کے سلسلے میں یہ پوچھا گیا ہے کہ آپ کو کس خوشی میں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ جو جرم دوسرے کرتے ہیں وہی آپ نے کیا ہے لہٰذا آپ کو بھی حراست میں لیا جائے۔"

اس بات کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں سناٹا چھا گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ قانون جو کہتا ہے آپ پورا کریں۔"

ایک آفیسر نے کہا۔ "دیکھیے فرہاد صاحب! اس سے پہلے بھی آپ یہاں آچکے ہیں۔ ابھی کچھ عرصے پہلے آپ دو تین دن کے لیے لاہور آئے تھے۔ ہمیں ساری باتوں کا علم ہوتا ہے۔ ہم نے سوچا تھا کہ آپ سے ملاقات کریں گے لیکن اچانک ہی آپ لاہور سے چلے گئے۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج تک آپ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی اور نہ ہی کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ آپ ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب ہیں اور ہم سب آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں پتہ نہیں کیا بات ہے۔ اوپر سے ایسے احکامات کیوں آئے ہیں۔ بخدا ہم بہت پریشان ہیں۔"

میں نے خوش ہو کر کہا۔ "میں آپ لوگوں کی محبت سے جتنا فخر محسوس کر رہا ہوں اتنا اس بات کا صدمہ نہیں ہے کہ میرے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی جائے گی۔"

"جناب ایسی تو بات ہے۔ آپ کے خلاف قانونی کارروائی بھی نہیں کی جائے گی۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "پھر؟"

"ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو حراست میں لے کر ابھی سرحد پار پہنچا دیں۔ اگر آپ پاکستان چھوڑنے پر اعتراض کریں گے تو آپ پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے گا اور جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اس وقت تک آپ کو کہیں نظر بند رکھا جائے گا۔ آپ سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

سعید صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن جناب! ابھی قاضی صاحب آنے والے ہیں۔ فرہاد اور سونیا کا نکاح پڑھایا جائے گا۔ آپ ابھی تو قانونی کارروائی نہ کریں۔"

ڈائریکٹر جنرل نے بے بسی سے کہا۔ "ہمیں افسوس ہے۔ احکامات میں خاص طور سے تاکید کی گئی ہے کہ ہم مغرب سے پہلے فرہاد کو حراست میں لے کر یا تو سرحد پار کرا دیں یا پھر کہیں نظر بند رکھیں۔"

میں نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی اس بات کی سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ مجھے مغرب کی نماز سے پہلے حراست میں لے لیا جائے؟"

"جی ہاں یہی بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک تو یہ کہ ہم مقدمہ چلائے بغیر سرحد پار پہنچا دیں۔ دوسرا یہ کہ مغرب کی نماز سے پہلے ہی آپ کو آپ کے لوگوں سے دور کر دیا جائے۔ ان احکامات کے پیچھے کیا راز ہے یہ ہم نہیں جانتے۔"

اوپر بالکونی سے سونیا کی آواز سنائی دی۔ "میں سمجھ گئی ہوں۔"

سب نے ادھر سر گھما کر اور نظریں اٹھا کر دیکھا وہ اوپری زینے پر کھڑی ہوئی تھی۔ سہاگ کے سرخ جوڑے میں گلاب کی طرح کھل رہی تھی، میں نے زندگی میں پہلی بار اسے دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ اتنی پیاری اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اسے دیکھتے ہی میں بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا میرے منہ سے نکلا۔ "یہ سونیا ہے۔"

سونیا کا نام سنتے ہی وہ سب اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور بڑے اشتیاق سے اسے دیکھنے لگے، وہ ایک ایک زینہ اترتے

ہوئے کہہ رہی تھی ـــــ "میں یہاں دلھن بننے آئی تھی۔ مجھے شرم و حیا کا پاس رکھنا چاہیے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں بھی بڑی طاقتوں کا دباؤ ہے ایسا نہ ہوتا تو ایسے اوٹ پٹانگ احکامات تمھارے خلاف صادر نہ کیے جاتے۔"

وہ زینے سے اترتے ہوئے نیچے آگئی تھی۔ میں نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بالکونی میں سلمیٰ اور شاہینہ کھڑی ہوئی اپنے آنچل سے آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھیں۔ پورے گھر والوں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میرے خلاف کس قسم کی کارروائی کی جا رہی ہے۔

سونیا نے کہا "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز سے پہلے تمھیں ہم سے الگ کر دیا جائے۔ وہ حقیقتاً صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری شادی نہ ہو سکے۔"

اسی وقت مغرب کی اذان ہونے لگی۔ سب خاموش تھے۔ ڈی جی صاحب نے چونک کر کہا "دیکھیے، مجھے بڑی سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ کو اذان سے پہلے اس کوٹھی سے باہر لے آئیں اور کسی سے ملنے کی اجازت نہ دیں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "چلیے میں تیار ہوں۔"

میری یہ بات سنتے ہی شاہینہ نے بالکونی سے ایک چیخ ماری اور بھائی جان پکارتے ہوئے، دوڑتے ہوئے۔ پھلانگتے ہوئے میری طرف آئی اور لپٹ کر رونے لگی۔ اس کے پیچھے سلمیٰ بھی آئی تھی۔ وہ بھی مجھ سے لپٹ گئی تھی، وہ دونوں سر ہلا ہلا کر انکار کر رہی تھیں کہ مجھے نہیں جانے دیں گی۔ سونیا کے اندر کیا طوفان برپا تھا یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ بظاہر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "منصور! اپنے بھائی جان کی چھوٹی اٹیچی لے آؤ۔ سرحد پار جانے کے لیے انھیں اپنے ضروری سامان کی ضرورت ہو گی۔"

منصور دل برداشتہ ہو کر اپنے کمرے میں گیا اور وہاں سے میری اٹیچی اٹھا کر لے آیا۔ سلمیٰ اور شاہینہ مجھ سے لپٹی رو رہی تھیں اور میں انھیں سمجھا رہا تھا۔ پھر زبیر نے آ کر شاہینہ کو پکڑ لیا۔ منصور نے سلمیٰ کو مجھ سے الگ کیا اور میں اٹیچی اٹھا کر ان افسروں کے ساتھ کوٹھی سے باہر آ گیا۔ وہاں گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں ڈی جی کے ساتھ ایک گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا "ذرا چند منٹ توقف کریں۔ میں اپنے عزیز، رشتہ داروں کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔ خیال خوانی کے ذریعے انھیں تسلیاں دینا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے دماغ میں پہنچا۔ وہاں جیسے آندھیاں چل رہی تھیں اور وہ اپنے غصے کو برداشت کرنے کی انتہائی کوششیں کر رہی تھی۔ شاہینہ اور سلمیٰ ابھی تک رو رہی تھیں اور زبیر کوٹھی کے باہر آ کر مجھے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بخاور بھی سر جھکائے ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔ جب گاڑی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ کوٹھی کے اندر آ گئے اب سونیا کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگے جیسے خاموشی سے کہہ رہے ہوں، "ہم کتنے بے بس ہیں کہ تمھیں سہاگن نہ بنا سکے، رہ گئیں۔ ہم تمھارے دولھا کو جاتے ہوئے نہ روک سکے۔"

سونیا اب آہستہ آہستہ اپنے زیور، کانوں کے جھمکے، گلے کا ہار، ہاتھوں کی چوڑیاں اتار اتار کر ایک طرف پھینکتی جا رہی تھی۔ میں نے بے بسی سے کہا "میں کیا کروں سونیا۔ دیکھو کیسی بات پیدا ہو گئی کہ تمھیں دلھن نہ بنا سکا۔ کیا تم مایوس ہو گئی ہو؟"

وہ بولی "میں مایوس ہونا نہیں جانتی لیکن اتنا جانتی ہوں کہ آج تک جو کچھ حاصل کرنا چاہا، حاصل کیا ہے لیکن حاصل کرتے وقت ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہنیں، آج چوڑیاں پہنیں تو تم میرے ہاتھ سے نکل گئے۔"

پھر وہ اپنی ایک سونی کلائی کو سہلاتے ہوئے بولی "میرا مقصد ایک ہی ہے تمھیں حاصل کرنے کے لیے میں اس سے لڑاؤں گی جس نے پہلی بار مرجانہ کو ہماری شادی کی اطلاع دی اور اسے ہمارے خلاف بھڑکایا اور آج بھی ہماری شادی کی اطلاع ایسے بارسوخ ذرائع تک پہنچائی جن کے ذریعے ہمارا نکاح روک دیا گیا۔"

میں نے کہا "واقعی یہ سوچنے کی بات ہے۔ ابھی چند گھنٹے پہلے ہم نے اپنی کوٹھی کے بند کمرے میں مغرب کے بعد نکاح پڑھانے کا پروگرام بنایا۔ صرف گھر والے وہاں موجود تھے کسی کو خبر نہیں تھی پھر وہ کون ہے۔ کسے اس بات کی خبر ہو گئی کہ مغرب کے بعد نکاح پڑھایا جائے گا۔ لہٰذا مغرب کی اذان سے پہلے ہی مجھے اس کوٹھی سے باہر نکال دیا جائے اپنوں سے دور کر دیا جائے بلکہ سرحد پار پہنچا دیا جائے۔"

"فرہاد! ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ دشمنوں کو ہماری شادی ہونے یا نہ ہونے سے کیا دلچسپی ہے۔ انھیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے یا کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟"

"ہاں اس بات پر غور کرنا چاہیے۔"

"میں نے غور کیا ہے۔ میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ دشمنوں کو ہماری شادی سے نہ تو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ وہ لوگ ہماری شادی روک کر کسی کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اب وہ کون ہے جسے ہمارے دشمن خوش رکھنا چاہتے ہیں اور جسے وہ خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے لیے کس قدر اہم ہو گا کہ اس کی خاطر وہ ہم سے ٹکرا رہے ہیں اور ہماری خوشیوں کے راستے میں حائل ہو رہے ہیں یقیناً جسے وہ خوش کرنا چاہتے ہیں وہ ہستی ہمارے دشمنوں کے لیے بہت ہی اہم اور بہت ہی کارآمد ہو گی۔"

میں نے کہا "ایک تو مرجانہ ہماری نظروں میں ہے۔ وہ اسے خوش کرنا چاہتے ہیں اور اسے اپنا آلۂ کار بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں فرہاد مرجانہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے تو اسے ناقابلِ شکست فولادی فائٹر کہا جا سکتا ہے اور دشمنوں کے پاس ایسے لڑنے والے ہزاروں ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو، دشمن کسی ایسی ہستی کو بہت زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے ذریعے وہ ہمارے خلاف بے شمار فائدے حاصل کر سکتے ہیں، کوئی بات نہیں سونیا، ہم نے بازی نہیں ہاری ہے۔ فی الحال ہم نے ذرا پیچھے قدم ہٹا لیے ہیں آیندہ آگے بڑھنے کے لیے۔ اب ہم اس دشمن ہستی کے پیچھے پڑ جائیں گے جو ہمارے خلاف دشمنوں کو معلومات فراہم کر رہی ہے۔ اچھا، اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ پھر تم سے باتیں کروں گا۔"

میں نے دماغی طور پر کار کی پچھلی سیٹ پر حاضر ہوتے ہوئے ڈائرکٹر جنرل سے پوچھا "ہاں تو آپ کیا فرما رہے تھے؟"

انھوں نے کہا "میں آپ کی ہونے والی دلھن سے آپ کو چھین کر لے جا رہا ہوں۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا؟"

"آپ ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔ اپنے فرض سے مجبور ہیں۔"

انھوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "فرض کے متعلق اور کچھ نہیں کہنا ہے وہ تو میں ادا کر رہا ہوں۔"

کار میں خاموشی چھا گئی۔ میں پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سعید احمد کو دیکھ رہی تھی۔ سعید صاحب ٹیلی فون کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے بڑے افسروں سے رابطہ قائم کر رہے تھے اور میرے متعلق انھیں بتا رہے تھے۔ ان سے درخواست کر رہے تھے کہ کسی طرح مجھے سرحد پار لے جانے سے روکا جائے۔

سونیا نے کہا "آپ اپنی تسلی کے لیے کوششیں کریں ہم دنیا کے ہر ملک میں جاتے رہتے ہیں۔ رہتے بھی ہیں ہم نے ہر ملک میں خطرناک تنظیموں کی حکمرانی دیکھی ہے۔ یہ تنظیمیں اتنے وسیع ذرائع کی مالک ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں کی انتظامیہ بعض اوقات ان کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے ـــــ۔"

سعید صاحب نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا "میں تمھاری بات مانتا ہوں لیکن ہم اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہ سکتے۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں۔ وہ شخص جو اتنی شرافت کے ساتھ ان افسروں کے گھیرے میں گیا ہے کیا وہ سرحد بھی پار کر جائے گا؟ سعید صاحب! میں فرہاد کو آپ لوگوں سے زیادہ جانتی ہوں۔" سونیا نے بڑے وثوق سے کہا۔

اس کی بات سن کر تمام لوگ حیران ہو کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ سعید صاحب نے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ فرہاد سرحد پار نہیں کرے گا؟"

سونیا نے جواب دیا "شاید وہ سرحد پار کریں گے، ایک محبِ وطن اپنے وطن کے افسران کو بھی ان کے فرائض کی ادائیگی سے نہیں روکتا اور ایک محبِ وطن یہ بھی نہیں چاہتا کہ دشمنوں سے شکست کھا کر میدان خالی کر دے اور انھیں من مانی کرنے کا موقع دے۔ اس لیے فرہاد واپس آئیں گے۔ خواہ سرحد پار کرنے سے پہلے آئیں یا سرحد پار کرنے کے بعد۔"

شاہینہ اس سے لپٹ گئی "ہائے بھابی جان! آپ نے کتنی اچھی خوش خبری سنائی ہے میرے بھائی جان آ جائیں گے۔"

سونیا نے کہا "دیکھو اب زیادہ خوش نہ ہونا اور نہ ہی شادی کے خواب دیکھنا۔ تمھارے بھائی جان آئیں گے تو کسی کو خبر نہیں ہو گی نہ ہی وہ کسی سے رابطہ قائم کریں گے۔ رشتے داروں میں رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن ہمارے رشتوں کی محبت کو ہماری کمزوری بنا لیتے ہیں، تمھارے ساتھ کیا عمل کیا گیا پھر آج صبح ایئرپورٹ پر تمھارے دھوکے میں کسی اور کو قتل کیا گیا ابھی وہ باڈی گارڈ سورما سامنے والی کوٹھی میں تمھاری تاک میں بیٹھا ہوا تھا۔ نہیں شاہینہ، تمھاری زندگی فرہاد کے لیے اور ہم سب کے لیے بہت قیمتی ہے میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ فرہاد کو ضد کر کے اپنے پاس نہ بلانا۔ انھیں موقع ملے گا تو وہ خود تمھارے پاس دوڑے آئیں گے۔"

وہ شاہینہ کو سمجھا رہی تھی۔ میں سن رہا تھا۔ پھر میں نے سائرہ بانو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "امی ہمارے آیندہ لمحات ہمیں کہاں لے جاتے ہیں، ہم نہیں جانتے۔ آپ کے رشتے داروں نے آج رات مجھے کھانے پر مدعو کیا تھا لیکن میں بہت دور جا رہا ہوں۔ قانون کے محافظ میری یہاں آمد کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے مجھے سرحد پار جانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ خدا نے چاہا تو پھر ملاقات ہو گی۔"

ان سے تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد میں پھر دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ اب گاڑی رک گئی تھی۔ وہ شالامار باغ سے آگے کا علاقہ تھا۔ رات کا اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا لیکن اس اندھیرے میں بھی بہت سے مسلح افراد نظر آ رہے تھے جنہوں نے ہماری گاڑیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پھر ہماری کار کے پچھلے دونوں دروازے کھول دیے گئے۔ رائفل کے اشارے سے صرف مجھے باہر آنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے اشارتی حکم کی تعمیل کی۔ دو آدمیوں نے مجھے پیچھے سے رائفلوں کی زد میں لے کر نال سے میری پیٹھ کو ٹہوکا دیا تاکہ میں آگے بڑھوں۔ میں آگے بڑھنے لگا۔ آگے ایک اور مسلح جوان چل رہا تھا۔ اس نے ایک گاڑی تک میری رہنمائی کی۔ مجھے اس گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا، پھر دو صحت مند، کڑیل جوان میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

پھر وہ گاڑی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے دیکھا۔ ڈی جی اسی طرح پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی کار کے دروازے بند کر دیے گئے تھے۔ اب ان گاڑیوں کو واپس جانے کا حکم دیا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ گاڑیاں جانے لگیں۔ میں نے اپنی گاڑی میں دیکھا۔ وہ ایک اسٹیشن ویگن تھی۔ میرے سامنے والی سیٹ پر تین مسلح افراد تھے۔ ان کے سامنے والی سیٹ پر ایک ڈرائیور تھا اور ڈرائیور کے پاس بھی ایک مسلح شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اب وہ ویگن کچے راستے پر مڑ گئی تھی۔ گاڑی کو بڑے جھٹکے لگ رہے تھے۔ وہ ڈگمگا رہی تھی مگر ایک مخصوص رفتار سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

میرے ملک کے افسران اپنا فرض ادا کرنے کے لیے مجھے سرحد کی طرف لے جا رہے تھے اور یہ لوگ سرحد کے راستے سے کترا کر کسی کچے راستے پر چل رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے سرحد پار نہیں لے جا رہے ہیں۔ پھر کہاں لے جا رہے ہیں؟ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسلح جوان سے پوچھا "تم لوگ کون ہو؟ تم لوگوں نے مجھے قانون کی گرفت سے رہائی دلائی ہے اس کا مطلب ہے کہ میرے دوست ہو۔ میرا بھلا چاہتے ہو۔ لہٰذا مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں کن دوستوں میں ہوں؟"

وہ سب خاموش رہے۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔ گاڑی کے چاروں طرف رات کی گہری تاریکی مسلط تھی۔ صرف ہیڈلائٹس کے ذریعے دور تک کچا راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ تب میں نے اس کچے راستے پر کسی ریشمی لباس والی کو دیکھا۔ دور سے وہ پہچانی نہیں گئی لیکن جیسے جیسے گاڑی قریب پہنچتی گئی وہ نظر آتی گئی۔ وہ بیچ راستے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے گلے میں سیاہ موتیوں کی مالا تھی۔ رات کی تاریکی میں اور ہیڈلائٹس کی روشنی میں اس مالا کے سیاہ موتی یکے بعد دیگرے چمک رہے تھے، بجھ رہے تھے اور پھر چمک رہے تھے۔

ویگن ڈرائیور نے ہارن دیا۔ وہ یقیناً حیران ہو گیا کہ آدھی رات کو ایسے ویرانے میں ایک دوشیزہ کچے راستے پر کیوں کھڑی ہوئی ہے جیسے راستہ روکنا چاہتی ہو۔ ڈرائیور کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "جب وہ محترمہ گاڑی رکوانا چاہتی ہے تو گاڑی روک دو۔ بیلو روکو۔"

گاڑی اچانک ہی رک گئی۔ میں اس بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے ایک ریوالور ڈرائیور کی پسلی سے لگا دیا تھا۔ تب ہی ڈرائیور رکنے پر مجبور ہو کر حیرانی سے کہہ رہا تھا "تم یہ کیا کر رہے ہو؟ مجھے ریوالور سے دھمکی دے رہے ہو۔ کیا ہم ایک لڑکی کو کچل کر آگے نہیں بڑھ سکتے؟ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ ہم کتنے اہم آدمی کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں؟"

میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تینوں مسلح افراد اپنے ریوالور نکال کر سامنے والے شخص کو دھمکی دینا چاہتے تھے اسی وقت میرے آس پاس بیٹھے ہوئے دو مسلح کڑیل جوانوں نے اپنے ریوالور ان کی کنپٹیوں پر رکھ دیے۔ پھر ایک نے کہا "ہاں کسی اہم شخصیت کو اپنے ساتھ لے جانا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا تم لوگوں نے سمجھا ہے۔ اپنے ہتھیار گاڑی میں ہی چھوڑ دو اور چپ چاپ باہر نکل جاؤ۔ ہم اپنا وقت ضائع کرنا نہیں جانتے فوراً گولی مار دیتے ہیں۔ چلو۔"

گاڑی کے اندر جو کچھ ہو رہا تھا، اسے میں نے سرسری نظروں سے دیکھا اور سنا لیکن اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا جو گاڑی کے باہر بیچ سڑک پر کھڑی ہوئی تھی۔ غضب کا حسن تھا۔ ایسا حسن خوابیدہ آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ یوں گمان ہوتا تھا۔ جیسے فریبِ نظر ہو اور آنکھوں کو چیلنج کر رہا ہو کہ حسن کو بیان کر سکتے ہو تو کرو۔ نہیں کر سکتے تو سحر زدہ ہو کر دیکھتے رہو۔

اسے جو کوئی دیکھتا، اس کے حضور میں حاضر ہونے کی تمنا کرتا۔ میری تمنا تھی کہ میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں لیکن وہ مجھ سے کافی فاصلے پر تھی۔ میں اس کی آنکھوں میں نہیں جھانک سکتا تھا۔ اس کی آواز سننا چاہتا تھا لیکن وہ خاموش تھی۔ اب آہستہ آہستہ چل کر سڑک کے کنارے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کا رخ ہماری گاڑی کی طرف تھا۔ ہماری گاڑی میں مسلح دشمن نہتے کر دیے گئے تھے۔ وہ

ہتھیار چھوڑ کر گاڑی سے باہر چلے گئے تھے۔ اب وہ دوشیزہ ہماری طرف سے پلٹ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دور جا رہی تھی۔ سڑک کے کنارے کنارے چل رہی تھی۔ چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے زمین پر نہیں بلکہ ہوا کی ہتھیلی پر قدم رکھتی جا رہی ہو۔ ہماری ویگن اسٹارٹ ہوئی اور اس کے پیچھے پیچھے بہت ہی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ میں نے پوچھا "تم لوگ کون ہو؟ اور یہ لڑکی کون ہے؟ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ویگن کی روشنی دور کچی سڑک تک جا رہی تھی۔ آگے ایک سفید رنگ کی کار نظر آئی۔ وہ اس کار کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ایک سفید وردی میں ملبوس ڈرائیور نے اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اس نے پلٹ کر اپنی ایک چٹکی میں ایک سیاہ موتی کو تھام کر میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا جیسے الوداع کہہ رہی ہو۔ پھر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

میں نے اپنی سیٹ پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "کیا تم لوگ مجھے اس سے ملنے کا موقع نہیں دو گے؟"

جواب دینے کی کسی کو فرصت نہیں تھی۔ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ جو لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ گاڑی سے اتر گئے تھے اور ان کی جگہ دوسرے مسلح افراد بیٹھ رہے تھے۔ اس دوران وہ کار اسٹارٹ ہو کر دور ہوتی جا رہی تھی یعنی میں نے جن لوگوں سے سوال کیا تھا۔ وہ گاڑی سے اتر گئے تھے۔ میرا وہ سوال اور وہ خواہش ان لوگوں کے ساتھ چلی گئی تھی اور نئے لوگ میرے آس پاس آ گئے تھے۔

وہ سفید کار آگے جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں نے بے بسی سے اپنے آس پاس کے لوگوں کو دیکھا، اس وقت تک ہماری ویگن بھی آگے بڑھ چکی تھی۔ میں نے کہا "تم لوگوں نے مجھے انجانے دشمنوں سے نجات دلائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میری حفاظت کرنا چاہتے ہو لیکن ایسا نہ ہو کہ میری ذات سے تم لوگوں کو نقصان پہنچے لہٰذا اپنے متعلق بتاؤ کہ کون ہو اور وہ دوشیزہ کون ہے؟"

میرے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "وہ ہماری مالکہ ہیں۔"

"مالکہ کا کوئی نام تو ہو گا؟"

"اعلیٰ بی بی۔"

"اعلیٰ بی بی؟ یہ بھی کوئی نام ہے؟"

اس شخص نے کہا "ہم اپنی مالکہ سے یہ نہیں پوچھ سکتے۔"

"تم لوگ کون ہو؟"

اس نے جواب دیا "چور۔ ہم چالیس چور ہیں۔"

میں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟"

"فرہاد صاحب! ہم آپ سے مذاق کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اعلیٰ بی بی ہے اور تم چالیس چور ہو۔"

"جی ہاں، ہماری جماعت کا نام یہی ہے۔ اعلیٰ بی بی چالیس چور۔ آپ کو یقین نہ ہو تو آپ ہماری سوچ پڑھ کر دیکھ لیں۔ ابھی دوسرا اور تیسرا چور بھی آپ سے گفتگو کرے گا۔ آپ ہر ایک کے دماغ میں پہنچ سکتے ہیں اور ہمارے جھوٹ اور سچ کو سمجھ سکتے ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا "میں چور نمبر پچیس ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے جو چور ساتھی آپ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گاڑی سے اتر گئے اور ان کی جگہ ہم آ گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے خریدے ہوئے آلۂ کار ہیں۔ ہم ان سے کام لیتے ہیں اور انہیں اجرت دیتے ہیں اس کے بعد ان کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ وہ ہمارے کسی راز میں شریک نہیں ہوتے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اعلیٰ بی بی اور چالیس چور کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

میرے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "میں چور نمبر چھبیس ہوں۔ ہم تمام چور اپنی اپنی جگہ اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ کوئی کسی سے کم نہیں ہے کوئی کسی سے زیادہ نہیں ہے۔ اعلیٰ بی بی کی حکمرانی میں ہم صرف چالیس ہیں۔ چالیس سے نہ تو ایک زیادہ ہوتا ہے نہ ایک کم ہوتا ہے۔ اگر ایک کو موت آ جائے یا وہ ناکارہ ہو جائے یا وہ استعفیٰ دے دے تو پھر اس کی جگہ کسی دوسرے چور کو شامل کر لیا جاتا ہے اور چالیس کی تعداد پوری ہو جاتی ہے۔ ہمارے علاوہ اور جتنے بھی کام کرنے والے ہوتے ہیں، وہ ہمارے خریدے ہوئے عارضی آلۂ کار ہوتے ہیں۔"

میرے دوسری طرف بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "میں چور نمبر ستائیس ہوں۔ جناب! ہم اپنے ہنر میں اتنے باکمال ہیں کہ آپ ٹیلی پیتھی کا سہارا نہ لیں تو ہم آپ کی آنکھ سے سرمہ چرا کر لے جائیں۔ ابھی اتنی دیر میں ہم نے آپ کی تلاشی لی ہے۔ آپ شلوار قمیص میں ہیں۔ صرف ایک جیب ہے اور وہ بھی خالی۔ آپ کو پتہ بھی نہیں چلا اور میں نے آپ کی جیب میں کچھ رکھ دیا ہے۔"

میں نے فوراً ہی اپنی جیب کو ٹٹولا اور ہاتھ ڈال کر وہ چیز نکالی۔ وہ ایک خوبصورت سی گھڑی تھی جیسے کسی

زنجیر سے منسلک کر کے گلے میں پہنا جا سکتا تھا یا بیلٹ کے ذریعے کلائی سے باندھا جا سکتا تھا۔ اس نے کہا "یہ محض گھڑی نہیں ہے، اس کی ننھی سی چابی کو اگر آپ اندر کی طرف دو بار دبائیں گے تو اسی انڈیکیٹر کے ذریعے اعلیٰ بی بی کو انسانی پیغام موصول ہو گا۔ وہ سمجھ لیں گی کہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔ پھر وہ اپنے چوروں کو فوراً ہی آپ کی خدمت کے لیے روانہ کر دیں گی۔"

میرے دوسری طرف بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "جناب! ہم چور ہیں اپنے ہنر اور کمال کی باتیں کر رہے تھے۔ کمال یہ ہے کہ آدمی کے دماغ سے کھیلا جائے جیسے آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے کھیلتے ہیں لیکن ہم ٹیلی پیتھی نہیں جانتے اس کے باوجود انسانی ذہن سے کھیلنا جانتے ہیں کیونکہ ہم نفسیات کے ماہر بھی ہیں۔ اتنی دیر سے ہم آپ کی نفسیات سے کھیلتے رہے۔ آپ کو باتوں میں الجھائے رکھا اور آپ کی کلائی سے گھڑی اتار لی۔"

میں نے چونک کر اپنی کلائی کو دیکھا، وہ گھڑی سے خالی تھی۔ میں نے حیرانی سے کہا "کمال ہے، یہ کیسے ہو گیا؟"

ایک اور شخص نے کہا "میں چور نمبر اٹھائیس ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہم اپنے سامنے والے کے مزاج کو اور ماحول کو سمجھتے ہیں، آپ کا مزاج عاشقانہ ہے۔ آپ نے ہماری اعلیٰ بی بی کے حسن و جمال کو دیکھا۔ یہ نفسیاتی حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ آپ زبان سے گفتگو کرتے وقت ہمارے پاس موجود ہیں لیکن آپ کا سارا دھیان اعلیٰ بی بی کی طرف لگا ہوا ہے۔ خیر یہ کہ ہم باتوں کے ماہر ہیں۔ آپ سے اس طرح کی باتیں کرتے رہیں جیسے اپنے متعلق معلومات فراہم کر رہے ہوں۔ چالیس چوروں سے آپ کو دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اب آیئے ماحول کی طرف۔ یہ ایک ویگن کا ماحول ہے۔ راستہ کچا ہے گاڑی ڈگمگاتی ہے کبھی جھٹکے کھاتی ہے۔ کبھی ادھر ہوتی ہے کبھی اُدھر ہوتی ہے۔ بس اِدھر اُدھر میں آپ کی کلائی سے گھڑی صاف ہو گئی اور آپ کا سر جو ننگا تھا اس پر ایک ہیٹ رکھ دیا گیا اور آپ کو احساس بھی نہیں ہوا۔"

بے اختیار میرے دونوں ہاتھ اپنے سر کی طرف گئے۔ وہاں ایک ہیٹ رکھا ہوا تھا۔ میں نے بڑی فراخ دلی سے ہنستے ہوئے ان چوروں کو تعریفی نظروں سے دیکھا پھر کہا "میں ایسے کمالات ٹیلی پیتھی کے ذریعے دکھاتا ہوں اور تم لوگ نفسیات کے اتنے ماہر ہو کہ انسانی دماغ سے کھیلتے ہو اور وہ بھی ٹیلی پیتھی کے ماہر دماغ سے کھیل رہے ہو۔ میں زندگی میں پہلی بار تم جیسے دلچسپ لوگوں سے مل رہا ہوں۔"

ایک چور نے کہا "بس جناب! آپ نے تعریف کر دی، ہمیں بہت بڑا انعام مل گیا۔"

"ہم جتنے بھی کارنامے انجام دیتے رہیں ان کا ہمیں بھاری معاوضہ ملتا ہے۔ اعلیٰ بی بی ہمیں کسی چیز کی کمی محسوس ہونے نہیں دیتیں لیکن آپ جیسے دماغوں سے کھیلنے والے ماہر نے ہماری تعریف کی ہے تو اس سے بڑا انعام ہمارے لیے کوئی نہیں ہو سکتا۔" دوسرے نے کہا۔

وہ سب باری باری خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اتنے میں گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ ان لوگوں نے مجھے مصروف رکھا تھا۔ راستے کی طوالت کا احساس نہیں ہوا۔ ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے، یہ مجھے پتہ ہی نہ چلا۔ جہاں گاڑی رکی ہوئی تھی اس کے ایک طرف نہر تھی۔ دوسری طرف ایک کوٹھی نظر آئی جس کا گیٹ کھولا جا رہا تھا۔ پھر وہ گاڑی اس گیٹ میں داخل ہو کر کوٹھی کے احاطے سے گزرتی ہوئی پورچ میں آ گئی۔

ہم گاڑی سے اتر گئے، وہ لوگ میرے آس پاس بڑے ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک چور نے گاڑی ڈرائیو کرنے والے سے کہا "اس گاڑی کو ٹھیک ہماری کوٹھی کے سامنے سڑک پر کھڑی کر دو۔ وہ لوگ اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔ یہاں آئیں گے اور اسے لے جائیں گے۔"

میں نے اس کی بات پر ذرا غور کیا۔ پھر مسکرانے لگا اس چور نے کہا "آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں جو لوگ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے وہ اس گاڑی کو دیکھ کر یہاں رک جائیں گے اور یہ سوچیں گے کہ مجھے لے جانے والوں نے گاڑی کو یہاں روک دیا ہے۔ یہاں سے کسی دوسری گاڑی میں مجھے لے گئے ہیں۔ اگر مجھے اس کوٹھی میں لایا جاتا تو گاڑی کو کسی دوسری جگہ چھوڑا جاتا۔ یہ ایک زبردست نفسیاتی چال ہے اور واقعی تم لوگ ماہر نفسیات ہو۔"

میں ایک چور کی رہنمائی میں کوٹھی کے اندر آیا۔ وہ بہت ہی خوب صورت کوٹھی تھی۔ سب سے پہلے مجھے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچایا گیا۔ جہاں چاروں طرف دیواروں پر آئینے لگے ہوئے تھے۔ تیز روشنی تھی اور ان آئینوں کے پاس میک اپ کا بہت سا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس چور نے کہا "یہاں میں ہوں۔ اب میرے روپ میں آپ یہاں کچھ عرصے تک رہیں گے۔ اعلیٰ بی بی نے درخواست کی ہے کہ آپ کچھ عرصے کے لیے بالکل غائب ہو جائیں۔"

"میں اعلیٰ بی بی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میک اپ کے بعد ملاقات ہو جائے گی۔ آپ سے التجا ہے کہ مادام سونیا کو بھی اس جگہ کا علم نہ ہو۔ اس کے علاوہ رسونتی صاحبہ کو بھی آپ کچھ نہ بتائیں۔ غرض یہ کہ اپنے کسی بھی ساتھی کو اپنے متعلق صحیح اطلاع نہ دیں۔"

"مجھے ایسے مشورے کیوں دیئے جا رہے ہیں؟"

"اعلیٰ بی بی یہ جاننا چاہتی ہیں کہ آپ کی اور مادام سونیا کی شادی کی اطلاع یہودی تنظیم تک کیسے پہنچ جاتی ہے آپ اپنے گھر کے دوستوں اور قریبی رشتے داروں سے بھی چھپ کر رہیں گے تو اعلیٰ بی بی جلد ہی اس پُراسرار شخص تک پہنچ جائیں گی جو آپ کے خلاف اطلاعات فراہم کرتا ہے۔"

میں آئینے کے سامنے ایک ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا۔ ایک شخص میرے میک اپ کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے چور سے پوچھا "اعلیٰ بی بی نے اس پُراسرار شخص سے متعلق کوئی رائے ضرور قائم کی ہو گی؟"

"جی ہاں وہ کہتی ہیں کہ جو آپ کے خلاف اطلاعات فراہم کر رہا ہے وہ یقیناً ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ یہ سوچنے کی اور سمجھنے کی بات ہے کہ آج مغرب کے بعد آپ لوگوں کا نکاح پڑھایا جانے والا تھا۔ یہ بات صرف آپ کے گھر کے چند افراد جانتے تھے پھر دشمنوں تک کیسے اطلاع پہنچ گئی؟ تھوڑی ہی دیر میں آپ کے راستے میں کیسی کیسی رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ آپ کو سرحد پار پہنچانے کے انتظامات کر دیئے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مادام سونیا سے آپ کی شادی نہ ہو۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا "سونیا، رسونتی پر شبہ کر رہی ہے مجھے یقین نہیں آتا۔ رسونتی ایسی نادانی نہیں کرے گی۔ وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے اور میری وفادار ہے لیکن موجودہ حالات میں اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہی ہماری مخبری کر رہا ہے۔ ذرا ایک منٹ ٹھہرو۔ میں ابھی تم سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں آنکھیں بند کر کے ایڈی فرینک کی سوچ کی لہروں کو گرفت میں لینے لگا۔ ایڈی فرینک وہی شخص تھا جو کبھی بنکاک میں چپکے چپکے میرے اور رسونتی کے دماغ میں پہنچا تھا۔ ایک بار لاہور سے کراچی تک سفر کرنے کے دوران اس سے سامنا ہو گیا تھا۔ وہ ٹیلی پیتھی کے معاملے میں ہم سے کمتر تھا۔ ہماری مخالفت میں کسی دشمن کا ساتھ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ جب میں نے اس کی سوچ کی لہروں کو گرفت میں لینا چاہا تو مجھے اس کا دماغ نہیں ملا۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں تھا۔ مر چکا تھا۔

میں نے آنکھیں کھول کر اس چور سے کہا "میری معلومات کے مطابق ایک شخص جو ٹیلی پیتھی جانتا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا، تعجب ہے دوسرا کون ہو سکتا ہے؟"

"جناب! ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے لیکن آپ جیسے حوصلہ مند مشکل کو آسان بنا دیتے ہیں ہو سکتا ہے کسی اور حوصلہ مند نے یہ علم حاصل کر لیا ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"اعلیٰ بی بی اس سلسلے میں بہت محتاط ہیں اور ہمیں بھی سختی سے تاکید کی ہے کہ ہم ہر ایک کے سامنے اپنی زبان نہ کھولیں۔ اس وقت تک گونگے بنے رہیں گے جب تک کہ وہ پُراسرار شخص ہمارے سامنے بے نقاب نہ ہو جائے۔"

میں نے کہا "کوئی بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا میری اجازت کے بغیر میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی سوچ کی لہروں کو میں محسوس کر لوں گا۔ لہٰذا وہ میرے رشتے داروں یا میرے دوستوں کے دماغ میں بھی پہنچ کر میرے متعلق معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ آج بھی یہی ہوا ہو گا جو بھی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہے اس نے سونیا یا شاہینہ وغیرہ کے دماغ میں پہنچ کر نکاح کی بات معلوم کر لی ہو گی۔"

"مادام سونیا آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ کیا آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے رابطہ قائم کریں گے؟"

"میں رابطہ قائم کر کے اسے تسلی دوں گا لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کہاں ہوں۔"

"آپ کچھ دیر اور ٹھہر جائیں تو بہتر ہے۔ آدھی رات کے بعد رابطہ قائم کریں۔ اس وقت یہ کہیں گے کہ سرحد پار کر چکے ہیں تو یہ زیادہ مناسب ہو گا۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد میک اپ ختم ہو گیا۔ اب آئینے کے سامنے میں نہیں تھا بلکہ وہ چور تھا جو میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے کہا "میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ آپ یاد رکھیں میرا نام توقیر احمد ہے۔ میں لاہور کا باشندہ ہوں چالیس چوروں میں ایک چور بننے کے لیے میں نے طویل ٹریننگ حاصل کی ہے اور اس جماعت میں شریک ہونے کے قابل ہو گیا ہوں بظاہر مال روڈ پر میرا ایکسپورٹ امپورٹ کا ایک دفتر ہے۔ وہ دفتر میں سنبھال لیا کروں گا۔ آپ دماغی رابطہ قائم کر کے مجھے بتا دیا کریں گے یا میں آپ کو بتا دیا کروں گا کہ کس وقت میں کہاں ہوتا ہوں اور کس وقت کون لوگ آپ سے ملنے آتے ہیں اور ان سے آپ کو کس قسم کی گفتگو کرنی چاہیے۔ ویسے توقیر احمد

بن کر رہنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ ہم سب آپ کے آس پاس ہی رہیں گے۔"

میں کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی رہنمائی میں چلتا ہوا ایک کمرے سے گزرتا ہوا کوریڈور کو عبور کرتا ہوا ایک بڑے سے ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ پھر اعلیٰ بی بی کو دیکھتے ہی ٹھٹھک گیا۔

وہ حسین چہرہ نگاہوں کے عین سامنے تھا۔ میں اس دوشیزہ کو سر سے پاؤں تک بڑی تفصیل سے دیکھ سکتا تھا۔ اس کے گلے میں موتیوں کی مالا پڑی ہوئی تھی لیکن اب وہ تمام موتی بجھے ہوئے تھے۔ ان میں چمک نہیں تھی۔ وہ مسکرا کر بولی "میں آپ کو خلوصِ دل سے خوش آمدید کہتی ہوں۔"

میں نے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا واقعی تمہارا نام اعلیٰ بی بی ہے؟"

"میرے جو ساتھی چور تو ہیں مگر جھوٹے نہیں ہیں انھوں نے سچ کہا ہے۔"

"مگر یہ تو عجیب بوڑھیوں جیسا نام ہے۔"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے نام سے خوش نہ کر سکی۔ یہ وعدہ رہا کہ اپنے کام سے خوش کرتی رہوں گی۔ آئیے۔ ڈنر کا وقت ہے۔ کھانا تیار ہے۔"

وہ ایک دروازے کی طرف گھوم گئی۔ میں اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ڈرائنگ روم کے بعد ایک ڈائننگ روم نظر آیا۔ جہاں ایک میز پہ پاکستانی کھانوں کی ڈشیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ اس میز پہ صرف میرے اور اس کے لیے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ایک خادمہ ادب سے کھڑی ہوئی تھی۔ اعلیٰ بی بی کا اشارہ پاتے ہی چلی گئی۔ ہم دونوں میز کے اطراف آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا "میں تمہارے متعلق بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ میرے ذہن میں بہت سے سوالات ہیں لیکن پہلا سوال یہی کروں گا۔ کیا تم کالا جادو جانتی ہو؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "بالکل نہیں۔"

"کبیر بیدل نے تمھیں شالامار باغ میں دو مختلف جگہوں پہ ایک ہی وقت میں دیکھا۔ پھر تم شادمان کالونی کے ایک راستے کے کنارے اپنی بگڑی ہوئی کار کے پاس کھڑی ہوئی تھیں اور اسی وقت کبیر بیدل کی کار کی پچھلی سیٹ پر بھی بیٹھی ہوئی تھیں وہاں سے اتر گئیں تو اس دعوے کے ساتھ کہ تم کبیر بیدل کے خواب گاہ میں موجود ملو گی وہ اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو واقعی تم وہاں موجود تھیں جبکہ اس کی خواب گاہ مقفل تھی۔"

"آپ کھانا شروع کریں، میں بتاتی ہوں۔"

میں نے کھانا شروع کیا، وہ کہنے لگی "اصل اعلیٰ بی بی کبیر بیدل کی خواب گاہ میں تھی۔ وہاں اس کی الماری سے اس کے جرائم کے ثبوت حاصل کر چکی تھی۔ اس کے ریوالور کے ... کو ناکارہ کر دیا تھا۔ باقی جتنی بھی اعلیٰ بی بیاں اسے راستے میں یا شالامار باغ میں نظر آئیں وہ سب دوسری لڑکیاں تھیں اور سب کی سب اعلیٰ بی بی کے میک اپ میں تھیں۔"

میں نے تعجب سے کہا "اتنی سی بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی تھی۔"

"اعلیٰ بی بی اور چالیس چور انسانوں کی نفسیات سے کھیلنا خوب جانتے ہیں۔ آپ کے، سونیا کے، شاہینہ کے تمام اور اس کے خاندان کے اور کبیر بیدل کے دماغ میں جمیکلی اور بھوند چار کے کالے جادو کی بات سمائی ہوئی تھی۔ کبیر بیدل کے سامنے پانچ عدد اعلیٰ بی بیاں آئیں تو اس نے اسے کالے جادو کا عمل سمجھا اور آپ نے بھی یہی سمجھا۔"

"لیکن وہ تماشہ کیا تھا، کبیر بیدل تمھیں دیکھ رہا تھا اس کے ملازم نہ تمھیں دیکھ سکتے تھے نہ تمھاری آواز سن سکتے تھے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی "کبیر بیدل کے ایک چوکیدار اور دو ملازموں کو ہم نے بھاری معاوضہ دے کر خرید لیا تھا۔ وہ اعلیٰ بی بی کو دیکھ رہے تھے سن رہے تھے مگر گونگے اور بہرے بنے ہوئے تھے۔ رہ گیا باڈی گارڈ سور تو ہم نے اس کی شراب میں دوا ملا کر پلا دیا گیا تھا۔ اسی لیے وہ مدہوش پڑا ہوا تھا۔"

میں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ بہت سی باتیں پراسرار تھیں۔ ان کی وضاحت ہو رہی تھی لیکن ابھی اور بہت سی باتوں نے الجھا رکھا تھا۔ میں نے پوچھا "تمہارے اور چالیس چوروں کے ذرائع کتنے وسیع ہیں؟ تم لوگ ایسی جگہ پہنچ جاتے ہو جہاں میری ٹیلی پیتھی بھی نہ پہنچ سکی۔ مثلاً تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ کبیر بیدل مڈل مین ہے اور وہی یہودیوں کے لیے کام کر رہا ہے؟"

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا "آخر آپ نے ایسا سوال کر ہی لیا جس کا جواب میں نہیں دے سکتی۔"

"کیوں نہیں دے سکتیں؟"

"اس لیے کہ اس کا جواب صرف اعلیٰ بی بی ہی دے سکتی ہیں۔"

میں نے چونک کر پوچھا "کیا؟ کیا تم اعلیٰ بی بی نہیں ہو؟"

"میں تو ان پانچ لڑکیوں میں سے ایک ہوں جو اعلیٰ بی بی کا رول ادا کرتی ہیں۔"

میں نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں سوال کیا "کیا یہ ضروری ہے کہ ہم پانچوں میں سے کوئی اصلی اعلیٰ بی بی ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم پانچوں نقلی ہوں؟"

اس کی سوچ نے کہا "ہاں یہ ہو سکتا ہے۔"

میں نے پھر سوال کیا "اعلیٰ بی بی کی اصل پہچان کیا ہے؟"

وہ کھاتے کھاتے میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی "آپ شاید میرے دماغ میں پہنچ گئے ہیں۔ اسی لیے چپ ہیں۔ میرے دماغ میں طرح طرح کی سوچیں پیدا کر رہے ہیں۔"

"ہاں میں پوچھ رہا تھا کہ اصلی اعلیٰ بی بی کی پہچان کیا ہے؟"

وہ اپنا بایاں ہاتھ اپنے سر کے پیچھے گردن کے پاس لے گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ سیاہ موتیوں والا ہار جلنے بجھنے لگا۔ کبھی اس کا ایک موتی، کبھی دوسرا موتی، کبھی تیسرا موتی چمکتا تھا۔ بجھتا تھا اور پھر چمکتا تھا۔ اس نے کہا "یہ ایک ننھے سوئچ کے ذریعے روشن ہوتے ہیں اور بجھتے ہیں۔ یہ دیکھیے میں اسے آف کرتی ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے وہ تمام موتی بجھ گئے۔ وہ ایک معمولی ہار رہ گیا۔ اس نے کہا "اصلی اعلیٰ بی بی کی پہچان یہ ہے کہ اس کے گلے کا ہار اصلی ہے۔ ان موتیوں میں قدرتی چمک ہے۔ وہ قدرتی طور پر جلتے بجھتے ہیں۔"

"تمہارا حسن کسی سنگار یا سجاوٹ کا محتاج نہیں ہے۔ شاید اصلی اعلیٰ بی بی بھی میک اپ نہیں کرتی ہوگی اور سجاوٹ کے لیے زیورات نہیں پہنتی ہوگی۔ پھر ایسے جلنے بجھنے والے ہار کو پہننے کا مقصد کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا "اگر چمکنے یا جگمگانے والا ہار پہننے کی خواہش ہوتی تو اعلیٰ بی بی ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے ہار پہن سکتی تھیں، میں سمجھتی ہوں سیاہ موتیوں کے اس ہار کے پیچھے ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے تبھی وہ اسے ہمیشہ پہنے رہتی ہیں۔"

"اس وقت وہ کہاں ہوں گی؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ کس ملک میں ہوں گی۔ آج شام کو انھوں نے ہمیں ایک بوتل خون لا کر دیا تھا۔ مجھے سمجھایا تھا کہ کس طرح بھوند چار سے ملاقات کرنا ہے اور خون کی وہ بوتل اس کے حوالے کرنا ہے۔"

"اس بوتل میں سامی کا خون تھا۔ کیا سامی کو ہلاک کر دیا گیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی کہ اس میں کس کا خون تھا اور کسی کو ہلاک کیا گیا ہے یا نہیں؟ میں نے حکم کی تعمیل کی تھی اور وہ بوتل بھوند چار تک پہنچا دی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ میں نہیں جانتی۔"

"میں جانتا ہوں۔ مڈل مین کا منصوبہ تھا کہ شاہینہ کو ہلاک کیا جائے گا تو شادی کے گھر میں ماتم شروع ہو جائے گا۔ میری اور سونیا کی شادی ایک طویل عرصے تک رک جائے گی۔ اس وقت تک مرجانہ برین واشنگ کے بعد سونیا کو حاصل کرنے پہنچ جائے گی لیکن اعلیٰ بی بی نے ایک تیر سے کئی شکار کر لیے۔ جمیکلی کو مالی کے جسم میں بھیج کر مڈل مین کے آدمیوں کی گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اس طرح مالی مر گئی، اس کا جسم گولیوں سے تباہ ہوا تو جمیکلی بھی تباہ ہو گئی اور مڈل مین کی چال اسے ہی لوٹا دی گئی۔"

وہ فخر سے بولی "آپ ان باتوں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ چالیس چوروں پر حکومت کرنے والی اعلیٰ بی بی کتنی ذہین اور بلند دماغ ہیں۔"

"میں مانتا ہوں یہ بتاؤ کہ تم لوگ دشمنوں کے بہت سے رازوں تک کیسے پہنچ جاتے ہو۔ اعلیٰ بی بی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ مالی چاکلیٹ کلر کے سوٹ میں اور جیمس رون نیلے سوٹ میں ملبوس ہوں گے اور میں طیارے سے اترتے وقت سفید سوٹ میں ہوں گا۔ میرے سر پر سفید ہیٹ اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ ہوگا۔ ذرا ذرا سی باتوں کا علم تم لوگوں کو کیسے ہو جاتا ہے؟"

"پہلے تو ہمارا طریقۂ کار یہ ہے کہ ہم دشمنوں کے گھروں میں جگہ بناتے ہیں۔ نوٹوں کی بھاری بھاری گڈیاں دے کر ان گھروں کے لالچی رشتے داروں کو یا ملازموں کو خرید لیتے ہیں۔ جیسا کہ کبیر بیدل کے ملازموں کو خریدا گیا۔ پھر یہ کہ دشمنوں کے آدمیوں کو دولت سے خریدنے میں ناکامی ہو تو ان کے جرائم کے حوالے سے انھیں بلیک میل کرتے ہیں۔ ان کے جرائم کا ثبوت نہ ملے تو ہم انھیں دانستہ کسی جرم میں ملوث کر کے ثبوت حاصل کر لیتے ہیں۔"

وہ ایک لقمہ چباتے ہوئے بولی "دشمنوں کی صفوں میں گھسنے، ان کے ہاں سرنگیں لگانے اور ان میں گھل مل جانے کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ جب ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے کمروں میں اور ان کے خاص خاص خفیہ اڈوں میں ایسے جاسوسی آلات نصب کر دیتے ہیں جن کے ذریعے ہمیں اپنے خفیہ اڈوں میں ان کی ایک ایک بات سنائی دیتی رہتی ہے۔ جب مالی اور جیمس رون سے ایک نقلی اعلیٰ بی بی گفتگو میں مصروف تھی تو ہمارے دوسرے چور ان کے دوسرے کمرے میں جاسوسی آلات چھپا کر رکھ رہے تھے۔ اسی طرح کبیر بیدل کے بیڈ روم میں اور خاص طور پر باتھ روم میں جاسوسی آلات رکھے گئے تھے۔ ان کے ذریعے ہمیں یہ پتہ چل گیا کہ آپ کس لباس

میں یہاں آئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مڈل مین اور دوسرے تمام دشمنوں کو آپ کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور اس علاقے میں بھی ان کے جاسوس موجود ہیں وہ آپ کو دانستہ نہیں چھیڑ رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ وہ آپ کے لاہور پہنچنے ہی شاہینہ کو ہلاک کرنے اور آپ کو زبردست صدمہ پہنچانے کا منصوبہ بنائے بیٹھے تھے۔"

"اعلیٰ بی بی کے تعاون کو میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔ ویسے تم لوگوں کا مقصد کیا ہے ؟"

"آپ کی مدد کرنا اور دشمنوں کو بے اثر بنانا ہمارا مقصد ہے۔ ہماری سرگرمیاں صرف آپ کے لیے ہیں جہاں آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی وہاں ہم پہنچ جائیں گے۔"

"کیا چالیس چور پاکستان میں موجود ہیں ؟"

"میری معلومات کے مطابق ہم چالیس چور تین مقامات کے لیے تقسیم کیے گئے ہیں۔ پہلا مقام پاکستان ہے۔ کچھ چور ایسے ہیں جو پیرس اور نیو یارک میں ہیں اور کاہال تنظیم کے اندر سرنگ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں ان میں سے کچھ مرجانہ کو حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ انھیں موقع ملے گا تو وہ اسے اغوا کر لیں گے۔ تیسرا مقام دارالسلام کی وہ مضافاتی بستی ہے جسے آپ کے غلام نے آباد کیا ہے اور جہاں رسونتی آپ کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ چالیس چور میری خاطر کہاں کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ گویا اعلیٰ بی بی اور چالیس چوروں کی تمام جدوجہد، تمام مصروفیت حتیٰ کہ تم تمام لوگوں کا جینا اور مرنا بھی میرے لیے ہے۔ اعلیٰ بی بی میرے لیے اتنا کچھ کر رہی ہے پھر میرے سامنے کیوں نہیں آتی ؟"

"شاید کسی دن ملاقات بھی ہو جائے۔"

"رسونتی کے آس پاس رہنے کا کیا مقصد ہے جبکہ اس کی حفاظت کے لیے غلام اور اس کی فوج کافی ہے۔"

"شاید کافی نہ ہوں۔ بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں فوج اور ہتھیار کام نہیں آتے۔ صرف ذہانت کام آتی ہے آپ کی اس بات کا جواب اعلیٰ بی بی دے سکیں گی۔"

میں کھانا کھا چکا تھا۔ میں نے ہاتھ دھونے کے لیے اٹھتے ہوئے کہا: "حد سے زیادہ بڑھی ہوئی دوستی حد سے زیادہ پریشانیاں پیدا کرتی ہے۔ تمھاری اعلیٰ بی بی میرے لیے پریشانی کا سبب بن گئی ہے وہ میرے لیے جو کچھ کر رہی ہے۔ ایسا اسی کے لیے کیا جاتا ہے، جس سے دل کی گہرائیوں سے اور روح کی گہرائیوں سے تعلق ہوتا ہے۔ اعلیٰ بی بی کا مجھ سے کیا تعلق ہے ؟"

یہ کہتے ہوئے میں باتھ روم میں ہاتھ دھونے چلا گیا۔ اس نے اس کا جواب نہیں سنا اور وہ جواب دے بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی باتھ روم میں آکر ہاتھ دھوتے ہوئے بولی: "آپ تو باتیں ہی کرتے رہے۔ کھانا تو کچھ بھی نہیں کھایا۔"

"جب انسان کے آگے سے کھانا ہٹا دیا جائے تو وہ کیا کھائے گا۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا: "کھانا تو آپ کے سامنے تھا۔"

"میں محبت کی خوراک کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ ابھی پریشانی میری دلھن ہوتی۔ اسے مجھ سے اور مجھے اس سے چھین لیا گیا ہے۔ آدمی کیا کھائے گا۔ کیسے سوئے گا آج مجھے نیند نہیں آئے گی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے ناکامی کا احساس ہو رہا ہے کہ میں اپنی محبت کو حاصل نہ کر سکا۔"

"آپ مایوس ہو رہے ہیں۔ ہماری کوششیں جاری ہیں۔ شاید جلد ہی سونیا آپ کے پاس آ جائے۔"

"تعجب ہے ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی کیوں نہ بن سکے ؟ دشمنوں کا کیا بگڑتا ہے ؟ وہ پراسرار شخص کون ہے۔ ہم ادھر نکاح پڑھانے کی بات سوچتے ہیں، ادھر اسے خبر ہو جاتی ہے۔"

وہ بولی: "ہم اسی کوشش میں ہیں کہ اس بار اسے خبر نہ ہو۔ ابھی ہم جتنی باتیں کر رہے ہیں، اس اطمینان کے ساتھ کہ کوئی تیسرا سن نہیں سکتا۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا میرے دماغ میں نہیں ہے اور اگر آپ کے دماغ میں آئے گا تو شاید آپ اسے پکڑ لیں گے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہاں کسی کی بھی سوچ کی لہر میرے دماغ میں آئے تو مجھے خبر ہو جاتی ہے۔"

"پھر تو میں یہ بتا دوں کہ ہم آپ کی سونیا سے شادی کی کوشش کر رہے ہیں۔"

ہم ہاتھ پونچھنے کے بعد باہر آ گئے اور اس کوٹھی کے دوسرے حصے کی طرف جانے لگے۔ میں نے کہا: "اچھا تو تم لوگ اس پراسرار شخص کو پکڑنے کی فکر میں ہو۔"

"ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے اس منصوبے تک پہنچ سکتا ہے یا نہیں ؟ میرے اور آپ کے علاوہ اس وقت چار چور ایسے ہیں جو آپ کی شادی کے پروگرام کے متعلق جانتے ہیں۔"

وہ مجھے ایک بہت ہی آرام دہ اور پرتکلف خواب گاہ میں لے آئی پھر اس نے پوچھا: "کیا آپ کھانا کھانے کے بعد چائے یا کافی پیتے ہیں ؟"

"اس وقت میں صرف آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ پھر دروازے کے پاس پہنچ کر بولی: "میں دو باتیں پھر یاد دلانا چاہتی ہوں، ایک تو یہ کہ آپ اپنوں سے رابطہ قائم کرتے وقت کسی کو موجودہ پناہ گاہ کے متعلق نہ بتائیں۔ دوسرے کل ہونے والی شادی کا ذکر سونیا سے بھی نہ کریں۔ بس شکریہ۔"

وہ دروازہ بند کرتے ہوئے چلی گئی۔ میں ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس پراسرار دوشیزہ کے متعلق مجھے بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا اور جیسے کچھ بھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ میں اس کی پناہ میں تھا۔ وہ مجھ پر مہربان تھی۔ وہ میرے کام آ رہی تھی۔ اس کے باوجود میں یہ بھی نہ معلوم کر سکا کہ وہ کون ہے ؟ اس کا نام کیا ہے ؟ اعلیٰ بی بی اصلی نام نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کس تنظیم سے تعلق رکھتی ہے ؟ مجھے کیسے جانتی ہے ؟ بلکہ اس حد تک پہچانتی ہے کہ میرے لیے دنیا کے دور دراز ملکوں تک اپنے چوروں کو پھیلائے رکھا ہے۔ میں اس کے خیال کو اپنے دماغ سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب بیٹھے بیٹھے کچھ معلوم نہ ہو سکے تو اس کے متعلق سوچنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

میں رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ حسب دستور میری سوچ کی لہریں پہنچتے ہی اس نے اپنی سانس روک لی۔ پھر آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے پوچھا: "فرہاد تم ہو ؟"

"ہاں، میں ہوں۔"

"بڑی دیر بعد میری یاد آئی۔ کیا سونیا سے فرصت مل گئی ہے ؟"

"طعنے دینے سے پہلے یہ تو سوچ لیا کرو کہ میرے چاروں طرف دشمن ہوتے ہیں اور میرے حالات اچانک ہی بدل جاتے ہیں۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں، اس قدر مصروف ہوں کہ تم سے دماغی رابطہ قائم نہ کر سکا۔"

میں مختصر طور پر اسے تمام واقعات سنانے لگا پھر میں نے بتایا کہ مجھے جبراً سرحد پار پہنچانے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ ایک مسلح گروہ نے قانون کے ہاتھوں سے مجھے چھین لیا۔ پھر کچھ آگے جا کر دوسرے گروہ نے مجھے ان سے چھین لیا اور اب مجھے ایک جگہ پہنچا دیا ہے جس کے متعلق میں ابھی کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیوں نہیں کہہ سکتے۔ کیا میں تمھاری بیوی نہیں ہوں ؟"

"ضرور ہو لیکن حالات رازداری پر مجبور کر رہے ہیں۔"

"تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ کہاں ہو اور کس حال میں ہو، تو میں سکون سے نہیں رہ سکوں گی۔"

"میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ کس طرح ہماری ہر بات چشم زدن میں دشمنوں تک پہنچ جاتی ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اپنوں میں سے کسی کو بھی اپنے متعلق صحیح اطلاعات دوں تو دشمن مجھ تک پہنچ سکیں گے یا نہیں ؟"

"میں دشمنوں کو نہیں جانتی۔ میں تمھاری دوست ہوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے۔"

"دوست ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ دعویٰ کرتی ہو تو کم از کم ایک گھنٹے کے لیے اپنے دماغ کے دروازے کھول دو۔"

"میں تم سے کہہ چکی ہوں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتیں، میں ویسا نہیں کر سکتا۔ تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ میں اپنے حالات کے مطابق محتاط رہنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں سونیا کے دماغ سے تمھارے متعلق معلومات حاصل کر لوں گی۔"

"تم میری بیوی ہو، سونیا ابھی بیوی نہیں ہے جب میں بیوی کو اپنے متعلق نہیں بتا رہا ہوں تو سونیا کو کیسے بتا سکتا ہوں۔ تم میرے کسی بھی عزیز، رشتے دار کے دماغ میں پہنچ کر کچھ نہیں معلوم کر سکو گی۔"

"تم ایسے محتاط ہ: جیسے میں ہی تمھاری دشمن ہوں۔"

"رسونتی! خدا گواہ ہے۔ میں اب تک تمھیں دشمن نہیں سمجھ رہا ہوں لیکن تمھاری عورتوں والی ہٹ دھرمی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"تم اسے ہٹ دھرمی کہتے ہو۔ میں اسے آزمائش کہتی ہوں۔ میں تمھیں آزما رہی ہوں۔ یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم کس حد تک آنکھیں بند کر کے مجھ پر اعتماد کرتے ہو، اگر ہم میاں بیوی ٹیلی پیتھی سے خالی ہوتے تو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا ہی پڑتا۔ تم ایک دانش مند اور تجربہ کار شوہر کی طرح حالات کا تجزیہ کرتے، میری وفاؤں کا حساب کرتے، میری محبت کی گہرائیوں کو سمجھتے میرے اس جذبے کو سمجھتے جس جذبے سے میں تمھارے بچے کی ماں بن رہی ہوں پھر تم کسی بھی ٹیلی پیتھی کا سہارا لیے بغیر مجھ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے لگتے۔ اس ٹیلی پیتھی نے ہمارے درمیان شک و شبہے کی دیوار کھڑی کر دی ہے۔ میں اس دیوار کو گراؤں گی ــــــــــ تمھیں مجبور کروں گی کہ ٹیلی پیتھی کا سہارا لیے بغیر اپنی بیوی کو سمجھنے اور اس پر اعتماد کرنے کی کوشش کرو۔"

"تم بہت اچھی باتیں کر رہی ہو۔ اب تم بھی مجھ سے میری موجودہ پناہ گاہ کے متعلق نہ پوچھنا اگر ہم ٹیلی پیتھی سے خالی ہوتے

تو تم حالات کا تجزیہ کرتیں، میری محبت کا اندازہ لگاتیں ایک عورت کے جذبے سے یہ سوچتیں کہ میں نے جہاں پناہ لی ہے میں وہیں محفوظ رہوں۔ کسی سائے کو بھی میری پناہ گاہ کا علم نہ ہو، تم مجھے کریدنے کے بجائے میری سلامتی کی دعائیں مانگتیں۔ بہرحال میں اب تم پر ایک عام شوہر کی طرح اعتماد کروں گا۔ تم مجھ پر ایک عام بیوی کی طرح اعتماد کرو اور کوئی سوال نہ کرو۔"

میں اس کے دماغ سے واپس آگیا۔ مجھے اپنے دماغ میں اجنبی سوچ کی لہریں محسوس ہوئیں۔ میں نے فوراً ہی سانس روک لی۔ وہ لہریں واپس چلی گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے کچھ اور کہنا چاہتی ہے۔ ضد کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اپنے دماغ کے دروازے بند کرلیے۔ چند لمحوں کے بعد پھر خیال خوانی کی دستک ہوئی۔ میں نے پھر سانس روک لی۔ میں اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایسا کرسکتی ہے تو شوہر بھی جواباً ایسا کرسکتا ہے۔

میں تھوڑی دیر چپ چاپ صوفے پر دراز رہا۔ پھر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اعلیٰ بی بی کے متعلق خیالات کا ہجوم دماغ میں در آیا تھا۔ میں نے اس کے پاگل خیال کو جھٹک دیا اور دماغی طور پر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ شاہینہ کے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ شاہینہ اپنی ننھی سی بچی کو تھپک رہی تھی۔ سونیا نے محض اسے دکھانے کے لیے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ جیسے سو رہی ہو۔

اس وقت وہ بند آنکھوں کے پیچھے اداسیوں اور مایوسیوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس کی دلی تمنا پوری نہیں ہوئی تھی اور وہ تمنا ایسی تھی کہ اس پر وہ سارے جہاں کی خوشیاں قربان کرسکتی تھی۔ جو چوٹ اس کے دل پر لگی تھی۔ اسے وہ سمجھ سکتی تھی یا میں اس کے دماغ میں محسوس کرسکتا تھا۔ اس لمحے اس کی سوچ کہہ رہی تھی "اے اللہ! میں نے تجھے مان لیا۔ تیرا سچا مذہب قبول کرلیا۔ فرہاد کو جیتنے کے لیے تیرا جو حکم ہوگا اسے بھی مانتی رہوں گی۔ عمل کرتی رہوں گی مگر مجھے فرہاد سے دور نہ کر۔ اسے میں یوں اپناؤں کہ دنیا کی کوئی عورت اپنے مرد کو ایسے نہ اپناتی ہو۔ خدایا، میں کیا کروں۔ تو نے مجھے اتنا پتھر بنایا ہے کہ میں رو بھی نہیں سکتی۔ مگر پتھر کو بھی چوٹ لگتی ہے۔ میں آنسو نہیں بہاسکتی۔ رو نہیں سکتی۔ بس تجھ سے التجا کرسکتی ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں اپنے ہی جذبات میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ صرف اپنی ہی محرومیوں اور نامرادیوں کا حساب کر رہی ہوں۔ یہ نہیں سوچتی کہ فرہاد کا کیا ہوگا؟ وہ اس وقت کہاں ہوسکتا ہے؟ خیریت سے بھی ہے یا نہیں؟"

اس کی سوچ نے کہا "میں جانتی ہوں۔ وہ خیریت سے ہوگا۔ جب بھی اسے فرصت ملے گی اور دشمنوں کی طرف سے اطمینان ہوگا تو وہ مجھ سے رابطہ قائم کرے گا۔"

میں نے پھر اس کی سوچ میں پوچھا "اگر دشمنوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہو، تو؟"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ یک لخت اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ دانت پر دانت جم گئے۔ پھر اس نے بڑے اطمینان سے کہا "فرہاد کو دشمن نہیں مار سکتے۔ اللہ مہربان ہے۔ میں اتنا سمجھتی ہوں۔ جب بھی اس کا آخری وقت آئے گا، جب وہ آخری سانس لے گا تو مرنے سے پہلے وہ مجھے ضرور پکارے گا۔"

شاہینہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "بھابی جان! آپ نیند میں مٹھیاں کیوں بھینچ رہی ہیں؟ آپ کا بدن کتنا سخت ہوگیا ہے؟"

سونیا نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر شاہینہ کو گلے لگالیا۔ اس کے سر پر اور پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ کہنے لگی "مجھے برے خیال آرہے تھے۔ میں ان خیالوں کو دماغ سے جھٹک رہی تھی۔"

شاہینہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے حیرانی سے پوچھا "بھابی جان کیا آپ کو رونا نہیں آتا؟ آپ کے سامنے دشمنوں نے بھائی جان کو آپ سے دور کردیا۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہیں، کیسے ہیں؟ کہاں ہیں؟ شام سے میں آپ کی آنکھوں کو دیکھ رہی ہوں انتظار کر رہی ہوں کہ شاید آپ روئیں گی۔ برا مت مانیے گا۔ کیا آپ کو بھائی جان سے محبت نہیں ہے؟"

سونیا نے ہولے سے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں شاہینہ کو دیکھا... جیسے کسی ننھی نادان بچی کو دیکھ رہی ہو۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی "شاہینہ! کمزور عورتیں اپنی محبت کا اور تڑپنے کا اظہار آنسوؤں سے کرتی ہیں مگر جو مضبوط ہوتی ہیں وہ رونا نہیں جانتیں بلکہ اپنی محرومیوں کا حساب کرنا اور اپنی کھوئی ہوئی چیز کو حاصل کرنا جانتی ہیں۔ مجھے ابھی تک پورا اعتماد ہے کہ تمہارے بھائی جان جہاں بھی ہیں خیریت سے ہیں۔ خدا نہ کرے اگر انہیں کچھ ہوا تو پھر تم دیکھو گی کہ میں عورت ہوں یا کوئی بلا ہوں۔"

"اگر انھیں کچھ ہوگیا تو آپ کیا کرلیں گی؟"

"جب اپنے سگے رشتے داروں کو کچھ ہوجاتا ہے تو لوگ ان پر آنسو بہائے جاتے ہیں۔ میں آنسو کیوں بہاؤں جبکہ میں انتقام لے سکتی ہوں اور اپنے دل کا غبار نکال سکتی ہوں۔ میں فرہاد کے دشمنوں کا کیا حشر کروں گی یہ تو ایک الگ بات ہے۔ آنے والا وقت بتلائے گا لیکن میں سب سے پہلے رسونتی کا محاسبہ کروں گی۔ اس سے پوچھوں گی کہ جب فرہاد کو مجھ سے چھینا جارہا تھا تو اس نے خیال خوانی کے ذریعے ہم سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا۔ وہ ہماری طرف سے کیوں غافل تھی۔ اگر وہ غافل تھی تو اس وقت سے لے کر اب تک تقریباً تیرہ گھنٹے گزر چکے۔ میں کیا ان تیرہ گھنٹوں میں اسے ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں ملی وہ میرے پاس آکر مجھے تسلیاں دے سکتی تھی۔ ویسے وہ مجھ سے بڑی محبت کا اظہار کرتی ہے کم از کم وہ فرہاد سے دماغی رابطہ قائم کرکے مجھے ان کے حالات سے آگاہ کرسکتی تھی لیکن ادھر سے طویل خاموشی ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اس کے دماغ میں رسونتی کا لہو سنائی دیا "سونیا! تم خواہ مخواہ مجھ سے بدظن ہو رہی ہو۔ میں کیا کرسکتی ہوں؟ فرہاد بھی ٹیلی پیتھی جانتے ہیں لیکن انھوں نے دشمنوں کا کیا بگاڑ لیا؟ میں دنیا کے ایک کونے میں سب سے دور پڑی ہوئی ہوں، میں کیسے کسی کے دماغ تک پہنچ سکتی ہوں۔"

"رسونتی! یہ تو نہ کہو، تم چاہو تو فرہاد کے ذریعے تمام دشمنوں کے دماغوں تک پہنچ سکتی ہو، ہر ایک کے لب و لہجے کو یاد رکھ سکتی ہو اور کچھ نہ سہی ان حالات میں فرہاد کے ساتھ رہ کر ان کی خیریت معلوم کرسکتی ہو۔"

"میں ابھی ان کے پاس گئی تھی انھوں نے اپنے دماغ کے دروازے بند کرلیے ہیں۔ مجھے کچھ بتانے سے انکار کر رہے ہیں پھر میں کیا خیریت معلوم کروں گی اور کیا تمھیں بتاؤں گی؟"

"یقیناً وہ تم سے ناراض ہوں گے۔"

"ناراض تو مجھے ہونا چاہیے، جب سے وہ پاکستان گئے ہیں میری خبر نہیں لی، ایک بار بھی مجھ سے دماغی رابطہ قائم نہیں کیا۔"

"یہ ان کی غلطی نہیں ہے۔ تمھیں خود ان کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرنا چاہیے تھا۔ وہ یہاں آتے ہی بری طرح مصروف ہوگئے تھے انھوں نے دشمنوں کو قانون کے حوالے کیا ہے۔ میں مانتی ہوں تمھیں ان پر ناراض ہونے کا حق ہے لیکن میرے یا کسی اور کے دماغ میں پہنچ کر ان کی خیریت تو معلوم کرسکتی تھیں۔ تمھیں یہ معلوم ہوجاتا کہ دشمنوں نے ہمارے خلاف کیسی چالیں چلی ہیں اور انھیں کس طرح الگ کیا ہے۔"

"مجھے غصہ آتا ہے تو میں کچھ نہیں سوچتی۔ انھوں نے سرد مہری کا اظہار کیا ہے مجھ سے غیروں جیسا سلوک کیا ہے۔ مجھے بتانے سے انکار کردیا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟"

"اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔"

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ وہ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں کہ میں ہی تم لوگوں کے دماغوں میں چپ چاپ جھانک کر دشمنوں کو اطلاع دے دیتی ہوں۔ تم نے بھی میرے خلاف فرہاد سے شکایت کی ہے۔"

"شکایت کرنے اور شبہ کرنے میں بہت فرق ہے۔ شکایت اس وقت کی جاتی ہے جب یقین ہوجاتا ہے۔ شبہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد تمھاری طرف دھیان جاتا ہے۔ ہماری مخبری کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا ہی کرسکتا ہے۔"

"صاف کیوں نہیں کہتیں کہ میں نے ہی ایسا کیا ہے اور تم مجھے یقین کے ساتھ اپنا دشمن سمجھتی ہو۔"

"میں شبہ کرنے کا حق رکھتی ہوں۔ اگر یہ یقین ہوگیا اور ثبوت مل گیا کہ دشمن تم ہی ہو تو رسونتی، خدا کی قسم اپنی ٹیلی پیتھی پر ناز نہ کرنا۔ ناز انسانیت پر ہو تو وہ قائم رہتا ہے اور شیطانیت پر ہو تو فنا ہوجاتا ہے اور تم اچھی طرح جانتی ہو میں شیطانوں کا سر کچلنا جانتی ہوں۔"

"تم جذبات میں بہہ کر ایسا کہہ رہی ہو، میں ابھی جواب میں کچھ نہیں کہوں گی، جب یہ ثابت ہوجائے کہ دشمن میں نہیں ہوں تو تمھاری شرمندگی کا کیا عالم ہوگا۔ بہتر ہے کہ ابھی غصہ تھوک دو۔ آنے والے وقت کا انتظار کرو۔"

"بائی دی وے، اس وقت میرا کیسے خیال آگیا؟"

"سونیا! اس وقت بھی تمھارے لہجے میں طنز ہے۔ انھوں نے اپنے دماغ کے دروازے میرے لیے بند کردیے ہیں۔ لہٰذا تمھارے دماغ کے ذریعے ان کی باتیں سننے آئی ہوں۔"

"وہ موجود نہیں ہیں، کیا تم میرے دماغ میں انھیں محسوس کر رہی ہو؟"

"کسی کو دوسرے کے دماغ میں محسوس کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ایک کمرے میں جہاں گہری تاریکی چھائی ہو، وہاں تم بیٹھی رہو تو جب تک اس کمرے میں کسی کی آہٹ نہیں سنو گی اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گی کہ تمھارے علاوہ اس تاریکی میں کوئی دوسرا بھی موجود ہے۔ اگر فرہاد تمھارے دماغ میں ہوتے تو وہ میری باتیں سن رہے ہوں گے لیکن میں انھیں محسوس نہیں کرسکتی۔ کیونکہ وہ خاموش ہوں گے اور کسی طرح بھی اپنی موجودگی ظاہر نہیں کریں گے۔"

سونیا نے کہا "بہرحال میں تم سے کہوں گی کہ انھیں ناراض نہ کرو۔ ان کی بات مان لو۔ اپنے دماغ کے دروازے ان کے لیے کھلے رکھو۔"

"تم عورت ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں

کہ عورتیں ایسی بہت سی باتیں سوچتی ہیں اور چھپا کر رکھتی ہیں جو اپنے مرد کی محبت کے لیے، اس کی وفاؤں کے لیے ہوتی ہیں لیکن وہ اپنے مرد سے بھی چھپانا چاہتی ہیں اور بھی کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جنھیں میں بول نہیں سکتی تم بحیثیت ایک عورت کے سمجھ سکتی ہو۔"

"میں سمجھتی ہوں لیکن ابھی حالات مختلف ہیں، مرد کو کسی بات کا شبہ ہو تو عورت کا فرض ہے کہ اسے دور کرے۔"

"جب کوئی جرم نہ کیا ہو تو شبہ کیا دور کروں گی. میں سچی ہوں۔ انھیں جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ بہرحال میں جو بات کہنے آئی ہوں۔ وہ تو رہ گئی، ہم دوسری باتوں میں الجھ گئے۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تمہارے ذریعے فرہاد سے کہنا چاہتی ہوں کہ حالات کو سمجھتے ہوئے اپنے دماغ کے دروازے میرے لیے بند نہ کریں، میں اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کی نگرانی کرتی رہوں گی۔"

"بے شک صرف تم ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کی حفاظت کر سکتی ہو لیکن وہ تمھاری مدد کیوں نہیں لینا چاہتے یہ مجھ سے زیادہ وہ جانتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "سونیا! میں تمھارے دماغ میں موجود ہوں اور رسونتی سے مخاطب ہوں، ہاں تو رسونتی! تمھیں اس بات کی شکایت ہے کہ میں اپنی پناہ گاہ کے متعلق کیوں نہیں بتا رہا ہوں۔ یہ میری ایک احتیاطی تدبیر ہے۔ میں سونیا کو بھی کچھ نہیں بتاؤں گا تمھیں یقین نہ ہو تو کسی وقت بھی سونیا کے خیالات پڑھ لینا، تمھیں میری سچائی کا یقین ہو جائے گا۔"

رسونتی نے کہا۔ "لیکن ہم تمھارے اپنے ہیں، ہم سے کوئی دشمن کیسے معلومات حاصل کرے گا؟"

"سونیا بھی میری اپنی تھی۔ شاہینہ بھی میری اپنی بہن ہے اور شاہینہ کے دوسرے رشتے داروں پر بھی پورا اعتماد ہے پھر ہمارے نکاح کی خبر دشمنوں تک کیسے پہنچ گئی؟ ایک بات پر بار بار بحث کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ میری احتیاطی تدبیر مناسب ہے تم سب خاموش بیٹھی رہو، مجھے کوئی حادثہ پیش آئے گا، تو میں سب سے پہلے سونیا کو اور تم کو اطلاع دوں گا۔"

رسونتی نے کہا۔ "اب میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔"

میں نے سونیا سے کہا۔ "اب سو جاؤ جو کچھ ہوا اسے دماغ میں بہت گہرائی تک جگہ نہ دو۔ ایسی مصیبتیں اور ایسی محرومیاں ہماری زندگی میں آتی ہیں مگر چلی جاتی ہیں، یہ محرومی بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر رسونتی ابھی تک موجود ہے تو میں اس سے کہتا ہوں کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمھیں سلا دے، میں رخصت ہوتا ہوں۔"

میں خاموش ہو گیا، رسونتی نے مجھے آواز دی "فرہاد سنو۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، سونیا نے بھی پوچھا "کیا تم چلے گئے؟ مجھ سے براہِ راست کوئی بات نہیں کروگے؟"

میں پھر خاموش رہا، تب رسونتی نے کہا۔ "وہ پریشان ہیں، میں نے بھی ضد کر کے انھیں بہت پریشان کیا ہے، انھیں جانے دو۔ ذرا آرام کرنے دو۔ تم اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دو۔ دماغ پر کوئی بوجھ نہ ڈالو۔ میں تمھیں سلا دوں گی۔"

"نہیں رسونتی! میں جاگنا چاہتی ہوں، سوچنا چاہتی ہوں، خوب سوچنا چاہتی ہوں۔"

"جتنا سوچو گی اتنا ہی الجھتی جاؤ گی۔ سکون نہیں ملے گا۔ فرہاد نے جو کہا ہے، میں اس پر عمل کروں گی اور تمھیں جاگنے نہیں دوں گی، چلو، آنکھیں بند کر لو۔"

رسونتی نے سمجھا منا کر اسے آنکھیں بند کرنے پر مجبور کیا پھر وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے سلانے لگی۔ میں واپس آ گیا۔ دماغی طور پر اپنی خواب گاہ میں حاضر ہو گیا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ میں بھی آرام دہ بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی تھکن کا احساس ہوا۔ ہاتھ پاؤں سیدھے کیے۔ ایک بھرپور انگڑائی لی پھر اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ صبح چھ بجے میری آنکھ کھل جائے اور اگر خواب گاہ میں کوئی داخل ہو تو.....

یہ سوچتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند نہیں کیا ہے۔ میں وہاں سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ اسے کھول کر باہر کی طرف دیکھا کوریڈور میں دو چوکرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک تپائی پر شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ وہ کھیلنے میں مصروف تھے آہٹ سن کر انھوں نے میری طرف دیکھا۔ میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

"پتہ نہیں آپ کو کس وقت ہماری ضرورت پیش آئے اس لیے بیٹھے ہیں۔"

"میرے لیے اتنی تکلیف نہ کرو۔ آرام سے سو جاؤ کوئی بات ہوگی تو میں خیال خوانی کے ذریعے تمھیں جگاؤں گا۔"

وہ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے اور دوسرے کمرے میں جانے لگے۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر بستر پر لیٹ کر اپنے دماغ کو ہدایت دی اور سو گیا۔

آنکھ کھلی تو یوں لگا جیسے ابھی سویا تھا ابھی بیدار ہو گیا گھڑی دیکھی۔ دماغ کو جو ہدایت دی تھی۔ اس سے تقریباً تین گھنٹے پہلے ہی آنکھ کھل گئی تھی کیونکہ دروازے پر دستک ہو رہی تھی، میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے دروازے کے پاس آ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں۔"

میں نے اس لڑکی کی آواز پہچان لی جو اعلیٰ بی بی کا رول ادا کر رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا پھر مطمئن ہو کر دروازے کو کھول دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "سوری نیند سے جگایا ہے لیکن بہت ضروری بات ہے۔ کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟"

میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے آنے کا راستہ دیا۔ اس نے کمرے میں آ کر کہا۔ "اعلیٰ بی بی کا پیغام آیا ہے۔ وہ پُراسرار شخص جو آپ کی شادی میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے وہ اعلیٰ بی بی کے اندازے کے مطابق ابھی سو رہا ہے۔"

"اعلیٰ بی بی نے یہ کیسے اندازہ لگایا؟"

"پتہ نہیں، وہ کہتی ہیں کہ وہ پُراسرار شخص دنیا کے جس حصے میں رہتا ہے، وہاں ابھی رات کا ایک یا ڈیڑھ بجا ہوگا۔ آپ اسی وقت سونیا کو ٹیلی پیتھی کے ذریعے مخاطب کریں۔ شاہینہ کی کوٹھی کے سامنے ایک بڑی سی گاڑی آئے گی۔ وہ سب اس کے پچھلے حصے میں آ کر بیٹھ جائیں۔ اس پچھلے حصے کو چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکیں گے کہ انھیں کہاں لے جایا جا رہا ہے گاڑی انھیں آپ کے پاس لے آئے گی۔"

"مقصد کیا ہے؟"

"ابھی سونیا سے آپ کا نکاح پڑھا جائے گا۔ چونکہ یہ آپ کی بہن شاہینہ کی دلی تمنا ہے اس لیے اس کے سسرال والوں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔ آپ دیر نہ کریں۔ فوراً انھیں اطلاع دیں۔"

میں نے پوچھا۔ "یہاں شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ کیا انتظامات ہو چکے ہیں؟"

"سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔ مولوی صاحب بھی وقت پر یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کیا اتنی رات کو نکاح پڑھایا جاتا ہے؟"

"جب تک سونیا اور شاہینہ کے سسرال والے یہاں پہنچیں گے اس وقت تک صبح ہو جائے گی۔ ہم نے قاضی صاحب سے پوچھ لیا ہے، فجر کی نماز کے بعد نکاح پڑھایا جا سکتا ہے۔ اگر ہماری یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی تو پھر دوسرے انداز میں سوچنا ہوگا۔ دوسرے منصوبے بنانے ہوں گے۔ بہرحال آزمائش شرط ہے۔"

میں اس کی باتوں سے قائل ہو کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر سونیا کے پاس پہنچا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی جیسے ہی میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ میں پہنچیں۔ وہ ایک دم سے چونک کر بیدار ہو گئی۔ میں نے کہا۔ "ہیلو سونیا! میں فرہاد ہوں تعجب ہے میری سوچ کی لہریں دماغ میں پہنچتے ہی تم اچانک بیدار کیسے ہو گئیں؟"

اس نے کہا۔ "پتہ نہیں، میں تو سو رہی تھی۔ اچانک آنکھ کھل گئی۔ رسونتی نے دیکھتے ہی دیکھتے خیال خوانی کے ذریعے سلا دیا تھا۔"

"اب اپنی باقی نیند میرے پاس آ کر پوری کرو گی، میں اسی لیے تمھارے پاس آیا ہوں۔ فوراً تیار ہو جاؤ ابھی میں بختاور صاحب کے دماغ میں پہنچ کر انھیں بھی تیار ہونے کے لیے کہتا ہوں۔ ان کی کوٹھی کے سامنے ایک بڑی سی گاڑی آ کر رکے گی تم شاہینہ اور اس کے تمام سسرال والے اس گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر میرے پاس آؤ گے۔ یہاں ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا۔"

وہ خوشی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور شاہینہ کو جگانے لگی میں نے کچھ سوچ کر سعید صاحب کے دماغ میں دیکھا۔ میں انھیں اپنی خوشیوں میں شریک کرنا چاہتا تھا۔ پھر یہ کہ آئندہ سلمیٰ سے انھیں منسوب کرنے کے لیے ضروری تھا کہ انھیں اپنی ہر خوشی میں شریک کیا جائے۔

میں نے انھیں بیدار کیا۔ ساری باتیں بتائیں اور انھیں تاکید کی کہ فوراً ہی شاہینہ کی کوٹھی میں پہنچیں۔ زیادہ تیاریوں میں وقت ضائع نہ کریں پھر میں بختاور انکل کے پاس آیا اور انھیں بھی یہ خوشخبری سنائی۔ تھوڑی دیر میں ہی وہ پھر سے شادی کا گھر بن گیا۔ ہر طرف خوشی ہی خوشی تھی۔ تیاریاں ہو رہی تھیں، لباس پہنے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کو تاکید کی جا رہی تھی کہ ذرا بھی آواز نہ ہو، باہر کسی کو خبر نہ ہو، ملازموں کو بھی نہ بتایا جائے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ بہرحال وہ لوگ محتاط بھی تھے۔ خوش بھی تھے۔ میں نے دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو کر سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی سے پوچھا۔ "میں تمھیں اعلیٰ بی بی کہوں یا چوا نمبر؟"

وہ مسکرا کر بولی: "نمبر تین، مجھے آپ نمبر تین کہہ سکتے ہیں یا جب تک اصلی بی بی کا رول ادا کر رہی ہوں اور وہ موجود نہیں ہیں تو مجھے اصلی بی بی بھی کہہ سکتے ہیں جو آپ کی مرضی۔"

میں نے کہا: "سونیا اور شاہینہ آنے کی تیاریاں کر رہی ہیں سارا گھر ہی تیار ہے۔"

"گاڑی ساڑھے چار بجے اس کوٹھی کے سامنے پہنچ جائے گی آپ ایک بار سونیا سے پھر رابطہ قائم کریں یہ تاکید کر دیں کہ گاڑی کے ڈرائیور سے کوئی بات نہ کرے اور نہ ہی اسے کچھ کہنے پر مجبور کرے سفر کے دوران سب گونگے اور بہرے بنے رہیں۔"

میں پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اسے مخاطب کرنا چاہتا تھا کہ نیچے ڈرائنگ روم سے منصور کی آواز سنا دی۔ وہ کہہ رہا تھا: "بھابی جان! ٹیلی فون پر کوئی آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہے میں نے نام پوچھا مگر اس نے نام نہیں بتایا۔"

سونیا بالکونی میں آئی۔ پھر وہاں سے سیڑھیاں اترتی ہوئی ڈرائنگ روم میں پہنچی ریسیور کو اٹھا کر کہا: "ہیلو؟"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی: "ہیلو سونیا کیا تم بول رہی ہو؟"

"میں بول رہی ہوں کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی: "فرہاد کے لیے ایک خوش خبری ہے اور وہ یہ کہ سامی یہاں پہنچ گئی ہے۔ اس وقت میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔"

یہ سنتے ہی میں فوراً اس بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے ایک بہت ہی خوب صورت سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے علاوہ اس کمرے میں تین شخص اور تھے۔ وہ پہلوان قسم کے ہٹے کٹے جوان تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا جو شخص سامی کے متعلق اطلاع دے رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ سے سونیا کی آواز سنی۔ وہ پوچھ رہی تھی: "اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ سامی تمہارے پاس ہے۔"

"تم فرہاد سے کہو وہ مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرے میری سوچ پڑھ کر اور میرے ذریعے اس لڑکی کی حرکتیں دیکھ کر اسے یقین آجائے گا۔ سامی آخر سامی ہی ہے۔ وہ اپنا ثبوت خود پیش کرے گی۔"

سونیا نے کہا: "تم ریسیور سامی کو دو۔ میں براہِ راست اس سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا: "ریسیور تو اسے دے دوں گا لیکن تم اس کی زبان نہیں سمجھ سکو گی، بہرحال تو سن لو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور اس لڑکی کی طرف بڑھایا اس کے منہ کی طرف لے گیا، پھر اسے پچکارتے ہوئے بولا: "ہیلو پولوسی کیٹ، اسپیک آن، بولو ہاں بولو۔ تمہارا فرہاد تمہاری آواز سننا چاہتا ہے۔ شاید وہ سونیا کے دماغ میں موجود ہو اور تمہاری کشش سے تمہارے پاس کھینچ لائے، پکارو، فرہاد کو پکارو۔"

دوسرے ہی لمحے وہ ماؤتھ پیس پر بولنے لگی۔ ایسی بولی کہ سونیا ادھر حیران تھی، ادھر میں حیران تھا۔ وہ ماؤتھ پیس پر بول رہی تھی: "میاؤں میاؤں میاؤں ...."

اس شخص نے ہنستے ہوئے، پھر اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ "کیوں بے بی کیٹ تم کوئی اور بولی نہیں بول سکتیں فرہاد اس بولی کو نہ تو سمجھ سکے گا، نہ اس کے ذریعے تمہارے دماغ تک پہنچ سکے گا۔ کچھ اور بولو۔"

لیکن وہ میاؤں میاؤں کے سوا کچھ نہیں کہہ رہی تھی میں نے سونیا سے کہا: "ریسیور رکھ دو۔ میں اس بولنے والے کے دماغ تک پہنچ چکا ہوں۔ ابھی تمہیں سامی کے متعلق بتاؤں گا تم روانگی کی تیاریاں کرو۔"

میں اس کے دماغ میں پھر پہنچ گیا۔ وہ ریسیور کان سے لگائے ہیلو ہیلو کہہ رہا تھا اسے سونیا کی آواز نہیں مل رہی تھی، پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اسی وقت دور کھڑے ہوئے ایک ادھیڑ عمر کے شخص نے چٹکی بجاتے ہوئے اشارہ کیا۔ میں نے اس شخص کے دماغ سے اشارے کا مطلب سمجھا۔ یعنی وہ کہہ رہا تھا کہ سامی کو بولنے اور حرکتیں کرنے پر مجبور کرو۔

وہ سامی کو چٹکی بجا بجا کر اور پچکار کر اپنی طرف بلانے لگا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا سامی نے کرسی سے اتر کر فرش پر گھٹنے اور دونوں ہاتھ ٹیک دیے تھے اور یوں بچوں کی طرح رینگ رہی تھی جیسے بلی چار پاؤں سے چل رہی ہو۔ آگے فرش پر ایک بڑا سا پیالہ رکھا ہوا تھا اس پیالے میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ سامی رینگتے ہوئے اس پیالے کے پاس پہنچی اور اس میں منہ ڈال کر دودھ پینے لگی۔ بلی زبان کے ذریعے دودھ کو اپنے منہ تک پہنچاتی ہے۔ اس حرکت کو لبڑ لبڑ کہتے ہیں۔ گویا کہ سامی بلی کی طرح پیالے سے دودھ لبڑ رہی تھی بلیوں جیسی حرکت کر رہی تھی۔ انسان پیالے میں منہ ڈال کر صرف زبان کے ذریعے دودھ نہیں پی سکتا مگر وہ بڑی کامیابی سے پی رہی تھی جیسے یہ اس کی برسوں کی عادت ہو یا پیدائشی فطرت۔

ایک بات میرے دماغ میں آئی۔ وہ یہ کہ اس وقت سامی سے یہ حرکتیں کیوں کروائی جا رہی تھیں؟ کیا مجھے تماشہ دکھایا جا رہا تھا؟ کچھ ایسی ہی بات تھی۔ کمرے میں کھڑے ہوئے ادھیڑ عمر شخص نے جب چٹکی بجا کر اس شخص کو اشارہ کیا تھا تب ہی سے وہ شخص سامی سے ایسی حرکتیں کرا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں میری موجودگی کا علم ہو گیا تھا، کسی نے خبر کر دی تھی کہ میں اس شخص کے دماغ میں موجود ہوں۔

یہ بات میرے دماغ میں آتے ہی میں نے سوچا کہ فوراً ہی رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھوں۔ وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے؟ پھر خیال آیا وہ سو رہی ہو گی اور میں اس کے دماغ میں جھانکنے کی کوشش کروں گا تو وہ چونک کر اٹھ جائے گی۔ جب وہ بیدار ہو جائے گی تو اسے میری اور سونیا کی ہونے والی شادی کا علم ہو جائے گا اور میں نکاح پڑھے جانے تک اسے بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔

یہ سوچ کر میں نے رسونتی سے رابطہ قائم کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ اس شخص کے دماغ میں پہنچ کر سامی کی حرکتیں دیکھنے لگا اور اس کی سوچ کے ذریعے سامی کے متعلق معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ محض ایک معمولی آلۂ کار تھا۔ اسے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا اور پہلے سے سمجھا دیا گیا تھا کہ وہ ادھیڑ عمر کا شخص چٹکی بجا کر اشارے کرے گا تو اس کے مطابق اس لڑکی کو کرسی سے اتار کر دودھ کے پیالے تک پہنچانا ہو گا۔ اس کے بعد پھر سامی کے سامنے ایک چوہا پیش کیا جائے گا۔

اسی وقت سامی دودھ پیتے پیتے چونک گئی۔ سر اٹھا کر ایک طرف دیکھا۔ ایک چوہا دیوار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور سامی کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہو۔ وہ غرائی۔ پھر میاؤں میاؤں کرتی ہوئی اس کی طرف لپکی۔ جب وہ قریب آئی تو چوہا آگے کی طرف کھسک گیا۔ سامی پھر آگے بڑھی۔ اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر جیسے بلی پنجہ مارتی ہے ویسے چوہے کی طرف پنجہ مارا لیکن وہ آگے بڑھ گیا اور سامی کا ہاتھ خالی فرش پر پڑا۔ وہ غرانے لگی۔

میں نے حیرانی سے سوچا۔ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے؟ سامی بلی سے انسان بن گئی پھر انسان کے جسم میں آ کر وہ بولتی کیوں نہیں ہے؟ کیوں میاؤں میاؤں کرتی ہے؟ کیا یہ اس کی عادت بن گئی ہے؟ پانچ برس تک بلی کے جسم میں قید رہنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے لیکن یہ بات کیسی گھناؤنی ہے کہ اب وہ چوہے کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ کیا وہ انسان ہو کر بلی کی فطرت کے مطابق چوہے کھائے گی؟

یہ ایسا خیال تھا کہ مجھے ابکائی آنے لگی لیکن میں وہ تماشہ دیکھنے پر مجبور تھا۔ میں نے سوچا جیسے ہی وہ چوہے کو گرفت میں لے گی میں اس آدمی کے دماغ پر قابض ہو کر چوہے کو اس سے چھڑا دوں گا لیکن وہاں بات کچھ اور ہی تھی۔ میں نے اس شخص کے ذہن سے معلوم کیا۔ اس کمرے میں جو ادھیڑ عمر کا شخص کھڑا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ایک ریڈیو کنٹرولر تھا۔ اس کے ذریعے وہ فرش پر بھاگنے والے چوہے کو کنٹرول کر رہا تھا۔ چوہے کو دوڑا دیتا تھا۔ جہاں چاہتا تھا اسے روک دیتا تھا۔ گویا وہ اصلی چوہا نہیں تھا بلکہ ایسا کھلونا تھا جو ریڈیائی لہروں کے ذریعے ایک کنٹرولنگ آلے سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

ایک شخص نے کمرے کا دوسرا دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ اس بڑے کمرے کے اندر ایک بہت بڑا آہنی پنجرہ تھا۔ چوہا کنٹرولنگ آلے کے ذریعے دوڑتا ہوا اس پنجرے کے اندر چلا گیا۔ سامی بھی رینگتے ہوئے، دوڑتے ہوئے تقریباً چھلانگیں لگاتے ہوئے چوہے کے پیچھے بھاگتی ہوئی اس پنجرے کے دروازے تک پہنچ گئی۔

اس شخص نے کہا: "دیکھو سامی، چوہا پنجرے کے اندر چلا گیا ہے۔ اگر تم پنجرے کے اندر جاؤ گی تو اس چھت پر نوکیلے خنجر لگے ہوئے ہیں۔ یہ خنجر ایک ایک کر کے تمہارے بدن پر گریں گے۔ پھر یہ پنجرہ تمہارا تابوت بن جائے گا لیکن ہم اس کا دروازہ کھولنے اور تمہیں اندر پہنچانے سے پہلے فرہاد کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ہمیں مخاطب کرے گا تو بات آگے بڑھے گی۔"

میں نے مجبور ہو کر مخاطب کیا: "میں تمہارے دماغ میں موجود ہوں۔ بولو کیا بولنا چاہتے ہو؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ادھیڑ عمر کے شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ ادھیڑ عمر کے آدمی نے چٹکی بجا کر کچھ پوچھا۔ اس شخص نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ہاں، مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے دماغ میں کوئی بول رہا ہو۔"

میں نے اس کی زبان سے کہا: "میں فرہاد بول رہا ہوں اور یہ سمجھ گیا ہوں کہ تم اس کنٹرولنگ آلے کے ذریعے چوہے کو دوڑا رہے ہو اور سامی کو اس کے پیچھے بھاگنے پر مجبور کر رہے ہو۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لڑکی اتنی نادان کیوں ہے؟ یہ بولتی کیوں نہیں ہے؟ اس کی انسانی سوجھ بوجھ کو کیا ہوا ہے؟"

میری بات ختم ہوتے ہی اس شخص نے بوکھلا کر کہا "یہ یکسں آپ ہی آپ کیسے بول رہا ہوں۔ حالانکہ بولنا نہیں چاہتا ہوں۔ یہ باتیں بے اختیار میری زبان سے نکل رہی ہیں۔"

اس شخص نے چٹکی بجا کر کچھ اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر سوچنے لگا "فرہاد سے کیا بولنا چاہیے۔ ہاں جب یاد نہ آئے تو جو کچھ کاغذ میں لکھا ہوا ہے اسے پڑھنا چاہیے۔"

یہ سوچتے ہی اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ایک بڑے سے تہہ کیے ہوئے کاغذ کو نکال کر کھولا۔ اس میں وہ باتیں لکھی ہوئی تھیں جو میرے سامنے کی جانے والی تھیں وہ اس تحریر کو پڑھنے لگا۔ لکھا ہوا تھا۔

"فرہاد صاحب! اس حسین دوشیزہ کا نام سامی ہے ابھی آپ اس کی حرکتیں دیکھ چکے ہیں اور اس کی بولیاں بھی سن رہے ہیں۔ اس کے غرانے کا انداز بھی دیکھ رہے ہیں۔ صرف انھی باتوں سے اس کے سامی ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ ورنہ ہم بھی نہیں جانتے کہ یہ کون ہے اور کس ملک سے اور کن لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔

ہم نے اخبارات کے اشتہاری کالم میں یہ پڑھا تھا کہ ایک لڑکی بلیوں جیسی حرکتیں کرتی ہے اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا گیا ہے ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک لڑکی بلیوں جیسی حرکتیں کیوں کرتی ہے اور انسانوں کی طرح کیوں نہیں بولتی۔ تب اس اشتہار میں جادوگروں کو دعوت دی گئی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لڑکی کالے جادو کے زیرِ اثر ہے۔ کوئی وِچ ڈاکٹر ہی اس کالے جادو کا توڑ کر سکتا ہے۔

یہ اشتہار پڑھ کر ہم اس جگہ پہنچے اور اسے اغوا کر کے لے آئے، ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ وہی سامی ہے جو ایک عرصے تک آپ کے پاس کبھی انسان کے روپ میں اور کبھی بلی کے روپ میں رہی۔ بہر حال اب یہ ہمارے پاس ہے۔ اگر یہ سامی نہیں ہے تو پھر ایک مظلوم لڑکی ہے جسے کالے جادو کے عمل نے ایسا بنا دیا گیا ہے۔ اس کی مظلومیت بھی آپ کی توجہ طلب کرتی ہے اور ہمارے یقین کے مطابق یہ سامی ہے تو آپ سامی کو کبھی اس حال میں نہیں چھوڑیں گے۔

آپ سامی کو حاصل کرنے کا پتہ اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیں۔ آپ جہاں بھی ہے وہاں سے بڈھا دریا کے پل تک پہنچ جائیں۔ پل سے اتر کر آپ دریا کے کنارے کنارے مغرب کی سمت چلیں۔ آگے جا کر آپ کو ایک زرد رنگ کا دو منزلہ مکان نظر آئے گا۔ اس کے دروازے پر آپ ہی کے نام کی یعنی فرہاد کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ آپ اس دروازے سے داخل ہو جائیں سامی سے ملاقات ہو جائے گی۔

اب ہم اس آہنی پنجرے کا دروازہ کھولتے ہیں۔ آپ کو نمونہ دکھاتے ہیں کہ سامی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اگر آپ یہاں نہیں آئیں گے اور سونیا سے نکاح پڑھانے کو ترجیح دیں گے تو ہم آپ کی اور سونیا کی شادی کی خوشی میں تحفے کے طور پر سامی کی لاش پیش کریں گے۔ آپ کی شادی میں اس سے بہتر تحفہ اور کوئی نہیں ہوگا۔ فیصلہ آپ کریں۔"

وہ شخص کاغذ کی تحریر پڑھ رہا تھا اور میں سن رہا تھا، پھر اس نے سر اٹھا کر اس ادھیڑ عمر کے شخص کی طرف دیکھا، اس نے چٹکی بجا کر اپنے دوسرے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ ایک نے آگے بڑھ کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ سامی لپک کر اندر جانے لگی۔ اس پنجرے کے اندر آخری سرے پر وہ چوہا موجود تھا۔ سامی رینگتے ہوئے اس پنجرے کے اندر پہنچ گئی۔ اسی وقت ایک کھٹکا۔۔۔ سنائی دیا۔ ایک خنجر پنجرے کی چھت سے نیچے آ کر سامی کی ایک ٹانگ کی پنڈلی میں پیوست ہو گیا تھا۔ وہ غرانے کے انداز میں چیخنے لگی۔ میں محسوس کر سکتا تھا کہ وہ بڑے کرب میں مبتلا ہے۔ اس کی پنڈلی سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر وہ اوندھے منہ پنجرے کے فرش پر گر پڑی۔ وہ فرش لکڑی کے تختے کا تھا۔ اسی وقت ایک خنجر پھر نیچے آیا اور سامی کی کمر کے پاس ہی پیوست ہو گیا۔ وہ پھر غرانے اور چیخنے لگی۔ بار بار میاؤں میاؤں کی آوازیں نکالنے لگی۔ پھر تیسرا خنجر اس کی بائیں ہتھیلی کی پشت میں آ کر پیوست ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ خنجر نہ ہوں بلکہ سامی کو اوندھے منہ لکڑی کے تختے پر گرا کر اس کے بدن پر کیلیں ٹھونک ٹھونک کر اسے مصلوب کیا جا رہا ہو۔

پھر وہ شخص دوبارہ اس کاغذ کی تحریر کو پڑھنے لگا۔ آگے لکھا تھا "فرہاد صاحب! آپ نے یہ تماشہ دیکھ لیا۔ اب سامی اس تختے سے اوندھے منہ مصلوب رہے گی، یہاں سے اٹھ نہیں سکے گی۔ جہاں جہاں خنجر پیوست ہیں وہاں سے لہو بہتا رہے گا۔ آپ جیسے سمجھدار آدمی کو سمجھانا تو نہیں چاہیے۔ پھر بھی احتیاطاً سمجھا دیتے ہیں۔ آپ یہاں تنہا آئیں۔ آپ کے ساتھ قانون کے محافظ ہوں گے تو اس صورت میں بھی آپ کو سامی زندہ نہیں ملے گی۔

آپ کے ساتھ کوئی مجبوری ہو یا یہاں تک آنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ہم چوبیس گھنٹے تک سامی کو محض اس شرط پر زندہ رکھیں گے کہ آپ سونیا سے نکاح نہ پڑھائیں آپ کا اور سونیا کا نکاح ہمارے مفاد کے خلاف ہے۔ آ سکتے ہیں تو آ جائیں۔ فقط سامی کے ہمدرد۔"

میں نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ہونٹوں کو سختی سے بند کر لیا۔ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اندر ہی اندر غصے کو برداشت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کیونکہ غصہ حرام ہوتا ہے اور غصے میں انسان اپنی عقل کھو بیٹھتا ہے۔ میں نے سامی کے متعلق تمام باتیں سونیا کو بتا دیں۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بے بسی سے بولی "فرہاد! اب ہم شادی کا خیال دل سے نکال دیں۔ جب تک وہ پراسرار دشمن ہماری گرفت میں نہیں آئے گا اس وقت تک ہم نکاح پڑھانے کا خواب بھی نہیں دیکھیں گے۔"

"نہیں سونیا! انسان ہزاروں مصائب سے گزرتے رہنے کے دوران خوشیوں کے سپنے دیکھتا ہے۔ یہ ہمارا پہلا اور آخری خواب ہے جس کی تعبیر ضرور ہمارے سامنے آئے گی۔ ہمیں ہمت نہیں ہارنا چاہیے، میں وہاں تنہا جاؤں گا اور سامی کو لے کر آؤں گا۔ پھر ہمارا نکاح پڑھایا جائے گا ضرور پڑھایا جائے گا۔"

وہ اداسی سے ہنستے ہوئے بولی "تم مجھے دلاسے نہ دو۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ دشمنوں نے وہاں کیسے کیسے جال بچھائے ہوں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ تمھیں واپس نہیں آنے دیں گے۔ مرجانہ کو خوش رکھنے کے لیے یا پھر کسی اور پراسرار دشمن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تمھیں حراست میں رکھیں گے تمھیں محکوم بنانے کی کوشش کریں گے۔"

"کیا تم مشورہ دے رہی ہو کہ میں وہاں نہ جاؤں سامی کو مر جانے دوں۔ سونیا! سوچو کہ سامی کیا ہے؟ یہ جب پہلی بار میری زندگی میں آئی تو اس وقت بھی چھمیا اس کے لیے مصیبت بنی ہوئی تھی۔ اس نے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں۔ میری خاطر عرصے تک جدوجہد کرتی رہی پھر ایک بلی کے روپ میں میرے پاس آئی میرے قدموں سے لپٹی رہی۔ اب وہ نہ تو انسان ہے نہ بلی ہے۔ ایک ایسی چیز ہے جس سے اگر ہم نے ہمدردی نہیں کی اور اسے انسان نہ بنایا۔ اسے انسانی زندگی نہ دی تو پھر ہمارا نام ان لوگوں میں لیا جائے گا جو دوسروں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر سہاگ کی خوشیاں مناتے ہیں۔

سونیا وقت نہیں ہے، فیصلے کی گھڑی بہت مختصر ہے بولو، ہماری شادی اور سامی کی موت یا ہمارا صبر اور سامی کی سلامتی؟

ساتھ عجیب مذاق ہو رہا تھا۔ دوست ہماری شادی کی تیاریاں کر رہے تھے اور دشمن بربادی کا سامان کیے بیٹھے تھے۔ شاہینہ اور اس کی سسرال والے رنگا رنگ لباسوں میں ملبوس سونیا کو دلہن بنانے میں مصروف تھے کہ حالات کی اس نئی کروٹ کا علم ہوا۔ وہ سب کے سب جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔

وہ بے چارے بھی پریشان تھے۔ بختاور نے سونیا سے کہا۔ "بیٹی اس طرح بات کبھی نہیں بنے گی۔ تم نے اور فرہاد نے بڑے بڑے دشمنوں کو مات دی ہے اور مضبوط سے مضبوط دیواریں گرائی ہیں۔ اپنی شادی کی راہ میں بھی جو دیوار سامنے آئے اُسے گرا دو۔ تم چلے جاؤ پہلے کسی طرح نکاح ہو جائے تو سارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"

سونیا نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں انکل! ہم اپنی شادی میں سامی کی لاش کا تحفہ قبول نہیں کرنا چاہتے۔ پہلے ہم اسے دشمنوں کے پنجے سے آزاد کرائیں گے۔ کیوں فرہاد! تم کیا کہتے ہو؟"

میں نے کہا "ذرا ٹھہرو، میں ابھی جواب دیتا ہوں۔"

میں دماغی طور پر اپنی قیام گاہ پر واپس آگیا۔ جو لڑکی اعلیٰ بی بی کے روپ میں میرے سامنے بیٹھی تھی میں نے اس سے کہا "تمھارے آدمی گاڑی لے کر شاہینہ کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے ہیں لیکن وہ لوگ سونیا کو دلہن بنا کر یہاں نہیں لا سکیں گے۔"

اُس نے پوچھا "کیوں نہیں لا سکیں گے؟"

"اس لیے کہ دشمنوں کو اس بار بھی ہماری شادی کی اطلاع مل گئی ہے۔"

وہ چونک کر کھڑی ہو گئی "لیکن [illegible] کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ جبکہ ہم نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔"

"تم کہہ رہی تھیں کہ جو پراسرار شخص شادی کی خبر دشمنوں تک پہنچا دیتا ہے وہ اس وقت سو رہا ہوگا تمھاری اعلیٰ بی بی کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ویسے میں تمھیں اعلیٰ بی بی نہیں کہہ سکتا تم جو نمبر تین ہو۔ تمھیں نمبر تین ہی کہوں گا؟"

"ہاں، میرا نمبر تین ہے۔ آپ یہ بتائیں۔ اس بار دشمنوں نے کیا رکاوٹ کھڑی کی ہے؟"

"وہ سامی کو میرے سامنے لے آئے ہیں۔ اگر میں نے یہ شادی کی تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔ اسے آزادی دلانے اور اس کی سلامتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے میں اس کی طرف توجہ دوں۔"

"سامی؟" وہ سوچتے ہوئے بڑبڑائی پھر سر اٹھا کر بولی "ذرا ٹھہریے، میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ خوابگاہ سے باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو اس کے ساتھ دو چور تھے۔ ایک نے کہا "فرہاد صاحب! ہو سکتا ہے وہ کوئی دوسری لڑکی ہو اور اسے سامی کہہ کر آپ کو مجبور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔"

"میں اس شخص کے دماغ سے لڑکی کو بلی کی طرح حرکتیں کرتے دیکھ چکا ہوں۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ دشمنوں نے آپ کو بہکانے کے لیے کسی لڑکی کو سمجھا بجھا کر ایسی حرکتیں کرائی ہوں۔"

"میں اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی اصلیت معلوم نہیں کر سکتا۔ یہ سب محض ایکٹنگ بھی ہو سکتی ہے لیکن تم اس بات کا کیا جواب دو گے کہ وہ پنجرے میں داخل ہوئی تو اس کے جسم میں خنجر پیوست ہونے لگے۔ کیا یہ اذیتیں بھی اداکاری ہو سکتی ہیں؟"

وہ میری بات سن کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے کہا: "آپ دشمنوں سے کہیں کہ اگر وہ آپ کو سونیا سے شادی کرنے سے باز رکھنا چاہتے ہیں تو پنجرے میں زخمی ہونے والی سامی کا تھوڑا سا خون بھیج دیں۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بھوندو چمار نے جس خون سے اپنی بلی کو غسل دیا تھا اگر اس خون سے پنجرے والی لڑکی کے خون کا گروپ مل گیا تو آپ یقین کریں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ ورنہ سمجھ لیں کہ یہ آپ کو پھانسنے کے لیے دشمن کی ایک چال ہے۔"

"لیکن میں سامی کے خون کا گروپ نہیں جانتا۔"

"ہماری اعلیٰ بی بی جانتی ہیں۔ آپ ان سے کہیں تو۔"

دوسرے ہی لمحے میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جس نے ٹیلیفون کے ذریعے سونیا سے سامی کا تعارف کرایا تھا۔ وہ آہنی پنجرے کے پاس تین آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس آہنی پنجرے کے اندر سامی اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بدن میں تین جگہ خنجر پیوست تھے۔ اور زخموں سے لہو بہہ رہا تھا۔

میں نے اسے مخاطب کیا: "مسٹر! میں سامی کے متعلق تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

اس شخص نے چونک کر اپنے ساتھیوں سے کہا: "میں اپنے دماغ میں پھر فرہاد صاحب کو محسوس کر رہا ہوں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ پہلے سامی کے متعلق تصدیق کریں گے۔"

ادھیڑ عمر شخص نے چٹکی بجا کر مجھ سے بات کرنے کا اشارہ کیا۔ اس شخص نے پوچھا: "فرہاد صاحب! آپ تصدیق کس طرح کریں گے؟"

"میرے پاس سامی کے خون کا گروپ نمبر موجود ہے۔ تمہارے پاس جو سامی ہے اس کا تھوڑا سا خون میرے پاس بھیجو۔ وہ ہماری سامی کے خون کے گروپ سے مل جائے گا تو میں تمہارے بتائے ہوئے پتے پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

اس شخص نے میری بات اپنے ساتھیوں کے سامنے دہرا دی۔ ادھیڑ عمر شخص نے تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس شخص نے زور سے پڑھا: "[illegible] سامی کے خون کا گروپ کیا ہے؟ آپ ہمیں بتائیں۔"

میں نے جواب دیا: "سوری، میں نہیں بتا سکتا۔ پہلے مجھے تمہاری سامی کے خون کا نمونہ چاہیے۔"

اس شخص نے جواب لکھا: "ہم اتنا جھمیلا نہیں کرنا چاہتے۔ اس طرح آپ کو ہمارے خلاف اپنے ذرائع استعمال کرنے کا وقت مل جائے گا۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ سامی ہے۔ آپ اگر اس کی زندگی بچانا چاہتے ہیں تو فوراً چلے آئیں۔ ورنہ ہم اس لڑکی کو ختم کر دیں گے۔"

میں نے کہا: "تمہاری مرضی۔ اسے زندہ رکھو یا مار ڈالو۔ جب تک مجھے اس کے سامی ہونے کا یقین نہیں ہو جائے گا میں کچھ نہیں کروں گا۔ میں اب دماغی رابطہ ختم کر رہا ہوں۔"

اس شخص نے لکھا: "ابھی رابطہ ختم نہ کریں۔ ہمیں بتائیں کہ آپ لڑکی کا خون کس طرح حاصل کریں گے؟"

"میں خود حاصل نہیں کروں گا۔ تم میں سے کوئی شخص اس کا خون لے کر کسی ہسپتال یا لیبارٹری میں جائے گا اور خون کا گروپ معلوم کرے گا۔ میں اس شخص کے دماغ میں موجود رہ کر تصدیق کر لوں گا۔"

اس نے لکھا: "اچھی بات ہے۔ آپ پندرہ منٹ بعد ہم سے رابطہ قائم کریں۔ پھر ہم آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ لڑکی اور دونوں چودھری میرے سامنے منتظر کھڑے تھے۔ میں نے انھیں بتایا کہ پندرہ منٹ کے بعد ان کی طرف سے جواب ملے گا۔ پھر میں نے صوفے پر بیٹھ کر سونیا سے رابطہ قائم کیا اور اسے تمام باتیں بتائیں۔

سونیا نے کہا: "یہ اعلیٰ بی بی اور چالیس چور تو رحمت کے فرشتے ثابت ہو رہے ہیں۔ انھوں نے سامی کی شناخت کا بہت اچھا طریقہ بتایا ہے۔"

"میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ جس خون سے چمپی کو غسل کرایا گیا تھا۔ اسی خون کے ذریعے ہم اس لڑکی کو بھی پہچان سکتے ہیں۔"

"فرہاد! اعلیٰ بی بی نے سامی کا خون کہاں سے حاصل کیا ہوگا؟"

"یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ جب اس سے سامنا ہوگا تبھی معلوم ہو سکے گا۔ اتنا معلوم ہو گیا ہے کہ اعلیٰ بی بی نے سامی کو دیکھا ہے۔ اس نے یقیناً اسے اپنی حراست میں بھی رکھا ہوگا اور اس کے بدن سے ایک بوتل خون حاصل کیا ہوگا۔ اب سامی، اعلیٰ بی بی کے پاس ہے یا نہیں؟ یہ پندرہ منٹ بلکہ اب تو دس منٹ کے بعد معلوم ہو جائے گا۔"

"اب تک ہماری شادی کو رد کرنے کے لیے دشمنوں نے جتنی چالیں چلیں کیسی رکاوٹیں پیدا کیں۔ آؤ ہم ان کا مختصر سا حساب کریں تو ان کی آئندہ چالوں کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ پہلی بار ان لوگوں نے [illegible]

[illegible] ہمارے لیے مشکلات پیدا کیں۔"

میں نے کہا: "بالکل ٹھیک۔ اور دوسری بار انھوں نے ایئرپورٹ پر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اس میں بھی وہ ناکام رہے۔"

سونیا نے کہا: "تیسری بار ہم نے مغرب کے بعد نکاح کا پروگرام بنایا تو تمہیں سرحد پار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس میں بھی دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ اللہ نے چاہا تو یہ سامی کا نیا ڈرامہ بھی ناکام رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سامی نہیں ہے۔ کسی لڑکی کو سامی کا رول ادا کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔"

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"ایسا ہوا اور دشمن اس بار بھی ناکام رہے تب وہ آئندہ کیا چال چلیں گے؟ ہمیں کچھ اندازہ ہونا چاہیے اور میں سمجھتی ہوں اس وقت ہماری سب سے بڑی کمزوری شاہینہ ہے۔ وہ لوگ اب کی بار شاہینہ یا اس کی بچی شبانہ کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کریں گے۔"

"مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ تم شاہینہ کے قریب ہو۔ دشمن اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ تم محتاط رہو۔ پندرہ منٹ پورے ہو چکے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے رابطہ قائم کروں گا۔" میں نے آنکھیں کھول کر لڑکی اور چودھریوں سے کہا: "میں اب دشمنوں کا جواب معلوم کرنے جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں دشمنوں کے پاس پہنچ گیا۔ ایک ہی کا دماغ ایسا تھا جس کے پاس پہنچ کر میں دوسروں کے متعلق جان سکتا تھا۔ اس وقت وہ لوگ اس مکان میں نہیں تھے۔ سامی کو حاصل کرنے کے لیے مجھے جو پتہ بتایا گیا تھا۔ وہ کوئی اور جگہ تھی۔ میں جس آلۂ کار کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا، وہ بے چارہ اس جگہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے وہاں آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی گاڑی میں لایا گیا تھا۔

اس کی سوچ نے بتایا کہ جس لڑکی کو سامی بتایا گیا تھا۔ اس کی مرہم پٹی کر کے اسے کسی دوسری جگہ بھیج دیا گیا تھا۔ اس کی سوچ پڑھنے کے بعد میں نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص سے کہا: "جناب! فرہاد صاحب میرے دماغ میں آ گئے ہیں۔"

اس شخص نے ایک لیٹر پیڈ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے پڑھنا شروع کیا: "مسٹر فرہاد! پہلے ہمارا مطالبہ تھا کہ سونیا، خفیہ فائل ہمارے حوالے کر دے۔ پھر حالات بدل گئے اور ہم نے مطالبہ کیا کہ آپ سونیا سے شادی نہ کریں۔ لیکن اب ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ ہمیں اس پُراسرار دوشیزہ اعلیٰ بی بی کے متعلق معلومات فراہم کریں اور اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ بتائیں۔

ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اعلیٰ بی بی اصل سامی کا خون حاصل کر کے چمپی تک پہنچا دے گی اور اس کے خون کا گروپ آپ کو بھی بتا دے گی۔ اگر یہ بات ہمیں پہلے معلوم ہو جاتی تو ہم اس لڑکی کو سامی بنا کر پیش کرنے کا ڈرامہ نہ کرتے۔

ہماری یہ چال بھی ناکام ہو چکی ہے۔ اس لیے آپ کو حقیقت بتا دیتے ہیں۔ جس لڑکی کو آپ نے بلی کی طرح بولتے اور حرکتیں کرتے سنا ہے۔ ہم نے اس لڑکی کا برین واشس کر کے اس کے دماغ کی تختی کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اسے بلیوں کے ساتھ رکھ کر بلیوں کی آواز کی ریکارڈنگ سنائی ہے۔ بلیوں کی تصویروں کو بڑے اسکرین پر دکھایا ہے۔ اسے اس ماحول میں رکھ کر ایسی تربیت دی ہے کہ وہ ذہنی طور پر بلی بن گئی ہے۔ صرف جسم انسانی رہ گیا ہے۔

ہمیں بھوندو چمار کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ جو بلی آپ کے پاس ہے وہ انسانی شکل اختیار کرنے والی ہے۔ ہم ایسی مہمل باتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن جادوئی تماشے ہم بھی آئے دن دیکھتے ہیں۔ ہم نے یورپ کے تمام اخباروں میں یہ اشتہار شائع کروایا کہ ایک ایسی لڑکی پائی گئی ہے جو بلی کی طرح بولتی ہے اور اس کی طرح حرکتیں کرتی ہے۔ شاید اس کے پیچھے کسی کالے جادو کا عمل ہے۔

اشتہار شائع کرانے کا مقصد یہ تھا کہ یورپ کا کوئی اخبار آپ کی نظروں سے گزرے تو آپ اس کی تلاش کریں۔ پھر ہم آپ کو اپنی سامی کے ذریعے ٹریپ کرلیں گے۔ پھر پتہ چلا کہ آپ لاہور جا رہے ہیں۔ تب ہم نے یہ افواہ پھیلائی کہ سامی کو روم سے اغوا کر لیا گیا ہے اور اب اسے لاہور پہنچایا جائے گا۔ ہم نے سامی کو ایک اہم مہرہ بنا کر رکھا تھا۔ لیکن ہمارا یہ مہرہ پہلی ہی چال میں پٹ گیا۔

مڈل مین جو ہمارے لیے کام کر رہا تھا ——— اعلیٰ بی بی نے اسے بے نقاب کر دیا۔ ہم نے آپ کو پاکستان سے باہر نکلوانا چاہا لیکن اعلیٰ بی بی نے ہماری یہ کوشش بھی ناکام بنا دی۔ ہم نے سامی کے ذریعے آپ کو بلیک میل کرنا چاہا مگر اعلیٰ بی بی نے اس حربے کو بھی ناکام بنا دیا۔ اب ہم اعلیٰ بی بی کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کیا بلا ہے اور اس سلسلے میں آپ ہماری مدد کریں گے۔ یقیناً اس سے آپ کا گہرا ربط و ضبط ہے۔

مسٹر فرہاد! آپ کی بھلائی کے لیے آپ سے درخواست ہے کہ کل صبح سات بجے سے پہلے سونیا کو اسلام آباد روانہ کر دیں اور وہ خفیہ فائل ہم تک پہنچا دیں۔

آپ سے دوسری درخواست یہ ہے کہ کل صبح سے پہلے آپ اپنی خفیہ پناہ گاہ سے باہر آ جائیں۔ عورتوں کی طرح چھپنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

آپ سے تیسری درخواست یہ ہے کہ سونیا سے شادی کا خیال دماغ سے نکال دیں۔ اگر یہ شادی کی گئی تو اس کا عبرتناک انجام آپ کے سامنے آئے گا۔ ہم کیا کرنے والے ہیں۔ یہ آنے والا وقت

بتائے گا اور وہ آنے والا وقت صبح سات بجے کے بعد آپ کے سامنے ہوگا۔

ہماری آخری درخواست ہے کہ آپ صبح سے پہلے اس پراسرار دوشیزہ اعلیٰ بی بی کے متعلق تمام معلومات فراہم کردیں یہ درخواست بہت ہی دوستانہ انداز میں کی جارہی ہے آپ شاید اسے دھمکی سمجھیں۔ تیر جب تک ترکش میں رہتا ہے دھمکی کہلاتا ہے۔ جب کمان سے چھوٹ جائے تو موت بن جاتا ہے۔ آپ دشمنوں کے دماغ میں بیٹھ کر آج تک ان کے ہوش اڑاتے آئے ہیں کل صبح سات بجے کے بعد دنیا دیکھے گی کہ فرہاد علی تیمور کے ہوش اڑ گئے ہیں۔"

وہ تحریر ختم ہوگئی۔ میں جس شخص کے دماغ میں بیٹھا ہوا تھا وہ پیڈ ایک طرف رکھ کے انتظار کرنے لگا کہ شاید میں اس سے کچھ کہوں گا۔ وہ مجھے دھمکی دے چکے تھے۔ لہٰذا صبح کے سات بجے سے پہلے ان سے کچھ کہنا سننا فضول تھا میں دماغی طور پر اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ وہ لڑکی اور دونوں چور میرے منتظر تھے میں نے ان لوگوں کو ساری باتیں سنادیں۔ یہ سنتے ہی وہ تینوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ لڑکی نے کہا: "میں اعلیٰ بی بی کی حیثیت سے آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ہم ان کی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیں گے اس سے پہلے ہی کچھ کر گزریں گے۔ پہلے ہم یہ تو سمجھ لیں کہ دشمن کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

وہ تینوں کمرے سے چلے گئے میں نے سونیا کو ساری باتیں بتائیں۔ اس نے کہا: "میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ وہ یقیناً کوئی زبردست چال چلیں گے۔ میں رات بھر جاگ کر شاہینہ اور اس کی بیٹی شبانہ کی نگرانی کروں گی لیکن ہمیں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ دشمنوں نے اتنی زبردست دھمکی کس بنا پر دی ہے؟ آخر وہ ہمیں کس قسم کا نقصان پہنچائیں گے؟"

"وہ شاہینہ کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ایک تو تم وہاں موجود ہو۔ دوسرے میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی حفاظت کروں گا۔ یہ دشمن اچھی طرح سمجھتے ہیں پھر یہ کہ چالیس چوروں میں سے کچھ چور تمہاری کوٹھی کے آس پاس ضرور موجود رہیں گے۔"

سونیا نے کہا: "میرا دھیان مرجانہ کی طرف جاتا ہے شاید اس کی برین واشنگ ہوچکی ہے۔ دشمن اسے کسی عجیب اور انوکھے انداز میں ہمارے لیے مصیبت بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"دشمنوں کا دعویٰ ہے کہ وہ میرے ہوش اڑا دیں گے۔ شاید مجھے کوئی ایسا صدمہ پہنچائیں گے جس کے باعث میں سوچنے سمجھنے اور اپنے دماغ سے کام لینے کے قابل نہیں رہوں گا۔ ہمارے اپنوں میں ایک مرجانہ اور دوسری رسونتی ہے۔ مرجانہ سے مجھے اتنی دلچسپی نہیں رہی اس نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ ہاں رسونتی کو کوئی نقصان پہنچایا گیا تو۔۔۔۔"

سونیا نے کہا: "ہمیں رسونتی کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ وہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ اپنی حفاظت کرلے گی۔ دوسرے یہ کہ غلام نے اسے دنیا کے کس حصے میں لے جاکر رکھا ہے دشمن یہ نہیں جانتے وہ رسونتی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

سونیا کی بات سنتے ہی میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ اعلیٰ بی بی کو رسونتی کی پناہ گاہ کا علم کیسے ہوا۔ اعلیٰ بی بی کا رول ادا کرنے والی لڑکی نے بتایا تھا کہ چالیس چور دنیا کے مختلف مقامات پر رہیں ان میں سے ایک مقام دارالسلام کی وہ مضافاتی بستی ہے جسے غلام نے رسونتی کے لیے آباد کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعلیٰ بی بی کو اس بستی کا علم کیسے ہوا؟

یہ سوچتے ہوئے میں نے سونیا کو مخاطب کیا۔ سونیا نے پوچھا۔ "ابھی تم کہاں چلے گئے تھے؟ خیریت تو ہے؟"

"میں ایک سوچ میں الجھ گیا تھا۔ یہ اعلیٰ بی بی تو بہت ہی گہری معلوم ہوتی ہے۔ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ رسونتی دارالسلام کی ایک مضافاتی بستی میں رہتی ہے؟"

"ہاں یہ سوچنے کی بات ہے۔"

"ٹھہرو۔ میں اس لڑکی سے دریافت کرتا ہوں جو یہاں اعلیٰ بی بی کے روپ میں موجود ہے۔"

میں نے اس لڑکی کے دماغ میں پہنچ کر سوالات کیے۔ اس نے بتایا: "فرہاد صاحب! میں آپ کو بتا چکی ہوں ہمارا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم جس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے ملازمین یا لالچی رشتہ داروں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر خرید لیتے ہیں۔ شاہینہ کی کوٹھی کا ایک ملازم ہمارا زرخرید ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا ایک چور منصور کا گہرا دوست ہے۔ منصور اپنے دوستوں میں بیٹھ کر آپ کے اور سونیا کے متعلق باتیں کرتا رہتا ہے۔ ایسی ڈینگیں مارتا ہے جیسے آپ لوگوں کے بہت قریب رہتا ہو اور آپ لوگ اسے بہت چاہتے ہوں۔"

میں نے کہا: "بیشک ہم اسے چاہتے ہیں لیکن منصور کو رسونتی کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟"

"سونیا نے کسی وقت شاہینہ سے ذکر کیا تھا۔ شاہینہ نے منصور سے ذکر کیا اور منصور سے ہمارے چور کو معلوم ہوگیا۔"

یہ معلوم کرتے ہی میں نے سونیا کے پاس جاکر پوچھا: "کیا تم نے کبھی شاہینہ کو یہ بتایا تھا کہ رسونتی ان دنوں کہاں رہتی ہے؟"

"ہاں، وہ بہت ضد کررہی تھی۔ اور اپنی دوسری بھابی کے متعلق جاننا چاہتی تھی۔ اس کی ضد اور بے پناہ اصرار سے مجبور ہوکر میں نے بتادیا تھا۔"

"سونیا! تم سے سخت غلطی ہوگئی ہے اگر دشمنوں کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی ہے تو سمجھ لو کہ رسونتی اس وقت خطرے میں ہے۔"

میں سونیا سے رخصت ہوکر رسونتی کے پاس پہنچا۔ پہلے تو میری سوچ کی لہروں کو راستہ نہیں ملا۔ پھر اس نے راستہ دے کر پوچھا: "کہو کیسے آنا ہوا؟ تم تو مجھ سے بھاگ رہے تھے۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو۔ تم اپنی ضد پر قائم ہو۔ اس لیے میں بھی ضد پر آگیا تھا اور تم سے دماغی رابطہ قائم نہیں کیا اس وقت مجھے خطرے کا احساس ہوا ہے تو تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"کیسا خطرہ؟ اور کس کے لیے خطرہ؟"

"تمہارے لیے۔ مجھے بتاؤ۔ کیا تمہارے آس پاس کوئی اجنبی یا مشکوک شخص تو موجود نہیں ہے؟"

"کسی پر شبہ ہوتا تو میں اس کے خیالات پڑھ لیتی جہاں تک کسی اجنبی کے بستی میں آنے کا تعلق ہے تو جب سے یہ بستی آباد ہوئی ہے ہر روز کچھ نئے لوگ یہاں آکر آباد ہورہے ہیں۔ غلام ان کے متعلق اچھی طرح معلومات حاصل کرتا ہے۔ مجھے موقع ملتا ہے تو میں بھی ان کے خیالات پڑھ لیتی ہوں۔ مجھے کسی قسم کا خطرہ محسوس نہیں ہورہا ہے۔"

میں نے رسونتی کو بتایا کہ دشمنوں نے مجھے کس قسم کا چیلنج کیا ہے اور وہ صبح سات بجے کے بعد اس چیلنج پر عمل کریں گے۔ رسونتی نے کہا: "فرہاد! بہت رات ہوگئی ہے۔ سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔ میری طرف سے بالکل بے فکر رہو۔ غلام بہت محتاط رہتا ہے اس نے اتنے اچھے انتظامات کر رکھے ہیں کہ کوئی مشکوک آدمی ہماری نظروں سے بچ نہیں سکے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم سو جاؤ۔ مجھے تو نیند نہیں آئے گی۔"

میں اس سے رخصت ہوکر غلام کے پاس پہنچا میں نے اسے بتایا کہ دشمنوں نے مجھے کس طرح کا چیلنج کیا ہے۔ اس نے کہا۔۔

"آقا آپ بے فکر رہیں۔ میں کل صبح تک جاگتا رہوں گا میں اور میرے آدمی مالکہ رسونتی کے کاٹیج کے چاروں طرف پہرہ دیتے رہیں گے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

میں اپنی خواب گاہ میں حاضر ہوگیا میں نے اسی لڑکی اور دوسرے چوروں کے دماغوں میں جھانک کر دیکھا۔ وہ سب ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے لوگوں سے رابطہ قائم کررہے تھے۔ لڑکی کی سوچ نے بتایا کہ شاہینہ کی کوٹھی کے آس پاس سخت پہرہ لگا دیا گیا ہے۔ کوئی دشمن اس کوٹھی کے احاطے میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ اس کے علاوہ جو چور غلام کی بستی میں پہنچے ہوئے تھے یا اس بستی کے آس پاس تھے ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ میں ان کی پرخلوص کوششوں کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا ان کی طرف سے مطمئن تھا۔ اس لیے پھر خوابگاہ میں دماغی طور پر حاضر ہوگیا۔

اچانک مجھے اس گھڑی کا خیال آیا جو ان چوروں نے مجھے دی تھی میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا جس چور نے مجھے یہ گھڑی دی تھی۔ اس نے کہا تھا: "اس کی چابی کو اندر کی طرف دو بار یا چار بار دبایا جائے تو اعلیٰ بی بی تک یہ خبر پہنچ جائے گی کہ آپ کو ان کی مدد کی ضرورت ہے۔"

میں نے اس گھڑی کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ اس بٹن کو دبا کر اعلیٰ بی بی تک پیغام پہنچانا چاہیے۔ دیکھیں، اس سے براہ راست بات چیت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ سوچ کر میں نے گھڑی کی چابی کو دوبار اندر کی طرف دبایا۔ پھر نتیجے کا انتظار کرنے لگا۔

چند لمحوں کے بعد ہی میری خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور وہ لڑکی حاضر ہوگئی جو اعلیٰ بی بی کا رول ادا کررہی تھی۔ اس نے کہا: "فرمائیے جناب!"

"میں نے تو تمہیں نہیں بلایا ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میری گھڑی میں اشارہ موصول ہوا ہے۔"

"بیشک میں نے اپنی گھڑی کا بٹن دبایا تھا میں اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم سے ہی رابطہ قائم ہوگا۔"

وہ مسکرا کر بولی: "میں یہاں کی اعلیٰ بی بی ہوں۔ اسی لیے آپ کا رابطہ مجھ سے قائم ہوگا۔"

میں نے گھڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اسے رکھ لو۔ جب میں تم لوگوں سے دماغی رابطہ قائم کرسکتا ہوں تو مجھے کسی ایسے انڈیکیٹر کی کیا ضرورت ہے!"

اس نے گھڑی کو لیتے ہوئے کہا: "ہم نے شاہینہ کی کوٹھی کے اطراف ایسے انتظامات کردیے ہیں کہ دشمن اس کوٹھی کے احاطے میں قدم نہیں رکھ سکیں گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"صرف اتنا ہی نہیں۔ ہم غلام کی بستی تک پہنچنے کی کوشش بھی کررہے ہیں۔ وہاں ہمارے جو ساتھی ہیں۔ ان سے ابھی تک رابطہ قائم نہیں ہوا ہے۔ صبح سے پہلے وہاں بھی ہمارے تمام ساتھی ہوشیار ہوجائیں گے اور رسونتی صاحبہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

میں تھکے ہوئے انداز میں بستر کے سرے پر بیٹھ گیا اور سر تھام کر بولا: "میرا سر بھاری ہورہا ہے۔"

وہ قریب آکر بولی: "میں سر دبا دوں۔"

میں لیٹ گیا۔ وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئی اور مجھ پر جھک کر ہولے ہولے سر دبانے لگی۔ میں نے گھبرا کر کہا: "پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس طرح مجھے آرام مل رہا ہے میں سو جاؤں گا لیکن آج سونے والی رات نہیں ہے۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بستر کے پاس کھڑی ہوگئی: "میں آپ

کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

"ہو سکے تو گرم گرم کافی پلا دو تاکہ نیند اڑ جائے۔"

وہ جانے لگی تو میں نے کہا: "سنو! تمھارے نزدیک جو سب سے زیادہ ذہین چور ہو اُسے میرے پاس بھیج دو۔ میں باتیں کرنا چاہتا ہوں ــــ"

اس نے دروازے کے پاس پہنچ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم چالیسوں چور ذہانت میں اپنا جواب آپ ہیں۔ میں بھی آپ کے سامنے موجود ہوں۔ کہیے، تو کسی اور کو بھیج دوں؟"

"تم کافی لے آؤ کسی اور کو یہاں بھیج دو۔"

وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک چور میرے کمرے میں آیا۔ اُس کا نمبر پچیس تھا۔ میں نے کہا: "آؤ پچیس نمبر بیٹھو۔ یہ رات بہت لمبی ہے۔ صبح نہیں ہو رہی ہے۔"

"جناب! صبح ہو جائے گی اور بخیریت ہوگی۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"میں سوچ رہا ہوں۔ کیا دشمنوں کی اپنی پناہ گاہ سے نکل کر خود کو ظاہر کر دینے والی بات مان لوں۔"

اس نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "ظاہر ہونے کی ایک صورت ہے۔ آپ دشمنوں کے آلۂ کار سے رابطہ قائم کر کے کہیں کہ آپ خود کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اس وقت ڈھائی بجے ہیں۔ رات کے تین بجے سے لاہور کی اخبار مارکیٹ میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔ آپ وہیں جا رہے ہیں تاکہ وہ لوگ آپ کو دیکھ لیں لیکن آپ میک اَپ میں رہیں گے تاکہ قانون کے محافظ آپ کو دوبارہ پکڑ کر سرحد پار نہ کرا دیں۔"

"میں خود کو ظاہر کر دوں اور دشمن ہی مجھے قانون کے حوالے کر دیں۔ تب کیا ہوگا؟"

"ہم آپ کو جانے ہی کب دیں گے۔ آپ کے بجائے میں اخبار مارکیٹ جاؤں گا۔ آپ انھیں میری پہچان بتا دیں۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ آپ میک اَپ میں آئے ہیں۔ اس کے بعد جو ہوگا۔ میں دیکھ لوں گا۔"

میں دشمنوں کے آلۂ کار کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بے چارہ سو رہا تھا۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اس کے دماغ نے جواب دیا: "میں ایک کمرے میں قید ہوں اور کمرہ یا مکان کس علاقے میں ہے۔ مجھے پتہ نہیں کیونکہ میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے یہاں پہنچایا گیا ہے۔ البتہ کمرے میں ایک ٹیلیفون رکھا ہے۔ مجھے ایک نمبر بتا دیا گیا ہے تاکہ فرہاد رابطہ قائم کرے تو یہ نمبر ڈائل کرنے کے بعد صرف اتنی اطلاع دے دوں کہ فرہاد نے رابطہ قائم کیا ہے۔ دوسری طرف سے اسے جواب نہیں ملے گا۔ لیکن اس کے بعد وہ اس سے خود رابطہ قائم کر لیں گے۔"

میں نے اس کے دماغ میں واپس آ کر چور نمبر پچیس کو وہ ٹیلیفون نمبر بتایا اور اس کے دماغ سے معلوم ہونے والی باتیں بھی بتائیں۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا: "میں ابھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ فون نمبر کس کا ہے۔"

وہ اُٹھ کر فون کرنے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی کافی آ گئی۔ میں نے پیالی ہاتھ میں لے کر شکریہ ادا کرتے ہوئے کافی کی ہلکی سی چُسکی لی۔ وہ مسکرا کر بولی: "یہ کافی میں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کی ہے۔"

میں نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے کہا: "گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس کافی میں تمھارے ہاتھوں کی مٹھاس شامل ہے۔"

اس نے قہقہہ لگا کر کہا: "یہ ہوئی نا زندہ دلی کی بات۔ صبح کیا ہوگا یہ صبح دیکھا جائے گا۔ ابھی سے اس کی فکر میں کیوں گھلا جائے۔ آپ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئے تھے۔"

میں نے کہا: "میں نے اور سونیا نے کبھی اپنی پروا نہیں کی ہم کبھی اپنے معاملے میں سنجیدہ نہیں ہوتے مگر اس وقت بات دوسری ہے۔ ایک طرف شاہینہ ہے۔ دوسری طرف رسونتی اسی لیے میں سنجیدگی سے خطرات کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"ہم اور آپ تدبیریں کر رہے ہیں۔ ہم نے جو حفاظتی انتظامات کیے ہیں ان پر بھی ہمیں بھروسہ ہے۔ اب دیکھیں کہ آنے والا وقت کیا کہتا ہے۔ بائی دی وے، یہ بتائیں۔ میں کیسی لگتی ہوں۔"

میں نے پوچھا: "کیا اعلیٰ بی بی کا یہی چہرہ ہے؟ بالکل ایسا ہی؟"

"جی ہاں، بالکل ایسا ہی چہرہ ہے۔ کیا یہ چہرہ حسین نہیں ہے؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے لیکن تمھارا اپنا اصلی چہرہ کیسا ہے؟"

وہ ذرا اِٹھلا کر بولی: "میں اپنے منہ میاں مٹھو بننا پسند نہیں کرتی۔"

"میاں مٹھو تو مرد کہلاتے ہیں۔"

"چلیے، بی مینا سہی۔ ویسے میں بھی کچھ بُری نہیں ہوں۔"

"کاش میں تمھارا اصلی چہرہ دیکھ سکتا۔"

"اعلیٰ بی بی کا حکم ہے کہ ہم آپ کی ہر خواہش کا احترام کریں۔ آپ حکم دیں تو میں یہ میک اَپ اتار کر اپنا اصلی چہرہ دکھا دوں۔"

"میں تم لوگوں کے کاموں میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ تم اعلیٰ بی بی کا کردار ادا کر رہی ہو۔ یہ میک اَپ تمھارے لیے ضروری ہے۔" میں نے پیالی خالی کر کے اسے دیتے ہوئے کہا: "کافی بہت ہی مزیدار تھی۔"

اسی وقت ایک چور نے کمرے میں داخل ہو کر کہا: "جناب پچیس نمبر کی درخواست ہے کہ آپ اس کے دماغ میں پہنچیں۔"

میں فوراً ہی اس کے دماغ میں جا پہنچا۔ وہ ٹیلیفون کے

سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

اس نے کہا: "جو نمبر آپ نے دیا ہے وہ ڈائرکٹری میں نہیں ہے۔ اب میں یہ نمبر ڈائل کر رہا ہوں۔ اگر دشمن سے رابطہ قائم ہو گیا تو اُسے نفسیاتی طور پر اُلجھانے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے پوچھا: "کیسے؟"

"فرہاد صاحب! اس وقت تین بجنے میں پندرہ منٹ ہیں۔ رات کے اس پہر میں لوگ بہت گہری نیند سوتے ہیں اور دشمن تو تھکا ہارا بہت گہری نیند سو رہا ہوگا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجے گی تو وہ یہی سمجھے گا کہ آپ کے متعلق اطلاع ہے لیکن میں اس کے ذہن کو بھٹکا کر اُسے بولنے پر مجبور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

یہ کہتے ہی اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے ریسیور اٹھایا اسی وقت چور نمبر پچیس نے اتنے زور کی دلخراش چیخ ماری کہ میں خود چونک گیا۔ فوراً ہی دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"ارے کون ہے؟ کیا ہو گیا؟ کون چیخ رہا ہے؟"

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ پلک جھپکتے ہی میں اس کے دماغ میں بیٹھا اسے کرید رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو پچیس نمبر میرے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میرے آنکھیں کھولتے ہی اس نے کہا: "کیوں جناب! میں آپ کے لیے اس کے دماغ کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوا یا نہیں؟"

میں نے اُسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "کمال ہے تم نے بڑی ذہانت سے کام لیا ہے۔ اس کا نام نیاز احمد ہے۔ وہ ریلوے کے بنگلہ نمبر چھ تیس میں ہے۔ یہ بنگلہ ریلوے کے چیف انجینئر کا ہے۔ انجینئر اپنی فیملی کے ساتھ چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ نیاز احمد اس کا ٹیلیفون استعمال کرنے کے لیے غیر قانونی طور پر وہاں داخل ہوا ہے۔ اس کے دونوں ساتھی اس کے ساتھ موجود ہیں۔"

"جناب یہ نیاز احمد خود کہاں رہتا ہے؟"

"وہ مغل پورہ کے ریلوے کوارٹرز میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا ہے۔" میں نے اُسے کوارٹر کا نمبر بھی بتا دیا۔

وہ فوراً ہی باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سونیا کے دماغ میں جھانکا۔ شاہینہ اور گھر کے تمام لوگ بے فکری کی نیند سو رہے تھے۔ سونیا اور منصور جاگ رہے تھے۔ اس وقت وہ منصور کو شاہینہ کی نگرانی کے لیے چھوڑ کر کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ میں اسے مخاطب کیے بغیر چھوڑ کر غلام کے پاس جا پہنچا۔ اس نے رسونتی کی حفاظت کے لیے سخت اقدامات کیے تھے۔ رسونتی کی کاٹیج کے گرد دو دو چار چار کی ٹولیوں میں محافظ مقرر تھے جو نیند کی غفلت سے بچنے کے لیے اپنی اپنی جگہ بیٹھے شراب اور قہوے سے شغل کر رہے تھے۔ میں نے رسونتی کے خوابیدہ ذہن کو چھیڑ کر اس کی نیند میں خلل انداز ہونا مناسب نہیں سمجھا اور اس کی حفاظت کے انتظامات سے مطمئن ہو کر واپس چلا آیا۔

دونوں طرف سے مطمئن ہو کر میں نے چور نمبر پچیس سے رابطہ قائم کیا۔ وہ اس وقت ریلوے انجینئر کے بنگلے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے کہا: "فرہاد صاحب! میں اطلاعی گھنٹی بجا رہا ہوں آپ نیاز احمد سے دروازہ کھلوا دیں۔ میں نے ایک آدمی کو اس کوارٹر کی جانب بھی روانہ کر دیا ہے۔ جہاں نیاز احمد کے بیوی بچے رہتے ہیں۔"

اس نے جیسے ہی گھنٹی کا بٹن دبایا، میں نیاز احمد کے دماغ پر قابض ہو گیا اور اسے باہر لا کر دروازہ کھلوا دیا۔ دروازہ کھلا تو میں نے اس کے ذہن کو آزاد کر دیا۔ وہ چونک کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے سامنے کھڑے ہوئے چور کو دیکھنے لگا۔ چور نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لات ماری۔ وہ پیٹ پکڑ کر تکلیف سے کراہتے ہوئے پیچھے ہٹا تو اس کے عقب میں کھڑے اس کے دونوں ساتھیوں نے اُسے سنبھال کر گرنے سے بچا لیا۔ چور ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے اندر داخل ہوا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کر کے بولا: "میں فرہاد علی تیمور ہوں۔"

نیاز احمد سنبھل کر جوابی حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر میرا نام سنتے ہی ٹھٹک گیا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے چور کو دیکھ رہا تھا۔ چور نے کہا: "اگر یقین نہ ہو تو میں ابھی تمھارا نام اور پورا شجرہ بتا کر یقین دلا دوں؟ تم جن لوگوں کے لیے کام کر رہے ہو کیا انھوں نے تمھیں یہ نہیں بتایا کہ جب مٹل بن جیسا شخص مجھ سے چھپا نہ رہ سکا تو تمھاری کیا حقیقت ہے؟"

نیاز احمد کے ایک ساتھی نے کہا: "استاد یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ فرہاد نہیں ہو سکتا۔"

میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا دیا۔ اس نے چیخ ماری اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر لڑکھڑاتے ہوئے ایک دیوار سے ٹکرا گیا۔ چور نے بریف کیس کو ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا: "کیا تم دونوں کو بھی یقین دلانا ہوگا؟"

اس وقت میں نیاز احمد کے دماغ میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا: "یہ کمبخت ہمارے دماغ میں کیسے پہنچ گیا؟ اب کیا ہوگا؟"

میں نے چور نمبر پچیس کی زبان سے کہا: "جب یہ کمبخت تمھارے دماغ میں پہنچ ہی گیا ہے تو تمھاری زندگی کے خاتمے کے سوا اور کیا ہوگا۔"

نیاز احمد نے کہا: "یہ میں جانتا تھا کہ جب بھی آپ کی گرفت میں آؤں گا۔ وہ دن میری زندگی کا بدترین دن ہوگا۔ یا تو آپ میری جان لے لیں گے یا ذہنی طور پر مجھے مفلوج کر دیں گے۔"

اس کی باتوں کے دوران میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔

وہ سوچ کے ذریعے کہہ رہا تھا "فرہاد صاحب! میں کھل کر بیان نہیں کر سکتا، آپ میرے دماغ سے سمجھ سکتے ہیں۔ میرے ساتھ جو دوسرا شخص ہے اس کا نام پال ہے۔ یہ ہمارے پُراسرار باس کا خاص آدمی ہے اسی نے ہمیں باس کے پاس ملازم رکھوایا ہے۔ یقین کیجیے ہم باس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، ہاں یہ پال سب کچھ جانتا ہے۔"

میں نے پچیس نمبر سے کہا "نیاز احمد کے دائیں طرف جو شخص کھڑا ہے۔ اس کا نام پال ہے۔ ہمارا اصل شکار وہی ہے۔ اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دو۔"

پچیس نمبر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "پال! تم سمجھتے ہو۔ میں تمہارے دماغ تک نہیں پہنچ سکا ہوں۔ اسی لیے تم گونگے بنے ہوئے ہو۔ یا تو تم زبان کھولو۔ ورنہ میں اپنے ہاتھ کھولتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ پال ایک طرف مڑ گیا۔ دوسری طرف میں نیاز احمد کے دماغ پر قابض ہو چکا تھا۔ نیاز احمد نے دوسری طرف سے اُس پر زبردست حملہ کیا۔ پال ڈگمگاتا ہوا پچیس نمبر کے پاس آیا۔ پھر وہ پھرتی سے پلٹ گیا اور دروازے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ پچیس نمبر بھی کم پھرتیلا نہیں تھا۔ اس نے چھلانگ لگا کر اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ پال اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔

تیسرا شخص نیاز احمد کا دوست تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ نیاز احمد نے پال پر حملہ کیا ہے تو اس نے بھی پال کی پٹائی شروع کر دی تینوں بے دردی سے اس کی مرمت کر رہے تھے۔ پچیس نمبر نے پوچھا "بولو تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

پال خاموشی سے پٹتا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ نیاز احمد اور اس کے ساتھی نے دونوں طرف سے پکڑ کر پال کو زمین پر گرا دیا اور پچیس نمبر نے دونوں ہاتھوں کا پورا زور لگا کر اس کا پیٹ دبانا شروع کیا۔ پال کے حلق سے "آنک۔۔۔ آہ۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔" کی آوازیں نکلیں۔ تو پچیس نمبر نے مجھ سے پوچھا "فرہاد صاحب! ان آوازوں سے کام چل جائے گا؟"

"نہیں اسے کچھ بولنے پر مجبور کرو۔"

وہ پال کی دونوں ٹانگوں کو دبا کر بیٹھ گیا اور اس کے تلوے سہلانے لگا۔ پال گدگدی سے بے حال ہو کر مچلنے لگا۔ اس کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن کوئی چھوٹا سا جملہ بھی اس کے منہ سے نہ نکل سکا۔ آخر پچیس نمبر زور سے اچھل کر اس کے پیٹ کے اوپر اپنے پورے وزن کے ساتھ گرا تو پال بے اختیار تکلیف کی شدت سے چیخا "اوہ، مائی گاڈ۔"

پچیس نمبر نے کہا "اب خدا یاد آیا کیوں فرہاد صاحب کام چل جائے گا؟"

"ہاں، میں اب اس کے دماغ میں پہنچ رہا ہوں۔ تم اس سے سوال کرو۔"

پچیس نمبر نے پوچھا "تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

اسے چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ فرش سے اٹھتا ہوا بولا "میں کسی کے لیے کام نہیں کر رہا ہوں۔ میں کسی کو نہیں جانتا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اسے دوڑا کر سامنے والی دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ تکلیف سے چیختے ہوئے پیچھے ہٹا۔ یوں لگا تھا جیسے اچانک ہی دیوار اس کے سامنے آگئی ہو۔ پھر میں نے اسے دوسری طرف پلٹا کر دوسری دیوار سے ٹکرایا۔ تب بھی اسے یہی لگا جیسے دوسری طرف کی دیوار اس پر آگئی ہو۔ وہ بدحواس ہو گیا تھا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیا ہو رہا ہے۔

دوسرے ہی لمحے اس پر پھر دورہ پڑا۔ وہ دیوار سے اپنا سر بار بار ٹکرانے لگا۔ یہاں تک کہ لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے کی طرف آکر کرسی پر گر پڑا۔ اب اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ سر اور چہرہ لہو سے تر تھا یوں لگ رہا تھا جیسے اب تب میں دم نکلنے والا ہو۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "باس! اوہ باس!"

اسکے کمزور دماغ میں باس کا تصور ابھرنے لگا۔ وہ اس کے متعلق سوچنے لگا۔ پتہ چلا کہ کبیر بیدل کی جگہ کوئی دوسرا مڈل مین آگیا تھا۔ وہ کون تھا، اس کا نام کیا تھا یہ بتانے سے پہلے ہی اس کا دماغ تاریک ہو گیا میں نے اس کے دماغ کو ٹٹولا مگر وہاں تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔

پچیس نمبر فوراً ہی دروازے کے پیچھے دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ کسی نے دروازے کے باہر سے پال کے سینے میں گولی اتار دی تھی۔ فائر کی آواز نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً سائلنسر استعمال کیا گیا تھا۔ میں نے نیاز احمد کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کیا کہ دروازے کے باہر کون ہے؟

اس کی سوچ نے جواب دیا "کسی کی جھلک تو نظر آئی تھی مگر شناخت سے قبل ہی وہ فائر کر کے غائب ہو گیا تھا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے باہر جا کر اسے تلاش کرنا چاہیے۔"

مگر وہ سہم کر سوچنے لگا "نہیں، میری جان اتنی سستی نہیں ہے میں خواہ مخواہ باہر جا کر قاتل کو کیوں تلاش کروں؟ اس کے پاس سائلنسر لگا ہوا ریوالور ہے۔"

میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اب وہ چپ چاپ باہر جا رہا تھا۔ باہر آکر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، بنگلے کے چاروں طرف چکر لگا کر تلاش کیا مگر وہ شخص کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے پچیس نمبر کے

دماغ میں پہنچ کر کہا "جس سے معلومات حاصل ہو سکتی تھیں وہ مارا گیا ہے اور اُسے مارنے والا آس پاس کہیں موجود نہیں ہے۔ تم وہاں سے نکل سکتے ہو۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا "فرہاد صاحب! ہم میں سے کوئی جو کسی مہم پر روانہ ہوتا ہے تو ہمارا کوئی ساتھی اس کا تعاقب ضرور کرتا ہے۔ چوبیس نمبر نے میرا تعاقب کیا تھا۔ اب وہ رسٹ واچ کے ذریعے مجھے سگنل دے رہا ہے۔ آپ فوراً بیس نمبر کے دماغ میں پہنچ جائیں۔"

"مجھے یاد نہیں ہے کہ بیس نمبر کون تھا۔"

"تھا نہیں جناب! تھی بلکہ ہے۔ آپ چوبیس نمبر تین سے رابطہ قائم کریں۔ وہ آپ کو بیس نمبر کی آواز کا کیسٹ سنا دے گی۔"

میں نے تین نمبر سے رابطہ قائم کر کے کہا "مجھے فوراً بیس نمبر کی آواز کا کیسٹ سناؤ میں اس کے دماغ میں پہنچنا چاہتا ہوں۔"

پانچ منٹ کے اندر میں کیسٹ کے ذریعہ اس کی آواز سن رہا تھا۔ چند فقرے سننے کے بعد میں نے کہا "بس کافی ہے۔ ریکارڈر بند کر دو۔"

میں بیس نمبر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک کار کی اگلی اور پچھلی سیٹ کے درمیانی حصے میں لیٹی ہوئی تھی۔ کار تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ میں نے کہا "ہیلو! بیس نمبر، میں فرہاد ہوں۔"

وہ سوچنے لگی "کیا واقعی فرہاد صاحب میرے دماغ میں موجود ہیں؟"

میں نے کہا "تم اس الجھن میں مت پڑو، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمہارے دماغ میں جو سوالات ابھریں خاموشی سے ان کے جواب سوچتی رہو۔ ہاں، یہ کار کس کی ہے؟"

اس کی سوچ نے بتایا "میں پچیس نمبر اور اس کے ساتھی کا تعاقب کرتے ہوئے اس بنگلے کے قریب پہنچی تھی۔ میرے سامنے بنگلے سے ذرا دور ایک کار آکر رکی۔ اس میں سے ایک شخص باہر آیا پہلے تو میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی لیکن جب وہ بنگلے کے احاطے میں پہنچ کر اپنے چہرے پر مفلر لپیٹنے لگا تو میں چوکنا ہو گئی اور اصول کے مطابق اپنے ساتھی کو اس کے حال پر چھوڑ کر نئے شکار کے پیچھے لگ گئی۔ میں نے اس کی کار کے پاس جا کر دیکھا۔ اس کا اگلا دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جانے والا جلد ہی واپس آنے گا میں نے دونوں سیٹوں کے درمیان ایک انڈیکیٹر چھپا کر رکھ دیا۔ اب یہ کار جہاں بھی جائے گی۔ انڈیکیٹر ہمیں اس کی سمت اور مقام کی اطلاع دیتا رہے گا۔ انڈیکیٹر رکھ کر میں باہر نکلنا چاہتی تھی کہ میں نے کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ وہ شخص توقع سے بہت پہلے واپس آگیا تھا۔ چنانچہ میں سیٹوں کے درمیان لیٹ گئی۔ وہ شخص دوڑتا ہوا آیا اور دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اب یہ کہاں جا رہا ہے میں معلوم نہیں کر سکتی۔"

میں نے پوچھا "اگر میں تم سے دماغی رابطہ قائم نہ کرتا تو تم کیا کرتیں؟"

"فرہاد صاحب! مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں نے کار میں انڈیکیٹر چھپا دیا ہے۔ ہمارا کوئی ساتھی کسی وقت بھی اس کار والے تک پہنچ جائے گا۔ رہ گئی میری بات تو میں یہاں سے بہ آسانی نکل سکتی ہوں لیکن اعلیٰ بی بی کے حکم کے مطابق ہم آپ سے مشورہ لیتے رہتے ہیں۔"

"اچھا تو ذرا مجھے نکل کر بتاؤ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس موقع پر تمہارا دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔"

"یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی بھلا اس کار سے نکلنا کوئی مشکل کام ہے۔ یہ لیجیے۔"

یہ کہتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بالوں کو بے ترتیب کر دیا۔ پھر اس کی آنکھوں کا کاجل پھیل گیا۔ لبوں کی لالی مسک گئی۔ اس نے لمبے لمبے ناخنوں سے اپنے چہرے اور گردن پر خراشیں ڈال لیں۔ کوئی جوان لڑکی اپنا چہرہ نہیں بگاڑتی۔ وہ بھی نادان نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر ماسک میک اپ تھا۔ لہٰذا اس کے ناخن اس کے چہرے کے ماسک پر خراشیں ڈال رہے تھے پھر اس نے اپنے بالوں میں سے ایک پِن نکال کر اپنے بدن کے ایک حصے میں چبھوئی۔ وہاں سے تھوڑا سا خون اُبل پڑا۔ اس نے اس خون کو اپنے چہرے اور گردن کی خراشوں پر مل دیا۔

میں اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے جگہ جگہ سے اپنا لباس اس طرح مہارت سے پھاڑا کہ کپڑا پھٹنے کی ذرا سی آواز نہ ہو سکی۔ اب وہ ایک ایسی تباہ حال لڑکی نظر آ رہی تھی جسے کسی نے بُری طرح لُوٹ لیا ہو۔

اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیں اور ہولے ہولے کراہنا شروع کر دیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ یقیناً کراہنے کی آواز ڈرائیو کرنے والے کے کانوں تک پہنچی تھی اس نے تیزی سے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں سیٹوں کے درمیان آنکھیں بند کیے یوں ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ جیسے بیہوشی کی حالت سے نکل کر ہوش میں آ رہی ہو۔ یہ صورتِ حال کار والے کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ صبح ہونے والی تھی مین روڈ پر اگر کسی کی نظر لڑکی پر پڑ جاتی تو اُسے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔ غالباً اسی خیال سے اس نے کار دوبارہ اسٹارٹ کر کے پوری رفتار سے دوڑانا شروع کر دی۔

بیس نمبر نے اس کے ٹھکانے پر پہنچنے کا انتظار کرنے کے بجائے ہسٹیریائی انداز میں چیخ ماری اور اٹھ کر چلانے لگی "نہیں، نہیں۔ مجھے چھوڑ دو۔ ذلیل! کمینے! مجھے چھوڑ دو۔ میں مر جاؤں گی مگر اپنی عزت پر

آنچ نہیں آنے دوں گی۔"

اس نے پھر ایک زور کی چیخ ماری۔ ڈرائیو کرنے والے نے بوکھلا کر سڑک کے کنارے گاڑی روک دی اور اس کی طرف پلٹ کر پوچھا: "اے تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟"

وہ ایک دم سے چپ ہو کر خالی خالی نظروں سے اسے تکنے لگی پھر بڑبڑانے کے انداز میں بولی: "تم ــــ تم کون ہو؟ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"یہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو اور میری کار میں کب اور کیسے آگھسی ہو؟"

وہ غصے سے کانپنے لگی، مٹھیاں بھینچ کر زور سے چیخی: "مجھ سے فراڈ کرتے ہو۔ تمھارے آدمیوں نے مجھے یہاں لا کر ڈال دیا ہے۔ میں ابھی چیخ چیخ کر لوگوں کو جمع کر لوں گی۔"

اس نے گڑگڑاتے ہوئے التجا کی: "فار گاڈ سیک۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں کوئی بُرا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے تمھارے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کیا۔ میری عزت رکھ لو۔ اس طرح چیخنے چلّانے سے ہم دونوں کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"اگر تمھیں اپنی عزت کا اتنا ڈر ہے تو مجھے جانے دو۔"

وہ جلدی سے بولا: "ہاں، ہاں ضرور جاؤ۔ میں تمھیں نہیں روکوں گا۔"

اس نے جلدی سے کار کا دروازہ کھول دیا۔ اس دوران میں نے بیس نمبر کے ذہن سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ لبرٹی مارکیٹ کے پاس ہے۔ میں نے یہ اطلاع چور نمبر تین کو دی۔ اس نے فوراً ہی بیس نمبر کے لیے گاڑی روانہ کر دی۔ اِدھر بیس نمبر نے اس سے کہا: "دروازہ نہ کھولو۔ میں اس حالت میں گاڑی سے باہر نہیں جا سکتی۔ مجھے اُدھر سامنے والے پارک کے پاس پہنچا دو۔ میں وہاں پہنچ کر کسی کی مدد حاصل کر لوں گی۔"

کار والا اسے پارک کے گیٹ کی طرف لے گیا۔ صبح کا وقت تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ گاڑی سے اُتر کر پارک میں چلی گئی۔ میں نے اس کے لیے گاڑی لانے والوں کو بتا دیا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر میں اس کار والے کے دماغ میں سما گیا۔

وہ گلبرگ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا نام ڈینی واٹسر تھا اور اس نام کی مناسبت سے ہی اس کا ذہن کام بھی کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ "شاید مجھے پھانسنے کے لیے اس لڑکی کو چارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس لڑکی کے دماغ میں بیٹھ کر کہیں فرہاد تو میرا تعاقب نہیں کر رہا تھا؟"

وہ بڑے ہی مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن میرے نام کی دہشت اس کے دل پر بھی طاری تھی۔ اس خیال سے اسے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ اس گھبراہٹ کو اہمیت نہیں دینا چاہتا تھا بلکہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو ذہنی طور پر آمادہ کر رہا تھا۔ اپنی قیام گاہ تک پہنچتے پہنچتے اس نے کئی بار اپنے دماغ میں مجھے محسوس کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے اپنی موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ اور وہ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا۔

ایک عمارت کے سامنے کے گیٹ پر اس نے گاڑی روکی تو دربان نے فوراً گیٹ کھول کر اسے اندر جانے کے لیے راستہ دے دیا۔ اس عمارت پر ایک غیر ملکی پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ ایک ملک کے سفارت خانے کی عمارت تھی اور وہ شخص اس سفارت خانے کا سیکرٹری تھا جو فی الوقت مڈل مین کی جگہ کام کر رہا تھا۔

میں اس کے ذہن کو کرید کرید کر معلومات حاصل کرتا رہا۔ یہ نیا مڈل مین بہت محتاط ہو کر کام کر رہا تھا۔ کبیر بیدل کا انجام اسے یاد تھا۔ اس لیے اب ڈینی واٹسر اپنی کوٹھی میں نہ تو کوئی ٹرانسمیٹر رکھتا تھا اور نہ ہی کوئی ایسا ثبوت جس سے وہ گرفت میں آسکے۔

میں انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل صمد ہمدانی صاحب کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بے چارے تمام رات جاگتے رہے تھے۔ دشمنوں نے مجھے ان کی حراست سے چھین لیا تھا چنانچہ اب ان پر افسرانِ بالا نے سوالات کی بوچھار کر رکھی تھی۔ انھیں نااہل قرار دے کر الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے فرہاد کو جان بوجھ کر فرار ہونے کا موقع دیا ہے۔

میں جب ان کے پاس پہنچا تو انھیں میری موجودگی کا یقین نہیں آیا۔ میں نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق انھیں یقین دلایا۔ تب انھوں نے کہا: "ہم تو بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ فرض ادا کرنے کے لیے آپ کو سرحد پار لے جانے کی کوشش کی لیکن نتیجے میں نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔"

میں نے کہا: "آپ پریشان نہ ہوں۔ جو لوگ مجھے آپ کے ذریعے سرحد پار کرانا چاہتے تھے۔ ہم انھیں اپنے ملک سے باہر نکال کر دم لیں گے۔ جس سفارت خانے کے مڈل مین کبیر بیدل نے یہاں تخریبی کارروائیاں شروع کی تھیں۔ انھوں نے دوسرا مڈل مین مقرر کر دیا ہے اور یہ نیا مڈل مین بہت محتاط ہے، اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنا آسان نہ ہوگا۔"

"پھر وہ کیسے گرفت میں آئے گا؟" ہمدانی صاحب نے پوچھا۔

"ہمدانی صاحب! دنیا کا کوئی بھی مجرم جب کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسی خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ بڑی کامیابی سے اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ یہی اطمینان اسے قانون کی گرفت میں پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت سفارت خانے کے سیکرٹری ڈینی واٹسر کے پاس ایک سائلنسر لگا ہوا ریوالور ہے۔ اس ریوالور کا لائسنس اس کے ہی نام پر ہے۔ کچھ دیر قبل اس نے اپنے سفارت خانے کے ایک شخص پال کو اسی ریوالور سے گولی مار کر ہلاک کیا ہے چنانچہ اسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جا سکتا ہے۔"

"وہ ریوالور اس وقت کہاں ہے؟"

"آپ وہاں سے روانہ ہوں میں بتا دوں گا۔"

"میں انٹیلی جنس کے چند ذمے دار افسران کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ آپ وزارتِ خارجہ کے سعید احمد صاحب اور دوسرے افسران کو مطلع کریں۔"

میں نے سعید احمد صاحب سے رابطہ قائم کر کے انھیں تاکید کی "آپ فوراً اعلیٰ افسران کو لے کر وہاں پہنچیں۔ ہمارے ملک کی انٹیلی جنس اور آپ جیسے افسران بڑے پیمانے پر ان کا محاسبہ کریں گے تبھی انھیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے۔" میں پھر ڈینی واٹسر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس نے ریوالور اپنی الماری میں چھپا رکھا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ اس کے جرم سے کوئی واقف نہیں ہے اور میں اس کے دماغ تک نہیں پہنچ سکا ہوں۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "مجھے عام مجرموں کی طرح مطمئن نہیں رہنا چاہیے۔ پتہ نہیں کس وقت کیا ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ دشمنوں نے مجھے اپنی نظر میں رکھا ہو اور کسی خاص موقع پر مجھے گرفت میں لینا چاہتے ہوں۔"

اس سوچ کے دماغ میں ابھرتے ہی اسے یہ بھی خیال آیا: "ہاں یوں مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ ریوالور الماری سے برآمد کیا جا سکتا ہے۔"

یہ خیال آتے ہی اس نے الماری کھول کر ریوالور نکال لیا۔ پال پر گولی چلاتے وقت وہ دستانے پہنے تھا۔ لیکن گھر آنے کے بعد اس نے دستانے اتار دیے تھے۔ اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں دستانے نہیں تھے۔ گو وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھا لیکن اسے اتنا اطمینان ضرور تھا کہ اس نے دستانوں کا خیال نہیں کیا اور ایک بڑے سے ریڈیو کو کھول کر اس میں ریوالور کو چھپا دیا۔

اب وہ پوری طرح مطمئن تھا کہ قانون کے رکھوالے اس ریوالور تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

میں نے صمد ہمدانی کے پاس پہنچ کر ریوالور کی نشاندہی کر دی۔ اس کے بعد دماغی طور پر اپنی خواب گاہ میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت دن کی روشنی اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ گھڑی میں چھ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔ پچیس منٹ کے بعد دشمن مجھے کوئی دھماکہ خیز خبر سنانے والا تھا۔ میں نے سوچا۔ ممکن ہے ڈینی واٹسر اس بارے میں کچھ جانتا ہو۔ یہ خیال آتے ہی میں پھر اس کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ کو ٹٹولنے لگا۔ معلوم ہوا کہ وہ عارضی طور پر مڈل مین کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اور اس کے سپرد صرف اتنا ہی کام تھا کہ وہ میری پناہ گاہ تلاش کر کے مجھے دوبارہ سرحد پار کرنے پر مجبور کرے۔ اس وقت تک اس کی کوٹھی کو پولیس نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ انٹیلی جنس اور وزارتِ خارجہ کے افسران اس کی کوٹھی کے اندر پہنچ گئے تھے۔ جب اتنے بڑے پیمانے پر انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر اس کے ہاں پہنچے تو وہ سمجھ گیا، خیریت نہیں ہے اسے کسی طرح پھانسا جا رہا ہے اس کا دھیان اپنے ریوالور کی طرف گیا۔ لیکن میں نے اس کی سوچ میں کہا: "انٹیلی جنس والے خواہ کتنے ہی چالاک ہوں۔ وہ اس ریڈیو کی طرف نہیں جائیں گے۔" چھاپہ مار ٹیم کے ساتھ ویڈیو کیمرے بھی تھے۔ جن سے ٹیم کے ارکان کے ایک ایک عمل کی فلم بندی کی جا رہی تھی۔ ڈینی واٹسر کے مسلسل انکار کے بعد انھوں نے اس کے بیڈ روم میں رکھے ہوئے ریڈیو سے ریوالور برآمد کر لیا۔ میں انھیں چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

سات بج چکے تھے۔ میں نے سب سے پہلے شاہینہ اور اس کے خاندان والوں کی خبر لی۔ وہ سب خیریت سے تھے۔ سونیا نے کہا: "تم فکر نہ کرو۔ یہاں سب خیریت ہے تم رسونتی کی خبر لو۔"

میں رسونتی کے پاس پہنچا تو مجھے اس کے دماغ کے دروازے کھلے ہوئے ملے۔ وہ بے ہوش تھی۔ میں نے اس کی بے ہوشی کا سبب جاننے کے لیے فوراً غلام کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی لیکن انتہائی کوشش کے باوجود مجھے اس کا دماغ نہیں مل سکا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ اب اس دنیا کے متحرک لوگوں میں شامل نہیں رہا۔ وہ لاش کی صورت میں کہیں ابدی نیند سو رہا ہے۔ میں سونیا کو اس کی اطلاع دینے کے لیے اس کے پاس واپس پہنچا تو وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ میں اس شخص کے دماغ میں جا پہنچا جو دوسری طرف سے بول رہا تھا۔ اسے بھی دشمنوں نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ وہ اپنے سامنے رکھا ہوا تحریری پیغام سونیا کو پڑھ کر سنا رہا تھا۔

وہ پڑھ رہا تھا: "مادام سونیا! ہمیں یقین ہے کہ مسٹر فرہاد سے آپ کا رابطہ ضرور قائم رہتا ہے آپ ہماری باتیں ان تک پہنچا دیں۔ ہم نے کہا تھا کہ ہم صبح سات بجے آپ کو ایک دھماکہ خیز اطلاع دیں گے۔ دیکھیے ہم اپنی زبان کے کس قدر پکے ہیں۔ ہم نے رسونتی کو اغوا کر لیا ہے اور اب اسے ایسی جگہ پہنچا دیے ہیں۔ جہاں پہنچنے میں فرہاد صاحب کی ٹیلی پیتھی کے بھی پر جل جائیں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس کوشش میں آپ کا وفادار غلام مارا گیا ہے۔ غلام سے ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ہم اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے لیکن مقابلے کے دوران جب گولیاں چلتی ہیں تو وہ دوست دشمن میں تمیز نہیں کر سکتیں۔ ایک ناواقف گولی جو غلام کو نہیں جانتی تھی اس کی زندگی چاٹ گئی۔ آپ فرہاد صاحب کو بتا دیں، رسونتی ان کے بچے کی ماں بننے تک ہماری حفاظت میں رہے گی۔ سنا ہے کہ کسی وِچ ڈاکٹر نے بیٹا پیدا ہونے کی پیش گوئی کی ہے۔ اگر ایسا ہوا

تو فرہاد صاحب کا بیٹا ہمارے پاس رہے گا اور ہم اپنے مزاج کے مطابق اس کی پرورش کریں گے۔ نتیجتاً بیٹا باپ کا دشمن بن کر جوان ہوگا۔ ہماری منصوبہ بندی بہت طویل ہے۔ بہرحال فی الحال تو رسونتی ہماری مہمان ہے۔

مادام سونیا! اب اگر آپ نے مسٹر فرہاد سے شادی کی تو ہم رسونتی کی لاش کا تحفہ آپ لوگوں کو پیش کریں گے۔ سامی تو ایک فراڈ تھی مگر رسونتی فراڈ نہیں ہے۔ فرہاد صاحب اس سے جلد ہی رابطہ قائم کرکے معلوم کرلیں گے۔ ابھی تو وہ بے ہوش ہے۔"

تحریر ختم ہوگئی۔ پڑھنے والے نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر رابطہ منقطع کردیا۔ میں نے سونیا سے کہا "میں سب کچھ سن چکا ہوں۔ ذرا دیر انتظار کرو میں ابھی آکر تم سے بات کروں گا۔"

میں اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جو سونیا کو وہ تحریر پڑھ کر سنا رہا تھا۔ معلوم ہوا اسے ایک اجنبی نے سونیا کا نمبر بتا کر فون پر یہ تحریر سنانے کے عوض ایک ہزار روپے کی پیش کش کی تھی۔ چند منٹ کے بے ضرر سے کام کا معاوضہ ایک ہزار مل رہا تھا اسے بھلا کیا انکار ہوسکتا تھا۔ اس نے ایک ٹیلیفون بوتھ سے سونیا کے نمبر ڈائل کیے اور رابطہ قائم ہونے کے بعد تحریر پڑھ کر سنادی۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ بوتھ سے باہر نکلا تو اس اجنبی کی کار غائب تھی۔ وہ جاچکا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں سوال ابھارا "اس کار کا نمبر کیا تھا؟"

وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا "بھلا مجھے کار کے نمبر سے کیا لینا ہے۔ وہ کوئی بھی تھا جہنم میں جائے۔ مجھے تو ایک ہزار روپے مل چکے ہیں۔"

میں نے اُسے بھی جہنم میں جانے کے لیے آزاد کردیا۔ اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ میں نے سونیا کے پاس آکر اسے ساری بات بتائی۔ اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔ "فرہاد! یہ کیا ہوگیا؟ مجھے شبہ تو تھا کہ شاید دشمن رسونتی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ یقین نہیں تھا کہ وہ اس پر اتنی آسانی سے قابو پالیں گے۔"

میں نے کہا "تمھیں اس لیے بھی یقین نہیں تھا کہ ہماری شادی میں جو رکاوٹیں کھڑی کی جارہی تھیں۔ اس کے سلسلے میں بھی ہم اسے شک کی نظر سے دیکھ رہے تھے لیکن اب یہ بات بھی صاف ہوگئی اگر رسونتی ہمارے ساتھ کوئی ہیرا پھیری کررہی ہوتی تو اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا جاتا۔ دشمن اسے اغوا کرکے یرغمال بنانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ سونیا، رسونتی پر ہم خواہ مخواہ ہی شبہ کرتے رہے!"

سونیا نے کسی قدر نادم ہوکر کہا "مجھے افسوس ہے۔ میں رسونتی سے معافی مانگ لوں گی لیکن اب وہ کس حال میں ہے۔ ذرا دیکھو، شاید اسے ہوش آگیا ہو!"

میں نے رسونتی کے دماغ میں جھانکا وہ ہنوز بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ غالباً اغوا کرنے والوں نے اسے طویل بے ہوشی کا انجکشن دیا تھا یا کوئی ایسی اذیت دی تھی جس کی وجہ سے بے ہوشی کا وقفہ طویل ہوگیا تھا۔

میں نے چو رمبر تین کو بُلا کر بتایا "دشمنوں نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ انھوں نے رسونتی کو اغوا کرلیا۔ وہ اسے اور میرے ہونے والے بچے کو اپنی تحویل میں رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ میرے لیے نہایت اذیت کی بات ہے اور دشمن کی طرف سے ایک کھلا چیلنج بھی۔"

میری بات سنتے ہی وہ میرے کمرے سے نکل کر اس کمرے میں پہنچی جہاں ٹرانسمیٹر وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو موجودہ حالات سے آگاہ کیا پھر وہ لوگ ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی سے رابطہ قائم کرنے لگے۔ میں سر جھکا کر دل ہی دل میں غلام کی موت کا ماتم کرنے لگا۔ وہ میرا بہت ہی پیارا بہت ہی وفادار ساتھی تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے دلیر اور ناقابلِ شکست انسان کو ایسے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بے شک اس دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے۔

تھوڑی دیر بعد میں نے چو رمبر تین کے دماغ میں جھانک کر دیکھا انھیں ٹرانسمیٹر کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ غلام کی بستی بالکل کھنڈر بن گئی ہے۔ غلام اور اس کے بہت سارے ساتھی مارے گئے ہیں۔ بے شمار جھونپڑیاں نذرِ آتش کردی گئی ہیں۔ وہاں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ تقریباً بیس منٹ تک مشین گنوں سے گولیاں برستی رہی تھیں اور دستی بموں کے دھماکوں سے زمین دہلتی رہی تھی۔ اب وہاں زخمیوں کی کراہوں اور زندہ بچنے والوں کی آہ و زاری کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔

میں نے نمبر تین سے پوچھا "رسونتی کو وہ لوگ کیسے لے گئے؟"

"یہ بات معلوم نہ ہوسکی۔ ان کی منصوبہ بندی میں کہیں جھول نہیں ملتا۔ غالباً انھوں نے غلام اور اس کے ساتھیوں کو جنگ میں اُلجھا کر رسونتی کی طرف سے غافل کردیا ہوگا۔ اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان کے کچھ آدمی رسونتی کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوں گے۔"

میرے سر میں درد ہونے لگا۔ میں نے کہا "مجھے کافی پلاؤ۔"

"ابھی حاضر کرتی ہوں۔ ویسے آپ پچھلی رات سے جاگ رہے ہیں۔ کب تک کافی پی پی کر نیند سے لڑتے رہیں گے۔ کچھ دیر آرام کریں۔"

"کیا ان حالات میں مجھے نیند آسکتی ہے؟ میں سکون کی نیند سوسکتا ہوں؟"

"نیند آ تو نہیں سکتی۔ لیکن آپ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنے دماغ کو پُرسکون رکھ سکتے ہیں۔ اگر ذرا دیر سولیں گے تو تازہ دم ہوکر حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔"

"دشمنوں کا دعویٰ تھا کہ وہ میرا سکون چھین لیں گے میری نیندیں اُڑادیں گے اور انھوں نے یہ سچ کر دکھایا۔ اب میری باری ہے۔ مجھے اس کا جواب دینا ہے۔ بس رسونتی کے ہوش میں آنے کا انتظار ہے۔"

میں چار گھنٹے تک رسونتی کی بے ہوشی ٹوٹنے کا انتظار کرتا رہا۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ میری بے چینی دم بدم بڑھتی جارہی تھی۔ دل کو کسی پہلو قرار نہ تھا کبھی اُٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا اور کبھی صوفے پر گر کر پہلو بدلنے لگتا۔ کبھی سونیا کے پاس پہنچتا تھا کبھی سعید صاحب اور ممتاز کے پاس۔ انھیں میرے حالات کا علم ہوا تو انھوں نے دلاسہ دیا کہ جس شرارت کے پیچھے کا محاسبہ کیا جارہا ہے ان سے رسونتی کے متعلق بھی معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔

یہ محض طفل تسلیاں تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے بہلانے کا ان کے پاس وہی تو ایک موثر ذریعہ تھی۔ وہ تھے کیسے ہاتھ سے جانے دیں گے۔ میری الجھن اور پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنی کم تری کا احساس ہو رہا تھا اور دشمن کے سامنے اپنے گھٹنے جھکتے محسوس ہو رہے تھے میں نے گڑگڑا کر اپنے رب سے التجا کی۔ "اے میرے خدا! میں ہزار علم و ہنر رکھنے کے باوجود تیرا محتاج بندہ ہوں۔ تو نے مجھے ہمیشہ سربلند رکھا ہے میرے مالک! اب بھی اس سر کی لاج رکھ لے۔ مجھے دشمن کے سامنے سرنگوں ہونے سے بچالے۔"

کچھ منٹ کے بعد رسونتی کو ہوش آگیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ایک پُرسکون کمرے کے آرام دہ بستر پر لیٹی تھی۔ اس کے دائیں بائیں چار نوجوان لڑکیاں نظر آئیں۔ سامنے پاؤں کی طرف دو جوان مرد تھے۔ وہ سب کے سب ہاتھ باندھے ادب سے کھڑے تھے۔ ان میں سے دو حبشی دو شیزائیں تھیں جو رسونتی کی پرانی خادمائیں تھیں۔ رسونتی ان پر بڑا اعتماد کرتی تھی۔

وہ آنکھیں کھولے اس نئے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی "میں کہاں آگئی ہوں۔ یہ میرا کاٹیج تو معلوم نہیں ہوتا۔ یہ تو کوئی بڑی شاہانہ خواب گاہ نظر آتی ہے۔"

اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر حبشی دوشیزائیں آگے بڑھیں۔ ایک پلنگ کے بائیں جانب دوزانو ہوگئی۔ دوسری دائیں جانب آکر کھڑی ہوگئی۔ دونوں نے ہاتھ سینے پر رکھے اور سانس روک کر آنکھیں بند کرلیں۔ رسونتی کا دماغ کہہ رہا تھا "یہ میری رازدار کنیزیں ہیں۔ بائیں طرف نماسی ہے اور دائیں طرف منجالی ہے۔ نماسی یوگا کے آسن میں ہے۔ مجھے اشارے سے سمجھا رہی ہے کہ میرے لیے بھی یوگا کا عمل لازمی ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی میرے دماغ میں ہو۔"

یہ سوچتے ہی رسونتی نے اپنی سانسیں روک لیں۔ میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ سے باہر نکل گئیں۔ میں نے پھر اس کے دماغ پر دستک دی۔ اس بار اس نے آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے پوچھا "فرہاد کیا یہ تم ہو؟"

"ہاں، میں ہی ہوں" میں نے جواب دیا۔

"تم کب سے میرے دماغ میں چھپے ہوئے تھے؟"

"میں ابھی آیا ہوں۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ نہ جانے تم نے میری کیسی کیسی سوچیں پڑھلی ہیں۔ تم اپنی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے؟"

"رسونتی! تم خواہ مخواہ ایک بے بنیاد بات پر بحث کررہی ہو۔ تمھیں اس بات کی فکر نہیں ہے کہ اپنے کاٹیج کے بجائے کسی اجنبی ماحول میں کیسے چلی آئی ہو؟ اور اب تک بے ہوش کیوں تھیں؟ کس نے تمھیں بے ہوش کیا تھا؟"

"میں جانتی ہوں۔ یہ دشمنوں کی مہربانی ہوگی۔ اس وقت میری جان کا اندیشہ بھی ہے۔ مگر بعض حالات میں عورت کی جان پر بن آئے تب بھی وہ اپنی حیا کے متعلق پہلے سوچتی ہے کہ اس کی کوئی شرمیلی سوچ مرد پر ظاہر نہ ہوگئی ہو۔"

"مجھے معلوم ہوتا کہ تم خواہ مخواہ الزام دوگی تو میں چپ چاپ تمھارے خیالات پڑھ لیتا۔ لیکن بُرا ہو منجالی کا۔ یہ منجالی اور نماسی کیا بلائیں ہیں۔ ان کے متعلق تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔"

"یہ میری رازدار اور وفادار کنیزیں ہیں۔"

"میرے پاس تمھارے لیے ایک بُری خبر ہے۔ غلام تمھاری حفاظت کا فرض ادا کرتے ہوئے مارا جاچکا ہے اور اب تم دشمن کی قید میں ہو۔"

وہ ایک دم سے سکتے میں رہ گئی۔ چند لمحوں تک خاموشی ہی اپنے تصور میں غلام کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا "کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"تم اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھو۔ تمھیں اس کی سوچ کی لہریں نہیں ملیں گی۔"

اس نے فوراً ہی اپنی سوچ کی لہروں کو غلام کی طرف موڑ دیا۔ مگر وہ بھٹکتی رہیں غلام انھیں نہ مل سکا۔ پھر اس نے نڈھال ہوکر کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ دنیا میں نہیں ہے۔ یہ کیا ہوگیا فرہاد؟ وہ کیسے مارا گیا۔ کس نے اسے قتل کیا؟"

"انھوں نے قتل کیا ہے۔ جو تمھیں اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں۔"

اس نے سر گھما کر ادھر اُدھر دیکھا اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے منجالی کو دیکھ کر افریقہ کی سواحلی زبان میں کچھ کہا۔ اسے یہ زبان بولتے سن کر مجھے حیرانی نہیں ہوئی۔ میں جانتا تھا۔ وہ غلام سے یہ زبان سیکھتی رہی تھی۔ اس کا دماغ اس کا ترجمہ بھی پیش کررہا تھا۔ وہ منجالی سے پوچھ رہی تھی "ہم کہاں آگئے ہیں۔ یہ کون سی جگہ ہے؟"

مخالی کے جواب کا مفہوم بھی میں رسونتی کے دماغ سے ہی سمجھا۔ وہ کہہ رہی تھی ہو مالکہ! آپ کو انجکشن کے ذریعے بیہوش کر دیا گیا تھا۔ یہ ہمیں ساتھ نہیں لا رہے تھے لیکن ہم دونوں آپ سے لپٹ گئیں۔ ہم نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ ہمارے سوا کسی کی خدمت گزاری قبول نہیں کریں گی۔ ہم آپ کے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے غرض کہ ایک ایک اشارے کو سمجھتے ہیں۔ اگر ہمیں ساتھ نہ لے گئے تو ہماری مالکہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے تم لوگوں کو کبھی سکون سے نہیں رہنے دیں گی۔ یہ سن کر وہ ہمیں بھی ساتھ لے آئے۔"

رسونتی نے پوچھا: "یہ لوگ ہمیں اغوا کرنے میں کامیاب کیسے ہو گئے۔ کیا غلام کے مسلح جوانوں نے ان کا راستہ نہیں روکا؟"

"مالکہ! بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی تھی۔ بڑی تباہی مچی۔ بے شمار سازو سامان جل کر راکھ ہو گئے۔ ان گنت عورتیں، مرد اور بچے مارے گئے۔ اسی افراتفری میں یہ لوگ آپ کو اسٹریچر پر ڈال کر ایک دین کے ذریعے نکال لائے۔ کافی دور آ کر ہمیں ایک ہیلی کاپٹر میں منتقل کر دیا گیا۔ اس ہیلی کاپٹر نے ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ کون سی جگہ ہے ہمیں نہیں معلوم۔ یہاں آنے سے پہلے ہماری آنکھوں پہ پٹیاں باندھ دی گئی تھیں۔"

رسونتی نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے جوانوں کو دیکھا۔ وہ ادب سے ہاتھ باندھے گویا کسی حکم کے منتظر کھڑے تھے۔ اس نے پوچھا۔ "تم کون ہو اور ہمیں کہاں لے آئے ہو؟"

ایک جوان نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "مادام! ہم آپ کے خدمت گار ہیں۔ جو حکم دیں گی۔ اس کی تعمیل کریں گے لیکن جس بات کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ اس کے لیے آپ مجبور نہ کریں۔"

"تم میری اس بات کا جواب کیوں نہیں دے سکتے؟"

"آپ ہماری مالکہ ہیں لیکن ہمارے لیے آپ سے بھی برتر ہمارے آقا ہیں۔ ان کا حکم ہے کہ ہم اس ملک یا اس علاقے کا نام زبان پہ نہ لائیں۔ جہاں یہ عمارت ہے۔"

اس کی بات سنتے ہی میں نے اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی۔ اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔ میری سوچ کی لہریں واپس آ گئیں۔ میں حیران رہ گیا۔ وہ یوگا کا ماہر تھا۔ اس نے کہا: "مادام! آپ اپنی سوچ کی لہریں ہمارے دماغ تک پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم زبانی بات چیت کریں گے سوچ کے ذریعے کوئی بات نہیں ہو گی۔"

رسونتی نے حیرانی سے پوچھا: "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

میں نے فوراً ہی رسونتی سے کہا: "میں نے اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تھی مگر یہ دونوں یوگا کے ماہر ہیں اور سانس روک کر سوچ کی لہروں کو واپس کر دیتے ہیں۔"

دوسرے نوجوان نے کہا۔ "مادام! فرہاد علی تیمور کے بچے کی ولادت اسی جگہ ہو گی خواہ اس میں کتنا ہی عرصہ لگے۔ آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔ ہم آپ کے لیے دنیا کی ہر آسائش مہیا کر دیں گے اور آپ کو وقت گزارنے کا احساس تک نہ ہو سکے گا۔"

وہ غصے سے بولی: "میں یہاں قیدی بن کر نہیں رہ سکتی۔ ہونے والے بچے کی صحت اور سلامتی کے لیے میرا کھلی فضا میں رہنا بے حد ضروری ہے۔"

دوسرے نوجوان نے کہا: "آپ قیدی نہیں ہیں۔ آپ پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ آپ یہاں سے باہر نکل کر کھلی فضا میں جہاں تک جانا چاہیں، چہل قدمی کے لیے جا سکتی ہیں۔ آپ کا راستہ کوئی نہیں روکے گا۔"

اسی وقت ایک دوشیزہ بڑی سی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹرے میں دودھ سے بھرا ہوا لمبا سا جگ اور تازہ پھل رکھے تھے۔ ایک نوجوان نے کہا: "آپ دودھ اور پھل استعمال کریں۔ اس سے آپ کی کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جائے گی۔"

وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا: "ان کے مشورے پر عمل کرو۔ پھل کھاؤ، دودھ پیو اور چہل قدمی کے بہانے آس پاس کے ماحول کو دیکھو۔ ہم سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔"

اس نے میرے مشورے پر عمل کیا۔ کھانے کے دوران میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر اسے رسونتی کے بارے میں بتایا۔ میں سونیا کے پاس سے واپس آیا تو رسونتی بستر سے اٹھ کر اپنی رازدار کنیزوں کے ہمراہ آہستہ آہستہ چلتی، خوابگاہ سے باہر نکل رہی تھی۔ اس کے آگے دونوں جوان چل رہے تھے۔ پیچھے دوسری دو دوشیزائیں تھیں۔

وہ اپنی حیثیت کا تعین نہیں کر سکی تھی کہ آیا وہ قیدی کی حیثیت سے ان کے درمیان چل رہی تھی یا مالکہ کی شان سے اپنے خدام اور خادماؤں کے جلو میں چہل قدمی کے لیے جا رہی تھی۔ باہر ہر طرف ہریالی تھی۔ سامنے ایک بہت بڑی جھیل نظر آئی۔ جھیل کے اس پار اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ میں نے کہا: "اطمینان سے ٹہلنے کے انداز میں عمارت کے چاروں طرف چکر لگا کر دیکھو کہ دوسری طرف کیا ہے۔"

وہ اسی طرح ٹہلتے ہوئے عمارت کے پیچھے چلی گئی۔ یہاں بھی دور دور تک ہریالی نظر آ رہی تھی۔ رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ خوش رنگ پرندے درختوں کی شاخوں پر بیٹھے اور ادھر ادھر پرواز کرتے ہوئے اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ آبی پرندے بھی نظر آ رہے تھے وہاں مختلف رنگ اور نسل کے پرندوں کی اتنی کثرت تھی کہ کسی چڑیا گھر کا گماں ہوتا تھا۔

میں نے کہا: "رسونتی! یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ یہاں جنگل ہے۔ جھیل ہے۔ پہاڑ ہیں۔ ہریالی ہے۔ رنگا رنگ پھول اور طرح طرح کے پرندے ہیں مگر دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا ہے۔"

رسونتی نے کہا: "عمارت کے گیٹ کے پاس کیبن کے اندر میں نے دو مسلح محافظوں کو دیکھا ہے۔ دو نوجوان میرے ساتھ ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں صرف چار مرد اور پانچ عورتیں ہیں۔ ایک میں خود، دوسری مخالی، تیسری ممباسی، باقی دو لڑکیاں میرے لیے اجنبی ہیں۔"

میں نے کہا: "اس حساب سے ان دونوں لڑکیوں کو ملا کر دشمنوں کی تعداد چھ ہے اور تم تین ہو۔ تم جسمانی مشقت یا بھاگ دوڑ نہیں کر سکتیں۔ وہ تینوں ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنی حفاظت کر سکتی ہو لیکن وہاں بھی یوگا کے ماہر ہیں۔ ان پر تمہاری ٹیلی پیتھی کارگر نہیں ہو سکتی۔ رہ گئیں تمہاری رازدار کنیزیں، تو یہ تمہارے لیے کیا کر سکتی ہیں؟"

"یہ میری بہت ہی وفادار ہیں۔ میرے ساتھ ہر طرح کا دکھ سہہ سکتی ہیں۔ میرے ساتھ مصائب سے گزر سکتی ہیں مگر ان میں کوئی اتنی قابل ذکر صلاحیت نہیں ہے جو دشمنوں کے خلاف استعمال کی جا سکے ویسے تم ان کے دماغ پر قابض ہو کر ان سے کوئی کام لے سکتے ہو۔"

"میں ان سے کیا کام لے سکتا ہوں۔ یہ صرف اپنی مادری زبان میں تم سے بات کرتی ہیں۔ ان سے کہو، انگریزی میں گفتگو کریں۔"

رسونتی نے ان سے کہا: "تم دونوں انگریزی زبان میں گفتگو کرو۔ فرہاد تمہارے دماغوں میں جگہ بنانا چاہتے ہیں۔"

وہ چہل قدمی کرتے ہوئے انگریزی زبان میں باتیں کرنے لگیں۔ میں نے پہلے مخالی اور پھر ممباسی کے دماغ کو آئینہ بنایا۔ وہ آس پاس کے ماحول کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ عمارت کے چاروں طرف دور تک حاطہ بندی کی گئی تھی۔ احاطے کی دیواریں مضبوط آہنی تار کانٹوں کی تھیں۔ وہ تار کانٹے ایک دوسرے سے اس طرح الجھے ہوئے تھے کہ ان کے درمیان سے گزرنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

دونوں نوجوان، رسونتی سے ذرا فاصلے پر چل رہے تھے۔ رسونتی نے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام جیفر ہے اور یہ میرا ساتھی ایڈی ہے۔ ان دو لڑکیوں میں سے جس نے سرخ رنگ کا گاؤن پہنا ہے اس کا نام روزا ہے دوسری نیلے لباس والی سارنیکا ہے۔"

ایڈی نے کہا: "میں اور جیفر تل ابیب سے آئے ہیں سارنیکا کا تعلق انڈیا سے ہے اور روزا اٹلی سے آئی ہے۔ باہر مین گیٹ کی چوکی کے دونوں مسلح گارڈ گونگے ہیں۔ نہ تو بول سکتے ہیں نہ ہماری بات سمجھ سکتے ہیں انھیں حکم ہے کہ رات کے وقت ہم میں سے کسی کو احاطے کے باہر نہ جانے دیں۔"

رسونتی نے پوچھا: "رات کے لیے ہی یہ پابندی کیوں لگائی گئی ہے؟"

"اس لیے کہ یہاں جنگلی جانور، شیر اور چیتے بھی ہیں۔ دن کی روشنی میں ان سے زیادہ خطرہ نہیں ہے۔ آپ احاطے کے باہر جھیل کے کنارے تک بے خوف جا سکتی ہیں مگر رات کو ڈر کے مارے آپ ادھر بھی ہمت نہ کر سکیں گی۔"

رسونتی نے میرے کہنے کے مطابق اس سے سوال کیا: "کیا ہم یہاں اتنے ہی ہیں جتنے نظر آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں، ان سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں راشن محدود ہے۔ یہاں سے میلوں دور تک کوئی انسانی آبادی نہیں ہے کسی انسان سے کوئی خطرہ نہیں ہے صرف جنگلی درندے ہیں۔ ان کے لیے ہمارے دو مسلح محافظ کافی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ سے یا آپ کی کنیزوں سے جسمانی مقابلے کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کی یا فرہاد صاحب کی ٹیلی پیتھی ہم پر کارگر نہیں ہو سکے گی لہٰذا یہاں فوج رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

رسونتی نے سوال کیا: "اگر یہاں راشن محدود ہے تو ہم لوگ زیادہ عرصے یہاں کس طرح رہ سکیں گے؟"

"ہر ہفتے ہیلی کاپٹر کے ذریعے ہمارے آدمی راشن اور دوسری ضروریات کا سامان ہمیں پہنچاتے رہیں گے۔"

سارنیکا نے کہا: "مادام میں ہندوستانی ہوں اور مجھے خاص طور سے آپ کی خدمت کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں آپ کے لیے ہندوستانی کھانے پکا سکوں۔ آپ حکم دیں اس وقت کیا کھانا پسند کریں گی؟"

رسونتی نے کہا: "اپنے دیس کا ہر کھانا مجھے پسند ہے۔ اس وقت بارہ بجنے والے ہیں۔ ٹھیک دو بجے میں کھانے کی میز پر پہنچوں گی۔"

سارنیکا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر کو جھکایا اور وہاں سے کچن کی طرف چلی گئی۔ میں نے رسونتی کی زبان سے سوال کیا: "اس وقت میری گھڑی میں بارہ بجنے میں دو منٹ ہیں۔ اس علاقہ میں کیا وقت ہوا ہے؟"

جیفر نے مسکرا کر کہا: "ہمیں افسوس ہے ہم اس ملک کے مطابق آپ کو وقت نہیں بتا سکیں گے۔ ہماری گھڑی میں بھی وہی وقت ہوا ہے جو آپ کی گھڑی میں ہے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے عمارت کے اندر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ڈرائنگ روم بھی قیمتی سازوسامان سے آراستہ تھا۔ عمارت کا ہر کمرہ اس طرح آراستہ کیا گیا تھا کہ رسونتی ایک قیدی کے بجائے خود کو کسی شاہی محل میں زندگی گزارنے والی شہزادی تصور کرتی رہے۔ میں نے کہا: "تم ان لوگوں کو اس طرح اپنی باتوں میں الجھانے کی کوشش کرو کہ بے خیالی میں کسی وقت یہ اس مقام کے بارے میں بتا دیں۔"

رسونتی نے روزا سے پوچھا: "مس روزا! تمہیں کس مقصد کے لیے میرے پاس رکھا گیا ہے؟"

"مادام! میں لیڈی ڈاکٹر ہوں آپ کی صحت کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ بچے کی ولادت کے وقت میں ہی آپ کی خدمت کروں گی۔"

رسونتی نے جیفر سے پوچھا: "تمہارا یہاں کیا کام ہے؟"

اس نے جواب دیا "میں اور ایڈی آپ کے محافظ ہیں۔ ہم دونوں بہترین فائٹر ہیں۔ ہمارے نشانے اتنے سچے ہیں کہ گھری تاریکی میں آواز کی سمت کا تعین کر کے گولی یا خنجر سے صحیح نشانہ لے سکتے ہیں۔ ایک بار کے سوا ہم نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔"

ایڈی نے کہا "آپ یہاں بیٹھ کر اطمینان سے مسٹر فرہاد سے رابطہ قائم کر کے انھیں بتائیں کہ آپ کو ایسی جگہ پہنچا دیا گیا ہے جہاں ان کی ٹیلی پیتھی بھی راہ بھول جائے گی۔ اس بھول بھلیاں سے گزرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ آپ کو یہاں سے لے جانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے ہم آپ کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ فرہاد صاحب سے کہیں کہ وہ ہم سے دوستی کر لیں اور ہماری دوستی صرف ایک صورت میں قائم ہو سکتی ہے وہ یہ کہ مسٹر فرہاد سونیا سے شادی کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔"

رسونتی نے کہا "اس وقت فرہاد ہمارے درمیان موجود ہیں۔ یہ بہت اچھا موقع ہے۔ میں ان کی غلط فہمی دور کر سکتی ہوں۔ تم لوگ جانتے کس مقصد کے لیے ان کی اور سونیا کی شادی روکنا چاہتے ہو، انھیں شبہ ہے کہ میں سونیا کو ان کی بیوی بننے سے روک رہی ہوں کیا تم لوگ اپنا مقصد بتا کر فرہاد کی غلط فہمی دور کر سکتے ہو؟"

"مجھے افسوس ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔"

رسونتی نے کہا "تمھارے آقا مجھے دوست رکھنا چاہتے ہیں اور مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تو ان سے کہو فرہاد کے دل سے میرے خلاف شبہ نکال دیں۔"

"ہم آپ کی یہ خواہش اپنے سربراہ تک پہنچا دیں گے ہمیں امید ہے کہ وہ آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے فرہاد صاحب پر اپنا مقصد واضح کر دیں گے۔ لیکن اس کے لیے کچھ انتظار کرنا ہوگا۔"

رسونتی نے مجھ سے پوچھا "کیوں فرہاد! کیا تم اپنی غلط فہمی دور نہیں کرو گے جس کی وجہ سے سونیا مجھے تمھاری نظروں سے گرا رہی ہے؟"

"سونیا کو ایسا نہ سمجھو۔ نہ وہ کچھ کر رہی ہے۔ نہ تم میری نظروں سے کبھی گر سکتی ہو۔ ہم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور محبت میں کبھی کبھی غلط فہمیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ غلط فہمی دور ہو جائے تو بات ختم ہو جاتی ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے اٹھتے ہی جیفر، ایڈی اور روزا بھی کھڑے ہو گئے۔ رسونتی نے پوچھا "کیا تم لوگ ہمیشہ میرے آس پاس منڈلاتے رہا کرو گے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ حکم دیں ہم دور ہو جائیں گے، اور آپ جب بھی بلائیں گی حاضر ہو جائیں گے۔"

"میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ تم لوگ جا سکتے ہو۔"

وہ منجالی اور مماسی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر اس نے مجھ سے کہا "فرہاد! تم بھی جاؤ۔ مجھے آرام کرنے دو۔ میں اپنے دماغ کے دروازے بند کر رہی ہوں۔"

"ٹھہرو۔ میری ایک بات سن لو۔ سارنگا نسبہ ہندوستانی لڑکی ہے۔ تمھارے دھرم سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ تم سے متاثر ہو گئی ہے تم اس سے دوستی کرو اور اسے اپنے اعتماد میں لو۔ اس کے ذریعے ہمیں پتہ چل جائے گا کہ تم کس ملک میں ہو اور وہ کون سا علاقہ ہے۔"

"میں کوشش کروں گی اور کچھ؟"

"بس کچھ نہیں، میں جا رہا ہوں۔"

رسونتی نے سانس روک کر اپنے دماغ کے دروازے بند کر لیے۔ میں وہاں سے نکل کر منجالی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ منجالی نے چونک کر رسونتی کی طرف دیکھا اور سوچ کے ذریعے پوچھا۔

"مادام! کیا آپ میرے دماغ میں ہیں؟"

رسونتی کی سوچ سنائی دی "ہاں، میں تمھارے دماغ میں موجود ہوں۔ اب واپس جا رہی ہوں۔ تم محسوس کرو۔ کیا فرہاد تمھارے دماغ میں موجود ہے؟"

رسونتی کی سوچ خاموش ہو گئی۔ میں نے منجالی کے دماغ میں دیکھا رسونتی نے اب آنکھیں کھول دی تھیں اور مماسی سے کہہ رہی تھی کہ وہ فرش پر بیٹھ کر اس کے پاؤں کو ہولے ہولے دبائے۔

ادھر منجالی اپنے دماغ میں مجھے محسوس کر رہی تھی۔ اس نے چپکے سے کہا "فرہاد صاحب! آپ میرے پاس ہیں۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں دیکھیے۔ اس وقت مادام رسونتی مماسی سے محو گفتگو ہیں۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اتنی سی التجا کرتی ہوں کہ رسونتی کے علم میں آئے بغیر آپ بعد میں مجھ سے دماغی رابطہ قائم کریں۔ آپ کی معلومات اور دلچسپی کے لیے صرف اتنا کہہ دوں کہ میں اعلیٰ بی بی ہوں۔ بس اب آپ چلے جائیں۔"

میں حیرت اور مسرت کی ملی جلی کیفیت کا ایسا شکار ہوا کہ اس کے دماغ سے نکلنے کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ آنکھیں کھول کر رسونتی سے بولی "مادام! میں فرہاد صاحب کو محسوس نہیں کر رہی ہوں۔"

رسونتی نے منجالی اور مماسی کو سنانے کے لیے زبان سے کہا "فرہاد! اگر تم مماسی کے دماغ میں موجود ہو تو چلے جاؤ۔ عورتوں کے درمیان رہنا اچھی بات نہیں ہے۔"

رسونتی کو مماسی سے مخاطب پا کر منجالی نے سوچ کے ذریعے مجھ سے کہا "آپ ابھی تک میرے دماغ میں موجود ہیں پلیز چلے جائیں

اگر آپ کی سوچ نے ذرا بھی کچھ کہا تو مادام آپ کی موجودگی سمجھ لیں گی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ رسونتی پہلے ہی خاموش ہو گئی تھی۔ رسونتی کی سوچ سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "منجالی جب بھی تم کسی اجنبی سوچ کی لہروں کو محسوس کرو تو فوراً مجھے بتا دینا۔"

"میں ضرور بتاؤں گی لیکن ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں؟"

"پوچھو؟"

"نہ فرہاد صاحب آپ کے خلاف ہیں نہ آپ فرہاد صاحب کے خلاف ہیں پھر آپ ان کی خیال خوانی پر معترض کیوں ہیں؟"

"محض اس لیے کہ عورتیں تنہائی میں بعض اوقات کچھ ایسی باتیں کر جاتی ہیں جن کا کسی مرد کے علم میں آنا مناسب نہیں خواہ وہ شوہر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم یہ بات پسند کر سکتی ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "آپ درست کہتی ہیں، میں جیسے ہی محسوس کروں گی آپ کو بتا دوں گی۔"

"مجھے تم سے یہی امید ہے۔ میں کوئی خاص بات کرتے وقت اسی لیے مماسی کو ہٹا دیتی ہوں کہ یہ سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کر سکتی۔ مقصد یہی ہے کہ ہماری تنہائی میں کوئی مخل نہ ہو۔ جب تمھاری شادی ہو گی تب تمھیں میری باتوں کا اندازہ ہوگا۔"

منجالی نے زہریلے انداز میں ہنستے ہوئے کہا "میں آپ کو بتا چکی ہوں میرے قبیلے کے رسم و رواج نے مجھے عورت نہیں زہریلی ناگن بنا دیا ہے۔"

رسونتی نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں، ہمارے ہاں بھی قدیم ہندوستان کے سپیروں میں یہ رسم تھی۔ وہ بھی اپنی کسی ایک لڑکی کو وش کنیا بنا کر رکھتے تھے۔ وش کنیا یعنی ہونا یعنی تمھاری جیسی زہریلی لڑکی۔"

منجالی نے کہا "دنیا کے جس حصے میں بھی یہ رسم چلی آ رہی ہے۔ ان سب کا طریقہ کار یکساں ہی ہے۔ نوزائیدہ لڑکی کی خوراک میں تھوڑا تھوڑا زہر شامل کر کے اسے زہر کا عادی بنا دیا جاتا ہے۔ شباب کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لڑکی ناگن بن چکی ہوتی ہے۔"

رسونتی نے مسکرا کر کہا "میں تمھیں بہت پسند کرتی ہوں تمھیں دیکھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ تم کس قدر زہریلی ناگن ہو۔ تمھارا رنگ کالا ضرور ہے مگر تم حبشی عورتوں کی طرح بدصورت نہیں ہو تمھارے چہرے میں بڑی دلکشی ہے۔"

منجالی نے کہا "میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ فرہاد صاحب سے میری حقیقت کیوں چھپانا چاہتی ہیں؟"

"بس یونہی، میں جس انداز میں اپنے ہونے والے بچے کی پرورش کرنا چاہتی ہوں۔ فرہاد شاید اسے پسند نہ کریں اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ کسی دن اچانک ان کے سامنے اپنے بچے کے زہریلے ہونے کا انکشاف کر کے انھیں حیران کر دوں۔"

یہ سنتے ہی میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ میں فوراً ہی منجالی کے دماغ سے نکل کر اپنی خواب گاہ میں واپس آ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے کی دیوار کو تکنے لگا۔

میرے ذہن میں ایک ہی سوال بار بار سر ابھار رہا تھا کیا رسونتی نے میرے بچے کو زہریلا بنانے کے لیے اپنی خوراک میں زہر شامل کرنا شروع کر دیا ہے؟ کیا یہ مناسب ہے کہ میرا بچہ انسان کے بجائے ایک زہریلا سانپ بن جائے۔ نہیں انسان کو انسان ہی رہنا چاہیے۔

اب یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ رسونتی میرے لیے اپنے دماغ کے دروازے کیوں بند رکھتی ہے۔ مجھے بغیر اجازت اپنی سوچیں پڑھنے کا موقع کیوں نہیں دیتی۔ وہ میرے بچے کی پرورش اپنے طرز پر کرنا چاہتی تھی۔ منجالی اس کی رازدار کنیز تھی۔ اسے یقین تھا کہ میں منجالی کے دماغ میں پہنچوں گا تو وہ محسوس کر لے گی اور رسونتی کو میری موجودگی سے آگاہ کر دے گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔ وہ میری بھلائی کے لیے میری امداد کے لیے میرے چاہنے والوں کو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اعلیٰ بی بی کا رسونتی کے پاس پہنچنا میرے لیے تائید غیبی سے کم نہ تھا۔ یہ بات کہ اعلیٰ بی بی منجالی بن کر اس تک کس طرح پہنچی بعد میں بھی معلوم کی جا سکتی تھی۔ اس وقت تو میں اپنے ہونے والے بچے کے لیے فکرمند تھا۔

خیال آیا کہ رسونتی سے رابطہ قائم کر کے اسے صاف صاف سنا دوں کہ بچے کی پرورش میری مرضی اور میرے مزاج کے مطابق ہو گی اس نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس سے باز آ جائے ورنہ میں اسے سخت سزا دوں گا۔ اگر وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے میری سزا سے بچ بھی گئی تو ہمیشہ کے لیے میری محبت سے محروم ہو جائے گی۔

میں رسونتی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا مگر میرے دماغ نے میری رہنمائی کرتے ہوئے سمجھایا کہ یہ جذباتی فیصلے کرنے کا وقت نہیں ہے۔ کچھ عرصے اور صبر کرنا چاہیے۔ اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کر کے اسے رسونتی کا ساتھ دینے سے منع کر دیا جائے تو وہ ایسے خوفناک کام میں اس کی مدد نہیں کرے گی۔

مزید گفتگو سننے کے لیے میں پھر چپکے سے منجالی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ رسونتی کی خواب گاہ سے نکل کر دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے اپنے دماغ میں مجھے محسوس کرتے ہی کہا "مادام! کیا آپ میرے دماغ میں موجود ہیں؟"

رسونتی کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا میں پھر بھی خاموش رہا مجھے خدشہ تھا کہ رسونتی بھی میری طرح دماغ میں چھپ کر دھوکا دے رہی ہو۔"

رسونتی کی جانب سے کوئی جواب نہ پا کر منجالی پریشان ہو گئی۔ اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ اس کے دماغ میں رسونتی

ہے پائیں۔

وہ چند لمحے الجھتی رہی، پھر مسکرا کر سوچ کے ذریعے بولی۔

"مادام! آپ مجھے کئی بار آزما چکی ہیں۔ گو میں یوگا کے آرٹ میں مہارت نہیں رکھتی ہوں۔ مگر میرا دماغ اور مزاج زہریلے سانپ کی طرح ہے۔ اپنے دماغ میں کوئی بھی غیر معمولی بات میں فوراً محسوس کر لیتی ہوں۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

سوچ کے ذریعے رسونتی کو مخاطب کرتے ہوئے وہ اپنے مخصوص خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ دروازہ بند کر کے گہری گہری سانسیں لے کر وہ کمرے میں کچھ سونگھنے لگی۔ غالباً وہ بُو کے ذریعے کسی دوسرے شخص کی کمرے میں موجودگی کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ پھر اس نے مطمئن انداز میں سانس لے کر سوچا "کمرے میں میرے سوا کوئی شخص موجود نہیں ہے۔" اس کے بعد وہ رسونتی کے بارے میں سوچنے لگی۔ "کیا مادام رسونتی اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی ہیں یا یوگا کی مشق میں مصروف ہیں؟"

اس کے ساتھ ہی اس نے چونک کر رسونتی کو مخاطب کیا۔ "مادام! ہیلو مادام! میرے دماغ میں کوئی پرائی سوچ آپ کے متعلق سوال ابھار رہی ہے۔ یقیناً فرہاد صاحب میرے دماغ میں ہیں۔ میں آپ کو رپورٹ دے رہی ہوں۔ آپ سن رہی ہیں نا؟"

اب بھی رسونتی کی طرف سے اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ مسکرا کر بولی "ہیلو فرہاد صاحب! میں نے اطمینان کر لیا ہے۔ مادام یہاں نہیں ہیں۔ صرف آپ میرے دماغ میں موجود ہیں۔"

میں نے کہا "میں تمھاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔ رسونتی اگر موجود ہوتی تو یقیناً میری موجودگی پر معترض ہو کر مجھے چلے جانے کے لیے کہتی۔ واقعی اعلیٰ بی بی اور چالیس چوروں کی پوری ٹیم ذہانت میں بے مثال ہے۔"

"آپ تعریف میں وقت ضائع نہ کریں۔ ابھی مختصر سی بات سن کر چلے جائیں۔ آپ کا میرے دماغ میں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میری ساری پلاننگ خاک میں مل جائے گی۔ آج رات میں مادام رسونتی سے کہوں گی کہ مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔ وہ مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے سُلا دیں۔ وہ مجھے سُلا کر میری طرف سے مطمئن ہو جائیں گی۔ اس کے بعد آپ مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے بیدار کریں پھر اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ صرف اتنا بتا دو کہ کیا میرے بچے کو زہر پلانے کے لیے تم رسونتی کی مدد کر رہی ہو؟"

"نہیں فرہاد صاحب! ہم کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔ میں نے مادام رسونتی کو یونہی خوش فہمی میں بتلا رکھا ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

میں نے خیال خوانی ختم کر کے ایک بھرپور سی انگڑائی لی اور خوش ہو کر بستر پر گر پڑا۔ بعض عورتیں چاہتی ہیں کہ ان کی اولاد باپ کے نقشِ قدم پر چلنے کے بجائے ماں کے مزاج اور ماں کی خواہشوں کے مطابق پرورش پائے۔ رسونتی بھی یہی چاہتی تھی۔ وہ کئی بار کہہ چکی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو بچپن ہی سے یوگا کی مشق کرائے گی اور ٹیلی پیتھی کا علم دے گی۔ غلام کا خیال تھا کہ وہ اسے بہترین قائد بنائے گا۔ افسوس کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا لیکن رسونتی نے مجھ سے یہ بات چھپائے رکھی کہ وہ اپنے بیٹے کو زہر پلانا چاہتی ہے تاکہ وہ دنیا کا ایک ناقابلِ شکست اور غیر معمولی انسان بن کر اُبھرے۔

پتہ نہیں، رسونتی کے اور کیا کیا عزائم ہوں گے جنھیں وہ مجھ سے چھپا رہی تھی اور جن کا علم منجالی کو بھی نہیں ہوا تھا۔ کاش میرے پیدا ہونے والے بچے کی حفاظت کے لیے منجالی، اعلیٰ بی بی کی حیثیت سے یا اعلیٰ بی بی منجالی کی حیثیت سے موجود تھی۔

میں نے سونیا سے رابطہ قائم کر کے اسے مختصر طور پر یہاں کے تمام حالات بتائے لیکن یہ نہیں بتایا کہ منجالی اس دنیا میں اعلیٰ بی بی کا رول ادا کر رہی ہے اور یہ بھی نہیں بتایا کہ رسونتی ہمارے بچے کو زہریلا بنانے کے سلسلے میں انتہا پسندی کی آخری حد تک پہنچ گئی ہے۔ میں سونیا سے کوئی بات نہیں چھپاتا لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ رسونتی اس کے دماغ سے یہ باتیں معلوم کر سکتی تھی۔ سونیا مجھ سے حالات پر بحث کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے مشورہ دیا "تم پچھلی رات سے جاگ رہی ہو۔ بہتر ہے پہلے نیند پوری کر لو۔ اس کے بعد ہم باتیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں سونے جا رہی ہوں۔ مگر یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے مجھے زنگ لگ رہا ہے۔ خاموش تماشائی بن کر رہنا میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں اب میدانِ عمل میں آنا چاہتی ہوں۔ میرے لیے کچھ سوچو ورنہ میں خود ہی دشمنوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دوں گی۔"

"اچھا ابھی تو سو جاؤ۔ بعد میں بات کریں گے۔"

دروازے پر دستک سن کر میں نے کہا "آجاؤ۔"

چور منبرتین دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا "آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟ ہم سب یہ انتظار کر رہے ہیں کہ آپ سو کر اٹھیں گے تو دوپہر کا کھانا کھائیں گے۔ اس وقت شام کے پانچ بجے ہیں۔"

میں اب تک خیال خوانی میں مصروف رہا ہوں۔ یہ مصروفیت مجھے بھوک، پیاس اور نیند کا احساس ہی نہیں ہونے دیتی۔ تم نے یاد دلایا ہے تو اب بھوک کا احساس ہو رہا ہے۔ چلو۔"

میں نے اس کے ساتھ خواب گاہ سے باہر آتے ہوئے اسے رسونتی اور منجالی کے متعلق بتایا۔ ہم باتیں کرتے ہوئے ڈائننگ روم میں پہنچ کر ایک میز کے اطراف بیٹھ چکے تھے۔ منجالی کا نام سنتے ہی منبرتین اچھل کر کھڑی ہو گئی اور خوش ہو کر بولی "کیا منجالی زندہ ہے اور یہاں ہے؟"

"ہاں، میں اس سے دماغی رابطہ قائم کر چکا ہوں۔"

"اوہ فرہاد صاحب! ہمارے ہاں کے روٹین بورڈ میں اسے مردہ قرار دے دیا گیا ہے۔"

"یہ روٹین بورڈ کیا چیز ہے؟"

"آپ نے ہمارا وہ کمرہ دیکھا ہے جہاں ٹرانسمیٹر وغیرہ ہیں۔ وہیں ایک بورڈ بنا ہوا ہے۔ اس میں اعلیٰ بی بی کے علاوہ چالیس چوروں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور ہر چور کے نمبر کے ساتھ یہ لکھا ہوا ہے کہ کون کس ملک میں ہے اور اس کے سپرد کیا ذمہ داریاں ہیں۔ منجالی کا نام غلام کی اس بستی میں لکھا ہوا تھا۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ وہ بستی بالکل ہی تباہ ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگ مارے گئے ہیں تو ہم نے سمجھ لیا منجالی بھی ختم ہو چکی ہے کیونکہ پچھلی رات سے اب تک کوشش کے باوجود اس سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔"

"رابطہ کیسے قائم ہوتا وہ رسونتی کے ساتھ کسی ایسی جگہ پہنچا دی گئی ہے جہاں دور دور تک ہرے بھرے جنگل اور چند دشمنوں کے علاوہ کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ منجالی کے پاس تم لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس کا مجھ سے دماغی رابطہ قائم ہو گیا۔"

کھانے کے دوران منبرتین نے اپنے ایک ساتھی چور کو بلا کر کہا "منجالی زندہ ہے۔ فرہاد صاحب کا اس سے دماغی رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ یہ بات اعلیٰ بی بی تک پہنچا دو اور روٹین بورڈ پر اسے پھر سے زندہ کر دو۔"

کھانے سے فارغ ہو کر میں اپنی خواب گاہ میں آیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ان حالات میں نیند کا آنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن دشمنوں سے مقابلے کے لیے تازہ دم رہنا بھی بے حد ضروری تھا چنانچہ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی اور چند لمحے بعد ہی گہری نیند میں ڈوب گیا۔ سونیا نے درست کہا تھا کہ اسے زنگ لگ رہا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا ہم دونوں کے مزاج کے خلاف تھا۔ رات دس بجے میری آنکھ کھلی تو میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ وہ بھی اسی وقت بیدار ہوئی تھی۔ اس نے پوچھا "آپ کا کیا خیال ہے؟ رسونتی کو آزادی دلانے کے لیے کوئی منصوبہ بنایا؟"

"جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ رسونتی کس ملک یا کس مقام پر ہے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں پہلے اس جگہ کا سراغ لگانا ہوگا۔"

"مگر سراغ کیسے لگایا جائے گا؟"

"فی الحال تو دشمن نے ہمیں بالکل ہی بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی نام و نشان یا راہ بھی نہیں چھوڑا ہے کہ صحیح سمت ہی متعین کر سکیں۔ میں رسونتی سے رابطہ قائم کروں۔ شاید کوئی نئی بات معلوم ہو سکے۔"

میں نے سوچا رسونتی سے رابطہ قائم کرنے کے بجائے منجالی کے دماغ میں پہنچوں۔ مگر فوراً ہی عقل آگئی۔ دماغ نے سمجھایا ابھی میں سونیا سے باتیں کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے رسونتی سونیا کے دماغ میں موجود ہو۔ اب اگر میں نے سونیا کے مشورے کے مطابق رسونتی سے رابطہ قائم نہیں کیا تو اسے شبہ ہو جائے گا۔ اور وہ میری تلاش میں منجالی کے دماغ تک پہنچ گئی تو سب تدبیریں الٹ جائیں گی۔ لہٰذا میں نے منجالی کے بجائے رسونتی کے دماغ پر دستک دی۔ اس نے پوچھا "کہاں تھے اتنی دیر سے؟"

"میں ذرا تازہ دم ہونے کے لیے کچھ دیر سو گیا تھا۔ تمھیں اس جگہ کے بارے میں کوئی نئی بات معلوم ہوئی؟"

"کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ میں بھی سونا چاہتی تھی لیکن نئی جگہ کی وجہ سے نیند نہیں آئی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی تو سو سکتی ہو۔"

"سو تو سکتی تھی۔ مگر اس لیے نہیں سوئی کہ شاید یہاں کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہو جائے۔ نیند زیادہ ستائے گی تو سو جاؤں گی۔"

اپنی خواب گاہ کے دروازے پر دستک سن کر رسونتی نے فوراً سانس روک کر میری سوچ کی لہروں کو واپس کر دیا۔ میں اس کی حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ ذرا دیر بعد اس نے میرے دماغ کے دروازے پر دستک دی: "برا نہ ماننا میں نے منجالی کو ایک اہم بات کرنے کے لیے اپنے پاس بلایا ہے۔ اس بات کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں آدھے گھنٹے بعد تم سے رابطہ قائم کروں گی۔"

میں نے جھلا کر کہا: "آخر تمھاری ایسی کون سی بات ہے جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے؟"

"تم تو ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے ہو۔ میرے پیٹ میں تکلیف ہو رہی تھی میں نے منجالی کو مالش کے لیے بلایا ہے۔"

"یہ بھی کوئی چھپانے کی بات ہے؟"

"نہ ہو۔ لیکن اتنی تنی سی بات کا بتانا بھی کیا ضروری ہے؟ سونیا نے تمھارے ذہن میں شک کا بیج ڈال دیا ہے اسی لیے تم میرے ہر عمل کو شک کی نظر سے دیکھنے لگے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ تم سونیا کی جانب سے ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو۔ بہرحال اب جاؤ۔ پہلے مالش کراؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ خدا حافظ۔"

وہ میرے دماغ سے رخصت ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں منجالی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اسی وقت رسونتی کی سوچ سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "منجالی! اگر تم اپنے دماغ میں فرہاد کی سوچ کو محسوس کرو تو اسے بتا دینا کہ تم اس وقت میری خدمت کر رہی ہو۔ وہ واپس چلا جائے۔"

"جی بہتر ہے۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ منجالی اپنے دماغ میں مجھے محسوس کر رہی تھی لیکن یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ رسونتی ہے یا میں ہوں۔ اس نے رسونتی سے کہا: "مادام میں اپنے دماغ میں کسی کو محسوس کر رہی ہوں۔ اگر یہ آپ نہیں ہیں تو فرہاد صاحب سے میری درخواست ہے کہ وہ اس وقت میرے دماغ سے چلے جائیں۔ میں مادام کی خدمت میں مصروف ہوں۔"

وہ خاموش ہو کر رسونتی کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ مگر رسونتی کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ یقیناً اس کے دماغ سے چلی گئی تھی۔ اس دوران میں نے منجالی کی سوچ سے معلوم کر لیا تھا کہ وہ رسونتی سے دور اپنی خواب گاہ میں ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ رسونتی نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ منجالی سے مالش کرا رہی ہے۔

منجالی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کہا: "مادام! میرے دماغ میں بے چینی سی ہے۔ کہہ دیجیے کہ آپ موجود ہیں۔ آخر آپ خاموش کیوں ہیں؟"

رسونتی کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ میں ایک لمحے کے لیے اس کے دماغ سے نکل کر پھر اس کے پاس پہنچا اور اس کے ذہن میں یہ خیال ابھارا کہ کیا ابھی ایک لمحے کے لیے میرے دماغ سے اجنبی سوچ کی لہریں نکل گئی تھیں؟

اس کی سوچ نے کہا: "ہاں، ایسا ہوا تھا ایک لمحے قبل میرا ذہن پرائی سوچ سے خالی ہو گیا تھا۔"

تب میں نے کہا: "منجالی! مطمئن رہو اب صرف میں ہی تمہارے دماغ میں موجود ہوں۔ میں تمہارے دماغ سے یہی معلوم کرنے کے لیے نکلا تھا کہ وہاں اب رسونتی کی سوچ تو موجود نہیں ہے۔ میرے نکلنے کے بعد تمہارا دماغ پرائی سوچ سے خالی ہو گیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اب یہاں میرے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔"

منجالی نے جواب دیا: "یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت مادام موجود نہیں ہے لیکن وہ اچانک کسی وقت بھی آ سکتی ہیں۔ اگر انہیں ذرا بھی یہ شبہ ہو گیا کہ میں ان کے ساتھ رہ کر آپ کے مفادات کی حفاظت کر رہی ہوں تو ہماری تمام تدبیریں بے کار ہو جائیں گی۔ احتیاط بہت ضروری ہے۔ جب تک مادام مجھتی رہیں آپ مجھے مخاطب کرنے کی غلطی نہ کریں۔ خاموشی سے ہماری باتیں سن کر واپس چلے جایا کریں۔"

وہ سوچنے کے انداز میں بڑبڑانے لگی: "میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں میرے دماغ میں اجنبی تصورات ابھرتے رہتے ہیں۔ میں کیسے معلوم کروں کہ کس وقت کون آیا ہے۔ مادام کا حکم ہے کہ جب تک وہ خود نہ بلائیں میں اپنی خواب گاہ سے بھی باہر نہ نکلوں۔"

میں نے پوچھا: "کیا وقت ہوا ہو گا؟"

"وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا: "ذرا دیر پہلے شام کی دم توڑتی ہوئی روشنی تھی اور اب تاریکی چھا گئی ہے۔"

میں نے نمبر تین کو بلا کر کہا: "منجالی نے بتایا ہے کہ جس علاقے میں انہیں رکھا گیا ہے وہاں رات شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے جبکہ ہمارے ہاں ساڑھے دس بجے ہیں۔ تم یہ معلوم کرو کہ زمین کے کس خطے میں ابھی شب کا آغاز ہوا ہے؟"

نمبر تین نے کہا: "میرا خیال ہے اس طرح بھی ہم صحیح جگہ تو معلوم نہیں کر سکیں گے۔ ایسے کئی ممالک ہوں گے جہاں گھنٹے آدھ گھنٹے کے فرق سے رات کا آغاز ہوا ہو گا۔"

"ہم یہ تو معلوم کر ہی لیں گے کہ وہ لوگ زمین کے کس حصے میں ہیں۔ پھر وہاں کی پیداوار، درختوں، جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں کے بارے میں معلوم کرنے سے مقام کا بھی پتہ چل ہی جائے گا۔"

نمبر تین چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں رسونتی کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہی تھی؟ اس نے مجھ سے مالش کرانے کا بہانہ کیوں کیا تھا جبکہ منجالی کے لیے اس نے کمرے سے باہر نکلنے پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ ایسا کیوں کیا تھا؟ وہ کیا کر رہی تھی؟ کیا وہ منجالی سے بھی چھپ کر کوئی کام کر رہی تھی۔

یہ عورت رفتہ رفتہ میرے لیے معمہ بنتی جا رہی تھی۔ میری شریکِ حیات اور شریکِ راز ہونے کے باوجود مجھے اپنا ہمراز بنانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی وفاداری شک و شبے سے بالا تھی۔ وہ میرے خلاف سازش کرے گی یہ بات میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے بچے کو زہریلا بنانے کے بارے میں جو فیصلہ کیا تھا اس سے بھی اس کی نیت کا کھوٹ ثابت نہیں ہوتا تھا۔ اس عمل کے پیچھے صرف یہی جذبہ کارفرما تھا کہ وہ بچے کو غیر معمولی بنا کر مجھے حیران کرنا چاہتی تھی۔ اسے مجھ پر اتنا اعتماد تھا کہ میں اگر اس کے اس عمل سے ناراض بھی ہوا تو مجھے منا کر اپنا ہم خیال بنا لے گی۔ عورت کو ناقص العقل اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی عقلمندی کے زعم میں دوسروں سے چھپا کر کوئی کارنامہ انجام دینا چاہتی ہے اور بعد میں اس کے نتائج پر پچھتاتی ہے۔

میں نے ممباسی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا پتہ چلا کہ وہ بھی اپنی خواب گاہ میں بند بیٹھی ہے۔ اسے بھی رسونتی نے یہی حکم دیا ہے کہ جب تک اسے بلایا نہ جائے وہ اپنے کمرے سے نہ نکلے۔ اب اگر میں رسونتی سے کہتا کہ تم نے ممباسی پر پابندی کیوں لگائی تو جواب یہی ملتا کہ وہ منجالی سے مالش کرا رہی تھی اس لیے ممباسی کو الگ رکھا تھا۔

میں اس سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں منجالی کے دماغ میں بھی جھانک چکا ہوں۔ بڑی مجبوری تھی۔ وہ میری لاعلمی میں کچھ کر رہی تھی اور میں صبر و تحمل سے نتیجہ ظاہر ہونے تک اپنی بے خبری کا اظہار کرتے رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے یہ فیصلہ کر کے خیال خوانی کا

سلسلہ منقطع کر دیا کہ رات کو رسونتی کے سونے کے بعد منجالی سے تفصیلی گفتگو کروں گا۔

میں اپنی خواب گاہ سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا جو نمبر تین اور اس کے ساتھی مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا: "یہاں قیدیوں کی طرح بند ہو کر بیٹھے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے۔ اب میں باہر نکلنا چاہتا ہوں۔"

پچیس نمبر نے کہا: "جناب باہر نکلنے سے قبل آپ کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہاں موجود آپ کے دشمن گھات لگائے تو نہیں بیٹھے ہیں۔ اور افرانِ بالا کا رویہ آپ کے سلسلے میں تبدیل ہوا یا نہیں۔"

اس کا مشورہ معقول تھا — میں سعید صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کے دماغ کو کریدنے سے معلوم ہوا کہ شام کو وہ میرے بارے میں معلوم کرنے شاہینہ کی کوٹھی گئے تھے۔ اس وقت سونیا سو رہی تھی اور کسی کو میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔

میں نے انہیں مخاطب کیا تو وہ چونک کر بولے: "بھئی تم کہاں چلے جاتے ہو میں سارا دن تمہارا انتظار کرتا رہا۔"

"جی ہاں، آپ میرا انتظار کرتے کرتے سلمیٰ بیگم کے گھر بھی پہنچ گئے تھے۔"

انھوں نے جھینپ کر کہا: "کام کی بات کرو۔ تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے کہ وزارتِ خارجہ نے ڈینی وائنز کے سفارت خانے کو نوٹس دے دیا ہے کہ وہ یہ ملک چھوڑ دیں۔ ان سے سفارتی تعلقات ختم کیے جا رہے ہیں۔ آئندہ غیر ملکی جاسوس، سیکرٹ ایجنٹ اور باہر سے آنے والے تخریب کار اس سفارت خانے کے زیرِ سایہ ہمارے ملک میں کوئی گڑبڑ نہیں کر سکیں گے۔"

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"ایک اور خوشخبری سنو۔ کل صبح تک ہم تمہارے لیے پاکستانی شہریت کا اجازت نامہ حاصل کر لیں گے پھر تمہیں یہاں رہنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"یہ تو اور زیادہ خوشی کی بات ہے میں بیزار ہو کر اپنی پناہ گاہ بدلنے ہی والا تھا۔ آپ سے بروقت رابطہ قائم ہو گیا۔"

انھوں نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا: "فرہاد! اب تم جلد ہی کوئی خوشخبری سناؤ۔ میں بہت بے چین ہوں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔ کیا خیال ہے منگنی کی رسم ادا کر دی جائے؟"

"تم مذاق نہ اڑاؤ تو ایک بات کہوں۔"

"میں مذاق نہیں اڑاؤں گا۔"

"ایسا انتظام کرو کہ جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والی بات ہو جائے۔"

میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا: "واہ بہت خوب۔ میں نے آپ کا مذاق نہ اڑانے کا وعدہ کیا ہے لیکن آپ وعدہ خلافی پر مجبور کر رہے ہیں۔ بھئی وہ ایک معزز گھرانے کے لوگ ہیں۔ اتنی جلدی شادی بیاہ کے نہ تو انتظامات ہو سکتے ہیں اور نہ ہی وہ راضی ہوں گے مانا کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہو چکے ہیں مگر اس کے علاوہ بھی کچھ باتیں سمجھنے والی ہوتی ہیں۔ فی الحال بس ملاقاتوں پر اکتفا کرتے رہیں اس سے محبت کی چنگاری کو ہوا ملتی رہتی ہے۔"

"نصیحتیں چھوڑو اور میرا کام کر دو۔ اب تو یہاں سے تمہارے تقریباً تمام ہی دشمنوں کا صفایا ہو چکا ہے۔ تمہارے یہاں قیام کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اب تم اطمینان سے میرے مسئلے کی طرف توجہ دے سکو گے۔"

"کاش ایسا ہی ہوتا۔ تقدیر مجھے اور مجھ سے وابستہ لوگوں کو اطمینان کا سانس کبھی نہیں لینے دیتی۔ مفصل گفتگو ملاقات ہونے پر ہو گی۔ بہرحال میں آپ کے مسئلے میں بھی کچھ کروں گا۔ اچھا خدا حافظ۔" میں نے دماغی طور پر چوروں کے درمیان حاضر ہو کر کہا: "میک اپ اتارنے کا سامان لے آؤ۔ اب میں اپنے اصلی روپ میں رہوں گا۔ مجھے اپنے ملک میں رہنے کا حق دیا جا رہا ہے۔"

ایک شخص اٹھ کر سامان لینے چلا گیا۔ دوسرے نے پوچھا: "اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"کہیں نہیں۔ بس کچھ دور چہل قدمی کر کے واپس آ جاؤں گا۔"

نمبر تین نے کہا: "ہم نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ ہمارے ہاں جب رات کے ساڑھے دس بجتے ہیں تو دنیا کے کس خطے میں رات کی ابتدا ہوتی ہے۔ کون کون سے ممالک اس میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔" اس نے میرے سامنے دنیا کا نقشہ پھیلا کر بتانا شروع کیا: "یہ دیکھیے افریقہ کا مشرقی حصہ، پورٹ الزبتھ، موزمبیق، تنزانیہ، کینیا، ایتھوپیا، لیبیا، مصر، اسرائیل، لبنان، ترکی اور روس کا وسیع تر مغربی حصہ۔ جس میں لینن گراڈ شامل ہے۔ ہمیں اس پورے خطے کو کھنگالنا ہو گا۔ مادام رسونتی اور منجالی یہیں کہیں موجود ہیں۔"

میں نے ذرا دیر سوچنے کے بعد کہا: "ہمیں تنزانیہ کو اہمیت دینی چاہیے۔ غلام نے دارالسلام کے مضافاتی علاقے میں بستی بسائی تھی۔ جو لوگ رسونتی کو لے گئے ہیں انھوں نے اپنی سہولت کا بھی خیال رکھا ہو گا اور کم سے کم فاصلہ طے کرنے کے لیے انھوں نے آس پاس کا کوئی علاقہ منتخب کیا ہو گا۔"

"آپ اس خطے کے موسم اور مناظر کے بارے میں معلوم کریں؟"

"میں رسونتی اور منجالی سے اس کے بارے میں معلوم کرتا رہا ہوں وہاں کا موسم گرم ہے۔ شام کو ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا چلتی ہے۔ چنانچہ ترکی کا شمالی حصہ اور روس کا برفانی علاقہ خارج ہی سمجھو۔ اب تم دوسرے علاقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ میں میک اپ اتار کر غسل کرنا چاہتا ہوں۔"

میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر واپس آیا تو نمبر تین نے کہا: "کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر ہی کہیں جائیے۔"

میں اس کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھ گیا۔ کھانے کے دوران میں نے پوچھا: "مرجانہ کے بارے میں بھی کوئی اطلاع ملی؟"

"اعلیٰ بی بی، مرجانہ کی طرف سے غافل نہیں ہوں گی۔ شاید اس سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے اگر ہوتی تو وہ آپ کو ضرور اطلاع دیتیں۔"

"میں سامی کے متعلق بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آئندہ یہ ضرور پوچھنا کہ سامی سے اعلیٰ بی بی کی ملاقات کہاں ہوئی تھی اور اس نے سامی کا خون کہاں اور کیسے حاصل کیا تھا۔ بہت سے سوالات ابھی جواب طلب ہیں۔"

کھانے کے بعد میں کوٹھی سے باہر آیا تو پورچ میں ایک خوبصورت کار کھڑی دیکھ کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ چبیس نمبر نے کہا: "ہمارے آدمی آپ کے آگے پیچھے کچھ فاصلے سے موجود رہیں گے۔ آپ اطمینان سے جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔"

"تم لوگ یہ جانتے ہو کہ ضرورت کے وقت میں ٹیلی پیتھی کے ذریعہ رابطہ قائم کر سکتا ہوں تو آگے پیچھے محافظوں کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی بات ہوئی تو میں اطلاع دے دوں گا۔"

میں دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو نمبر تین نے مجھے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا: "آپ جیسے خوبرو اور اسمارٹ شخص کو اس وقت کسی حسین ساتھی کے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔"

میں نے نمبر تین کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ اعلیٰ بی بی کے روپ میں حسن کا بے مثال نمونہ تھی۔ میں نے کہا: "تمہاری موجودگی سے یہ کمی بھی پوری ہو سکتی ہے۔"

"آپ حکم دیں تو میں آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"میرے لیے یہ ایک اعزاز سے کم نہیں ہوگا۔ مگر اس وقت میرے لیے تمہارا یہاں رہ کر رسونتی اور سنجالی کی اقامت گاہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا زیادہ اہم ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی: "جو حکم، میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آہستہ آہستہ کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل گیا۔ چاروں طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں نے ایک کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا اور مخصوص رفتار سے ڈرائیو کرتا ہوا راوی کی طرف بڑھنے لگا۔ چاندنی میں راوی کا منظر بڑا ہی رومان پرور ہوتا ہے۔

اس وقت اگر سونیا میرے ساتھ ہوتی تو لطف آ جاتا لیکن دشمنوں کو ہماری رفاقت منظور نہیں تھی۔ سونیا کی بات میرے دماغ میں چبھنے لگی۔ یہ حرکتیں رسونتی کی ہیں۔ وہ اپنی سوتن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ بظاہر دوست رہتے ہوئے عقب سے دشمنوں کی طرح وار کر رہی ہے۔

میں نے فوراً ہی اپنے دماغ سے یہ خیال جھٹک دیا۔ رسونتی کے سونے تک وقت گزاری کے لیے تفریح کرنے نکلا تھا چونکہ اس کے سونے کے بعد سنجالی سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔ اس وقت تک میں کسی کے بارے میں سوچنا یا خیال خوانی کرنا نہیں چاہتا تھا۔

میں کنٹونمنٹ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص نے بیچ راستے پر کھڑے ہو کر دور سے گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ چاندنی رات کی ویرانی اور سناٹا تھا۔ ایسے میں کسی کو لفٹ دے کر میں کسی نئی مصیبت یا پریشانی کو دعوت نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ میں نے اسے نظر انداز کر کے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اور اس کے قریب سے گزر گیا۔

کچھ ہی دور چلا تھا کہ دو حسین رکاوٹیں راستے میں حائل ہو گئیں۔ وہ سڑک کے دونوں طرف کھڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے جن کا رُخ میری گاڑی کی طرف تھا۔ انداز ایسا ہی تھا کہ میں نے گاڑی نہیں روکی تو وہ فائر کر دیں گی۔

میں نے ان سے ذرا دور گاڑی روک دی۔ وہ تیزی سے گاڑی کی طرف لپکیں۔ ایک کے جسم پر شلوار قمیص تھی اور اس نے دوپٹے سے اپنا آدھا چہرہ ڈاکوؤں کی طرح چھپا رکھا تھا۔ دوسری پتلون اور بنیان پہنے ہوئے تھی۔ اس نے اسکارف سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ دونوں کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں چھوٹے بریف کیس تھے کار کے قریب آ کر ایک نے پچھلے دروازے کو کھولا۔ دوسری میرے پاس کھڑے ہو کر ریوالور دکھاتے ہوئے بولی: "خبردار تم وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔"

میں نے کہا: "دنیا کا ہر فرمانبردار مرد وہی کرتا ہے جو عورت کہتی ہے۔ تم اپنے انداز اور آواز سے عورت نہیں دوشیزہ معلوم ہوتی ہو۔ ویسے مارنے کے لیے ریوالور کیا ضروری ہے۔ چہرے سے نقاب ہٹا دو۔ خود ہی مر جاؤں گا۔"

میرا فلیٹ ہیٹ پیشانی تک جھکا ہوا تھا۔ چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ دوسرے گاڑی کے اندر تاریکی تھی۔ پیچھے بیٹھنے والی نے میری گردن سے ریوالور کی نال لگا کر کہا: "ہم تمہیں جلوہ بھی ضرور دکھائیں گے مگر موت کا۔"

میرے پاس کھڑی ہوئی لڑکی گھوم کر پچھلی سیٹ کی طرف جانے لگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "اچھا تو تم نے بھی مجھے اپنی ترنم آواز سنا ہی دی۔"

پیچھے والی نے کہا: "آواز سنانے سے کیا ہوتا ہے۔ تم کوئی فرہاد علی تیمور تو ہو نہیں کہ ٹیلی پیتھی سے ہمارے ریوالور ناکارہ کر دو۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ اسی وقت وہ شخص

آیا جس نے پہلے میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی بریف کیس تھا۔ اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور میرے برابر بیٹھ گیا۔ میں اتنی دیر میں پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کے خیالات پڑھ کر معلوم کر چکا تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے راوی روڈ پر جہاں کہو گی پہنچا دوں گا۔"

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اس کا ریوالور والا ہاتھ کانپ گیا۔ وہ ایک دم سے چونک کر بولی: "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم راوی روڈ جانا چاہتے ہیں؟"

میں نے کہا: "مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ میں نے تو یہ بات اس لیے کہی ہے کہ میں خود ادھر ہی جا رہا ہوں۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ میں نے گاڑی کو دوسری سڑک پر موڑتے ہوئے کہا: "اچھی بات ہے۔ میں لمبے راستے سے راوی روڈ جاؤں گا۔ اس دوران تم دونوں اطمینان سے لباس تبدیل کر لو۔ میں پیچھے نہیں دیکھوں گا۔"

دوسری لڑکی نے حیرانی سے کہا: "ہائیں، یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ یہ باتیں تو میں نے ابھی تم سے کہنے کے لیے سوچی ہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے تم نے میرے خیالات پڑھ کر یہ بات کہی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "خیالات پڑھنا تو فرہاد علی تیمور کا کام ہے۔ میں تو خود تمہاری لائن کا آدمی ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی واردات کرنے کے بعد اپنی شناخت مٹانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ تجربے اور جرائم کی دنیا کے اصولوں کے مطابق کہا ہے۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟"

"اچھا تو پھر میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔ تم پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔"

دوسری لڑکی نے کہا: "دیکھے گا تو گولی مار دوں گی تم اطمینان سے اپنا کام کرو۔"

وہ خاموش ہو کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ میں باری باری ان تینوں کے دماغوں کو ٹٹولنے لگا۔ وہ دونوں لڑکیاں سگی بہنیں تھیں اور ان کے ساتھ والا شخص ان کا باپ تھا۔ جو لڑکی لباس تبدیل کر رہی تھی اس کا نام نازیہ تھا اور وہ بی اے کی طالبہ تھی، دوسری لڑکی کا نام شازیہ تھا اس نے حال ہی میں ایم اے کیا تھا۔ وہ نازیہ سے بڑی تھی۔ نازیہ لباس جلد اتارتے ہوئے کپڑے تہہ کرنے لگی تو میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے میری مرضی کے مطابق اپنے ریوالور کے دستے سے انگلیوں کے نشانات صاف کیے اور ریوالور اتارے ہوئے کپڑوں میں لپیٹ کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

شازیہ نے اس سے کہا: "اب تم میری جگہ آ کر اسے ریوالور کی زد میں لے لو تاکہ میں بھی اپنا لباس تبدیل کر لوں۔"

نازیہ نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا: "ارے میرا ریوالور کہاں گیا؟ ابھی تو یہیں رکھا تھا۔"

اس کے باپ نے کہا: "تم بہت ہی بے پرواہ اور غیر ذمے دار لڑکی ہو۔ ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کرتی ہو تم نے اپنے کپڑوں کے ساتھ ریوالور بھی باہر پھینک دیا ہوگا۔"

شازیہ نے کہا: "پاپا! آپ خاموش رہیں۔ نہیں تو اس کا منہ پھول جائے گا۔" پھر اس نے نازیہ سے کہا: "تو تم میرا ریوالور لے لو۔"

اسی وقت میں نے شازیہ کے دماغ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر اسے آگے جھکا دیا۔ اس کے جھکتے ہی ریوالور پھسل کر میرے سامنے آ گیا۔ میں نے اُسے شازیہ کے ہاتھ سے لے کر کھڑکی کے باہر اچھال دیا۔

شازیہ نے چیخ کر کہا: "پاپا! میرا ریوالور . . . ."

اس کے باپ نے پیچھے مڑ کر پوچھا: "تمہارے ریوالور کو کیا ہوا؟"

"پاپا! وہ اس آدمی نے چھین کر کھڑکی کے باہر پھینک دیا ہے۔"

بوڑھے نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا۔ وہ پہلے ہی نہتا تھا۔ اس کے چہرے سے گھبراہٹ ظاہر ہونے لگی تھی۔ گاڑی پوری رفتار سے بھاگی جا رہی تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا: "پاپا صاحب! آپ دونوں لڑکیوں سے کہیں کہ وہ پیچھے سے میری گردن دبوچ لیں۔ اسٹیرنگ پر میری گرفت ڈھیلی ہوگی تو گاڑی لہرا کر کسی درخت سے ٹکرا جائے گی۔ رات کے سناٹے میں زور کا دھماکہ ہوگا۔ اور ہم میں سے جو زندہ بچے گا اسے پولیس اسپتال پہنچا دے گی۔"

بوڑھے نے آہ بھر کر کہا: "تقدیر ہر بار ہمیں منزل کے قریب لا کر دھوکا دے جاتی ہے، ہر بار لبِ بام آ کر کمند ٹوٹ جاتی ہے۔ ٹیکسی کی چوری سے ڈاکہ زنی تک ہر کام خوش اسلوبی سے ہوتا رہا مگر جب کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو ٹیکسی نے ساتھ چھوڑ دیا اور تقدیر نے تمہارے رحم و کرم پر لا ڈالا۔"

"آج کے انسان کی ساری شہ زوری ہتھیاروں کی مرہونِ منت ہے۔ ہتھیار نہ ہو تو آدمی کیچوا بن جاتا ہے۔ ریوالوروں کی موجودگی میں آپ لوگوں کے انداز ہی کچھ اور تھے۔ انہی کے زور پر مجھے گاڑی روکنے پر مجبور کیا تھا۔ ریوالور ہاتھ سے نکلتے ہی ساری شہ زوری ہوا ہو گئی۔"

نازیہ نے کہا: "گاڑی روک دو۔ ہم یہیں اُتر جائیں گے۔"

میں نے کہا: "ماڈل ٹاؤن پیچھے رہ گیا ہے۔ تم لمبا چکر کاٹ کر وہاں جا رہے تھے۔ اگر میں نے تمہیں یہاں اتار دیا تو اس ویرانے میں کوئی تم سے بھی بڑا راہزن مل سکتا ہے۔ تم نے تو کسی کا مال لوٹا ہے ممکن ہے وہ تمہیں ہی لوٹ کر لے جائے۔"

میری بات سن کر وہ خوف زدہ ہو گئے۔ تینوں ہی چپ چاپ اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔ میں نے شازیہ سے کہا: "اب تم بھی لباس تبدیل کر لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گا۔"

شازیہ نے کہا: "اب تو ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔ تم ہم سے

جیسا چاہو سلوک کر سکتے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ ایسی حرکتیں کمینے لوگ کرتے ہیں۔ میں کسی کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے وعدہ کیا ہے۔ تم بے فکر ہو کر لباس بدل لو۔ میں تمھارے پاپا سے باتیں کر رہا ہوں۔" پھر میں نے اس کے باپ سے کہا: "ہاں تو جناب! آپ لوگوں نے کس کے گھر ماتم کا اہتمام کیا ہے اور اس کے عوض کتنا مال ہاتھ آیا ہے؟"

چند لمحے خاموش ہو کر وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ پھر جھجکتے ہوئے بولا: "ہم کوئی پیشہ ور ڈاکو نہیں ہیں۔ بہت مجبوری کی حالت میں بلکہ یوں سمجھ لیں کہ انتقاماً ایسا کیا ہے۔"

"کس سے انتقام لیا ہے ۔۔ آپ لوگوں نے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے بڑے بھائی سے۔ خدا گواہ ہے۔ جو کچھ ہم لوٹ کر لے جا رہے ہیں وہ سب ہمارا اپنا مال ہے۔ میرے بڑے بھائی نے میری دولت اور جائداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم قانونی طور پر ان کا کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ ہماری پوزیشن بہت کمزور ہے۔ ان کی اس حرکت سے ہم پیسے پیسے کو محتاج ہو گئے ہیں۔ جب ہم خوشحال تھے تو میں نے بھائی کے اصرار پر اپنی بیٹی شازیہ کی منگنی ان کے بیٹے جاوید سے کر دی تھی۔"

شازیہ نے پچھلی سیٹ سے کہا: "پاپا! آپ اس کا ذکر نہ کریں۔ جس دولت کے غرور میں انھوں نے منگنی توڑی ہے اس کا ایک حصہ بھی اب میں ان کے پاس نہیں رہنے دوں گی۔"

باپ نے کہا: "نادانی کی باتیں نہیں کرتے بیٹی! میں تمھیں پہلے بھی سمجھاتا رہا ہوں۔ مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ جان دینے کی دھمکی دے کر مجھے اپنے ساتھ شریک ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب دیکھ لیا اس کا انجام؟"

میں نے کہا: "کسی دولت مند کی تھوڑی بہت رقم لوٹ لینے سے وہ کنگال تو نہیں ہو جائے گا۔ یہ تو بڑی احمقانہ بات ہے۔"

"میں نے بھی یہی بات ان لڑکیوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ انتقام کے جوش میں اندھی ہو رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قانون اگر ہمیں اپنا حق نہیں دلا سکتا تو ہم خود چھین لیں گے۔"

میں نے پوچھا: "لوٹی ہوئی رقم ان بریف کیسوں میں ہے اندازاً کتنی ہو گی؟"

اس بار نازیہ نے جواب دیا: "میرے بریف کیس میں ہمارے کپڑے ہیں جو ہم نے واردات کے بعد تبدیل کرنے کے لیے ساتھ لے لیے تھے۔ باقی دونوں میں دو لاکھ روپے اور کچھ زیورات ہیں۔"

میں نے سر گھما کر نازیہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز میں جتنی دلکشی تھی۔ اس کے سراپا میں بھی اتنی ہی جاذبیت اور کشش تھی۔

میں نے کہا: "ڈاکہ ڈالتے وقت تم لوگوں نے اپنے چہرے چھپا لیے تھے۔ لیکن جہاں تم نے ڈاکہ ڈالا ہے وہ لوگ تمھارے قریبی عزیز ہیں۔ بچپن سے جوانی تک تمھیں دیکھتے رہے ہیں۔ تمھارا قد و قامت، چال ڈھال اور انداز گفتگو ان سے پوشیدہ نہیں ہو گا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ تمھیں پہچان نہ سکے ہوں؟"

نازیہ کے باپ نے کہا: "ایسا ہو سکتا ہے۔ ان سے ہماری دشمنی بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پولیس کو لے کر سیدھے ہمارے گھر پہنچیں گے۔ اسی لیے ہم ان سے پہلے ہی اپنے گھر پہنچ جانا چاہتے تھے۔ لیکن ٹیکسی کے خراب ہونے سے ہماری ساری پلاننگ فیل ہو گئی ہے۔ وہ اب تک ہمارے گھر پہنچ چکے ہوں گے۔ یہ سب تقدیر کی کرشمہ سازی ہے۔ اب جو کچھ ہو گا بھگتنا ہی پڑے گا۔"

میں نے کہا: "میں کوشش کروں گا کہ تم لوگوں پر کوئی آنچ نہ آنے پائے لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا اچھی بات نہیں ہے۔ انسان جرم نہ کرے تب بھی مجرم بن جاتا ہے۔ آپ نے تو ڈاکہ ڈالا ہے۔"

نازیہ نے تنک کر کہا: "بس رہنے دیجیے اپنی تقریر۔ سب ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ کسی کی مجبوری کو کوئی نہیں سمجھتا۔ آپ نے فرہاد علی تیمور کا نام سنا ہے؟"

میں نے اپنا نام سن کر مسکراتے ہوئے کہا: "اچھی طرح سے یہ نام سنا تو ہے۔"

"تم نے تو صرف نام سنا ہے۔ میں اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ وہ ساری دنیا میں مشہور ہے لیکن اتنا مشہور آدمی بھی اپنی ابتدائی زندگی میں ہماری طرح مجبور تھا۔ ہماری ہی طرح اس کے چچا نے بھی اس کی ساری دولت اور جائداد ہضم کر لی تھی اور اُسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ وہ قانون کی مدد نہیں لے سکتا تھا۔ تب اس نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنی چچی کو آلۂ کار بنا کر چچا کے گھر میں ڈاکے ڈالے اور انھیں کنگال کر کے تمام جائداد کا غذات اپنے نام کروا لیے۔"

"فرہاد علی تیمور کے متعلق اتنی ساری باتیں تمھیں کیسے معلوم ہوئیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

نازیہ نے جواب دیا: "ایک لڑکا منصور میری بہن شازیہ کا کلاس فیلو تھا۔ وہ فرہاد علی تیمور کا رشتہ دار ہے۔ فرہاد کی بیوی منصور کی بھاوج ہے۔ اس نے ہمیں فرہاد کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔"

شازیہ لباس بدل چکی تھی۔ اس نے نازیہ کو ڈانٹ کر کہا: "تم جہاں بیٹھتی ہو۔ فرہاد کے قصیدے پڑھنے لگتی ہو۔ کوئی موقع ہے اس ذکر کا؟"

نازیہ نے کہا: "تم اس کے ذکر سے جلتی کیوں ہو؟"

"اس لیے کہ یہ ساری قصہ کہانیوں کی باتیں ہیں۔ کوئی فرہاد نہیں ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "ایسا نہ کہیں مس شازیہ! فرہاد ایک حقیقت ہے۔ میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کا نام دل ہی دل میں دس بار اُلٹا کر کے دہرائے تو وہ شخص اس کے دماغ میں پہنچ جاتا ہے۔"

شازیہ نے ناگواری سے کہا: "سب بکواس ہے۔"

شازیہ کو میری بات پر یقین نہیں آیا تھا مگر نازیہ نے آنکھیں بند کر کے میرے نام کی الٹی گردان شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اس نے دسویں بار تیمور علی فرہاد کہا تو میں نے فلمی بادشاہ کی طرح اس کے دماغ میں کہا: "فریادی! ہمیں کس لیے پکارا ہے؟"

نازیہ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ حیرت سے کبھی اپنی بہن کو کبھی باپ کو اور کبھی مجھے دیکھنے لگی۔ کار کے اندر تاریکی تھی اور فرنٹ سیٹ میرے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "تم ادھر اُدھر کیا دیکھ رہی ہو۔ اندھیرے میں تمھیں کیا نظر آئے گا؟ مجھے بتاؤ تم نے مجھے کیوں پکارا ہے؟"

وہ آواز سے بولی: "فرہاد صاحب! کیا سچ مچ آپ میرے دماغ میں بول رہے ہیں؟"

شازیہ نے اسے جھنجوڑ کر پوچھا: "اے تم کیا بڑبڑا رہی ہو؟"

نازیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا: "باجی! چپ رہو۔ نہیں تو فرہاد صاحب چلے جائیں گے۔ ہاں، فرہاد صاحب! بتائیں نا، کیا آپ ہی میرے پاس ہیں؟"

"جو مجھے اس طرح سے پکارتا ہے میں اس کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ میں نے تمھارے دماغ کے ذریعے معلوم کیا ہے کہ تم ایک کار میں سفر کر رہی ہو۔ تمھارے ساتھ تمھاری بہن اور والد ہیں اور کوئی اجنبی شخص کار ڈرائیو کر رہا ہے۔ تمھارے پاس دو لاکھ روپے اور کچھ زیورات ہیں۔"

وہ خوشی سے اچھل کر بولی: "آپ تو ہمارے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ کہاں ہیں؟ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیا کرو گی مل کر۔ اس وقت میں گہری نیند میں تھا۔ تم نے دس بار میرے نام کی الٹی گردان کر کے میری کھوپڑی الٹ دی اور میں بیدار ہو کر تمھارے پاس پہنچ گیا۔"

"آپ میرے خیالوں میں آتے ہیں تو نگاہوں میں بھی آ جائیے۔ دیکھیے میں آپ کو دیکھنے کے لیے کس قدر بے چین ہوں۔ میرے دماغ میں رہ کر آپ اپنے لیے میرے دل کی تڑپ اور بے چینی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے لیے یہ جاننا مشکل نہیں ہے کہ میں کب سے اپنے من مندر میں آپ کی مورت سجائے اس کی پوجا کر رہی ہوں۔"

"دماغ میں رہ کر کسی کے حسن کا تصور کرنا بہت مشکل ہے۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھو گی تو میں تمھارے ذہن سے تمھاری تصویر دیکھ لوں گا۔ پھر اگر تمھارے جمال کی کشش نے مجھے اپنی طرف کھینچے گی تو میں ضرور تمھارے پاس آ جاؤں گا۔"

اس نے بڑے اضطراب سے پوچھا: "اگر میں ابھی آئینہ دیکھوں تو آپ ابھی میرے پاس پہنچ جائیں گے؟"

"ہاں، ضرور۔ بشرطیکہ تمھارا جمال ایسا ہی پرکشش ہوا۔"

اس نے شازیہ سے پوچھا: "باجی! تمھارے پاس آئینہ ہے؟"

شازیہ نے ناگواری سے کہا: "کیا میں راستے میں سنگھار کرتی ہوں جو آئینہ ہو گا میرے پاس۔ تمھیں اس وقت آئینے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟"

"باجی! فرہاد صاحب کہہ رہے ہیں میں جیسے ہی آئینہ دیکھوں گی وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

اس کے والد نے کہا: "تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ فرہاد کوئی جادوگر ہے کیا؟ وہ تو صرف ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔ وہ اچانک یہاں کیسے پہنچ جائے گا؟"

"دیکھیے پاپا! فرہاد صاحب کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور آ جائیں گے۔ آپ آئینہ تو دے دیں مجھے۔"

"کیا میں بڑھاپے میں اپنے ساتھ آئینہ لیے پھرتا ہوں؟"

میں نے نازیہ کے دماغ میں کہا: "اری پگلی، عقل استعمال کرو۔ آئینہ تمھارے قریب ہی موجود ہے جسے بوکھلاہٹ میں تم بھولی ہوئی ہو۔ دیکھو وہ، سامنے عقب نما آئینہ لگا ہوا ہے۔ اگلی سیٹ پر آ کر قریب سے دیکھو گی تو میں بھی اس آئینے میں نظر آ جاؤں گا۔"

وہ خوش ہو کر اپنے پاپا سے بولی: "پاپا! آپ میری جگہ آ جائیں میں آگے بیٹھوں گی۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی: "اے مسٹر! گاڑی روکو۔"

اس کے باپ نے کہا: "بیٹی! یہ کیا حرکت ہے۔ تم یہاں کیوں آنا چاہتی ہو آخر؟"

شازیہ نے کہا: "پاپا! یہ پاگل ہو گئی ہے۔ آپ ادھر آ جائیں۔ یہ آئینہ دیکھنے کے لیے وہاں جا رہی ہے۔ ہم دیکھیں گے فرہاد اس کے پاس کیسے آ جائے گا۔"

میں نے گاڑی روک دی۔ نازیہ نے جلدی سے نیچے اتر کر اپنے پاپا کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ ان کے باہر نکلتے ہی وہ جلدی سے ان کی جگہ بیٹھ گئی۔ دونوں کے بیٹھتے ہی میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ نازیہ نے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا: "اے مسٹر! روشنی کرو۔ میں آئینہ دیکھوں گی۔"

میں نے ہاتھ بڑھا کر چھت کا ننھا سا بلب آن کر دیا۔ وہ آئینہ دیکھنے لگی۔ میں نے اس کے دماغ میں کہا: "آئینہ اپنے دائیں جانب ذرا سا نیچے جھکا کر دیکھو۔"

اس نے فوراً میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے

فلیٹ ہیٹ اتار کر گود میں رکھ لیا۔ اب میں اسے آئینے میں نظر آرہا تھا۔ وہ آئینے میں نظریں جمائے گم صم سی مجھے تکتی رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "یہ تو وہی ہیں۔ فرہاد صاحب ہیں۔ بالکل وہی۔ منصور نے جو تصویر دکھائی تھی۔ ہو بہو ویسے ہی ہیں۔ مگر یہ یہاں کیسے آگئے؟" وہ اچھل کر میری طرف گھومی اور مجھے حیرانی سے دیکھنے لگی۔ یوں جیسے وقت ساکت ہوگیا ہو اور کائنات کے سارے نظارے مجھ میں سما گئے ہوں ـــــ میں اس کے دماغ... کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ اس کی بے تاب دھڑکنوں کو اپنے سینے میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ عجیب گومگو کی کیفیت سے دوچار تھی۔ دل کہتا تھا میرے وجود کو تسلیم کر لے تو دماغ اسے سراب کہہ کر رد کر دیتا تھا۔ دماغ تسلیم کرتا تھا تو دل منکر ہو جاتا تھا۔ اسے اپنے خوابوں کی اس تعبیر پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے مجھے چھو کر محسوس کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ ذرا جھجکی، رکی، شرما کر سمٹی، سہمی پھر ہمت کر کے آہستہ سے میرا ہاتھ چھو لیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹٹول ٹٹول کر یقین کرنے لگی۔ میں نے مسکراتے ہوئے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا بازو تھام لیا۔ یوں جیسے اسے ڈر ہو کہ ذرا بھی گرفت کمزور ہوئی تو اس کے خواب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

نازیہ کو یوں گم صم بیٹھا دیکھ کر اس کے باپ نے میرے چہرے پہ نگاہ ڈالی تو چونک کر بے ساختہ کہا: "ارے یہ تو واقعی فرہاد صاحب ہیں!" پھر وہ تیزی سے میری طرف جھک کر مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولے: "حیرت ہے۔ یقین نہیں آتا آپ تو سچ مچ فرہاد صاحب ہی ہیں!"

ان کی بات سن کر شازیہ بھی مجھے دیکھنے لگی میں نے گاڑی ایک جگہ روک دی اور ان کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے بولا: "جی ہاں! میں فرہاد علی تیمور ہی ہوں۔ آپ لوگ مجھے اچھی طرح دیکھ لیں مس شازیہ کیا میں آپ کو کوئی افسانوی کردار نظر آرہا ہوں؟"

وہ اب تک حیرانی سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا: "آپ تو واقعی بالکل وہی ہیں جس کی تصویر منصور نے مجھے دکھائی تھی۔ میں نے آپ کے وجود سے تو کبھی انکار نہیں کیا۔ وجود نہ ہوتا تو منصور کے پاس تصویر کہاں سے آتی لیکن مجھے یہ یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دے سکتا ہے۔"

میں نے مسکرا کر نازیہ کو دیکھا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "کیا یہ میرا کمال نہیں ہے کہ تم دونوں بہنوں کے ریوالور میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے کار سے باہر پہنچا چکا ہوں۔ اس وقت ہم ۔ بکر اسٹریٹ سے گزر رہے ہیں۔ آگے اے این اسٹوڈیو کے پاس تمھارا چھوٹا بھائی تم لوگوں کا انتظار کر رہا ہے۔ تم لوگوں کا منصوبہ یہی تھا کہ ایک بجے شب تم دونوں بہنیں اس اسٹوڈیو کے پاس لوٹ کا مال لے کر اتر جاؤ گی۔ وہاں تمھارا بھائی موجود ہوگا۔ تم تینوں بہن بھائی سارا مال اپنی خالہ کے ہاں لے جا کر چھپا دو گے۔ تمھارے چچا ٹیکسی کہیں دور ویرانے میں چھوڑ کر گھر چلے جائیں گے۔"

شازیہ نے حیرانی سے کہا: "کمال ہے آپ تو لوگوں کا کچا چٹھا یوں جان جاتے ہیں جیسے یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہوا ہو۔"

میں نے گاڑی اے این اسٹوڈیو کے قریب روک دی۔ کچھ دور ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ نازیہ کے باپ نے گاڑی سے اتر کر لڑکے کو سلمان کہہ کر پکارا۔ وہ دوڑتا ہوا ہمارے قریب آکر بولا: "پاپا! بڑا غضب ہوگیا۔ چچا جان پولیس کے ساتھ ہمارے مکان کے سامنے بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی نکل آیا تھا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکے۔ میں نے دور سے انھیں دیکھا ہے۔"

میں نے بڑے میاں سے کہا: "آپ اپنے صاحبزادے کو گھر بھیج دیں۔ وہ لوگ آپ کے بارے میں معلوم کریں تو یہ انھیں بتائے آپ دونوں لڑکیوں کے ساتھ اپنے کسی دوست کے بیٹے کی شادی میں سیر کرنے گئے ہیں۔"

بڑے میاں نے لڑکے کو میری ہدایت کے مطابق سمجھا کر گھر کی طرف روانہ کر دیا۔ نازیہ متوزبت بنی بیٹھی مجھے تک رہی تھی۔ شازیہ نے پوچھا: "اب آپ کیا کریں گے؟"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تمھارے چچا کے دماغ تک رسائی حاصل کرنے کے بعد ہی فیصلہ کر سکوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

سلمان اپنے گھر کے قریب پہنچا تو میں نے اس کے ذریعے ماحول کا جائزہ لیا۔ ان کے گھر کے سامنے ایک کار کھڑی تھی جو ان کے چچا کی تھی۔ قریب ہی دو چار پائیاں بچھی تھیں۔ ایک پر انسپکٹر اور سلمان کا چچا بیٹھا تھا، دوسری پر چار سپاہی بیٹھے اس راستے کو تک رہے تھے جدھر سے سلمان گھر کی طرف جا رہا تھا۔ سلمان وہاں پہنچا تو اس کے چچا نے لپک کر اس کا بازو تھام لیا اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا: "اے لڑکے! تیرا باپ اور بہنیں کہاں گئی ہیں؟"

سلمان نے میری ہدایت کے مطابق جواب دیا۔ انسپکٹر نے گرج کر سپاہیوں سے کہا: "اس چھوکرے کو حراست میں لے لو۔ مجھے تو اس کا باپ کوئی دلال معلوم ہوتا ہے۔ گھر میں تالا ڈال کر جوان بیٹیوں کے ساتھ آدھی رات کو باہر گھوم رہا ہے۔"

سلمان نے غصے سے انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے اپنے چچا سے کہا: "چچا جان! یہ گالی صرف میرے باپ کو نہیں، آپ کو بھی دی گئی ہے۔ اس لیے کہ آپ میرے باپ کے سگے بھائی ہیں۔"

چچا نے ڈانٹ کر کہا: "بکواس مت کرو۔ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں۔"

چچا کے بیٹے جاوید نے کہا: "ابا! یہ ٹھیک ہے کہ ڈکیتی کے سلسلے میں آپ کو اپنے بھائی پر شبہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے جائیں۔ میں انسپکٹر صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔"

انسپکٹر نے کہا: "میاں صاحبزادے! چوروں اور بدمعاشوں سے کس طرح بات کرنا چاہیے یہ ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اگر تمہیں ان کا اتنا ہی خیال تھا تو ہمارے پاس کیوں آئے تھے۔ ہم جا رہے ہیں تم خود اپنے چچا سے حساب کتاب کرتے رہنا۔" وہ غصے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

جاوید کے باپ چوہدری رحمت علی نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا: "ارے ارے، انسپکٹر صاحب! آپ تو بچے کی بات پر سچ مچ ناراض ہو گئے۔" پھر وہ بیٹے کو ڈانٹنے لگا۔

میں اس کے دماغ تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے انسپکٹر سے کہا: "آپ لوگ بیٹھیں میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔ شاید وہ لوگ نظر آجائیں۔" وہ اٹھ کر اپنی کار میں جا بیٹھا۔

چوہدری رحمت علی ہلکی رفتار سے کار چلاتا اسی طرف آرہا تھا۔ جہاں ہم لوگ موجود تھے میں نے نازیہ کے باپ برکت علی سے کہا: "آپ کے بھائی چوہدری رحمت علی ادھر آرہے ہیں، وہ یہاں آکر آپ سے بریف کیس مانگیں گے۔ آپ نقدی اور زیورات والے بریف کیس اُن کے حوالے کر دیجیے گا۔ ابھی مجھ سے بحث نہ کریں۔ میں بعد میں آپ لوگوں کو اس کا مقصد سمجھا دوں گا۔"

یہ کہہ کر میں پھر چوہدری رحمت علی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سڑک کے کنارے آکر رک گیا تھا اور سوچ رہا تھا میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا: "اوہ، میں بھی کتنا بیوقوف ہوں۔ شاید مال ہاتھ سے نکل جانے کے غم میں پاگل ہوگیا ہوں۔ میں تو یہاں برکت علی اور اس کی لڑکیوں کو دیکھنے آیا تھا۔ کچھ اور آگے جا کر دیکھنا چاہیے۔"

اس نے کار کا رخ ادھر موڑ دیا۔ جدھر ہماری کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جیسے ہی ہماری کار کے قریب آیا میں نے اُسے قابو میں کر کے کار روکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ انجن بند کر کے چابی ہاتھ میں لیے باہر نکلا اور کار کی ڈگی کھول کر برکت علی کے پاس آکر بولا: "وہ دونوں بریف کیس جن میں روپیہ زیورات ہیں مجھے دے دو۔"

شازیہ، نازیہ اور ان کے پاپا حیرانی سے چوہدری رحمت علی کو دیکھ رہے تھے جو میرے لب و لہجے میں بول رہا تھا۔ میں اسٹیرنگ سیٹ پر ایک مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا میری آنکھیں بند تھیں۔ میں نے رحمت علی کی زبان سے کہا: "دیر مت کرو۔ وقت بہت کم ہے فوراً بریف کیس میرے حوالے کر دو۔ اس وقت میں فرہاد علی تیمور اُن کے دماغ پر قابض ہوں۔"

انھوں نے بریف کیس اس کے حوالے کر دیے اس نے انھیں لے جا کر کار کی ڈگی میں رکھ دیا اور ڈگی کو لاک کر کے دوبارہ اسٹیرنگ سیٹ پر آبیٹھا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے اس کے دماغ کو آزاد کیا تو اس نے بوکھلا کر کار روک دی اور حیرت سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے سوچنے لگا۔ مجھے کیا ہوگیا۔ خیالات میں اس قدر غرق ہوگیا کہ اردگرد کا ہوش تک نہ رہا۔ یہی حال رہا تو کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھوں۔ مجھے واپس جا کر وہیں ان لوگوں کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس نے کار کا رخ موڑا اور واپس برکت علی کے گھر کی طرف چل دیا۔

میں نے بھی اب کار اسٹارٹ کر کے برکت علی سے کہا: "اب ہم گھر چل رہے ہیں۔ آپ پولیس کو یہی بیان دیں گے کہ چند گھنٹے مختلف مقامات پر گھوم پھر کر واپس آئے ہیں۔ ڈکیتی کی بات ہو تو اپنا رویہ سخت کر لیجیے۔"

شازیہ نے کہا: "فرہاد صاحب! آپ کی وجہ سے ہم نے جتنی مشکل سے حاصل کیا ہوا مال واپس کر دیا۔ اگر ہمارے پاپا بھی کہتے تو ہم کبھی ایسا نہ کرتے لیکن اب کیا ہوگا۔ آپ نے ہماری ساری محنت پر پانی پھیر دیا ہے؟"

نازیہ نے جلدی سے کہا: "باجی! ایسا نہ کہو۔ فرہاد صاحب کوئی قدم بے مقصد نہیں اٹھاتے۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا: "تمھارا کیا خیال ہے۔ کیا میری وجہ سے تم لوگوں کو نقصان پہنچے گا؟"

اس نے بڑے اعتماد سے کہا: "ہرگز نہیں۔ مجھے پوری طرح یقین ہے کہ آپ کبھی ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"بس تو دیکھتی جاؤ۔ جس طرح ہم نے اپنی زمین، جائداد وغیرہ اپنے چچا سے حاصل کی تھی اسی طرح قانونی طور پر تم لوگوں کو تمھارا حق ملے گا۔"

نازیہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ فرطِ عقیدت سے اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

ہم گھر پہنچے تو پولیس انسپکٹر، چوہدری رحمت علی، اور جاوید وغیرہ میری شاندار چمچماتی کار دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ انسپکٹر میری قیمتی گاڑی سے اس قدر متاثر تھا کہ برکت علی کو کار سے اترتا دیکھ کر بھی کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ برکت علی نے اپنے بھائی کو دیکھ کر قدرے تعجب سے پوچھا: "بھائی جان! آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر کہا: "تمھارے بھائی نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ تم نے اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ ان کے گھر میں ڈاکہ ڈالا ہے۔"

برکت علی نے اپنے بھائی کو دیکھ کر ناگواری سے کہا: "بھائی جان! بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ میرے گھر پولیس لے کر آئے

ہیں، اگر آپ کو مجھ پر شبہ تھا تو میرے پاس آکر خود بھی اس کی تصدیق کر سکتے تھے۔ مجھے آپ سے یہ اُمید نہیں تھی۔"

چودھری رحمت علی نے کہا "میں تصدیق کر کے کیا کرتا، جبکہ تم چہرے سے ہی چور بدمعاش نظر آتے ہو۔"

"بھائی جان! ہم دونوں کے چہروں میں فرق ہو سکتا ہے مگر خون تو ایک ہی ہے۔ اگر میں بدمعاش ہوں تو آپ شریف کیسے ہو سکتے ہیں؟"

میں کار کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ انسپکٹر نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر پوچھا "آپ کی تعریف؟"

برکت علی نے میری ہدایت کے مطابق جواب دیا کہ میں ان کے ایک دوست کا لڑکا ہوں۔ چودھری رحمت علی اور جاوید مجھے غور سے دیکھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے فرہاد کی حیثیت سے پہچان لیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں ان کے لیے بالکل اجنبی تھا۔

چودھری رحمت علی نے کہا "یہ تمھارے کون سے دوست کا لڑکا ہے۔ میں نے آج سے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا۔"

میں نے کہا "جناب! آپ کو مجھ سے کیا لینا ہے۔ آپ تو یہ بتائیں کہ کیا آپ ان کے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں؟"

انسپکٹر نے کہا "یہاں تو ہم بہت دیر سے بیٹھے ہیں۔ گھر میں کچھ نہیں ہوگا۔ دروازے پر لگا ہوا تالا ہمیں نظر آرہا ہے۔ جو کچھ ہوگا اسی کار میں ہوگا جس میں تم لوگ آئے ہو۔"

میں نے اپنی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تو پھر بسم اللہ آپ اس کی تلاشی لے لیں۔ کار کے چاروں دروازے کھلے ہیں اور میں ڈگی بھی کھول دیتا ہوں۔"

میں نے ڈگی کا تالا کھول کر انھیں تلاشی لینے کا اشارہ کیا۔ چاروں سپاہیوں اور انسپکٹر نے کار کی اچھی طرح تلاشی لی۔ اور کچھ نہ پاکر مایوسی سے الگ ہٹ گئے۔

چودھری رحمت علی نے کہا "انسپکٹر صاحب میں آپ کو بتا چکا ہوں، یہ بہت چالاک لوگ ہیں۔ آپ ان کے گھر کی تلاشی لیں۔ ہو سکتا ہے انھوں نے کسی طرح مال گھر میں پہنچا دیا ہو اور باہر سے تالا لگا کر گھومنے پھرنے چلے گئے ہوں۔"

میں نے برکت علی کی زبان سے کہا "بھائی جان! مجھے بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ میرے بھائی نہیں دشمن ہیں۔ میں اپنے گھر میں کسی کو نہیں جانے دوں گا۔"

انسپکٹر نے پوچھا "کیوں نہیں جانے دو گے؟"

برکت علی نے کہا "اس لیے کہ اس بہانے چوری کا مال میرے گھر میں پہنچا کر مجھے پھنسایا جا سکتا ہے۔"

انسپکٹر نے کہا "ایسا نہیں ہوگا۔ میرے ہوتے ہوئے یہ تمھارے بھائی ایسی حرکت کیسے کر سکتے ہیں؟"

"آپ میرے اس بھائی کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ مجھ پر جھوٹا الزام لگا سکتا ہے تو آپ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنا سکتا ہے۔"

"کیسی دھمکی، انھوں نے تمھیں کیا دھمکی دی ہے؟"

"یہی کہ میرے گھر سے چوری کا مال برآمد کرا کے یہ مجھے جیل میں سڑوا دیں گے، مجھے اور میرے بچوں کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہنے دیں گے۔"

جاوید نے کہا "چچا جان! آپ دونوں بھائی آپس میں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے ہیں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ابا جان آپ کے خلاف کوئی ایسی حرکت کرنا چاہتے ہیں؟"

برکت علی نے کہا "بیٹے! تم ابھی بچے ہو۔ تمھیں کچھ نہیں معلوم۔ میں کہہ چکا ہوں کہ کسی کو اندر نہیں جانے دوں گا۔ البتہ اس شرط پر اجازت دے سکتا ہوں کہ جس طرح اس کار کی تلاشی لی گئی ہے اسی طرح باپ بیٹے بھی اپنی گاڑی کی تلاشی دے کر ہمیں یقین دلادو کہ تم لوگ ہمیں پھانسنے کے لیے اپنے گھر کا مال اس گاڑی میں چھپا کر نہیں لائے ہو۔"

میں نے برکت علی کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں نے ان کی سوچ میں کہا "اوہ، شاید فرہاد کی ٹیلی پیتھی نے میرے دماغ پر قبضہ کر لیا تھا۔"

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے انسپکٹر سے کہا "جناب! جب آپ نے ہماری گاڑی کی تلاشی لی ہے۔ تو ہماری تسلی کے لیے ان کی گاڑی کی بھی تلاشی لیں۔ اپنے اطمینان کے بعد ہم آپ کو گھر کی تلاشی لینے کی اجازت دیں گے۔"

ہمارے اصرار پر انسپکٹر نے رحمت علی کی کار کی تلاشی لینا شروع کی۔ اس نے کار کی ڈگی کھلوائی تو وہاں دونوں بریف کیس موجود تھے۔ انسپکٹر نے بریف کیس باہر نکال کر کھولے تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ چودھری رحمت علی اور جاوید بھی حیران و پریشان اس مال کو دیکھ رہے تھے۔ جس کی ڈکیتی کی اطلاع انھوں نے پولیس کو دی تھی۔

رحمت علی نے بوکھلا کر کہا "انسپکٹر صاحب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بریف کیس ہم نے یہاں نہیں رکھے۔ یہ تو وہی ہیں جو یہ لوگ ہم سے چھین کر لے گئے تھے۔"

انسپکٹر نے کہا "اب آپ بکواس بند کریں۔ آپ نے اپنے بھائی پر ڈکیتی کا الزام لگایا تھا جبکہ بریف کیس آپ کی کار کی ڈگی سے برآمد ہوئے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم یہ حقیقت بھول کر آپ کے جھوٹ کو تسلیم کرلیں گے؟"

محلے کے لوگ جو دیر سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے رحمت علی پر لعن طعن کرنے لگے۔ انسپکٹر نے کہا "مسٹر رحمت علی! آپ کو ہمارے

ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔ آپ نے غلط بیانی سے کام لے کر ہمارا بہت وقت برباد کیا ہے۔"

رحمت علی نے بڑی قسمیں کھائیں، جاوید نے اپنے باپ کی بیگناہی کا یقین دلانے کی بہت کوشش کی لیکن ان کی کوئی بات نہ چل سکی۔ انسپکٹر نے کہا "اب تو تھانے پہنچ کر ہی آپ سے بات ہوگی۔"

وہ سپاہیوں کے ساتھ رحمت علی کو انھی کی گاڑی میں بٹھا کر لے گیا۔ ان کے جانے کے بعد برکت علی نے اپنے مکان کا تالا کھولا اور مجھے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوگیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ دو بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ محلے والے بھی آہستہ آہستہ اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ میں نے موقع پاکر منجالی کے دماغ میں جھانکا۔ وہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔ مجھے اپنے دماغ میں محسوس کرتے ہی وہ سوچنے لگی۔ "کافی رات ہوگئی ہے مگر مجھے ابھی تک نیند نہیں آئی۔ مادام سے کہوں کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے سلا دیں، پتہ نہیں وہ اس وقت اپنے کمرے میں کیا کر رہی ہیں۔"

منجالی نے بڑی چالاکی سے مجھے سمجھا دیا کہ ابھی اس کے پاس رہنے کا موقع نہیں ہے۔ اس لیے میں پھر نازیہ کے مکان میں واپس آگیا۔ وہ میرے سامنے کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ نازیہ دروازے پر کھڑی تھی میں نے برکت علی سے کہا "آپ اپنے حالات، مجھے بتائیں اور اپنے بھائی کے بارے میں بھی بتائیں۔ نیز یہ کہ انھوں نے کب اور کس طرح آپ کا حق غصب کیا۔ آپ کے حصے کی جائداد کے کاغذات کہاں ہیں؟ اور آپ کا کتنا روپیہ ان کے قبضے میں ہے۔ یہ تمام باتیں جاننے کے بعد ہی میں آپ کی مدد کر سکوں گا۔"

برکت علی نے مجھے ایک ایک بات بتادی۔ اس دوران شازیہ دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی مگر نازیہ وہیں بیٹھی ٹکٹکی لگائے مجھے تکتی رہی۔ میں اس کے جذبات و احساسات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن اس کی حوصلہ افزائی کر کے اپنے لیے مزید پریشانیاں خریدنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں نے برکت علی سے کہا "اچھا جناب میں آپ کے بارے میں سوچوں گا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ میری کار باہر کھڑی ہے اگر تمام رات یہاں کھڑی رہی تو محلے والے آپ لوگوں کے بارے میں چہ میگوئیاں کریں گے۔"

برکت علی نے پوچھا "اتنی رات کو تم کہاں جاؤ گے؟"

"میں یہ رات راوی کے کنارے گزارنا چاہتا ہوں۔"

نازیہ نے کہا "کیوں؟ آپ رات بھر گھر سے باہر کیوں رہنا چاہتے ہیں؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اس دنیا میں میرے پاس سبھی کچھ ہے۔ دوست، غم گسار، رشتے دار، محبت کرنے والے، لیکن میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

برکت علی نے کہا "چاہو تو اسے اپنا گھر سمجھ کر تم یہاں رہ سکتے ہو۔"

"مجھے رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے مگر محلے والے آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ اس قیمتی کار کے ساتھ آپ کے مکان میں رہنے والے کو کوئی فرشتہ نہیں کہے گا۔"

انھوں نے قائل ہو کر کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

نازیہ نے آگے بڑھ کر کہا "ٹھیک ہو یا غلط، میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ ہماری خوش نصیبی آپ کو ہمارے ہاں لے آئی ہے تو ہم آپ کو اب جانے نہیں دیں گے۔ جو لوگ آپ سے واقف ہیں وہ ایک دیوتا کی طرح آپ کی پرستش کرتے ہیں آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ترستے ہیں۔ پھر ہم آپ کو پاکر کیسے گنوا دیں۔ آپ چلے گئے تو ہمارے خوابوں کے شیش محل چکنا چور ہو جائیں گے۔ اس گھر کے درودیوار سے ماتم کی صدائیں ابھرنے لگیں گی۔"

میں نے کہا "تمھاری ایک ایک بات سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس گھر کے لوگ مجھے کس قدر چاہتے ہیں، یہاں میری کس قدر عزت کی جاتی ہے۔ جو لوگ مجھے اتنا چاہتے ہیں میں ان کے دامن پر بدنامی کا داغ نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں رہ کر اس محلے کے لوگوں کو تم لوگوں کی طرف انگلیاں اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتا۔"

نازیہ نے کہا "آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ ہمارے حقوق دلانے کے سلسلے میں کیا کریں گے؟"

"میں نے وعدہ کیا ہے تو ضرور کچھ کروں گا۔ پہلے خیال خوانی کے ذریعے تمھارے چچا کے خفیہ اور اہم معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ یہ معلوم کروں گا کہ وہ اہم دستاویزات کہاں رکھتے ہیں۔ یہ ایک لمبا چکر ہے اس میں کچھ وقت لگے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تم لوگوں کے حقوق نہیں مل جائیں گے میں تم لوگوں سے دور نہیں جاؤں گا۔"

نازیہ دونوں ہاتھ پھیلا کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ "نہیں، میں آپ کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک بار جس راہ سے گزر جاتے ہیں اس پر دوبارہ واپس نہیں آتے۔ پیچھے رہ جانے والے تمام رشتے اور محبتیں ایک خوابِ گراں کی طرح آپ کے ذہن سے مٹ جاتی ہیں۔"

میں نے مسکرا کر کہا "جب تم اتنا جانتی ہو تو تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں اپنے دور کا حاتم طائی ہوں۔ سات سوال پورے کرنے نکلا ہوں اور درمیان میں پیدا ہونے والے نئے نئے سوالات حل کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں۔ کسی کا سوال ادھورا چھوڑ کر کبھی نہیں جاتا۔ تمھارے مسائل حل کر کے میں اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔ یاد رکھو، نازیہ! میں وقت کا وہ تیز دھارا ہوں جس کے آگے کبھی کوئی بند نہیں باندھ سکا۔ اگر مجھے روکنے کی کوشش کی جائے

تو میں بہنے کے لیے چور راستے تلاش کر لیتا ہوں۔"
نازیہ نے اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ یوں نیچے گرا دیے جیسے اپنی شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں جذبات کا ساگر امڈ آیا تھا۔ دلِ ناکام حسرتوں کا مدفن بن گیا تھا۔ چشمِ غزالاں خاموش سوالی بنی میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔
میں نے اس کے پاس پہنچ کر جیب سے رومال نکالا اور اس کی چشمِ پُرنم پر تھرتھراتے شبنم کے موتی اپنے رومال میں سمیٹتے ہوئے کہا "نازیہ! میں تمھارے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن تمھاری اور تمھارے خاندان کی بہتری کے لیے تم لوگوں کو زمانے کی نظروں میں رسوا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے اس وقت میرا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔ ان آنسوؤں کو سنبھال کر رکھو، یہ قیمتی موتی اس طرح مٹی میں مت رولو کہ دیکھنے والے مشکوک ہو جائیں۔"
اس نے اداسی سے کہا "اگر آپ کے رکنے سے ہماری رسوائی کا خوف نہ رہے تو کیا آپ رک جائیں گے؟"
"ہاں، اگر ایسا ہو سکے تو میں ضرور رک جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔
"تو پھر آپ یہاں رہیں۔ میں اور باجی پڑوس میں ماسی بسم اللہ کے ہاں رات گزار لیں گے۔"
شازیہ نے بھی اپنی بہن کی حمایت کی "فرہاد صاحب! ہمیں آپ کی خدمت کرنے اور آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا شرف حاصل ہوا ہے تو ہم اس سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔ ہم دونوں بہنیں ماسی بسم اللہ کے ہاں جا کر سو جائیں گی۔ آپ یہاں آرام کریں۔"
میں نے محسوس کیا کہ نازیہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن شازیہ کی وجہ سے ہچکچا رہی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر پوچھا "کیا بات ہے تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟"
اس نے اپنی بہن کے ساتھ باہر جاتے ہوئے کہا "ہاں صرف اتنی سی گزارش کرنا چاہتی ہوں کہ فرصت ملے تو کچھ دیر کے لیے میرے دماغ میں ضرور آئیے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"
"میں ابھی خیال خوانی میں مصروف ہو جاؤں گا۔ پتہ نہیں یہ مصروفیت کتنی طویل ہو گی۔ شاید میں صبح تک سو بھی نہ سکوں۔ بہرحال میں وعدہ کرتا ہوں کہ فرصت ملی تو تمھارے پاس ضرور آؤں گا۔"
برکت علی نے کہا "اگر کچھ دیر جاگنے کا ارادہ ہو تو چائے منگوالوں؟"
نازیہ باپ کی بات سن کر رک گئی۔ اسے تو میرے پاس رہنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ جلدی سے بولی "پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ صبح تک جاگنے کے لیے آپ کو چائے ضرور پی لینا چاہیے۔"
برکت علی نے چونک کر پوچھا "نازیہ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ صبح تک جاگتے رہیں گے؟ یہ بے چارے تو ابھی سونے کے لیے جا رہے تھے۔"
نازیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ جو بات میں نے خیال خوانی کے ذریعے بتائی تھی اس کا اظہار اسے یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سنبھل کر بولی "پاپا! آپ کو یاد نہیں منصور نے ایک بار کہا تھا کہ فرہاد صاحب اکثر رات رات بھر خیال خوانی کرتے رہتے ہیں انھیں سونے کا موقع بھی بہت کم ملتا ہے۔"
میں نے کہا "میں چائے نہیں پیوں گا۔ البتہ کمرے میں بند ہو کر خیال خوانی میں مصروف رہوں گا میری درخواست ہے کہ اس وقت تک کوئی کمرے کے دروازے پر دستک بھی نہ دے جب تک میں خود مخاطب نہ کروں۔"
"جی بہتر ہے۔" برکت علی نے کہا اور سب لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔
میں نے کمرہ بند کر کے پلنگ پر لیٹتے ہی مہتالی سے رابطہ قائم کیا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ جیسے ہی میں دماغ میں پہنچا وہ چونک کر بیدار ہو گئی۔ رسونتی نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اسے سلا دیا تھا۔ وہ بستر پر چاروں شانے چت لیٹی ہوئی خالی خالی نظروں سے چھت کو تکتے ہوئے سوچ رہی تھی "اس کے دماغ میں کون ہے رسونتی یا فرہاد؟"
میں نے کہا "میں ہوں فرہاد۔"
وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے رسونتی کو آواز دی "مادام! میں فرہاد صاحب کو اپنے دماغ میں محسوس کر رہی ہوں۔ پلیز آپ ان سے کہیں کہ میرے دماغ سے چلے جائیں۔"
چند لمحے خاموش رہ کر رسونتی کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اس نے پھر اسے مخاطب کیا "مادام! کیا میں سمجھ لوں کہ آپ میرے دماغ میں نہیں ہیں فرہاد صاحب اکیلے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں فرہاد صاحب سے درخواست کروں گی کہ وہ میرے دماغ سے چلے جائیں اور مادام کی مرضی کے بغیر میرے پاس نہ آیا کریں۔"
میں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے ذہن میں سوچ پیدا کی "ہاں اب میرا دماغ ہلکا ہو گیا ہے، فرہاد صاحب چلے گئے ہیں لیکن آخر وہ میرے پاس کیوں آئے تھے؟ انھوں نے میری نیند کیوں خراب کی؟"
اسی وقت رسونتی کی سوچ سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی "فکر نہ کرو۔ میں چپ چاپ تمھاری نگرانی کر رہی ہوں۔ ابھی فرہاد کے پاس جا کر انھیں سمجھا دیتی ہوں کہ وہ تمھارے پاس آ کر میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔"
مہتالی نے کہا "مادام! ابھی میں آپ کو آوازیں دے رہی تھی۔"

منظر نہ دیکھ سکی۔ وہ لوگ تہ خانے سے سونا نکالنے میں مصروف تھے کہ اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔
انھوں نے اس کے ہاتھ پیر کھول کر منہ سے کپڑا نکالا تو معلوم ہوا کہ اس کی فرصتِ گناہ تمام ہو چکی۔ میں نے رحمت علی کو بھی آزاد کر دیا۔ اس نے چونک کر دونوں اجنبیوں اور اپنی ساکت پڑی ہوئی بیگم کو دیکھا۔ پھر کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے گرج کر بولا "کون ہو تم لوگ۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"
ایک چور نے کہا "ہم تمھارا تہ خانہ خالی کرنے آئے تھے۔ ذرا دیکھ لو اس میں کچھ باقی تو نہیں رہ گیا۔"
رحمت علی ہڑبڑا کر آگے بڑھا۔ پلنگ کے نیچے گھس کر اس نے تہ خانے میں جھانک کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ چکرا کر تہ خانے میں جا گرا۔ بیوی کی لاش تو وہ دیکھ ہی چکا تھا۔ اتنا بڑا مالی نقصان دیکھ کر دل کی دھڑکنیں قائم نہ رکھ سکا۔ یہ بات تو کبھی وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ بھی مذاق کر سکتی ہے۔ دوسروں پر ستم کے تیر چلانے والے کو کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس کی کمان سے نکلا ہوا کوئی تیر راستہ بھٹک کر خود اس کی طرف بھی آ سکتا ہے جب کسی کی بازی یوں بے خبری میں الٹ جائے تو وہ اسی طرح سانسیں لینا بھول جاتا ہے۔ دولت کی مار کچھ ایسی ہی ہوتی ہے اس کے آنے کی خوشی تو قابلِ برداشت ہوتی ہے لیکن جانے کا غم برداشت کرنے کا حوصلہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے۔ میں نے ایک چور سے کہا "چلو خس کم جہاں پاک۔ بڑی بی کو بھی اندر ڈال کر تہ خانہ بند کر دو۔"
انھوں نے رحمت علی کی بیگم کو بھی اس کے پاس پہنچا کر تہ خانہ بند کر دیا۔ اب کوئی ان کا سراغ نہیں پا سکتا تھا۔ وہ ایسے گم ہوئے تھے کہ ان کی اولاد بھی انھیں تلاش نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے بچوں کو تہ خانے کے وجود سے بے خبر رکھ کر اپنے لیے اس بے نشان قبر کا اہتمام انھوں نے خود ہی کیا تھا۔
میں نے خیال خوانی کا سلسلہ ختم کر کے گھڑی دیکھی تو دس بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے۔ میں نے بستر سے اٹھ کر دروازے کو کھول دیا۔ نازیہ اپنی بہن بھائی اور باپ کے ساتھ باہر کھڑی دروازہ کھلنے کی منتظر تھی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ سب ہنستے مسکراتے اندر آ گئے۔
میں نے کہا "چائے پینے سے پہلے میں باتھ روم میں جاؤں گا۔" سلمان نے باتھ روم تک میری رہنمائی کی۔ تھوڑی دیر بعد میں ہاتھ منہ دھو کر واپس آیا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا۔
برکت علی نے پوچھا "کیا تم تمام رات جاگتے رہے ہو؟"
"میں ڈیڑھ گھنٹے کے لیے سویا تھا۔" میں نے جواب دیا۔
شازیہ نے کہا "یہ نازیہ تو ابھی تک جاگ رہی ہے!"
نازیہ نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر کچھ ایسی ادا سے مجھے دیکھا کہ میرے دل کے سارے تار جھنجھنا اٹھے۔ قدرت نے زمین کے ہر خطے پر ابنِ آدم کے امتحان کا ایسا سامان کر رکھا ہے کہ ایمان سلامت رکھنا آسان نہیں رہا ہے۔ میں اُسے صاف جواب دے چکا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے ترکش کا ہر تیر آزمانے پر تلی ہوئی تھی۔
ناشتے کے بعد میں نے کہا "اب آپ لوگوں کے لیے میرے پاس دو اہم خبریں ہیں۔ ایک اچھی دوسری بری۔ آپ لوگ کون سی خبر پہلے سننا پسند کریں گے؟"
برکت علی نے کہا "پہلے بری خبر سنا دو تا کہ اچھی خبر اس کا اثر جلد زائل کر دے۔"
میں نے کہا "بری خبر یہ ہے کہ آپ کے بھائی اور بھاوج اس دنیائے ناپائیدار سے کوچ کر گئے ہیں۔"
سب حیرانی اور بے یقینی سے میرا منہ تکنے لگے۔ برکت علی نے کہا "بیٹے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا میں اسے سچ سمجھوں؟"
میں نے کہا "جناب! میں آپ سے مذاق کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔"
"مگر اچانک یہ کیسے ہو گیا؟ کیا اس میں تمھاری ٹیلی پیتھی کو کچھ دخل ہے؟"
میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں جناب! میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ کسی کی جان لے لوں۔ بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے دن پورے ہو گئے تھے۔ اور پھر یہ کہ زندگی اور موت کا مالک وہی ہے۔"
وہ اٹھتے ہوئے بولے "مجھے وہاں جانا چاہیے۔"
میں نے کہا "بیٹھ جائیے۔ خبر سنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ وہاں جا کر ان کی موت کی تصدیق کریں۔ جاوید اور ان کے دوسرے گھر والوں کو ان کی موت کی خبر نہیں ہے معلوم ہو جانے کے بعد بھی انھیں ان کی لاشیں نہیں مل سکیں گی۔"
وہ حیران ہو کر بیٹھتے ہوئے بولے "اس کا کیا مطلب ہوا۔ ان کی لاشیں کہاں ہیں؟"
"مجھے افسوس ہے۔ یہ بات میں بھی نہیں جانتا۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ میں زندہ لوگوں کے دماغوں سے تو یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں۔ کسی مردے کے دماغ تک میری رسائی ممکن نہیں ہے!"
"تمھیں ان کی موت کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"
میں ان کے دماغ میں جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا لیکن میری سوچ کی لہریں ان تک نہیں پہنچ سکیں۔ میں جس شخص کے دماغ میں رسائی حاصل کر لیتا ہوں وہ اگر زندہ ہے تو دنیا کے کسی بھی حصے میں میری پہنچ سے دور نہیں ہوتا۔ موت ہی مجھے اس تک

پہنچنے سے روک سکتی ہے۔ جب مجھے ان کا دماغ نہ مل سکا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔"

"پاپا! آپ ان کے لیے اتنے فکرمند کیوں ہو رہے ہیں؟ ٹھیک ہے کہ وہ آپ کے بھائی تھے۔ مگر آپ کے خون کے پیاسے بھی تھے۔ آپ کو تو ان کی موت پر افسوس بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے لیے تو وہ قابلِ نفرت تھے۔" شازیہ نے کہا۔

"بیٹی! مرنے والوں کے لیے ایسا نہیں کہتے۔"

"آپ مُردوں کی بات کرتے ہیں انھوں نے ہم زندوں کے ساتھ کہنے اور کرنے میں کیا کمی چھوڑی ہے۔ انھی کی وجہ سے تو ہم اس بوسیدہ سے مکان میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارا حق مار کے انھیں کیا ملا۔ وہ اس میں سے اپنے ساتھ کیا لے گئے۔ بس ہمیں خوار کرنا تھا سو کر گئے۔"

میں نے کہا: "شازیہ ٹھیک کہتی ہے آپ کو اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہیے اور کسی طرح یہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہیے کہ آپ کو ان کی موت کی اطلاع مل چکی ہے۔ ان کے گھر والوں کو ان کی گمشدگی کا علم ہوگا تو وہ آپ لوگوں پر ہی شبہ کریں گے۔ اگر پولیس تحقیقات کے لیے یہاں آئے تو آپ بالکل انجان بن جائیں۔ اگر آپ کے کسی عمل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ پہلے سے اس سلسلے میں کچھ جانتے ہیں تو بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

نازیہ اور شازیہ نے بھی انھیں سمجھایا تو انھوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں گے اور کسی پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیں گے۔

نازیہ نے مجھ سے کہا: "اب بتائیے وہ خوشخبری کیا ہے۔"

میں نے کہا: "خوشخبری یہ ہے کہ آپ لوگوں کو شام تک اتنی دولت مل جائے گی جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

نازیہ نے پوچھا: "پھر بھی کتنی، کچھ تو تعداد بتلائیے۔"

میں نے برکت علی سے پوچھا: "آپ کے خیال میں آپ کے بھائی کے پاس کتنی دولت ہوگی۔"

انھوں نے کچھ سوچ کر کہا: "میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا۔ اس نے بڑے الٹے سیدھے دھندے کیے ہیں۔ اندازاً پندرہ بیس لاکھ روپے تو ہوں گے ہی۔"

میں نے کہا: "جناب! اس کے پاس پچپن سے ساٹھ لاکھ روپے تک کا تو صرف سونا ہے۔"

"کیا؟" حیرانی سے ان سب کے منہ کھل گئے۔

میں نے کہا: "ہاں، اور وہ تمام سونا اور چند لاکھ روپے نقد آپ کو مل جائیں گے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ یہ تمام دولت آج شام تک آپ کے پاس پہنچا دی جائے لیکن اب میں نے سوچا کہ اتنی ساری دولت ایک دم آپ کو مل گئی تو چھپی نہ رہ سکے گی۔ آپ سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سب کچھ اس طرح بتدریج آپ تک پہنچے کہ کسی کو آپ کے راتوں رات دولت مند بن جانے کا احساس نہ ہو سکے۔"

برکت علی نے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا: "بیٹے! جو احسان تم ہم پر کر رہے ہو، ہماری سات پشتیں بھی اس کا بدلہ نہیں چکا سکیں گی۔"

میں نے جلدی سے ان کے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر سے ہٹاتے ہوئے کہا: "آپ میرے بزرگ ہیں۔ میرے پیروں کو ہاتھ لگا کر شرمندہ نہ کریں۔"

انھوں نے پوچھا: "یہ سب کچھ تم نے ان سے حاصل کس طرح کیا؟"

"مجھ سے ایسے سوالات نہ کریں تو بہتر ہے جن کے جواب میں نہ دے سکتا۔"

میں ان سے اجازت لے کر کچھ دیر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ میرے پیچھے پیچھے نازیہ بھی وہاں آگئی۔ اس نے کہا: "آپ رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔ لائیے میں آپ کا سر دبا کر سلا دیتی ہوں۔"

میں نے کہا: "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسے کام خود کر لیتا ہوں۔ اب تو میں اس کا عادی ہو چکا ہوں۔"

اس کا منہ لٹک گیا۔ وہ اداسی سے بولی: "کیا آپ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ میں کچھ وقت آپ کے ساتھ گزار سکوں؟"

مجھے اس پر ترس آگیا۔ میں نے اس کا دل رکھنے کو کہا: "نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ آج کل میں بہت مصروف ہوں۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے یلغار کی ہوئی ہے۔ ان سے نمٹ لوں پھر تم جتنا چاہو میرے ساتھ وقت گزار لینا۔ اب تو خوش ہو؟"

"مجھے آپ کے وعدے پر یقین ہے۔ ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں، آپ آرام کریں۔" وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

میں نے دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹ کر حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد میں نے نازیہ کے دماغ میں جھانکا۔ وہ ماسی بسم اللہ کے ہاں بستر پر لیٹی میرے بارے میں سوچ رہی تھی۔ گزشتہ شب وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سوئی تھی اور اب بھی آنکھیں بند کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اس کے دماغ میں آؤں تو اسے سوتا پا کر واپس چلا جاؤں۔ بیگی ساتے کے پیچھے دوڑ کر خود کو ہلکان کیے لے رہی تھی۔ میں نے ٹیلی پیتھی سے اس کے دماغ کو تھپکنا شروع کر دیا تو اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں نے اس کے دماغ کو ہدایت دی کہ وہ کم از کم سات گھنٹے تک سوتی رہے۔ جب وہ گہری نیند میں ڈوب گئی تو میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

پھر میں نے چودھریوں سے رابطہ قائم کر کے انھیں تمام [illegible] نقد رقم میں تبدیل کرانے کی ہدایت کی۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے سونیا کے دماغ پر دستک دی۔ وہ جاگ رہی تھی۔ اسے اپنی خیریت سے مطلع کر کے کچھ دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد میں واپس آیا اور اپنے دماغ کو ہدایت دے کر سو گیا۔

دوپہر کے دو بجے سو کر اٹھا تو طبیعت تر و تازہ ہو چکی تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ برکت علی ایک کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا: "اب مجھے اجازت دیجیے اور آپ بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ میں آپ کو ایک صاحب سے ملا دوں گا۔ ان کے ساتھ جا کر آپ کسی اچھی جگہ کوئی کوٹھی یا بنگلہ دیکھ کر منتخب کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یہاں سے کسی ایسی جگہ منتقل ہو جائیں جہاں آپ کی موجودہ زندگی کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا ہو۔"

شازیہ نے کہا: "لیکن آپ اس طرح کہاں جا رہے ہیں؟ کھانا تیار ہے۔ آپ کے جاگنے کے انتظار میں ہم نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے۔ پہلے کھانے سے فارغ ہو لیں۔"

میں نے کہا: "ٹھیک ہے میں منہ ہاتھ دھو لوں۔ آپ کھانا لگائیں۔" پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا: "نازیہ اس وقت نظر نہیں آ رہی ہے۔ وہ کہاں گئی؟"

شازیہ بولی: "وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ ماسی بسم اللہ کے ہاں سو رہی ہے۔ میں ابھی بلا کر لاتی ہوں۔" وہ نازیہ کو بلانے چلی گئی اور میں غسل خانے میں گھس گیا۔

منہ دھوتے ہوئے میں نے چودھری تین سے رابطہ قائم کر کے اسے حالات سے آگاہ کر دیا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ کسی ایسے شخص کو یہاں بھیج دے جو برکت علی کے لیے مکان کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ کھانے سے فارغ ہو کر میں برکت علی کے ساتھ گھر سے نکلا تو چیئرنگ کراس کے پاس ایک چودھری اپنی کار میں ہمارا منتظر تھا۔ میں نے اپنے ایک ماتحت کی حیثیت سے اس کا تعارف برکت علی سے کرایا اور انھیں اس کے ساتھ روانہ کر کے اعلیٰ بی بی کی اقامت گاہ کی طرف چل دیا۔

ایک محشر بداماں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے استقبال کے لیے بیرونی دروازے پر ہی موجود تھی۔ وہ میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔ میں نے اس سے قبل اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں کے راستے اس کے دماغ میں جھانکا تو حیران رہ گیا۔ وہ عنبر تین تھی جو اس وقت اپنی اصل شکل و صورت میں میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے مسکرا کر اس دوشیزۂ جمال و کمال سے کہا: "تم تو میری توقع سے کہیں زیادہ حسین ثابت ہوئی ہو۔ یہ دولتِ حسن کہاں سے لوٹی ہے؟"

وہ خوشی سے کھل کر بولی: "یہ سب اعلیٰ بی بی کی عنایات ہیں۔ وہ ہمارا ہر طرح سے خیال رکھتی ہیں۔ ہیرے کو تراش کر اسے نظر فریب نظاروں میں ڈھالنے کا فن انھیں خوب آتا ہے۔"

میں نے پوچھا: "یہ تمھاری اعلیٰ بی بی آخر ہے کیا بلا؟ وہ میرے سامنے کب آئے گی۔ کہاں ہے وہ؟"

"ذرا صبر کریں۔ ایک دن ان سے بھی آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ فی الحال تو آپ منجالی سے ملاقات کریں۔"

میں نے چونک کر پوچھا: "منجالی سے ملاقات۔ کیا مطلب؟ کیا وہ یہاں پہنچ گئی ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "وہ نہیں پہنچی جناب! اس کی ہسٹری شیٹ پہنچ گئی ہے۔ جس کے مطالعے کے بعد آپ منجالی سے مکمل واقفیت حاصل کر لیں گے۔" اس نے ایک فائل میری طرف بڑھا دی۔

اس کے ہاتھ سے فائل لے کر میں ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور نہایت بےچینی سے فائل کھول کر مطالعے میں غرق ہو گیا۔ پہلے صفحے پر ایک سیاہ رنگت لیکن دلکش نقوش کی مالک دوشیزہ کی تصویر تھی۔ جو اپنے سیاہ رنگ کے باوجود دیکھنے والوں کی نظریں اپنے چہرے سے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔ اسے دیکھ کر پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا تھا کہ اعلیٰ بی بی ہیرے تراشنا ہی نہیں، پرکھنا بھی خوب جانتی تھی۔

دوسرے صفحے سے اس کی ہسٹری شروع ہو گئی تھی۔ نام منجالی۔

عمر۔ اٹھائیس سال۔

قد۔ ساڑھے پانچ فٹ۔

تعلیم۔ میڈیکل سرجن۔

اضافی صلاحیت۔ زہروں کے خواص سے واقف ہے۔

جنوبی افریقہ کے وحشی قبیلے منگورا سے تعلق رکھتی ہے۔ اس قبیلے کو کوبرا قبیلہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سانپوں کا زہر نکال کر محفوظ کر لیتے ہیں خصوصاً کوبرا کا۔

منجالی قبیلے کے سردار کی بیٹی ہے جسے قبیلے کے دستور کے مطابق بچپن ہی سے زہریلا بنا دیا گیا ہے۔ اس پر کسی قسم کا زہر اثر نہیں کرتا۔ خود وہ کسی خطرناک ناگن سے کم نہیں۔

اس کی آنکھوں میں سانپ ہی کی طرح مقناطیسی کشش ہے۔ کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہے تو وہ پلک جھپکانا تک بھول جاتا ہے۔ اس کا جھوٹا کھانے یا پینے والا اس کے زہر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ فطرت بھی ناگن جیسی ہے۔ پانچوں حواس اس قدر تیز ہیں کہ عالمِ خواب میں بھی چوکنا اور ہوشیار رہتی ہے۔ زمین سے کان لگا کر سو گز کے فاصلے سے آنے والے کے قدموں کی آہٹ محسوس کر لیتی ہے۔ ذہن اتنا حساس ہے کہ خلافِ معمول ہونے والی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی محسوس کر لیتی ہے۔ ٹیلی پیتھی کی لہریں بھی اس کی بےخبری

میں اس کے دماغ میں داخل نہیں ہوسکتیں۔

اس کے بعد چالیس چوروں کی تنظیم کا مختصر تعارف تھا۔اس تنظیم کے بانی فرید واسطی تھے۔جن کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا۔ان کا اصل نام فرانڈ واسکر تھا جسے اسلام قبول کرنے کے بعد فرید واسطی سے بدل دیا گیا تھا۔بیس سال جید عالموں کی صحبت میں گزار کر اسلام اور اس کے ضابطوں سے آگاہی حاصل کی۔سائنس، فلسفہ، نفسیات، نجوم اور قیافہ کا علم حاصل کیا۔ٹیلی پیتھی کے فن پر عبور حاصل کیا۔ستر برس کی عمر تک علم و فن کے خزانے سے بے بہا ہیرے چننے کے بعد عمل کی دنیا میں قدم رکھا اور ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھی جو موجودہ نارامن نسل کی اصلاح اور رہنمائی کر کے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کر سکے۔

ان کی آنکھوں کی مقناطیسی کشش اور دل میں اتر جانے والے اندازِ گفتار نے سیکڑوں سرکشوں کے سر نگوں کر دیے تھے۔ ٹیلی پیتھی کا فن وہ بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ستر برس کی عمر میں بھی صحت قابلِ رشک تھی۔چوروں اور ڈاکوؤں کی ذہانت اور مہارت کا رُخ تخریب سے تعمیر کی طرف موڑ کر انھیں معاشرے کا ایک شریف فرد بنانے میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔انسان اور انسانیت کو دنیا کی ہر چیز سے بالاتر قرار دے کر انسان کو مکمل طور پر انسانیت کے جامے میں دیکھنا چاہتے تھے۔چالیس چوروں کی یہ تنظیم اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ان کے ادارے میں اس وقت پانچ سو طلبا اور طالبات علم اور اخلاق کے زیور سے آراستہ کیے جا رہے تھے۔یہ ادارہ انسٹیٹیوٹ آف تھیوریٹکل اینڈ پریکٹیکل سائیکولوجی کے نام سے جانا جاتا تھا۔

منجالی کو بابا فرید واسطی نے ایک مہم کے دوران ، جنوبی افریقہ کے ایک خطے سے دریافت کیا تھا۔وہ جب انسٹیٹیوٹ لائی گئی اس وقت اس کی عمر سولہ برس تھی۔وہ بے حد ضدی، غصہ ور اور سرکش لڑکی تھی۔ بابا نے اس پر بڑی محنت کی اور بمشکل اس کے مزاج کا.... آتش فشاں ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو سکے۔منجالی کا موجودہ روپ بابا کی دس سالہ کاوش کا نتیجہ ہے۔

منجالی سونیا کو اپنا آئیڈیل سمجھتی ہے۔ بابا کے ادارے میں طلبا کو دنیا بھر کے ماہرِ فن اور نامور لوگوں کے حالاتِ زندگی سے آگاہ رکھا جاتا ہے۔فرہاد علی تیمور کے حالاتِ زندگی جاننے کے دوران وہ سونیا کے کردار سے بے حد متاثر ہوئی اور اسے اپنا آئیڈیل بنا لیا۔

سخت ترین آزمائشی مراحل سے گزر کر ایک سال قبل وہ چالیس چوروں کی تنظیم میں شامل ہوئی تھی۔چھ ماہ قبل اسے رسونتی کے قریب رکھنے کا فیصلہ کر کے غلام کی بستی میں پہنچا دیا گیا تھا۔غلام کو ایسے باکمال لوگوں کی تلاش تھی۔جن کے ساتھ رہ کر فرہاد علی تیمور کی اولاد غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک بن سکے چنانچہ زہروں سے واقفیت اور بابا کے سکھائے ہوئے دوسرے علوم و فنون نے منجالی کو جلد ہی رسونتی کے معتمدوں کی صف میں شامل کر دیا۔رسونتی کو جب یہ معلوم ہوا کہ منجالی ایک زہریلی لڑکی ہے اور انسانوں کو سانپ کے خواص عطا کرنے کے فن سے آشنا ہے تو اس کے دل میں اپنے ہونے والے بچے کو زہریلا بنانے کے لیے دیگر علوم و فنون کے علاوہ زہریلا سانپ بنانے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی۔

اس نے منجالی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو منجالی اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے بخوشی اس کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ رسونتی کو اس کی صرف ایک بات پسند نہیں تھی کہ وہ اپنے دوسرے خدمت گاروں کی طرح منجالی کی لاعلمی میں اس کا دماغ نہیں پڑھ سکتی تھی۔لیکن جلد ہی منجالی کی بے لوث محبت اور وفاداری نے اس کے دل سے یہ خلش بھی دور کر دی۔اور وہ منجالی پر بھروسا کر کے اعتماد کرنے لگی۔

منجالی کو رسونتی کی نگرانی پر مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بابا فرید واسطی رسونتی کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ انھیں شبہ تھا کہ وہ فرہاد کے ساتھ دوہری چال چل رہی ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ایک ہی ہتھکڑی میں جکڑے ہونے کے دوران ــــــ رسونتی نے کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور جب خدا کو گواہ بنا کر اپنے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا عہد کیا تھا اس وقت رسونتی نے ہندو عقائد کے مطابق اپنے بھگوان سے عہد کیا تھا۔اس کی زبان سے بھگوان کا نام سن کر فرہاد نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ بے پناہ مسرت و شادمانی سے سرشار فرہاد نے غور ہی نہیں کیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔اس کے کان تو صرف یہ نوید سن رہے تھے کہ وہ زندگی بھر کے لیے اس کے دامن میں پناہ لینے کا اعلان کر رہی ہے۔مگر بابا فرید واسطی جو ان کی لاعلمی میں اپنی ٹیلی پیتھی کی آنکھ سے انھیں دیکھ رہے تھے۔ رسونتی کا عہد سن کر چوکنا ہو گئے تھے۔ انھیں رسونتی کی نیت کا کھوٹ نظر آنے لگا تھا۔چنانچہ وہ مستقل اس کی نگرانی کرتے رہے اور جب رسونتی کی کھوئی ہوئی توانائی لوٹ آئی ٹیلی پیتھی کی طاقت بحال ہو گئی تو ان کے لیے چھپ کر اس کے دماغ سے معلومات حاصل کرنا ممکن نہ رہا۔اس دوران یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ رسونتی اپنے بچے کو فرہاد کی ہدایت کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق تربیت دینا چاہتی ہے۔ لہٰذا انھوں نے یہ کام منجالی کے سپرد کر دیا۔

ایسی صورت میں جبکہ رسونتی نے فرہاد کے لیے اپنے دماغ

کے دریچے بند کر دیے ہیں تو بابا واسطی بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کے دماغ میں نہیں جا سکتے۔ایک منجالی ہی ایسی تھی جو رسونتی کے قریب رہ کر اس کی چالوں کو سمجھ سکتی اور ان کا توڑ کر سکتی تھی۔اسے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ اگر رسونتی اس کی بات نہ مانے یا اس پر بھی شک کرنے لگے تو وہ اسے اپنا جھوٹا کھلا کر زہر کے ذریعے اس کا دماغ اتنا کمزور کر دے کہ ٹیلی پیتھی کا استعمال اس کے لیے ناممکن ہو جائے۔ فرہاد کے بچے کو رسونتی کی سازش سے محفوظ رکھنا تنظیم اپنا فرض سمجھتی ہے۔

یہ انکشاف میرے لیے اس قدر اذیت ناک تھا کہ مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔رسونتی سے مجھے یہ امید نہ تھی۔ اگر میں منجالی کی فائل نہ پڑھتا تو اس کے بارے میں اس انداز سے کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ رسونتی نے میرے دل کے شیشے پر پتھر کھینچ مارا تھا۔اعتماد کی مضبوط دیوار ڈھا کر بے اعتباری کا بیج بو دیا تھا۔

آخر میں اعلیٰ بی بی نے مجھے مخاطب کر کے لکھا کہ میں اب منجالی کے دماغ میں جانے کی کوشش نہ کروں۔رسونتی ہر وقت اس کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔اس طرح مجھے کوئی فائدہ نہ ہو سکے گا اور اگر بات کھل گئی تو منجالی بھی کچھ نہ کر سکے گی۔ وہ لوگ یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ رسونتی کو کہاں رکھا گیا ہے۔ماحول اور موسم کے بارے میں مجھ سے جو کچھ معلوم ہوا ہے۔اس سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ دارالسلام کے آس پاس کہیں موجود ہیں۔ان کی تنظیم کے کارکن اس علاقے کے جنگلوں اور پہاڑوں میں وہ جگہ تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔امید ہے وہ بہت جلد مطلوبہ مقام تک پہنچ جائیں گے۔اگر ہمیں اس طرح کامیابی نہ ہو سکی تو ہم چار ماہ انتظار کریں گے۔چار ماہ بعد رسونتی کے بچے کی ولادت متوقع ہے۔اس وقت وہ جس اذیت سے دوچار ہوگی اس کے دوران اسے خود اپنا ہوش نہ ہوگا۔اس کا دماغ اس قدر کمزور ہو جائے گا کہ شاید وہ کسی دوسری سوچ کو اپنے دماغ میں محسوس ہی نہ کر سکے۔اس وقت اس کے دماغ سے سارے راز اگلوائے جا سکیں گے۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح سب کچھ بتانے پر مجبور ہو جائے گی۔

منجالی سونیا سے ملاقات کی خواہش مند ہے۔ہمارا خیال ہے کہ جگہ کے بارے میں معلوم ہو جانے کے بعد رسونتی اور بچے کو وہاں سے نکال کر لانے کی مہم سونیا کے سپرد کر دی جائے۔ اس طرح یہ معرکہ بھی بخیر و عافیت سر ہو جائے گا اور منجالی کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔اگر آپ ان کے خیال سے متفق ہوں تو یہ بات ابھی اپنے تک محدود رکھیں۔سونیا کو ابھی سے کچھ بتایا گیا تو ممکن ہے۔رسونتی اس کے دماغ سے ہمارا منصوبہ معلوم کر کے ہوشیار ہو جائے۔

میں نے فائل بند کر کے رکھ دی۔میرے سر پر جیسے کوئی ہتھوڑے سے ضربیں لگا رہا تھا۔میں رسونتی کی ایک ایک بات یاد کر رہا تھا۔ اس کے ہر انکار، ہر گریز میں جھانک کر دیکھ رہا تھا۔مجھے ہر جگہ ہر عمل میں جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔لیکن اس نے ایسا کیوں کیا؟ وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہی تھی؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔میں نے اس کا ہر طرح خیال رکھا تھا، ہر بُرے وقت میں اس کی ڈھال بن گیا تھا پھر وہ کیوں اس ڈھال کو توڑ دینا چاہتی تھی؟

میں نے آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر فائل منیر تمن کی طرف بڑھا دیا۔"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ فائل میرے ہاتھ سے لے کر بولی:"کہیں تو کافی بنا کر لے آؤں؟"

میں نے کہا:"نہیں، اس وقت کافی کو بالکل دل نہیں چاہ رہا ہے۔"

"تو پھر لائیے سر دبا دوں۔" اس نے کہا۔

میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ایک بار پہلے بھی اس نے میرا سر دبانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔اس وقت میں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اس وقت اس کے لہجے کی مٹھاس نے میرے زخمی دل پر مرہم کا کام کیا تھا۔آج میں نے اسے اس کے اصلی روپ میں دیکھا تھا اور یہ روپ بھی ایسا نہیں تھا کہ میں آنکھیں بند کر کے اسے فراموش کر دیتا۔میرے دل میں اسے جاننے کی خواہش نے سر ابھارا۔ میں نے پوچھا:"تمھارا نام کیا ہے؟"

"اینی فاسٹر۔" اس نے جواب دیا۔"میرا تعلق جرمنی سے ہے۔"

میں نے کہا:"اینی! میں خواب گاہ میں جا رہا ہوں۔تم یہ فائل رکھ کر وہاں آجاؤ۔ممکن ہے تمھاری معیت میں میرا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔"

"جی بہتر ہے۔" وہ فائل لے کر چلی گئی۔میں خواب گاہ میں آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔چند ثانیے بعد اینی بھی آگئی۔وہ میرے پاس بیٹھ کر اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے آہستہ آہستہ میرا سر دبانے لگی۔اس کے ہاتھوں کے لطیف لمس اور جسم سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی پُرکیف خوشبو کا سحر میرے دل و دماغ پر چھاتا چلا گیا۔جلد ہی دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو کر میں خوابوں کی جنت میں داخل ہو گیا۔

❁

وقت کا کبھی نہ ختم ہونے والا سفر جاری رہا۔ہر دروازہ بند پا کر ہر کوشش میں ناکام رہ کر میں اس وقت کا انتظار کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔جب رسونتی کی ساری توانائیاں اس کا ساتھ چھوڑ کر اسے میرے رحم و کرم پر چھوڑ جاتیں۔اس دوران سونیا اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے اسلام آباد چلی گئی تھی۔برکت علی، نازیہ اور شازیہ اب ایک شاندار

کوٹھی میں پُرتعیش زندگی گزار رہے تھے۔ مگر تازیہ میرے لیے دیوانی ہو رہی تھی۔ وہ میرے ہر جاننے والے سے میرے بارے میں پوچھتی پھرتی تھی۔ پگلی حقیقت کو جھٹلا کر سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ گزرے ہوئے اس وقت کو پکڑنا چاہتی تھی جو کبھی واپس نہیں آتا۔ وہ عمر کے جس دور سے گزر رہی تھی۔ وہاں جذبوں کی شوریدہ سری آدمی کو ایسے ہی فریب میں مبتلا کر دیتی ہے سامنے کی سچائیاں نظر نہیں آتیں۔ نظر فریب نظاروں پر حقیقت کا گماں ہوتا ہے۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر کنارہ کر لیا تھا۔ مجھے یقین تھا جب سرکش جذبوں کی طغیانی کا زور ٹوٹے گا، شعور، عقل کے دروازے پر دستک دے گا تو دل کو خود بخود قرار آجائے گا۔ ابھی اگر میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تو آتش عشق سرد ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھتی۔ اس کا بس یہی ایک علاج تھا کہ میں اس سے قطع تعلق کر کے اسے اس کے حال پر چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا تھا۔

اعلیٰ بی بی کی ہدایت کے مطابق میں نے منجالی سے دوبارہ رابطہ قائم نہیں کیا۔ دو ماہ بڑے کرب اور بے چینی کے عالم میں گزارے مزید صبر کرنا ممکن نہ رہا تو میں نے ممباسی کے دماغ سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی مجھے کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ رسونتی اس قدر محتاط تھی کہ اپنی دونوں رازدار اور نہایت ہی قابل اعتبار کنیزوں پر بھی کوئی بات ظاہر نہیں ہونے دیتی تھی۔

تیسرے مہینے تین چوڑ دار السلام کے ساحلی علاقے کا جائزہ لینے کے لیے ایک موٹر بوٹ میں ماہی گیروں کا روپ دھار کر روانہ ہوئے۔ ساحل سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر الدبرا نامی جزیرے کے قریب انھوں نے ایک جہاز کو لنگر انداز دیکھا تو وہ جہاز کی طرف بڑھنے لگے۔ قریب پہنچنے پر جہاز سے ان کی موٹر بوٹ پر روشنی ڈال کر لاؤڈ اسپیکر سے پوچھا گیا۔ وہ کون لوگ ہیں اور ادھر کیوں آئے ہیں۔ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ ماہی گیر ہیں اور شاید راستہ بھول کر ادھر نکل آئے ہیں۔ جہاز سے کہا گیا کہ وہ واپس چلے جائیں جزیرہ الدبرا پر کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ انھوں نے اپنی موٹر بوٹ کا رخ موڑ لیا اور ایک طویل چکر کاٹ کر جزیرے کے دوسری جانب نکل گئے مگر انھیں جزیرے تک پہنچنے کا راستہ نہ مل سکا کیونکہ جزیرے کے گرد کئی موٹر بوٹ وقفے وقفے سے چکر لگا رہی تھیں جن میں مسلح جوان رائفلیں اور مشین گنیں لیے چوکنا کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ہر بوٹ سے بار بار یہ اعلان دہرایا جا رہا تھا کہ جزیرہ الدبرا سے دور رہیں کسی اجنبی کو ادھر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ لوگ مایوس ہو کر واپس آ گئے۔

اعلیٰ بی بی نے اپنی تنظیم کے ممبروں کو ہدایت کی کہ افریقہ کے مشرقی ساحل کی ریاستوں سے رابطہ قائم کر کے الدبرا کے بارے میں معلوم کیا جائے کہ وہ کس ریاست کی حدود میں ہے۔ اور وہاں کس طرح پہنچا جا سکتا ہے۔ ایک ماہ کی تگ و دو کے [illegible] معلوم ہوا کہ جزیرہ ایک بڑے ملک کے پولیٹیکل ایڈوائزر کی ذاتی ملکیت ہے یہ شخص ایک یہودی سرمایہ دار ہے۔ اس نے جزیرے کی مکمل ناکہ بندی کر دی ہے۔ اور وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کا ذاتی جہاز جو جزیرے کے ساحل پر لنگر انداز ہے جزیرے کی حفاظت اور نگرانی کا کام انجام دیتا ہے۔

اس جستجوئے ناکام میں چار ماہ گزر گئے تھے۔ اب رسونتی کے ہاں بچے کی ولادت کا وقت قریب آ چکا تھا۔ چنانچہ میں نے رسونتی کی دوسری کنیز ممباسی کے دماغ سے رسونتی کے بارے لمحے لمحے کی اطلاع حاصل کرنا شروع کر دی۔ چند ہی روز بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ کامران لمحات آ پہنچے ہیں جن کا مجھے چار ماہ سے انتظار تھا۔ لیڈی ڈاکٹر روزا رسونتی کی خواب گاہ میں جا چکی ہے اور رسونتی تخلیق کے کرب میں مبتلا ہے۔ میں نے فوراً رسونتی کے دماغ میں جھانکا۔ درد و کرب کے ان اذیت ناک لمحات میں اسے اپنا ہوش نہیں تھا۔ وہ میری موجودگی کو کس طرح محسوس کر سکتی تھی۔ وقت پر گرفت رکھنا اس کے لیے ممکن نہ رہا تھا۔ چنانچہ بے وفا وقت اس کا ساتھ چھوڑ کر میرے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

ڈاکٹر روزا پوری توجہ اور انہماک سے اسے اس مشکل سے نکالنے میں مصروف تھی۔ منجالی اور ممباسی اس کی ہمت بڑھا رہی تھیں چند منٹ اذیت سہنے کے بعد رسونتی قدرے پُرسکون ہونے لگی۔ میں نے ڈاکٹر روزا کے دماغ کو ٹٹولا معلوم ہوا ابھی ابتدائی مرحلہ ہے تین چار گھنٹے تک ولادت متوقع ہے۔ میں نے منجالی کے دماغ میں پہنچ کر اسے مخاطب کیا تو وہ چوکنا ہو گئی۔

میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا: "اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ رسونتی اس وقت اس قابل نہیں ہے کہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے کچھ معلوم کر سکے۔ تم بے خوف و خطر مجھ سے باتیں کر سکتی ہو۔ تم نے اس عرصے میں یہاں موجود لوگوں کے معمولات سے خاصی واقفیت حاصل کر لی ہوگی۔ کیا تمھاری نظر میں کوئی ایسا شخص ہے جو میرا معمول بن کر اس علاقے کے بارے میں کچھ بتا سکے؟"

اس نے کہا: "فرہاد صاحب! میں ان لوگوں کے معمولات کا بہت گہری نظروں سے جائزہ لیتی رہی ہوں۔ مجھے جیفر کچھ کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ بلاناغہ رات کے نو بجے سے شراب نوشی شروع کر دیتا ہے اور اس وقت تک پیتا رہتا ہے جب تک اس کے ہاتھ بوتل اور گلاس اٹھانے کی طاقت سے محروم نہیں ہو جاتے۔ ابھی ساڑھے آٹھ بجے ہیں اگر آپ کہیں تو میں جا کر اس کی شراب کی بوتل اور گلاس کے کناروں پر اپنا لعاب دہن لگا آتی ہوں تاکہ جب وہ بوتل سے شراب انڈیلے اور گلاس منہ سے لگائے تو میرا اثر شراب

اور آتش بنا کر اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جلد ہی چھین لے۔"

میں نے کہا: "ٹھیک ہے تم جاؤ، جب تک میں رسونتی کا دماغ پڑھ کر دیکھتا ہوں۔"

وہ ممباسی کے کان میں ابھی واپس آنے کا کہہ کر باہر چلی گئی میں رسونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ پُرسکون تھی۔ مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر کے اس نے سانس روکنا چاہی تاکہ مجھے اپنے دماغ سے نکال دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس کی سانس یوں دھونکنی کی طرح چل رہی تھی جیسے بہت دور سے دوڑتی ہوئی آئی ہو۔ چنانچہ اس کمزوری کی حالت میں اس کے لیے سانس روکنا ممکن نہ ہو سکا۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: "رسونتی! اس وقت تمھیں ایک ایسے ہمدرد و غمگسار کی ضرورت ہے جو تمھارا دل بہلا سکے۔ اس خوفناک اذیت کی جانب سے تمھاری توجہ ہٹا کر تمھاری دلجوئی اور حوصلہ افزائی کر سکے اس وقت بھی تم مجھے خود سے دور رکھنا چاہتی ہو۔"

اس نے جواب دیا: "فرہاد! تمھاری محبت ہی تو میری زندگی کا کل سرمایہ ہے میں تمھیں اپنے سے دور کیسے رکھ سکتی ہوں۔ مجھے تو قدم قدم پر تمھاری ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر اس وقت تمھاری یہاں موجودگی کا احساس میری جان لے لے گا۔ میں شرم و حیا سے مر جاؤں گی۔ اگر تم اپنی رسونتی کی زندگی چاہتے ہو تو اس وقت میری تنہائیاں مجھے لوٹا دو، مجھے اس احساس سے آزاد کر دو کہ ان تین عورتوں کے علاوہ بھی کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔"

میں نے کہا: "ٹھیک ہے اگر تم مناسب نہیں سمجھتیں تو میں چلا جاتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ!"

میں اس کے دماغ سے نکل کر ممباسی کے دماغ سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ چپ چاپ لیٹی چھت پر نظریں جمائے شاید مجھے اپنے دماغ میں محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ یقین حاصل کر رہی تھی کہ واقعی میں اس کے دماغ سے جا چکا ہوں یا چھپ کر اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اسی دوران منجالی واپس آ گئی۔ اس نے منجالی کو دیکھ کر کہا: "منجالی! کیا تم اپنے دماغ میں کسی کی موجودگی محسوس کر رہی ہو؟"

منجالی نے جواب دیا: "نہیں مادام میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کر رہی ہوں۔ اس وقت میرا دماغ بالکل نارمل ہے۔"

وہ آہستہ سے بڑبڑائی: "ابھی میرے دماغ میں فرہاد موجود تھے۔ مجھے نہیں آتا کہ وہ میری بات مان کر واپس چلے گئے ہیں۔ اگر تم اپنے دماغ میں محسوس کرو تو مجھے فوراً بتا دینا۔"

منجالی نے کہا: "مادام! آپ مجھے بارہا آزما چکی ہیں میں ہمیشہ فرہاد صاحب کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی آپ کو مطلع کر دیتی ہوں۔"

رسونتی نے اثبات میں سر ہلا کر کہا: "ہاں میں جانتی ہوں! اسی لیے تم پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرتی ہوں۔ مجھے تمھاری وفاداری اور سعادت مندی پر کبھی شبہ نہیں ہوا۔" پھر وہ ممباسی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ممباسی! تم بھی میری وفادار اور شریک راز ہو۔ مجھے تم پر بھی پورا پورا اعتبار ہے، تم کبھی میرے ساتھ فریب نہیں کر سکتیں لیکن فرہاد کے معاملے میں تم بے بس ہو۔ تم انھیں اپنے دماغ میں محسوس نہیں کر سکتیں۔ تمھارے دماغ میں رہ کر وہ یہاں کے بارے میں ہر بات جان سکتے ہیں۔ میں مناسب نہیں سمجھتی کہ وہ اس وقت ہمارے درمیان رہیں لہٰذا تم باہر چلی جاؤ۔ اگر ضرورت ہوگی تو تمھیں بلا لیا جائے گا۔"

ممباسی نے جھک کر تعظیم دی اور اس کے حکم کی تعمیل میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں نے اس کے دماغ میں سوال پیدا کیا: ذرا دیکھوں مسٹر ایڈی اور جیفر کیا کر رہے ہیں، یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے دائیں جانب ایک کمرے کے نیم وا دروازے کی طرف دیکھ کر سوچا: مسٹر جیفر اپنے کمرے میں موجود ہیں۔ نو بجنے والے ہیں یہ ان کی شراب نوشی کا وقت ہے۔ اسی دوران وہ سو جائیں گے۔

یہ معلوم ہوتے ہی میں نے جیفر کے دماغ کی طرف جست کی۔ وہ سر جھکائے ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ سامنے سنٹر ٹیبل پر شراب کی نصف خالی بوتل اور ایک خالی گلاس رکھا تھا۔ اس کا دماغ چرخی کی طرح چکرا رہا تھا اور وہ حیران حیران سا سوچ رہا تھا آج تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ شراب مجھے پی رہی ہو۔ شراب تو میں روز ہی پیتا ہوں مگر آج... کیا بات ہے کسی نے اس میں کچھ ملا تو نہیں دیا۔ اُف میرا دماغ سنسنا رہا ہے، سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ پورے بدن کی جان نکلی جا رہی ہے۔ آہ، ایڈی! ایڈی کا خیال آتے ہی اس نے اسے آواز دینے کے لیے منہ کھولا پھر اُسے یاد آیا کہ ایڈی تو اس وقت ٹرانسمیٹر کے سامنے بیٹھا مادام رسونتی کے بارے میں پل پل کی خبریں دے رہا ہوگا۔ میں نے اس کے دماغ کو اکسایا: "جس طرح میرے اندر گڑبڑ ہو رہی ہے اگر اسی طرح ٹرانسمیٹر میں گڑبڑ ہو جائے تو ایڈی کس طرح پیغام پہنچائے گا۔"

فوراً ہی اس کی اپنی سوچ نے کہا: "لو، میں بھی کیسی باتیں سوچنے لگا ہوں، یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ ٹرانسمیٹر میں گڑبڑ کیوں ہونے لگی؟ اور اگر گڑبڑ ہو بھی جائے تو کیا ہوگا۔ کوئی زیادہ فاصلہ تو نہیں ہے۔ وہ خود جا کر بھی اطلاع دے سکتا ہے۔ جزیرے کے ساحل پر جا کر جہاز میں موجود لوگوں تک پیغام پہنچانے میں دیر ہی کتنی... لگے گی۔ یہ جزیرہ الدبرا..."

سوچتے سوچتے اس کا دماغ ڈوبنے لگا۔ وہ کچھ سوچنے کے قابل نہ رہا تو میں اس کے تحت الشعور میں اتر گیا اور اس کے شعور کے پردے اٹھانا شروع کر دیے معلوم ہوا۔ جزیرے کے ساحل پر لنگر انداز جہاز میں دو سو مسلح افراد، چھ موٹر بوٹس، دو مشین گنیں،

بے شمار اسٹین گنیں، رائفلیں، دستی بم اور دوسرے ہتھیار موجود ہیں۔ دو ہیلی کاپٹر ہر وقت جہاز کے عرشے پر موجود رہتے ہیں، ایک ہیلی کاپٹر جزیرے پر موجود لوگوں کے لیے راشن اور دوسرا سامان ضرورت فراہم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا کسی ہنگامی ضرورت کے لیے تیار رہتا ہے۔ موٹر بوٹس جزیرے کے گرد چکر لگا کر نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے درمیان دن کے وقت آدھے آدھے اور رات کو ایک ایک گھنٹے کا وقفہ رکھا جاتا ہے۔

یہ تمام معلومات حاصل کر کے میں مملسی کے دماغ میں واپس پہنچا تو وہ رسونتی کی خواب گاہ کے باہر ہی چکر لگا رہی تھی۔ اسے ابھی تک اندر نہیں بلایا گیا تھا۔ میں اسے چھوڑ کر منجالی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے اپنے دماغ میں محسوس کر لیا مگر خاموش کھڑی رہی۔ میں نے اس کے دماغ سے رسونتی کو درد سے تڑپتے مچلتے دیکھا اور فوراً اس کے پاس پہنچ گیا۔ رسونتی تکلیف سے نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے شعور کی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا۔

وہاں ایسے ایسے انکشافات میرے منتظر تھے جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سونیا کا خیال بالکل درست ثابت ہوا تھا۔ میری اور سونیا کی شادی کی اطلاع ہمارے دشمنوں کو رسونتی نے ہی پہنچائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں یہ بات کبھی نہیں جان سکوں گا۔ وہ وقت کی چالوں سے بے خبر تھی، اسے نہیں معلوم تھا کہ کبھی وہ میرے سامنے ایسی کتاب بن جائے گی جسے میں حسبِ منشا جہاں سے چاہوں گا پڑھتا چلا جاؤں گا۔ میں اسے ورق ورق پڑھ رہا تھا۔ غلام نے نئی بستی آباد کی تو دنیا کے گوشے گوشے سے ذہین اور باصلاحیت مسلمانوں کو لا لا کر وہاں جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان لوگوں میں آئی بی بی کے دو چور اور میرے دشمنوں کے آدمی بھی شامل ہو گئے تھے۔ رسونتی کی ٹیلی پیتھی نے ان میں سے ایک کو بے نقاب کر دیا۔ وہ اسرائیلی ایجنٹ تھا۔ رسونتی نے غلام کو اس سے آگاہ کرنے کے بجائے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے اس شرط پر یہودیوں کا ساتھ دینا منظور کر لیا کہ وہ لوگ اس کے بچے کی پیدائش کے بعد اسے اپنی حفاظت میں لے کر اس کی تعلیم و تربیت، رسونتی کی منشا کے مطابق کریں۔ یہودیوں نے بخوشی اس کی یہ بات مان لی۔ انھوں نے اسے یقین دلایا، ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔ آپ ہماری دوست بن گئیں تو ہم آپ کی ہر شرط، آپ کی ہر خواہش پوری کرنا اپنا فرض سمجھیں گے۔"

رسونتی نے کہا: "میں یہ بھی چاہوں گی کہ میرا سہاگ سلامت رہے۔ میری مانگ کا سیندور قائم رہے۔ فرہاد کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔"

انھوں نے وعدہ کیا۔ "ہم فرہاد صاحب کو کبھی گزند نہیں پہنچائیں گے اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھیں گے۔"

سہاگ کی سلامتی کی ضمانت ملتے ہی اس کے اندر کی [illegible] بول اٹھی: "آپ لوگ اس بات کا بھی خیال رکھیں گے کہ فرہاد دوسری شادی نہ کر سکیں۔ میرے سہاگ میں کوئی دوسری عورت شریک نہ ہو سکے۔ فرہاد سونیا سے شادی کر رہے ہیں۔ آپ لوگ ہر قیمت پر یہ شادی رکوا دیں۔"

یہی وہ شرط تھی جو میرے اور سونیا کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔ جس نے سونیا کے لیے کانٹوں کی سیج اور میرے لیے محرومیوں کا سہرا تیار کیا تھا۔ اسی شرط نے یہودیوں کی عالمی تنظیم کا یا لگ کے ایجنٹوں کو ہماری راہ پر لگایا تھا۔ انھی لوگوں نے مرجانہ کو شادی کی اطلاع دے کر ہمارے خلاف صف آرا کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ رسونتی نے ایک تیر سے دو شکار کیے تھے۔ سونیا سے شادی تڑوا دی تھی۔ مرجانہ کو میرے خلاف بھڑکا کر اس امکان کی بھی بندش کر دی تھی کہ مستقبل قریب یا بعید میں، میں مرجانہ کی طرف مائل نہ ہو جاؤں۔ وہ سونیا اور شاہینہ کے دماغوں سے معلومات حاصل کر کے [illegible] تک پہنچا رہی تھی۔ مجھے پاکستان سے نکلوانے کی سازش نے بھی اسی کے ذہن میں جنم لیا تھا اور میرے دشمنوں کی قید میں جانے کا منصوبہ بھی اس نے خود ہی بنایا تھا۔ اب وہ میرے بچے کو جنم دے کر دشمنوں کے حوالے کرنا چاہتی تھی۔ اس طرح وہ میری شہ رگ دشمن کے ہاتھ میں دینا چاہتی تھی۔ میرا دماغ کھول اٹھا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جسے میں جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، وہی میری جان کی دشمن ہو گی، آستین کا سانپ بن جائے گی۔ میں اسے دشمنوں سے بچا بچا کر، موت کے جبڑوں سے چھین چھین کر خود کو ڈسوانے کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتی تھی اور یہ دیوانگی کی حدوں کو چھوتی ہوئی محبت ہی تھی جس نے اسے اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ وہ دوست اور دشمن کی شناخت بھول گئی تھی۔ وہ جو میرے خون کے پیاسے تھے انھی سے میرے جگر گوشے کی آبیاری کا کام لینا چاہتی تھی اور توقع رکھتی تھی کہ وہ اس کے سہاگ کا سایہ قائم رہنے دیں گے۔ اس کی خواہشات کا اس حد تک احترام کریں گے کہ فرہاد علی تیمور کے دشمن کے محافظ بن جائیں گے۔

اچانک مجھے گہری خاموشی کا احساس ہوا۔ کمرے میں سنائی دینے والی رسونتی کی آہ و بکا ختم ہو چکی تھی۔ میں نے چونک کر منجالی کا دماغ ٹٹولا، معلوم ہوا کہ رسونتی کرب و بلا کے مشکل ترین مرحلے سے گزر چکی ہے۔ اس نے میرے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ ایک ایسے بچے کو جس نے دنیا میں آنے سے قبل ہی بڑی مشقتیں اور ریاضتیں کرائی تھیں۔ وہ عام بچوں کی طرح دنیا میں آنے کے بعد چیخ چیخ کر رو نہیں رہا تھا۔ دنیا میں آتے ہی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ فرہاد علی تیمور کا بیٹا تھا ——— اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

منجالی نے بچے کو گود میں اٹھا کر مجھے مخاطب کیا: "فرہاد صاحب! رسونتی چاہتی ہیں کہ میں اپنے قبیلے کے اصولوں کے مطابق اپنی طرح اس بچے کو بھی زہریلا بنا دوں۔ میں نے انھیں جھوٹے وعدے کی لوری دے کر سلا دیا ہے۔ وہ مطمئن ہیں کہ میں ان کی خواہش پوری کر دوں گی لیکن آپ سے میرا وعدہ ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گی، میں اس بچے کے مستقبل سے نہیں کھیلوں گی، اسے قدرت کے عطیات سے محروم کرنے کی سازش میں شریک نہیں ہوں گی۔ یہ میری آغوش میں پروان چڑھے گا لیکن اسی طرح جیسے ایک انسان کا بچہ پرورش پاتا ہے۔ میں اسے ناگ نہیں بننے دوں گی۔ میں ثابت کر دوں گی کہ ناگن بھی انسان کے بچوں کو پال سکتی ہے۔"

خوابگاہ

میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے طوفان گزرنے کے بعد فضا پُرسکون ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رسونتی اپنے بستر پر سکون سے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں یوں ڈھیلے پڑ گئے تھے جیسے جان نکل گئی ہو۔ وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر سانسیں لے رہی تھی اور خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "آرام کر لو۔ جتنی سکون کی سانسیں لے سکتی ہو لے لو۔ چونکہ تم نے میرے بچے کو جنم دیا ہے اس لیے میں انعام کے طور پر تمھیں معاف کر رہا ہوں ورنہ ابھی پلک جھپکتے میں تمھیں ختم کر سکتا ہوں۔"

اس کی سوچ نے بڑی نقاہت سے کہا: "فرہاد! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں آج بھی تمھاری وفادار ہوں۔ تمھارے لیے جان دے سکتی ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ جو عورت اپنی اولاد کو سانپوں کے بل میں لے جا کر چھوڑ دے۔ وہ نہ تو سمجھ دار اور ذمہ دار ماں بن سکتی ہے اور نہ ہی وفادار بیوی کہلا سکتی ہے۔"

"تمھارا حق ہے۔ تم مجھے گالیاں دے سکتے ہو۔ مار سکتے ہو۔ میں پھر بھی تمھارے قدموں کی خاک بن کر رہوں گی۔"

"میں تمھیں ٹھوکروں میں اڑاؤں گا۔ ذرا اس بستر سے اٹھ کر اپنے چہیتے دشمنوں کو آواز دو اور ان سے پوچھو کہ وہ میرے بیٹے کو اپنی قید میں کتنی دیر رکھ سکتے ہیں۔ میں اپنے بچے کو جان کی بازی لگا کر وہاں سے لے جاؤں گا۔"

"فرہاد! یہ بچوں جیسا چیلنج نہ کرو۔ تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے کہ میں اپنے بچے کے ساتھ کہاں ہوں۔ اگر معلوم کر بھی لو گے تو یہاں نہیں پہنچ سکو گے۔ یہاں ہمارے علاوہ کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ چاروں طرف سخت پہرہ ہے۔ پرندہ بھی یہاں سے گزرتا ہے تو اسے گولی مار دی جاتی ہے۔"

"تمھیں اپنے دوستوں یعنی میرے دشمنوں پر بڑا ناز ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں جانتی تھی، جب میرا بھید کھلے گا تو تم مجھ سے بے طرح ناراض ہو گے اور انتقاماً بچے کو مجھ سے چھین لو گے۔ یہ سوچ سمجھ کر میں نے سب سے پہلے اپنے بچے کی حفاظت کے انتظامات کیے۔ جو میرا ساتھ دے رہے ہیں انھوں نے قسمیں کھا کر وعدہ کیا ہے کہ میرے بچے کو کبھی مجھ سے جدا نہیں ہونے دیں گے۔"

"اور اس کے بدلے تم میرے دشمنوں کے کام آتی رہو گی۔ بے وقوف عورت! دشمنوں کو جب تمھاری ٹیلی پیتھی سے فائدہ حاصل نہیں ہو گا تب وہ تمھارے بچے کی حفاظت نہیں کریں گے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ اس بچے کے ذریعے وہ لوگ فرہاد کو کمزور بنائیں گے تمھاری طرح مجھے بھی اپنا آلۂ کار بنائیں گے۔ لعنت ہے تم پر۔"

رسونتی نے آنکھیں کھول کر روزا کو دیکھتے ہوئے کہا: "ڈاکٹر! بچے کو منجالی سے لے لو۔" پھر اس نے منجالی سے کہا: "بُرا نہ ماننا اس وقت فرہاد بہت غصے میں ہیں۔ وہ تمھارے دماغ میں پہنچ کر تمھیں ٹریپ کر سکتے ہیں۔ تمھاری ایک خوبی یہ ہے کہ تم دماغ میں انھیں محسوس کر لیتی ہو مگر ایک خرابی یہ ہے کہ یوگا کے ماہروں کی طرح اپنے دماغ میں آنے والے کو باہر نہیں نکال سکتیں۔ وہ ذرا ایسا کر لے گی۔ اس لیے میرا بچہ اس کے پاس رہے گا۔"

میں نے منجالی کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "رسونتی کی حالت ابھی نہیں ہے کہ وہ خیال خوانی کر سکے اور تمھارے دماغ میں آ کر میری سوچ کو سن سکے۔ تم ابھی کوئی انتقامی کارروائی نہ کرنا۔ بچے کو لے کر یہاں سے فرار ہونا نادانی ہو گی۔ وقت کا انتظار کرو۔ میں بعد میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

منجالی نے سوچ کے ذریعے کہا: "فرہاد صاحب! اب تو آپ کسی وقت بھی رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ میں اپنا آئندہ پروگرام بتا دوں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد مادام رسونتی کو جو خوراک دی جائے گی میں اسے موقع پا کر جھوٹا کر دوں گی۔ اس خوراک سے مادام کا دماغ متاثر ہو گا۔ میرے زہر کی ایک ذرہ برابر مقدار سے ان کا دماغ اس حد تک کمزور ہو گا کہ وہ خیال خوانی کے قابل نہیں رہیں گی۔ جب تک ہم بچے کو یہاں سے صحیح سلامت نکال کر نہ لے جائیں، میں اس وقت تک ان کے دماغ کو متاثر کرتی رہوں گی۔"

میں نے خوش ہو کر کہا: "تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ رسونتی کے پاس یہی ایک ہتھیار ہے اور اب اس ہتھیار کو کند ہو جانا

چاہیے۔ اس طرح ہم بآسانی رابطہ قائم کرسکیں گے۔ رسونتی کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں رہے گا۔ واقعی اعلیٰ بی بی کی ذہانت کو ماننا پڑتا ہے۔ اس نے خوب سوچ سمجھ کر تمھارا انتخاب کیا اور رسونتی کے پاس بھیجا۔ صرف تم ہی رسونتی کو ایک عضوِ معطل بنا سکتی ہو۔"

میں نے اس سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کا وعدہ کیا پھر سونیا کے پاس آگیا۔ اسے ساری باتیں بتائیں۔ اس نے سننے کے بعد کہا۔ "فرہاد جب کبھی ہماری شادی کے سلسلے میں رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ تب میرے دماغ نے بار بار چیخ کر کہا۔ یہ سب رسونتی کر رہی ہے۔ میں تم سے کھل کر شکایت کرنا چاہتی تھی۔ اسے الزام دینا چاہتی تھی لیکن میں نے سوچا۔ وہ تمھاری شریکِ حیات ہے تمھیں بُرا لگے گا۔ اس لیے دبے لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کرتی رہی۔ رسونتی مجھ سے ناراض ہوگئی تھی۔ اس نے تمھیں بھی میرے خلاف مہذب انداز میں بھڑکانے کی کوشش کی۔ اب سچائی کھل کر سامنے آگئی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں کہ میں نے ضرورت سے زیادہ اس پر بھروسا کیا اور تمھارا دل توڑا۔"

"نہیں، تم نے اتنا ہی اعتماد کیا جتنا ایک شوہر کو اپنی بیوی پر کرنا چاہیے۔ ایک مرد کھانے کمانے کے لیے دور دیس چلا جاتا ہے۔ بیوی کو اعتماد پر چھوڑ کر جاتا ہے اگر بیوی دھوکہ دے تو اس میں مرد کے اعتماد پر الزام نہیں آتا۔"

"اس پر خاک ڈالو۔ مجھے اپنے بچے کی فکر ہے۔"

"وہ میرا بھی بیٹا ہے۔ اگرچہ میرا خون نہیں لیکن میرے فرہاد کی جان ہے میں اس کے لیے اپنی جان کی بازی لگاؤں گی میں خود اسے لینے جاؤں گی۔"

"میں نے اسی لیے تمھیں مخاطب کیا ہے۔ تم اپنی سرکاری ملازمت سے ایک طویل چھٹی لو۔ ہم یہاں سے کسی وقت بھی روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"ہم کا مطلب یہ ہوا کہ تم بھی چل رہے ہو۔"

"اب چلنا نہیں، دوڑنا ہے۔ میرا بچہ دشمنوں کے نرغے میں ہو اور میں یہاں بیٹھا رہوں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"فرہاد! بڑی مشکلوں سے تمھیں پاکستان کی شہریت ملی ہے۔ اب ملک سے باہر جانے کے لیے کیا کرو گے؟ کیا ہم باقاعدہ پاسپورٹ کے ذریعے جائیں گے؟"

"تم سعید صاحب سے باتیں کرو۔ میں بھی یہاں انٹیلی جنس کے افسران سے گفتگو کرتا ہوں۔ ہم جائز طریقے سے جائیں گے۔ پھر اپنے ملک میں واپس آنے کے لیے۔"

میں سونیا سے رخصت ہو کر ڈائریکٹر جنرل صمد ہمدانی کے پاس پہنچا۔ انھیں تمام حالات بتائے وہ یہ سن کر خوش ہوئے کہ میں ایک بیٹے کا باپ بن گیا ہوں۔ انھوں نے کہا "مسٹر فرہاد! وہ آپ کا بیٹا ہے۔ پیدا ہوتے ہی آپ کی طرح دشمنوں کے [illegible] اور وہاں سے نکل آنے کی تربیت حاصل کرنا شروع کر [illegible] فکر نہ کریں روانگی کی تیاری کریں۔ ہم ابھی حکام سے رابطہ [illegible] ہیں۔ چھ گھنٹے کے اندر آپ کے اور مادام سونیا کے [illegible] اور ضروری کاغذات تیار ہو جائیں گے۔"

میں نے کہا "جناب! اس سلسلے میں ایک مشکل ہے [illegible] اعلیٰ سطح پر میرے لیے کوشش کریں گے تو اعلیٰ سطح پر [illegible] کرنے والے دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی۔"

"انٹیلی جنس کے شعبے میں اکثر یہی ہوتا ہے۔ دشمن [illegible] ہیں اور ہم دشمنوں سے اپنی کارروائیاں چھپاتے رہتے ہیں۔ [illegible] وقت بھی یہی کوشش ہوگی کہ دشمنوں کو آپ کی روانگی کی خبر [illegible] اور اگر خبر ہو جائے تب آپ بتائیں ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر میں نے ناجائز ذرائع استعمال کیے تو آپ یقین کریں، چند گھنٹوں کے اندر یہاں سے نکل جاؤں [illegible] میں پاکستان میں ایسا نہیں کروں گا۔ اُدھر اسلام آباد میں سونیا سعید صاحب کے ذریعے روانگی کی کوشش کر رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی فون کے ذریعے سعید صاحب سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ ہم سب مشترکہ کوششیں کریں گے۔"

میں سونیا کے دماغ میں پہنچا۔ اس وقت وہ [illegible] صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ سعید احمد کہہ رہے تھے "[illegible] ہم دو چار گھنٹے میں ہی تمھاری اور فرہاد کی روانگی کے انتظامات کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ یہاں سے پاکستان کی خاطر ایک [illegible] مہم پر روانہ ہو جاؤ۔ ایک تیر سے دو شکار کرو۔ فرہاد کے بیٹے کو [illegible] لاؤ اور اپنے وطن کے ایک بیرونی معاملے میں بھی ایک قابلِ قدر [illegible] انجام دو۔ تمھیں اور فرہاد کو کیا کرنا ہے۔ یہ میں ایک گھنٹے [illegible]

میں نے دماغی طور پر اپنی خوابگاہ میں حاضر ہو کر [illegible] اعلیٰ بی بی عرف اپنی ماسٹر کو بلایا اور اسے بتایا کہ جزیرہ الدیرا میں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں جو کچھ بھی ہو رہا تھا مگر بیان کے لیے خوشی کی بات تھی کہ میں ایک بیٹے کا باپ بن گیا ہوں۔ نمبر تین نے کہا "میں [illegible] خوشخبری اعلیٰ بی بی تک پہنچاتی ہوں۔ یقیناً اس سلسلے میں ہم [illegible] منائیں گے۔"

میں نے کہا "تم ہوش میں تو ہو۔ میرا بیٹا وہاں مصیبت [illegible] ہے اور تم جشن منانے کی بات کر رہی ہو۔"

"فرہاد صاحب! نہ تو کوئی زبردستی رو سکتا ہے [illegible] قہقہے لگا سکتا ہے یہ تو اندرونی جذبے کی بات ہے۔ جب [illegible] زیادہ صدمہ پہنچتا ہے تو آنسو آپ ہی آپ نکل آتے ہیں اور دل [illegible] بہت زیادہ خوشی امنڈنے لگتی ہے تو قہقہے نہیں رکتے خواہ [illegible]

رو کے جائیں جشن اپنی جگہ ہے۔ ہماری جدوجہد اپنی جگہ۔"

"تمھاری دلیل بہت معقول ہے لیکن بعض حالات میں معقول باتیں نامعقول لگتی ہیں۔ اعلیٰ بی بی تمھاری طرح جشن منانے کی بچکانہ خواہش نہیں کرے گی۔ بہرحال تم لوگ جو چاہو کرو۔ میں جلد ہی یہاں سے جانے والا ہوں۔ اپنی اعلیٰ بی بی سے فوراً رابطہ قائم کرو۔ تاکہ میں دارالسلام پہنچ کر تمھارے دوسرے ساتھیوں سے ملاقات کر سکوں۔"

میں نے شاہینہ سے رابطہ قائم کیا۔ اسے خوشخبری سنائی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ میں نے اُسے بُری خبر سنائی۔ وہ ایک دم چپ ہوگئی۔ پھر اس نے غصے سے، ناراضگی سے کہا "بھائی جان! میں آپ سے نہیں بولوں گی۔ آپ نے کیوں ایسی عورت کو اپنی بیوی بنایا۔ میں تو آپ کی محبت کے رشتے سے اُسے بھابی کہتی تھی۔ اب کبھی نہیں کہوں گی نہ ہی اس کی صورت دیکھنا گوارا کروں گی۔ میرے بھتیجے کو کسی طرح لائیے۔ جلدی جائیے۔"

"شاہینہ، اللہ پر بھروسہ رکھو۔ تمھارا بھتیجا جلد ہی تمھاری گود میں آئے گا۔ ابھی ہمارے لیے پریشانیاں ہیں۔ ہمیں اندازہ نہیں کہ اپنے بچے کے لیے ہمیں کتنے مصائب سے گزرنا ہوگا۔ اللہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میں جلد ہی اسے لے کر آؤں گا۔"

وہ بہت دیر تک میرے بیٹے کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے کہا "میں ایک بیٹے کی آرزو کرتی تھی۔ سوچتی تھی اس کا نام پارس رکھوں گی۔ وہ بیٹا اس دنیا میں آچکا ہے۔ میں اس کا نام پارس علی تیمور تجویز کرتی ہوں۔"

"بیشک معنی، مفہوم اور ادائیگی کے لحاظ سے یہ ایک خوبصورت نام ہے۔ میرا بیٹا اپنی پھوپھی کے تجویز کردہ نام سے پکارا جائے گا۔"

میں نے سائرہ بانو سے رابطہ قائم کیا۔ ان کو موجودہ حالات سے باخبر رکھنا ضروری تھا۔ ان حالات کا تعلق ان کی بیٹی مرجانہ سے بھی تھا۔ انھوں نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "بیٹے! اب تم ہی سے انصاف کرو۔ میری بیٹی کو بہکانے والی رسونتی ہے۔ نہ وہ اسے تمھاری شادی کی خبر پہنچاتی نہ وہ تمھاری دشمن بنتی۔ میرے لیے سب سے بڑا ناقابلِ تلافی نقصان تو یہ ہے کہ ایک ماں کی بیٹی گئی۔ رسونتی کا کیا گیا؟"

"رسونتی کو جتنا بُرا کہا جائے کم ہے۔ وہ خود تو دشمنوں میں گئی۔ مرجانہ کو بھی وہاں پہنچا دیا۔ اب وہ دشمنوں کی آلۂ کار بنے گی نہیں بنے گی تو دشمن میرے بیٹے کو اس کی کمزوری بنائیں گے۔ دوسری طرف اس کی وجہ سے مرجانہ کی برین واشنگ ہو چکی ہوگی۔ پتہ نہیں، وہ کس حال میں ہوگی اور کس روپ میں ہمارے سامنے آئے گی۔"

"آئے گی۔ ہاں بیٹے، وہ آئے گی۔ میں پچھلے ساڑھے چار مہینے سے ایک ایک دن، ایک ایک رات، ایک ایک لمحہ اس کے انتظار میں گزار رہی ہوں۔ روتے روتے میرے آنسو خشک ہو گئے۔ اچھا ہوتا کہ وہ تم سے کبھی نہ ملتی۔ نہ تم سے دوستی ہوتی نہ یہ دشمنی ہوتی۔"

"امی، میں آپ کے درد کو سمجھ رہا ہوں۔ ان آنسوؤں کو بھی سمجھ رہا ہوں جو ماں کی آنکھوں سے بہتے ہیں اور ممتا کے سینے میں چھالوں کی طرح نقش ہو جاتے ہیں۔ امی آپ نے ماضی میں بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا ہے۔ بیس برس اپنی بیٹی کا انتظار کرتی رہیں۔ یہ ساڑھے چار ماہ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ انشاء اللہ مرجانہ کا جلد ہی سراغ ملے گا اور ہم اسے آپ کے پاس لے کر آئیں گے۔"

"میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ تم نے جب بھی دوسروں کی دستگیری کی ہے۔ دوسروں کے لیے اپنے دن رات کا سکھ چین گنوایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں کامیابی عطا کی ہے۔ یا اللہ، میرے فرہاد بیٹے کو ایسی کامیابی عطا کر جس سے رسونتی کی غلطی کی تلافی ہو جائے۔ میری بیٹی مجھے صحیح سلامت دوستوں کی صورت میں واپس مل جائے۔ ہاں بیٹے، تم نے اپنے نوزائیدہ بچے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"کیا بتاؤں؟ حالات ایسے تھے کہ میں نے خود اپنے بچے کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں کیں۔ ایک کنیز کے دماغ سے اتنا پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خوبصورت چاند سا بیٹا عطا کیا ہے۔ شاہینہ نے اس کا نام پارس علی تیمور تجویز کیا ہے۔"

سائرہ بانو خوش ہو کر بولیں "واہ بہت ہی خوبصورت اور معنی سے بھرپور نام ہے۔ تم جہاں جاتے ہو وہاں محبتوں، کامیابیوں اور کامرانیوں کے پھول کھلاتے ہو۔ تمھارا بیٹا پارس جس چیز کو ہاتھ لگائے گا وہ سونا ہو جائے گی۔ پارس کی خاصیت یہی ہے میں دل کی حیثیت سے دعا کرتی ہوں کہ میرے پوتے کو یہی خاصیت ملے۔ آمین۔"

بہت دیر ہو چکی تھی۔ رسونتی اور منجالی کی طرف سے زیادہ دیر غافل نہیں رہنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنی سوچ کی لہریں رسونتی کے دماغ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ کوشش کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ میں پہنچنا چاہتا ہوں اور پہنچ نہیں سکتا۔ پہنچ جاتا ہوں تو کامیابی نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی میں ناکام رہا کیونکہ رسونتی بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

میں نے منجالی سے پوچھا "کیا تم نے اپنا حربہ استعمال کیا ہے؟ وہ بے ہوش پڑی ہے۔"

"جی ہاں، جو میں نے کہا تھا۔ وہی کیا ہے۔"

"تم نے بڑی جلدی کی ہے۔ میں اس کے دماغ میں رہ کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس جزیرے کے متعلق کیا جانتی ہے۔ جیفر اور ایڈی وغیرہ سے مل کر کابالی تنظیم والوں سے کیسے رابطہ قائم کرتی ہے اور کس طرح ان کی آلۂ کار بنتی جا رہی ہے۔"

"آپ نے جیفر کے دماغ سے جو معلومات حاصل کی ہیں۔ مادام اس سے زیادہ نہیں جانتی ہیں۔ میں نے جلدبازی کی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جیفر کی شراب میں، میں نے تھوڑا سا زہر ملایا تھا۔ وہ اس وقت بھی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ ڈاکٹر روزا اس کی بیہوشی کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ چونکہ یہاں لیبارٹری وغیرہ کے انتظامات نہیں ہیں اور شراب کا تجزیہ کیا نہیں جا سکتا۔ اس لیے وہ ابھی میرے متعلق نہیں جان سکے گی۔"

"اچھا سمجھ گیا۔ تمھیں یہ اندیشہ تھا کہ رسونتی تمھارے زہریلے پن کے متعلق انھیں بتا دے گی۔"

"جی ہاں، وہ اب تک زچگی کی تکالیف سے گزر رہی تھیں۔ انھیں جیفر کے متعلق روزا نے نہیں بتایا تھا مگر زچگی کے بعد وہ پرسکون ہو گئی تھیں۔ اب ان کے درمیان یہ باتیں کسی وقت بھی ہو سکتی تھیں۔ میں نے اس سے پہلے ہی اُن کے دماغ کو مفلوج کر دیا۔"

"فی الحال وہ آج نہیں تو کل شراب کی اس بوتل کو طبی تجزیے کے لیے کہیں بھیجیں گے۔"

"اب پروا نہیں ہے۔ شراب میں الکحل ہوتا ہے یعنی زہر کا ایک خفیف سا حصہ۔ تجزیے کے بعد یہی معلوم ہوگا کہ الکحل غیر معمولی مقدار میں زیادہ ہونے کے باعث جیفر کے ساتھ ایسا ہوا مگر واضح طور پر کسی زہر کی نشاندہی نہیں ہو سکے گی۔ یہ نشاندہی مادام رسونتی کر سکتی ہیں اور میں انھیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔"

"میرے بیٹے کے متعلق بتاؤ؟ وہ کہاں ہے؟"

"میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ روزا نے ابھی اسے غسل کرایا ہے اور کپڑے میں لپیٹ کر رکھا ہے۔ بڑی توجہ سے اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہے۔ اس کی ڈیوٹی یہی ہے۔ ارے ہاں، میں بھی عجیب ہوں۔ آپ کو مبارک باد دینا بھول گئی۔ بھئی مبارک ہو۔ آپ کا بیٹا بے حد خوبرو ہے۔ ناک نقشہ آپ کا ہے لیکن آنکھیں اپنی ماں سے لی ہیں۔ بہت ہی خوبصورت بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ پیشانی چوڑی ہے۔ ذہانت کا اظہار ہوتا ہے۔ یقیناً اسے دیکھنے کے لیے آپ کا دل مچل رہا ہوگا۔"

"ہاں، میں چاہتا ہوں کہ پَر لگ جائیں اور میں اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔ میں اور سونیا تمھارے پاس آ رہے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولی "کیا سچ؟ میں مادام سونیا سے مل سکوں گی؟ وہ کب تک یہاں پہنچ سکیں گی؟"

"جس جزیرے میں تم لوگوں کو رکھا گیا ہے۔ اس کے آس پاس بڑا سخت پہرہ ہے۔ اس سمندری علاقے میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ وہاں سے گزرنے والے جہاز میلوں دور سے گزرتے ہیں۔ ایک بڑا سا بحری جہاز جزیرے کے قریب ہے وہاں دو ہیلی کاپٹر، دو گن بوٹ اور بے شمار اسلحہ ہے۔ تقریباً دو سو جوان ہیں۔ چھ موٹر بوٹ ہیں جو ایک ایک گھنٹے کے وقفے سے جزیرے کے چاروں طرف چکر لگاتی رہتی ہیں۔ ایسی صورت میں ہم تمھارے پاس کیسے پہنچیں گے یہ ابھی ہم خود نہیں جانتے۔ دارالسلام پہنچنے کے بعد سوچیں گے۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ چور نمبر پچیس نے آ کر کہا "جناب، اعلیٰ بی بی کا پیغام آیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ کو وقت ضائع کیے بغیر دارالسلام پہنچنا چاہیے۔ اس کے لیے ہم نے انتظامات کیے ہیں۔ آج شام کی فلائیٹ سے ایک میاں بیوی تنزانیہ جا رہے ہیں آپ کا حکم ہو تو انھیں غائب کر دیں۔ ان کی جگہ آپ اور سونیا جا سکتے ہیں۔"

بے شک ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وہاں جزیرہ الدبرا میں نہ جانے کیا ہو رہا تھا۔ نہ جانے وہ اپنے کون سے منصوبے میں تبدیلی کر دیتے۔ اپنی چالیں بدل دیتے اس لیے وقت کم اور مقابلہ سخت تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا "ٹھہرو۔ میں پہلے اپنے ملک کے حکام سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ اگر وہاں سے جلدی روانگی کے انتظامات نہ ہو سکے تو پھر تمھارے منصوبے کے مطابق ہم یہاں سے جائیں گے۔"

میں نے انھیں انتظار کرنے کے لیے کہا اور سعید جمالی سے رابطہ قائم کیا وہ اس وقت ایک پرائیویٹ کمرے میں وہاں کے اعلیٰ افسران کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سونیا بھی تھی سب ایک بڑی سی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے موجودہ حالات پر گفتگو کر رہے تھے۔ ہماری روانگی زیر بحث تھی اور سونیا کو سرکاری طور پر جو کام دیا جا رہا تھا اس کے متعلق بھی تفصیلی گفتگو ہو رہی تھی۔ موضوع یہ تھا کہ جزیرہ الدبرا کو پُراسرار بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اس جزیرے کے اطراف سخت پہرہ لگایا گیا تھا۔ یہ بات آس پاس کے ممالک کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ پاکستان کے تعلقات افریقی ممالک کے ساتھ بڑے ہی دوستانہ رہے ہیں۔ ان ممالک نے کبھی کھل کر اور کبھی خفیہ طور پر پاکستان کا ساتھ دیا ہے۔ جزیرہ الدبرا پاکستان دوست افریقی ممالک سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ خاص طور پر موزنبیق اور مڈگاسکر کے درمیان موزنبیق چینل سے جب بھی کوئی بحری جہاز گزرتا تھا۔ الدبرا کے قریب رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی۔ ان ممالک نے احتجاج کیا تھا مگر بات وہی تھی کہ بڑی طاقتیں یہودیوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔ وہ بے بس ممالک چیختے چلاتے ہی رہ جاتے تھے اور یہودی اپنی من مانی کیے چلے جاتے تھے۔ اس کی صورت اب ایک ہی تھی کہ کوئی خفیہ کارروائی کی جائے اس طریقے سے اس جزیرے کو خالی کرایا جائے اور وہاں کی یہودی طاقت کو اس طرح کمزور کیا جائے کہ کھل کر بات سامنے نہ آئے۔ یعنی بظاہر لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے۔

اسی لیے اب میری اور سونیا کی خدمات حاصل کی جا رہی تھیں۔ اس سلسلے میں طریقۂ کار یہ تھا کہ سرکاری طور پر سونیا کو ملک سے باہر جا کر دوسرے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے وہ استعفیٰ دے کر جانے والی تھی۔ میں تو پہلے ہی پاکستان کا شہری نہیں مانا جاتا تھا۔ مجھے اعزازی طور پر یہاں کی شہریت ملنے والی تھی لیکن اس معاملے نے میری پاکستانی شہریت کو منسوخ کر دیا۔ اب میں اور سونیا اس ملک سے باہر جانے کے بعد اپنے ملک سے تعلق نہ رکھتے۔ ہماری کہیں کی شہریت نہ ہوتی۔ آج تک یہی ہوتا آیا ہے۔ ہم کسی بھی ملک کے نہ تو کبھی قانونی باشندے رہے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اب الدبرا میں جا کر ہم جو کچھ کرتے وہ ہمارا ذاتی معاملہ ہوتا۔ اگر ہم کامیاب ہو جاتے۔ اپنے دوست ممالک کی پریشانیاں دور کر دیتے تو کوئی یہ نہ کہتا کہ ہم کسی خاص ملک کی طرف سے ایسا کرنے آئے ہیں۔

طے یہ پایا کہ میں شام کو یہاں سے ایک طیارے میں لاہور روانہ ہوں گا۔ وہ طیارہ کراچی کے ہوائی اڈے پر پہنچے گا۔ وہاں سونیا بھی راولپنڈی سے پہنچ جائے گی اور وہاں سے ہم قاہرہ پہنچیں گے۔ قاہرہ سے دوسرے طیارے میں سوار ہو کر تنزانیہ پہنچیں گے۔ تمام پروگرام معلوم کرنے کے بعد میں دماغی طور پر چوروں کے درمیان حاضر ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا "میری روانگی کے انتظامات ہو چکے ہیں۔ میں اسی طیارے میں جا رہا ہوں جس میں تم مجھے بھیجنا چاہتے تھے۔ بہر حال اپنی اعلیٰ بی بی کے ان چوروں سے میرا تعارف کرا دو۔ ان کی آواز سنا دو جو دارالسلام میں ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد ایک کیسٹ ریکارڈر میرے سامنے لایا گیا۔ اس میں ایک کیسٹ لگا کر آواز سنائی گئی وہ چور نمبر چالیس کی آواز تھی۔ اس کے بعد دنیا کا ایک بڑا نقشہ میرے سامنے بچھایا گیا۔ میں اس نقشے کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے چالیس نمبر سے رابطہ قائم کیا۔ اسے یقین دلایا کہ میں فرہاد بول رہا ہوں۔ تب اس نے خوش ہو کر کہا "جناب! مجھے بڑی خوشی ہے کہ اپنے دماغ میں آپ کو محسوس کر رہا ہوں۔"

میں نے کہا "میں اور سونیا آج شام کو یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ شاید رات کے آخری پہر ہم دارالسلام پہنچیں گے۔"

"جناب! ہم آپ کے بے چینی سے منتظر رہیں گے۔ یہاں پہنچتے ہی آپ لوگوں کو جن چیزوں کی ضرورت ہو وہ ہمیں بتلاویں۔ آپ کی ضروریات کا تمام سامان موجود رہے گا۔"

"میرے سامنے اس وقت دنیا کا نقشہ ہے میں جزیرہ الدبرا دیکھ رہا ہوں۔ اگر تم لوگوں نے اس نقشے کو غور سے دیکھا ہے تو یہاں سے ایک اندازے کے مطابق پچاس میل کے فاصلے پر دوسرا جزیرہ ہے جسے گلوریس آئی لینڈ کہتے ہیں۔"

"جی ہاں، ہم سوچ رہے تھے کہ گلوریس آئی لینڈ کو اپنا محاذ بنائیں۔"

"بہت خوب! جو بات میرے دماغ میں ہے وہی تم کہہ رہے ہو۔ الدبرا تک پہنچنے کے لیے یہی ایک قریب ترین جزیرہ ہے۔ ہم دارالسلام پہنچتے ہی ہیلی کاپٹر کے ذریعے گلوریس آئی لینڈ جائیں گے اس کے بعد آئندہ کا پروگرام مرتب کیا جائے گا۔"

میں نے رابطہ ختم کر دیا اور ان چوروں سے کہا "اس وقت بارہ بج کر تیس منٹ ہوئے ہیں۔ اب میں تم لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہاں سے کار لے کر جاؤں گا۔ پھر پانچ بجے ایئرپورٹ پہنچ جاؤں گا۔ وہاں سے تم لوگ اپنی کار لے آنا۔"

وہ سب کہنے لگے "جناب! آپ کے ساتھ ہم نے جو وقت گزارا ہے۔ ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں گے۔"

میں نے باری باری ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اپنی فاسٹر لیڈی چور نمبر تین میرے ساتھ باہر پورچ تک آئی۔ اس نے آہستگی سے کہا "میری خواہش ہے کہ میں پھر آپ کی خدمت کروں۔ کیا یہ خواہش پوری نہیں ہوگی؟"

"میں تمھاری خدمات کو بھول ہی نہیں سکتا۔ تم بہت اچھا سر دباتی ہو۔ جب بھی میرے سر میں درد ہوگا۔ تم یاد آیا کرو گی۔" میں نے اُس کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ وہ ہنسنے لگی۔ میں نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اُسے مسکرا کر دیکھا۔ تمام چور آس پاس کھڑے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ میں ان سے رخصت ہو کر شاہینہ کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ شاہینہ نے مجھے اچانک جو دیکھا تو مارے خوشی کے مجھ سے لپٹ گئی۔ پھر رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی "بھائی جان! آپ کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ اچانک خوش کر دیتے ہیں۔ پھر اچانک صدمہ بھی پہنچاتے ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "بڑی مشکل ہے۔ بہنیں ملتی ہیں تب بھی روتی ہیں بچھڑتی ہیں تب بھی روتی ہیں۔ بھئی، میں ابھی سے بتا دوں کہ صرف گھنٹے دو گھنٹے کے لیے آیا ہوں۔ تمھارے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاؤں گا۔ پھر رخصت ہو جاؤں گا۔"

زبیر، منصور، سلمیٰ، بختاور صاحب اور ان کی بیگم سبھی میری آمد پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ میں اپنی بھانجی کو گود میں لے کر پیار کرتا رہا۔ اس سے کھیلتا رہا اور سب سے باتیں کرتا رہا۔ پھر میز پر کھانا لگایا گیا اور ہم کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ شاہینہ نے اپنی بیٹی کو میری گود سے لیتے ہوئے کہا "بھائی جان! بڑی مشکل ہے میری

بیٹی عمر میں آپ کے بیٹے سے بڑی ہے۔ ورنہ میں فوراً ہی پارس کو اپنا داماد بنا لیتی۔"

یہ سنتے ہی سب ہنسنے لگے۔ بیگم نے کہا "فکر کیوں کرتی ہو۔ اللہ نے چاہا تو ہماری ایک اور پوتی ہوگی جو پارس سے منسوب ہوگی۔"

شاہینہ شرمانے لگی۔ زبیر نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "آج آپ وعدہ کریں ہمارے یہاں پھر بیٹی ہوئی تو پارس ہمارا بیٹا ہوگا اور وہ بیٹی آپ کی ہوگی۔"

میں نے ایک لقمہ چباتے ہوئے کہا۔ "مجھے اتنی بڑی دنیا میں ابھی بھی شاہینہ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ جب میں اس کے لیے جان دے سکتا ہوں تو پھر اپنا بیٹا کیوں نہیں دے سکتا لیکن ایک بات ہم سب کو سمجھنا چاہیے۔ بچے جوان ہو کر کس مزاج کے ہوتے ہیں۔ اور ان کی پسند کیا ہوتی ہے۔ یہ ہم نہیں جانتے۔ اپنے بچوں پر اپنی پسند کو نہیں ٹھونسنا چاہیے۔ آیندہ جو حالات ہوں گے دیکھا جائے گا۔"

بختاور نے میری تائید کی "بے شک ہمیں اپنے بچوں کی پسند ناپسند کو ترجیح دینا چاہیے۔"

"انکل جب بچوں کی پسند کا ذکر چل ہی پڑا ہے تو سلمیٰ کے متعلق کیا خیال ہے؟"

بیگم نے مسکرا کر کہا "نیک خیال ہے۔ ہم تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں جو تم چاہو کرو۔ ایک ذرا اعتراض نہیں کریں گے۔ تمھاری بہن ہے۔ تم سے بہتر کون اس کے مستقبل کے متعلق سوچ سکتا ہے۔"

سلمیٰ کھانے کھاتے فوراً ہی اٹھ کر جانے لگی۔ میں نے کہا "شیطان لاحول پڑھنے سے اور لڑکیاں شادی کا ذکر کرنے سے بھاگتی ہیں۔"

میری اس بات پر سبھی نے قہقہہ لگایا۔ میں نے بختاور کی بیگم سے کہا "آنٹی! ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔ میں سوچتا ہوں کہ سلمیٰ کی شادی جلدی کر دی جائے۔ ادھر سعید صاحب کی بھی یہی خواہش ہے کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ اب جب بھی میں اپنے بچے کو لے کر یہاں آؤں تو اسی وقت یہ شادی ہو جائے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم شادی کے انتظامات بالکل مکمل کر رکھیں گے بس تمھارا اور سونیا کا انتظار رہے گا۔"

"ٹھیک ہے میں سعید صاحب کو بھی تیار رہنے کے لیے کہہ دوں گا۔"

میں نے کھاتے کھاتے ایک ذرا سعید صاحب کے پاس پہنچ کر خوشخبری سنائی۔ وہ خوش ہو کر بولے "بھئی، تم نے یہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ ملک سے باہر جا رہے ہو، پتا نہیں کب واپس آؤ گے اور کب میری خوشی کا خیال رکھو گے۔"

"میں اتنا بے حس نہیں ہوں۔ جاتے جاتے آپ کی خوشیاں پوری کرتا جا رہا ہوں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ منگنی کی رسم ادا نہیں ہوگی۔ میں اور سونیا جب بھی واپس آئیں گے اس کے دوسرے تیسرے دن آپ اور سلمیٰ ازدواجی رشتے میں منسلک کر دیے جائیں گے۔"

"میرا دل زور و شور سے دھڑک دھڑک کر پوچھ رہا ہے تم دونوں کب واپس آؤ گے؟"

"ہو سکتا ہے۔ دو چار دن میں ہی واپس آ جائیں۔ ہو سکتا ہے دو چار مہینے لگ جائیں، ہم جلد آنے کی کوشش کریں گے۔"

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک بات کہوں میں کل ایک کام سے لاہور جانے والا ہوں۔ ان کے گھر جاؤں گا تو کوئی اعتراض کی بات تو نہیں ہوگی؟"

میں نے انجان بن کر پوچھا "آپ کن کے گھر جائیں گے؟"

"مذاق نہ کرو تم سمجھتے ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ ایک نہیں ہزار بار اس گھر میں آیا کرو۔ یہ لوگ تنگ نظر نہیں اور نہ ہی پردے کے قائل ہیں۔ سلمیٰ کو تم دیکھ سکو گے۔ باتیں بھی کر سکو گے۔"

میں نے ان سے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر بختاور سے کہا "انکل! سعید صاحب کل یہاں کسی کام سے آ رہے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں سرکاری طور پر ان کی رہائش اور کھانے پینے کے انتظامات ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں وہ جب بھی لاہور آئیں تو آپ کے ہاں رہا کریں۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اب تو وہ ہمارے گھر کے فرد ہیں ہم مہمانوں کو انیکسی میں ٹھہراتے ہیں۔ وہ ہماری کوٹھی میں آ کر رہیں گے۔ آپ ان سے کہہ دیں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کریں۔"

کھانے کے بعد میں، شاہینہ، زبیر، منصور اور سلمیٰ باہر آئے۔ ہم کار میں بیٹھ کر سائرہ بانو سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں منصور نے کہا "بھائی جان! وہ نازیہ کئی بار آ چکی ہے۔ ہم سے بھی ملتی ہے اور ہمیشہ آپ کے متعلق پوچھتی ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ ایک بار آپ نے ان لوگوں سے ملاقات کی اور ان کے گھر کچھ دن رہے تھے۔"

"دن پھیرنے والا صرف خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حقدار کو اس کا حق دلایا جائے۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد اگر نازیہ مجھے تلاش کرتی ہے تو یہ ایک غلط بات ہے۔ تم اس سے کہہ دینا کہ میں اس ملک سے جا چکا ہوں پتا نہیں کب واپس آؤں گا۔"

شاہینہ نے کہا "بھائی جان! میں نے نازیہ کو دیکھا ہے۔ بہت حسین لڑکی ہے۔ اسے دیکھو تو دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے لیکن پتا نہیں کیا بات ہے سونیا بھابی کے سامنے دنیا کی کوئی عورت نہیں جچتی۔ بس وہی میری بھابی ہوں گی۔ دنیا کی کوئی عورت ان کی جگہ نہیں لے گی۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ شادی کے سلسلے میں رسونتی میری زندگی کا پہلا اور آخری تجربہ تھا۔ اس کے بعد ایک سونیا ہی میری شریک حیات ہوگی۔"

زبیر نے پوچھا "آپ نے رسونتی بھابی کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ البتہ اب ہمارے وہ تعلقات نہیں رہیں گے جو اعتماد کی بنیاد پر قائم رہتے ہیں۔"

سلمیٰ نے پوچھا "کیا آپ طلاق دیں گے؟"

"میری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ وہ طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے۔

کبھی حالات سے مجبور ہو کر مل بیٹھنا اور بات ہے لیکن اس نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا تو اسے ضرور ملے گی اور مل رہی ہے اس کا بچہ اب اس کے پاس کبھی نہیں رہے گا۔ ایک ماں کے لیے یہ سب سے بڑی سزا ہے۔"

"بھائی جان! پارس کی پرورش میں کروں گی۔ وہ میری گود میں پروان چڑھے گا۔"

"میں چاہتا تو یہی ہوں لیکن ایسا مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں مناسب نہیں ہے؟"

"رسونتی کو جب بھی موقع ملے گا۔ وہ تمھیں جانی نقصان پہنچا کر بھی اپنے بچے کو حاصل کر لے گی۔ بچہ ایسی جگہ رہے گا جہاں رسونتی ٹیلی پیتھی کے ذریعے بھی نہیں پہنچ سکے۔"

"ایسی کون سی جگہ ہے؟"

"میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا "اعلیٰ بی بی۔ میرا بیٹا اعلیٰ بی بی کے سائے میں پرورش پائے گا۔"

❁

طیارہ ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ بادل کھڑکی کے قریب سے گزرتے جا رہے تھے۔ سونیا میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ایک غیر ملکی طیارہ تھا۔ وہاں شراب کا دور چل رہا تھا۔ ہر طرح کی آزادی تھی۔ ایک محبوبہ کے لیے اتنی چھوٹ ضرور تھی کہ وہ اپنے محبوب کے قریب سے قریب تر ہو کر بیٹھے۔ اس لیے سونیا نے میرے قریب ہو کر اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا تھا۔

ہم جیسے صدیوں کے بچھڑے ہوئے تھے۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں اس کی محبت کو اس کی نسائیت، اس کے جذبے کو اس کے ہاتھوں سے محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سوچ بھی پڑھ سکتا تھا مگر وہ رومانی ماحول۔۔۔ سوچ پڑھنے کے لیے نہیں، جذبے پڑھنے کے لیے تھا اور کوئی بھی محبت کرنے والا ٹیلی پیتھی سے جذبوں کو نہیں پڑھتا۔ یہ تو دلبر کی خوبصورت اداؤں سے پڑھا جاتا ہے۔

ایئر ہوسٹس ہمارے قریب سے کئی بار گزر چکی تھی لیکن اس نے ہمیں چائے یا دوسرے مشروبات کے لیے نہیں پوچھا۔ وہ اتنا تو جانتی ہی تھی کہ ایسے وقت میں مداخلت نہیں کرنا چاہیے۔

ہم ایک خطرناک مہم پر جا رہے تھے۔ پتہ نہیں ہمارے خلاف دشمنوں نے کیا کچھ منصوبے بنائے ہوں گے۔ کیسے کیسے جال بچھائے ہوں گے۔ وہ اتنے نادان تو نہیں ہو سکتے کہ انھیں ہماری روانگی کی اطلاع نہ ملی ہو۔ ہم سب کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر اتنا بھروسہ تھا کہ ہمیں ناکامی نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ ہم بچے کو واپس لے کر آئیں گے۔

ہم نے وقتی طور پر بچے کو فراموش کر دیا تھا۔ میں نے خیال خوانی ترک کر دی تھی۔ ہم کسی مسئلے پر غور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بس ہمارا ایک ہی مسئلہ تھا کہ ہم دونوں بار بار کیوں بچھڑ جاتے ہیں۔ پھر ملتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے نیا جنم لیا ہو۔ پہلی بار مل رہے ہوں۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اچھوتے ہوں۔ اور اب چھو رہے ہوں۔

بڑی دیر بعد سونیا نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا "فریاد! میری تقدیر کیسی ہے کیا میں کبھی تمھاری جیون ساتھی نہیں بن سکوں گی؟"

"میں تمھیں ہر حال میں اپنا جیون ساتھی بناؤں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ ہماری شادی میں بڑی رکاوٹ رسونتی تھی۔ ہم رسونتی کے ٹیلی پیتھی کے حربے کو بالکل ہی زنگ آلود کر دیں گے اور منجالی یہ کام شروع کر چکی ہے۔"

رات کے کھانے کے وقت ایک ایئر ہوسٹس ہمارے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا "مداخلت کی معافی چاہتی ہوں لیکن یہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ محبت میں بھوک نہیں لگتی اور بھوک کی حالت میں محبت نہیں کی جا سکتی۔ دونوں میں سے کون سا خیال درست ہے؟"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا "دونوں ہی خیال درست ہیں۔ کسی فاقہ زدہ انسان سے کہا جائے کہ وہ محبت کرے تو نہیں کرے گا۔ اور کسی محبت کرنے والے سے کہا جائے کہ ابھی کھا لو تو وہ نہیں کھائے گا۔"

میں نے کہا "مگر ہم کھائیں گے۔ پیٹ بھری محبت بہتر ہوتی ہے۔"

ایئر ہوسٹس مسکرا کر کھانا لانے چلی گئی۔ میں نے کہا "یہی موقع ہے کہ ہم آرام سے کھا لیں۔ آرام سے کچھ وقت گزار لیں۔ جب ہم دارالسلام پہنچیں گے تو پتہ نہیں کیا حالات ہوں گے۔"

ہم نے سفر شروع کرنے سے پہلے طیارے کے عملے سے ملاقات کی تھی۔ سعید صاحب نے ان سے ہمارا تعارف کرایا تھا۔ ان سے درخواست کی تھی کہ سفر کے دوران ہمارا خاص خیال رکھیں۔ اس تعارف کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں اس ملاقات کے دوران تمام

لوگوں کے خیالات پڑھ لوں تاکہ بعد میں ہمارے خلاف کوئی سازش ہو تو مجھے اس کا علم ہو تا ہے۔

جو ائیر ہوسٹس کھانا لانے گئی تھی میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس کے آس پاس دوسرے اسٹیورڈ اور ائیر ہوسٹس وغیرہ بھی تھے۔ اور وہ دوسرے مسافروں کے لیے بھی کھانے کی ٹرے سجا رہے تھے۔ میں نے ہر ایک کے خیالات کو پڑھا اور مطمئن ہوتا رہا۔ ہمارے خلاف کھانے پینے کی چیزوں میں کسی چیز کی ملاوٹ نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی سازش نہیں تھی۔

آدھی رات کے بعد ہم بخیریت قاہرہ پہنچ گئے۔ وہاں ــــ انٹیلی جنس کے کچھ افسران ہمارے استقبال کے لیے آئے تھے۔ ہمارے درمیان پہلے ہی سعید صاحب کے ذریعے کوڈ ورڈز مخصوص ہو چکے تھے۔ ان کوڈ ورڈز کے ذریعے ہم نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ پھر وہ ہمیں وی، آئی، پی روم میں لے آئے۔ اعلیٰ بی بی کا ایک چیف قاہرہ میں بھی تھا۔ وی، آئی، پی روم میں اس سے ملاقات ہوئی۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں دوسرے طیارے کے ذریعے دارالسلام جانا تھا۔

ہماری گفتگو کے دوران وی، آئی، پی روم کا دروازہ کھلا پھر چند لوگ داخل ہوئے۔ انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ نیروبی انٹیلی جنس کے افراد تھے میں نے تعارف کے دوران باری باری ان کے دماغوں کو پڑھ کر دیکھا اور مطمئن ہوتا رہا پھر وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ نیروبی انٹیلی جنس کے ایک افسر نے جیب سے دنیا کا نقشہ نکالا اور اسے کھول کر ہمارے سامنے رکھتے ہوئے کہا "یہ دیکھیے جزیرہ الدبرا سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر گلوریس آئی لینڈ ہے مگر گلوریس جزیرے کے گورنر نے اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ اجنبی لوگ اس جزیرے میں داخل ہوں اور کسی دوسرے جزیرے کے خلاف کارروائی کریں۔"

دارالسلام کے ایک افسر نے کہا "ہمیں پہلے ہی شبہ تھا کہ وہاں کا گورنر اعتراض کرے گا۔ وہ اسی بڑی طاقت کا پٹھو ہے۔ وہی طاقت جو یہودیوں کی پشت پناہی کر رہی ہے۔"

نیروبی کے افسر نے کہا "اسی لیے میں حاضر ہوا ہوں۔ میری اپنی پلاننگ یہ ہے کہ مادام سونیا اور مسٹر فرہاد ہمارے ساتھ نیروبی تک چلیں وہاں سے ہم ایک گمنام جزیرے میں انھیں پہنچائیں گے۔ ذرا نقشہ ملاحظہ فرمائیں۔" اس نے افریقہ کے مشرقی حصے کے سمندر پر ایک جگہ انگلی رکھی پھر کہا "یہ جزیرہ الدبرا ہے اور اس کے شمال میں تیس یا پینتیس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے نقشے میں وہ جزیرہ نظر آ رہا ہے۔ ایسے بے شمار جزیرے سمندر میں ہیں جو عام نقشوں میں نظر نہیں آتے اور جو اب تک گمنام ہیں۔ انھی میں اس جزیرے کا شمار ہوتا ہے۔"

ایک آفیسر نے کہا "نقشے کے مطابق حکومت کینیا کے سمندری علاقے میں یہ جزیرہ ہے۔ کیا آپ کی حکومت نے اس جزیرے کے متعلق معلومات حاصل نہیں کیں؟"

"ہاں، کئی بار ہماری مہم جو پارٹیاں ادھر گئی ہیں لیکن بہت کم لوگ وہاں سے واپس آئے۔ واپس آنے والے اسے موت کا جزیرہ کہتے ہیں۔ ان کے ساتھی کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ہڈیوں کے انسانی ڈھانچے انھیں کئی جگہ نظر آئے لیکن وہ ڈھانچے ان کے ساتھیوں کے تھے یا نہیں۔ یہ سمجھنا مشکل تھا۔ ڈھانچوں سے اپنے اور پرائے کی پہچان نہیں ہو سکتی۔"

دارالسلام کے ایک افسر نے کہا "وہ جناب! جب آپ جانتے ہیں کہ وہ موت کا جزیرہ ہے اور ایسا پُر اسرار جزیرہ ہے کہ آپ کی حکومت نے اب تک اس کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہیں کی ہیں۔ ایسی جگہ آپ مسٹر فرہاد اور مادام سونیا کو کیوں بھیجنا چاہتے ہیں؟"

اس آفیسر نے جواب دیا "میں نے مسٹر فرہاد اور مادام سونیا کو وہاں جانے کا مشورہ دیا ہے، حکم نہیں دیا۔ وہاں جانے سے پہلے اس جزیرے کے متعلق جو کچھ معلومات ہیں میں وہ فراہم کر رہا ہوں۔ جانا یا نہ جانا ان دونوں کی مرضی پر ہے۔"

دوسرے آفیسر نے کہا "ہم انھیں تنہا جانے کے لیے نہیں کہہ رہے ہیں۔ ہماری ایک مہم جو پارٹی پہلے ہی اس جزیرے کے مغربی ساحل پر پہنچ کر کیمپ لگا چکی ہے۔" اب تک میں ان کی [illegible] یا بحث خاموشی سے سن رہا تھا میں نے پوچھا "ہمیں بتایا گیا ہے کہ 'الدبراشن' پر کسی بھی حکومت کا کوئی نمائندہ یا کوئی جاسوس ادھر نہیں جائے گا بلکہ میرے اور سونیا جیسے لوگ وہاں جائیں گے جن کا تعلق بظاہر کسی حکومت سے نہیں ہوتا ہے۔"

نیروبی کے افسر نے کہا "آپ نے درست سنا ہے جو پارٹی وہاں گئی ہے اس میں ایسے لوگ ہیں جو چھٹے ہوئے بدمعاش اور [illegible] ہیں اور کسی نہ کسی صلاحیت کے حامل ہیں۔ بہت ہی نڈر، بے باک اور جان پر کھیل جانے والے لوگ ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی اور ایسے لوگ بھی ہیں جو نیروبی کی جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہے تھے انھیں بھی آزاد کر کے وہاں بھیج دیا گیا ہے اس شرط پر کہ اگر وہ کامیاب لوٹیں گے تو ان کی باقی سزا معاف کر دی جائے گی۔ مختصر یہ کہ کوئی بھی بڑی طاقت 'الدبراشن' کے سلسلے میں ہمیں الزام نہیں دے سکے گی۔"

دارالسلام کے افسر نے کہا "ہم نے بھی ایسی ہی ایک ٹیم تیار کی ہے۔ ہم اسے گلوریس آئی لینڈ بھیجنے والے تھے۔ چونکہ راستہ بدل گیا ہے اس لیے یہ ٹیم بھی اسی گمنام جزیرے پر جائے گی۔"

سونیا نے نیروبی کے ایک آفیسر سے سوال کیا "آپ نے ابھی فرمایا ہے کہ اس گمنام جزیرے میں جانے والے بہت کم واپس

اور جو واپس نہ آسکے ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے ملے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ ان کے ساتھیوں کے ہی ڈھانچے تھے تو انھیں کس نے ہلاک کیا۔ کیا اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی گئی؟"

"ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ افریقہ کے قدیم آدم خور قبیلے کے لوگ ہیں جو آج بھی انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ خصوصاً انھیں عورتوں کا گوشت بہت پسند ہے یہی وجہ ہے کہ اس بار ہماری مہم جو پارٹی میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ وحشی لوگ ان عورتوں کو حاصل کرنے کے لیے سامنے آئیں تو کچھ بات بنے۔"

میں نے پوچھا "ہم نیروبی کب تک پہنچیں گے؟"

"اس وقت ایک بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔ ساڑھے پانچ بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔"

میں نے دارالسلام کے انٹیلی جنس افسر سے کہا "آپ اپنی وہ ٹیم اس موت کے جزیرے میں بھیج دیں میں اور سونیا کل شام تک وہاں پہنچ جائیں گے۔"

سونیا نے پوچھا "وہاں جانے کا ذریعہ کیا ہے کیا ہیلی کاپٹر؟"

"جی نہیں، موٹر بوٹ یا لانچ کے ذریعے سفر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ کو ماہی گیروں یا مفرور قیدیوں کی حیثیت سے وہاں جانا چاہیے۔ اگر ہیلی کاپٹر استعمال ہوگا تو وہ دشمنوں کی نظروں میں آ جائے گا اور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس ہیلی کاپٹر کا تعلق کس ملک سے ہے۔"

میں نے پوچھا "جو مہم جو پارٹی وہاں پہنچی ہوئی ہے کیا اس پارٹی کے افراد میرے اور سونیا کے متعلق جانتے ہیں؟"

"ہم نے انھیں بتایا ہے لیکن وہ آپ لوگوں سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ وہ کسی ٹیلی پیتھی کو نہیں مانتے ہیں اور نہ آپ دونوں کی شخصیت سے متاثر ہو سکتے ہیں ـــــ وہ بہت ہی جاہل، بد دماغ اور مصیبت پیدا کرنے والے شورہ پشت لوگ ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ انھیں ہینڈل کر لیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم وی آئی پی روم سے نکلے۔ ایک کار ہمیں طیارے تک پہنچانے کے لیے موجود تھی میں نے اعلیٰ بی بی کے چیف سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں دارالسلام کے چیفوں سے رابطہ قائم کروں گا۔ آپ کی ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ خدا حافظ۔"

اس سے رخصت ہو کر ہم طیارے میں سوار ہو گئے۔ ٹھیک ڈیڑھ بجے ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوا۔ سفر کے دوران میں نے دارالسلام کے دونوں چیفوں سے رابطہ قائم کیا۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ہماری منزل بدل گئی ہے اور ہم کسی گمنام جزیرے میں جانے والے ہیں تو انھوں نے کہا "جناب! ہم بھی ادھر ہی پہنچ رہے ہیں۔"

میں نے کہا "میں اس بات کا مشورہ نہیں دوں گا میری پلاننگ کچھ اور ہے۔ ذرا توجہ سے سنو۔ اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرو اور میری یہ تجویز پیش کرو۔ ہم سب اس گمنام جزیرے میں جا رہے ہیں جو موت کا جزیرہ کہلاتا ہے۔ یقیناً دشمنوں کی نظر ہم پر ہوگی۔ اگر ہم پر نظر ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ساری توجہ بھی ہماری طرف ہوگی۔ لہٰذا چالیس چوروں کو الدبرا کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔ کچھ چوروں کو گلوریس آئی لینڈ میں کسی نہ کسی طرح قدم رکھنا چاہیے۔ اس آئی لینڈ میں وہاں کے گورنر کے لیے کم از کم ایک ہیلی کاپٹر ضرور ہوگا۔ اس بات کا پتہ لگایا جائے اور اس ہیلی کاپٹر پر نظر رکھی جائے۔ ضرورت کے وقت وہ ہمارے کام آئے گا۔ ہو سکتا ہے جس وقت ہم بچے کو لے کر اس جزیرے سے نکلنا چاہیں تو ہیلی کاپٹر کی ضرورت پیش آئے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات پر غور کیا جائے اور آئندہ پیش آنے والی ضروریات پر اس طرح نظر رکھی جائے کہ وقت پر مایوسی نہ ہو۔"

دو بج کر تیس منٹ ہو چکے تھے میں نے سونیا سے کہا "تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔ جہاز میں کوئی ہمارا دشمن نہیں ہے۔ یہ ہمیں بحفاظت نیروبی تک ضرور پہنچائے گا۔" میں نے سونیا کے ذہن کو تھپک کر سلا دیا پھر اپنے دماغ کو یہ ہدایت دے کر سو گیا کہ دو گھنٹے تک آرام سے سوتا رہوں۔ اس دوران اگر کوئی غیر معمولی بات ہو تو میری آنکھ کھل جائے۔

ایسی کوئی بات نہیں ہوئی میں اور سونیا آرام سے سوتے رہے وقت مقررہ پر آنکھ کھل گئی میں نے سونیا کو بیدار کیا۔ ہم یکے بعد دیگرے باتھ روم میں گئے۔ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو گئے۔ تقریباً سوا پانچ بجے وہ طیارہ نیروبی ائیرپورٹ رن وے پر اترا۔ جب ہم طیارے سے اتر کر ائیرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوئے تو دن کی روشنی پھیل چکی تھی ایک کاؤنٹر پر ہم پاسپورٹ اور دوسرے ضروری کاغذات لے کر پہنچے۔ کاؤنٹر گرل نے ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ کے پاسپورٹ سے میں نے پہچان لیا ہے۔ آپ فرہاد علی تیمور ہیں یہ آپ کے نام ایک پیغام ہے۔"

میں نے پوچھا "یہ کس نے دیا ہے؟"

کاؤنٹر گرل نے ایک نظر سونیا پر ڈالی۔ پھر مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی "ایک بہت ہی حسین لڑکی نے دیا ہے۔ میں نے نام پوچھا، پتہ پوچھا تو اس نے کہا۔ جیسے پیغام دے رہی ہوں۔ وہ مجھے جنم جنم سے جانتا ہے۔"

"تعجب ہے" میں نے سونیا سے کہا "ہندو عقیدے کے مطابق جنم جنم سے جاننے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لیا پھر تیسرا جنم لیا۔ پھر چوتھا جنم لیا اور ہر جنم میں یہ لفافہ دینے والی مجھے جانتی رہی یا میں اسے جانتا رہا لیکن ہم تو مسلمان

ہیں۔ ہم ایسا عقیدہ نہیں رکھتے۔"

"تو پھر لفافہ کھول کر دیکھ لو۔ یہ کس عقیدے سے تعلق رکھنے والی ہے؟"

میں نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ پھر اسے کھول کر دیکھا۔ میرے لیے اتنی دور ایک اجنبی ملک میں یہ بات حیرانی کی تھی کہ وہ خط اردو زبان میں لکھا ہوا تھا۔

"میرے فرہاد!

شاید تم مجھے بھلا چکے ہو مگر میں عورت ہوں۔ تمھیں مرنے کے بعد بھی نہیں بھول سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے مرنے کے بعد جب دوسری زندگی پائی تو تمھیں یاد رکھا مگر تم سدا کے ہرجائی نکلے پھر اس سونیا سے قریب ہوتے جا رہے ہو۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔

تم نے مجھے بھلا دیا ہے تو میں یاد دلاؤں کہ میں تمھیں چاہتی ہوں ——— یہ بھی چاہتی ہوں کہ میرے سوا کوئی دوسرا تمھیں نہ چاہے جو تمھیں چاہے گی وہ دنیا کی سب سے بدنصیب عورت ہوگی۔ ایسی بدنصیبی کی مثال سونیا پیش کرے گی۔ اس ائیرپورٹ کی عمارت سے باہر نکلو تو تم دونوں اپنے راستے الگ کر لو۔ اگر سونیا تمھارے ساتھ چلے گی تو میں اسے چلنے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔ اس عمارت سے باہر نکلتے وقت اگر اس کا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں ہوا تو پھر وہ ہاتھ آئندہ کبھی کسی سے مصافحہ کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔

فقط تمھاری اور صرف تمھاری ہاں تمھاری۔۔۔"

میں نے وہ خط سونیا کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا: "تم سالہا سال سے اردو پڑھنا اور بولنا بھی سیکھ رہی تھیں۔ کیا اسے پڑھ سکتی ہو؟"

سونیا نے خط لے کر کہا: "ہاں اٹک اٹک کر پڑھ لوں گی۔" پھر وہ پڑھنے لگی میں نے اینٹلی جنس کے افسران کو اس خط کے متعلق بتایا۔ ایک افسر نے کہا: "تعجب ہے۔ آپ کے لیے اس خط میں محبت ہے اور مادام کے لیے دھمکی۔ بہرحال آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے آدمی آپ لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر کر باہر کھڑی ہوئی کار تک لے جائیں گے۔"

سونیا اٹک اٹک کر پڑھ رہی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر اس کے ہاتھ سے خط کو چھینتے ہوئے کہا: "اس طرح تو تم صبح سے شام کر دو گی۔ لو سنو۔ میں سناتا ہوں۔"

پھر میں نے اسے وہ خط پڑھ کر سنایا۔ وہ سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑ کر بولی: "کیا یہ مرجانہ نے لکھا ہے؟"

میں نے چونک کر سونیا کو دیکھا۔ پھر ایک نظر اس خط پر ڈالی [illegible] اس کے بعد کہا: "تمھارے دماغ میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟"

"اس لیے کہ تم سے محبت کرنے والیوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمھاری زندگی میں آج تک کوئی ایسی لڑکی نہیں آئی جو تمھارے کسی دوست کے ہاتھ پاؤں توڑنے کا دعویٰ کرے۔ صرف مرجانہ [illegible] ایسا ہے۔"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں مرجانہ تو مجھے چاہتی ہے۔ تمھاری خاطر میرے ہاتھ پاؤں توڑنے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ یہ تو الٹی بات ہو رہی ہے۔"

وہ بولی: "ہاں، بات تو الٹی ہے مگر یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ برین واش کرنے والوں نے اس کے دماغ کو الٹا دیا ہو۔ یقیناً [illegible] اس خط کا ایک ایک لفظ مرجانہ کے مزاج کو ظاہر کر رہا ہے۔"

تب میں نے اس خط کو دوبارہ پڑھا۔ میری حیرت کی انتہا نہیں رہی۔ واقعی دوبارہ خط پڑھتے وقت مرجانہ تصور میں [illegible] وہی بولتی ہوئی لگ رہی تھی۔ سونیا اس کے بہت قریب رہی تھی اور بڑی گہرائی سے اس نے مرجانہ کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا تھا۔

میں نے مرجانہ کے لب و لہجہ کو یاد کرتے ہوئے اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچانے کی کوشش کی اور ناکام رہا [illegible] اس کا سابقہ لب و لہجہ مٹ چکا تھا۔ برین واش ہو چکا تھا۔ پتا نہیں نیا لب و لہجہ کیسا ہوگا۔ ایک آفیسر نے مجھے مخاطب کیا: "مسٹر فرہاد! کیا ارادہ ہے۔ یہاں سے چلنا چاہیے۔ دیکھیے ہمارے یہ مسلح افراد [illegible] آپ دونوں کے چاروں طرف چلتے رہیں گے۔ کوئی چھپ کر آپ لوگوں پر فائر نہیں کر سکے گا۔"

میں نے سونیا سے کہا: "اب تک ہم ہزاروں بار [illegible] ٹھکانے کا تجربہ کر چکے ہیں۔"

سونیا نے کہا: "چلو ایک تجربہ اور سہی۔"

ہم چلنا ہی چاہتے تھے کہ ائیرپورٹ کے ایک پورٹر نے سونیا کے سامنے آ کر پوچھا: "کیا آپ مادام سونیا ہیں؟"

سونیا نے اقرار میں سر ہلایا۔ پورٹر نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اُدھر پارکنگ ایریا میں ایک صاحب نے مجھے یہ دیا اور آپ کا حلیہ بتایا کہ آپ [illegible] کے پاکستانی لباس میں ہوں گی اور آپ کا نام مادام سونیا [illegible] خط آپ تک پہنچا دوں۔"

سونیا نے اس سے لفافہ لیتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے [illegible] مرجانہ نے شاید مجھے بھی دھمکی دی ہوگی۔" یہ کہتے کہتے اس نے [illegible] کو چاک کر کے اس کے اندر کے کاغذ کو نکال لیا تھا اور [illegible]

پڑھ رہی تھی۔ وہ خط انگریزی میں تھا۔

"سونیا! میرے دشمن کی آن اور میری جان!

میں تمھارا سب سے پہلا عاشق ہوں جسے تم نہیں جانتی ہو مگر میں مرنے کے بعد بھی تمھیں بھلا نہ سکا۔ اب ایک نئی زندگی پانے کے بعد تمھاری تمنا پہلے کی طرح شدت سے کر رہا ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ کون تمھارے ہاتھ پاؤں توڑنے کی دھمکی دے رہی ہے۔ میں اسے ایسا کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ حالانکہ وہ انتہائی خطرناک عورت ہے اس کے مقابلے میں بڑے بڑے شہ زور بھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں رہ سکتے۔ فرہاد نہ تو اپنی جسمانی قوت سے اور نہ ہی ٹیلی پیتھی کے ذریعے تمھیں اس کی سنگدلی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ صرف میں تمھاری حفاظت کر سکتا ہوں۔ تمھیں میری محبت کی قدر کرنا چاہیے اور فرہاد کو ٹھوکر مار دینا چاہیے۔ تمھاری سلامتی اور تمھاری بقا صرف میرے ہی دم سے ہے۔ یقین نہ ہو تو ائیرپورٹ کی عمارت سے فرہاد کے ساتھ باہر نکل کر دیکھو۔ میں ہر جگہ تمھاری حفاظت اور سلامتی کے لیے موجود رہوں گا۔ فقط۔ تمھارا اور صرف تمھارا ہاں تمھارا۔۔۔۔"

میں اس خط کو سونیا کی سوچ کے ذریعے پڑھ چکا تھا۔ سونیا نے خط اینٹلی جنس کے ایک آفیسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اوہ! ان لوگوں نے کیا تماشا بنا رکھا ہے۔ فرہاد چلو۔"

وہ آفیسر خط پڑھتے ہوئے ہمارے ساتھ چلنے لگا۔ ہمارے آس پاس اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ اگرچہ وہ دونوں خطوط خطرناک چیلنج کے باوجود مضحکہ خیز لگ رہے تھے پھر بھی ہم محتاط تھے اور چلنے کے دوران آس پاس توجہ سے دیکھتے جا رہے تھے اور جسے دیکھتے تھے اسے تجربات کی نگاہوں سے تولتے جاتے تھے۔

ہم ائیرپورٹ کی عمارت سے باہر آ گئے۔ سفید رنگ کی بڑی سی مرسڈیز ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ جیسے ہی ہم قریب پہنچے۔ ایک ماتحت نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ لیڈیز فرسٹ کے اصول کے مطابق پہلے سونیا اندر گئی۔ اس کے بعد میں دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی وقت کار کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کا انجن پہلے ہی سے بیدار تھا۔ سونیا کے بیٹھتے ہی کار آگے بڑھ کر اچانک تیز رفتاری سے دور ہوتی چلی گئی۔

میں نے حیرانی سے دور جاتی ہوئی کار کو دیکھا۔ ہم میں سے کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے جاسوسوں اور تجربہ کار لوگوں کی موجودگی میں مجرم اتنی دیدہ دلیری کا ثبوت دیں گے۔ اس کار کے آگے پیچھے کئی جیپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ جب وہ کار آگے بڑھی اور ایک آفیسر نے اشارہ دیا تو وہ جیپ کاریں بھی حرکت میں آ گئیں اور اس کے تعاقب میں آگے بڑھیں۔ تھوڑی دور جا کر ہی دونوں گاڑیاں چلتے چلتے رک گئیں۔ ان میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دشمنوں نے خرابی پیدا کر دی تھی۔

دونوں افسران دوڑتے ہوئے اپنی ذاتی کاروں کی طرف گئے پھر اس میں بیٹھ کر ڈرائیو کرتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ آگے پیچھے دو کاریں کھڑی ہو گئیں۔ دونوں افسران نے کار کی کھڑکی سے جھانک کر مجھے دیکھا۔ ایک نے کہا: "فرہاد صاحب! آئیے دیر نہ کریں۔"

دوسرے آفیسر نے پوچھا: "آپ اتنے اطمینان سے کیوں کھڑے ہیں؟"

میں نے کہا: "آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ پریشان انھیں ہونا چاہیے جو سونیا کو لے گئے ہیں۔"

ایک آفیسر نے کار سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا: "کیا مطلب۔ کیا آپ اس کے پیچھے نہیں جائیں گے؟"

"جاؤں گا لیکن آپ لوگوں کی کاروں میں نہیں۔ آپ میرے لیے ایک ٹیکسی طلب کریں۔"

"ٹیکسی کیوں؟"

"آپ کی ان کاروں میں بھی دشمنوں نے یقیناً کوئی خرابی پیدا کی ہوگی۔ جو ذرا آگے جا کر معلوم ہوگی۔" یہ کہتے ہی میں نے سوچ کے ذریعے پوچھا: "سونیا خیریت سے تو ہو؟"

وہ کار کی پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔ کہنے لگی: "تم خود ہی دیکھ لو۔ میں کس حال میں ہوں۔"

"تم تو بڑے اطمینان سے ہو۔"

"اور کیا کروں؟ کیا اس نہتے ڈرائیور پر حملہ کر دوں؟"

"جب وہ تنہا ہے تو یقیناً اپنی جان پر کھیل کر تمھیں لے جا رہا ہوگا۔ تم حملہ کرو گی تو وہ گاڑی کو کسی ایسی جگہ ٹکرا دے گا جہاں تمھاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"اسی لیے اطمینان سے بیٹھی ہوں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ دشمن کیا چاہتے ہیں اور مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ تم تو میرے آس پاس موجود ہی رہو گے۔"

"تم کھڑکی سے باہر دیکھتی جاؤ اور سوچتی جاؤ کہ کن راستوں سے گزر رہی ہو۔ وہاں کے سائن بورڈ، ہوٹل اور مخصوص عمارتوں کی نشاندہی کرتی جاؤ۔ میں ایک ٹیکسی میں آ رہا ہوں۔ انھی راستوں پر چلتا جاؤں گا۔"

"دشمن اتنے نادان تو نہیں ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تم

ٹیلی پیتھی کے ذریعے بڑی کامیابی سے میرا تعاقب کرتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچ جاؤ گے۔"

"ہاں، دشمن یہ سمجھ سکتے ہیں مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ فی الحال میں اسی طرح تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔"

میں نے سوچ کا رابطہ ختم کیا۔ سامنے ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی نظر آئی۔ ایک آفیسر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ میں پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔ پھر ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ آفیسر نے پوچھا "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہمیں کس طرف سے چلنا چاہیے؟"

میں نے سوچ کے ذریعے معلوم کیا۔ پھر آفیسر سے کہا "راستے کے دائیں طرف ایک بہت بڑا ہورڈنگ ہے جس پر میکس فیکٹر کا اشتہار ہے۔"

"جناب! میکس فیکٹر کے اشتہار کے ہورڈنگز اس شہر میں کئی جگہ ہیں۔"

"تو پھر ٹھہریے۔ میں کچھ اور معلوم کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں سونیا کے پاس پہنچا۔ اس وقت وہ گاڑی ایک ویران سڑک پر رک گئی تھی۔ اس کے چاروں طرف اسٹین گن والے تھے اور سونیا کو باہر نکال کر دوسری گاڑی میں جانے پر مجبور کر رہے تھے۔ سونیا ان کے نرغے میں چلتے ہوئے دوسری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تب اس کے دماغ نے بتایا کہ وہ جس گاڑی میں بیٹھی ہوئی ہے اس کے شیشے اندھے ہیں یعنی آر پار نہیں دیکھا جا سکتا اب وہ راستوں کی نشاندہی نہیں کر سکے گی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ آفیسر نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اب تم بتاؤ کہاں چلیں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیا مطلب؟"

"جہاں آپ نے میری رہائش کا انتظام کیا ہے۔ مجھے وہاں پہنچا دیں۔ سونیا کا تعاقب نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن بہت چالاک ہیں۔ انہوں نے میری ٹیلی پیتھی کے راستے محدود کر دیے ہیں۔"

"کیا آپ مادام کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے؟"

"آفیسر، وہ کوئی گھریلو نازک اندام خاتون نہیں ہے۔ آپ چلیے۔"

آفیسر نے ٹیکسی ڈرائیور کو راستہ بدلنے کے لیے کہا۔ میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت اس کے آس پاس دو مسلح جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ سونیا ان سے کہہ رہی تھی "اس تکلف کی کیا ضرورت ہے جب وہ ڈرائیور تنہا تھا تب بھی میں نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ میں تو سیدھی وہاں جا رہی ہوں جہاں تم لوگ لے جانا چاہتے ہو۔"

آس پاس بیٹھے ہوئے جوان خاموش رہے۔ انھیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ سونیا نے مجھے مخاطب کیا "تم نے تعاقب کا ارادہ ترک کر دیا ہوگا؟"

"اور کیا کر سکتا ہوں۔ میری رہائش کا جہاں انتظام کیا گیا ہے وہاں جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہاں پہنچ کر اطمینان سے خیال خوانی کرو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چاہتے کیا ہیں؟"

میں نے دماغی طور پر ٹیکسی میں حاضر ہو کر آفیسر سے کہا "آپ کے اینٹلی جنس والے یقیناً باصلاحیت ہوں گے لیکن غیر ملکی سازش کے معاملے میں وہ اتنے ذہین نہیں ہیں۔ اگر ہوتے تو دشمن سونیا کو اتنی آسانی سے نہ لے جاتے۔"

آفیسر نے ندامت سے کہا "میں اس معاملے میں تحقیقات کروں گا۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ اس میں ہمارے ملک کی بدنامی ہے۔"

"کوئی بات نہیں، غلطیاں سبھی سے ہوتی ہیں۔ دراصل آپ لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ دشمن دوست بن کر بھی آپ لوگوں کے درمیان رہ سکتے ہیں۔ آپ کی تمام گاڑیاں آپ ہی کے کسی آدمی نے ایئرپورٹ پر خراب کی ہیں اور وہ آدمی یقیناً دشمنوں سے ملا ہوا ہے۔"

آفیسر نے تائید میں سر ہلایا۔ ہم ایک شاندار بنگلے کے احاطے میں پہنچ گئے۔ بنگلے کے احاطے میں کچھ لوگ ایک میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا اور وہ اس کے ذریعے سے گفتگو کر رہے تھے۔ وہ ہمیں ٹیکسی سے اترتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں آفیسر کے ساتھ ٹیکسی سے اتر کر ان کے پاس آیا۔ ایک ماتحت ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے اسے رخصت کر رہا تھا۔ جب ہم ٹرانسمیٹر کے قریب پہنچے تو ایک ماتحت نے کہا "جناب! ہمارا ایک آدمی اس گاڑی کا پیچھا کر رہا ہے جس میں مادام کو لے جایا گیا ہے۔"

میں نے کہا "وہ گاڑی تو بدل چکی ہے۔ مادام سونیا دوسری گاڑی میں جا رہی ہیں۔"

اس ماتحت نے کہا "یس سر! ہم اسی دوسری گاڑی کو نظروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ دراصل ہمارا ایک جاسوس ائیرپورٹ کی عمارت سے ذرا دور ایک موٹر سائیکل پر موجود تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اچانک ہی ایک گاڑی جس میں کہ آپ لوگوں کو جانا تھا چل پڑی ہے اور اس شاہراہ پر کچھ افراتفری نظر آ رہی ہے تو اس نے گاڑی کا پیچھا کیا۔ ایک ویران راستے پر اس نے دیکھا کہ وہ لوگ مادام سونیا کو اسٹین گنوں کی زد میں لے کر دوسری گاڑی میں بٹھا رہے ہیں۔ ہمارے جاسوس نے تعاقب جاری رکھا جو تاحال جاری ہے۔"

میرے ساتھ آنے والے آفیسر نے فخر سے سینہ تان کر میری طرف دیکھا اور کہا "مسٹر فرہاد! آپ نے درست کہا تھا کہ غلطیاں ہو جاتی ہیں لیکن کبھی اپنے ماتحتوں پر ناز ہے۔ دیکھ لیجیے کس طرح ہمارے ذہین جاسوس دشمنوں کا پیچھا کرتے ہیں۔"

میں نے مسکرا کر داد دینے کے انداز میں اسے دیکھا۔ پھر سونیا

کے پاس پہنچ کر معلوم کیا وہ اس وقت جس گاڑی میں تھی۔ وہ گاڑی رکی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا "کہاں ہو؟ کچھ پتہ چل رہا ہے؟"

اسی وقت اس گاڑی کے دونوں طرف والے دروازے کھلے اور وہ دونوں سونیا کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ سونیا نے گاڑی سے نکل کر دیکھا۔ وہ ایک بڑا سا گیراج تھا۔ گاڑی، گیراج میں جس راستے سے داخل ہوئی تھی۔ وہ راستہ ایک آہنی شٹر کے ذریعے بند ہو گیا تھا۔ پھر گاڑی کے دروازے بھی بند ہو گئے۔ سونیا مسلح جوانوں کے نرغے میں ایک دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ گاڑی جس جگہ کھڑی ہوئی تھی، وہاں گڑگڑاہٹ کی ہلکی سی آوازیں آ رہی تھیں اور گاڑی زمین کے اندر دھنستی جا رہی تھی۔

پھر وہ ذرا نیچے جا کر رک گئی۔ اس کے بعد اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ گاڑی کی جگہ خالی ہو گئی وہ خالی جگہ پھر گڑگڑاہٹ کے ساتھ اوپر آنے لگی حتیٰ کہ اوپر آ کر فرش کے برابر ہو گئی۔ اب اس فرش میں خلا نہیں تھا۔

سونیا ان کے ساتھ چلتے ہوئے ایک لفٹ کے دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دروازے پر لکھے ہوئے نمبر تبدیل ہو رہے تھے۔ پتہ چل رہا تھا کہ لفٹ اوپر سے نیچے آ رہی ہے۔ میں نے دماغی طور پر حاضر ہو کر ان ماتحتوں کو دیکھا جو ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کر رہے تھے۔ انھیں اطلاع مل گئی تھی کہ سونیا کی گاڑی کہیں گم ہو گئی ہے اور تعاقب کرنے والا جاسوس ناکامی سے اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ وہ ایک ایسے گیراج میں پہنچ گئی ہے۔ جہاں وہ شٹر والا دروازہ کھلے گا تو اس گاڑی کا نام و نشان بھی نہیں ملے گا کیونکہ وہ ایک بڑی لفٹ کے ذریعے، زمین کے اندر تہہ خانے میں پہنچ گئی ہے اور سونیا ایک لفٹ کے ذریعے اس عمارت کے اوپر جا رہی ہے لہٰذا کوئی ایسی عمارت دیکھی جائے جہاں بڑا سا آہنی شٹر کا گیراج نما دروازہ ہو۔

وہ ماتحت یہی بات ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس جاسوس کو بتانے لگے میں پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اب وہ لفٹ میں ایک ان کھڑی ہوئی تھی اور اوپر کی طرف جا رہی تھی۔ میں وہیں لان میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب ٹرانسمیٹر کے قریب کھڑے ہوئے چار افراد میں سے دو آدمی جا رہے تھے وہ ایک موٹر سائیکل پر بیٹھ رہے تھے شاید اس جاسوس کی رہنمائی کرنا چاہتے تھے اور ایسی عمارت تلاش کرنا چاہتے تھے۔ جہاں ایک گیراج نما بڑا سا آہنی شٹر والا دروازہ ہو اور وہ عمارت اتنی اونچی ہو کہ جس کے اوپری منزل پر پہنچنے کے لیے لفٹ کی ضرورت پیش آئے۔

وہ عمارت کی سب سے اونچی منزل پر پہنچ گئی۔ ایک کمرے میں اسے پہنچا دیا گیا۔ پھر مسلح جوان کمرے سے باہر آ گئے۔ دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ جس کمرے میں وہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تقریباً خالی خالی سا تھا۔ یوں لگتا تھا محض رسمی سی ملاقات کے لیے اسے بلایا گیا ہے اسی لیے وہاں صرف دو کرسیاں آمنے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ ان دو کرسیوں کی سیٹنگ بتا رہی تھی کہ ایک پر وہ بیٹھے گی اور دوسری پر کوئی دوسرا بیٹھ کر گفتگو کرے گا۔

پھر اسے کسی کی آواز سنائی دی "مادام سونیا! خوش آمدید۔ آپ ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ سکتی ہیں۔"

میں فوراً ہی بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں مائک کے سامنے بیٹھا ہوا بول رہا تھا مجھے اس کے دماغ سے سونیا کا جواب سنائی دیا۔ وہ کہہ رہی تھی "پہلے اسے بلاؤ جس کے لیے یہ دوسری کرسی ہے۔ میں دیکھوں گی کہ وہ میرے مقابل بیٹھنے کے قابل ہے یا نہیں؟"

مائک کے سامنے بولنے والے نے کہا "مادام! ہم آپ کی شان، آپ کے وقار اور آپ کی شخصیت کے مطابق ہی کسی کو پیش کر سکتے ہیں۔ جسے پیش کر رہے ہیں، ہم اسے آپ سے برتر تو نہیں کہہ سکتے لیکن کمتر بھی نہیں کہہ سکتے۔ لیجیے وہ شخصیت آپ کے سامنے آتی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ سونیا نے اُدھر گھوم کر دیکھا۔ ایک شخص کھلے ہوئے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ وہ قدآور تھا۔ بہت ہی اچھی صحت کا مالک تھا۔ اس کے چہرے... اور اس کے سراپا میں مردانگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مائک سے بولنے والے نے کہا "مادام! یہ وہ شخص ہے جس نے مسٹر فرہاد کو، آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو مہینوں تگنی کا ناچ نچایا ہے، آپ اسے چہرے سے نہیں پہچان سکتیں۔ اس کے لب و لہجے کو سن کر صرف مسٹر فرہاد ہی جان سکتے ہیں۔ یہ وہ شکار ہے۔ جو ان کے ہاتھ آ کر پھسل گیا اور اب پھر ان کی ٹیلی پیتھی کی زد سے آزاد ہے۔"

سونیا نے کہا "اتنے لمبے چوڑے تعارف کی کیا ضرورت ہے۔ کیا یہ شخص گونگا ہو گیا ہے تاکہ فرہاد اسکے دماغ میں نہ پہنچ سکے؟"

اس شخص نے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سونیا کے مقابل آ کر مسکراتے ہوئے کہا "نہیں سونیا! میں گونگا نہیں ہوں۔ تمہارا جنم جنم کا عاشق ہوں۔"

اس کی آواز سنتے ہی میں چونک گیا۔ وہ جلال بیگ تھا۔

میں نے سونیا کو بتایا تو اس نے بھی کچھ حیرانی سے دیکھا مگر جلد ہی حیرانی کو چھپاتے ہوئے مسکرا کر بولی "اچھا تو تم جلال بیگ ہو۔"

جلال بیگ نے جواباً مسکرا کر کہا "اچھا تو فرہاد تمہارے دماغ میں موجود ہے اس سے کہہ دو کہ وہ تمہارے دل سے اور دماغ سے نکل جائے۔ تم میری ملکیت ہو۔ میں نے برسوں تمہاری تمنا کی ہے۔"

"بے چارہ انسان بہت سی ناکام تمناؤں کو لے کر قبر میں چلا جاتا ہے۔"

"میں قبر سے واپس آیا ہوں اور صرف تمھارے لیے آیا ہوں میری وہ زندگی جس پر فرہاد علی تیمور کا قبضہ ہو چکا تھا۔ وہ ختم ہو گئی ہے میں نے نیا جنم لیا ہے۔ میرے اس نئے جنم کے دو اہم مقاصد ہیں۔ ایک تمھاری محبت، دوسرا یہودیوں کی حمایت۔ پہلے میں تمھیں یہودی نواز سونیا بناؤں گا۔ پھر تم سے شادی کروں گا۔ ہمارے بچے بھی یہودی نواز ہوں گے اور ہمیشہ ان کی حمایت کرتے رہیں گے۔"

سونیا نے پوچھا "کیا تم مسلمان سے یہودی بن گئے ہو؟"

"نہیں، بظاہر میں مسلمان ہوں۔ لیکن مسلمان ہونا اور بات ہے اور سچائی کا ساتھ دینا اور بات ہے۔ یہودی اگر اپنی جدوجہد میں سچے، کھرے اور با اصول ہیں تو ہم سب کو ان کی حمایت کرنا چاہیے۔"

"وہ ان کے سچے اور کھرے اصول کیا ہیں؟"

"تم غور کرو تو یہ بات تمھاری سمجھ میں آجائے گی۔ اسلام ہو، عیسائیت ہو یا دنیا کا کوئی بھی مذہب ہو اس میں ایک سے زیادہ فرقے ہوتے ہیں۔ یہودیوں کی مسلسل کامیابی کا راز صرف یہ ہے کہ ان کے درمیان فرقے نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ حالانکہ نظریاتی اعتبار سے کمیونسٹ یہودی ان سے الگ ہیں لیکن تنظیم کا بال کے خفیہ احکامات پر عمل کرتے وقت یہ لوگ نظریات کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہو جاتے ہیں پھر نہ کوئی روسی کمیونسٹ ہوتا ہے اور نہ کوئی امریکی سرمایہ دار سب یہودی ایک ہو جاتے ہیں۔"

"میں مانتی ہوں۔ یہودیوں میں ایسا مثالی اتحاد ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ان میں یہی خوبیاں ہیں اور مشترکہ جدوجہد کے اصول ہیں جن پر یہ سختی سے عمل کرتے ہیں۔"

"تم بہت جلد یہودی نواز کہلاؤ گی۔"

"یہ خوش فہمی اپنے دماغ سے نکال دو۔ اگر کسی قوم میں یا کسی مذہب میں بہت سی اچھائیاں ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان اچھائیوں کو قبول کرنے کے لیے اس مذہب کو بھی قبول کرلیں یا وہ قومیت اختیار کرلیں بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے اچھے اصولوں کو سراہا جائے اور اگر ہم میں وہ خوبیاں نہ ہوں تو ہمیں اس پر ندامت ہو اور یہ عزم ہو کہ ہم بھی وہی اصول اپنائیں گے اور ان سے بھی زیادہ متحد ہو کر جدوجہد کرنے کا سلیقہ اپنے اندر پیدا کریں گے۔"

جلال بیگ نے طنزیہ انداز میں کہا "مسلمان کبھی متحد نہیں ہو سکیں گے۔ میں نے کہا نا جہاں ایک سے زیادہ فرقے ہوں وہاں اتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میں فی الحال جواب نہیں دے سکتی۔ تمھارے اس چیلنج کو مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کروں گی۔"

سونیا نے بڑی بے بسی سے یہ جواب دیا تھا۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھا سب کچھ سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ تمام فرقے والے یہی کہتے ہیں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ہر فرقہ اپنے نظریات اور اپنے عقیدے کے مطابق رسی کو تھام لیتا ہے چونکہ نظریات اور عقائد مختلف ہوتے ہیں۔ جذبے، سوچ اور مزاج بھی مختلف ہو جاتے ہیں تو پھر اس رسی پر گرفت مضبوط نہیں رہتی۔ میں یہ سوچ رہا تھا اور ندامت سے میرا سر جھک رہا تھا۔

سونیا نے جلال بیگ سے پوچھا "کیا ائیرپورٹ پر تم نے محبت نامہ بھیجا تھا؟"

"اور کون یہ جرأت کر سکتا ہے میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اب تمھیں بھی محبت کرنا سکھا رہا ہوں۔"

"کیسے سکھاؤ گے؟"

"محبت سے سکھاؤں گا۔"

"اگر میں محبت کو تسلیم نہ کروں تو؟"

"تو اس کی دوسری صورت ہوگی۔"

سونیا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "دوسری صورت یہی کہ محبت سے نہیں تو طاقت سے مجھے حاصل کرو گے۔ طاقت سے نہیں تو سازشوں سے حاصل کرو گے۔"

اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں سونیا میری جان.....!"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اچانک سونیا نے گھوم کر ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے الٹا اور پھر سنبھل گیا۔ سونیا نے کہا "میری جان کہنے کا حق اس دنیا کے صرف ایک آدمی کو ہے۔ ڈکشنری میں سیکڑوں، ہزاروں الفاظ ہیں لیکن وہ الفاظ جو مجھے ناگوار گزریں اپنی زبان پر لانے سے پہلے اجازت حاصل کر لینا۔"

جلال بیگ نے مسکرا کر کہا "معلوم ہوتا ہے فرہاد تمھارے دماغ میں موجود نہیں ہے۔ اگر موجود ہوتا تو تمھیں بتا دیتا کہ میں بھی خطرناک قسم کا فائٹر ہوں۔ ہاں، واقعی وہ موجود نہیں ہے۔ اسی لیے تو اس نے اب تک میرے دماغ میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی ہے۔"

سونیا نے کہا "فرہاد کی کوئی مصلحت ہوگی۔ وہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور تمھاری بکواس سن رہے ہیں۔ ابھی تم جو کہہ رہے تھے کہ میری جان، کہے بغیر بولتے جاؤ۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا "میں نہ تو بازو کی قوت سے تمھیں حاصل کروں گا نہ کسی سازش کے ذریعے۔ میں تمھیں محبت سے اپنی طرف بلا رہا ہوں۔ نہیں آؤ گی تو تمھارے برین کی واشنگ ہوگی۔ تمھارے دماغ کو ایک بار مار ڈالا جائے گا۔ تمھاری موت کے بعد دوسری سونیا جنم لے گی۔ ایک نئے دماغ کے ساتھ۔ جس طرح

ہم نے جنم لیا اور تمھارا وہ نیا دماغ یہودیت سے بھر پور ہوگا جیسا کہ ہمارا دماغ ہے۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ مجھے برین واشنگ کے لیے لے چلو۔"

"مشکل یہ ہے کہ ہمارا برین واشنگ کا آپریشن تھیٹر صرف پیرس میں ہے۔ تمھیں اور فرہاد کو وہاں تک لے جانے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ ہم کوئی ایسا راستہ تلاش کر رہے ہیں جس پر تم دونوں آسانی کے ساتھ راضی خوشی ہمارے ساتھ چل سکو۔"

"وہ آسان راستہ کیا ہوگا؟"

"ابھی میں نہیں بتا سکتا۔"

سونیا نے پوچھا "تمھاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرے ساتھ ساتھ فرہاد کی بھی برین واشنگ کی جائے گی۔"

"ہاں، یہودی تنظیم کو تمھاری جیسی عورت اور فرہاد جیسے ٹیلی پیتھی جاننے والے کی سخت ضرورت ہے۔ رسونتی ہاتھ آہی گئی ہے فرہاد بھی ہمارا ساتھ دے تو پھر ہم دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔"

میں نے سوچا کہ اب اس کے دماغ میں پہنچنا چاہیے اور یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ لوگ مجھے اور سونیا کو کس طرح برین واشنگ کے لیے پیرس لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ سوچتے ہی میں نے اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچایا۔ سوچ کی لہریں وہاں تک پہنچیں پھر واپس ہو گئیں کیونکہ اچانک ہی اس کے دماغ کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئی تھیں۔

دوسرے ہی لمحے اس نے آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے کہا "فرہاد! تمھاری کوشش بیکار ہے۔ میں اب وہ جلال بیگ نہیں ہوں جس کا دماغ تمھارے قبضے میں آچکا تھا۔ اس دماغ کو صاف کر دیا گیا ہے اور موجودہ دماغ کو اتنا حساس بنایا گیا ہے کہ غیر معمولی باتوں کو فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ میں نے تمھاری سوچ کی لہروں کو محسوس کیا اور سانس روک کر اسے واپس بھگا دیا۔ آئندہ بھی ٹیلی پیتھی کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔"

یہ باتیں وہ زبان سے کہہ رہا تھا جسے سونیا بھی سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا "وہ راستہ تم نہیں بتاؤ گے؟ جس پر چل کر ہم تمھارے پیرس والے آپریشن تھیٹر تک پہنچیں گے۔ چلو اتنا ہی بتا دو کہ اس وقت میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

وہ مسکرا کر بولا "ایک محبوبہ کے شایان شان سلوک کیا جائے گا۔"

سونیا نے غرا کر کہا "جلال بیگ میں تمھیں وارننگ دیتی ہوں۔ مجھے محبوبہ نہ کہنا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔"

اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے متوقع حملے سے بچنے کے انداز میں کہا "دیکھو میں جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ تم سے کیا لڑوں گا جبکہ تم سے محبت کرتا ہوں۔ برین واشنگ کے بعد تم سر سے پاؤں تک میری ہوگی۔ فرہاد کو ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے پلٹ کر جانے لگا۔ سونیا اچھل کر اس کے راستے میں آگئی۔ جلال بیگ نے کہا "میرا راستہ نہ روکو۔ میں لڑائی جھگڑے والی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

سونیا نے اچانک ہی مسکراتے ہوئے محبت بھرے انداز میں کہا "کیسے ہرجائی ہو؟ جب محبت کا دعویٰ کر رہے ہو تو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ میں محبت کرتی ہوں تو پیچھا نہیں چھوڑتی۔ محبت کرنا سکھاتی ہوں۔ محبت کا پہلا سبق یہ ہے کہ مجھے ساتھ لے چلو۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں جانتا ہوں، سونیا کس بلا کا نام ہے۔ اس بلا سے محبت کرنا آسان نہیں ہے۔ چلو میرے ساتھ۔"

جلال بیگ نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا باہر چار مسلح جوان کھڑے ہوئے تھے۔ سونیا جلال بیگ کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک زینے کے پاس پہنچی۔ جلال بیگ اس زینے پر چڑھنے لگا۔ سونیا نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ زینہ انھیں چھت پر لے گیا لیکن وہاں پہنچتے ہی سونیا ٹھٹھک گئی۔

چھت پر کتنے ہی مسلح جوان اسٹین گنیں لیے کھڑے ہوئے تھے اور چھت کے درمیان ایک ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ جلال بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا "جب ہم ایک دوسرے کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے تو چلو ایک ساتھ اس ہیلی کاپٹر میں کہیں ہنی مون منانے چلیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی سونیا نے تابڑ توڑ دو چار ہاتھ ایسے جمائے کہ وہ مار کھاتا ہوا پیچھے گیا۔ پھر اس نے سونیا کے حملے کو روک لیا۔ سونیا پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے کہا "میں تمھیں پہلے سمجھا چکی ہوں۔ جو لفظ مجھے ناگوار گزرتا ہے اسے زبان پر مت لاؤ۔ میرے ساتھ تو تم کسی موت کے جزیرے میں ہی ہنی مون منا سکتے ہو۔"

جلال بیگ نے جیب سے رومال نکال کر اپنی باچھوں سے بہتے ہوئے لہو کو پونچھتے ہوئے کہا "واہ، سونیا واہ! کیا لاجواب بات کہہ دی ہے۔ اتفاق سے میں تمھیں موت کے جزیرے میں ہی لے جا رہا ہوں۔"

سونیا نے اسے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم یہ بات سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ دیکھو جن کے لیے میں کام کر رہا ہوں یا جن کا وفادار ہوں وہ اتنے نادان نہیں ہیں کہ تم لوگوں سے غافل رہیں۔ تمھارے کچھ لوگ گولڈ ریس آئی لینڈ تک پہنچنا چاہتے تھے مگر وہ ناکام رہے۔ اب جزیرہ الدبرا کے قریب ایک اور جزیرہ ہے جو گمنام ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جو لوگ اس جزیرے میں گئے تھے۔ ان میں سے دو چار ہی واپس آئے، باقی لاپتہ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ وہ جزیرہ

موت کا جزیرہ کہلانے لگا۔ اب فرہاد کے وفادار اور حمایتی پھر اس جزیرے میں پہنچ رہے ہیں۔ ہمارا اندازہ ہے کہ اب تک جو لوگ جزیرے میں جاکر کیمپ لگاچکے ہیں وہ سب اعلیٰ بی بی کے آدمی ہیں۔"

میں جلال بیگ کی باتیں سن رہا تھا۔ یہاں اس کی یا یہودی تنظیم والوں کی معلومات غلط تھیں۔ وہاں مشرقی افریقہ کے تمام ممالک سے چھپے ہوئے بدمعاش گئے تھے۔ میں نے سونیا سے کہا "کیا خیال ہے؟ ہنستے بولتے اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ یوں بھی ہمیں اسی جزیرے میں جانا تھا۔ اِدھر تم جاؤگی۔ اُدھر میں وہاں پہنچوں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں جاؤں گی۔ مگر ایک اور بات پوچھ لوں۔"

اس نے جلال بیگ سے پوچھا "کیا موت کے جزیرے میں آدم خور رہتے ہیں؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا "وہاں آدم خور ہیں لیکن تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ تم میرے ساتھ وہاں رہوگی اگر مجھ سے دور بھاگنا چاہوگی تو وہ تمھیں بھون کر کھاجائیں گے۔"

"کیا ان آدم خوروں سے تمھاری رشتہ داری ہے؟"

"جو چاہو سمجھو کبھی وہ آدم خور بھی ہماری طرح مہذب انسان تھے۔ پھر ان کی برین واشنگ کی گئی۔ ان کے دماغ کو انسانی گوشت کی لذّت سے آشنا کرایا گیا۔ صرف وہی ایک خوراک انہیں دی گئی۔ اور اس کا عادی بنایا گیا۔ انھیں سکھایا گیا کہ کس طرح کسی انسان پر حملہ کرنا چاہیے' اسے کس طرح شکار کرنا چاہیے اور یہ بھی سکھایا گیا کہ انھیں کس طرح میرا محکوم بن کر رہنا چاہیے۔ مجھ جیسے کچھ لوگ ہیں جو اُن کے حاکم بنے رہتے ہیں۔"

سونیا نے اسے نفرت سے دیکھا پھر پوچھا "تمھیں یہودی نواز بنایا گیا' انھیں آدم خور کیوں بنایا گیا کیا تمھارے یہودی انھیں اپنا وفادار بناکر نہیں رکھ سکتے تھے؟"

"جو لوگ میری طرح اور مرجانہ کی طرح باصلاحیت ہوتے ہیں اور سونی کی طرح ٹیلی پیتھی کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھیں یہودی نواز بنایا جاتا ہے۔ باقی جو ناکارہ ہوتے ہیں کسی کام نہیں آسکتے۔ انھیں آدم خور بناکر اس جزیرے میں بھیج دیا جاتا ہے۔"

"یہ انسانوں کے ساتھ دنیا کا بدترین غیر انسانی سلوک ہے۔ بھلا انھیں آدم خور بنانے کا فائدہ کیا ہوگا؟"

"موت کا وہ جزیرہ' یہودی تنظیم کے لیے بالکل بیکار ہے۔ لیکن اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ دشمن اس جزیرے کو اپنا ٹھکانہ بناسکتے ہیں۔ اس لیے ہم نے وہاں آدم خور چھوڑ رکھے ہیں۔ اگر وہ پکڑے بھی گئے تو کوئی یہ ثابت نہیں کرسکے گا کہ ان کی برین واشنگ کی گئی تھی۔ اور انھیں ایسا بنایا گیا تھا۔ ویسے ہم نے انھیں بڑی اچھی تربیت دی ہے۔ وہ کسی کے ہاتھ نہیں لگ سکتے۔"

"اگر تم مجھے اسی جزیرے میں لے جانا چاہتے ہو تو میں چلنے کو تیار ہوں اور اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا، کہیں اور لے جانا چاہا تو میں تمھیں کہیں اور پہنچا دوں گی۔ تمھارے آدمی پھر تمھیں تلاش نہیں کرسکیں گے۔"

اس نے مسکراکر کہا "میں دھوکہ نہیں دوں گا۔ چلو۔"

وہ دونوں ہیلی کاپٹر میں سوار ہوگئے۔ چند منٹ کے بعد وہ ہیلی کاپٹر چھت سے بلند ہوا اور فضا میں پرواز کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جانے لگا۔ اسی وقت میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ ایک مقامی عورت بنگلے کے اندر سے دوڑتی ہوئی آئی اور انٹیلی جنس کے آفیسر سے ہانپتے ہوئے بولی "سر! بنگلے کے پیچھے دو مسلح محافظ زخمی حالت میں پڑے ہیں اور دونوں بے ہوش ہیں۔"

یہ سنتے ہی ٹرانسمیٹر کے پاس کھڑے ہوئے دونوں نوجوان دوڑتے ہوئے اُدھر جانے لگے۔ آفیسر نے حیرانی سے پوچھا "انھیں کس نے زخمی کیا ہے؟"

سیاہ فام ملازمہ نے کہا "مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ میں کچرا پھینکنے کے لیے کچن کے پچھلے دروازے سے باہر نکلی، وہاں ایک کو بے ہوش پڑا دیکھا ایک کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور دوسرا زخمی تو نظر نہیں آتا مگر یقیناً اسے بھی کہیں ایسی جگہ چوٹ پہنچائی گئی ہے کہ وہ ہوش میں نہیں ہے۔"

آفیسر نے کہا "مسٹر فرہاد! آپ کو فوراً بنگلے کے اندر چلے جانا چاہیے۔ کوئی بھی دشمن چھپ کر آپ کو گولی کا نشانہ بناسکتا ہے۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ دشمن مجھے نقصان کبھی نہیں پہنچائیں گے۔"

"آپ کے اس اطمینان اور یقین کی وجہ کیا ہے؟"

"میں دشمنوں کے مزاج کو اور ان کے مقاصد کو سمجھتا ہوں اور یہ درست بھی تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے جلال بیگ کی زبان سے بھی معلوم ہوچکا تھا۔ جب ہم ان کے کام آسکتے تھے اور برین واشنگ کے مرحلے سے گزارنے کے تمام انتظامات ان کے پاس موجود تھے تو پھر وہ ہمیں جانی نقصان کیوں پہنچاتے۔

وہ دونوں نوجوان جو ٹرانسمیٹر کے پاس سے اٹھ کر بنگلے کے پیچھے گئے تھے، واپس نہیں آئے۔ ٹرانسمیٹر کے پاس چار جوان تھے جن میں سے دو پہلے ہی جاچکے تھے۔ آفیسر نے پریشان ہوکر کہا "یہ دونوں کہاں گئے۔ واپس کیوں نہیں آئے؟"

میں نے کہا "آپ میرے لیے مسلح محافظ نہ رکھیں تو بہتر ہے یوں بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں جلد از جلد موت کے جزیرے کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ برائے مہربانی آپ میری روانگی کے انتظامات کیجیے۔"

آفیسر نے سیاہ فام ملازمہ سے پوچھا "کیا مسٹر فرہاد کے لیے کھانا تیار ہے؟"

"یس سر۔ تیار ہے۔"

آفیسر نے مجھ سے کہا "آئیے ہم اندر چلیں۔ آپ غسل وغیرہ سے فارغ ہوجائیں۔ لباس تبدیل کرلیں۔ جب تک آپ کھانے سے فارغ ہوں گے اس وقت تک میں آپ کی روانگی کے انتظامات کردوں گا۔"

ہم لان سے گزرتے ہوئے بنگلے کے بیرونی دروازے کے پاس آئے۔ اسی وقت وہ دروازہ کھلا اور ایک نوجوان زخموں سے چور دکھائی دیا۔ یہ وہی تھا جو ٹرانسمیٹر کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن لڑکھڑاکر فرش پر گر پڑا۔ ہم دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے مگر وہ بے ہوش ہوچکا تھا۔

آفیسر نے اسے جھنجوڑ کر آواز دی۔ پھر اپنا ریوالور نکالتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا "میں انھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ دیکھتا ہوں یہاں کتنے دشمن چھپے ہوئے ہیں۔"

میں نے کہا "آپ طیش میں نہ آئیں۔ یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ جو بھی گئے — اور جوش میں اس انجانے دشمن کی طرف گئے وہ زخمی اور بے ہوش ہوگیا۔ آپ کو میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں میرے لیے مسلح محافظوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آپ کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو فوراً ایمبولینس طلب کریں اور ان زخمیوں کو ہسپتال پہنچائیں یا طبّی امداد پہنچانے کے انتظامات کریں۔"

میرے سمجھانے کا اثر ہوا۔ وہ ڈرائنگ روم میں گیا اور وہاں سے ٹیلیفون کے ذریعہ ایک ایمبولینس طلب کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ہم دونوں بنگلے کے اندرونی حصّے سے گزرتے ہوئے ایک بیڈروم کے دروازے پر آئے جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور کھلے ہوئے دروازے سے بیڈروم کے دور افتادہ حصّے میں ایک بڑی سی کھڑکی کے پاس وہ کھڑی ہوئی نظر آرہی تھی۔

اس کی پشت ہماری طرف تھی۔ چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سراپا نظر آرہا تھا۔ وہ قد میں میرے برابر تھی۔ اس نے نارنجی بنیان اور سفید جینز پہنی ہوئی تھی۔ جینز کے پائینچے پنڈلی کے اوپر تک تھے۔ پاؤں میں کینوس کے جوتے اور سفید موزے تھے۔ پنڈلی کا کچھ گلابی حصہ جھلک رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اس شان سے' اس اعتماد سے کھڑی ہوئی تھی جیسے وہ جہاں کھڑی ہوجاتی ہے وہ جگہ اسی کی ہوجاتی ہے۔

ہم دروازے سے گزر کر بیڈروم میں آگئے۔ آفیسر نے ریوالور کا رُخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا "تم کون ہو؟ اس کمرے میں کیسے آئی ہو؟ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ اس کی آواز سنائی دی "جاہل ٹیلی پیتھی جاننے والوں پر گولی چلاتا ہے۔ فرہاد کی تو مَیں ہوں۔"

اس کی آواز سنتے ہی میں چونک گیا۔ خوش بھی ہوا کیونکہ وہ مرجانہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ گھوم کر میرے روبرو ہوگئی۔

ہاں، وہ مرجانہ ہی تھی میں نے ایک نہیں، ہزار بار اسے دیکھا تھا اور اب یوں لگ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ اس مرجانہ میں بڑی خوبصورت تبدیلیاں آئی تھیں۔ چہرہ وہی تھا۔ ناک نقشہ وہی تھا مگر اس ناک نقشے میں کچھ تیکھا پن پیدا ہوگیا تھا۔ چہرہ مکمل گلاب کی طرح کھل گیا تھا۔ زلفیں شانوں تک تراشیدہ تھیں۔ ایک سیاہ رنگ کی پٹی پیشانی پر سے سر کے پچھلے حصّے تک بندھی ہوئی تھی تاکہ لڑنے کے دوران زلفیں بکھرنے نہ پائیں۔ اگر زلفیں بکھر جاتیں، چہرے پر آجاتیں تو لوٹنے والے' چاند کو بدلی میں چھپتا اور ابھرتے دیکھ کر خود ہی ٹھٹھک جاتے، لڑنا بھول جاتے۔

چند لمحوں تک ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اس نے اپنی دونوں بانہیں میری طرف پھیلا دیں۔ یوں لگا جیسے پھول اپنی پنکھڑیاں کھول رہا ہو۔ پھر وہ فرہاد کہہ کر دوڑتے ہوئے میرے پاس آئی۔ وہ پھول تھی، پھولوں کا ہار بن گئی۔

کیا دشمن کبھی دوست بن کر گلے لگ سکتا ہے۔ وہ بھی ایسا دشمن جو جان لینے کے درپے تھا۔ یہ بڑے تعجب کا مقام تھا لیکن میں نے تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ چپ چاپ اس کے جذبوں کی زبان کو سمجھتا رہا۔

اور سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ خود ہی زبان سے بول رہی تھی "فرہاد! تم کہاں چلے گئے تھے میں دن رات تمھارا انتظار کرتی تھی۔ مجھ سے کہا جاتا تھا کہ بس تم آنے ہی والے ہو۔ آہ کتنے طویل انتظار کے بعد یہ خوبصورت لمحہ آیا ہے میں چاہتی ہوں کہ یہ وقت ٹھہر جائے۔"

"تم سونیا کو دل و جان سے چاہتی تھیں اب یہ کیسی کایا پلٹ ہوگئی ہے؟"

"اتنے خوشی کے موقع پر اس کمینی کا نام نہ لو۔ مجھے اس سے نفرت ہے وہی تمھیں دور لے جاتی ہے۔"

"سونیا کو کبھی بُرے الفاظ سے یاد نہ کرنا اگر ایسا ہوا تو مجھے اپنا دشمن پاؤگی۔"

"آہ، فرہاد۔ میں کیا کروں۔ تم جانتے ہو کہ میں کیسی ضدی ہوں۔ راستے میں دیوار آئے تو گرا دیتی ہوں۔ کسی بھی دشمن کو یا سوکن کو برداشت نہیں کرسکتی۔ ابھی یہاں تمھارے پاس آنا چاہتی تھی ہم بنگلے کے پچھلے حصّے میں دو مسلح گارڈز نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔ میں نے انھیں زمیں بوس کردیا۔ یہاں اندر آنے لگی تو پھر دو آدمیوں نے راستہ روکا۔ ان کا بھی انجام تم نے دیکھ لیا ہوگا۔"

وہ اب تک میرے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہوکر بول رہی تھی۔ وہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔ برین واشنگ نے اس کے اندر سے مشرقیت کو دھو ڈالا تھا۔ اسی لیے وہ بڑی بے شرمی سے یا بڑی

بے باکی سے اس آفیسر کے سامنے معافی انداز اختیار کیے ہوئے تھی۔ میں نے آفیسر سے کہا: "میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ مجھے مسلح محافظوں کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھ لیجیے، یہ میری دشمن تھی اور دوست بن کر مل رہی ہے۔ بہت سے دوست ہوتے ہیں جو دشمن بن کر ملتے ہیں۔ ہماری دوستی اور دشمنی کا کوئی اصول نہیں ہے۔ ہمارے دشمن جب چاہتے ہیں، جس انداز میں چاہتے ہیں، ہم سے مل لیتے ہیں۔ آپ جائیے اور ان زخمیوں کو طبی امداد پہنچائیے۔"

وہ چلا گیا۔ میں نے مرجانہ سے پوچھا: "کیا ائیرپورٹ پر تم نے وہ خط بھیجا تھا؟"

"ہاں، میں نے سونیا کو دھمکی دی تھی۔ اگر جلال بیگ درمیان میں نہ آتا اور مجھ سے یہ وعدہ نہ کرتا کہ وہ سونیا کو میرے راستے سے ہٹا دے گا تو میں اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر اپاہج بنا دیتی۔"

"مرجانہ میں حیران ہوں کہ یہ الفاظ تمہارے منہ سے نکل رہے ہیں اور اس سونیا کے لیے نکل رہے ہیں جسے تم دیوانہ وار چاہتی تھیں۔ جس کے لیے ہر وقت جان دینے کو تیار رہتی تھیں۔"

"مجھے تو کچھ یاد نہیں ہے۔ بھلا میں کسی دشمن عورت کو کیوں چاہوں گی؟ وہ بھی ایسی عورت کو جو میری محبت کو، میری زندگی کو، میرے فرہاد کو مجھ سے چھین رہی ہو۔"

میں نے اُسے حیرت سے دیکھ کر کہا: "کمال ہے۔ اس برین واشنگ نے تمہیں میرے لیے نگیٹیو سے پوزیٹیو بنا دیا ہے اور سونیا کے لیے تمہیں پوزیٹیو سے نگیٹیو بنا دیا ہے۔ یہ بتاؤ کیا اب تمہارے اندر مرد بننے کی خواہش نہیں ہے؟ یوں ایک عورت کی طرح تم میرے آگے ہتھیار ڈال رہی ہو؟"

اس نے تعجب سے پوچھا: "یہ میرا مرد بننا کیا ہوتا ہے؟"

"کیا تمہیں کچھ یاد نہیں ہے؟ تمہارے اندر تبدیلی ہو رہی تھی۔ تم عورت سے مرد بننے والی تھیں۔ تمہارا باقاعدہ علاج ہونے لگا۔ ایک مرحلے پر ڈاکٹر نے فیصلہ سنایا کہ تمہاری تبدیلی رک گئی ہے۔ تمہیں واپس عورت پن کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے لیکن ایک مکمل مرد نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر تم ضد کرنے لگیں۔ تم ہر حال میں مرد بننا چاہتی تھیں اور اب یہ عالم ہے کہ ایک عورت کے جذبے سے تم میرے پاس آئی ہو اور مجھ سے مل رہی ہو۔"

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ویسے میں عورت ہوں، عورت ہی رہنا پسند کروں گی اور اس پر فخر کروں گی کیونکہ عورت ہونے کی وجہ سے مجھے فرہاد کی محبت مل رہی ہے۔"

پانچ ماہ پہلے میں اس سے بڑی حد تک بیزار ہو گیا تھا۔ اگر سلطانہ بانو کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں اسے ذہنی اذیتیں دے کر ختم کر دیتا۔ میرے اور سونیا کے درمیان سب سے پہلی دیوار یہی تھی۔ اب پھر دیوار بن کر آئی تھی مگر دوسرے انداز میں، میں اس بات کا شکر ادا کر رہا تھا کہ مرجانہ کی محبت اور دیوانگی سے سونیا کو نجات مل گئی ہے۔ اب یہ میرے پیچھے پڑ رہی تھی میں اسے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آئندہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

میں نے پوچھا: "تمہیں کب احساس ہوا کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو؟"

وہ بولی: "محبت کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ میں کیا بتاؤں کہ کب سے مجھے تمہاری محبت کا عرفان ہوا۔ میں تو اتنا سمجھتی ہوں کہ پچھلی زندگی میں بھی تم سے پیار کیا تھا۔ اس زندگی میں بھی کر رہی ہوں۔ اس کے بعد جو زندگی ملے گی اس میں بھی تم سے ہی پیار کروں گی۔"

"کیا تم نے بار بار مرنے اور جینے کا ٹھیکہ لے لیا ہے؟"

"کیا تم میری باتوں کو جھوٹ سمجھ رہے ہو؟"

"سراسر جھوٹ۔ تمہیں علم نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ میں جانتا ہوں۔ تمہاری برین واشنگ ہوئی ہے۔ کیا آج سے پانچ ماہ پہلے کی باتیں تمہیں یاد ہیں؟"

"مجھے یاد نہیں تھیں۔ وہ باتیں یاد دلائی گئی ہیں۔ ڈاکٹر نے مجھے بتایا ہے کہ موجودہ جنم میں ایک حادثہ پیش آیا تھا جس کی وجہ سے میری یادداشت گم ہو گئی تھی۔ وہ لوگ میری یادداشت واپس لانے کے لیے مجھے طرح طرح کی باتیں بتاتے رہے۔ ماضی کی داستانیں سناتے رہے۔ پھر مجھے فلمیں بھی دکھائی گئیں۔ اس فلم میں تم تھے، میں تھی اور ہم دونوں کی پچھلی زندگی کے بہت سے واقعات تھے۔"

"مرجانہ، جو فلمیں تمہیں دکھائی گئیں۔ اس میں ہم اور تم نہیں تھے۔ وہ سراسر فراڈ تھا۔ یوں سمجھو کہ ایک لڑکی پر تمہارا میک اپ کیا گیا۔ ایک مرد پر میرا میک اپ کیا گیا یعنی کسی کو مرجانہ بنایا گیا۔ کسی کو فرہاد بنایا گیا۔ ایک فلم کی شوٹنگ ہوئی۔ باقاعدہ اسکرپٹ لکھنے کے بعد اُن لوگوں نے پتا نہیں کیسے کیسے واقعات کی فلمیں بنائیں اور تمہیں دکھایا کہ یہی تمہاری پچھلی زندگی ہے۔ یقیناً ان لوگوں نے اس فلم میں سونیا کو بھی دکھایا ہوگا۔"

ہاں، میں نے اسے بھی دیکھا ہے۔ وہ میری دشمن ہے۔ کبھی بار اس نے ہمیں ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔ پھر میں حادثے کا شکار ہو کر ان ڈاکٹروں کے پاس پہنچ گئی تب سونیا نے تمہیں اپنا بنا لیا۔ اگر آج جلال بیگ اسے نہ لے جاتا تو ...."

"جلال بیگ اسے کہاں لے گیا ہے؟"

"موت کے جزیرے میں۔"

"تم مجھے کہاں لے جاؤ گی؟"

"میں جہاں بھی لے جاؤں گی۔ تم انکار نہیں کرو گے۔ مجھے پورا یقین ہے۔"

"تمہیں شاید یہ بھی یقین ہوگا کہ میں یہودیوں کی حمایت کروں گا۔ تمہارے اور جلال بیگ کی طرح آدھا مسلمان اور آدھا یہودی بن جاؤں گا۔"

میں نے خوش ہو کر حیرانی سے پوچھا: "ارے! تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔ یہ تو ابھی میں تمہیں بتانے ہی والی تھی۔"

پھر اس نے سوچ کر کہا: "اوہ، یاد آیا۔ فلم میں یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ ہر ایک کے دماغ میں پہنچ جاتے ہو۔ صرف میرے دماغ میں نہیں پہنچ سکتے۔"

"اس فلم میں تمہیں یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ میں پہلے بھی تمہارے دماغ میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"تو جھوٹ کیا ہے، آزما کر دیکھ لو۔"

میں نے اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچایا۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔ میری سوچ کی لہریں واپس آگئیں۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھ کر فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی جیسے پوچھ رہی ہو: "اب کہو۔ کیا میں جھوٹ بولتی ہوں؟"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "یہ تمہارے برین کی جو واشنگ ہوئی ہے۔ اس میں تمہارے ذہن کو بہت ہی حساس بنا دیا گیا ہے۔ اسی لیے تم اجنبی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتی ہو۔"

"یقیناً وہ لوگ برین واش کرتے ہیں۔ سونیا کی بھی برین واشنگ کریں گے لیکن انھوں نے میرے ساتھ ایسا نہیں کیا ہے۔ ایک حادثے میں میری یادداشت گم ہو گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں تم گم ہو گئے تھے۔ انھوں نے تمہیں تمہارے پاس پہنچا دیا۔ میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔"

میں نے سر ہلا کر کہا: "اور اس احسان کے بدلے تم مجھے یہودیوں کا فرمانبردار بنانے کی کوشش کرو گی۔"

"اس میں کوشش کرنے کی کیا بات ہے۔ تم محبت سے نہیں مانو گے تو ایک دن تمہاری برین واشنگ ہو جائے گی۔ خود ہی میرے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے لگو گے۔ یہودی دنیا میں سب سے برتر ہیں۔ ابھرتے ہوئے سورج ہیں۔ انھیں کوئی غروب نہیں کر سکتا۔"

"کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب یہ نصف النہار پر آئیں گے تو خود ہی زوال کی طرف جانے لگیں گے۔ شاید اس وقت تک مسلمانوں کو بھی عقل آ جائے اور وہ فرقوں اور جغرافیائی تقسیم کے باوجود متحد ہونا سیکھ لیں۔ جس دن یہ متحد ہو گئے اور ...."

"اور وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔" یہ کہہ کر وہ طنزیہ انداز میں مسکرانے لگی۔ مجھے ذلت ہو رہی تھی۔ ندامت اس بات پر نہیں تھی کہ مسلمانوں کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ میں ایسی باتوں پر نادم اس لیے نہیں ہوتا کہ ہم خواہ کتنے ہی کمزور ہوں اور کتنے ہی منتشر ہوں لیکن ہمارے حوصلے جوان ہیں۔ ہمارے عزائم بلند ہیں۔ ایک نہ ایک دن ہم ضرور متحد ہو جائیں گے۔ ندامت کی بات یہ تھی کہ دشمن ہمارے ذہنوں کو بدل رہے تھے۔ سائنسی طریقہ کار سے برین واشنگ اور بات ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسی طرح برین واشنگ ہو تو ذہن بدل جائیں۔ کتنے ہی مسلمان ہیں جو برین واشنگ کے بغیر ہی دوسروں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کے اصولوں کو بہت ہی ٹھوس، مستحکم اور قابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ یہ محض اس لیے کہ بچپن سے ان کے والدین، ان کے بزرگوں ۔۔۔ اور ان کی سوسائٹی نے اپنی تہذیب اور تعلیم کے ذریعے ان کی برین واشنگ نہیں کی۔

میں نے تھوڑی دیر کے لیے مرجانہ کی طرف سے غیر حاضر ہو کر سونیا کی خبر لی۔ وہ ابھی تک ہیلی کاپٹر میں جلال بیگ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی اور ہیلی کاپٹر پرواز کر رہا تھا۔ منزل ابھی نہیں آئی تھی۔ میں نے اُسے بتایا کہ مرجانہ سے میرا سامنا ہو گیا ہے۔ اس وقت وہ میرے پاس موجود ہے۔ جو باتیں جلال بیگ یہودیوں کی حمایت میں اس سے کر رہا تھا۔ وہی مرجانہ مجھ سے کہہ رہی ہے۔

"فرہاد! کسی طرح معلوم کرو، کیا جلال بیگ واقعی مجھے موت کے جزیرے میں لے جا رہا ہے؟"

"میں معلوم کر چکا ہوں۔ مرجانہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت ہی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جلال بیگ کو مجھ سے ٹکرایا گیا ہے اور مرجانہ کو تم سے۔ مرجانہ بھی یقیناً تمہیں اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہے گی۔ ذرا اس سے معلوم کرو۔"

میں اس سے رخصت ہو کر مرجانہ کے پاس حاضر ہو گیا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اس نے پوچھا: "کیا تم خیال خوانی میں مصروف تھے؟"

"ہاں میں سونیا کی خبر لے رہا تھا۔"

سونیا کا نام سنتے ہی اس کے تیور بدل گئے۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ میں نے کہا: "دیکھو، میں تمہیں سمجھا چکا ہوں۔ سونیا کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کہنا جو مجھے ناگوار گزرے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر غصے سے بولی: "کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟ کیا وہ مجھ سے لڑنے میں برتر ہے؟"

"وہ کیا ہے یہ میں اپنی زبان سے کیا کہوں۔ ایک دنیا جانتی ہے اور دنیا کی نظروں میں تمہیں آنے کے لیے ابھی پتہ نہیں کتنی بار پیدا ہونا پڑے گا۔ تمہارے کہنے کے مطابق تم نے ابھی دوسرا ہی جنم لیا ہے۔ ذرا پانچ جنموں سے اور گزر لو۔"

وہ اچھل کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔ دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصے سے تلملاتے ہوئے بولی: "اگر تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا اور اس کے منہ سے ایسی بات نکلتی تو میں اس کے ٹکڑے کر دیتی۔ تم کہتے ہو کہ ہمارے متعلق جو فلمیں مجھے دکھائی گئی ہیں وہ فراڈ ہیں۔ میں کہتی ہوں، وہ سچی باتیں ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ سونیا ایک ویچ ڈاکٹر ہے جس نے تم پر جادو کیا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "اس فلم کا اتنا حصہ بالکل درست

ہے۔ واقعی وہ جادوگر ہے۔ اس کے جادو کا توڑ دنیا کی کوئی حسین دوشیزہ نہیں کر سکے گی۔"

وہ تنبیہ کے انداز میں میری طرف انگلی اٹھا کر بولی: "ایسا دعویٰ مت کرو۔ اس جادوگرنی کا توڑ بھی میرے پاس ہے اور وہ توڑ ہے اس کی موت۔ جو میرے ہاتھوں سے ہوگی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "جب ہوگی تب ہوگی۔ ابھی تو غصہ تھوک دو۔"

وہ پاؤں پٹخ کر ٹہلنے کے انداز میں اِدھر سے اُدھر گئی پھر میری طرف پلٹ کر بولی: "تمھاری ہنسی زہر لگ رہی ہے۔ اس قلم میں ایک ایک بات درست کہی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تم ہرجائی ہو۔ ابھی مجھ سے یوں پیش آ رہے تھے جیسے میرے سوا تمھارا دنیا میں کوئی نہ ہو۔ اور اب دیکھتے ہی دیکھتے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ میرے ہی سامنے اس کے گن گا رہے ہو۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا: "جب تم سونیا سے دیوانہ وار محبت کرتی تھیں، تب بھی میرے لیے مصیبت تھیں۔ مجھے اپنا رقیب سمجھتی تھیں۔ اب تم دیوانہ وار مجھ سے محبت کر رہی ہو تو سونیا کے لیے مصیبت بن گئی ہو۔ اُسے سوتن سمجھتی ہو۔ مجھ سے دوستی رکھنا چاہتی ہو اور مجھ سے محبت کرتی ہو تو میرے مشورے پر عمل کرو۔"

"مشورہ کیا ہے؟ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"بہت معمولی سی بات ہے جس پر تم عمل کر سکتی ہو۔ میں تمھارے سامنے سونیا کی تعریف نہیں کروں گا۔ تم میرے سامنے سونیا کی برائی نہ کرو۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی: "واہ، بات تو ایک ہی ہوئی۔ میرے منہ سے سونیا کی برائی نہ سننے کا مطلب تو یہی ہوا کہ وہ قابلِ تعریف ہے۔"

"تم جو بھی سمجھ لو۔ دوستی، محبت اور سمجھوتا چاہتی ہو تو میرے مشورے پر عمل کرو۔ اگر یہ چاہتی ہو کہ میں تم سے دور ہو جاؤں تو پھر سونیا کی برائی کرو۔ تمھارے وہ تمام یہودی سر توڑ کوشش کر لیں گے تب بھی تمھیں میرے پاس دوسری بار نہیں پہنچا سکیں گے۔"

میری اس بات کا اُس پر اثر ہوا۔ یقیناً اس کی برین واشنگ ایسے ہوئی تھی کہ اس کے دل اور دماغ میں میری محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی۔ وہ مجھ سے دور نہیں ہونا چاہتی تھی۔ دشمنوں نے عجب کمال دکھایا تھا میرے لیے پانی میں آگ لگا دی تھی۔

وہ چند لمحوں تک چپکے چپکے دانت پیستی رہی۔ اپنے اندر اپنی ضد کو کچلتی رہی۔ پھر جبراً نرم لہجے میں بولی: "محبت آپس کے سمجھوتے سے ہی قائم رہتی ہے اور میں اسے قائم رکھوں گی اس لیے تمھارے مشورے پر عمل کرتی ہوں۔ اس کے خلاف کچھ نہیں بولوں گی لیکن مجھے موقع ملا تو ......"

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "تم پھر کچھ بولنے والی ہو۔ تمھیں موقع ملے تو سونیا کو جان سے مار ڈالنا۔ مگر میرے سامنے کچھ نہ بولو۔"

وہ تیوری چڑھا کر بولی: "تم تو ایسے بول رہے ہو جیسے میں سونیا کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی۔ جیسے میں کوئی بچکانہ دعویٰ کر رہی ہوں۔"

"مرجانہ! تم کسی نہ کسی بہانے سونیا کا ذکر کیوں چھیڑتی ہو؟ میں تمھیں یہ بتا دوں کہ موت ایک نہیں ہزاروں بار میرے اور سونیا کے سامنے آئی اور منہ پھیر کر چلی گئی۔ اس طرح میرا یہ ایمان قائم ہو گیا ہے کہ ہم دونوں کو جب بھی موت آئے گی تو وہ خدا کی طرف سے ہوگی۔ کوئی دشمن اللہ کی مرضی کے بغیر ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ آئندہ تم اپنا دعویٰ اپنی ذات تک محدود رکھو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی: "تم اس کے متعلق جیسی باتیں اعتماد سے اور محبت سے کر رہے ہو۔ ایسی باتیں میرے متعلق کرو تو میں ساری دنیا کو تمھارے آگے جھکا دوں گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "ابھی تو تم ساری دنیا کو یہودیوں کے سامنے جھکانے کے لیے نکلی ہو۔ خدا ہی تم پر رحم کرے گا۔ ہاں! اگر یہودیوں نے میری برین واشنگ کی تو میرے دماغ سے ٹیلی پیتھی ڈھل جائے گی پھر میں ان کے کس کام کا رہوں گا؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ اتنا جانتی ہوں کہ وہ برین واشنگ کے نت نئے طریقے جانتے ہیں۔ آدمی کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ تمھاری ٹیلی پیتھی کی صلاحیت ختم ہو۔ پتہ نہیں وہ تمھارے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال میرے ساتھ چلو۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "سونیا نے پہلے ہی پیش گوئی کر دی تھی کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گی، اب بتاؤ۔ کہاں چلوں؟"

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے مرجانہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ وہاں انٹیلی جنس کا آفیسر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "مسٹر فرہاد! ہم نے آپ کی روانگی کے انتظامات کر دیے ہیں۔"

میرے پیچھے باتھ روم کا دروازہ ایک ذرا سا کھلا۔ مرجانہ کی آواز سنائی دی: "فرہاد! انکار کر دو۔ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔"

میں نے باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ کچھ سوچا پھر آفیسر سے کہا: "سوری آفیسر، میں نے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف دی ہے لیکن میرے جانے کے انتظامات ہو چکے ہیں۔"

"کیا آپ اسی موت کے جزیرے میں جا رہے ہیں؟"

میں نے بڑی ہی دھیمی آواز میں کہا: "پتہ نہیں، یہ جو بلا آئی ہے یہ مجھے کہیں لے جا رہی ہے۔"

آفیسر نے حیرانی سے پوچھا: "اور آپ بغیر سوچے سمجھے اس کے ساتھ جا رہے ہیں؟"

"میں نے کہا نا۔ بلا آخر بلا ہوتی ہے اور اگر حسین دوشیزہ کے روپ میں ہو تو بلا در بلا ہوتی ہے۔ آپ نہیں سمجھیں گے۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا: "میں سمجھ گیا ایک بلا

میرے بھی پیچھے پڑ گئی تھی۔ لوگ آج کل اسے میری بیوی کہتے ہیں۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں اُدھر دیکھتا رہا پھر دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ وہ باتھ روم سے نکل کر آئینے کے سامنے آئی اور اپنے بالوں پر برش پھیرنے لگی۔ میں نے پوچھا: "تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟"

وہ آئینے کی سطح پر مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ پھر ایک ادائے ناز سے بولی: "میں تمھیں جہاں بھی لے جاؤں کیا تم چلو گے؟"

میں نے جواب دیا: "جب ہمارے درمیان دوستی تھی تو ہم تم سونیا اور رسونتی جہنمی راستوں سے بھی گزرتے رہے۔ میں اب بھی محبت میں تمھارے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ تمھاری ہر بات مان سکتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ تم دشمنوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہو۔ اسی لیے پوچھ رہا ہوں۔"

وہ برش کو ایک طرف رکھ کر آئینے کے پاس سے ہٹ گئی۔ پھر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی۔ "کیسے باپ ہو۔ کیا اپنے بیٹے کو اپنے بازوؤں میں لے کر پیار نہیں کرو گے؟"

میں اپنے بیٹے کے ذکر سے چونک گیا۔ پھر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی: "میں تمھارے بیٹے کے پاس تمھیں لے جاؤں گی۔"

میں نے بے یقینی سے پوچھا: "کیا تم مذاق کر رہی ہو؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی: "نہیں، مشرقی افریقہ کے ممالک مذاق کر رہے ہیں۔ اپنے جاسوسوں کو اُدھر بھیجنا چاہتے ہیں اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ وہاں پرندہ بھی ہماری مرضی کے بغیر پرواز نہیں کر سکتا مگر تم میرے ساتھ پرواز کرو گے اور جزیرہ والدبرا میں پہنچ کر اپنے بیٹے کو دیکھ سکو گے۔ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم سکو گے۔"

میں نے مارے خوشی کے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ وہ ہنس رہی تھی۔ اپنی اداؤں سے مجھے اور بھی جھنجوڑنے پر مجبور کر رہی تھی۔ پھر جیسے مجھے ہوش آ گیا۔ کچھ خیال آیا۔ میں نے چونک کر کہا: "یہ تو کھلی سازش ہے۔"

اس نے پوچھا: "کیسی سازش؟"

"جلال بیگ سونیا کو لے گیا ہے۔ تم مجھے لے جا رہی ہو آخر منصوبہ کیا ہے؟"

"وہ اسے موت کے جزیرے میں لے گیا ہے اور میں تمھیں زندگی کے جزیرے میں لے جا رہی ہوں۔ تمھارے خیال کے مطابق تمھارا بیٹا دشمنوں کے نرغے میں ہے۔ کیا اپنے بیٹے کے پاس پہنچ کر تمھیں ایک نئی زندگی نہیں ملے گی؟"

میں سر جھکا کر سوچنے لگا۔ پھر ٹہلتے ہوئے دوسری طرف جا کر کہا: "میں اولاد کی خوشی میں دشمنوں کو بھول گیا تھا۔ وہ جانتے ہیں کہ میں کسی نہ کسی طرح اپنے بیٹے تک پہنچنے کی کوشش کروں گا لہٰذا انھوں نے تمھارے ذریعے میرا راستہ آسان بنا دیا۔ میں وہاں جاؤں گا اور ہمیشہ کے لیے ان کا قیدی بن جاؤں گا۔ پھر وہ میرے بچے کو گن پوائنٹ پر رکھ کر مجھے آلۂ کار بننے پر مجبور کرتے رہیں گے۔"

مرجانہ نے میرے قریب آ کر بڑے پیار سے کہا: "کیا میں تمھیں دشمنوں کے درمیان پھانسنے کے لیے لے جا رہی ہوں۔ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی ہوں۔ مجھے میری محبت کی قسم۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ کوئی تمھارا یا تمھارے بچے کا دشمن بننا چاہے گا تو میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی۔"

"تمھارے جان پر کھیل جانے سے دشمنوں کا کیا بگڑے گا؟ اور میرا کیا بھلا ہوگا؟ تم میرے لیے ٹھیک قربانی دو گی لیکن اس قربانی کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔"

"کیا تم اپنے بچے کی سلامتی کے لیے وہاں نہیں جاؤ گے؟"

"کسی کی سلامتی کے لیے دشمنوں میں جانا اور اپنی سلامتی کو خطرے میں ڈالنا دانشمندی نہیں ہے۔"

"میں یہ سوچ کر آئی تھی کہ تمھارے بیٹے کے متعلق خوشخبری سناؤں گی۔ تمھیں اس سے ملاؤں گی۔ مگر تم نہ تو مجھ پر بھروسہ کر رہے ہو۔ اور نہ ہی اپنے بچے سے باپ کی طرح محبت کا اظہار کر رہے ہو۔"

"میں باپ ہوں اور اپنے بیٹے کے لیے پریشان ہوں مگر خوب سوچ سمجھ کر تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم کل صبح یہاں سے جائیں؟"

"ہمیں آج اور ابھی چلنا چاہیے۔ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ تمھاری بیوی اور تمھارے بچے کو تمھارے پاس ہونا چاہیے۔"

میں نے اسے ذرا غور سے دیکھا۔ پھر پوچھا: "تم جانتی ہو۔ رسونتی میری بیوی ہے۔ تم رسونتی سے حسد نہیں کر رہی ہو لیکن سونیا سے نفرت کر رہی ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"میں رسونتی کو مجبوراً برداشت کر رہی ہوں۔ وہ تمھاری بیوی ہے۔ مگر سونیا تمھاری کوئی نہیں لگتی۔ اگر محبوبہ لگتی ہے تو اس سے برتر، اس سے بہتر میں ہوں۔"

"کیا تم سونیا سے برتر ہونے کا ثبوت دے سکتی ہو؟"

"آزما کر دیکھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمھاری محبت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ میرے بچے کو یہاں میرے پاس لے آؤ۔"

"ہائیں!" اس نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے کہا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم کسی دوسری طرح مجھے آزماؤ۔"

"تب آزمائشوں سے گزرنے کا سبق سیکھو۔ سونیا میرے بیٹے کو لے آئے گی۔"

"تم مجھے سونیا کے مقابلے میں اکسا رہے ہو۔ لیکن میں تمھیں کیسے سمجھاؤں کہ میں اپنے محسنوں سے غداری نہیں کر سکتی۔"

"پھر تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں۔"

"یہ کہو کہ تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے۔ فریڈ برین واشنگ کے بعد کرنے لگو گے۔"

"اچھی بات ہے ابھی جاؤ۔ برین واشنگ کے بعد محبت کرنے آجاؤں گا۔"

"کہاں جاؤں۔ میں تمھارے لیے دوبارہ پیدا ہوئی ہوں۔ تمھارے ساتھ رہوں گی۔ تمھارے ساتھ مروں گی۔"

"یعنی پیچھا نہیں چھوڑو گی۔"

وہ میرے پاس آ گئی۔ محبت میں پاس ہونے کی کوشش کرنے لگی پھر کہنے لگی "مجھے دیکھو۔ کیا میں حسین نہیں ہوں؟ جوان نہیں ہوں؟ پرکشش نہیں ہوں؟ میں کسی کو گھاس نہیں ڈالتی حالانکہ کتنے ہی لوگ مجھ پر مرتے ہیں۔"

"جن کے دن پورے ہو چکے ہیں، وہی مرتے ہوں گے۔ مجھے ابھی زندہ رہنا ہے۔"

"مجھ سے بھول ہوئی کہ میں نے ملتے ہی خود کو تمھارے سامنے ظاہر کر دیا۔ اگر میں دور سے للچاتی، بھاتی، اپنا بھاؤ بڑھاتی۔ اپنے آپ کو مہنگا کر دیتی تو تم میرے پیچھے بھاگنے لگتے۔"

"تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"یہ میری جذباتی نادانی تھی حالانکہ مجھے ان لوگوں نے سمجھایا تھا۔"

"کیا سمجھایا تھا؟"

"یہی کہ تم ہرجائی ہو۔ تمھاری پوری ہسٹری شیٹ میں صرف سونیا ہے جس سے تمھاری طویل رفاقت ہے۔ باقی سب دھوپ چھاؤں کی طرح آتی جاتی رہتی ہیں۔ طویل رفاقت کے لیے مجھے بھی تم سے دور رہنا چاہیے تھا لیکن ہماری محبت کی ایسی ایسی فلمیں مجھے دکھائی گئیں کہ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ میرے اندر ایسی تڑپ تھی جیسے تم دیکھ چکے ہو۔"

"یہ تڑپ، یہ بے چینی سونیا میں بھی موجود ہے۔ کبھی وہ میرے اتنے قریب آ جاتی ہے کہ میرے وجود کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ کبھی اتنی دور چلی جاتی ہے کہ سمندر کا وہ کنارا بن جاتی ہے جو نظر نہیں آتا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ عورت اپنا پیار، اپنا سب کچھ دے کر مرد کی نظروں سے گر جاتی ہے یا کمتر ہو جاتی ہے۔ نہیں بلکہ مرد کی نظروں میں اور بلند مقام حاصل کر لیتی ہے۔ جیسے سونیا نے کیا ہے۔ اور تم بھی کر سکتی ہو۔"

وہ تڑپ کر میرے قریب آ گئی "مجھے بتاؤ میں وہ مقام کیسے حاصل کر سکتی ہوں؟"

"عورت اپنی محبت اور وفا سے ہی مرد کو جیت سکتی ہے۔ مگر تم دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہو۔ تمھاری محبت میرے لیے ہے اور وفا یہودیوں کے لیے۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ میں نے کہا "تم سوچتی رہو میں ذرا سونیا کی خبر لے کر آتا ہوں۔"

میں ایک صوفے پر بیٹھ کر ایک چور کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا "فرمائیے جناب! ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔"

"کیا تم میں سے کوئی چور ایسا ہے جس کا قد میرے برابر ہو اور جس کے چہرے پر میرا میک اپ بآسانی ہو سکتا ہو؟"

"جی ہاں۔ آپ حکم دیں۔"

"دوسرے فرہاد کی تیاری میں کتنا وقت لگے گا؟"

"کم از کم دو گھنٹے۔"

"میں دو گھنٹے اور دیتا ہوں۔ اس چار گھنٹے کے اندر فرہاد بننے والے چور کو میں تمام واقعات سناتا رہوں گا۔ مرجانہ سے یہاں کس طرح ملاقات ہوئی ہے، یہاں میں نے اس کے ساتھ کس طرح وقت گزارا ہے، کیا باتیں ہوئی ہیں اور کس طرح مرجانہ کے ساتھ جزیرہ الدیرا میں پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ ایک رنگ کے دو سوٹ خریدے جائیں۔ جو سوٹ وہ نقلی فرہاد پہنے گا وہی سوٹ یہاں میرے لیے بھیجا جائے۔ میں مرجانہ سے کہہ دوں گا کہ میرے پاس لباس کی کمی ہے۔ اس لیے یہ سوٹ یہاں کے میزبانوں نے میرے لیے بھیجا ہے۔"

"جناب! آپ کی پلاننگ میری سمجھ میں آ رہی ہے یعنی آپ وہ سوٹ پہن کر وہاں اس بنگلے میں رہیں گے یا باہر مرجانہ کے ساتھ نکلیں گے پھر کہیں بھی ہمارا آدمی آپ کی جگہ لے لے گا اور آپ مرجانہ سے پیچھا چھڑا لیں گے۔"

"یہی بات ہے۔ ٹھیک چار گھنٹے بعد میں نکلنے سے پہلے تمھیں اطلاع دوں گا۔ تم لوگ ہمارا تعاقب کرو گے۔ اس بات کا خیال رکھو گے کہ دشمن ہمارا تعاقب کر رہے ہیں یا نہیں پھر کسی مناسب جگہ پر جعلی فرہاد میری جگہ آ جائے گا۔"

میں یہ ہدایات دے کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ہیلی کاپٹر سے اتر گئی تھی۔ جہاں وہ تھی اس کے آس پاس ہرا بھرا جنگل تھا۔ مسلح افراد ہیلی کاپٹر میں واپس چلے گئے تھے۔ صرف جلال بیگ اس کے ساتھ تھا۔ اس کے سامنے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک اونچا سا ٹیلا تھا اور اس ٹیلے پر ایک چھوٹا سا کاٹیج نظر آ رہا تھا۔

میں نے پوچھا "کیا یہی موت کا جزیرہ ہے؟"

اس کی سوچ نے جواب دیا "جب ہمارا ہیلی کاپٹر سمندر سے گزرتا ہوا اس جزیرے کی طرف آ رہا تھا تو میں نے جزیرے کے مغربی ساحل پر بہت سے خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ وہاں مردوں کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی تھیں۔ جلال بیگ نے مجھے بتایا کہ یہ اعلیٰ بی بی کے لوگ ہیں اور جزیرہ الدیرا تک پہنچنے کے لیے انھوں نے یہاں کیمپ لگایا ہے لیکن موت کے جزیرے سے یہ لوگ زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔"

"چلو اچھا ہے۔ جلال بیگ اور اس کے یہودی آقا بھی سمجھ

رہیں کہ اعلیٰ بی بی کے آدمی اس جزیرے میں پہنچے ہوئے ہیں۔"

اس نے جلال بیگ کے ساتھ کاٹیج کی طرف جاتے ہوئے پوچھا "وہ تمھارے آدم خور ماتحت کہاں ہیں؟"

"کہیں چھپے ہوئے ہوں گے جب انھیں انسانوں کی بو ملے گی تو وہ باہر آ جائیں گے اور بھوک لگے گی تو خوراک کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔"

میں نے خیال خوانی کا سلسلہ ختم کر دیا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا مرجانہ میرے سامنے بیٹھی مجھے بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی میں نے اٹھتے ہوئے کہا "اب میں غسل کرنے جا رہا ہوں۔ خیال خوانی کے ذریعے میں نے اپنے لیے ایک لباس منگوایا ہے۔ اب سے ٹھیک ساڑھے تین گھنٹے بعد ہم کہیں تفریح کے لیے نکلیں گے۔"

"ساڑھے تین گھنٹے کے بعد کیوں؟"

"ابھی مجھے غسل کرنا ہے۔ اس کے بعد خیال خوانی کے ذریعے سونیا کے پاس رہنا ہے۔ جب مجھے اطمینان ہو جائے گا کہ وہ موت کے جزیرے میں خیریت سے ہے تو پھر تمھارے ساتھ چلوں گا۔"

"ساڑھے تین گھنٹے کے بعد جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے ڈھائی بجے روانہ ہوں گے۔ میں ابھی فون کے ذریعے اپنے لوگوں کو خبر کرتی ہوں۔ وہ ٹھیک ڈھائی بجے اس بنگلے کے سامنے ہمارے لیے ایک کار پہنچا دیں گے۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا "جو چاہو کرو ابھی میں کافی دیر تک خیال خوانی میں بہت مصروف رہوں گا۔ تمھیں وقت نہیں دے سکوں گا۔ ڈھائی بجے کے بعد تمھارا ہو جاؤں گا پھر تم جتنا وقت چاہو گی تمھارا ہو گا۔"

وہ خوش ہو کر چلی گئی۔ میں باتھ روم میں پہنچ کر خیال خوانی کے ذریعے سونیا کے پاس آ گیا۔ وہ کاٹیج کے احاطے میں پہنچ گئی تھی میں نے کہا "تم ہر چیز کو توجہ سے دیکھتی رہو، ان کی ساخت، ان کے رنگ اور ان کے آس پاس کے ماحول کے متعلق بھی سوچتی رہو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں جن لوگوں نے کیمپ لگایا ہے انھیں اس کاٹیج کی طرف روانہ کر دوں۔"

"کسی طرح ان کیمپ والوں سے رابطہ قائم ہو جائے تو اچھی بات ہو گی۔ یقیناً اس کاٹیج میں یا کہیں آس پاس وہ آدم خور رہتے ہوں گے۔"

اسی وقت جلال بیگ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد کاٹیج کا دروازہ کھلا، پہلے ایک عورت باہر آئی پھر دو مرد نظر آئے، ان کی کمر سے لے کر گھٹنے تک صرف ایک کپڑا بندھا ہوا تھا۔ عورت کا لباس بھی یہی تھا۔ ان کے حلیے سے پتا چلتا تھا کہ وہ تہذیب و تمدن کو بالکل نہیں سمجھتے۔ صرف جنگلوں میں رہ کر زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔

سونیا کو دیکھتے ہی ان تینوں کی باچھیں کھل گئیں۔ دونوں مرد اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے۔ عورت جیسے برسوں کی بھوکی ہو۔ اپنا منہ کھولے اپنے تیز چمکیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے سونیا کی طرف بڑھنے لگی۔ جلال بیگ نے کہا "رک جاؤ۔ یہ تمھارے لیے نہیں ہے۔ یہ میری دوست ہے۔ جب تک دوست ہے اس وقت تک تم میں سے کوئی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

اس عورت کے پیچھے کھڑے ہوئے دونوں آدمی ہاتھی جیسا ڈیل ڈول رکھتے تھے۔ ایسے بھاری بھرکم تھے جیسے پہاڑ کھڑے ہوں۔ وہ بڑے مضبوط، بڑے جاندار تھے۔ سونیا تنہا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ ان میں سے ایک آدم خور نے سونیا کو دیکھتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "ہم بھوکے ہیں۔ ہمیں کھانا چاہیے۔"

جلال بیگ نے کہا "جب یہاں سے کسی انسان کا گزر نہیں ہوتا۔۔۔ تو تم لوگوں کے لیے اونٹوں کا گوشت فراہم کیا جاتا ہے تمھیں کبھی بھوکا نہیں رکھا جاتا، پھر بھی تم بھوکا رہنے کی شکایت کر رہے ہو؟"

دوسرے آدم خور نے کہا "ہم نہیں جانتے کہ تم کون کون سے جانوروں کا گوشت ہمیں کھلاتے ہو لیکن جو لذت عورت کے گوشت میں ہے وہ۔۔۔۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سونیا کو دیکھا۔ پھر ہی ہی کی آواز سے ہنسنے لگا۔ جلال بیگ نے کہا "یہاں مغربی ساحل پر کتنے ہی لوگوں نے کیمپ لگا رکھے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی حاصل نہیں ہوا؟"

اس عورت نے اپنی انگلی اٹھا کر کہا "ایک۔۔۔ ایک ملا ہے۔"

دوسرے نے کاٹیج کے پیچھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں ہمارے ساتھی اسے بھون رہے ہیں۔"

جلال بیگ نے غصے سے کہا "میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا، اس کاٹیج کے آس پاس انسانوں پر حملہ نہیں کرو گے اور نہ ہی یہاں پیٹ بھرو گے۔"

اس بات پر وہ غرانے لگے۔ جلال بیگ نے کہا "پالتو کتے اپنے مالک پر غرایا نہیں کرتے۔ جاؤ اور جسے بھون رہے ہو اسے وہاں سے لے جاؤ، وہاں کی آگ کو سرد کر دو۔ مادام سونیا اس کاٹیج میں رہیں گی۔ اپنی درندگی کا سارا سامان یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ۔"

وہ تینوں وہاں سے جانے لگے۔ سونیا انھیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کاٹیج کے پچھلے حصے کی طرف جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جلال بیگ نے کہا "آؤ اندر چلیں۔"

وہ چلتے ہوئے بولی "کیا تم یہاں میرے ساتھ رہو گے؟"

وہ مسکرا کر بولا "میرا، تمھارا جنم جنم کا ساتھ ہے۔"

"کیا یہاں میری برین واشنگ ہو گی؟"

وہ اس کے ساتھ کاٹیج کے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا "اگر تم خود ہی فرہاد کو اپنے دماغ سے واش آؤٹ کر دو اور مجھے اپنے دماغ میں بسا لو تو برین واشنگ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ دراصل تم فرہاد کی محبت میں یہ سب کچھ کر رہی ہو۔ جب تمھاری زندگی

ہیں فرہاد نہیں ہوگا اور تمھارا جیون ساتھی میں ہوں گا تو میرے مزاج کے مطابق زندگی گزارو گی اور میرے مزاج کے مطابق میرے آقاؤں کی حمایت کروگی۔"

وہ کاٹیج کی اندرونی آرائش کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں دو کمرے تھے۔ دونوں کمروں کے درمیان ایک دروازہ تھا۔ اگلے حصے اور پچھلے حصے کی طرف بھی دروازے تھے۔ کھڑکیاں بھی اسی طرح دروازوں کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ سونیا نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے اس پار دیکھا تو دیکھا نہ گیا۔ اس نے فوراً ہی منہ پھیر لیا۔ وہاں ایک الاؤ روشن تھا۔ ایک آٹھ فٹ لمبی آہنی سلاخ کو ایک انسانی جسم میں پرو لیا گیا تھا۔ دور دور تک آدم خور کھڑے ہوئے ڈش تیار ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

سونیا وہاں آدم خوروں کی تعداد معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اس نے پلٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ کل سترہ آدم خور نظر آئے۔ جن میں سے بارہ مرد تھے اور پانچ عورتیں تھیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک درانتی نما آہنی ہتھیار تھا۔ وہ درانتی بڑے سائز کی تھی۔ یوں لگتا جیسے نصف تلوار کو کمان کی صورت میں خم دے دیا گیا ہے اس کے دونوں سرے دھار والے تھے۔ یعنی جس طرف سے حملہ کیا جاتا، شکار بچ کر نہ جاتا۔

میں نے اس آدم خور کے دماغ میں جھانک کر دیکھا جو کاٹیج کے سامنے باتیں کر رہا تھا۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ میں اس کے دماغ میں آسانی سے پہنچ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ برین واش کرنے والوں نے ان کے دماغ کو بھی حساس بنایا ہوگا لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ آدم خور نہ تو اچھے فائٹر تھے، نہ ہی ان میں کوئی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ اسی لیے برین واش کرنے والوں نے ان پر زیادہ محنت نہیں کی تھی۔ انھیں انسان نما درندہ بنا کر اس جزیرے میں چھوڑ دیا تھا۔

میں جس کے دماغ میں پہنچا، اس کا نام برینڈو تھا۔ برینڈو اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا "یہ جو عورت آئی ہے، بہت خوبصورت ہے۔ بہت نمکین ہے۔"

دوسرے نے کہا "ہاں نمک ملانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

ان کے درمیان کھڑی ہوئی عورت نے کہا "مگر اپنا باس کباب میں ہڈی بن گیا ہے۔"

برینڈو نے ناگواری سے کہا "باس کی ایسی تیسی، وہ ہمیں کیا دیتا ہے۔ ہم خود شکار کر کے کھاتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا "یہ باس مر جائے گا تو دوسرا آدمی آجائے گا مگر یہ عورت ہاتھ سے نکل جائے گی تو ایسی دوسری نہیں ملے گی۔ اس جزیرے میں بڑی مشکل سے کوئی عورت ہاتھ آتی ہے۔"

اس عورت نے کہا "اگر ہم کچھ ساتھیوں کو اپنے اعتماد میں لے لیں تو باس کا صفایا ہو سکتا ہے۔ وہ بھی ہماری خوراک بن جائے گا۔"

برینڈو نے کہا "یہ تو ٹھیک ہے مگر دوسروں کو اپنے اعتماد میں لینا بہت مشکل ہے۔ سب انگریزی نہیں سمجھتے ہیں۔ کوئی فرانسیسی جانتا ہے، کوئی جرمن اور کوئی افریقی زبان بولتا ہے۔ ہم ان کی زبان نہیں بول سکتے، انھیں قائل نہیں کر سکتے۔ اس طرح بات بگڑ جائے گی۔"

دوسرے نے پوچھا "پھر کیا کیا جائے؟"

برینڈو نے کہا "ایک ہی راستہ ہے۔ چپکے سے باس کو ختم کر دیا جائے، پھر اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی جائے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ کسی نے باس کو ہلاک کر دیا ہے۔ جب وہ ہلاکت کے بعد کھانے کی میز پر آئے گا تو وہ زیادہ تفتیش نہیں کریں گے۔ وہ آم کھائیں گے پیڑ نہیں گنیں گے۔"

میں سونیا کے پاس پہنچا تو صورت حال بدل چکی تھی۔ جلال بیگ اس پر حملے کر رہا تھا۔ اور وہ اس کے حملوں کو روکتے ہوئے کبھی پیچھے ہٹ رہی تھی۔ کبھی پینترا بدل کر دوسری طرف چلی جاتی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ دوستی، دشمنی میں کیسے بدل گئی؟"

وہ پھر پینترا بدلتے ہوئے اور جلال بیگ کے حملوں سے بچتے ہوئے سوچ کے ذریعے بولی "یہ کمینہ مجھ سے کھیلنا چاہتا تھا۔ مجھے مجبور کر رہا تھا، دھمکیاں دے رہا تھا کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گی تو یہ مجھے آدم خوروں کے حوالے کر کے چلا جائے گا۔"

"اس سے پوچھو، ہیلی کاپٹر جا چکا ہے۔ وہ تمھیں چھوڑ کر کیسے جائے گا اور کہاں جائے گا؟"

سونیا نے اچانک ہی ایک فلائنگ کک اس کے سینے پر ماری۔ پھر الٹی قلابازی کھا کر دوسری طرف کھڑی ہو گئی۔ جلال بیگ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا، اب پھر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے حملہ کیا، سونیا نے روک لیا۔ دوسری بار حملہ کیا۔ سونیا مار کھا کر پیچھے ہٹ کر بولی "تم بہت خوبصورت ہو۔ اب مجھے تم پر پیار آ رہا ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں۔ تمھاری محبت قبول کرتی ہوں۔"

وہ خوش ہو گیا۔ سونیا نے پوچھا "اگر میں تمھاری بات پوری نہ کروں تو تم مجھے چھوڑ کر کیسے جاؤ گے؟ جبکہ ہیلی کاپٹر جا چکا ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا "میں تو تمھیں یونہی دھمکی دے رہا تھا۔ تمھیں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں جبکہ دل و جان سے چاہتا ہوں۔ ہاں اگر مجھے غصہ آ جاتا تو اکیلا یہاں سے چلا جاتا۔ اس کاٹیج کے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلے پر ساحل ہے، وہاں سے جزیرہ الدبرا صرف پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ ساحل پر ایک موٹر بوٹ کھڑی رہتی ہے۔ میں اس موٹر بوٹ کے ذریعے جب چاہوں الدبرا جا سکتا ہوں۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا پھر کہا "شاید فرہاد تمھارے دماغ میں بیٹھا سن رہا ہو یا تم سوچ رہی ہو کہ میں کتنا بے وقوف ہوں، تمھیں الدبرا پہنچنے کا راستہ بتا رہا ہوں۔ مگر میری جان! تم کبھی اس کاٹیج سے نکل ہی نہیں سکو گی۔ تم نے دیکھ ہی لیا

ہے کہ آدم خور تمھیں کیسی بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ رہ گئی ٹیلی پیتھی تو یہاں صرف تین آدم خور انگریزی جانتے ہیں۔ میں جب تمھارا دشمن بنوں گا تو ان تین آدمیوں کو گولی سے اڑا دوں گا تاکہ فرہاد کی ٹیلی پیتھی یہاں بے اثر ہو جائے۔"

"تمھارے پاس ریوالور نظر نہیں آتا۔ انھیں گولی کیسے مارو گے؟"

اس نے ہنستے ہوئے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا "ریوالور نہیں، ایک چھوٹا سا پستول ہے۔ یہ دیکھو۔" اور جیب سے پستول نکال کر دکھایا۔ میں نے سونیا سے کہا "ابھی ایک دو تین گنتے ہی میں جلال بیگ کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کروں گا اور یقیناً پہنچ نہیں سکوں گا۔ وہ میری ٹیلی پیتھی سے بچنے کی خاطر ایک ذرا اپنے دماغ کے دروازوں کو بند کرتے ہوئے آنکھیں بند کرے گا۔ بس وہ وقت تمھارے لیے کافی ہوگا۔"

پھر میں نے ایک، دو، تین کہا اور تین کہتے ہی اپنی سوچ کی لہروں کو جلال بیگ کے دماغ میں پہنچایا۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں۔ بس پلک جھپکنے کی بات تھی۔ دوسرے لمحے اس نے آنکھ اس وقت کھولی جب اس کے ہاتھ کو جھٹکا پہنچا تھا۔ سونیا نے لات ماری تھی، پستول دور چلا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ صورت حال کو سمجھتا سونیا نے چھلانگ لگائی اور پستول کو فرش سے اٹھا لیا پھر اسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولی "محبت کرو گے؟"

وہ آگے بڑھ رہا تھا، ٹھٹھک گیا۔ سہمے ہوئے انداز میں پستول کو دیکھتے ہوئے بولا "دیکھو، گولی چل جائے گی۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ میں بھلا تمھیں آدم خوروں کے حوالے کر کے کہیں جا سکتا ہوں۔ نہیں، میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں، قسم کھاتا ہوں۔"

سونیا نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں بھی قسم کھاتی ہوں کہ یہ آدم خور تمھیں کھائیں گے۔"

وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "تم ایسا نہیں کر سکتیں، یہ سب میرے ماتحت ہیں، میرے حکم کے پابند ہیں، ہم دونوں کی دوستی میں ایک دوسرے کی سلامتی ہے۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو یقیناً یہ مجھے چھوڑیں گے نہیں لیکن میرے بعد تم بھی ان سے نہیں بچ سکو گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ دروازے کو کھولنا چاہتا تھا۔ سونیا نے ڈانٹ کر کہا "خبردار! دروازے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا۔ ادھر بیچ میں آجاؤ۔"

وہ حکم کی تعمیل کرتا ہوا کمرے کے وسط میں آکر کھڑا ہو گیا۔ سونیا نے پوچھا "تمھارے پاس اس پستول کی اور کتنی گولیاں ہیں؟"

"صرف یہ پستول لوڈ ہے اور گولیاں نہیں ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ سیدھی طرح بتاؤ۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔"

"دوسری بار قسم کھاؤ گے تو گولی کھاؤ گے، جو کہتی ہوں اس پر عمل کرو۔ اپنے کپڑے اتار دو۔"

وہ چونک کر، پریشان ہو کر بولا "میں نے کچھ نہیں چھپایا ہے۔ تم خواہ مخواہ مجھے کپڑے اتارنے کے لیے کہہ رہی ہو۔"

"میرا وقت ضائع نہ کرو۔" پھر اس نے بلند آواز سے مجھے مخاطب کیا تاکہ جلال بیگ بھی سنتا رہے "فرہاد! کیا تم موجود ہو؟"

میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا "جلال بیگ کے دماغ میں پہنچو۔ اگر یہ تمھیں اپنے دماغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے گا تو میں فوراً ہی اسے گولی مار دوں گی۔ جاؤ فرہاد! اس کے دماغ کے دروازے کی چابی میرے ہاتھ میں ہے۔"

جلال بیگ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جلدی سے کہا "ٹھہرو! ٹھہر جاؤ، میں کپڑے اتار رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی قمیص اتاری۔ اس کے شانے سے کمر تک کارتوس کی بیلٹ بندھی ہوئی تھی۔ اس نے اس بیلٹ کو کھول کر سونیا کی طرف اچھال دیا۔ اس نے اسے بائیں ہاتھ سے روک کر اپنے شانے سے لٹکا لیا۔ پھر جلال بیگ نے کہا "بس اور کچھ نہیں ہے۔ پتلون تو رہنے دو۔"

"تو جلال بیگ! ان یہودیوں نے کیا سوچ کر تمھیں میرے پاس بھیجا تھا۔ کیا وہ مجھے اور فرہاد کو نہیں جانتے ہیں؟"

"انھوں نے تو کافی سوچ سمجھ کر تمھارے لیے میرا انتخاب کیا تھا۔ اور یہ بات خاص طور پر سمجھائی تھی کہ میں تمھاری مرضی اور مزاج کے خلاف کوئی بات نہ کہوں، نہ کروں، چپ چاپ تمھیں موت کے جزیرے میں لے آؤں۔ وہ تمھاری زندگی کو زیادہ سے زیادہ خطرے میں ڈال کر فرہاد کو بلیک میل کرنا چاہتے تھے لیکن اس کاٹیج میں پہنچتے ہی میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا۔ تم ہو ہی ایسی دلکش، دلنشیں۔"

سونیا نے سرد لہجے میں کہا "پتلون اتار دو۔"

وہ بڑی عاجزی سے انکار کرنے لگا۔ سونیا نے ڈانٹ کر کہا "جو کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "اچھی بات ہے۔ میں دوسری طرف منہ پھیر کر....."

وہ بات کاٹ کر بولی "میں کوئی ننھی سی بچی نہیں ہوں۔ تمھارے جیسے بے شرم کو ایسا کرنے میں جھجک محسوس ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم شرما رہے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے کوئی اہم چیز چھپا رکھی ہے۔ کم آن ہری اپ۔"

وہ آہستہ آہستہ بٹن کھولنے لگا۔ شرم کی یا بے حیائی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے انڈر ویئر پہن رکھا تھا۔ صرف سونیا کے سامنے بن رہا تھا۔ پتلون اتر کر گھٹنے تک آئی۔ تو دونوں رانوں پر کوئی چیز بندھی ہوئی نظر آئی۔ سونیا نے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

"یہ میں نے اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہے۔ ان آدم خوروں

سکا کوئی ٹھیک نہیں ہے۔ شاید ان کو بھوک لگے تو یہ مجھے بھی کھا جائیں۔ اس لیے میں نے یہ زہریلی سوئیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اس ران پر جو پنسل گن بندھی ہوئی ہے اس کے ذریعے سوئی کو اپنے شکار کی طرف پھینکا جاتا ہے۔ یہ زہریلی سوئی بدن کے کسی بھی حصے کو چھو لے تو شکار چشم زدن میں تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔"

"اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو اور دوسری طرف گھوم جاؤ۔ تمھاری پتلون گھٹنوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اسے اسی طرح رہنے دو، اس طرح تم پھرتی نہیں دکھا سکو گے۔"

اس نے بےبسی سے سونیا کو دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ دوسری طرف گھوم گیا۔ سونیا محتاط انداز میں آگے بڑھ کر اس کی پشت پر پہنچی۔ پھر پستول کی نال کو پیٹھ کی طرف سے دل والے حصے سے لگا دیا اور بڑی سفاکی سے بولی: "جلال بیگ! اگر میری ہسٹری شیٹ پڑھ چکے ہو تو یہ حساب کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے کتنے قتل کیے ہیں۔ اگر تم ذرا سی بھی حرکت کرو گے یا چالاکی دکھانے کی کوشش کرو گے تو اس فہرست میں تمھارے نام کا بھی اضافہ ہو جائے گا۔" پھر اس نے ذرا سا جھک کر ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس پنسل گن کو وہاں سے کھینچ لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اس نے ایسی گن کبھی استعمال نہیں کی تھی۔ لیکن اس کے استعمال کا طریقہ جانتی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس گن کو اپنی کمر میں اُڑس لیا۔

جلال بیگ کی دوسری ٹانگ سے وہ ڈبیہ بندھی ہوئی تھی جس میں زہریلی سوئیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اس ڈبیہ کو بھی حاصل کر لیا۔ پھر پیچھے سے اس کی کمر پر ایک لات ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے ٹکرا گیا۔ میں نے سونیا سے کہا: "اب اسے دروازہ کھول کر آدم خوروں کے پاس جانے کے لیے کہو۔"

وہ کاٹیج کی دیوار سے ٹکرانے کے بعد وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ سونیا کا حکم سنتے ہی ایک دم سے گھبرا گیا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہنے لگا: "مجھ پر یہ ظلم نہ کرو۔ میں نہتا ان آدم خوروں کے پاس نہیں جا سکتا۔"

"تمھارے آقاؤں نے ان وحشیوں کو اس جزیرے میں اسی لیے چھوڑا ہے کہ تمھارے جیسے نہتے ان کے ہتھے چڑھتے جائیں۔ تم سے پہلے جانے کتنے بے گناہ مارے گئے ہیں، اب تمھاری باری ہے۔ جلال بیگ تم نے ہم سب کو جس قدر پریشان کیا ہے جس طرح تم نے سائرہ بانو کے سینے سے بم باندھ کر انھیں ایک ایک پل اذیتیں پہنچائی ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آدم خور تمھیں کچا کھا جائیں۔"

وہ دیوار سے لگ کر ایک طرف کھسکنے لگا۔ انکار میں سر ہلانے لگا: "نہیں، میں باہر نہیں جاؤں گا۔ میں ان کی خوراک نہیں بنوں گا۔ تم مجھے گولی مار دو۔ تم مجھے زہریلی سوئی سے ہلاک کر دو، یہ مجھے منظور ہے مگر وہ موت منظور نہیں ہے۔"

سونیا نے اطمینان سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس پہنچ کر اس کے پٹ کھول دیے۔ پھر ایک طرف ہٹ کر بولی: "تم باہر نہیں جاؤ گے تو آدم خور اندر آ جائیں گے۔ جس کے ہاتھ میں ہتھیار ہوتا ہے، جس کے پاس طاقت ہوتی ہے، جانور اور درندے اسی کے مطیع اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ان آدم خوروں میں سے تین ایسے ہیں، جو فرہاد کی ٹیلی پیتھی کی زد میں آ چکے ہیں۔ اس حساب سے میں اکیلی نہیں، تمھارے دشمن اب چار ہیں۔ بولو، باہر جاتے ہو یا نہیں؟"

وہ بےبسی سے باہر کی طرف جانے لگا۔ سونیا نے کہا: "اس کا خیال رکھو، میں ایک بھی گولی ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ یہ گولیاں اور زہریلی سوئیاں آئندہ کام آئیں گی۔"

میں نے کہا: "اطمینان رکھو، جیسے ہی وہ کوئی چالاکی دکھائے گا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ وہ جو ایک ساعت کے لیے آنکھیں بند کرتا ہے، وہی مہلت تمھارے لیے کافی ہوگی۔"

جلال بیگ نے کوئی چالاکی نہیں دکھائی۔ وہ کچھ اور سوچ کر باہر چلا گیا۔ پھر بلند آواز سے کسی اجنبی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ میں نے برینڈو کے دماغ سے معلوم کیا۔ وہ آدم خوروں کو اپنی حمایت پر آمادہ کر رہا تھا اور انھیں سونیا کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچایا۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ دوسرے ہی لمحے اس نے پھر آنکھیں کھول کر کچھ کہنا چاہا۔ میں نے پھر اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچایا۔ اس کی آنکھیں اور اس کی زبان پھر بند ہو گئیں۔ تیسری بار میں اس آدم خور عورت کے دماغ پر قابض ہو گیا جو انگریزی جانتی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی اپنے درانتی نما ہتھیار کو سنبھالتی ہوئی جلال بیگ کی طرف لپکی۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے اس درانتی سے ایک بھرپور وار کیا۔

وہ دونوں ہاتھ اٹھائے تقریر کرنے کے انداز میں آدم خوروں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ درانتی کے ایک ہی وار سے اس کا ایک بازو کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ وہ چیخیں مارنے لگا۔ میں دوسرے آدم خور کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ بھی اسی طرح دوڑتا ہوا گیا اور اس نے بھی اپنی درانتی سے ایک بھرپور ضرب لگائی۔ تازہ تازہ خون اور تازہ تازہ گوشت کی تھوڑی سی جھلک آدم خوروں کے لیے کافی تھی۔ وہ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے۔

میں نے سونیا سے کہا: "اب برینڈو تمھاری طرف آئے گا اور تمھارے ساتھ جنوبی ساحل تک جائے گا۔ اسے دشمن نہ سمجھنا میں اس کے دماغ میں موجود رہوں گا۔"

میں نے برینڈو کے دماغ میں پہنچ کر اس کی سوچ میں کہا: "یہ سب کے سب باس پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ کیوں نہ میں اس

بھگا کر اپنے ساتھ کہیں دور لے جاؤں اور پھر اکیلا ہی ہڑپ کر جاؤں۔"

اس کی سوچ نے کہا: "واقعی بہت اچھا موقع ہے۔"

یہ سوچتے سوچتے وہ آہستہ آہستہ الٹے قدموں کاٹیج کے دروازے کی طرف آ رہا تھا اور دیکھتا جا رہا تھا کہ کوئی آدم خور اس کی طرف توجہ دے رہا ہے یا نہیں۔ آدم خوروں کو اتنی فرصت نہیں تھی۔ وہ بہت مصروف تھے۔

برینڈو نے کاٹیج میں آ کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا پھر سونیا کو اشارے سے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ سونیا اس کے ساتھ جانے لگی۔ پہلے وہ دبے قدموں تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ کاٹیج کے احاطے سے باہر آنے کے بعد وہ دونوں ہی دوڑنے لگے۔ میں نے برینڈو کے دماغ میں یہ خیال قائم کر دیا تھا کہ اسے جنوبی ساحل کی طرف جانا چاہیے اور وہ اسی طرف سونیا کو لے جا رہا تھا۔

اچانک میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں باتھ روم میں تھا اور دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ پھر مرجانہ کی آواز سنائی دی۔ "کیا تم باتھ روم میں سو گئے ہو؟ میں اتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔ میں نے غسل بھی کر لیا، اپنے لیے دوسرا لباس منگوایا تھا وہ بھی پہن لیا ہے اور تم ہو کہ باہر آنے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

میں نے جواب دیا: "میں اس وقت غسل بھی کر رہا ہوں اور خیال خوانی میں بھی مصروف ہوں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں، ڈھائی بجے کے بعد میں تمھارے پاس آ جاؤں گا۔ پھر خیال خوانی کے ذریعے سونیا کے پاس نہیں جاؤں گا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم اپنے دماغ سے سونیا کو نہیں نکال سکتے۔"

"میری جان! میں تمھیں ایک خوشخبری سنا رہا ہوں۔ آج میں نے خیال خوانی کے ذریعے سونیا کی بےوفائی دیکھ لی ہے۔ اس نے جلال بیگ کو اپنا لیا ہے اور اب وہ میرے قابل نہیں رہی ہے۔"

"تو پھر اس پر خاک ڈالو اور باہر آ جاؤ۔"

"خاک ہی ڈال رہا ہوں۔ جب ہم کسی پرانے رشتے کو مار دیتے ہیں اور اسے دفناتے ہیں تو آخری بار اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالتے ہیں۔ مٹی ڈالنے کا موقع تو دو۔ آرام سے بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ چپ رہی۔ شاید دروازے کے پاس سے ہٹ کر کمرے کے دوسری طرف چلی گئی تھی۔ میں پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ برینڈو کے ساتھ کبھی تیزی سے چلتی ہوئی جا رہی تھی اور کبھی دوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ کئی میل کا فاصلہ بہرحال کسی طرح طے ہو گیا۔ ساحل نظر آ گیا اور ساحل پر موٹر بوٹ بھی نظر آ گئی۔ برینڈو سوچ رہا تھا: "یہ اچھی جگہ ہے۔ یہاں اسے شکار کر لوں اور غائب کر دوں پھر اس کے ڈھانچے کو زمین میں دفن کر دوں گا تو کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ یہی سمجھا جائے گا کہ یہ موٹر بوٹ کے ذریعے فرار ہو گئی ہے۔ میں اس موٹر بوٹ کو بھی کسی دوسری جگہ لے جا کر چھوڑ دوں گا۔"

"اس کی عقل جو اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ وہی سمجھ رہا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ سونیا کا راستہ روکتا میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ سونیا نے جاپانی زبان میں پوچھا: "فرہاد! کیا اب بھی تم غائب ہو؟"

"میں موجود ہوں، تھوڑی دیر کے لیے چلا گیا تھا۔"

"اسے ساحل پر ہی روکے رکھو، میں موٹر بوٹ کو اسٹارٹ کر رہی ہوں۔"

میں نے برینڈو کی زبان سے کہا: "جاؤ اور موٹر بوٹ کو مشرق کی طرف ساحل ساحل لے جاؤ۔ نقشے کے مطابق تم اس جزیرے کے مغربی ساحل پر پہنچو گی۔ وہاں تمھیں وہ کیمپ والے مل سکتے ہیں۔"

لیکن اس دوران وہ موٹر بوٹ پر سوار ہو کر انجن اسٹارٹ کر چکی تھی۔ اور اب وہ بوٹ پانی کی لہروں پر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ تب میں نے برینڈو کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ حیرانی سے دور جاتی ہوئی سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ کیا کر سکتا تھا۔ سمندر میں چھلانگ لگا کر خودکشی نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے سونیا سے پوچھا: "اب تمھیں دشمنوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم تنہا مغربی ساحل تک سفر کر سکو گی۔"

"اب میری طرف سے مطمئن رہو۔ کیا تمھارا وہاں دماغی طور پر حاضر رہنا ضروری ہے؟"

"میں مرجانہ کو دھوکہ دے رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک بہروپیے فرہاد کو جزیرہ والدیرا بھیج رہا ہوں۔ اس لیے اجازت چاہتا ہوں۔"

میں اجازت لے ہی رہا تھا کہ باتھ روم کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ مرجانہ نے کہا: "فرہاد! کوئی شخص تمھارے لیے نیلے رنگ کا سوٹ، جوتے، جرابیں اور نکٹائی وغیرہ لے کر آیا ہے۔"

میں نے باتھ روم کے دروازے کو کھول دیا۔ مرجانہ نے فوراً ہی دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ میں نے تولیے سے بدن کو خشک کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔ وہ پھولدار لباس میں خوب کھل رہی تھی۔ پہلے اس میں عورت پن کم تھا۔ مردانہ پن جھلکتا تھا۔ چال میں بھی نزاکت نہیں تھی۔ باتوں میں پتھر جیسی سختی ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ آگ سے پھول بن گئی تھی۔ وہ اب بھی شعلہ رو تھی مگر اس میں شاعرانہ ادائیں بھی بھر گئی تھیں۔ وہ اتنی بھری بھری تھی کہ ڈر لگتا تھا کہ چھلک نہ جائے۔ وہ چھلکنے کو بےتاب تھی۔ نشہ بُری چیز ہے مگر منہ سے لگ جائے تو نہیں چھوٹتا۔ میں نے کبھی نہ پینے اور نشے کو کبھی ہاتھ نہ لگانے کا عہد کیا تھا۔ ایک عرصے تک میں اپنے اس ارادے پر مضبوطی سے قائم رہا۔ کتنی ہی خوبصورت، مہنگی بھری بھری بوتلیں میری نظروں کے سامنے سے گزر گئیں۔ میری تنہائی میں آ کر چلی گئیں لیکن میں اپنی توبہ پر قائم رہا۔

بہت عرصے بعد لاہور میں نازیہ نے مجھے متاثر کیا تھا۔ میری

تو یہ ٹوٹ چکی تھی لیکن میرے ضمیر نے ایک شریف خاندان کی عزت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی۔ پہاڑوں سے پستی کی طرف بہتے والا دریا بہت ہی پُرشور و پُرزور ہوتا ہے۔ اس کا راستہ روکو تو وہ رکاوٹ کو توڑ دیتا ہے۔ توڑ نہ سکے تو راستہ بدل کر بہنے لگتا ہے۔ دوسری طرف اپنی نے سر دبا کر مجھے آرام سے سلا دیا تھا۔

میرے ضمیر نے ایک سوال کیا: "مرجانہ بھی ایک شریف خاندان کی عزت ہے؟"

میرے دماغ نے جواب دیا: "بے شک سائرہ بانو ایک نہایت ہی شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ اور اپنی جوانی کا آدھا حصہ دشمنوں اور شیطانوں کے درمیان گزارا۔ ہمیشہ اپنی عزت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی رہیں۔ ناکام ہوتی رہیں۔ پھر ایک وقت آیا کہ سچائی اور شرافت کی جیت ہوئی اور اب وہ بہت اچھے دن گزار رہی ہیں۔ ان کے برعکس ان کی بیٹی دشمنوں سے محفوظ رہنے کے بجائے دشمنوں سے جا ملی ہے۔ ان کے اشاروں پر چل رہی ہے۔ ان کی فرمانبردار ہے۔ برین واشنگ کے بعد دشمن اس کے دماغ میں ہوس پرستی کا نظریہ بھر سکتے تھے۔ اسے آدم خور بھی بنا سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے اتنی مہربانی کی کہ اس کے دماغ میں صرف میری چاہت کو شدید کر دیا۔ مجھ میں وہ شدت نہیں تھی۔ ہاں انتقام کا جذبہ غیر شعوری طور پر تھا۔ ایک بار میں نے جھنجلا کر یہ عہد کیا تھا کہ اسے مکمل عورت بنا کر رہوں گا۔ یہ سونیا پر عاشق تھی مگر عورت بننے کے بعد میرے لیے تڑپتی رہے گی۔ میری چاہت میں گرفتار ہوگی اور میں اسے لفٹ نہیں دوں گا۔ اسے رشتے اور جذبوں کی پہچان کراؤں گا۔ پھر چھوڑ دوں گا۔ اس سے دور رہوں گا۔ کبھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دوں گا اور آج یہ انتقام پیدا ہو چکا تھا۔ اگرچہ یہ کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے۔ میں نے کوئی دانشمندی نہیں کی لیکن انتقام کے جوش میں عقل خبط ہو جاتی ہے اور آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ میں نے بھی چند گھڑیاں اندھے پن میں گزاریں۔

ہمیں پروگرام کے مطابق وہاں سے ڈھائی بجے نکلنا تھا۔ میں نے چوروں سے بھی یہی کہا تھا لیکن چار بج رہے تھے۔ پروگرام میں گڑبڑ ہو گئی تھی۔ میں نے بہروپیے فرہاد کو مخاطب کیا۔ اس نے کہا۔ "جناب! ہم بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جو سوٹ آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ وہ بازار میں ایک ہی تھا۔ ہمیں اس ناپ کا کوئی دوسرا سوٹ نہیں ملا اور ملا بھی تو اس کے رنگ سے ملتا ہوا رنگ نہ تھا۔ اگر رنگ ملتا تھا تو کپڑوں کی تراش خراش میں فرق تھا۔ مجبوراً ہم نے ایک ہی سوٹ آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"یہ تو واقعی گڑبڑ ہو گئی۔ تم میری جگہ کیسے لوگے؟"

"آپ مرجانہ کو اپنے کمرے سے کسی دوسرے کمرے میں بھیج دیں یا آپ کسی دوسرے کمرے میں چلے آئیں۔ میں وہاں پہنچتا ہوں۔ جو کپڑے میں نے آپ کے پاس بھیجے ہیں۔ وہی پہن لوں گا۔ آپ اسی بنگلے میں کہیں چھپ جائیے یا کہیں چلے جائیے گا۔"

میں نے کہا: "ٹھہرو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

میں نے کوشش کرنے کے لیے مرجانہ کی طرف دیکھا۔ وہ [illegible] نہیں تھی۔ باتھ روم کے اندر پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے دروازے کے قریب جا کر کہا: "میں دوسرے باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کروں گا۔"

یہ کہتے ہی میں نے چوروں کو فوراً اس بنگلے میں پہنچنے کی ہدایت کی۔ اس دوران میں نے دوسرا لباس پہن لیا تھا۔ جو سوٹ میرے لیے آیا تھا وہ اور دیگر چیزیں میں دوسری خواب گاہ میں لے گیا۔ چند منٹ کے بعد ہی دوسرا چور وہاں پہنچ گیا۔

اصولاً مجھے غسل کر کے لباس پہننا تھا اور مرجانہ کے سامنے جانا تھا۔ چونکہ اب دوسرا فرہاد مرجانہ کے سامنے پہنچنے والا تھا اس لیے اس بے چارے کو غسل کرنا پڑا۔ اس نے لباس تبدیل کیا۔ جب وہ جرابیں اور جوتے پہن رہا تھا تبھی مرجانہ کمرے میں آ گئی۔ میں باتھ روم میں تھا۔ میں نے بہروپیے فرہاد کی رہنمائی کی۔ اس کے مطابق اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا: "آج میں نے غسل کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے زکام ہو گیا ہے۔ گلے میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ کیا تم میری آواز کچھ بدلی ہوئی سی محسوس کر رہی ہو؟"

مرجانہ نے کہا: "ہاں، کچھ فرق تو محسوس ہو رہا ہے۔ تمہیں غسل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چلو، دیر ہو رہی ہے۔"

بہروپیا اٹھ گیا اور آئینے کے سامنے اپنی نکٹائی درست کرنے لگا۔ مرجانہ بنگلے سے باہر چلنے سے پہلے چند منٹ رکنا چاہتی تھی۔ میں نے بہروپیے کے دماغ میں بیٹھ کر کہا: "چلو، دیر ہو رہی ہے۔ محبت بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔"

وہ مرجانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے تقریباً کھینچتا ہوا باہر لے جانے لگا۔ مرجانہ نے کہا: "آخر ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ دیر تو تم نے لگائی ہے۔"

"میں نے دیر کی ہے؟ میں جلدی کر رہا ہوں۔ تمہیں ایک خوشخبری سناؤں؟"

"میرے لیے اس سے بڑی خوشخبری اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم سونیا سے نفرت کرنے لگے ہو اور مجھ سے محبت، اگر مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو میرے ساتھ جزیرہ الدبرا چلو۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میرے دوستوں نے تمھیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو وہ میرے لیے دشمن بن جائیں گے۔"

بہروپیے نے کہا: "میں یہی خوشخبری تمھیں سنا رہا ہوں۔ اس وقت تمھارے ساتھ جزیرہ الدبرا چل رہا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر کمبل بن گئی۔ پھر بولی "ٹھہرو، میں ابھی فون پر اپنے ماتحتوں کو اطلاع دیتی ہوں۔"

وہ دوڑتی ہوئی پھر ڈرائنگ روم میں آئی۔ میں وہاں چھپا ہوا تھا۔ ریسیور اٹھایا، نمبر ڈائل کیے۔ پھر کہا: "پروگرام بدل گیا ہے۔ مجھے اور فرہاد کو کسی ویرانے میں گھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے ساتھ راضی خوشی چلنے کو تیار ہے۔ میں اسے لے کر ہیلی کاپٹر کی طرف آ رہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر دوڑتی ہوئی بہروپیے کے پاس پہنچ گئی۔ بنگلے کے احاطے کے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ جو مرجانہ نے منگوائی تھی۔ وہ اس کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میں تھوڑی دیر تک ان کے پاس موجود رہا اور بہروپیے کی ایکٹنگ سے مطمئن ہوتا رہا۔ اعلیٰ بی بی نے ایسے تمام چوروں کو جن کا قد میرے برابر تھا اور جو میرے جیسی جسامت رکھتے تھے — میری آواز، میرے لب و لہجہ کی بڑی کامیابی سے مشق کرائی تھی۔ انھوں نے اس میں مہارت حاصل کی تھی۔ اعلیٰ بی بی اور چالیس چوروں میں میری اور سونیا کی کتنی اہمیت تھی، اسی سے اندازہ ہو جاتا تھا۔ ان چوروں میں جو عورتیں سونیا کے قد کے برابر تھیں اور سونیا جیسی جسامت رکھتی تھیں، انھوں نے بھی سونیا بننے کی پوری کامیابی سے تربیت حاصل کی تھی۔

میں سونیا کے پاس آ گیا۔ وہ مغربی ساحل تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے ایک لانبی رسی کے ذریعے موٹر بوٹ کو لنگر انداز کیا تھا۔ اور اب ایک اندازے کے مطابق ادھر جا رہی تھی جہاں کیمپ والوں سے ملنے کی توقع تھی۔ میں نے کہا: "میں مرجانہ کو جھانسہ دے کر آ رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ایک بہروپیے فرہاد کو روانہ کر دیا ہے۔ تم چلتی رہو، میں تمھارے ساتھ ساتھ ہوں۔"

اس نے پوچھا: "جو آدم خور میرے ساتھ بھاگتا ہوا موٹر بوٹ تک آیا تھا کیا تم نے اسے زندہ چھوڑ دیا ہے؟"

"اسے اور اس کے دو ایسے ساتھیوں کو جو انگریزی جانتے ہیں میں نے فی الحال زندہ رکھا ہے۔ حالانکہ آدم خور جانور ہو یا انسان انھیں پہلی فرصت میں گولی مار دینا چاہیے لیکن مصلحتاً میں نے ایسا کیا، شاید وہ کسی مرحلے پر ہمارے کام آ جائے۔"

"اب کیا پروگرام ہے۔ کیا بیٹھے بیٹھے خیال خوانی کرتے رہو گے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ایکشن میں ہوں اور تمھارے پاس پہنچنے والا ہوں۔"

اس سے باتیں کرنے کے دوران مجھے بنگلے کے اندر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے کہا: "ذرا ٹھہرو، میں جہاں ہوں وہاں لوگ آ رہے ہیں۔ میں پھر رابطہ قائم کروں گا۔"

میں نے کمرے سے نکل کر دیکھا۔ ڈرائنگ روم میں انٹیلی جنس کا وہی آفیسر آیا ہوا تھا اور اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا: "اس بنگلے کو لاک کر دو۔ مسٹر فرہاد جا چکے ہیں۔"

میں نے اس کے سامنے پہنچ کر مسکراتے ہوئے کہا: "مجھے لاک نہ کرنا۔" آفیسر اور اس کے ماتحتوں نے مجھے بڑی حیرانی سے دیکھا۔ پھر بیرونی دروازے کی طرف یوں دیکھا جیسے باہر جانے والے فرہاد کو ڈھونڈ رہے ہوں۔ آفیسر نے پوچھا: "آپ یہاں کیسے؟ آپ تو ابھی اس عورت کے ساتھ کار میں بیٹھ کر گئے تھے۔"

"بس یہی تو ٹیلی پیتھی کے کمالات ہیں۔ میں نے مرجانہ کے سامنے انکار کیا تھا، وہ سب دکھاوا تھا۔ برائے مہربانی اب میری روانگی کے انتظامات کر دیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

وہ ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر اپنے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ میں بہروپیے کے پاس پہنچ گیا۔ مرجانہ اس کے شانے پر سر رکھے، ہیلی کاپٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بہروپیے سے رابطہ قائم کرنے پر اس نے کہا: "فرہاد صاحب! ہم میں سے کئی چور آپ کی نقل اتنی کامیابی سے کر سکتے ہیں کہ آپ ہمیں دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ لیکن بعض معاملات بڑے پیچیدہ اور بڑے صبر آزما ہوتے ہیں مثلاً یہی کہ مرجانہ اس وقت میرے شانے پر سر رکھے بیٹھی ہے۔ یہ رومانس آگے بھی بڑھ سکتا ہے۔ میں اس سلسلے میں کیا کروں؟ بڑی الجھن میں ہوں۔"

"آخری حد تک کوشش کرتے رہنا کہ مرجانہ سے تنہائی میں ملاقات نہ ہو۔ ہو بھی تو مختصر ہو۔ اس کے ساتھ زیادہ وقت نہ گزارنا پڑے۔"

"آپ مرجانہ کے مزاج سے واقف ہیں۔ وہ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔"

"ایسا وقت آئے گا تو مجبوری ہے۔ جو چاہے کر گزرنے دو۔ میرے لیے صرف میرے بچے کی اہمیت ہے اور تم میرے بچے کو حاصل کرنے جا رہے ہو۔ میں اور سونیا بھی جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

میں نے اس سے رابطہ ختم کیا اور انٹیلی جنس کے آفیسر سے کہا: "مجھے دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے۔ نمبر ایک میک اپ کا مکمل سامان اور نمبر دو سمندر کے نیچے سفر کرنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے وہ سب سامان آپ مہیا کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ الدبرا تک پہنچنے کے لیے ہمیں کسی مرحلے پر زیرِ آب سفر کرنا پڑے۔"

"آپ بنگلے میں ہی بیٹھ کر میک اپ کریں گے یا بعد میں؟"

"میں موٹر بوٹ یا لانچ کے ذریعے سفر کروں گا۔ سفر کے دوران میک اپ کے لیے کافی وقت ملے گا۔ کوئی تجربہ کار میک اپ مین ساتھ ہو تو بہتر ہوگا اور ہاں، میرا ایک اور ہمسفر بھی ہو سکتا ہے۔"

میں نے ایک چور سے رابطہ قائم کیا: "کیا یہاں تیرولی میں ایسا کوئی چور ہے جو غوطہ خوری اور زیرِ آب سفر کرنے کا تجربہ رکھتا ہو؟"

"ایسے دو ساتھی ہیں وہ اس وقت موت کے جزیرے میں ہیں۔"

"میں وہیں جا رہا ہوں۔ اُن سے رابطہ کیسے قائم ہوگا؟"

"ذرا ایک منٹ ٹھہریے۔ میں ان کے کیسٹ سنواتا ہوں۔"

میں نے تھوڑی دیر بعد دوبارہ اس سے رابطہ قائم کیا۔ وہ کیسٹ کے ذریعے دونوں چوروں کی آواز اور ان کے لب و لہجے کی شناخت کرانے لگا۔ میں نے اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر باری باری ان چوروں کے دماغوں میں پہنچ گیا۔ وہ دونوں چور اُن مجرموں اور چھٹے ہوئے بدمعاشوں کے درمیان تھے جنھوں نے موت کے جزیرے میں کیمپ لگا رکھا تھا۔ پہلے تو ان چوروں کو یقین نہیں آیا کہ میں ہی ان سے سوچ کے ذریعے گفتگو کر رہا ہوں۔ پھر میں نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق انھیں یقین دلایا۔ وہ فوراً ہی میرے تابعدار بن گئے۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں آ رہا ہوں لیکن سونیا اس مغربی ساحل تک پہنچ گئی ہے۔ لہٰذا وہ دونوں جا کر اسے تلاش کریں اور کیمپ میں لے آئیں۔"

وہ دونوں اسی وقت کیمپ سے روانہ ہو گئے۔ میں سونیا کے پاس آیا۔ وہ ایک گھنے جنگل سے گزر رہی تھی۔ چاروں طرف ہریالی تھی، گھنے درخت تھے۔ بالکل وہی منظر تھا جو سونتی اور منجالی نے اپنے جزیرے میں دیکھا تھا۔ ویسے ہی رنگ برنگے پرندے بھی نظر آ رہے تھے۔ وہ گمنام جزیرہ اور جزیرہ الدبرا ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ اسی لیے دونوں میں جغرافیائی یکسانیت تھی۔

میں نے اسے مخاطب کیا "سونیا! یہاں اعلیٰ بی بی کے دو چور موجود ہیں۔ وہ اس وقت تمھاری تلاش میں کیمپ سے نکل چکے ہیں۔ شاید تمھیں کہیں راستے میں مل جائیں۔ وہ کیمپ تک تمھاری رہنمائی کریں گے۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ ایک درخت سے ٹیک لگا کر بولی۔ "فرہاد! بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔ صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے۔"

"میں تمھاری حالت سمجھ رہا ہوں۔ ذرا دیر اور انتظار کر لو۔ تھوڑی دیر بعد ہی تم کیمپ تک پہنچ جاؤ گی۔ وہاں بہت کچھ کھانے کو ملے گا۔"

میری بات ختم ہوتے ہی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں دور سے آ رہی تھیں۔ سونیا چونک کر آواز کی سمیت کا تعین کرنے لگی۔ اسی وقت ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ وہ فوراً ہی دوڑتے ہوئے ادھر جانے لگی۔ کوئی عورت چیخ رہی تھی۔ "ہیلپ۔ ہیلپ ....."

وہ مدد کے لیے پکارنے والی بہت جلد نظر آ گئی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں دوڑتی آ رہی تھی۔ کبھی درخت کا سہارا لے کر ہانپنے لگتی تھی۔ پھر آگے دوڑنا شروع کر دیتی۔ اتنے میں دو ہٹے کٹے قد آور آدم خور اچانک ہی جھاڑیوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے ___ وہ دوڑتے ہوئے لڑکی کی طرف آ رہے تھے۔

لڑکی نے انھیں دیکھا تو پھر دوڑنے لگی۔ اس میں اب چلنے کی بھی سکت نہیں تھی مگر زندگی بہت عزیز ہوتی ہے۔ وہ اپنی آخری قوتوں کو جمع کرتے ہوئے بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اچانک لڑکھڑا کر اوندھے منہ گر پڑی۔ اب اس میں اٹھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ اوندھی پڑی زور زور سے سانسیں لے رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ بھاگتے قدموں کی آوازوں کو اپنے قریب محسوس کر رہی تھی۔ پھر وہ دونوں آدم خور اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک اس کے سر کے پاس تھا، دوسرا پاؤں کے پاس، اور دونوں ہی بڑی للچائی ہوئی نظروں سے بہت خوش ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں درانتی نما آہنی ہتھیار تھے۔ وہ ہتھیار دو دھاری تھے۔ دونوں طرف سے اپنے شکار کو کاٹ کر اس کے ٹکڑے کر سکتے تھے۔ پھر ایک نے اپنے درانتی نما ہتھیار کو اپنے سر سے بلند کیا اور گھٹنے ٹیک کر لڑکی کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اب وہ اس پر وار کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت ٹھائیں سے گولی چلی اور اس کے ہاتھ سے درانتی چھوٹ کر گر پڑی۔

دونوں نے سہم کر ادھر دیکھا۔ سونیا انھیں پستول کے نشانے پر رکھے ہوئے کھڑی تھی۔ اس نے بڑی سفاکی سے کہا "پٹ ڈاؤن یور ویپنز۔ بی فور آئی شوٹ یو۔"

دوسرے آدم خور نے ہتھیار کو پھینک تو دیا مگر فوراً ہی پلٹ کر بھاگنے لگا۔ اسی وقت ایک اور گولی چلی اور وہ لڑکھڑا کر گھاس پر اوندھے منہ گر پڑا۔ ایسا گرا کہ پھر اٹھ نہ سکا۔

وہ لڑکی اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور بُری طرح کانپ رہی تھی کیونکہ دوسرا آدم خور زخمی حالت میں اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پاؤں ٹیک کر رینگتے ہوئے سونیا کی طرف جانے لگی۔ اس کے شانے سے لٹکا ہوا کیمرہ زمین پر گھسٹتا جا رہا تھا۔ پھر وہ سونیا کے قدموں کے پاس جا کر گر پڑی۔

سونیا نے اس زخمی آدم خور کو نشانے پر رکھتے ہوئے اس سے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟"

"مائیکل۔ میرا نام مائیکل ہے۔ پلیز مجھے جان سے نہ مارو۔"

"تمھارے ساتھی اس جزیرے کے دوسرے حصے میں ہیں اور وہ تعداد میں سترہ ہیں۔ اس حصے میں تمھارے ساتھ کتنے آدم خور ہیں؟"

"ہم بیس ہیں بلکہ تھے، ایک کو تم نے مار دیا۔"

"تم لوگ ان اطراف میں کہاں چھپے رہتے ہو؟"

اسی وقت بہت سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سونیا نے دوبار گولی چلائی تھی۔ اس کی آواز جنگل میں دور تک گونجتی چلی گئی تھی۔ کتنے ہی پرندے شور مچاتے اڑتے چلے گئے تھے۔ سونیا نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھاتے ہوئے کہا "کم آن، رن۔ دوڑو۔ شاید باقی آدم خور آ گئے ہیں۔"

لڑکی اس کے ساتھ بے تحاشہ بھاگنے لگی۔ بھوک کا خوف

...لہٰذا وہ ہانپنے اور لڑکھڑانے کے باوجود دوڑتی جا رہی تھی۔ سونیا ...ساتھ ...نے کر ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئی۔ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ جتنے آدم خور ہیں ان کے پاس صرف درانتی نما ہتھیار ہیں، نہ تو وہ جدید ہتھیار استعمال کرتے ہیں، نہ ہی تیر و کمان سے کام لیتے ہیں۔

ٹیلے کی اونچائی سے دونوں آدم خور نظر آ رہے تھے۔ جن میں سے ایک مردہ تھا۔ دوسرا اپنے زخمی ہاتھ کو پکڑے ہوئے تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے کہیں پناہ کی تلاش میں جانا چاہتا تھا۔ سونیا نے چیخ کر کہا "مائیکل! اپنی جگہ کھڑے رہو نہیں تو گولی مار دوں گی۔"

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ کر سونیا کے سوال... کو دہرانے لگا "وہ اور اس کے ساتھی کہاں چھپے رہتے ہیں؟"

اس کی سوچ نے کراہتے ہوئے کہا "آہ، میں کسی طرح وہاں پہنچ جاتا تو میرے ساتھی میری کچھ مدد کرتے۔ یہ بلٹ میرے بازو میں دھنس گیا ہے، یہ کیسے نکلے گا؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "گولی کسی طرح نکل ہی جائے گی لیکن مجھے اپنی پناہ گاہ تک پہنچنے کے لیے قریب ترین راستہ سوچنا ہوگا۔"

اس کی سوچ نے کہا "کسی طرف سے بھی جاؤں، ڈھائی میل کا فاصلہ ہے۔ اوپر ایک پہاڑی پر چڑھنا ہوگا۔ میں اس زخمی حالت میں کیسے چڑھ سکوں گا۔ اس کے بعد ایک غار میں داخل ہونا پڑے گا۔ اگر غار کے اندر میرا کوئی ساتھی موجود ہوا تو وہ اس بڑے پتھر کو ہٹائے گا۔ تب اندر زمین کی تہہ میں جانے کا موقع ملے گا۔ اس زمین کی تہہ میں ہم سب چھپے رہتے ہیں۔"

اس کی سوچ تھم گئی۔ وہ دوڑتے ہوئے لوگ اب قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ آدم خور نہیں تھے۔ سونیا کا خیال غلط نکلا۔ وہ کیمپ کے لوگ تھے۔ ان میں سب سے آگے دو خوبرو صحت مند نوجوان تھے۔ ان میں سے ایک نے اس آدم خور کے قریب جا کر اسے دیکھا۔ دوسرا اونچے ٹیلے پر کھڑی ہوئی سونیا اور اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا "ہم آپ کے ساتھ کھڑی ہوئی جینیفر کو جانتے ہیں۔ یہ ہمارے کیمپ سے آئی ہے۔ آپ ہمارے لیے اجنبی ہیں لیکن اگر آپ مادام سونیا ہیں تو بالکل اجنبی نہیں ہیں۔"

سونیا نے اثبات میں سر ہلا کر کہا "ہاں میں سونیا ہوں۔ تم ہی ہو اعلیٰ بی بی کے ساتھی....."

اس نے کہا "جی ہاں، اور یہ میرا ساتھی ہے۔"

اس وقت اس آدم خور کے پاس اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ مرد، عورت سبھی تھے۔ ان میں سے کتنے ہی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے "اسے مار ڈالو۔ زندہ نہ چھوڑو۔ یہ کمبخت انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ لعنت ہے۔"

طرح طرح کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔ اوپر سے سونیا نے چیخ کر ایک چور سے کہا "نمبر چھتیس، ان لوگوں کو روکو۔ اس آدم خور کو مرنا نہیں چاہیے۔ اس کے ذریعے دوسرے آدم خوروں کا سراغ ملے گا۔"

نمبر چھتیس دوڑتا ہوا اس بھیڑ میں گیا۔ اس وقت وہ لوگ آدم خور کی اچھی خاصی پٹائی کر رہے تھے۔ جس کے ہاتھ میں چاقو تھا وہ چاقو استعمال کر رہا تھا۔ بھلا ایسی حالت میں وہ زندہ کیسے بچتا۔ جب نمبر چھتیس وہاں پہنچا تو آدم خور ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

سونیا ٹیلے سے اتر کر دوڑتی ہوئی ادھر آنے لگی۔ نمبر چھتیس نے غصے سے پوچھا "یہ کیا حماقت ہے۔ کس نے کہا تھا کہ اسے مار ڈالو؟"

ایک قد آور نوجوان نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "میں نے کہا تھا۔"

سونیا قریب آ گئی تھی۔ نمبر چھتیس اور اڑتیس نے اس کے سامنے اٹنشن ہو کر سلام کیا۔ سب حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے سونیا کی طرف دیکھنے لگے۔ نمبر اڑتیس نے کہا "میں اہلِ کیمپ کو یہ بتا دوں کہ یہی مادام سونیا ہیں جن کی آمد کی پیش گوئی ہم نے تھوڑی دیر پہلے کی تھی اور آپ لوگوں نے یقین نہیں کیا تھا۔"

اسی قد آور جوان نے آگے بڑھ کر پوچھا "جبھی تو میں تم سے پوچھ رہا تھا۔ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ عورت آنے والی ہے؟"

نمبر چھتیس نے ڈانٹ کر کہا "مسٹر ابرالو! عورت نہیں، مادام کہو۔ یہ ہماری محترم و معزز مادام سونیا ہیں۔ فرہاد کی سونیا۔ ہم ان کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہیں کریں گے۔"

ابرالو نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا "اور میں اس کیمپ کا لیڈر ہوں۔ مجھ سے بات کرتے وقت اپنا لہجہ درست رکھو۔"

ایک ادھیڑ عمر کا شخص تیزی سے لوگوں کو ہٹاتا ہوا سونیا کے سامنے آیا۔ پھر جھک کر سلام کرتے ہوئے ابرالو سے بولا "مسٹر ابرالو ڈرو، مادام سے ڈرو۔ اگر طبعی عمر گزار کر آرام سے مرنا چاہتے ہو تو مادام کے سامنے چیلنج کے انداز میں گفتگو نہ کرو۔ معافی مانگو۔"

ابرالو نے ایک طرف سے دوسری طرف گھومتے ہوئے تمام کیمپ والوں کو دیکھتے ہوئے کہا "اس شخص کی باتیں سنتے ہو۔ یہ مجھے ایک عورت سے ڈرا رہا ہے۔ کیا تم لوگوں نے کسی سونیا اور فرہاد کا نام سنا ہے؟"

سب خاموش رہے۔ شاید ان میں سے کوئی بھی مجھے اور سونیا کو نہیں جانتا تھا۔ پھر کچھ دیر سے ایک شخص نے کہا "ہم لوگوں کی زندگی اکثر جیل میں گزرتی ہے۔ اب ہماری اپنی حکومتوں نے ہمیں کالے پانی بھیج دیا ہے۔ یہ جزیرہ کالے پانی سے کیا کم ہے۔"

ایک اور نے کہا "یہ تو کالے پانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ یہاں آدم خور تک موجود ہیں۔"

تیسرے شخص نے کہا "بہرحال، ہم نے اپنی مرضی سے مسٹر

ابرالو کو اپنا کیمپ لیڈر بنایا ہے۔ پھر کوئی سونیا آئے یا فرہاد، ہم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ جو ابرالو سے برتر ہوگا وہی ہمارا لیڈر رہے گا۔"

ابرالو کے پاس کھڑے ہوئے ایک موٹے اور بھدّے سے آدمی نے کہا: "ابرالو سے برتر ہونے کے لیے پہلے ابرالو کے ہاتھوں مرنا ہوگا۔ پھر جنم لینا ہوگا۔ پھر ابرالو کے ہاتھوں مرنا ہوگا۔ پھر جنم لینا ہوگا۔ پھر....

اس کی پھر پھر کی تکرار پر سب لوگ ہنسنے لگے۔ سونیا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: "مجھے لیڈر بننے کا شوق نہیں ہے میں صرف اتنا کہتی ہوں کہ جو بھی لیڈر رہے وہ صرف اپنی طاقت پر گھمنڈ نہ کرے بلکہ ذہانت سے بھی کام لے۔ اگر اس آدم خور کو زندہ رکھا جاتا تو ہم اس کے ذریعے دوسرے آدم خوروں کا سراغ لگا سکتے تھے۔"

ابرالو نے کہا: "میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ یہ آدم خور ہماری زبان نہ تو بولتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں پھر یہ ہماری رہنمائی اپنے آدمیوں تک کیسے کرسکتا تھا؟"

وہ سب ابرالو کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ سونیا نے پھر بلند آواز سے کہا: "سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ ہم گونگے آدمیوں کے ذریعے بھی آدم خوروں تک پہنچ سکتے ہیں۔ کیا آپ لوگوں نے یہ نہیں سنا کہ ایک ذہین جاسوس، ایک معمولی سیفٹی پن یا پاؤں کے اور انگلیوں کے نشانات سے مجرموں تک پہنچ جاتا ہے؟"

سونیا کی باتوں پر لوگ ہاں، ہاں کے انداز میں سر ہلانے لگے۔ ابرالو نے کہا: "تم لوگ تھالی کے بینگن کی طرح اِدھر سے اُدھر کیوں لڑھکتے ہو۔ اتنا کیوں نہیں سمجھتے، وہ آدم خور اگرچہ انسان ہیں لیکن جانوروں کی طرح ہیں اور جانوروں کا شکار کرنے کے لیے کسی جاسوس کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ شکاری ہونا ضروری ہے اور میں بہت بڑا شکاری ہوں۔ یہ سب جانتے ہیں میں ان لوگوں تک پہنچ کر دکھاؤں گا۔"

چور نمبر اڑتیس نے کہا: "تم کیا دکھاؤ گے؟ ایک عورت اور دو مرد اب تک ہمارے کیمپ سے غائب ہو چکے ہیں۔ آج جینیفر بھی غائب ہونے والی تھی۔ اس طرح تو آہستہ آہستہ ہماری تعداد کم ہو جائے گی اور ہم ایک ایک کر کے ان کا لقمہ بنتے جائیں گے۔"

جینیفر نے سونیا کے قریب آکر، دونوں ہاتھ اٹھا کر مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "آج آدم خوروں سے سامنا ہونے کے بعد میرے دماغ میں بہت سی باتیں آرہی ہیں۔ وہ باتیں میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں۔ آپ توجہ سے سنیں اور مجھے جواب دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے کیمپ سے سب سے پہلے کرسٹی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ کہیں گھومنے گئی تھی۔ وہ دونوں کیمپ سے دور چلے گئے تھے۔ کرسٹی کے بوائے فرینڈ کے پاس بھرا ہوا ریوالور تھا۔ لیکن وہ واپس نہیں آئے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کے بوائے فرینڈ نے اس بھرے ہوئے ریوالور کو کیوں نہیں استعمال کیا؟"

ابرالو کے ایک آدمی نے کہا: "ہو سکتا ہے کہ اس نے فائر کیا ہو لیکن...."

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی جینیفر نے کہا: "اگر اس نے فائر کیا ہوتا تو اس کی آواز ہم تک ضرور پہنچتی۔"

دوسرے شخص نے کہا: "ہو سکتا ہے کہ اسے فائر کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔"

جینیفر نے کہا: "اس کے بعد پھر مسٹر رچمونڈ ہمارے کیمپ سے گئے۔ ہم نے منع بھی کیا لیکن انھوں نے فخر سے کہا کہ ان کے پاس بھری ہوئی رائفل ہے اور کارتوس کی پیٹیاں ہیں لیکن وہ بھی جانے کے بعد واپس نہیں آئے۔ کیا مسٹر رچمونڈ کو بھی فائرنگ کا موقع نہیں ملا تھا؟"

"ہاں، یہ سوچنے کی بات ہے۔" مجمع کے اندر لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔

جینیفر نے پھر چیخ کر کہا: "پہلے آپ میری پوری بات سن لیں۔ آج میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ جب ہم میں سے کوئی بھی کیمپ سے باہر اپنی رائفل یا ریوالور لے کر جاتا ہے تو کوئی چپ چاپ ہمارے ہتھیاروں کو خالی کر دیتا ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں جب آدم خوروں نے مجھ پر حملہ کرنے آئے تو میں نے ریوالور سے ان کا نشانہ لیا۔ ٹریگر کو دبایا لیکن چیمبر خالی تھا۔ میں بڑی حیران ہوئی کیونکہ جب میں کیمپ سے نکل رہی تھی تو اس سے آدھا گھنٹہ پہلے میں نے خود اپنے ہاتھوں سے ریوالور کے چیمبر کو بھرا تھا۔ پھر میں غسل کرنے اور لباس بدلنے میں مصروف ہوگئی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسی دوران کسی نے اسکے چیمبر کو خالی کر دیا تھا۔"

کسی نے پوچھا: "ایسا کون کرسکتا ہے؟"

کسی اور نے پوچھا: "ایسا کوئی کیوں کرے گا؟ کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

جینیفر نے چیخ کر کہا: "میں موت کے منہ سے نکل کر آئی ہوں۔ اس لیے تم سب سے بہتر جانتی ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی ایسا ایجنٹ موجود ہے، آدم خوروں کا ایجنٹ، جو ہمارے کیمپ سے ان کے لیے خوراک سپلائی کرتا ہے۔ آج میں یہاں نیچرل فوٹو گرافی کے لیے کیمرہ لے کر نکلی تھی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہمارے درمیان چھپا ہوا کوئی ایجنٹ میرے ریوالور کے چیمبر کو خالی کر دے گا۔ مجھے میری لاعلمی میں آدم خوروں کا لقمہ بنا دے گا۔"

ابرالو نے غصے سے ہاتھ جھٹک کر کہا: "تم بکواس کرتی ہو۔ اس کیمپ میں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔ ہم ایک ایک کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

سونیا نے کہا: "جاننا اور بات ہے، پہچاننا اور بات ہے جینیفر کی بات قابلِ غور ہے۔ اگر اس خفیہ ایجنٹ کو تلاش نہ کیا گیا تو کیمپ کے لوگ آہستہ آہستہ آدم خوروں کی خوراک بنتے جائیں گے۔"

ابرالو کے پاس کھڑے ہوئے فیٹ مین نے کہا: "ابھی جینیفر نے کہا ہے کہ ہمارا ایک ساتھی رائفل اور کارتوس کی پیٹیاں لے کر گیا تھا سوچنے کی بات ہے کہ رائفل کیسے خالی کی جا سکتی ہے۔ اگر رائفل خالی کی گئی تھی، تو اس کے پاس کارتوس کی پیٹیاں تھیں۔ دراصل آدم خور اس طرح اچانک حملہ کرتے ہوں گے کہ جوابی حملے کا موقع ہی نہیں ملتا ہوگا۔"

چور نمبر چھتیس نے کہا: "مسٹر فیٹ مین! تم باتیں نہ بناؤ۔ یہ درست ہے کہ ریوالور کے چیمبر خالی کر دیے جاتے ہیں۔ رہ گیا رائفل اور کارتوس کی پیٹیوں کا معاملہ، تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ رائفل میں کوئی خرابی پیدا کر دی گئی ہوگی۔ جس کی وجہ سے وہ رائفل کو استعمال نہیں کر سکا۔"

سونیا نے مجھے مخاطب کیا: "فرہاد! کیا تم خیال خوانی کے ذریعے اس خفیہ ایجنٹ تک نہیں پہنچ سکتے؟"

"میں باری باری ہر ایک کے دماغ میں پہنچ چکا ہوں۔ ابرالو اور اس کے ساتھی فیٹ مین کے دماغ میں بھی جھانک کر دیکھا ہے۔ یہ لوگ خفیہ ایجنٹ نہیں ہیں لیکن کوئی ایجنٹ ضرور موجود ہے کیمپ میں جا کر پتہ لگانا ہوگا۔ تم لوگ وہاں سے کیمپ کی طرف جاؤ۔"

سونیا نے چھتیس نمبر سے پوچھا: "کیا کیمپ میں اتنے ہی لوگ ہیں، جتنے یہاں نظر آرہے ہیں؟"

اس نے جواب دیا: "یہاں جتنے ہیں ان سے دوگنی تعداد میں وہاں ہیں چلیے، ہم چلیں۔"

وہ دونوں چوروں اور جینیفر کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی چلنے لگے۔ ابرالو نے چلتے چلتے سونیا کے قریب آکر کہا: "مجھے افسوس ہے کہ ہمارے درمیان تلخ کلامی ہو گئی۔ ہمیں دوست بن کر رہنا چاہیے۔ کیا کروں میں اپنے سے برتر کسی کو تسلیم نہیں کر سکتا۔"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا: "چلو، میں بھی تمھیں اپنے سے برتر تسلیم کر رہی ہوں۔"

"مجھے فرہاد سے برتر تسلیم کرو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "دیکھو ابرالو! تم یہاں ایسے کارنامے انجام دو کہ لوگ خود بخود تمھیں اپنا بڑا تسلیم کرلیں۔ یوں زبانی ہیرو بننے سے کیا فائدہ؟"

"تم میری توہین کر رہی ہو۔ میں صرف زبانی ہی نہیں عملی طور پر بھی ہیرو ہوں اور یہ بات ثابت کر سکتا ہوں۔ کیا آج رات میرے ساتھ...."

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اچانک سونیا کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا، وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے چلا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت کا ہاتھ اتنا زبردست ہوگا۔ آواز ایسی تھی کہ سب لوگ چونک گئے اور دور ہٹنے لگے۔ ابرالو کا ساتھی فیٹ مین سونیا پر حملہ کرنے جا رہا تھا کہ ایک چور نے اپنی ٹانگ پھنسادی۔ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ ابرالو نے چیخ کر کہا: "نہیں، فیٹ مین! تم ایک طرف کھڑے رہو گے۔ ہمارے کیمپ کے دستور کے مطابق، مجھے زبانی چیلنج کرنے والا یا مجھ پر ہاتھ اٹھانے والا ہمارے کیمپ کا لیڈر بنے گا بشرطیکہ وہ زندہ رہ سکے۔" اس نے بڑی سفاکی سے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں سونیا کو یوں دیکھا جیسے ایک کمزور عورت نے مرد کو للکار کر بڑی غلطی کی ہو۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر رُک گیا۔ پھر اسے گھورتے ہوئے بولا: "مجھے تم پر ترس آتا ہے۔ میں دو ہی صورتوں میں تمھیں زندہ چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آج رات تم میرے ساتھ گزارو، اور دوسری صورت یہ......"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سونیا دوسری طرف گھوم گئی۔ اس نے سمجھا کہ وہ ناراض ہو کر جا رہی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے سونیا نے گھوم کر ایک لات اس کے منہ پر ماری۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس بار اس کی باچھوں سے خون رس رہا تھا۔ سونیا نے کہا: "رات ابھی دور ہے۔ میرے ساتھ دن ہی گزار لو تو بہت ہے۔"

اچانک ہی ابرالو نے حملہ کیا۔ پھر دوسرا حملہ کیا، اس کے بعد تیسرا حملہ۔ لوگ دیکھ رہے تھے، پیچھے ہٹ رہے تھے۔ سونیا پینترے بدل رہی تھی۔ تماشا دیکھنے والوں کی دلچسپی بڑھتی جارہی تھی۔ ابرالو کا ایک ہاتھ بھی سونیا تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس نے فلائنگ کِک بھی استعمال کی تھی لیکن خود ہی فضا میں اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ کر گر پڑا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: "ابرالو! میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ اپنی عمر اطمینان سے گزار کر طبعی موت مرو۔ حرام موت مرنا اچھی بات نہیں ہے۔ اب بھی دوستی کر لو۔"

کسی نے چیخ کر کہا: "اب دوستی نہیں ہو سکتی، چیلنج ہو چکا ہے۔ عمل ہو رہا ہے۔ اس فائٹ میں زندہ رہنے والا ہمارا کیمپ لیڈر بنے گا۔"

ابرالو، فلائنگ کِک کے نتیجے میں گرنے کے بعد اب سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا اور سونیا کو سوچتی ہوئی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ وہ سوچ رہا تھا: "یہ کوئی معمولی عورت نہیں۔ جو تعریفیں سنی ہیں، اسی کے مطابق نظر آتی ہے۔ اس پر سنبھل کر حملہ کرنا پڑے گا۔ جوش میں آنا بہت بڑی غلطی ہوگی۔"

یہ سوچتا ہوا، پینترے بدلتا ہوا وہ سونیا کے قریب آیا پھر اس نے ایک دم سے گھوم کر کراٹے کا ہاتھ مارنا چاہا مگر سونیا اس جگہ نہیں تھی۔ اس کی آواز سنائی دی: "میں یہاں ہوں۔"

اس نے فوراً ہی گھوم کر دیکھا وہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ اسے پھر غصہ آگیا۔ بے شک غصہ آدمی کے دماغ کو بے کار کر دیتا ہے۔ ابرالو اچھا فائٹر تھا۔ قد آور، صحت مند لیکن صرف جسمانی طاقت

استعمال کرنے سے کوئی اپنے مقابل پر کبھی سبقت نہیں لے جاسکتا۔ یہی وجہ تھی کہ سونیا اپنے لڑنے کے فن کو برائے نام استعمال کر رہی تھی۔ صرف اس کی حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہی تھی اور اسے خود ہی ذلیل ہونے کا موقع دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہانپنے لگا۔ پریشان ہو ہو کر حملے کرنے لگا۔ وہ شکست تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی برتری اور لیڈرشپ برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ جو اس سے چھنتی نظر آرہی تھی۔

اس نے آخری بار کوشش کی کہ کسی طرح سونیا کو زیر کر دے۔ کم از کم ایک دو ہاتھ ایسے جمادے کہ وہ زخمی ہو جائے مگر اس کی حسرت پوری نہ ہو سکی۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی حربہ کام نہیں آرہا۔ سارے داؤ پیچ بے کار ہو رہے ہیں تو اس نے یکبارگی اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ تب میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔

اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھتے ہی سب لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ایک ادھیڑ عمر والا کہنے لگا "یہ غلط ہے، تمہیں خالی ہاتھ مقابلہ کرنا چاہیے یا پھر مادام سونیا بھی اپنا پستول استعمال کریں۔"

سونیا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "میں نے اپنا پستول رکھ لیا ہے۔ خواہ مخواہ گولیاں ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ یہ پاگل کا بچہ یا تو اپنی برتری کے غرور سے باز آجائے گا یا اپنے ہی ریوالور سے خودکشی کر لے گا۔"

اس نے چیخ کر کہا "میں تم سے برتر ہوں۔ میں مرد ہوں۔ میں شہ زور ہوں۔"

اس ادھیڑ عمر کے شخص نے کہا "بے وقوف! یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ شہ زور صرف مرد ہو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں بہت سی بیویاں اپنے شوہروں کی پٹائی کرتی ہیں۔ اس وقت مرد کی شہ زوری کہاں چلی جاتی ہے؟"

اس کی بات پر سب ہنسنے لگے پھر اچانک ہی انہیں خیال آیا کہ سچویشن بڑی گمبھیر ہے۔ ہنسنے کا موقع نہیں ہے۔ ابرالو کے ہاتھ میں ریوالور اب بھی موجود تھا۔ تب ابرالو نے اپنے ریوالور کی نال کا رخ اپنی کنپٹی کی طرف کر لیا۔ سونیا نے کہا "دیکھو، ابرالو! اب بھی وقت ہے۔ مرنے سے پہلے اپنی حماقتوں سے باز آجاؤ۔ میں اب بھی تمہیں کیمپ لیڈر تسلیم کرلوں گی۔ مان لو کہ غرور کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔"

میں نے اس کے دماغ میں کہا "مجھے افسوس ہے میں اسے اچھی طرح ٹٹول چکا ہوں۔ اس کے دماغ میں یہی بات ہے کہ تم سے شکست کھانے کے بعد ... کم تر ہو کر نہیں رہے گا کسی وقت بھی کوئی سازش کرے گا اور تمہاری جان کا دشمن ہو جائے گا۔ اس لیے اس کا زندہ رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

دوسرے ہی لمحے گولی چل گئی۔ قصہ تمام ہو گیا۔ جنگل کے سناٹے میں دیر تک فائر کی آواز گونجتی رہی۔ دیر تک لوگوں پر سکوت طاری رہا۔ پھر جوبر بز اڈتیس نے بلند آواز سے کہا "جو کیمپ لیڈر تھا۔ وہ دستور کے مطابق چیلنج کے بعد ختم ہو چکا ہے۔ مادام سونیا اب ہماری لیڈر ہوں گی کسی کو اعتراض ہو تو وہ آواز بلند کرے۔"

کتنے ہی لوگوں نے آوازیں بلند کیں۔ لیکن وہ آوازیں سونیا کی حمایت میں تھیں۔ تمام عورتیں سونیا کے پاس دوڑتی ہوئی آگئی تھیں اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہی تھیں۔ سونیا نے کہا "کیمپ چلو۔ وہاں، اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

وہ کیمپ کی طرف جانے لگے میں سونیا سے رخصت ہو کر دماغی طور پر لانچ میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت لانچ سمندر کے سینے پر تیر رہی تھی۔ میں نے میک اپ بکس اٹھا لیا۔ پھر میک اپ کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے بہروپیے فرہاد کی خبر لیتا رہا۔

اس وقت وہ مرجانہ کے ساتھ ایک بحری جہاز میں پہنچ گیا تھا۔ وہ بحری جہاز وہی تھا جو جزیرۂ الدبرا کے قریب لنگر انداز تھا۔ جہاں تقریباً دو سو مسلح جوان تھے۔ وہاں دو مشین گنیں اور ہیلی کاپٹر موجود رہتے تھے جن میں سے ایک ہیلی کاپٹر پر مرجانہ اس بہروپیے کے ساتھ وہاں پہنچی تھی۔

اس بحری جہاز میں جتنے لوگ تھے انھوں نے بہروپیے کو فرہاد سمجھ کر اپنی مسلح طاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ سب نے ہتھیار پہن لیے تھے اور فوجی پریڈ دکھائی تھی مرجانہ اسے عرشے پر لے گئی تھی۔ جہاں ہیلی کاپٹر اترتا تھا۔ شمالاً جنوباً کچھ مشین گنیں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا "اس طرف سے کوئی جہاز یا ہیلی کاپٹر ہماری اجازت کے بغیر الدبرا نہیں جاسکتا۔"

بہروپیے نے سوال کیا "جزیرے کے دوسری طرف سے تو داخل ہو سکتا ہے؟"

"چاروں طرف سخت پہرہ ہے۔ بہت سی موٹر بوٹس اور گن بوٹس اس کے چاروں طرف گشت کرتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ جزیرے کے دوسرے ساحل پر بھی ایک ایک مشین گن لگی ہوئی ہے۔ وہاں تک صرف تمہاری ٹیلی پیتھی جاسکتی ہے اور صرف ٹیلی پیتھی تمہارا کچھ بھلا نہیں کرے گی۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا تو بچہ مجھے مل جائے گا۔"

"تم میری بات مان کر آگئے ہو تو یقیناً بچہ اب تمہیں ملے گا۔"

بہروپیے نے ہنستے ہوئے کہا "مرجانہ! میں اب بھی تمہیں خبردار کرتا ہوں۔ تم یا تو خود دھوکہ کھا رہی ہو اور نادانستگی میں مجھے بھی پھنسا رہی ہو یا پھر تمہیں معلوم ہے کہ وہاں جانے کے بعد میں یہاں کا قیدی بن جاؤں گا اور واپس نہیں آسکوں گا۔ دو میں سے ضرور کوئی ایک بات ہے۔ مجھے اپنا دماغ پڑھنے دو۔ میں ابھی حقیقت معلوم کرلوں گا۔"

"نہیں، تم میرے دماغ میں نہیں گھس سکتے۔"

"کیوں نہیں گھس سکتا؟ کیا تم نے صرف دل سے مجھے قبول

[کیا] ہے، دماغ سے قبول نہیں کیا؟"

"تم نہیں جانتے، میرا دماغ بہت زیادہ حساس ہے میں ایسا [محس]وس کرتی ہوں جیسے میں حمام میں ہوں اور کوئی گھس آیا ہے میں [بر]داشت نہیں کر سکتی۔"

"کیا ہمارے درمیان اب کوئی پردہ رہ گیا ہے؟"

"دنیا کی کوئی بھی عورت ہو اپنے مرد سے چھپتی ضرور ہے۔ یہ [چھپ]نا، یہ شرمانا، اپنے آپ کو راز بنا کر رکھنا عورت کی فطرت [او]ر اس کی گھٹی میں شامل ہے۔"

بہروپیے نے چپ ہو کر سوچ کے ذریعے مجھ سے کہا۔ [ف]رہاد صاحب! یہ تو دماغ کے دروازے کھولنا نہیں چاہتی حقیقت [ک]ا علم کیسے ہوگا؟"

"حقیقت یہی ہے کہ وہاں تمہیں فرہاد سمجھ کر پھانس لیا جائے [گ]ا۔ قیدی بنایا جائے گا اسی لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ [ی]ہ اپنے دماغ میں آنے نہیں دیتی تو یہ بے چاری مجبور ہے برین واشنگ کے ذریعے اس کے دماغ کو بہت زیادہ حساس بنایا گیا ہے اجنبی [س]وچ کی لہریں پہنچتی ہیں تو یہ بے چین ہو جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی انجانے بوجھ سے جان نکلی جا رہی ہو۔ یہ ہمارے مطلب کی [ب]ات سوچنے کے بجائے اس غیر معمولی بات کو سوچنے لگتی ہے اور ہمارا [م]قصد حل نہیں ہوتا۔"

بہروپیے نے مرجانہ سے پوچھا "بحری جہاز کی سیر ہو چکی تم [ن]ے مجھے یہاں کی فوج، یہاں کے ہتھیار اور یہاں کے انتظامات [د]کھا کر مرعوب کر دیا ہے۔ اب بتاؤ، جزیرے میں کب لے چلو گی؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ بڑی محبت سے مسکرا کر بولی "ہم آج کی رات یہاں گزاریں گے کل صبح [و]ہاں جائیں گے۔"

بہروپیے نے فوراً ہی اپنے ہاتھ کو چھڑا کر کہا "مرجانہ! تم بہت عرصے بعد تبدیلی میں ملی تھیں اور ایک نئے روپ، نئے انداز [س]ے ملی تھیں۔ اس لیے میں نے تمہاری خوشی کے لیے تمہارا دل رکھ لیا تھا۔ ورنہ میرے دل میں جھانک کر دیکھو، میں اپنے بچے کے لیے بہت فکر مند ہوں جب تک میرا بچہ مجھے نہیں ملے گا، [م]یں تمہارے ساتھ ایک منٹ بھی فالتو نہیں گزاروں گا۔"

وہ اس کے قریب ہو کر بولی "کیا مجھ سے زیادہ بچے سے پیار ہے؟"

"کیا مجھے اپنے بچے سے محبت نہیں ہونا چاہیے؟"

"ہاں، ضرور۔ مگر میں ..."

بہروپیے نے اچانک ہی رومانٹک انداز میں کہا "تم تو میرے دل کی دھڑکن ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں جب ہم بچے کو لے کر وہاں سے نکل آئیں گے تو پھر میں تمہارے ساتھ ہی ساری عمر گزار دوں گا۔ سونیا کو چھوڑ ہی چکا ہوں۔ رسونتی بھی میرے دل سے اتر گئی ہے۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے ایک تم ہی رہ گئی ہو تم سے وفا کا وعدہ کرتا ہوں۔"

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں، تمہارے لیے جان دے دوں گی مگر تم سے بے وفائی کبھی نہیں کروں گی۔"

"تو پھر میری بات مانو اور جلد سے جلد جزیرے میں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی روانگی کا انتظام کرتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ وہیں ایک نوجوان کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا میں نے بہروپیے کو ہدایت دی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے میری ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ نوجوان سے سگریٹ طلب کیا۔ اس سے بات کی اور میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر اس کے دماغ پر قابض ہو کر ادھر گیا۔ جدھر مرجانہ گئی تھی۔ وہ ایک کیبن میں آفیسر کے پاس بیٹھی ہوئی کہہ رہی تھی "اس کیبن کے آس پاس سخت پہرہ ہے فرہاد ادھر نہیں آسکے گا۔ ہم اطمینان سے باتیں کر سکتے ہیں۔"

آفیسر نے کہا "ہاں، وہ میرے کیبن کی طرف نہیں آسکے گا۔ یہ بتاؤ ابھی تم آج رات یہاں گزارنا چاہتی تھیں پھر فوراً جزیرے میں جانے کا فیصلہ کیوں کر رہی ہو؟"

مرجانہ نے جواب دیا "فرہاد اپنے بچے کے لیے بہت بیقرار ہے۔ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے اپنے سینے سے لگانا چاہتا ہے۔ آخر باپ ہے۔ اس کے بغیر وہ میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکے گا۔"

آفیسر نے اس سے کہا "ہم بھی بہت بے قرار ہیں فرہاد کی دوستی کے بغیر سکون سے نہیں رہ سکتے۔ وہ دوستی کے لیے کیا کہتا ہے؟"

"رفتہ رفتہ وہ دوست بن جائے گا۔ جب میں نے اسے اپنا لیا ہے تو پریشانی کس بات کی ہے؟"

"تم نے اسے اپنا لیا ہے لیکن تمام عمر کے لیے پابند نہیں کیا ہے اصل مقصد تو اسے اپنا پابند بنانا ہے۔ دنیا کی کوئی عورت اسے اپنے حسن کے جال میں قید نہیں کر سکتی۔ وہ کتنے ہی جال توڑ کر نکل چکا ہے اس کو پابند بنانے اور ہمیشہ پابہ زنجیر رکھنے کے لیے ایک آخری راستہ رہ گیا ہے اور وہ ہے اس کا بیٹا۔"

مرجانہ نے پوچھا "تو کیا اسے قیدی بنایا جائے گا اس جزیرے میں جانے کے بعد پھر وہاں سے نکلنے نہیں دیا جائے گا؟"

"تم کیا چاہتی ہو؟ پہلے تو تم نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ جزیرے میں پوری زندگی گزار لو گی۔"

"اب بھی یہی کہتی ہوں۔ لیکن وہ ہمیشہ ایک ہی جگہ نہیں رہے گا۔ وہ ملک ملک کی سیر کرنے والا آوارہ گرد ہے۔ آخر حرج کیا ہے۔ میں اسے اور اس کے بچے کو جہاں لے کر جاؤں گی جیوش سوسائٹی

کے لیے کام کرتی رہوں گی۔ میری وفاداری پر آپ لوگوں کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"بے شک تم پر ہم کبھی شبہ نہیں کرسکتے۔ تمھارا ذہن ایسا ہے کہ تمھیں ہماری طرف سے بہکایا نہیں جاسکتا۔ ہمارا مخالف نہیں بنایا جاسکتا لیکن فرہاد کسی وقت بھی تم سے رسی تڑا کر بھاگ جائے گا۔"

"تو پھر اس کا برین واش کر دو اور یہ قصہ ہی ختم کر دو۔"

"ابھی ہم برین واشنگ کے سلسلے میں کچھ ضروری تحقیقات کر رہے ہیں، تجربات کر رہے ہیں۔ تمھارے ساتھ بھی یہی تجربہ کیا گیا ہے۔ ہم سوچتے تھے کہ جب برین واشنگ ہوگی تو تم لڑنے کے فن کو بھول جاؤ گی۔ پھر ہم نے اپنے طریقہ کار کے مطابق رفتہ رفتہ تمھارے دماغ کے سامنے جوڈو کراٹے کے تمام داؤ پیچ پیش کیے۔ فلموں میں بھی سلو موشن کے ذریعے تمھارے اس آرٹ کو تازہ کیا گیا۔ رفتہ رفتہ تمھیں بھی عملی طور پر آزمایا گیا پھر یہ بات سامنے آتی گئی کہ تمھیں جوڈو کراٹے کے فن کی ایک ایک باریکی، ایک ایک داؤ پیچ یاد آتے جارہے ہیں۔"

مرجانہ نے پوچھا "فرہاد کی برین واشنگ کے بعد اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کو کیسے تازہ کیا جائے گا؟"

"ہم اسی فکر میں ہیں اور اس کے لیے طریقہ کار کا تعین کر رہے ہیں۔ جہاں تک تمھارے لڑنے کے آرٹ کا تعلق ہے۔ وہ ایک جسمانی مظاہرہ ہے۔ ہم نے یہ جسمانی مظاہرہ کسی دوسرے کے ذریعے تمھارے سامنے پیش کیا۔ تمھارے ذہن میں اسے تازہ کیا لیکن ٹیلی پیتھی ایسا مشکل فن ہے کہ فرہاد کے دماغ میں اسے دوبارہ تازہ کرنے کے لیے کوئی دوسری ہستی اسے پیش نہیں کرسکے گی۔ ہاں، اب رسونتی کے ساتھ فرہاد بھی اس جزیرے میں پہنچ جائے گا۔ پھر ہم اس مرحلے سے گزریں گے۔ یعنی پہلے فرہاد کی برین واشنگ ہوگی اور رسونتی کے ذریعے اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد فرہاد مکمل نئے دماغ کے ساتھ ہمارا دوست، ہمارا حمایتی بن جائے گا۔ پھر ہم رسونتی کی برین واشنگ کریں گے اور فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کی صلاحیتوں کو بحال کرے گا۔ اس طرح وہ دونوں ہمارے وفادار ہو جائیں گے اور ان کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں بھی برقرار رہیں گی۔"

مرجانہ نے کچھ سوچ کر کہا "پہلے رسونتی کی برین واشنگ ہونا چاہیے تاکہ فرہاد اس کے نئے دماغ میں ٹیلی پیتھی کو دوبارہ بحال کرے اور یہ بات آپ لوگوں کے سامنے آجائے کہ اس طرح کامیابی ہوتی ہے یا نہیں۔"

آفیسر نے کہا "نہیں، پہلے فرہاد کی برین واشنگ ہوگی۔ رسونتی ہماری وفادار ہے اور اپنے بچے کی خاطر بھی وفاداری پر مجبور رہے۔ جب فرہاد کا نیا دماغ ہوگا تو رسونتی ہماری وفاداری کی مناسبت سے اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں پیدا کرے گی۔"

آفیسر نے ایک ذرا توقف کے بعد کہا "یا اس طرح سمجھ لو کہ اگر ہم نے پہلے رسونتی کی برین واشنگ کی اور فرہاد سے اس کے دماغ میں ٹیلی پیتھی کی بحالی کے لیے کہا تو وہ رسونتی کو ہمارے خلاف بھڑکا دے گا۔ اس کے دماغ میں جو صلاحیتیں پیدا کرے گا وہ ہمارے بے فائدہ ہوں گی۔ ہم فرہاد پر اس وقت تک بھروسہ نہیں کرسکتے جب تک کہ اس کی برین واشنگ نہ ہو۔"

مرجانہ نے کہا "لیکن رسونتی کا دماغ کمزور ہو چکا ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہماری کوئی مدد نہیں کرسکے گی۔ ایسا نہ ہو کہ ادھر فرہاد کی برین واشنگ ہو اور اُدھر رسونتی کے دماغ کی کمزوری فرہاد کو بھی لے ڈوبے۔"

"مرجانہ! اسی لیے ہم اتنی دیر کر رہے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ رسونتی دماغی طور پر صحت مند ہو جائے تو ہم یہ کام کریں۔ بہرحال تم فرہاد کو لے کر جزیرے میں جاسکتی ہو۔"

میں نے اپنے اس آلہ کار کو آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے پریشان ہو کر اپنے آس پاس دیکھا اور تیزی سے چلتا ہوا کیبن سے دور چلا گیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ اپنی حماقت کا ذکر اپنے افسران سے نہیں کرے گا۔ ورنہ اسے گولی ماردی جائے گی۔ میں بہروپیے کے پاس آکر مرجانہ اور آفیسر کے درمیان ہونے والی گفتگو سنانے لگا۔ پھر اسے سمجھا دیا "دیکھو جب تم جزیرے میں جاؤ تو نیچرل ایکٹنگ کرو۔ رسونتی سے نفرت ظاہر کرنا ایک قدرتی بات ہوگی کیونکہ اس نے تمھیں دھوکا دیا اور دشمنوں کی دوست بن گئی۔ دوسری طرف بچے سے بے انتہا محبت ظاہر کرتے رہو۔ پھر رفتہ رفتہ اپنے آپ کو یوں پیش کرو جیسے بچے کی محبت سے مجبور ہو کر تم نے رسونتی کی خطائیں معاف کردی ہیں۔ کچھ ایسی ایکٹنگ بھی کرتے رہو جیسے یہودیوں کے طرز عمل سے متاثر ہو رہے ہو اور ان کی طرف مائل ہوتے جارہے ہو۔ اس طرح وہ تمھیں بالکل ہی قیدی بنا کر نہیں رکھیں گے اور نہ ہی تمھارے دشمن بنے رہیں گے۔ اس عرصے میں میں اور سونیا نیچے تک پہنچ جائیں گے۔"

میں اس سے باتیں کر رہا تھا کہ مرجانہ وہاں پہنچ گئی۔ میں اس سے رخصت ہو کر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ میک اَپ مین نے میرا چہرہ تبدیل کردیا تھا۔ میں رسونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ منجالی کے زہر نے اپنا اثر دکھایا تھا۔ وہ ہوش میں تھی لیکن اس کا دماغ اس حد تک کمزور ہو گیا تھا کہ رہ رہ کر سر چکرانے لگتا تھا۔ وہ کچھ سوچنا چاہتی تھی تو سر دُکھنے لگتا تھا۔ اس حالت میں اسے صرف بچے کا خیال تھا۔ آخر ماں تھی۔ اسی کو یاد کرتی تھی۔ اس نے نحیف آواز میں پکارا تھا تب لیڈی ڈاکٹر روزا نے بچے کو اس کے پاس لے آئی تھی۔ اور اس کے پاس سلا دیا تھا۔

اب وہ کروٹ بدل کر، اپنے بچے کی طرف منہ کرکے بڑی ممتا بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ بڑی کمزوری سے اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ کو اس کے سر پر رکھ رہی تھی۔ اس کے سر کو سہلا رہی تھی۔ اس کی کمزور سی سوچ بتا رہی تھی کہ ہمارا بیٹا کتنا خوبرو ہے۔ میں اس کے ذریعے اپنے بیٹے کے ناک نقشے کو سمجھ رہا تھا۔ یہ بھی معلوم کر رہا تھا کہ وہ پیدائش کے وقت سے ہی صحت مند ہے اور اچھے ڈیل ڈول والا قد آور جوان نکلے گا۔

میں اس کے دماغ میں تھا لیکن اس سے بولنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی طرف سے دل پھر گیا تھا۔ اگرچہ وہ میرے بچے کو بھرپور محبت سے دے رہی تھی۔ بڑے ہی ممتا بھرے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اسے پیار کر رہی تھی لیکن اب میں ایسی ماں کے سائے میں اپنے بچے کی پرورش گوارا نہیں کرسکتا تھا۔

اتنے میں منجالی آگئی۔ اس نے پلنگ کے کنارے گھٹنے ٹیک کر بچے کی طرف جھکتے ہوئے کہا "مادام! کتنا پیارا بچہ ہے۔ میں آپ کو اب تک مبارک باد نہ دے سکی۔ آپ کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔"

رسونتی نے کہا "میں خود پریشان ہوں۔ پتہ نہیں۔ میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک خیال رہ رہ کر آتا ہے مگر سوچتی ہوں ایسا نہیں ہوسکتا۔"

منجالی نے پوچھا "کیا نہیں ہوسکتا؟"

"یہی کہ شاید فرہاد نے موقع پاکر کسی طرح میرے دماغ کو کمزور کر دیا ہے۔ زچگی کے دوران میں بے بس تھی۔ فرہاد کی سوچ کی لہروں کو دماغ میں آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ اسی وقت اُس نے کوئی ایسی حرکت کی ہے جو اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"کیا فرہاد صاحب آپ کے دماغ میں آئے تھے؟"

"جب سے مجھے ہوش آیا ہے۔ میں نے ان کی سوچ کی لہروں کو محسوس نہیں کیا ہے۔ کاش وہ ایک بار آجاتے۔ میں گڑگڑا کر ان سے معافی مانگوں گی۔ مجھے یقین ہے، وہ مجھ سے ناراض ہونے کے باوجود اس بچے کی خاطر مجھے معاف کردیں گے۔"

"مادام! لیکن آپ اپنے بیٹے کو میری طرح زہریلا بنانا چاہتی تھیں۔ اب ایسا کیسے ہوگا؟"

رسونتی نے پوچھا "کیوں نہیں ہوگا؟"

"فرہاد صاحب آپ کے دماغ میں پہنچ کر معلوم کرلیں گے کہ آپ بچے کو کیا بنا رہی ہیں۔"

رسونتی نے ایک گہری سانس لی۔ پھر بولی "یہ تو میں بھول ہی گئی۔ فرہاد کو اب معلوم ہو جائے گا۔ وہ میرے دماغ میں آئیں گے تو میں خود ہی ان سے ذکر کروں گی، ضد کروں گی کہ وہ بچے کو ایک غیر معمولی انسان بنانے میں میرا ساتھ دیں۔"

منجالی نے کہا "ان کے ساتھ دینے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک آپ جسمانی اور دماغی طور پر صحت مند نہیں ہوں گی اس وقت تک آپ زہر کو کیسے برداشت کریں گی۔ آپ برداشت نہیں کریں گی تو آپ کا بیٹا بھی برداشت نہیں کرسکے گا۔ اسے جو کچھ حاصل ہوگا وہ ماں کے دودھ سے حاصل ہوگا۔"

رسونتی نے ایک ہاتھ سے اپنے سر کو تھام لیا اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بولنے لگی "فکر کی بات ہو۔ پریشانی ہو تو میرا سر بُری طرح چکرانے لگتا ہے میں کیا کروں؟ کیا ہو گیا ہے میرے دماغ کو؟"

منجالی انجان بنی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کو تھام کر، کبھی اس کے سر کو سہلا کر تسلیاں دے رہی تھی۔ اسی وقت وہاں کی ملازمہ ساریکا نے آکر کہا "مادام! آپ کے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری ہے۔ اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں عرض کروں۔"

رسونتی نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا اور کہا "دنیا کی سب سے زود اثر ٹانک خوشخبری ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو ٹھیک ہو جائے گی۔ سناؤ۔"

اس نے سر جھکا کر، پھر سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا "فرہاد صاحب، جلد ہی تشریف لانے والے ہیں۔"

"سچ؟" رسونتی خوش ہو کر اپنے ہاتھوں کے بل پر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ منجالی نے اسے سہارا دیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے پوچھا "کب آرہے ہیں؟"

"ابھی اطلاع ملی ہے۔ مس مرجانہ انھیں اپنے ساتھ لے کر یہاں پہنچنے ہی والی ہیں۔"

رسونتی نے بچے کو دیکھا۔ پھر اپنے کپڑوں کو اِدھر اُدھر سے چھو کر دیکھتے ہوئے کہنے لگی "میرے کپڑے کیسے ہوگئے ہیں، دوسرا لباس لاؤ، مجھے آئینہ دکھاؤ، میں کیسی لگ رہی ہوں؟ بچے کے لیے کچھ کرو۔ میرا مطلب ہے، اس کے لیے کہیں سے کاجل لاؤ، میں اسے ایک دم سے گڈا بنا کر پیش کرنا چاہتی ہوں۔ انھیں یہ دکھانا چاہتی ہوں کہ میں نے ان کے لیے کتنے خوبصورت بیٹے کو جنم دیا ہے۔ یہ تحفہ اتنا خوبصورت، اتنا پائیدار ہے جو اُن کی آیندہ نسلوں کو قائم اور دائم رکھے گا۔ میں، میں کیا کروں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ چلو جلدی سے مجھے بناؤ، سنوارو، ڈاکٹر روزا کہاں ہے؟ جیفر کو بلاؤ۔"

ساریکا نے کہا "روزا آنے والی ہیں۔ جیفر کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔ اسے جزیرے سے باہر لے گئے ہیں۔"

ضرورت سے زیادہ خوشی حاصل ہو تو دماغ قابو میں نہیں رہتا۔ رسونتی کا دماغ پہلے ہی بے قابو تھا۔ اب پھر چکرانے لگا۔ خوشی کے ساتھ یہ بُری خبر بھی تھی کہ جیفر کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ وہ تھکے ہوئے انداز

میں سانس لے رہی تھی۔ پھر اُس نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا "کیا واقعی جیفر کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ کیا فرہاد اس کے دماغ تک پہنچ گئے تھے؟"

"مادام، ہم کچھ نہیں جانتے لیکن کچھ گڑبڑ ہو گئی تھی اس لیے انھیں جزیرے سے نکال دیا گیا ہے۔"

رسونتی کچھ مایوس ہو گئی۔ منجالی نے جلدی سے کہا "مادام! کیا آپ کو صاحب کے آنے کی خوشی نہیں ہے۔ آپ نے ایسا منہ کیوں بنا لیا ہے؟"

وہ جلدی سے خوش ہو کر بولی "ہاں ہاں! مجھے بہت خوشی ہے۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ مرجانہ انھیں اپنے ساتھ کیسے لا رہی ہے؟ کیا انھوں نے مرجانہ کو معاف کر دیا ہے؟"

منجالی نے کہا "یقیناً معاف کر دیا ہوگا۔"

رسونتی نے خوش ہو کر کہا "پھر تو میں بیوی ہوں۔ مجھے تو وہ فوراً ہی معاف کر دیں گے۔"

میں اس کی خوش فہمی پر مسکرایا۔ اس کے پاس سے چلا آیا۔ تھوڑی دیر بعد جانے کا ارادہ تھا۔ ابھی وہ بننے سنورنے میں مصروف تھی اور اپنے آپ کو اور اپنے بچے کو بہت ہی خوبصورت بنا کر میرے سامنے پیش کرنا چاہتی تھی۔ میں لانچ کے عرشے پر آگیا۔ ابھی شام کا وقت تھا۔ رات ہونے میں دیر تھی۔ دور بہت دور آسمان پر گدھ اڑتے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کپتان سے پوچھا "کیا وہاں زمین کا حصہ ہے؟"

"جی ہاں، یہ وہی جزیرہ ہے جہاں ہم جا رہے ہیں۔ ہم تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔"

میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر کہا "میں تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔ تم چند ساتھیوں کو لے کر مغربی کنارے کی طرف آؤ۔"

وہ اس وقت کیمپ میں ایک ایزی چیئر پر بیٹھی لوگوں سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے آس پاس دونوں چور موجود تھے۔ وہاں تقریباً پچیس خیمے لگے ہوئے تھے۔ ایک خیمہ صرف کیمپ لیڈر کے لیے مخصوص تھا اور اب سونیا ان کی لیڈر تھی۔ باقی خیموں میں تقریباً ستر آدمی رہتے تھے۔ جن میں عورتیں بھی تھیں۔ عورتوں کے لیے مخصوص خیمے تھے۔ ان تمام خیموں کے چاروں طرف سخت پہرہ رہتا تھا۔ ان پہرہ داروں کے لیے اوقات مقرر تھے۔

سونیا ان سے میرے متعلق کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں نے فوراً کہا "ٹھہرو۔ انھیں یہ نہ بتانا کہ فرہاد وہاں پہنچ رہا ہے۔ تم اپنا کوئی شناسا کہہ دو۔ کیونکہ ایک فرہاد جزیرہ الدیرا میں بھی پہنچ رہا ہے۔"

سونیا نے تائید کی "ہاں یوں بھی اس کیمپ میں دشمنوں کے ایجنٹ چھپے ہوئے ہیں۔ جو آدم خوروں کو یہاں سے خوراک سپلائی کرتے ہیں۔ تمھارا اظہار ہونا مناسب نہیں ہے۔"

"کیا اتنی دیر میں تمھیں کوئی مشکوک آدمی نظر آیا ہے؟"

"میں ابھی تھوڑی دیر پہلے کیمپ میں آکر بیٹھی ہوں۔ بہت سے لوگوں سے سامنا نہیں ہوا ہے۔ تم میرے دماغ میں رہنا پھر تو میں ابھی فرداً فرداً سبھی سے ملاقات کرتی ہوں۔ پھر تم ان کے دماغوں میں پہنچ کر ایجنٹوں کو تلاش کر لو گے۔"

"ایسا کیا جا سکتا ہے، لیکن وہ بہروپیا فرہاد الدیرا پہنچنے والا ہے۔ مجھے وہاں بھی دیکھنا ہے۔ وہاں سے فرصت ملتے ہی تمھارے پاس آؤں گا۔ پھر ہم ان خفیہ ایجنٹوں کو تلاش کریں گے۔"

سونیا نے کہا "لانچ کے ناخدا سے دریافت کرو۔ جس جگہ میں وہ لانچ رکے گی۔ وہاں کی کچھ نشانیاں بتائے تاکہ ہم وہاں تک پہنچ سکیں۔"

میں نے ناخدا سے دریافت کیا۔ اس نے ایک مخصوص جگہ بتائی۔ میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر کہا "اتفاق سے وہی جگہ ہے جہاں تم موٹر بوٹ کے ذریعے پہنچی تھیں۔ کیا وہ موٹر بوٹ اسی جگہ موجود ہوگی؟"

"ہونا تو چاہیے۔ میں نے اسے جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا۔ تم اسی جگہ پہنچنے کی کوشش کرو۔"

میں اس سے رخصت ہوا اور بہروپیے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ ہیلی کاپٹر زمین پر آکر ٹھہر گیا تھا۔ اس کے تیزی سے گردش کرتے ہوئے پنکھے آہستہ آہستہ تھم رہے تھے۔ پہلے مرجانہ ہیلی کاپٹر سے باہر آئی۔ پھر بہروپیے نے زمین پر قدم رکھا۔ پنکھے کا شور بہت تیز تھا۔ اس نے مرجانہ کے کان کے قریب کہا "یہاں کوئی مسلح محافظ نظر نہیں آرہا ہے؟"

مرجانہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "میں تمھیں بتا چکی ہوں۔ یہاں صرف ساحلی علاقوں میں سخت پہرہ ہے۔ جزیرے کے درمیانی حصے میں پہرے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف دو گونگے محافظ ہیں۔"

وہ ہیلی کاپٹر سے دور آگئے۔ بحری جہاز سے آنے والے دو آدمی ہیلی کاپٹر سے راشن اور دوسرا سامان اتار رہے تھے، تاکہ اسے عمارت تک پہنچا سکیں۔ بہروپیے کو تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی عمارت نظر آرہی تھی۔ مرجانہ اسی طرف چل رہی تھی۔ میں نے بہروپیے سے کہا "ویسے تو میں تمام چوروں کی ذہانت سے مطمئن ہوں پھر بھی تمھیں سمجھا رہا ہوں، رسونتی کے بالکل قریب نہ جانا ممکن ہے وہ قربت کی وجہ سے تمھیں پہچان لے۔ عورت کی ایک ایسی حس ہوتی ہے جسے وہ خود نہیں سمجھتی مگر تنہائی میں اپنے پرائے کی پہچان کر لیتی ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ میں مادام رسونتی اور مرجانہ کو تنہائی میں کبھی اپنے قریب آنے کا موقع ہی نہیں دوں گا۔"

وہ مرجانہ کے ساتھ احاطے کے مین گیٹ تک پہنچ گیا۔ ایک

مسلح گونگا انھیں دیکھتے ہی اٹینشن ہو گیا۔ دوسرا گونگا نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید اس کے آرام کا وقت تھا۔ وہ باری باری ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ احاطے میں داخل ہوتے ہی روزا اور لیڈی نظر آئے۔ روزا مسکراتے ہوئے بولی "ویلکم، مسٹر فرہاد! آپ سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔ آج یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔"

اس سے پہلے ایڈی نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا "ویسے ہماری بھی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ مگر افسوس آپ ہمارے دماغوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

روزا نے بہروپیے سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ آپ میرے دل تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ مرجانہ نے میرے لیے گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔"

مرجانہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ وہ سب باتیں کرتے ہوئے عمارت کے دروازے تک آئے۔ وہاں کھلے ہوئے دروازے کے سامنے ساریکا نہایت ہی دلکش انداز میں ساڑی پہنے ہوئے کھڑی تھی۔ اس نے بہروپیے کو فرہاد سمجھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے سر جھکا کر نمستے کیا۔ اس نے بھی سر جھکا کر اشارے سے جواب دیا۔ پھر ڈاکٹر روزا کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ روزا نے کہا "مسٹر فرہاد! آپ کے بیٹے نے میرے ہاتھوں سے جنم لیا ہے مجھے بہت بڑا انعام ملنا چاہیے میری کوئی بہت بڑی خوشی پوری ہونا چاہیے۔"

"تم جو کہو گی میں وہ خوشی پوری کروں گا۔"

"کیا آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

"فرہاد کا وعدہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ یہ وعدہ ایک قرض کے طور پر باقی رہا جب میری کوئی خواہش ہوگی تو میں آپ کے سامنے بیان کروں گی اور آپ اسے ضرور پورا کریں گے۔"

"ضرور!" بہروپیے نے سر ہلایا۔ پھر روزا کے ساتھ چلتا ہوا اس بیڈ روم کے دروازے تک پہنچ گیا جس کے پیچھے رسونتی میرا انتظار کر رہی تھی۔

ساریکا نے آگے بڑھ کر خوابگاہ کے دروازے کو کھول دیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے خوابگاہ کا اندرونی منظر دکھائی دیا۔ وہ خوابگاہ بہت ہی خوبصورتی سے سجائی گئی تھی۔ رسونتی کو شاہانہ انداز میں سجا رکھا گیا تھا۔ وہ اتنے خوبصورت پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس پلنگ کی بھی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ وہاں بیٹھے ہی بیٹھے تمام تفریحی سامان مہیا ہو جاتے تھے۔ رسونتی نے فرہاد کو، اپنے شوہر کو دیکھتے ہی سر پر آنچل رکھ لیا۔ شرماتے ہوئے، لجاتے ہوئے سر کو جھکا لیا۔ ہولے سے مسکرانے لگی۔ یقیناً اس کی ادائیں بڑی خوبصورت تھیں لیکن بہروپیے نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

ڈاکٹر روزا نے پوچھا "یہ کیا، آپ خوابگاہ میں نہیں جائیں گے؟ اپنی بیوی سے نہیں ملیں گے؟ اپنے بچے کو پیار نہیں کریں گے؟"

بہروپیے نے اسی طرح منہ پھیر کر بلند آواز سے کہا "میری کوئی بیوی نہیں ہے۔ اس کا نام میرے سامنے نہ لو۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اس کا سامنا ہوگا تو میں اس کمرے کی طرف نہ آتا۔"

خوابگاہ سے رسونتی نے چیخ کر کہا "فرہاد! ایسا نہ کہو۔ کچھ بھی ہو، میں تمھاری بیوی ہوں اور تمھاری بیوی رہوں گی۔ بے شک میں نے بڑی غلطیاں کی ہیں۔ مجھے اپنی صفائی کا موقع دو۔ میں اپنی غلطیاں بھی تسلیم کروں گی۔ تمھارے قدموں میں سر رکھ کر جان بھی دے دوں گی۔ مگر مجھ سے اس طرح منہ نہ پھیرو۔ میں مر جاؤں گی۔"

"تم مجھے اپنی آواز بھی نہ سناؤ۔ میری سماعت میں کانٹے چبھتے ہیں۔ اگر بچے کی کشش نہ ہوتی تو میں کبھی نہ آتا۔ ڈاکٹر روزا! میں تم سے درخواست کرتا ہوں، بچے کو یہاں لاؤ۔ میں اسے دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔"

رسونتی کی آواز سنائی دی "فرہاد! یہ میرا بھی ہے۔"

بہروپیے نے کہا "میں نے اس بات سے انکار نہیں کیا۔ کوئی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا۔ یہ بچہ تمھارا بھی ہے۔ اسی طرح تمھیں بھی حقیقت کو نہیں جھٹلانا چاہیے تھا کہ فرہاد سے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔"

"میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے موقع دو میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ میرے آنسوؤں، میری آہوں کا تمھارے دل پر اثر نہ ہو تو مجھے جان سے مار ڈالنا۔" کہتے کہتے اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ دماغ کی کمزوری کے باعث اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر وہ ایک دم سے بستر پر چاروں شانے چت ہو گئی۔ میں نے سوچ کے ذریعے بہروپیے سے کہا "وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ اب تم اس کے قریب جا سکتے ہو۔ اس کی حالتِ زار پر کچھ ہمدردی کرنا ہوگی۔"

اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ پھر رسونتی کہہ کر اس کی طرف بڑھ گیا۔ ڈاکٹر روزا اس کے پیچھے آئی۔ اس نے نبض کو ٹٹول کر دیکھا۔ پھر مطمئن ہو کر بولی "گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ دماغ بہت کمزور ہو گیا ہے، ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔ ویسے مسٹر فرہاد، آپ کو اپنی بیوی سے بہت محبت ہے۔ خواہ مخواہ غصہ دکھا رہے تھے۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ میں نے بہروپیے کے دماغ سے مرجانہ کو دیکھا۔ وہ اس بات پر جل بھن گئی تھی۔ اگرچہ وہ رسونتی کی دشمن نہیں تھی۔ مگر یہ دل کے معاملات عجیب ہوتے ہیں۔

میں نے رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ بے شک اسے چکر آیا تھا لیکن وہ ہوش میں تھی۔ اور دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ فرہاد اس کی اتنی بڑی غلطی کے باوجود دل سے ناراض نہیں ہے اوپر سے غصہ دکھا رہا ہے۔ اسی لیے تو بے اختیار قریب چلا آیا۔ میں نے اس کے دل میں سوتاپے کی جلن پیدا کی "لیکن یہ مرجانہ فرہاد

کے ساتھ کیوں لگی ہوئی ہے؟"

رسونتی کی سوچ ذرا ٹھٹک گئی۔ اس نے غور کیا تو اسے ایسا ہی لگا جیسے مرجانہ نے فرہاد پر قبضہ جما لیا ہے پھر اس نے اپنے ذہن کو جھٹک کر سوچا "نہیں یہ فرہاد کو میرے پاس لے کر آئی ہے۔ یہ بھی میری طرح یہودیوں کی وفادار ہے اور ان کے کہنے کے مطابق عمل کر رہی ہے۔"

اسی وقت بہروپیے نے کہا "ڈاکٹر روزا! میں انسانی ہمدردی کے تحت اس عورت کے پاس آیا ہوں۔ ورنہ شوہر کی حیثیت میں اب اس سے بھی دور رہوں گا۔ ابھی میں صرف ایک باپ ہوں۔ میرا بیٹا کہاں ہے؟"

ڈاکٹر روزا نے مسکرا کہا "آپ کا بیٹا وہ رہا مگر میں اسے اٹھا کر آپ کی گود میں نہیں دے سکتی۔ نہ ہی آپ کو خود آگے بڑھ کر اٹھانا چاہیے۔"

بہروپیے نے پوچھا "کیوں؟"

"اس لیے کہ مادام نے آپ کے لیے اسے جنم دیا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت تحفہ ہے جو ایک عورت اپنے مرد کو دیتی ہے اس لیے آپ کی عورت، اپنے ہاتھوں سے آپ کو یہ تحفہ پیش کرے گی۔ ذرا مادام کو سنبھلنے دیجیے۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" بہروپیا ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے پلنگ کی ایک طرف سے دوسری طرف آیا۔ جہاں بچہ رسونتی کے پاس لیٹا ہوا تھا۔ اس نے بچے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں خود اسے اٹھا لوں گا۔"

دوسرے ہی لمحے رسونتی نے اچانک کروٹ بدلی اور ایک بازو بچے کے اوپر رکھ دیا اس پر چھا گئی۔ وہ بچے پر جھکا ہوا تھا۔ سیدھا ہو گیا۔ پھر سخت لہجے میں بولا "کیا تم بچے کو باپ کی گود میں نہیں دیکھ سکتیں؟"

وہ بڑی نقاہت سے بولی "یہ تمہارا ہے۔ کیوں نہیں دیکھ سکتی؟ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ذرا ٹھہرو میں اسے اپنے ہاتھوں سے تمہارے ہاتھوں میں دوں گی۔"

بہروپیے نے طنزیہ انداز میں کہا "کیا اس طرح دونوں ہاتھوں کے درمیان محبت بڑھ جائے گی۔ دونوں ہاتھ مضبوطی سے ایک دوسرے کو تھام لیں گے۔ ایسی حرکتیں کرنے سے پہلے تمہیں سوچنا چاہیے تھا کہ تم نے اپنے ہاتھوں کو کتنا کمزور بنا لیا ہے۔"

"میں نے کمزور نہیں بنایا ہے۔ میں تمہارے استحکام کے لیے کام کر رہی ہوں۔ ہم دونوں نے مل کر ایک نئی مملکت قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ اب وہ خواب بہت جلد پورا ہونے والا ہے۔"

بہروپیے نے طنزیہ انداز میں پوچھا "کیا تمہارے یہ یہودی دوست تمہیں ایک الگ حکومت قائم کرنے کا موقع دیں گے؟"

"ضرور دیں گے مسٹر برائنز والٹر بہت ہی سلجھے ہوئے ذہن کے آدمی ہیں۔ وہ ہمارے مداح ہیں۔ انھوں نے مجھے ساری باتیں سمجھائی ہیں کہ کس طرح ہم ٹیلی پیتھی کے ذریعے ساری دنیا پر حکومت کر سکتے ہیں اور کس طرح ایک بڑی اور سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔"

بہروپیے نے کہا "عورت ساری دنیا پر نہیں صرف مرد پر حکومت کرنے کا خواب دیکھتی ہے اور اسے پورا کرتی ہے مسٹر برائنز والٹر کو میں نہیں جانتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ انھوں نے تمہیں مجھ پر حکومت کرنے کے گر سکھا دیے ہیں۔ اسی لیے ایک طرف مرجانہ کو میرا دشمن بنایا۔ دوسری طرف تمہاری مدد حاصل کرتے ہوئے تمہارا ٹیلی پیتھی کا سہارا لیتے ہوئے میری اور سونیا کی شادی روکتے رہے تمہیں یہ تاثر دیتے رہے کہ فرہاد صرف تمہاری جاگیر رہے گا۔ سونیا یا کوئی دوسری عورت اس کے قریب نہیں جا سکے گی۔"

"میں نادان بچی نہیں ہوں۔ مسٹر برائنز نے مجھے ایسی باتیں نہیں سکھائی ہیں۔ میں خود بھی سمجھتی ہوں۔ تم خود ہی فیصلہ کرو۔ کیا تم یہ گوارا کر سکتے ہو کہ میں کسی دوسرے مرد سے پیار کروں۔ کبھی نہیں۔ اسی طرح میں بھی اپنے اور تمہارے درمیان کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتی، خواہ وہ سونیا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لیے میں نے ایسی چالیں چلی تھیں۔ میں ایک عورت ہوں اور اپنے حق کے لیے لڑتی رہوں گی چاہے اس لڑائی میں دشمنوں کی امداد ہی کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔"

"اور وہ امداد تم حاصل کر چکی ہو۔"

وہ دونوں ہاتھوں کا سہارا لیتے ہوئے بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی پھر اس نے بڑی محبت سے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اسے بہروپیے کی طرف بڑھاتے ہوئے، مسکراتے ہوئے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا "ہمارے درمیان کتنی ہی لڑائی ہو، کتنے ہی اختلافات ہوں، یہ ایک مضبوط کڑی ہے جو ہمیں ٹوٹنے نہیں دے گی۔ یہ تمہارا بیٹا ہے مگر مجھ سے ہے۔ اسے سینے سے لگاؤ گے، اسے پیار کرو گے تو تمہیں میری قدر معلوم ہوگی۔"

بہروپیے نے بے دلی سے بچے کو لیا لیکن ہاتھ میں لیتے ہی مسکرانے لگا۔ ایک باپ کی شفقت سے اسے چومنے لگا۔ اس کی تعریفیں کرنے لگا۔ وہ بہت اچھی... ایکٹنگ کر رہا تھا۔ رسونتی اپنے بچے کو میری گود میں سمجھ کر نہال ہو رہی تھی۔ پھر اس نے کہا "میں تنہائی چاہتی ہوں۔ اپنے شوہر سے کچھ باتیں کروں گی۔"

ڈاکٹر روزا، ساریکا اور لیڈی وہاں سے جانے لگے مرجانہ کھڑی رہی۔ رسونتی نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا تم نہیں جاؤ گی؟"

مرجانہ نے بہروپیے کو دیکھا۔ اس نے مسکرا کر کہا "نہیں، مرجانہ میرے ساتھ آئی ہے اور میرے ساتھ رہے گی۔"

"مگر، میں تمہاری بیوی ہوں، تمہاری رازدار ہوں، تنہائی میں بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں بعد میں فیصلہ کروں گا کہ تم سے میرا کیا رشتہ ہونا چاہیے۔ جب تک میں کسی فیصلے پر نہ پہنچوں اس وقت تک تنہائی میں تمہارے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں گزاروں گا۔"

رسونتی نے ڈرتے ہوئے دل سے مایوس ہو کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا "کیا میرے بچے کو اپنے سینے سے لگانے کے بعد بھی تمہارے دل میں محبت پیدا نہیں ہوئی؟ کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گے؟"

"میں تمہیں معاف کروں گا یا نہیں۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا۔"

"ابھی بتا دو فرہاد، نہیں تو مجھے سکون نہیں ملے گا میں اور زیادہ بیمار پڑ جاؤں گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ تم نے مجھے دشمنوں کے درمیان پھنسا دیا۔ اگر میرا بچہ یہاں نہ ہوتا تو میں ادھر کبھی نہ آتا۔ یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔"

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ تمہیں کوئی نہیں پھانسے گا کوئی تمہیں قیدی بنا کر نہیں رکھے گا۔ تم پہلے بھی آزاد تھے۔ اب بھی آزاد رہو گے۔ یقین نہ ہو تو کسی طرح بھی آزما کر دیکھ لو۔"

"کیا میں آزما کر دیکھوں؟"

"ہاں، بولو کیا چاہتے ہو؟"

"میں اپنے بچے کو پاکستان لے جانا چاہتا ہوں۔"

"ضرور لے جانا مگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ تب ہمیں کوئی نہیں روکے گا۔ لیکن جانے سے پہلے تم ایک بار مسٹر برائنز والٹر سے ملاقات کر لو۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ ہم بہت ہی دوستانہ ماحول میں رخصت ہوں گے۔ تم مجھے اور بچے کو جہاں لے جا کر رکھنا چاہو گے، تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔"

"مجھے یقین تو نہیں ہے۔ تاہم ملاقات کر لوں گا۔ میری گھڑی میں ابھی تین بج کر تیس منٹ ہوئے ہیں اور یہ پاکستانی وقت ہے۔ یہاں کیا وقت ہوا ہے؟"

رسونتی نے سامنے دیوار پر گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا "ابھی چھ بج کر بیاسیں منٹ ہوئے ہیں۔ اب تو میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

بہروپیے نے مرجانہ کی طرف دیکھا مرجانہ نے منہ پھیر کر کہا "تم کہو گے تو میں چلی جاؤں گی۔"

بہروپیے نے کہا "مرجانہ! میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

وہ خوش ہو گئی۔ فوراً ہی قریب آ کر اس کے ہاتھ کو تھام کر بولی "میں بھی تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ تم دونوں میاں بیوی ہو۔ ٹھیک ہے باتیں کر لو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ دروازہ بند کر دیا۔ میں نے بہروپیے سے کہا "میں جانتا ہوں رسونتی اپنی صفائی میں بہت ساری باتیں کرے گی اور وہ سب میرے لیے بکواس ہوں گی۔ تم سنتے رہو اور حسب خواہ جواب دیتے رہو میں کسی وقت آ کر اس ملاقات کا مختصر حال معلوم کر لوں گا۔"

میں دماغی طور پر لانچ میں حاضر ہو گیا۔ اب جزیرے کا ساحل قریب نظر آ رہا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ دن کی روشنی دم توڑ رہی تھی۔ جب وہ لانچ ساحل پر پہنچی تو مجھے وہی جگہ نظر آئی جسے میں سونیا کے دماغ سے دیکھ چکا تھا۔

ناخدا نے میرے قریب آ کر کہا "کیا ارادہ ہے۔ آپ یہاں اپنے ساتھیوں کا انتظار کریں گے یا ساحل پر جائیں گے؟"

میں نے کہا "میں لانچ کے عرشے سے انھیں دیکھتا رہوں گا۔ وہ اب پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ وہ کیمپ کے دس آدمیوں کے ساتھ میری طرف آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک چور بھی تھا۔ دوسرا چور کیمپ میں رہ گیا تھا۔ سونیا نے مشورہ دیا تھا کہ اپنے ایک آدمی کو کیمپ میں رہنا چاہیے اور خفیہ ایجنٹوں کو تلاش کرنا چاہیے۔

وہ ابھی ساحل سے بہت دور تھی۔ میں نے نمبر اڑتیس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ کیمپ کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے الاؤ روشن کیا جا رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک گیا۔ میں نے کہا "چونکنے یا حیرانی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ تمہارے آس پاس والے محتاط ہو جائیں گے۔ میں فرہاد ہوں۔ بس یقین کر لو۔"

"جناب! میں نے یقین کر لیا، فرمائیے؟"

"وہاں جو خفیہ ایجنٹ ہیں۔ وہ خود کو ظاہر نہیں ہونے دیں گے۔ خصوصاً سونیا سے اور تم دونوں چوروں سے دور رہیں گے۔ اپنی آواز بھی نہیں سنائیں گے۔ تم خوبصورت لڑکیوں کی نگرانی کرو۔"

"ضرور کروں گا۔ مقصد بتا دیجیے؟"

میں نے کہا "آدم خوروں کو عورتیں بہت پسند ہیں۔ اس لیے وہ ایجنٹ یہاں کی عورتوں سے دوستی کرتے ہوں گے۔ انھیں کسی طرح کیمپ سے دور تنہا بھیجنے کے منصوبے بناتے ہوں گے۔ تم دیکھو کہ ایسے کون لوگ ہیں جو یہاں کی حسین عورتوں سے دوستی کر رہے ہیں۔"

اس نے چونک کر کہا "جناب! آپ ذرا خاموش ہو جائیں میں کسی عورت کی آواز اپنے پیچھے سن رہا ہوں۔ آپ بھی سننے کی کوشش کریں۔"

میں خاموش ہو گیا۔ اس کے دماغ میں بیٹھ کر اس کی آواز کو توجہ سے سننے لگا۔ وہ ہنس رہی تھی اور کسی سے کہہ رہی تھی "بنکی! تم بڑی زندہ دل ہو۔ اتنے لطیفے کیسے یاد کر لیے۔ بہت ہنساتی ہو۔ بس کرو۔ میرا پیٹ دکھنے لگا ہے۔"

اڑتیس نمبر نے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ وہاں ایک خیمہ تھا خیمے کے اندر وہ دونوں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ بنکی نے کہا "چلو اب نہیں ہنساؤں گی مگر ہاں تم نے گلہری اور گلہرا کو دیکھا ہے؟"

اس عورت نے تعجب سے پوچھا: "یہ گلہرا کیا ہوتا ہے؟"

پنکی نے ہنستے ہوئے کہا: "گلہری کا شوہر۔"

وہ دونوں زور زور سے ہنسنے لگیں۔ اس عورت نے کہا: "دیکھو پھر ہنسانے والی بات کی ہے۔"

"نہیں، میں تو سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ اگر تم گلہری فیملی کا تماشہ دیکھنا چاہتی ہو کہ ان میں میاں بیوی کیسی حرکتیں کرتے ہیں تو میں تمھیں دکھا سکتی ہوں۔"

اس عورت نے بڑے اشتیاق سے پوچھا: "سچ؟"

"اور نہیں تو کیا جھوٹ کہتی ہوں۔ یہاں جنگل میں ایسے جانوروں کے تماشے دیکھنے میں آتے ہیں۔ ہم شہروں میں رہ کر یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اگر کیمرہ ہو تو ان کا فوٹو بھی لے سکتے ہیں۔"

"میرے پاس کیمرہ ہے۔"

پنکی نے کہا: "ہمیں کیمپ سے کچھ دور جینا ہوگا۔ خرگوش، گلہریاں اور دوسرے بزدل قسم کے جانور انسانوں کے قریب نہیں آتے اس لیے ہمیں کیمپ سے ذرا دور جانا ہوگا۔"

اس عورت نے سہمے ہوئے انداز میں کہا: "نہیں۔ میں اس وقت نہیں جاؤں گی۔ اندھیرا پھیل چکا ہے۔"

پنکی نے کہا: "میں ابھی تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ ہم کل صبح چپ چاپ یہاں سے نکلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

چور نمبر اڑتیس نے پوچھا: "کیوں فرہاد صاحب! ٹھیک ہے؟"

"ہاں، میں پنکی کے دماغ میں پہنچ رہا ہوں۔"

اور میں پہنچ گیا۔ وہ خیمے کے اندر ایک ایزی کینوس چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک اور عورت تھی۔ اس نے کہا: "دیکھو یہ بات کسی اور سے نہ کہنا ورنہ کیمپ کے لوگ ہمیں تنہا جانے نہیں دیں گے اور ہم وہ تماشہ دوسروں کے سامنے نہیں دیکھ سکیں گے۔ آخر شرم بھی تو کوئی چیز ہے۔"

اس عورت نے شرماتے ہوئے کہا: "ہاں، میں کسی سے نہیں کہوں گی۔ ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اپنے اپنے ریوالور ساتھ لے چلیں گے۔"

وہ عورت کہتے کہتے رک گئی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی: "میں چلنے سے پہلے اپنے ریوالور کو اچھی طرح چیک کر لوں گی۔ جینیفر کہہ رہی تھی کہ ہمارا کوئی دشمن ہے۔ جو ہمارے ریوالوروں کے چیمبر خالی کر دیتا ہے۔"

"سب فضول باتیں ہیں۔ بہر حال ہم اپنے ریوالوروں تک کسی کو پہنچنے نہیں دیں گے۔ پھر چیمبر کیسے خالی ہوں گے؟"

پنکی بول رہی تھی اور میں اس کے دماغ کے تہہ خانے میں اٹک کر چور خیالات کو پڑھتا جا رہا تھا۔ وہی خفیہ ایجنٹ تھی اور وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کا ایک ساتھی مرد بھی تھا جس کا نام لوفر تھا۔ میں اس کے دماغ میں زیادہ دیر نہیں رہ سکا۔ کیونکہ سونیا ساحل پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے رابطہ ختم کیا اور دماغی طور پر لانچ سے اترتے ہوئے ساحل پر پہنچ گیا۔ میں نے اجنبی بن کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: "ہیلو مادام! یقیناً آپ کو میرے آنے کی اطلاع مل گئی ہوگی۔ اسی لیے آپ یہاں آ کر میری عزت افزائی کر رہی ہیں۔ میرا نام جیک لوفر ہے۔"

سونیا کے پاس کھڑے ہوئے فیٹ مین نے کہا: "کیا واقعی تمھارا نام یہی ہے؟"

"ہاں، تمھیں حیرانی کیوں ہو رہی ہے؟"

فیٹ مین نے کہا: "ہمارے کیمپ میں بھی ایک شخص ہے جس کا نام جیک لوفر ہے۔"

"تو کیا ہوا؟ ایک ہی نام کے کئی لوگ ہوتے ہیں۔ کیا ہماری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا؟"

فیٹ مین نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "بے شک ہوتا ہے۔"

میں نے باری باری تمام لوگوں سے ہاتھ ملایا پھر فیٹ مین سے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "لانچ سے ہمارے لیے بہت ضروری سامان اتارا جا رہا ہے۔ اس کی نگرانی آپ کے ذمہ رہے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں تمام سامان حفاظت سے اترواؤں گا اور اپنے پاس رکھوں گا۔"

میں نے سونیا سے پوچھا: "کیمپ سے یہاں تک کا فاصلہ کتنا ہے؟"

وہ سوچتے ہوئے بولی: "ہم تقریباً چالیس منٹ میں وہاں سے یہاں پہنچے ہیں۔"

لانچ سے تمام ضروری سامان اتار لیا گیا۔ ہم کیمپ کی طرف جانے لگے۔ میں سونیا کے ساتھ سب سے پیچھے چل رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ کس طرح میں پنکی اور جیک لوفر کا سراغ لگا چکا ہوں اور اب اس وقت لوفر کے دماغ تک پہنچنا چاہتا ہوں اس لیے وہ چپ چاپ میرے ساتھ چلنے لگی۔

میں پنکی کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ اس خیمے سے نکل رہی تھی۔ اس عورت سے رخصت ہو رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے کے انداز میں چلتی ہوئی دوسرے ایک خیمے میں گئی۔ خیمے کا کینوس والا دروازہ اندر سے بند تھا۔ پنکی نے ہولے سے سیٹی بجائی۔ اندر سے آواز سنائی دی: "ٹھیک ہے ابھی آتا ہوں۔"

یہ لوفر کی آواز تھی۔ وہ اندر بیٹھا ہوا ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ پنکی کی آواز سن کر اس نے کینوس کے دروازے کو ایک طرف سے ذرا سا کھول دیا۔ پنکی جھک کر خیمے میں داخل ہوئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ لوفر نے پوچھا: "کچھ پتہ چلا؟ سونیا کس کے لیے ساحل تک گئی ہے؟"

پنکی نے جواب دیا: "وہ ابھی تک واپس نہیں آئی ہے۔ میں بور ہو رہی تھی۔ تمھارے پاس آ گئی۔ تم کیا اطلاع دے رہے ہو؟"

"میں یہی بتا رہا تھا کہ اس جزیرے میں ایک شخص آ رہا ہے یقیناً وہ کوئی اہم آدمی ہوگا تبھی سونیا اسے لینے گئی ہے۔"

پنکی نے پوچھا: "دوسری طرف سے کیا جواب ملا؟"

"بحری جہاز والے مطمئن ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں۔ فرہاد ابھی مرجانہ کے ساتھ وہاں تھا۔ اب الدبرا پہنچا ہوا ہے۔ اس لیے یہ آنے والا فرہاد نہیں ہو سکتا۔ اعلیٰ بی بی کا کوئی خاص آدمی ہوگا۔ جسے سونیا لینے گئی ہے۔"

وہ چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کو اٹھا کر اپنے سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا: "کیا تم نے ڈائنا کو شیشے میں اتار لیا؟"

"ہاں، وہ میرے ساتھ کیمپ سے دور جانے کے لیے راضی ہو گئی ہے مگر لوفر! مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"ڈر کس بات کا؟"

"آخر وہ آدم خور ہیں۔ کہیں انھوں نے مجھے بھی پکڑ لیا تو؟"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ آدم خوروں کو سمجھا دیا گیا ہے۔ تمھارے بالوں میں سرخ پھول ہوگا۔ وہ تمھیں ہاتھ نہیں لگائیں گے۔"

"اگر وہ پھول کہیں اتفاق سے گر پڑا تو؟"

"پھر بھی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ تمھارے پاس بھرا ہوا ریوالور ہوگا۔ ڈائنا کے پاس جو ریوالور ہے اس میں ہم پہلے ہی خرابی پیدا کر چکے ہیں۔ وہ اس خرابی کو سمجھ نہیں پائے گی۔ اسے لوڈ کرنے کے بعد مطمئن رہے گی۔"

پنکی نے مطمئن ہو کر پوچھا: "یہ نیا آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

"کوئی بھی ہو۔ ہمیں سونیا پر نظر رکھنا ہے۔ جب بھی یہ جزیرے سے باہر جائے گی۔ ہم بحری جہاز تک اطلاع پہنچا دیں گے۔"

میں ان کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ جزیرہ الدبرا کے ساحل پر جو بحری جہاز ہے وہ ان کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ وہیں سے تمام رابطے قائم ہوتے ہیں۔ راشن بھی وہیں سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہیلی کاپٹر بھی وہیں سے پرواز کرتے ہیں۔ سونیا نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا: "سب سے پہلے پنکی اور لوفر کو ختم کرنا چاہیے۔ ورنہ یہ تمھارا راز فاش کر دیں گے۔"

"میں ذرا یہ تو معلوم کر لوں کہ اس حصے میں جو آدم خور ہیں ان کا اڈا کہاں ہے؟"

"یہ معلوم ہو چکا ہے یہاں ایک اونچی سی پہاڑی ہے جس میں ایک غار ہے۔ غار کے اندر ایک بڑا سا پتھر زمین پر رکھا ہوا ہے۔ اگر اس پتھر کو ہٹایا جائے تو وہاں سے ایک زینہ اندر تہہ خانے تک جاتا ہے۔ اسی تہہ خانے میں یہ لوگ چھپے رہتے ہیں۔"

میں نے لوفر کے دماغ سے معلومات حاصل کیں۔ پھر سونیا سے کہا: "وہ پہاڑی یہاں سے تقریباً ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے۔ اس پہاڑی کے مغربی کنارے پر ایک عمودی چٹان کئی فٹ کی بلندی تک گئی ہے اس کی بلندی پر ایک چھوٹا سا پتھر رکھا ہوا ہے۔ وہ پتھر نیچے سے دیکھو تو یوں لگتا ہے، جیسے کوئی بندر اس چٹان پر بیٹھا ہو۔ یہی اس پہاڑی کی پہچان ہے۔"

ہم کیمپ میں پہنچ گئے۔ دوسرے لوگوں نے مجھ سے ملاقات کی، مصافحہ کیا۔ ہم باتیں کرتے ہوئے الاؤ کے آس پاس بیٹھ گئے۔ سونیا چونکہ کیمپ لیڈر تھی۔ لہٰذا اسے ایک کرسی پر بٹھایا گیا۔ اس نے آس پاس دیکھتے ہوئے پوچھا: "پنکی اور لوفر نظر نہیں آ رہے ہیں؟"

کسی نے کہا: "رومانس میں مصروف ہوں گے۔"

سب ہنسنے لگے۔ سونیا نے کہا: "میں ان لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔ جب سے آئی ہوں، ان کے نام سنے ہیں مگر چہرے نہیں دیکھے۔"

دو آدمی انھیں بلانے کے لیے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے واپس آ کر کہا: "مادام سونیا! وہ آنا نہیں چاہتے۔ کہتے ہیں ہماری تنہائی میں مخل نہ ہوں، ہم صبح ملاقات کریں گے۔"

سونیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے کہا: "میرے ساتھ چار آدمی چلیں۔"

میں اور دونوں چور تیار ہو گئے۔ فیٹ مین بھی ساتھ ہو گیا۔ ہم وہاں پہنچے تو لوفر کا خیمہ اندر سے بند تھا۔ سونیا نے آواز دی۔ "مسٹر لوفر اور پنکی! میں کیمپ لیڈر کی حیثیت سے تمھیں حکم دیتی ہوں باہر آ جاؤ۔"

کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسرے لمحے سونیا نے ایک لمبا سا چاقو کھولا۔ پھر خیمے کی دیوار کو اوپر سے نیچے تک کاٹتی چلی گئی۔ اس کے بعد وہ اندر داخل ہوئی تو لوفر ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ پنکی نے اس کاغذ کو سونیا کی طرف بڑھا دیا۔ سونیا نے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا: "میں اچھی طرح جانتا ہوں، فرہاد تمھارے دماغ کے ذریعے دوسروں کے دماغوں تک پہنچ جاتا ہے اس لیے تم میری اور پنکی کی آواز نہیں سنو گی۔ ہم نہیں چاہتے کہ فرہاد ہمارے دماغ میں پہنچے۔ ہم تمھارے دشمن نہیں، دوست ہیں۔ کسی موقع پر آزما لینا۔"

سونیا نے اس کاغذ کو میری طرف بڑھایا۔ میں نے چوروں کی طرف بڑھا دیا کیونکہ میں پڑھ ہی چکا تھا۔ سونیا نے کہا: "اگر تم دوست ہو تو مجھ سے اور فرہاد سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے بدترین دشمن ہیں۔ ریوالور پھینک دو۔"

لوفر نے انکار میں سر ہلایا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اس کے دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ریوالور کو سونیا کے سامنے پھینک دیا۔ سونیا نے اسے اٹھا لیا۔ پنکی گھبرا کر لوفر کو دیکھتے ہوئے بولی: "یہ تم نے

کیا کیا ؟"

دوسرے ہی لمحے پنکی کو احساس ہوا کہ اس نے اپنی آواز سنادی ہے۔ اس نے گھبرا کر سونیا کی طرف دیکھا۔ سونیا نے مسکرا کر کہا: "پنکی! تم نے اپنی آواز سنادی ہے۔ چلو، اپنا ریوالور دے دو۔ بے چاری ڈائنا کے ریوالور میں تو تم نے خرابی پیدا کر ہی دی ہے۔"

وہ دونوں ایک دم گھبرا گئے۔ پریشان ہو کر ادھر اُدھر یوں دیکھنے لگے جیسے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہے ہوں۔ سونیا نے کہا: "فیٹ مین! لوفر کے سوٹ کیس کی تلاشی لو۔ اس سوٹ کیس کے اندر ایک ٹرانسمیٹر ہے۔ یہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے آقاؤں کو اطلاع دیتا ہے کہ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں۔ ہماری مصروفیات کیا ہیں۔ اور یہی دونوں آدم خوروں تک ہمارے لوگوں کو پہنچاتے ہیں۔"

لوفر نے چیخ کر کہا: "یہ جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔ میں اپنے سوٹ کیس کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

ایک چور نے آگے بڑھ کر لوفر کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ وہ لڑکھڑا کر دوسری طرف گیا۔ فیٹ مین نے آگے بڑھ کر اس کے سوٹ کیس کو کھول دیا۔ کپڑے اٹھا کر ادھر اُدھر پھینکے تو نیچے سے ایک چھوٹا ٹرانسمیٹر برآمد ہو گیا۔ دونوں چوروں نے ایک رسی سے لوفر کے دونوں ہاتھوں کو پشت پر باندھ دیا۔ پنکی گھبرائی ہوئی تھی۔ سونیا نے کہا: "تم نے ابھی تک اپنا ریوالور میرے حوالے نہیں کیا۔"

وہ اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالنے لگی جیسے ریوالور نکال رہی ہو۔ ہم نے دنیا دیکھی ہے۔ اتنا تو جانتے ہی تھے کہ ریوالور گریبان کے اندر نہیں آئے گا۔ اور وہ بھی پنکی کا گریبان۔ وہاں تو ریوالور کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

اس نے ہاتھ نکالا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پنسل ریوالور تھا۔ جس سے زہریلی سوئی پھینکی جاتی تھی۔ جیسے ہی اس کا ہاتھ باہر آیا۔ سونیا نے گولی چلادی۔ دوسرے لمحے وہ زمین پر پڑی تھی۔ سانس رخصت ہو چکا تھا۔

لوفر کو باندھ کر الاؤ کے سامنے لایا گیا۔ کیمپ کے تمام لوگ وہاں حاضر تھے۔ انھیں ساری روداد سنائی گئی۔ بتایا گیا کہ کس طرح یہ لوگ ایجنٹ بنے ہوئے ہیں اور آدم خوروں کے لیے خوراک مہیا کر رہے ہیں۔ سب لوگوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ اُسے فوراً ہی ختم کر دیا جائے۔

ہم اس قصے کو طول نہیں دینا چاہتے تھے، اس لیے لوفر کے قصے کو تمام کر دیا۔ اس کے بعد سونیا نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ابھی رات کے کھانے کے بعد میں اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ یہ معلوم کرنے جاؤں گی کہ آدم خور کہاں چھپے رہتے ہیں۔ ہم صبح ہونے تک واپس آجائیں گے۔ اس کے بعد ہم سب مل کر ان پر حملہ

کریں گے۔"

سونیا نے یہ بات اس لیے کہہ دی کہ ہمیں کھانے کے بعد ساحل تک جانا تھا۔ ادھر رات کے دس بجے ... پرائنز والٹر بھروپیے فرہاد سے ملاقات کرنے آرہا تھا۔ وہ بھروپیا اسے رات کے ایک بجے تک اپنی باتوں میں لگائے رکھے گا۔ اس وقت تک ہمارا وہاں پہنچنا ضروری تھا۔

ضروری اس لیے بھی تھا کہ پرائنز والٹر ہیلی کاپٹر سے اس جزیرے میں پہنچنے والا تھا۔ وہی ہیلی کاپٹر ہم واپسی کے وقت استعمال کرنا چاہتے تھے۔ بچے کو لے کر ہم اسی کے ذریعے اس جزیرے سے نکل سکتے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد ہم نے فیٹ مین کو کیمپ لیڈر بنایا، وہ خوش ہو گیا۔ اس نے ہم سے وعدہ کیا کہ ہماری واپسی تک وہ محتاط رہے گا اور اپنے کیمپ کے تمام لوگوں کو منظم رکھے گا۔

ہم وہاں سے اپنا ضروری سامان خاص طور پر تیراکی کا سامان لے کر چل پڑے۔ تیراکی اور غوطہ خوری کے سلسلے میں چودہ نمبر جیتیس ہمارا رہنما تھا۔ وہ برٹش نیوی میں زیر آب تحقیقاتی شعبے کا ایک افسر رہ چکا تھا۔ اسے غوطہ خوری کے سلسلے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ہم ساحل پر پہنچے وہاں جھاڑیوں میں چھپی ہوئی موٹر بوٹ کو نکالا پھر اس میں سوار ہو کر جزیرہ الدبرا کی سمت روانہ ہو گئے۔ چودہ نمبر اڑتیس اس سلسلے میں کافی تجربہ کار تھا۔ رات کے وقت سمندر میں کس طرح سفر جاری رکھنا چاہیے اور سمتوں کا تعین کس طرح کرنا چاہیے۔ وہ خوب جانتا تھا۔

اس وقت رات کے دس بج چکے تھے۔ رسونتی نے بھروپیے فرہاد سے کہا تھا کہ وہ کھانے کے وقت مسٹر پرائنز والٹر سے ملاقات کرے۔ بھروپیے نے جواب میں کہا تھا: "میں رات کے دس بجے سے پہلے کھانا نہیں کھاؤں گا۔ دس بجے کے بعد پرائنز والٹر سے ملاقات کروں گا۔"

میرے حساب سے دس بج چکے تھے اس لیے میں بھروپیے کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ مرجانہ بھی نہیں تھی میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سوچ کے ذریعے جواب دیا: "ابھی اطلاع ملی ہے کہ پرائنز والٹر یہاں پہنچ چکا ہے۔ میں نے خود ہیلی کاپٹر کی آواز بھی سنی ہے۔ ساریکا کہہ رہی تھی کہ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد میز پر کھانا لگایا جائے گا۔"

"مرجانہ کہاں ہے؟"

"ابھی میرے پاس سے گئی ہے۔ بڑی مشکل ہے۔ تنہائی میں بے لگام ہو جاتی ہے۔ بڑی مشکلوں سے لگام دی ہے۔"

بھروپیا واقعی مشکل میں تھا۔ مگر بڑی ذہانت سے کام لے

رہا تھا۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو یہی کرتا جو وہ کر رہا ہے۔ وہ ایک شوہر کی حیثیت سے سونتی کو غصہ دکھا رہا تھا۔ اس سے دور رہنے کے لیے یہ بتا رہا تھا کہ جب تک اس کا دل اس کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ اس کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک اس کے قریب نہیں آئے گا۔

میں نے اس سے کہا: "میں اور سونیا تمھارے دو چور ساتھیوں کے ساتھ جزیرے کی طرف آرہے ہیں۔ تم آدھے گھنٹے کے بعد کھانے کی میز پر پرائنز والٹر کے سامنے جاؤ گے تو میں تمھارے دماغ میں پہنچ جاؤں گا۔"

میں دماغی طور پر موٹر بوٹ میں حاضر ہوا پھر سونیا کو وہاں کے حالات بتائے۔ سونیا نے نمبر اڑتیس سے پوچھا: "یہاں سے الدبرا کا فاصلہ کتنی دیر میں طے ہوگا؟"

"میرے اندازے کے مطابق ہم دو گھنٹے میں وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارا سفر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا ہوگا۔ ہم جزیرے سے بہت دور رک جائیں گے۔ وہاں دشمن موٹر بوٹ کے ذریعے جزیرے کے چاروں طرف گشت کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس ہیڈ لائٹس ہیں۔ ہم اندازہ کریں گے کہ ہیڈ لائٹس کی روشنی کتنی دور تک جاتی ہے۔ ہم اتنی دور تک نہیں جائیں گے، اس روشنی کی زد سے باہر رہیں گے اور وہیں سے غوطہ خوری شروع کریں گے۔"

میں پھر بھروپیے کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت میں نے اس کے دماغ سے دستک کی آواز سنی۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔ اس نے پوچھا: "کون ہے؟"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی: "میں ہوں روزا!"

ڈاکٹر روزا اس سے ملنے آئی تھی میں نے کہا: "دروازہ کھول دیکھتے ہیں وہ کس لیے آئی ہے۔"

ڈاکٹر روزا ہمارے لیے بہت اہم تھی۔ میرا بیٹا اسی کے پاس تھا۔ وہی اس کی پرورش کر رہی تھی۔ اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ بھروپیے نے دروازہ کھول دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی: "دروازہ کھولنے میں دیر کر دی؟ کیا خیال خوانی میں مصروف تھے؟"

بھروپیے نے ایک طرف ہٹ کر اُسے اندر آنے کا موقع دیتے ہوئے کہا: "خود ہی سوال کر رہی ہو۔ خود ہی جواب دے رہی ہو۔"

وہ اندر آئی۔ اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ اور مسکرا کر بولی: "بڑی آرزوؤں سے آپ کے پاس آئی ہوں۔ مرجانہ مجھے شیرنی کی طرح گھورتی رہتی ہے۔ جیسے میں آپ پر ڈورے ڈالنے والی ہوں۔"

اس نے بڑی لگاوٹ سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تمھیں ڈورے ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خدا نے تمھیں ایسا بنایا ہے ..."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی روزا نے کہا: "آپ

مجھے بنا رہے ہو۔"

"میں حسن پرست مشہور ہوں تم نے یقیناً میرے متعلق سنا ہوگا۔ میں کبھی کسی معمولی عورت کی طرف مائل نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی اس کی تعریف میں اپنا وقت ضائع کرتا ہوں۔ تمھاری تعریف میں اپنی ساری عمر بھی ضائع کر دوں تب بھی وہ ضائع نہیں ہوگی۔ بلکہ اتنا حسین مصرف ہوگا کہ عمر دعائیں دے گی۔"

"مسٹر فرہاد! میں یقین کرنا..."

بھروپیے نے اس کی بات کاٹ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا: "مسٹر نہیں صرف فرہاد کہو۔"

وہ خوش ہو کر بولی: "اچھا فرہاد! مجھے یقین دلاؤ کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ دل سے کہہ رہے ہو۔ اس میں بناوٹ یا کوئی غرض چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

"روزا! غرض کی بات نہ کرو۔ اس وقت ہم دو مختلف محاذوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم میرے دشمنوں کی آلۂ کار ہو اور میں اپنے دشمنوں کا مہمان ہوں۔ میں اپنے بچے کے لیے آیا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ تم سے متاثر ہو رہا ہوں۔ تم سے متاثر ہونے میں میری کوئی غرض نہیں ہے۔ میں دل و جان سے تمھاری تعریف کر رہا ہوں ویسے میں ہر حالت میں اپنے بچے کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ ادھر تمھاری اپنی غرض اور اپنا فرض یہ ہے کہ تم اپنے آقاؤں کے حکم کے مطابق بچے کو مجھ سے دور رکھو گی۔"

"تم واقعی اپنے معاملے میں بہت صاف اور کھرے ہو۔" پھر اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور رازدارانہ انداز میں ایک دم سے قریب ہو کر بولی: "میری سوچ پڑھو۔ میں زبان سے وہ نہیں کہہ سکتی جو کہنا چاہتی ہوں۔"

میں نے اس کی سوچ پڑھی۔ وہ کہہ رہی تھی: "فرہاد! میں تم سے شروع ہی سے متاثر ہوں۔ جب سے میں نے تمھارے کارنامے سنے ہیں۔ تمھاری ہسٹری شیٹ پڑھی ہے تب سے میرا عجیب حال ہے۔ مجھ پر ہمیشہ تمھارے نام کا سحر طاری رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اپنے آقاؤں کی وفادار ہوں۔ ان سے غداری نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن تمھارے لیے جی چاہتا ہے کہ جان کی بازی لگا دوں۔ تمھیں ساری عمر کے لیے نہ سہی، ایک لمحے کے لیے ہی جیت لوں۔ اور اس جیت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ بنا لوں۔"

میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "کسی کو جیتنے کے لیے کسی کے کام آنا پڑتا ہے۔"

"میں اس طرح کام آنا چاہتی ہوں کہ اپنے آقاؤں کی بھی وفادار رہوں۔"

"دو کشتیوں پر پاؤں رکھ کر دریا پار نہیں کر سکو گی۔"

"تم چاہو تو پار لگا سکتے ہو۔"

میں نے کہا: "تم رسونتی کو دیکھ رہی ہو۔ کیا وہ کسی سے کم ہے؟"

"وہ تو ایک آئیڈیل بیوٹی ہے۔"

"اور تم نے مرجانہ کو دیکھا ہے۔ وہ حسنِ بے مثال ہے۔"

"میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تمہاری زندگی میں ہمیشہ بے مثال لڑکیاں آتی ہیں اور وہ تمہارے لیے جان پہ کھیلتی رہتی ہیں۔"

"اور تم نہیں کھیل سکتیں۔"

"میں بہت مجبور ہوں۔"

"ایسی کیا مجبوری ہے کیا تم میرے بیٹے کو اس طرح میرے حوالے نہیں کر سکتیں کہ میں چپ چاپ اسے لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔"

اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا ۔۔۔ پھر کہا: "فرہاد! کیا تم اس جزیرے سے نکل جانا اتنا آسان سمجھتے ہو اور وہ بھی ایک نوزائدہ بچے کو لے کر۔ نہیں، یہ ناممکن ہے۔ یہاں بڑا سخت پہرہ ہے۔"

"میں سب جانتا ہوں۔ لیکن تم اتنا تو کر سکتی ہو کہ میرے بچے کو دشمنوں سے محفوظ رکھو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔ تمہارا بچہ میری گود میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

"فرض کرو کوئی نقصان پہنچائے تو تم کیا کرو گی۔ کیا میں توقع رکھوں کہ تم مجھے اطلاع دو گی۔"

وہ ذرا دیر تک سوچتی رہی۔ پھر بولی: "اگر اسے کوئی نقصان پہنچانے کی بات ہوئی تو میں تمہیں اطلاع دوں گی۔ یہ تھوڑی سی غداری ہے۔ مگر میں مطمئن ہوں کہ بچے کو تمہاری تحویل میں جانے نہیں دوں گی۔ اور نہ ہی اس کا موقع دوں گی کہ تم میرے آقاؤں کو دھوکہ دے کر یہاں سے جا سکو۔"

"اتنا ہی کافی ہے۔ تم میرے کام نہیں آسکتیں۔ کوئی بات نہیں۔ میرے بچے کے کام آتی رہو۔ یہی میرے کام آنا ہوا۔"

"اچھا اب میں اپنے دماغ کے دروازے بند کرتی ہوں۔"

میں نے کہا: "میں بھی چند لمحے تک ذرا چپ رہوں گا۔ خیال خوانی کے بعد یہ میری عادت ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے بہروپیے کو وہ ساری باتیں سنا دیں جو سوچ کے ذریعے اس سے ہوتی رہی تھیں۔ پھر بہروپیے نے اس سے پوچھا۔ "میرا بیٹا اس وقت کہاں ہے؟"

"وہ اپنی ماں کے پاس ہے۔ دونوں کنیزیں منجالی اور ممباسی وہاں موجود ہیں۔"

بہروپیے نے پھر سوال کیا: "کیا مسٹر پرائسز والٹر بھی تم لوگوں کی طرح یوگا میں مہارت رکھتے ہیں؟ کیا میں ان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکوں گا؟"

"بے شک تم ان کی سوچ پڑھ سکو گے۔ وہ ہماری طرح اپنے دماغ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔"

"وہ مجھ سے ملاقات کرنے کا خطرہ کیسے مول لے رہے ہیں؟"

"کوئی تو ایسا شخص ہونا چاہیے جو تمہارے شایانِ شان ہو، تم سے معاملات طے کر سکے اور ہر معاملے پر تفصیل سے گفتگو کر سکے۔ مسٹر پرائسز والٹر بہت ہی ذہین، تجربے کار سیاستدان اور شاطر ہیں۔ میرا خیال ہے۔ مجھے اب چلنا چاہیے۔ مرجانہ آتی ہی ہوگی۔"

بہروپیا اس کا ہاتھ تھام کر دروازے تک جانے لگا۔ وہ بولی۔ "آج رات جب مسٹر والٹر واپس چلے جائیں گے تو میں تمہارے کمرے میں آؤں گی۔"

بہروپیا کوئی بہانہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی زبان سے کہا: "یو آر موسٹ ویلکم۔ میری آنکھیں تمہارے انتظار میں صبح تک کھلی رہیں گی اور یہ دروازہ بھی۔۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے بہروپیے نے دروازے کو کھول دیا۔ وہ چلی گئی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے پوچھا: "فرہاد صاحب! آپ نے مجھے یوزا کے ساتھ کیوں پھنسا دیا ہے۔ یہ رات کو میرے پاس آئے گی۔"

"یہ بہت ضروری ہے۔ یہ سمجھو کہ یہ یہاں رہے گی تو میرا بیٹا ممباسی اور منجالی کے پاس رہے گا۔ بچے کے آس پاس جو حفاظتی انتظامات ہیں ہم انھیں اسی طرح کمزور بنا سکتے ہیں۔"

میں ذرا دیر کے لیے موٹر بوٹ میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ چاروں طرف رات کی گہری تاریکی تھی۔ موٹر بوٹ اندھیرے میں تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ ٹارچ کے ذریعے قطب نما کو دیکھ کر صحیح راستے کا تعین کیا جا رہا تھا۔ سونیا، دونوں جوڑوں سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی۔ میں تھوڑی دیر تک پُرسکون بیٹھا رہا۔ سونیا نے مجھے بیدار متوجہ دیکھ کر پوچھا: "وہاں کیا حالات ہیں؟"

"تھوڑی دیر بعد بہروپیے فرہاد سے پرائسز والٹر کی ملاقات ہونے والی ہے، والٹر کے جانے کے بعد یوزا رات کو بہروپیے کے کمرے میں جائے گی۔ بچہ منجالی کی حفاظت میں رہے گا۔ ہمارے لیے بہترین موقع ہے۔ اس سے پہلے کہ پرائسز والٹر اپنے ہیلی کاپٹر میں واپس جائے، ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے۔ دیکھیں، اب کتنی دیر لگتی ہے۔"

نیرا تیس نے کہا: "اب ہم جزیرے کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں۔ کیوں نہ انجن کو بند کر دیں؟ اس کی آواز دور تک جا سکتی ہے۔"

"تم جو مناسب سمجھتے ہو کرو۔ میں والٹر سے ملاقات کرنے آتا ہوں۔"

انھوں نے موٹر بوٹ کے انجن کو بند کر دیا۔ پھر تیراکی کا لباس اور گیس سلنڈر وغیرہ نکالنے لگے۔ میں بہروپیے کے پاس آگیا۔ اس وقت وہ مرجانہ کے ساتھ عمارت کے ایک حصے سے گزرتا ہوا ایک بڑے سے ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ وہاں چار مسلح جوان تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ وہ کھانے کی میز کے اطراف تنا ور کھڑے ہوئے تھے۔ میز کے ایک دوسرے افتادہ حصے میں ایک ادھیڑ

عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ بہروپیے کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: "آیا، مسٹر فرہاد علی تیمور، آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

بہروپیے نے اس سے مصافحہ کرتے وقت کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مصافحہ کرنے والے نے کہا: "معلوم ہوتا ہے مجھے دیکھتے ہی آپ نے میرے خیالات پڑھ لیے ہیں اور آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں پرائسز والٹر نہیں ہوں۔ آپ بڑی بے دلی سے مصافحہ کر رہے ہیں۔"

بہروپیے نے کہا: "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ میرے سامنے کون ہے؟ میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخر یہاں مجھ سے کس قسم کی باتیں ہوتی ہیں اور میرے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔"

"ہم دوست ہیں۔ ہماری ہر ممکن کوشش یہی ہوگی کہ آپ سے دوستانہ رویہ رکھیں۔"

دوستی صرف ایک صورت میں ہوگی۔ میں اپنے بیٹے کو جزیرے سے لے کر باہر جاؤں پھر کسی اور ملک میں بیٹھ کر ہمارے درمیان دوستی کا معاہدہ شاید ہو سکتا ہے۔"

"آپ گفتگو میں بڑے محتاط ہیں۔ دوستی کے معاہدے کے سلسلے میں لفظ 'شاید' استعمال کر رہے ہیں۔ آئیے، تشریف لائیے کھانے کے دوران باتیں ہوتی رہیں گی۔"

وہ آگے بڑھ کر کھانے کی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ میں بہروپیے کے میزبان کی سوچ ٹٹولنے لگا۔ پتہ چلا، اس کا نام ڈینیلے ہے اور وہ پرائسز والٹر کا اسسٹنٹ ہے۔ والٹر بھی اپنی ایک لیڈی سیکرٹری کے ساتھ آیا ہے لیکن دوسرے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ ڈائننگ ٹیبل کے اوپر چھت پر ایک مائیک لٹک رہا تھا۔ یقیناً ان کی گفتگو دوسرے کمرے میں سنی جا رہی تھی۔

ڈینیلے نے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا: "انسان اپنی پیدائش کے وقت اپنے ماحول اپنے نظریات اور اپنے عقائد کا پابند ہوتا ہے۔ کسی دوسرے نظریات اور عقائد کو تسلیم نہیں کرتا اور کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ہم یہودی ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ دوسرے مذہب والے ہمارا مذہب اختیار کریں لیکن ایک سماجی زندگی گزارنے کے لیے بین الاقوامی برادری کا رشتہ قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کو سمجھنا اور ایک دوسرے کی کمزوریاں، خامیاں درست کرنا ہم سب کا فرض ہے۔"

بہروپیے نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "بے شک، نیک نیتی سے یہ کوشش کی جائے کہ عالمی برادری مستحکم ہو اور اختلافات کم سے کم ہوتے جائیں تو اس سے بہتر انسانی خدمت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"فرہاد صاحب! اسی لیے ہم آپ کا تعاون چاہتے ہیں۔ معلوم رسونتی، ہماری باتوں کو سمجھ رہی ہیں۔ ہمارے لیے دوستی کے نیک جذبات رکھتی ہیں۔ اگر آپ بھی ہمارے ساتھ۔۔۔۔"

بہروپیے نے بات کاٹ کر کہا: "آپ کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں؟ کیا میں فلسطین پر آپ لوگوں کے قبضے کو جائز تسلیم کر لوں؟ اور فلسطینی عوام کی ہجرت، بے سروسامانی اور بے وطنی پر خاموش رہوں؟"

اس نے مسکرا کر کہا: "آپ خاموش نہ رہیں۔ بولتے رہیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کتنے ہی اسلامی ممالک بول رہے ہیں۔ چیخ رہے ہیں۔ کتنے ہی بڑے ممالک ان چیخنے والوں کی حمایت میں کچھ نہ کچھ کہہ رہے ہیں لیکن ببانگ دہل ہمارے خلاف کوئی فیصلہ نہیں سنا سکتے۔ ہمارے سامنے اقوام متحدہ بھی بے بس ہے۔"

"جب آپ لوگ اتنے طاقتور ہیں اور وسیع ذرائع کے مالک ہیں تو مجھ سے دوستی کی کیا ضرورت ہے؟ میری کیا حیثیت ہے؟"

"ہم صرف فرہاد علی تیمور کو ہی نہیں، ایک معمولی آدمی کو بھی اپنا دوست، اپنا بھائی بنانا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھانا چاہتے ہیں، لوگو! سوچو، سمجھو کہ ہم نے اتنی طاقت کیسے حاصل کی۔ ہم بھی تمہاری طرح انسان ہیں۔ تم بھی ایک قوم ہو تو ہم بھی ایک قوم ہیں۔ مگر اتحاد کس میں ہے؟ تم میں ہے یا ہم میں ہے؟ آج ہم ساری دنیا میں متحد اور منظم ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمارے اصول ٹھوس اور آزمودہ ہیں۔ اب بھی آزمائے جا رہے ہیں اور ثابت کیے جا رہے ہیں۔ ہم جس زمین پر قدم رکھ دیتے ہیں، وہاں ہمارے پاؤں جم جاتے ہیں۔ کوئی ہمیں اکھاڑ نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اکھاڑنے والے ہمارے سامنے اصولی طور پر بھی کمزور ہیں اور اتحاد، نظم و نسق کے لحاظ سے بھی کورے ہیں۔ فرہاد صاحب! میرے کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم یہودی ساری دنیا فتح کرنے کے لیے آپ کا تعاون حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہرگز نہیں، دنیا کو فتح کرنے کے لیے ہمارے پاس جدید ترین ہتھیار اور فوجی ساز و سامان ہے۔ دنیا کی بڑی اور اہم تجارتیں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے پریس ہمارے اشاروں پر خبریں شائع کرتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں لاٹھی ہے اس لیے دنیا کی ساری بھینسیں ہماری ہیں۔"

بہروپیا خاموشی سے کھاتا رہا۔ ڈینیلے نے کہا: "ہم آپ سے صرف انسانی برداری کی بنیاد پر تعاون چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اسلامی ممالک میں اور خصوصاً پاکستان میں لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ یہودی بُرے نہیں ہوتے۔ ہم بھی انسان ہیں۔ ہمارے اندر اچھائیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر بُرائیاں ہیں تو وہ کسی وقت ختم کی جا سکتی ہیں لیکن پوری یہودی قوم کو نیست و نابود کر دینے کا خواب دیکھنا، ایسا ہی ہے کہ خواب دیکھتے ہی رہ جائیں اور تعبیر کبھی سامنے نہ آئے۔"

بہروپیے نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "بے شک، میں اپنے

پاکستانی بھائیوں سے یہ کہوں گا کہ قائداعظم نے اتحاد تنظیم کا جو درس ہمیں دیا تھا اس پر یہودی عمل کر رہے ہیں اور ہم بے عمل ہیں۔ میں اپنے تمام پاکستانی بھائیوں کے ساتھ مل کر یہ دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل دے، ذہانت دے لیکن یہودیوں والی مکاری نہ دے۔ تم مجھے اپنے نظریات کے پرچار کے لیے اور یہودیت کی تبلیغ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم لوگوں کو یقین ہے کہ میں راضی ہو جاؤں گا؟"

"آپ ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں۔ ہم نہ تو اپنے نظریات کا پرچار چاہتے۔ نہ ہی یہودیت کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہم صرف اچھائی کی تبلیغ چاہتے ہیں۔ ایک نیک جذبے کو، ایک اچھی بات کو دور دور تک پھیلانا سب سے بڑی نیکی ہے۔ ہم میں جو اچھائی ہے آپ اس کی تشہیر کریں۔"

"اور تم میں جو برائی ہے۔ کیا اسے چھپا لیا جائے؟"

"جو برائیاں یا کمزوریاں ہیں۔ اسے ہم خود دور کر لیں گے۔ ہم تو صرف اچھائیوں کی بات کر رہے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں کوئی مبلغ نہیں ہوں۔ اور نہ ہی تمہاری تبلیغی جماعت کا رہنما بن سکتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔ آپ ہمارے دوست بن کر نہیں رہنا چاہتے نہ سہی، دشمن بن کر بھی نہ رہیں۔ آپ غیر جانبداری برت سکتے ہیں۔"

"اگر ہمارا کوئی نقصان نہ ہو تو شاید میں غیر جانبدار رہوں۔ کوئی میرے ملک میں آ کر میرے ہاں کے خفیہ فائل کو چرانے کی کوشش کرے تو کیا میں غیر جانبدار رہوں گا؟ کبھی نہیں!"

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔ پاکستان میں کبھی کوئی تخریبی کارروائی نہیں کریں گے۔ نہ ہی ادھر کا رُخ کریں گے۔"

بھرو پیے نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے۔ کرسی پر سیدھی طرح بیٹھتے ہوئے کہا: "شاید آپ کو یہ نہیں معلوم ہے کہ ہماری نظریاتی سرحدیں پاکستان سے شروع ہوتی ہیں اور فلسطین تک جاتی ہیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "دیکھیے، اس طرح تو بحث جاری رہے گی اور صبح ہو جائے گی ہمیں مختصر الفاظ میں کسی بہتر نتیجے تک پہنچنا چاہیے۔ آپ دوستی کے لیے کوئی سیاسی بات درمیان میں نہ لائیں۔ فلسطین وغیرہ کا مسئلہ اقوام متحدہ پر چھوڑ دیں۔"

بھرو پیے نے کہا: "اقوام متحدہ میں جو فیصلہ ہوگا، اسی کے مطابق آپ لوگوں سے دوستی یا دشمنی ہوگی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی آپ کسی طرح بھی دوستی پر آمادہ نہیں ہو سکتے؟"

"اگر میں صاف طور پر انکار کر دوں تو؟"

وہ ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کھانے کی پلیٹ کو اپنے آگے سے ذرا دور سرکاتے ہوئے پوچھا: "آپ نے یہ سوچا ہے کہ ہم آپ کو اس جزیرے میں کیوں لے کر آئے ہیں؟"

"میں اپنی مرضی سے مرجانہ کے ساتھ آیا ہوں۔"

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت ہی ناداں ہیں۔ ہم نے کبھی فرہاد علی تیمور کو اس جزیرے میں آنے کا موقع دیا ہے؟ جہاں اس کے قدم پڑتے ہیں وہاں کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم بچے کو یہاں سے لے جانے کے لیے ایسی چالیں چلو گے جو ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوں گی۔ ہمیں بعد میں پچھتاوا ہوگا کہ ہم تمہیں اس جزیرے میں کیوں لے آئے تھے یا تم خود چلے آئے اور ہم نے آنے کی اجازت کیوں دی؟"

بھرو پیے نے کھانا ختم کرتے ہوئے پوچھا: "ہاں، یہ میں ضرور پوچھوں گا۔ آپ لوگوں نے مجھے یہاں آنے کی اجازت کیوں دی؟"

وہ پھر ایک بار ہنستے ہوئے بولا: "ہمیں بچے کی طرف سے اطمینان ہے۔ اب وہ بچہ آپ کی گود میں نہیں آ سکے گا۔"

بھرو پیے نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ چار مسلح جوان اسٹین گنیں لیے کھڑے ہوئے تھے ان اسٹین گنوں کا رُخ بھرو پیے کی طرف تھا۔ اس نے پوچھا: "اس کا مطلب یہ ہے کہ اب میں قیدی بنا لیا گیا ہوں؟"

"آپ جب چاہیں آزاد ہو سکتے ہیں۔ آپ کو اس کے لیے پابند کیا گیا ہے کہ آپ بچے تک نہ پہنچ سکیں۔ بچے کو ہم ہیلی کاپٹر کی طرف لے جا رہے ہیں۔ وہ جزیرے سے چلا جائے گا۔ آپ اپنی والئف کے ساتھ یہاں آرام سے زندگی کے دن گزارتے رہیں گے اور ہمارے مشوروں پر غور کرتے رہیں گے۔"

میں نے بھرو پیے سے کہا: "تم خاموشی سے ان کے قیدی بن جاؤ۔ میں بچے کے لیے جا رہا ہوں۔"

یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا، سونتی اپنی حماقتوں کی وجہ سے پہلے خود قیدی بن گئی تھی۔ اب میں بھی جزیرے میں جاؤں گا تو قیدی بنا لیا جاؤں گا لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ بچے کو ہم سے دور کر دیا جائے گا، اسے کسی دوسری جگہ بھیج دیا جائے گا۔ یہ ان کی بڑی تگڑی چال تھی۔

میں سونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر روزا بچے کو اس کے پاس سے اٹھا کر لے جا رہی تھی۔ منجالی نے پوچھا: "بچہ آرام سے سو رہا ہے اسے کہاں لے جا رہی ہو؟" روزا نے کہا: "یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ بچے کو کہاں لے جانا چاہیے اور کہاں سلانا چاہیے۔"

میں نے روزا کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تو اس نے سانس روک لی۔ دوسرے ہی لمحے پھر سانس چھوڑتے ہوئے پوچھا: "فرہاد تم ہو؟"

"ہاں، میری جان میں ہوں۔ یہ تمہارے پیار کی آزمائش کا وقت ہے۔ بتاؤ، بچے کو کہاں لے جا رہی ہو؟"

"فرہاد! میں اپنے آقاؤں کی وفادار ہوں۔ ان کے حکم کے مطابق اسے ہیلی کاپٹر کی طرف لے جا رہی ہوں۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ان کے حکم کی تعمیل بھی کرو اور میری محبت کا ثبوت بھی دو۔"

اس نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

"منجالی کو اپنے ساتھ لے چلو۔ تم اپنا فرض ادا کرو میں منجالی کے ذریعے اپنا کام کروں گا۔"

"منجالی بھی اپنے دماغ میں اجنبی سوچ کی لہروں کو محسوس کر لیتی ہے۔ وہ تمہیں اپنے دماغ میں جگہ نہ دے گی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اسے کنٹرول کر لوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا منجالی سے کوئی رابطہ پہلے بھی رہا ہے۔"

"یہ باتیں جانے دو۔ تم میرے کام آنا چاہتی ہو یا نہیں؟"

"مجھے افسوس ہے۔ میں اپنے آقاؤں سے غداری نہیں کروں گی۔ میں جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنے دماغ کے دروازے بند کر لیے۔ میں نے منجالی کے پاس پہنچ کر اسے بتایا کہ روزا بچے کو ہیلی کاپٹر کی طرف لے جا رہی ہے۔ وہ لوگ اسے جزیرے سے باہر لے جا رہے ہیں۔ منجالی ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دوڑتی ہوئی روزا کی طرف گئی لیکن اس وقت تک روزا دروازے سے باہر نکل چکی تھی۔ وہاں کھڑے ہوئے دو مسلح جوانوں نے دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کر دیا اور اسے باہر سے لاک کر دیا۔ منجالی دروازہ پیٹنا چاہتی تھی میں نے منع کر دیا: "صبر سے کام لو۔ میں کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں ممباسی کے پاس پہنچا۔ وہ ایک کمرے میں تھی۔ میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے کمرے سے نکالنا چاہا تو پتا چلا کہ اس کمرے کا دروازہ بھی باہر سے بند ہے۔ میں فوراً ہی ساریکا کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ پہلے تو اس نے اپنی سانسیں روک لیں پھر دوسری بار گہری سانس لیتے ہوئے کہا: "مسٹر فرہاد! مجھے معلوم ہے۔ آپ اس وقت میرے پاس کس لیے آئے ہیں۔ میں آپ کی مدد نہیں کر سکوں گی۔ میں اپنے آقاؤں کی وفادار ہوں۔"

"ساریکا! تم ہندوستانی ہو اور سونتی تمہارے دیس کی رہنے والی ہے۔ تمہیں اس سے محبت ہونا چاہیے۔ تمہیں اس کے کام آنا چاہیے۔"

"میں سونتی کی دشمن نہیں ہوں۔ بچہ جہاں بھی لے جایا جا رہا ہے، وہاں حفاظت سے رہے گا۔ ایک دن سونتی کو مل جائے گا۔ آپ بچے کو پانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر چاہتے ہیں تو میرے آقاؤں کی باتوں کو تسلیم کر لیجیے۔ بس اب جائیے۔ میں اپنے دماغ کے دروازے بند کر رہی ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ سے باہر آ گئیں۔ میں ایک دم سے تڑپ گیا۔ مجھے اپنے بچے کی حفاظت کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ تمام دروازے بند کیے جا رہے تھے۔ تمام راستے مسدود ہو رہے تھے۔ میں دونوں مٹھیاں بھینچے، دانت پر دانت جمائے بیٹھا تھا۔ اچانک سونیا نے جھنجوڑ کر پوچھا: "فرہاد کیا ہو گیا ہے؟ تم اس طرح کیوں کانپ رہے ہو؟ مٹھیاں کیوں بھینچ لی ہیں؟"

میں نے آنکھیں کھول کر کہا: "غضب ہو گیا۔ وہ لوگ میرے بچے کو جزیرے سے کسی دوسری جگہ لے جا رہے ہیں۔ بھرو پیے کو فرہاد سمجھ رہے ہیں اس لیے اسے اور سونتی کو جزیرے میں چھوڑ رہے ہیں۔"

پھر دوسرے ہی لمحے میں نے چونک کر کہا: "ذرا ٹھہرو۔ میں ڈینیلے کو ٹریپ کر کے دیکھتا ہوں۔"

میں ڈینیلے کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بھرو پیے سے کہہ رہا تھا: "مسٹر فرہاد! آپ تو بالکل گم صم بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا خیال خوانی میں مصروف ہیں۔ بھئی، میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے ٹریپ کریں اور میرے ذریعے اپنے بچے تک پہنچنے کی کوشش کریں۔"

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگا پھر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "لیکن یہ چاروں محافظ گن لیے کھڑے ہیں۔ آپ میرے دماغ پر قابض ہو کر مجھے بچے کی طرف روانہ کریں گے تو یہ مجھے جانے نہیں دیں گے۔ میں جانا چاہوں گا تو مجھے گولی مار دیں گے۔ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لیں۔ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔ اپنے آقاؤں کا وفادار ہوں۔ ان کے لیے جان دے سکتا ہوں۔"

بھرو پیے نے مجھ سے کہا: "فرہاد! کیا آپ میرے ایک مشورے پر عمل کریں گے؟"

"ضرور عمل کروں گا۔ بولو۔"

"آپ اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کریں۔ وہ ہمارے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے چین ہوں گی۔"

"اعلیٰ بی بی سے کس طرح رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ آپ نیرو بی کے چور سے رابطہ قائم کریں وہ آپ کو اعلیٰ بی بی کا کیسٹ سنائے گا۔"

میں نے اپنا سر کھجاتے ہوئے سوچا۔ تعجب ہے۔ اتنی سی بات میری سمجھ میں پہلے نہیں آئی۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ میں کیسٹ کے ذریعے اعلیٰ بی بی کی آواز سن سکتا ہوں تو میں بہت پہلے ہی اس آواز کو سننے کا مطالبہ کرتا۔ سونیا نے پوچھا: "تم کچھ سوچ رہے ہو؟"

"غوطہ خوری سے پہلے میں اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا

ہوں۔ ذرا ٹھہرو اور میرا انتظار کرو۔"

میں نے نیروبی کے چور سے رابطہ قائم کیا اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ اس نے کہا: "ذرا ایک منٹ انتظار کریں۔ میں ابھی ان کی آواز کا کیسٹ سناتا ہوں۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "کیا تمھیں اس بات کی اجازت ہے کہ تم اعلیٰ بی بی کی آواز مجھ تک پہنچاؤ اور میں ان کے دماغ تک پہنچ جاؤں؟"

"جی ہاں، ان کا حکم ہے۔ جب کبھی ایسی سچویشن پیدا ہو جائے کہ آپ کے اور اعلیٰ بی بی کے درمیان رابطہ قائم کرنا نہایت ضروری ہو جائے تو ضرور ان کی آواز آپ تک پہنچائی جائے۔ پلیز، ویٹ اے منٹ۔"

میں انتظار کرنے لگا۔ وہ اعلیٰ بی بی جو بہت پُراسرار بنی ہوئی تھی وہ اب میری ٹیلی پیتھی کی زد میں آنے والی تھی۔ یوں تو میری زندگی میں بہت سے لوگ پُراسرار بنتے رہے اور میں انھیں بے نقاب کرتا رہا لیکن اعلیٰ بی بی ان سب سے الگ اور منفرد تھی۔ کیونکہ وہ دشمنوں کی طرح پُراسرار نہیں تھی۔ شاید مصلحت سے دور رہنے پر مجبور تھی، اور اب وہ دوری ختم ہونے والی تھی۔

اس چور نے کیسٹ کو ایک ریکارڈر میں سیٹ کرنے کے بعد پوچھا: "فرہاد صاحب! آپ موجود ہیں؟"

"ہاں، سناؤ۔"

اس نے ریکارڈر کو آن کر دیا۔ چند سیکنڈ تک خاموشی رہی۔ پھر بہت ہی مترنم رس بھری آواز سنائی دی: "ہیلو فرہاد! میں بول رہی ہوں اور تم سن رہے ہو؟ اگر نہیں پہچان رہے ہو تو میری آواز نہ سنو۔ میں خاموش ہو رہی ہوں۔ اتنا ہی کافی ہے۔ تم میرے دماغ تک پہنچ سکتے ہو مگر پہنچنے سے پہلے مجھے پہچان لینا۔ میں تمھاری ہوں۔ تمھاری ٹیلی پیتھی کی ابتدا سے تمھاری ہوں۔"

اس کے بعد آواز ختم ہو گئی۔ وہ چپ ہو گئی تھی۔ کیسٹ خاموش ہو گیا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں اس آواز کو، اس لب و لہجے کو پہچان رہا تھا۔ اسے پہچاننے میں غلطی بھی ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا لیکن اس نے آخر میں یہ کہا تھا کہ میری ٹیلی پیتھی کی ابتدا سے وہ میری ہے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ سامی ہے۔

سامی اور اعلیٰ بی بی؟

مگر کیسے؟ اعلیٰ بی بی، سامی کیسے بن گئی؟ یا سامی اعلیٰ بی بی کیسے بن گئی؟

ان سوالوں کا جواب فوراً ہی سمجھ میں آ گیا۔ سامی ہی اعلیٰ بی بی تھی اور اس اعلیٰ بی بی نے اپنے بدن کا خون نکال کر ایک بوتل میں بھونند چمار کے حوالے کیا تھا تاکہ وہ چمکیلی تلی اس کے خون سے غسل کرے۔ اپنے جادوئی عمل کی تکمیل کرے اور انسانی روپ اختیار کرنے کے بعد اعلیٰ بی بی کی چالبازی سے بے موت ماری جائے۔ بہرحال اعلیٰ بی بی نے اپنی ذہانت یا چالبازی سے اس کالے جادو کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔

اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ میں بڑے اضطراب میں مبتلا تھا۔ ایک طرف فکر تھی، اندیشہ تھا۔ دشمن میرے بچے کو اتنی دور لے جاتے کہ میں وہاں پہنچ نہ سکتا۔ ادھر یہ اہم انکشاف ہوا تھا کہ اعلیٰ بی بی میری سامی ہے۔ میری سوچ کی لہریں تڑپ کر سامی کی طرف پرواز کرنے لگیں۔

میں اس کے دماغ میں پہنچا، پھر باہر نکل آیا۔ کیونکہ اسی لمحے اس نے سانس روک لی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بابا فرید واسطی نے اسے بھی اپنی طرح یوگا کا آرٹ سکھایا تھا۔ بہرحال پھر میں نے اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کی تو راستہ مل گیا۔ اس کی دلنواز سوچ نے کہا: "ہائے فرہاد! یہ تم ہو۔ اگر تم ہو تو خوش آمدید میرے محبوب!"

"ہاں، سامی، میں ہوں فرہاد۔ تمھارا فرہاد..."

"اچھا۔ ہماری باتیں تو ابھی بہت سی ہوں گی۔ پہلے میرے آس پاس کی آوازیں سنو۔"

میں اس کے دماغ میں بیٹھ کر سننے لگا۔ سب سے پہلے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ سامی، اسے دونوں ہاتھوں میں لے کر پچکار رہی تھی۔ چوم رہی تھی۔ میں نے حیرانی سے پوچھا: "یہ کیا؟ یہ کس کا بچہ ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی: "اگر میں کہوں فرہاد کا بچہ تو یہ پیار بھری نوک جھوک ہو گی اور تم جواب میں کہو گے۔ سامی کی بچی۔ ویسے یہ حقیقتاً ہم سب کا بچہ ہے۔ تمھارا بیٹا ہے اور میری گود میں ہے۔"

یہ تو اور زیادہ چونکا دینے والا انکشاف تھا۔ جس بیٹے کے لیے میں پریشان ہو رہا تھا۔ وہ سامی عرف اعلیٰ بی بی کی گود میں پہنچ گیا تھا۔

ٹھیک ہے کہ میرا بیٹا اس کی گود میں پہنچ گیا تھا لیکن وہ میرے بیٹے تک کیسے پہنچ گئی تھی؟

دوسرے ہی لمحے میری حیرانی دور ہو گئی۔ سامی عرف اعلیٰ بی بی نے بچے کو چوم کر کہا: "میں مسٹر پرائٹر والٹر کی سکریٹری سلوانا ہوں۔ جب تک تم جزیرے پر نہیں پہنچو گے۔ میں پرائٹر والٹر کو یہاں سے جانے کا موقع نہیں دوں گی۔ تم جلد سے جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

میں نے موٹر بوٹ میں دماغی طور پر حاضر ہو کر سونیا سے کہا: "ایک چونکا دینے والی بات سنو۔ اعلیٰ بی بی جزیرہ الدبرا میں موجود ہے۔"

"کیا؟" سونیا کے ساتھ دونوں چوروں نے بھی حیرانی کا اظہار کیا اور مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

میں نے سونیا کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا: "اور کچھ سنو گی۔ وہ اعلیٰ بی بی ہماری سامی ہے۔ گمشدہ سامی..."

سونیا نے بے یقینی سے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا تم کوئی طلسمی کہانی سنا رہے ہو؟"

"ہاں، جب سامی پہلی بار میری زندگی میں آئی تھی تو طلسم ہوشربا کے ساتھ آئی تھی اور کچھ عرصہ پہلے تک بھی وہ کالے جادو کے زیر اثر تھی۔ اس کالے جادو کا توڑ کر کے سامی بلی سے اعلیٰ بی بی کیسے بن گئی یہ معلوم کرنے کی ابھی فرصت نہیں ہے۔ ہمیں جلد از جلد جزیرے میں پہنچنا ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد اعلیٰ بی بی سے ملاقات ہو گی تبھی اس راز سے پردہ اٹھ سکے گا۔"

ہم نے غیرانی کے لباس پہن کر ایک دوسرے کی پشت پر گیس سلنڈر باندھے اور چہروں پر واٹر پروف ماسک چڑھا لیے۔ اس ماسک سے گیس پائپ کی نلکی منسلک تھی جس کے ذریعے ہم پانی کے اندر سانس لے سکتے تھے۔ موٹر بوٹ چھوڑنے سے پہلے میں نے سامی سے کہا: "اب ہمارا زیر آب سفر شروع ہو رہا ہے۔ اگر تمھارے چور نے ہماری صحیح رہنمائی کی تو ہم جلد ہی اس جزیرے میں پہنچ جائیں گے۔"

اس وقت میرا بیٹا پارس سامی کی گود میں نہیں تھا۔ ڈاکٹر روز افیڈر اسے دودھ پلا رہی تھی۔ مجھے ایک مرد کی آواز سنائی دی: "وہ سامی سے کہہ رہا تھا: مس سلوانا، تمھارا کیا خیال ہے، کیا فرہاد، ہم سے دوستی پر آمادہ ہو جائے گا؟"

سامی نے جواب دیا: "میں سمجھتی ہوں۔ اُسے آمادہ ہونا پڑے گا۔ آپ نے بڑی ذہانت سے اُسے گرفت میں لیا ہے۔ وہ اس جزیرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ جزیرہ تو دور کی بات ہے جس کمرے میں ہے اس کمرے سے نہیں نکل سکتا۔ چاروں طرف اسٹین گنیں موجود ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے سوچ کے ذریعے مجھ سے پوچھا: "فرہاد تم مسٹر پرائٹر والٹر کے لب و لہجے کو نوٹ کر رہے ہو؟"

"ہاں اب میں کسی وقت بھی اس کے دماغ میں پہنچ سکتا ہوں۔ فی الحال زیر آب جا رہا ہوں۔ جزیرے میں پہنچ کر ہی تم سے رابطہ قائم کروں گا۔"

میں دماغی طور پر موٹر بوٹ میں حاضر ہو گیا۔ سب سے پہلے چور نمبر چھتیس نے موٹر بوٹ سے اتر کر پانی میں ڈبکی لگائی۔ اس کے بعد سونیا نے موٹر بوٹ کو چھوڑا۔ آخر میں میں نے غوطہ لگایا۔ ہمارا چوتھا ساتھی یعنی چور نمبر اڑتیس موٹر بوٹ میں رہا۔ اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ صبح ہونے تک وہیں سمندر میں ہمارا انتظار کرے۔ اگر ہم واپس نہ آئے اور دن کی روشنی میں اسے دیکھ لیے جانے کا اندیشہ ہو تو وہ موت کے جزیرے کی طرف واپس چلا جائے۔"

ہم سمندر کی پُراسرار اجنبی دنیا میں پہنچ گئے۔ وہ دنیا ہماری دنیا سے مختلف تھی۔ ہمارے دونوں پاؤں مسلسل چپوؤں کی طرح حرکت کر رہے تھے اور ہاتھوں میں ایروگن تھیں۔ اس کے علاوہ واٹر پروف بیگ میں ایسے ہتھیار بھی تھے جو خشکی پر استعمال کیے جا سکتے تھے۔ زیر آب استعمال ہونے والے اور دوسرے ہتھیار ہمارے بیلٹ سے منسلک تھے۔ ہماری پیشانیوں پر ایک ایک بڑی قوت کی ٹارچ بندھی ہوئی تھی۔ جو آگے کا راستہ دکھا رہی تھی۔

ویسے پانی کے اندر راستہ کہاں دکھائی دیتا ہے راستہ بنانا پڑتا ہے اور ہماری رہنمائی کرنے والا چور جانتا تھا کہ ہمیں کس سمت جانا ہے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ ٹارچ کی روشنی میں ہمیں مچھلیاں، دوسرے آبی جانور، سمندری جھاڑیاں اور عجیب و غریب پودے نظر آ جاتے تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے رہے۔ وہ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ کافی فاصلہ طے کر لینے کے بعد ہمیں کائی زدہ چٹانیں نظر آئیں گی۔ ہماری رہنمائی کرنے والے چور نے بتایا تھا کہ ساحل کے قریب ہمیں کائی زدہ چٹانیں نظر آئیں۔

ان چٹانوں کے نظر آتے ہی ہم سمندر کی سطح پر پہنچنے کے لیے اوپر اٹھنے لگیں گے۔ اس وقت ہم اس کی رہنمائی میں اوپر کی جانب تیر رہے تھے۔ زیر آب سمندر پرسکون تھا۔ رفتہ رفتہ ہمیں لہروں کی تیزی اور تندی کا احساس ہونے لگا۔ اکھڑی ہوئی جھاڑیاں اور پودے ہمارے ساتھ ساتھ تیرتے ہوئے ہم سے لپٹنے لگے۔ پھر کیچڑ اور ریت نظر آنے لگی۔

اسی وقت ہمارے آگے جانے والے چور نے اپنی ہیڈ لائٹ بجھا دی۔ ہم نے بھی اس کی تقلید کی۔ اب اندھیرا چھا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارے پاؤں ریت پر پڑنے لگے۔ تند و تیز لہریں ہمیں بہا کر آگے کی طرف لے جانے لگیں۔ چور نے ہمیں اشارہ کیا۔ اس اشارے کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے قدم ریت پر جمائے رکھیں۔ اس لیے کہ لہریں اب واپس جائیں گی۔

اور ایسا ہی ہوا جب لہریں واپس جانے لگیں تو ہمارے پاؤں اکھڑنے لگے۔ سونیا نے مجھے اور میں نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ چند سیکنڈ کی بات تھی۔ پھر لہریں ہمیں آگے کی طرف دھکیلنے لگیں۔ تب ہم سمندر کی سطح پر ابھر آئے۔

اندھیری رات میں پہلے تو کچھ نظر نہیں آیا۔ اتنا سمجھ میں آ گیا تھا کہ کسی ساحل پر پہنچ گئے ہیں۔ ہم تھوڑی دور دوڑتے ہوئے آگے کی طرف گئے پھر ریت پر ایسی جگہ گر پڑے جہاں سمندر کی لہریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ میں نے سونیا کے چہرے سے ماسک کھولا۔

چور نے مجھے ماسک سے نجات دلائی۔ ہم نے خود کو گیس سلنڈر وغیرہ سے آزاد کیا اور کھلی فضا میں سانس لیتے ہوئے ریت پر چاروں شانے چت لیٹ گئے۔

میں تھوڑی دیر تک تازہ ہوا میں سانس لیتا رہا۔ اس کے بعد پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک کمرے میں بیٹھا ہوا مرجانہ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی: "میں فرہاد سے دور نہیں رہ سکتی۔ آپ مجھے اس کے پاس جانے سے کیوں روک رہے ہیں؟"

پرائنز والٹر نے ذرا سخت لہجے میں کہا: "مرجانہ! تم ہماری وفادار ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جو حکم دیا جاتا ہے۔ اس پر ہر حال میں عمل کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش نہیں رہتی۔ میں تمھارے سوال کے جواب میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مصلحت ہے۔ فرہاد تین بجے تک تنہا رہنا چاہتا ہے۔ وہ اس مسئلے پر غور کر رہا ہے کہ ہم سے سمجھوتہ کرے گا یا نہیں۔"

مرجانہ نے کہا: "میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ وہ اگر اس مسئلے پر غور کر رہا ہے تو میں اسے زیادہ سے زیادہ آپ لوگوں کی طرف مائل کروں گی۔ میں اسے اپنا ہم خیال بنانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔ مجھے اس کی تنہائی میں جانے سے مت روکیے۔"

پرائنز والٹر نے جواب نہیں دیا۔ اپنا پائپ سلگانے کے بہانے سوچنے لگا۔ "پتہ نہیں اس کمبخت فرہاد میں کیا بات ہے کہ یہ عورتیں اس پر اس قدر مرتی ہیں۔ ابھی ڈاکٹر روزا نے میرے آگے گڑگڑاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ فرہاد کو ہماری طرف مائل کرے گی۔ اسے فرہاد سے تنہائی میں ملنے کا موقع دیا جائے۔ میں نے اسے موقع دیا ہے۔ یہ بات اگر مرجانہ کو معلوم ہو گئی تو یہ بھڑک جائے گی اور روزا کی ہڈیوں کا بھی سرمہ بنائے گی۔ مصلحت کا تقاضا ہے کہ انھیں لڑائی جھگڑے سے دور رکھا جائے اور کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہونے دیا جائے۔"

یہ سوچنے کے دوران اس نے پائپ سلگا کر ایک کش لیا اور دھواں چھوڑنے کے بعد کہا: "ہم رات کے دو بجے فرہاد سے پوچھیں گے کہ اس نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اگر اس نے فیصلہ نہ کیا ہوگا یا ٹالنے کی کوشش کرے گا تو ہم دو بجے کے بعد تمھیں اس کے پاس بھیج دیں گے۔"

وہ خوش ہو گئی۔ پرائنز والٹر نے سوچا "ٹھیک دو بجے ڈاکٹر روزا کو فرہاد کے پاس سے بلا لیا جائے گا اور مرجانہ کو وہاں بھیج دیا جائے گا۔ دیکھیں یہ عورتیں کیا کارنامہ انجام دیتی ہیں۔"

میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر روزا بہروپیے فرہاد کے ساتھ کیا چال چل رہی ہے۔ وہ اسے کس طرح شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہی ہے۔ چنانچہ میں بہروپیے کے دماغ میں جا پہنچا مگر دوسرے ہی لمحے واپس آ جانا پڑا۔ میرا وہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔

میں پرائنز والٹر کے پاس پہنچا۔ وہ مرجانہ سے کہہ رہا تھا: "ویسے تو فرہاد ہماری مٹھی میں ہے۔ کہیں نکل کر جا نہیں سکتا۔ اپنے بچے کی خاطر اسے ہمارے آگے جھکنا ہی ہوگا لیکن میں چاہتا ہوں۔ تمام معاملات دوستانہ انداز میں طے ہو جائیں اور ہمیں اسے بچے کے ذریعے بلیک میل نہ کرنا پڑے تو زیادہ اچھا ہوگا۔"

"یعنی وہ نہ مانے تو انھیں بلیک میل کیا جائے گا۔ مجبور کیا جائے گا؟"

"جب ہم مجبور ہوں گے تو اسے بھی مجبور کریں گے۔"

مرجانہ نے پریشان ہو کر کہا: "پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔ فرہاد مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے کیونکہ میں ہی انھیں اس جزیرے میں لائی ہوں اور اپنی محبت کا واسطہ دے کر انھیں یقین دلایا تھا کہ یہاں دوستانہ انداز میں ان کا استقبال ہوگا اور بچہ ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

پرائنز والٹر نے کہا: "ہم کب انکار کر رہے ہیں۔ ہم تو خود چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے دشمنی نہ رکھے۔ ہم اسے بہتر دوست اسے کہیں نہیں مل سکتے۔"

میں نے سامی کے پاس پہنچ کر — "میں جزیرے میں آ گیا ہوں۔ میرے ساتھ سونیا اور چور نمبر چھتیس ہیں۔ میں نے ابھی پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچ کر اس کی گفتگو سنی ہے۔"

پھر میں نے مرجانہ اور اس کی گفتگو کا خلاصہ سامی کو سنایا۔ وہ بولی: "فرہاد! ذرا سوچو۔ عورتوں کے معاملے میں تم کتنے بدنام ہو چکے ہو۔"

"تم بات کو کہیں اور لے جا رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ مرجانہ سے روزا کی پٹائی کرا دی جائے۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ وہ فرہاد کے کمرے میں ہے تو مرجانہ اسے چھوڑے گی نہیں۔"

سامی نے کہا: "اس سے فائدہ کیا ہوگا، ان دونوں میں جھگڑا ہوگا تو یہ یہودی آقا ان میں صلح کرا دیں گے۔"

"ہاں، ہو سکتا ہے کہ صلح کرا دیں لیکن مرجانہ کے دل میں یہ خلش پیدا ہو جائے گی کہ اس کے یہودی آقا دو طرفہ چالیں چل رہے ہیں۔ ایک طرف مجھے اس کا محبوب بنا رہے ہیں۔ دوسری طرف اس کے محبوب کے پاس دوسری عورتوں کو بھیج رہے ہیں۔ یہ دوغلی حرکات مرجانہ کو باغی بنا سکتی ہیں۔"

سامی نے کہا: "چلو۔ کوشش کر کے دیکھ لو میں سمجھتی ہوں کہ برین واشنگ کے بعد مرجانہ پوری طرح یہودیت کو قبول کر چکی ہے۔ وہ ان سے شکایت تو کرے گی۔ مخالفت میں بولے گی بھی ضرور مگر بغاوت نہیں کرے گی۔ ویسے تمھاری یہ چال اس قول کے مطابق ہے کہ ہم اپنے سامنے کی دیوار کو گرا نہ سکیں تو کم از کم اس میں سوراخ تو کر سکتے ہیں۔"

ہم ریت پر سے اٹھ گئے۔ تیراکی کے لباس اتار کر ایک تھیلے میں بھر دیے اور اس تھیلے کو چھپانے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کے دوران میں نے سامی سے پوچھا: "تم جزیرے کی کس سمت میں ہو؟"

اس نے بتایا۔ "یہ عمارت جزیرہ الدبرا کے مشرقی حصے میں ہے۔ تم ساحل کے ساتھ ساتھ مشرق کی سمت بڑھتے چلو جہاں بہت زیادہ ہریالی نظر آئے وہاں سے ساحل کو چھوڑ کر جزیرے کے اندرونی حصے میں داخل ہو جاؤ۔ چند میل سفر کے بعد تم لوگوں کو یہ عمارت نظر آ جائے گی۔"

میں نے کہا: "تمھارے چور کے پاس قطب نما ہے ہم اس کے ذریعے اسی طرف بڑھتے ہیں لیکن ساحل کے ساتھ چلنے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں دشمنوں سے ٹکراؤ نہ ہو جائے ہماری معلومات کے مطابق جزیرے کے چاروں طرف سخت پہرہ ہے۔ اور شاید دو چار مشین گنیں بھی کہیں نصب ہیں۔ یہ تو ایک اتفاق ہے کہ ہم اس ویران ساحل پر پہنچے ہیں۔ آگے کیا ہوگا۔ پتہ نہیں۔"

"کسی سے ٹکراؤ نہ ہو تو بہتر ہے کیونکہ جزیرے کے چاروں طرف مورچے ہیں۔ وہاں ٹرانسمیٹر بھی موجود ہیں جن کے ذریعے بحری جہاز سے بھی رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے اور مسٹر پرائنز والٹر کے اسسٹنٹ مسٹر ڈینیلے سے بھی رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ ٹکراؤ ہوا تو انھیں پتہ چل جائے گا کہ جزیرے میں تین اجنبی داخل ہو چکے ہیں۔ تم پر تو شبہ نہیں کیا جائے گا — اس لیے کہ وہ اب تک نقلی فرہاد پر شک نہیں کر سکے ہیں۔ البتہ وہ سمجھ لیں گے کہ فرہاد کی تلاش میں سونیا یہاں آ گئی ہے۔ یہ لوگ تمھیں برین کینسر سمجھتے ہیں تو سونیا کو دھماکہ خیز زلزلے سے کم نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ جہاں جاتی ہے پاؤں تلے سے زمین سرکا دیتی ہے۔"

ہم نے ایک بہت بڑے درخت کے پاس پہنچ کر اوپر کی طرف دیکھا وہ درخت بہت گھنا تھا۔ چور ہمارے تیراکی کے لباس اور گیس سلنڈر وغیرہ وہاں چھپانے کے لیے اس درخت پر چڑھنے لگا۔ سونیا نے کچھ سوچ کر کہا: "سنو صرف فرہاد کا گیس سلنڈر اور تیراکی کا لباس دوسرے غیر ضروری سامان کے ساتھ یہاں چھپا دو۔ ہم دونوں کا تمام سامان ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔"

میں نے پوچھا: "اس سے کیا حاصل ہوگا؟"

"میں چاہتی ہوں کہ اگر دشمنوں سے ٹکراؤ ہو تو ہم دونوں ان کا مقابلہ کریں اور تم کہیں دور چھپ جاؤ۔ یقیناً وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دیں گے کہ یہاں دو اجنبی آ گئے ہیں اور مشکوک حرکتیں کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا: "یقیناً تمام دشمنوں کا خیال تمھاری طرف جائے گا کیونکہ ان کے خیال میں صرف تم ہی جزیرے میں پہنچ سکتی ہو۔"

"ہاں، یہی میں سوچ رہی ہوں کہ اگر وہ نہ سمجھے تو میں کسی طرح خود کو ان پر ظاہر کر دوں۔ وہ نقلی فرہاد پر دباؤ ڈالیں گے کہ اگر وہ بچے کی سلامتی چاہتا ہے تو خیال خوانی کے ذریعے سونیا کو ہتھیار پھینکنے پر مجبور کرے۔ میں ظاہر کر دوں گی کہ مجھ سے خیال خوانی کے ذریعے تمھارا رابطہ قائم ہو گیا ہے اور تم نے مجھے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پھر میں اور نمبر چھتیس ہتھیار پھینک کر گرفتاری پیش کر دیں گے۔ وہ ہمیں گرفتار کر کے اسی عمارت کی طرف لے جائیں گے۔ اس طرح تم ان کے پیچھے با آسانی عمارت تک پہنچ سکتے ہو۔"

نمبر چھتیس نے کہا: "مادام! پلان تو بہت اچھا ہے لیکن ہمارے ہتھیار پھینکنے کے بعد دشمنوں نے ہمیں گولی مار دی تو کیا ہوگا؟ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں ہے لیکن آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے۔"

سونیا نے کہا: "اطمینان رکھو۔ وہ ہمیں گولی نہیں ماریں گے کیونکہ جب وہ نقلی فرہاد پر دباؤ ڈالیں گے تو وہ ان سے کہے گا کہ اگر سونیا کو بحفاظت اس عمارت تک پہنچایا جائے تو وہ ان سے دوستی کا معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔"

نمبر چھتیس نے قائل ہو کر کہا: "واقعی اس طرح تو ہم بڑی آسانی سے اس عمارت تک پہنچ سکتے ہیں۔"

میں نے خوش ہو کر بڑے فخر سے سونیا کو دیکھا اور اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا: "ابھی تھوڑی دیر پہلے سامی کہہ رہی تھی کہ تم پاؤں تلے سے زمین سرکا دیتی ہو۔ واقعی مکاری تمھاری رگ رگ میں بھری ہوئی ہے۔" پھر میں نے سوچ کے ذریعے کہا: "اگر اس وقت نمبر چھتیس نہ ہوتا تو میں تمھیں جی بھر کر داد دیتا۔"

ہم آگے بڑھ گئے۔ میں نے چلتے ہوئے مرجانہ سے رابطہ قائم کیا۔ پہلے تو وہ ٹھٹھک گئی۔ پھر خوش ہو کر پوچھا: "فرہاد! تم ہو۔ کتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔ مجھے بھول ہی بیٹھے ہیں کب سے پرائنز والٹر سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے تمھارے پاس جانے دیا جائے۔ مگر یہ میری بات نہیں مان رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "کیا تم پر اتنی پابندی ہے کہ تم اپنے دوستوں کی اجازت کے بغیر مجھ سے بھی نہیں مل سکتیں؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں چاہوں تو تیر کی طرح تمھارے کمرے میں آ سکتی ہوں لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ میرے یہ دوست بہت ہی اچھے اور بڑے مہربان ہیں۔ میں ان سے خواہ مخواہ مخالفت مول لینا نہیں چاہتی۔"

"یہ صرف تمھارا خیال ہے کہ یہ تم پر مہربان ہیں ورنہ یہ تمھیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمھیں کسی نہ کسی طرح دوسری جگہ مصروف رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ انھوں نے روزا کو میرے کمرے میں بھیج دیا ہے۔ وہ مجھے اپنی اداؤں کے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

وہ ایک دم سے اچھل پڑی۔ اس کا مزاج عجیب تھا۔ جب

اس کی برین واشنگ نہیں کی گئی تھی۔ اس وقت وہ سونیا کے لیے دیوانی تھی۔ ایسی دیوانی کہ مجھے اپنا رقیب سمجھتی تھی اور سونیا کے قریب میرا سایہ تک برداشت نہیں کرتی تھی۔ اب یہ حال تھا کہ وہ میرے قریب کسی عورت کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ پہلے سونیا کو اپنی جاگیر سمجھتی تھی۔ اب مجھے اپنی ملکیت سمجھ رہی تھی۔

اس نے بے یقینی سے پوچھا "فرہاد! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا تم اپنے کمرے میں تنہا نہیں ہو۔ کیا واقعی روزا تمھارے ساتھ ہے؟"

"میری جان! میں تم سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یقین نہ ہو تو خود آکر دیکھ لو۔"

"مجھے اس لیے یقین نہیں آرہا ہے کہ میں اُن کی وفادار ہوں اور میرا خیال ہے کہ یہ میرے ساتھ کوئی دھوکے بازی نہیں کر سکتے۔ میں ابھی آکر دیکھتی ہوں۔"

اس وقت پرائنز والٹر اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے کہیں جا چکا تھا۔ مرجانہ کمرے میں تنہا تھی۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکی تاکہ باہر نکل کر نقلی فرہاد کے کمرے میں پہنچ سکے۔ مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے زور زور سے گھونسے مار مار کر دروازہ پیٹتے ہوئے کہا "دروازہ کھولو، یہ باہر سے کس نے بند کیا ہے؟"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ غصے میں اور زیادہ زور زور سے دروازہ پیٹتے ہوئے چیخنے لگی "میں سب سمجھ گئی ہوں۔ مجھے اس کمرے میں قید کر دیا گیا ہے تاکہ روزا وہاں گلچھرے اڑاتی رہے۔ اگر اس لیڈی ڈاکٹر کی اتنی زیادہ اہمیت ہے تو مجھے یہاں سے جانے دو، میں تنظیم کے سربراہ سے شکایت کروں گی۔ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے۔ مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ میری وفاداری کا پاس نہیں رکھا گیا۔"

وہ چیخ رہی تھی اور دروازے کو پیٹ رہی تھی۔ وہ نہایت موٹی لکڑی کا مضبوط دروازہ تھا۔ ورنہ مرجانہ کی ضربوں کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں نقلی فرہاد کے پاس پہنچ گیا۔ روزا بڑی عجلت میں اس سے رخصت ہو رہی تھی۔ ڈینیلے نے روزا سے کہا تھا کہ اسے فوراً نکل جانا چاہیے۔ مرجانہ ادھر آنے ہی والی ہے۔"

روزا نے تعجب سے پوچھا "مرجانہ کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟"

جواب میں ڈینیلے نے نقلی فرہاد کی طرف دیکھا۔ اس نے میری ہدایت کے مطابق کہا "میں نے مرجانہ کو خیال خوانی کے ذریعے بتایا ہے۔"

روزا نے پوچھا "تم نے اسے کیوں بتایا؟ کیا تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ میں مرجانہ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں نے اسے بتایا تھا کہ میں تمھیں چاہتا ہوں۔ تم میں دلچسپی لیتا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔"

روزا خوش ہو گئی بولی "اچھا ابھی تو میں جا رہی ہوں پھر آؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ ادھر میں نے مرجانہ کے پاس پہنچ کر کہا "کیوں خواہ مخواہ دروازہ پیٹ پیٹ کر ہلکان ہو رہی ہو۔ تمھارے مہربان دوستوں نے روزا کو میرے کمرے سے نکال دیا ہے اور شاید اب تمھارے کمرے کا دروازہ کھول دیں گے تاکہ تم یہاں آکر دیکھو تو میرے کمرے میں کسی کو نہ پاؤ۔"

مرجانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا "فرہاد! تم کہیں مجھے بیوقوف تو نہیں بنا رہے ہو؟ کوئی چال تو نہیں چل رہے ہو تاکہ میں اپنے دوستوں سے بغاوت پر آمادہ ہو جاؤں؟"

"تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو تو اپنے دوستوں اور آقاؤں سے پوچھو کہ انھوں نے تمھیں اس کمرے میں قید کیوں کیا ہے۔ تمھیں بتائے بغیر دروازے کو باہر سے بند کیوں کیا گیا ہے؟"

وہ میری باتوں سے قائل ہو گئی۔ اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا تو سامنے ڈینیلے دو مسلح جوانوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ مرجانہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ بولا "آپ اس قدر غصے کیوں ہو رہی ہیں؟ شور کیوں مچا رہی ہیں۔ آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ روزا فرہاد کے کمرے میں ہے؟"

"میں سب جانتی ہوں۔ فرہاد نے خیال خوانی کے ذریعے مجھے سب بتا دیا ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ فرہاد تمھیں ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہو۔ یقین نہ ہو تو جا کر دیکھ لو روزا اس کے کمرے میں نہیں ہے۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر بولی "روزا کو تم نے اس کے کمرے سے نکال دیا ہے۔ اب میں وہاں جا کر کیا دیکھوں گی؟"

"کیا تمھیں ہم پر یقین نہیں ہے؟"

"تم لوگوں کو مجھ پر یقین نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میرے کمرے کے دروازے کو باہر سے بند نہ کرتے۔ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟"

ڈینیلے نے عاجزی سے کہا "مادام! سمجھنے کی کوشش کریں۔ فرہاد صاحب نے تین بجے تک مہلت حاصل کی ہے۔ اس دوران وہ کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے چالیں بھی چل سکتے ہیں اور جن لوگوں سے ان کا رابطہ ہے ان کے ذریعے ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ آپ سے بھی ان کا رابطہ ہے۔ ہم نے مادام رسونتی، منیال، ممباسی، ساریکا اور ان تمام عورتوں کو جن سے وہ دماغی رابطہ قائم کر سکتے ہیں ان کے کمروں میں محدود کر دیا ہے۔ انھیں باہر نکلنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں۔ یہی سلوک آپ کے ساتھ کیا گیا ہے اس کے باوجود فرہاد کی چالاکی دیکھیے کہ اس نے کس طرح آپ کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ ہم آپ کے دوست ہیں۔ آپ کو غصہ نہیں دلا سکتے۔ اس لیے مجبور ہو کر دروازہ کھول دیا ہے۔ اب آپ خود دانشمندی سے کام لے کر حالات پر غور کریں اور فرہاد کی چال کو سمجھیں۔"

مرجانہ کا سارا غصہ اس کی باتیں سُن کر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے مخاطب کیا "فرہاد! میں تمھیں اچھی طرح پڑھ چکی ہوں۔ تمھاری فلمیں دیکھ چکی ہوں۔ تم واقعی مکار ہو۔ تم نے بڑی کامیابی سے مجھے میرے دوستوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا لیکن اب میں تمھاری باتوں میں نہیں آؤں گی۔"

میں نے کہا "تم پر لعنت ہے۔ تم میری محبت کو سازش سمجھ رہی ہو۔ میں روزا سے پیچھا چھڑانے کے لیے تمھیں اپنے پاس بلانا چاہتا تھا مگر تم نے مجھے جھوٹا سمجھا۔ بس خبردار، آئندہ میرے پاس نہ آنا۔ میں تمھیں اپنی تنہائی میں آنے کا کبھی موقع نہیں دوں گا۔"

وہ بولی "ایسا نہ کہو فرہاد! میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں تمھاری چالاکیوں کو، تمھاری مکاریوں کو سمجھنے کے باوجود تم سے محبت کرتی رہوں گی۔ میری وفائیں میرے یہودی دوستوں کے ساتھ ہیں۔ اور میری محبت تمھارے لیے ہے اور تمھارے لیے رہے گی۔ میں ابھی تمھارے پاس آرہی ہوں۔"

میں نے ڈینیلے کے دماغ میں پہنچ کر کہا "مسٹر ڈینی! مرجانہ کو میرے پاس آنے سے روک دیں۔ میں نے تین بجے تک کی مہلت حاصل کی ہے اور میں بالکل تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ کوئی میری تنہائی میں مداخلت نہ کرے۔ اگر ایسا ہوا تو میں تمھارے پرائنز والٹر کو دوستانہ انداز میں جواب نہیں دے سکوں گا۔"

مرجانہ آگے بڑھ چکی تھی۔ ڈینیلے نے اُسے آواز دے کر کہا۔ "مادام ٹھہر جائیے، آپ کے وہاں جانے سے معاملات بگڑ جائیں گے۔ مسٹر فرہاد نے کہا ہے کہ ان کی تنہائی میں کوئی بھی آئے گا تو وہ دوستانہ انداز میں جواب نہیں دیں گے۔"

مرجانہ رک گئی، پھر اُس نے کہا "میں ابھی جا کر فرہاد کو سمجھا دوں گی۔"

ڈینیلے نے انکار میں سر ہلا کر کہا "پلیز مادام! مسٹر پرائنز والٹر کا حکم ہے کہ تین بجے تک اُن سے کوئی نہ ملے۔ آپ کی یہ غلط فہمی ہم نے دور کر دی کہ روزا فرہاد کے کمرے میں تھی۔ لہٰذا اب آپ کو مطمئن ہو جانا چاہیے اور وہاں جانے کی ضد نہیں کرنا چاہیے۔"

مرجانہ نے بے بسی سے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے ایک بج کر چالیس منٹ ہو چکے ہیں۔ میں تین بجے تک ٹھہر جاتی ہوں۔"

میں نے سامی کے پاس پہنچ کر کہا "تم نے ٹھیک کہا تھا۔ مرجانہ کو بھڑکانے کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ وہ اب بھی انھی کی وفادار ہے۔"

سامی نے کہا "تم اتنی دیر سے کہاں تھے۔ فوراً پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچو۔ وہ ایک کمرے میں بند ہے اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے سے باتیں کر رہا ہے۔"

دوسرے ہی لمحے میں پرائنز والٹر کے دماغ میں تھا۔ وہ جزیرہ الدبرا کے ساحل پر کھڑے ہوئے بحری جہاز کے آفیسر انچارج سے باتیں کر رہا تھا۔ آفیسر کہہ رہا تھا "مسٹر پرائنز والٹر، بڑی تشویشناک بات ہے۔ موت کے جزیرے میں ہمارے دو ایجنٹ پنکی اور جیک لوفر لاپتہ ہیں۔ ان کی کوئی خبر نہیں مل رہی ہے اوور۔"

پرائنز والٹر نے کہا "پنکی یا جیک لوفر کی طرف سے آخری خبر کس وقت وصول ہوئی تھی؟ اوور۔"

آفیسر نے وقت بتاتے ہوئے کہا "جب سے سونیا موت کے جزیرے میں پہنچی ہے وہاں بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ جیک لوفر نے اطلاع دی تھی کہ اس کی وجہ سے دو آدم خور مارے گئے ہیں۔ سونیا نے کیمپ لیڈر کو بھی ختم کر دیا اور خود کیمپ لیڈر بن گئی ہے۔ اس کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ سونیا کو کسی اور ساتھی کا انتظار ہے۔ اور وہ موت کے جزیرے میں پہنچنے ہی والا ہے۔ اس اطلاع کے بعد پھر جیک لوفر کی آواز سنائی نہیں دی۔ اوور۔"

پرائنز والٹر نے کہا "اس کا مطلب تو یہی ہے کہ سونیا نے انھیں ایجنٹ کی حیثیت سے پہچان لیا ہوگا اور انھیں ختم کر دیا ہوگا۔ کیا وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ سونیا کیسی عورت ہے؟ اوور۔"

"ہم نے انھیں اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ بھلا فرہاد اور سونیا کو کون نہیں جانتا ہے۔ جہاں یہ پہنچتے ہیں۔ وہاں سبھی لوگ محتاط رہتے ہیں۔ اتنے محتاط اور چوکنے رہنے والے بھی مات کھا جائیں تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ فرہاد اور سونیا نہ تو اپنی طبعی عمر سے پہلے مریں گے اور نہ ہی اپنی بدنصیبی سے پہلے کسی دشمن کی گرفت میں آئیں گے۔ بہرحال اب ہمارا اندازہ ہے کہ سونیا موت کے جزیرے سے ہمارے جزیرے کی طرف آئے گی۔ آپ ساحلی محافظوں کو محتاط رہنے کا حکم دیں۔ اوور۔"

"سونیا کس طرح اس جزیرے میں آسکتی ہے۔ ہیلی کاپٹر وغیرہ کے ذریعے آئے گی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کسی موٹر بوٹ یا لانچ میں آئے گی۔ تب بھی ہمارے جزیرے کے ساحل تک نہیں پہنچ سکے گی۔ ہم نے چاروں طرف سخت پہرہ لگایا ہوا ہے اوور۔"

"جزیرے کے چپے چپے پر پہرہ نہیں ہے۔ جو موٹر بوٹس چاروں طرف چکر لگاتی رہتی ہیں۔ ان کے لیے بھی مخصوص وقت ہے ایسے ہی کسی وقت میں وہ موٹر بوٹ کے ذریعے ساحل تک پہنچ سکتی ہے۔ فرض کریں کہ وہ ایسا نہ کر سکے۔ تب بھی سونیا اور فرہاد کے متعلق یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ زمین میں سرنگ بناتے ہوئے بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ زیرِ آب سفر کر کے کیوں نہیں پہنچ سکتے؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے۔ فرہاد ہمارے قابو میں ہے۔ لیکن سونیا ابھی آزاد ہے۔ وہ

کوئی ہنگامہ ضرور کھڑا کر سکتی ہے۔ ہمیں احتیاطاً اپنے منصوبے میں ذرا سی تبدیلی کرنا ہوگی۔ اب آپ ایسا کریں کہ بحری جہاز میں جو بچہ ہم نے فرہاد کے لیے رکھا ہے۔ اسے دوسرے ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں بھیج دیں۔ ہم اس بچے کو یہاں رکھیں گے اور فرہاد کے بیٹے کو اسی ہیلی کاپٹر سے بحری جہاز میں پہنچا دیں گے۔"

یہ پلاننگ سن کر میں اپنا سر سہلانے لگا۔ کم بخت میری اولاد کو میری سب سے بڑی کمزوری بنائے رکھنے کے لیے کیسی کیسی چالیں چل رہے تھے۔ اس وقت پرائنز والٹر کہہ رہا تھا "فرہاد کے بیٹے کے تمام فوٹوگرافس وہاں موجود ہیں۔ جس بچے کو یہاں بھیجا جا رہا ہے اس پر اس کے بیٹے کا بالکل مکمل میک اپ ہونا چاہیے۔ تاکہ فرہاد اسے دیکھے تو اسے شبہ نہ ہو۔ اوور۔"

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ فرہاد اپنے بیٹے کو ہمارے قبضے میں دیکھنے کے باوجود ہماری دوستی سے انکار کرے گا۔ اوور۔"

"ہاں، انکار کر سکتا ہے۔ اس کی ضد مشہور ہے اور وہ انکار نہ کرے۔ تب بھی سونیا کی طرف سے خطرہ ہے۔ ان کی ہسٹری شیٹ سے ظاہر ہے کہ وہ بڑی بڑی رکاوٹوں کو توڑ کر نکل جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بچے کو لے کر بھی یہاں سے چلے جائیں اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ بچے کو لے کر نکل جائیں تو وہ بچہ ان کا نہ ہو۔ وہی ہو جو ہم اُن کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ اس بچے کو تین بجے سے پہلے یہاں پہنچا دو۔ اوور اینڈ آل۔"

میں نے سامی کے پاس پہنچ کر کہا "بحری جہاز میں ایک بچے پر میرے بیٹے کا میک اپ کیا جا رہا ہے۔ اسے تین بجے سے پہلے دوسرے ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچایا جائے گا اور یہاں سے میرے بیٹے کو بحری جہاز میں پہنچا دیا جائے گا۔ تاکہ ہم خوش فہمی میں مبتلا رہیں اور مفاہمت کرنے کے بعد بھی ہمیں ہمارا بچہ نہ مل سکے۔"

سامی نے کہا "چال تو بڑی اچھی چل رہے ہیں لیکن یہ اپنے دام میں خود آ جائیں گے۔ ہمارے بیٹے پارس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اس جزیرے سے نکل کر بحری جہاز تک پہنچ جائے۔ یقیناً اسے پرائنز والٹر ہی اپنے ساتھ لے جائے گا۔ میں چونکہ پرائنز والٹر کی سکریٹری ہوں اس لیے ہر جگہ اس کے ساتھ رہوں گی اور جب بھی موقع ملے گا میں پارس کو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دوں گی۔"

میں نے کہا "تدبیر تو اچھی ہے لیکن اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ بچے کے ساتھ تم ہی رہو گی۔"

"میں ابھی اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

میں سامی کے پاس سے واپس آ گیا۔ اس وقت چاند نکل آیا تھا۔ ہم کافی دور نکل آئے تھے اور اب سامنے ہریالی نظر آ رہی تھی۔ دُور دُور تک گھنے درخت دکھائی دے رہے تھے۔ میں سونیا کو تمام باتیں بتانے لگا۔ وہ توجہ سے سنتی رہی۔

پھر اس نے سامی کی تدبیر سن کر کہا "میں سامی سے متفق نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ سامی، پارس کے ساتھ نہ جا سکے یا وہ لوگ پارس کو کسی اور کے ساتھ کسی ایسی جگہ بھیج دیں۔ جس کا نہ سامی کو علم ہو نہ پرائنز والٹر کو۔ ہمیں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔"

میں نے کہا "سامی سے میں اس اندیشے کا اظہار کر چکا ہوں اور وہ اپنے طور پر اس بارے میں معلومات حاصل کر رہی ہے۔"

"دیکھو فرہاد! اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو بھی جائے کہ سامی بچے کے ساتھ جائے گی تب بھی ہمیں ان لوگوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے، وہ کسی وقت بھی اپنے پروگرام میں اچانک کوئی ایسی تبدیلی کر سکتے ہیں کہ سامی مجبور و بے بس ہو کر رہ جائے۔ ہمیں ایسا انتظام کرنا چاہیے کہ سامی کسی طرح اسی نقلی بچے کو پارس کی جگہ پہنچا دے۔ اور پارس ہمارے ساتھ اسی جزیرے میں رہے۔ ہم موقع ملتے ہی اسے اپنے ساتھ لے کر نکل جائیں گے۔"

میں نے سونیا کے مشورے پر غور کیا۔ بہت ہی مناسب اور معقول مشورہ تھا۔ میں سامی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پرائنز والٹر کے پاس جانے ہی والی تھی۔ میں نے کہا "سامی! لائن آف ایکشن بدل دو۔ یہ کوشش کرو کہ جو بچہ یہاں لایا جا رہا ہے وہی واپس بھیجا جائے۔ دشمن بچوں کا تبادلہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ ہمارا پارس یہیں رہے اور جو بچہ آ رہا ہے۔ دشمن اُسی کو پارس سمجھ کر واپس بحری جہاز میں لے جائیں۔"

"ہاں، تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے ایسا کر سکتے ہو۔"

"اگر میں کامیاب نہ ہو سکوں تو دوسری صورت یہی ہوگی کہ تم ہمیشہ پارس کے ساتھ رہو اس کے لیے تم اس طرح کوشش کرو کہ وہ خود بچہ تمھارے پاس رکھنے کا فیصلہ کریں۔"

"میں یہ کوشش ضرور کروں گی۔"

میں پرائنز والٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا تھا اور اب پائپ کے کش لگاتے ہوئے بچوں کے سلسلے میں اپنے آئندہ اقدام پر غور کر رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہیے کہ جس سے فرہاد پر ہماری گرفت اور زیادہ مضبوط ہو سکے۔"

اس کی سوچ نے کہا "ہماری گرفت بہت مضبوط ہے فرہاد یہاں سے واپس نہیں جا سکے گا۔ ہم نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے کہ سونیا اس کے پیچھے آئے گی تو وہ بھی یہیں پھنس کر رہ جائے گی۔"

میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا "یہ تو ٹھیک ہے۔ جو لوگ منصوبہ بندی کرتے ہیں وہ اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر غور کر کے اس سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ تو عمل کے بعد ہی پتہ چلتا ہے کہ ہم نے کہاں غلطی کی تھی اور کیوں ہمارا منصوبہ ناکام ہو گیا۔"

وہ ذرا فکر مند ہو گیا۔ اس کی سوچ نے کہا "ہاں، فرہاد اور سونیا اکثر ایسا کر چکے ہیں۔ مجھے ان کی طرف سے بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اگر بچے کو بدل کرتے وقت کوئی گڑبڑ ہو جائے یا فرہاد ٹیلی پیتھی کے ذریعے میرے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دے تو میں کیا کروں گا؟"

"ہاں، اس وقت میں کیا کروں گا؟" وہ بے چینی سے سوچنے لگا۔

میں نے پھر اس کے دماغ میں کہا "ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو بچہ لایا جا رہا ہے۔ اسے لایا ہی نہ جائے اور اگر لایا جائے اور کوئی گڑبڑ پیدا ہو جائے تو فرہاد کو یہ تاثر دیا جائے کہ اس کے بیٹے کو جزیرے سے لے جا کر اس کا کوئی ہم شکل یہاں چھوڑ دیا گیا ہے۔"

پرائنز والٹر کی سوچ نے کہا "یہ تو احمقانہ چکر ہوگا۔ بھلا اس سے کیا فائدہ ہے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "فرہاد اگر دوستی پر آمادہ ہو جائے تب بھی اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جب اپنے بچے کو لے کر جزیرے سے نکلے گا تو پھر باغی ہو جائے گا۔ ہم نے اس کی برین واشنگ تو کی نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کر سکیں۔"

یہ بھی غور طلب بات تھی۔ پرائنز والٹر بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگا "ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ جب فرہاد مفاہمت کے لیے راضی ہو جائے تو ہم رسونتی اور بچے کو اپنے پاس رکھنے کی شرط پیش کریں ورنہ ہماری دوستانہ ہوگی۔ ہم یہ وعدہ کریں گے کہ فرہاد کا بیٹا تل ابیب میں پرورش پائے گا۔ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے گا۔ اسے دنیا بھر کی سہولتیں حاصل ہوں گی اور رسونتی بھی عیش و آرام سے رہے گی۔ فرہاد کا جب جی چاہے گا وہ اپنی بیوی اور بچے سے ملنے کے لیے تل ابیب جا سکے گا۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ اس طرح وہ مکمل طور پر ہمارا پابند ہی رہے گا۔"

وہ سوچنے کے دوران اپنے سامنے میز کو یوں گھور رہا تھا جیسے اس کے سامنے شطرنج کی بساط بچھی ہو۔ میں نے اُسے ایک نئی چال سمجھا دی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا "اگر فرہاد، رسونتی اور بچے کو ہماری سرپرستی میں رکھنے کے لیے راضی نہ ہو تو پھر یہی چال مناسب ہے کہ بچہ تو اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن بعد میں یہ تاثر دیا جائے کہ اصل بچہ ہمارے پاس ہے اور ہم نے اس کے بیٹے کے ایک ہمشکل بچے کو اس کے حوالے کیا ہے۔ پھر ساری زندگی اس کے دل میں یہ کانٹا چبھتا رہے گا کہ اس کا اپنا بیٹا تل ابیب میں ہمارے زیرِ نگرانی پرورش پا رہا ہے۔ اگر فرہاد اس بات پر راضی نہ ہو، تب بھی اس کے بیٹے کو اس کے حوالے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اس کے ہمشکل کو اسے دے کر اس کی تسلی کر سکتے ہیں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "نہیں، یہ ایک وقتی کامیابی ہوگی لیکن بعد میں یہ بھید کھل جائے گا کہ بچہ اس کا نہیں ہے۔ آخر بچے پر میک اپ کب تک رہے گا۔ فرہاد اور سونیا میک اپ کے ماہر ہیں۔ وہ تھوڑی دیر میں ہی اصل اور نقل کی پہچان کر لیں گے۔"

وہ دوبارہ پائپ سلگا کر اس کے کش لگاتے ہوئے سوچنے لگا۔ پھر اس نے اپنی سکریٹری سلوانا کو طلب کیا۔ سامی اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے کہا "سلوانا! میں نے تمھاری ذہانت سے متاثر ہو کر تمھیں سکریٹری بنایا ہے اور تم نے اہم معاملات میں مجھے ہمیشہ بڑے مفید مشورے دیے ہیں۔ اس وقت بھی میں ایک نازک مسئلے سے دوچار ہوں۔ ذرا اس سلسلے میں میری مدد کرو۔" پھر اس نے فرہاد اور بچوں کا مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

سامی نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "سر! آپ کی یہ نئی چال دل کو لگتی ہے۔ دماغ بھی تسلیم کرتا ہے۔ فرہاد کو اگر کوئی نقلی بچہ دیا جائے گا تو یقیناً یہ بھید کھل جائے گا۔ ایک اور تدبیر ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا؟" پرائنز والٹر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اگر فرہاد آپ لوگوں کی سرپرستی میں رسونتی اور بچے کو رکھنے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر فرہاد، رسونتی اور بچے کو اسی جزیرے میں رکھا جائے اور یہیں اس کا اپنا بیٹا بھی ہو تو وہ تینوں آپ کے قابو میں رہیں گے۔ اس طرح نقلی بچے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی البتہ فرہاد اور رسونتی کو تڑپانے کے لیے یہ جھوٹا تاثر دیا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس اصلی بچہ نہیں ہے۔ ان کے بیٹے کو ہم جزیرے سے باہر لے گئے ہیں۔ اس طرح بچے کے اصلی اور نقلی ہونے کا بھید بھی نہیں کھل سکے گا اور فرہاد بھی ایک جان لیوا خلش میں مبتلا ہو جائے گا۔"

میں ان کے پاس سے واپس آ گیا۔ مجھے سامی پر اعتماد تھا کہ وہ پرائنز والٹر کو شیشے میں اُتار لے گی۔ میں چلتے چلتے رسونتی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بستر پر لیٹی تھی۔ سونا چاہتی تھی مگر بچے کے لیے فکر مند تھی۔ بار بار یہ سوال کرنے کے باوجود کہ بچہ کہاں ہے اسے اس کے پاس کیوں نہیں لایا جاتا۔ وہ کوئی مناسب جواب نہ پا سکی تھی۔ منجالی سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا بیڈ روم باہر سے بند ہے۔ اور کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ تب سے وہ بے چین تھی۔ کبھی اٹھ کر بستر پر بیٹھتی تھی۔ کبھی لیٹ جاتی تھی۔ بار بار مجھے پکارتی تھی۔ ایک بار ڈینیسے نے آکر رسونتی اور منجالی کو سمجھایا تھا کہ ان کے ساتھ دشمنی نہیں کی جا رہی ہے بلکہ یہ احتیاطی تدبیر ہے۔ فرہاد بچے کو یہاں سے لے جانے کے لیے چالیں چل رہا ہے۔ ٹیلی پیتھی کے ذریعے رسونتی اور منجالی کو اپنا معمول بنا سکتا ہے اس لیے یہ پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

رسونتی کو کسی حد تک ڈینیلے کی باتوں پر یقین آگیا تھا۔ کیونکہ وہ بھی انھیں اپنا دوست سمجھتی تھی لیکن منجالی بار بار کہہ رہی تھی کہ بچے کو ہم سے جُدا کرنے کے لیے کوئی بہت گہری چال چلی جا رہی ہے۔ رسونتی کا سکون برباد ہو چکا تھا۔ وہ مجھے پھر پُکارنے لگی۔ میں نے کہا: "اب کس لیے پُکار رہی ہو۔ جب دشمنوں سے مل کر میرے اور سونیا کے خلاف سازشیں کیں۔ اُس وقت تمھیں عقل نہیں آئی۔ اب تمھارا فرہاد تمھیں یاد آ رہا ہے۔ رسونتی! تم جیسی عورتوں کی تو خدا بھی مدد نہیں کرتا۔ پھر ہم تو اس کے ناچیز بندے ہیں۔"

"آہ، فرہاد! میں نہ اِدھر کی رہی نہ اُدھر کی۔ جنھیں میں دوست سمجھ رہی ہوں وہ کبھی دوست نظر آتے ہیں، کبھی دشمن اور تمھیں تو میں نے کبھی دشمن نہیں سمجھا۔ صرف اپنے اور اپنے بچے کے مستقبل کے لیے سوچتے ہوئے ان سے دوستی کی۔ اب تم مجھ پر کبھی بھروسہ نہیں کر سکو گے۔ اگر بچہ تمھیں مل جائے گا تو بھی شاید تم میرے بیٹے کو میرے پاس نہیں رہنے دو گے۔ میں کیا کروں، نہ اپنے بیٹے کو تمھارے پاس رکھ کر مطمئن ہو سکتی ہوں نہ ان دوست نما دشمنوں یا دشمن نما دوستوں کے پاس چھوڑ سکتی ہوں۔ میرا بیٹا میرے پاس ہی رہنا چاہیے۔ میں اسے اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہوں۔ دنیا کی کسی عورت کو، کسی مرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک ماں سے اس کا بچہ چھین لے۔"

"اب تم اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی رہو۔ چیختی رہو۔ چلّاتی رہو۔ دنیا کی کسی عدالت میں بھی چلی جاؤ مگر شاید بچہ اب تمھارے پاس کبھی نہ آسکے گا۔"

وہ چیخ کر بولی: "نہیں فرہاد، ایسا نہ کہو۔ میں اپنے بیٹے کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ مر جاؤں گی۔"

"تمھاری زندگی سے فائدہ بھی کس کو پہنچ رہا ہے خود تمھارے اپنے بیٹے کو تمھاری ذات سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ بولو، کیا یہ غلط ہے۔ کیا تمھارا بیٹا تمھاری وجہ سے دشمنوں کے ہاتھوں میں نہیں گیا؟ تم کیسی ماں ہو کہ اپنی اولاد کے لیے یہ کانٹوں بھرا بستر تیار کیا ہے مگر میں اپنے بیٹے کو دشمنوں کے رحم و کرم پر نہیں رہنے دوں گا۔"

اسی دوران مجھے رسونتی کے دماغ میں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت دور سے آرہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ہیلی کاپٹر دوسرے بچے کو لے کر آرہا ہے۔ میں فوراً ہی پرائنز والٹر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ٹرانسمیٹر سے اشارا پا کر تیزی سے دوسرے کمرے میں جا رہا تھا۔ سامی اس کمرے میں اکیلی تھی۔ میں نے کہا: "میں ابھی والٹر کے پاس سے واپس آکر تمھیں بتا دوں گا کہ ٹرانسمیٹر پر کیا گفتگو ہو رہی ہے۔"

جب میں پرائنز والٹر کے پاس پہنچا تو وہ ٹرانسمیٹر کو آن کر کے کوڈ ورڈز میں اپنی شناخت کرا رہا تھا۔ دوسری طرف سے کہا گیا: "جناب! ہم نے جزیرے میں کچھ لوگوں کے قدموں کی آہٹیں سنی ہیں۔ ہم تعداد معلوم نہیں کر سکے۔ اگرچہ چاند کی روشنی ہے مگر وہ لوگ گھنے درختوں کے سائے میں چل رہے ہیں۔ اس لیے نظر نہیں آتے۔ کیا انھیں گھیر کر آپ کے پاس پہنچایا جائے؟ اوور۔"

"انھیں بہت محتاط ہو کر گھیرنے کی کوشش کرو۔ خیال رکھو کہ ان میں سونیا بھی ہوگی۔ گھیرنے والوں سے ذرا بھی بھول ہوئی تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اسے زندہ سلامت یہاں پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کے ذریعے ہم اپنے کئی منصوبوں کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ اوور اینڈ آل۔"

وہ اس سے رابطہ ختم کر کے بحری جہاز کے آفیسر انچارج سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے کہا: "تمھارا اندازہ درست تھا۔ یقیناً سونیا یہاں پہنچ گئی ہے ہمارے ساحلی محافظوں نے کچھ لوگوں کو یہاں دیکھا ہے اور اب انھیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں سونیا بھی ہے یا نہیں ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ہم کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے۔ میں فرہاد کے بیٹے کو لے کر ہیلی کاپٹر سے آرہا ہوں۔ یہاں ڈینیلے فرہاد سے سمجھوتہ کرے گا اور یہاں کے معاملات سنبھالے گا وہی اس نقلی بچے کو فرہاد کے حوالے کرے گا۔ اوور اینڈ آل۔"

ٹرانسمیٹر کو بند کر کے وہ اس کمرے میں آگیا۔ جہاں سامی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کہا: "ہم ابھی فرہاد کے اصلی بیٹے کو لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور نقلی کو یہاں چھوڑ دیں گے۔"

سامی نے اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے پوچھا: "کیا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی؟"

"آف کورس۔ تم میری سکریٹری ہو۔ میرے ساتھ نہیں رہوگی تو کیا یہاں فرہاد اور رسونتی کے ساتھ رہوگی؟ ہری اَپ ہم روانہ ہونے ہی والے ہیں۔"

"سر! ایک بات بتا دیجیے۔ کیا ہم بحری جہاز میں جائیں گے؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں — اور وہاں سے ہم مڈغاسکر کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ مڈغاسکر میں ہمارے لیے ایک طیارہ موجود ہوگا۔ وہ ہمیں تل ابیب پہنچا دے گا۔"

سامی نے اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا: "کیا بچے کی نگرانی اور پرورش کے لیے ڈاکٹر روزا بھی ہمارے ساتھ جائے گی؟"

"میں ایسے کسی فرد کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا جس سے فرہاد گفتگو کر چکا ہو۔ یہاں ہم دونوں ہی ایسے ہیں۔ جو فرہاد کی ٹیلی پیتھی کی زد میں نہیں آئے ہیں۔ نہ ہی وہ ہم تک پہنچ سکا ہے۔ لہٰذا صرف ہم دونوں ہی بچے کو لے کر جائیں گے۔"

میں نے دماغی طور پر واپس آکر سونیا سے کہا: "سونیا! میں ذرا دیر سے یہ اطلاع دے رہا ہوں لیکن میرا وہاں رہنا بھی بے حد ضروری تھا۔ اطلاع یہ ہے کہ دشمنوں کو یہاں ہماری موجودگی کا علم ہو گیا ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ ہماری تعداد کتنی ہے۔ وہ اب ہمارے بہت قریب آچکے ہوں گے۔"

سونیا نے پوچھا: "تم نے دیر سے اطلاع کیوں دی۔ کیا وہاں کے حالات قابو میں نہیں ہیں؟"

"نہیں، پرائنز والٹر بچے کو لے کر اس جزیرے سے جا رہا ہے۔ مجھے ان کے پاس موجود رہنا چاہیے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میں اس قریبی درخت پر چڑھ کر شاخوں اور پتوں کے درمیان چھپ جاؤں اور وہاں بیٹھ کر خیال خوانی کرتا رہوں۔"

سونیا نے کہا: "تم ہماری فکر نہ کرو۔ ہم دشمنوں سے نمٹ لیں گے۔ انھیں اپنے پیچھے لگا کر دور لے جائیں گے۔ کوئی تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

میں ایک قریبی درخت پر چڑھنے لگا۔ میرے پاس ایک اسٹین گن تھی۔ درخت پر چڑھتے وقت روشنی کافی نہیں تھی۔ چاند کی روشنی شاخوں اور پتوں کی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔ میں نیم تاریکی میں راستہ ٹٹولتا ہوا، شاخوں کو محسوس کرتا ہوا سنبھل سنبھل کر اوپر چڑھتا گیا۔ بڑی مشکل سے ایک دوشاخے پر گھنے پتوں کے درمیان چھپ کر بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ وہاں بیٹھتے ہی میں پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچ گیا، سنا ہے آدمی جتنی بلندی پر جاتا ہے اتنی ہی عقل بڑھتی جاتی ہے پتہ نہیں یہ بات کہاں تک درست ہے لیکن درخت کی بلندی پر پہنچتے ہی مجھے عقل آگئی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اس وقت پرائنز والٹر اپنے خاص کمرے میں تھا۔ اور اپنا ضروری سامان سمیٹ کر نکلنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے دماغ پر قبضہ جما لیا اور اس کے ٹرانسمیٹر کے ذریعے اُن لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ جنھوں نے چند اجنبیوں کے جزیرے میں آنے کی اطلاع دی تھی۔ پرائنز والٹر نے رابطہ قائم ہوتے ہی کہا: "تم لوگ کسی کو گھیرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ دور چلے جاؤ۔ وہ جہاں بھی ہیں۔ میں اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ وہاں پہنچ رہا ہوں ہیلی کاپٹر میں آؤں گا۔ تم سب دور رہنا۔ جب مجھے ضرورت ہوگی تو ٹرانسمیٹر کے ذریعے تم لوگوں کو اپنے پاس بلا لوں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

اس نے ٹرانسمیٹر بند کیا اور کمرے سے نکل کر اس کمرے میں آیا۔ جہاں سامی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہاں اس نے یعنی میں نے ڈینیلے کو بلا کر پرائنز والٹر کے انداز میں ایک کاغذ پر یہ حکم تحریر کیا کہ منجالی کو فوراً ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچا دو۔ بچے کی نگہداشت کے لیے منجالی کی ضرورت پیش آئے گی۔ روزا یہیں رہے گی۔

ڈینیلے وہ تحریر پڑھنے کے بعد حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔

جب کمرے میں تنہائی ہوئی تو میں نے پرائنز والٹر کی زبانی سامی کو مخاطب کیا: "ہیلو سامی! میں فرہاد بول رہا ہوں۔ پرائنز والٹر کے دماغ پر میرا پوری طرح قبضہ ہے۔"

سامی حیرانی اور بے یقینی سے اُسے دیکھنے لگی۔ میں نے اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا: "میری جان! یہ درست ہے۔"

یہ کہہ کر میں پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ بوکھلا گیا تھا کہ اب تک کہاں غیر حاضر تھا۔ بہر حال پھر میں نے اس پر قبضہ جمایا تو اس کی اپنی شخصیت گم ہو گئی۔

سامی نے پوچھا: "اوہ فرہاد! یہ تمھیں کیا سوجھی۔ تمھیں پرائنز والٹر کو یہ محسوس نہیں ہونے دینا چاہیے تھا کہ تم اس کے دماغ تک پہنچ گئے ہو۔ اب وہ سمجھ جائے گا۔"

میں نے پرائنز والٹر کی زبان سے کہا: "اسے سمجھنے دو۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ یہ میرے بیٹے کو مجھ سے دور لے جائے، سامی! ہم اپنے بچے کو اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔"

"تمھارا منصوبہ کیا ہے؟" سامی نے پوچھا۔

"تم اور منجالی والٹر کے ساتھ بچے کو لے کر اُدھر ہی آجاؤ۔ جہاں میں، سونیا اور نمبر چھتیس کے ساتھ بھٹک رہا ہوں۔ اتنا معلوم ہو چکا ہے کہ ہم جنگل میں محاذ نمبر تین کے پاس ہیں۔ میں ابھی سونیا کے پاس سے آتا ہوں لیکن اُدھر جاؤں گا تو پرائنز والٹر کا دماغ آزاد ہو جائے گا۔ تم ایسا کرو۔ اس کا ریوالور لے کر اسے نشانے پر رکھو۔ میں سونیا کو ہدایت دے کر ابھی واپس آتا ہوں۔"

سامی نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے پرائنز والٹر کے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اسے کور کر لیا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم چونک کر بولا: "یہ کیا ہے؟"

سامی نے سخت لہجے میں کہا: "جو تم دیکھ رہے ہو وہی۔ اس وقت موت تمھارے سامنے ہے۔ اگر ذرا بھی آواز نکالو گے تو میں بے سوچے سمجھے گولی چلا دوں گی اور تمھاری زندگی ختم ہو جائے گی۔"

پرائنز والٹر نے غصے سے کہا: "نادان لڑکی! تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم اتنی بڑی بازی اتنی آسانی سے ہار جائیں گے۔ ہم اپنی جان پر کھیل کر فرہاد کو یہاں قید میں رکھیں گے۔ میں ابھی تمام لوگوں کے سامنے تمھیں بے نقاب کر دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے چیخنے کے لیے منہ کھولا۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ پر قابض ہو کر اس کا منہ بند کر دیا۔ پھر میں نے کہا: "سامی! مشکل ہے۔ یہ بہت ہی ضدی اور ارادے کا پکا ہے۔ یہ ہم سب کو اپنا وفادار بنانے کے لیے جان پر کھیل جائے گا۔ ہمیں یہاں سے جلد نکلنا چاہیے۔"

"لیکن فرہاد! رسونتی کا کیا ہوگا۔ کیا اسے یہیں چھوڑ جاؤ گے؟ پھر میرا ایک چور یہاں تمھارے روپ میں موجود ہے۔ میں اسے نہیں

چھوڑ سکتی۔"

میں نے کہا: "میرا تو جی چاہتا ہے کہ رسونتی کو چھوڑ دوں۔ ایسے یہاں دشمنوں میں رہ کر ایسی سزا ملے کہ دوسری عورتیں اس سے عبرت حاصل کریں لیکن میں اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کروں گا میں اسے بھی یہاں سے لے جاؤں گا اور تمھارا چور بھی جائے گا لیکن دوسرے ہیلی کاپٹر میں۔ پہلے تم یہاں سے نکل کر میرے پاس پہنچو پھر میں ٹیلی پیتھی کے زور پر رسونتی اور نقلی فرہاد کو بھی نکال لوں گا۔"

"فرہاد! میرا مشورہ ہے کہ منجالی کو بھی یہاں چھوڑ دو وہ اپنے زہر کے ذریعے یہاں کچھ دشمنوں کو کم دے گی۔ ہم چار مسلح افراد کو اپنے ساتھ لے چلیں گے۔ ان چاروں کے بعد یہاں گونگے جو قیدی ہیں ان کو ملا کر کل پانچ مسلح افراد رہ جائیں گے۔ ان سے ہمارا چور اور منجالی نمٹ لیں گے۔"

ہماری گفتگو کے دوران ڈینیلے منجالی کے ساتھ کمرے میں آگیا۔ میں نے ڈینیلے کو ایک کاغذ پر لکھ کر دیا: "فوراً جاؤ، چار مسلح نوجوانوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں انھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

وہ تحریر پڑھ کر کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سامی نے منجالی سے کہا: "تم نے مجھے پہچانا میں تمھاری اعلیٰ بی بی ہوں۔" پھر اس نے کوڈ ورڈز میں کچھ کہنا شروع کر دیا۔ منجالی ایک دم خوش ہو گئی۔

میں نے کہا: "اور منجالی! میں فرہاد ہوں۔ ہم تمھیں یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ تم رسونتی کا خیال رکھو گی اور اپنے زہر کے ذریعے یہاں کے لوگوں کو یا تو ختم کر دو گی یا اس قدر کمزور کر دو گی کہ وہ کسی طرح کی مزاحمت کے قابل نہ رہیں۔ میں جلد ہی تم تینوں کو اپنے پاس بلا لوں گا۔"

منجالی نے کہا: "ہم اعلیٰ بی بی کے چور اپنی پروا کبھی نہیں کرتے۔ آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر چلے جائیں۔ پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہمیں یہاں سے نکل کر جانا ہوا تو چلے جائیں گے۔ مرنا ہوا تو مر جائیں گے۔"

سامی نے کہا: "تم اپنا کام بتاؤ۔ ہماری غیر موجودگی میں کیا کرو گی؟"

منجالی نے جواب دیا: "میں فرہاد صاحب سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ نقلی فرہاد اور رسونتی کو یہاں کی کوئی چیز کھانے پینے سے منع کر دیں۔ مجھے جس کمرے میں بھی قید کیا جائے گا میں اس کے باتھ روم کا نل کھول کر اس سے منہ لگا دوں گی اور جو پانی میرے منہ میں آئے گا میں اسے واپس نلکے میں پہنچانے کی کوشش کروں گی۔ اگرچہ نل سے آنے والے پانی میں تیزی ہوتی ہے تاہم کھلے ہوئے نل کے پانی میں زہر تحلیل ہوگا تو اس کا اثر پانی کی اس ٹنکی تک پہنچ جائے گا جو اس عمارت کے اوپر ہے۔"

میں نے کہا: "یوں پوری طرح زہر نہیں پہنچ سکے گا البتہ زہر کے کچھ اثرات پہنچ جائیں گے۔"

منجالی نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "جی ہاں، وہ تمام پانی مکمل زہریلا نہیں ہو سکے گا لیکن ایسا ہوگا کہ پینے والوں کے جسم و دماغ قدرے کمزور ہوتے جائیں اور ان کی قوت مدافعت آہستہ آہستہ ختم ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خیال خوانی کے ذریعے بتا دوں گا کہ تمھیں کس وقت یہ عمل کرنا ہے۔ ابھی ایسا نہ کرنا۔ پہلے میں نقلی فرہاد اور رسونتی کو سمجھا دوں۔ ابھی میں پرائنز والٹر کے دماغ پر قابض ہوں۔ اس لیے مجھے انھیں سمجھانے کا موقع نہیں مل سکتا۔ ذرا صبر سے کام لینا۔"

اتنے میں ڈینیلے چار مسلح محافظوں کے ساتھ آگیا۔ میں نے پھر کاغذ پر لکھا: "مجھے اندیشہ ہے کہ فرہاد منجالی کے ذریعے مجھ تک پہنچ جائے گا۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ اس لیے اس عورت کو واپس لے جاؤ اور کیا تمھیں یقین ہے کہ فرہاد ان چار مسلح جوانوں تک نہیں پہنچ سکا ہے؟ دوسری بات یہ کہ ایسے ہی کسی ایک نوجوان کے ذریعے بچے کو ہیلی کاپٹر تک پہنچا دو۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

ڈینیلے نے اس کاغذ کو پڑھنے کے بعد کہا: "جی ہاں۔ ہمارے کسی بھی مسلح نوجوان تک فرہاد نہیں پہنچ سکا۔ آپ اطمینان سے انھیں لے جائیں۔ میں بچے کو بھیج رہا ہوں۔"

وہ منجالی کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے فرداً فرداً ان نوجوانوں سے کہا: "میری یادداشت یوں تو بہت اچھی ہے لیکن بحری جہاز میں تمھاری تعداد تقریباً دو سو ہے اور دو سو جوانوں کے نام یاد رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے تم اپنے نام بتاؤ۔"

وہ نام بتانے لگے۔ میں ان کے لب و لہجے کو سمجھنے لگا پھر ہم سب عمارت سے باہر نکل آئے۔ احاطے سے نکل کر ہمیں تھوڑی دور تک چلنا پڑا۔ دور دو ہیلی کاپٹر کچھ فاصلے پر کھڑے تھے پرائنز والٹر کو دیکھتے ہی دونوں پائلٹ اٹینشن ہو گئے۔ میں نے والٹر کی زبان سے کہا: "پہلے ہم محاذ نمبر تین کی طرف جائیں گے۔ پھر وہاں سے بحری جہاز کی طرف پرواز کریں گے۔"

ہمیں اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ ایڈی اور روزا بچے کو لے کر آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر ایڈی نے کہا: "مسٹر پرائنز والٹر میں اس لیے آیا ہوں کہ فرہاد میرے اور روزا کے دماغ میں ہماری مرضی کے خلاف نہیں پہنچ سکتا، ہم بآسانی گفتگو کر سکتے ہیں۔"

میں نے والٹر کی زبان سے کہا: "جو کہنا ہے جلدی کہو۔"

ایڈی نے کہا: "ہم یہی تو معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جلدی کس بات کی ہے۔ آپ یہاں فرہاد کا فیصلہ سننے آئے ہیں لیکن اس کا فیصلہ سنے بغیر بچے کو لے کر واپس جا رہے ہیں؟"

میں نے والٹر کے ذریعے غصے کا اظہار کیا: "کیا تم مجھ سے سوال کرنے اور میرا محاسبہ کرنے کا حق رکھتے ہو؟ کیا میں تمھارے سامنے جواب دہ ہوں؟"

"جناب! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ کو فرہاد کی طرف سے ہر دم چوکنا اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں شبہہ ہے کہ فرہاد آپ کو ٹریپ کر رہا ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟ فرہاد مجھ تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ میں بچے کو اس لیے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں کہ اس کی جگہ دوسرا بچہ یہاں آگیا ہے جس کے ذریعے فرہاد کو خوش فہمی میں مبتلا رکھا جا سکتا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ جزیرے میں کچھ لوگ داخل ہو گئے ہیں۔ یقیناً ان میں سونیا بھی ہوگی اور میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا چنانچہ بچے کو بحری جہاز تک پہنچا کر، اس کی طرف سے مطمئن ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"مسٹر والٹر، ہم بھی کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ اس لیے میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ یقیناً آپ کو اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ ہم سب اپنی تنظیم کے مفاد اور بہتری کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

میں نے پوچھا: "فرض کرو۔ اگر فرہاد نے مجھے ٹریپ کر لیا ہے۔ تو تم ہمارے ساتھ چل کر کیا کرو گے؟"

ایڈی نے جواب دیا: "میں کہہ چکا ہوں کہ ہم یوگا کے ماہر ہیں نہ فرہاد ہمارے دماغ تک پہنچ سکتا ہے نہ ہمیں ٹریپ کر سکتا ہے۔ اس لیے اگر آپ ٹریپ کیے گئے تو میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ کم از کم بچے کو اپنی حفاظت میں لے کر فرہاد کی ٹیلی پیتھی سے دور نکلنے کی کوشش کروں گا۔"

"بے شک تم تنظیم کے وفادار ہو۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا چاہیے۔"

"جناب! ایک بات اور۔ یہاں سے بحری جہاز تک جانے کے لیے چار مسلح جوانوں کی ضرورت نہیں ہے میں اکیلا آپ کی حفاظت کے لیے کافی ہوں۔"

"تمھیں ان چاروں کو لے جانے میں کیا اعتراض ہے؟"

"اعتراض یہ ہے کہ یہاں فرہاد کے چاروں طرف سخت پہرہ رہنا چاہیے۔ اگر یہ چاروں یہاں سے چلے جائیں گے اور میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ تو یہاں صرف چار مسلح جوان رہ جائیں گے جن میں دو گونگے ہیں۔"

"تمھاری یہ دلیل کمزور ہے۔ کیونکہ فرہاد کو ایک کمرے میں قید کر دیا گیا ہے۔ اس سے کسی کا رابطہ نہیں ہے۔ کوئی اس کے سامنے نہیں جاتا ہے۔"

"جناب! آپ درست فرماتے ہیں لیکن جیسا میں کہہ چکا ہوں۔ اگر فرہاد نے آپ کو ٹریپ کیا ہے تو آپ کے ذریعے اس نے ان چاروں مسلح جوانوں کی آواز سنی ہوگی۔ ان کے لب و لہجے کو پہچانا ہوگا۔ لہٰذا ان کا ساتھ چلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"تھوڑی دیر بعد تم یہ بھی کہو گے کہ میں اپنی سکریٹری سلوانا کو بھی یہاں سے نہ لے جاؤں۔"

"دیکھیے جناب! میں حکم نہیں دے سکتا صرف درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ اپنی سکریٹری سلوانا کو بھی ساتھ نہ لے جائیں۔ بچے کی نگہداشت کے لیے ڈاکٹر روزا ہمارے ساتھ بحری جہاز تک جائے گی۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ بچے کی تمام ذمہ داریاں ڈاکٹر روزا کو سونپی گئی ہیں۔"

میں نے سخت لہجے میں کہا: "ڈاکٹر روزا کی ذمہ داریاں اپنی جگہ ہیں لیکن میری سکریٹری میرے ساتھ جائے گی۔ سلوانا تم بچے کو روزا سے لے لو۔"

روزا نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا: "نہیں یہ بچہ میرے پاس رہے گا۔"

ایڈی نے کہا: "جناب! آپ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں، بہتر تو یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ اس پر عمل کریں۔"

"کیا تم مجھے اپنے حکم کی تعمیل پر مجبور کر رہے ہو؟" میں نے چاروں محافظوں کو دیکھتے ہوئے کہا: "روزا اور ایڈی کو حراست میں لے لو۔"

وہ چاروں محافظ بحری جہاز سے آئے تھے۔ وہاں پرائنز والٹر کی حیثیت ایک سربراہ کی تھی۔ سبھی اس کے سامنے باادب رہتے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ ایڈی ان باتوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے فوراً ہی ریوالور نکال کر پرائنز والٹر کو نشانے پر لیتے ہوئے کہا: "خبردار کوئی حرکت نہ کرے۔ ورنہ میں پرائنز والٹر کو گولی مار دوں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "تو یہ ثابت ہو گیا کہ فرہاد تمھارے دماغ پر قبضہ کر چکا ہے۔ تمھاری یوگا کی مہارت کام نہیں آئی۔ وہ اتنا چالاک ہے کہ تمام مہارت کو پانی کر دیتا ہے۔"

ایڈی نے کہا: "مسٹر والٹر، آپ جو بھی کہہ لیں میں آپ کو اس بچے کے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔ اب آپ بھی یہاں رہیں گے میں اور روزا بچے کو بحری جہاز میں پہنچائیں۔ آپ کا کام فرہاد کو دوست بنانا ہے۔ اور آپ یہاں رہ کر اسے دوست بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک ایک محافظ نے اپنی اسٹین گن سے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر زمین کی طرف جھکنے لگا۔ اسی وقت میں نے اس محافظ کے دماغ پر قابض ہو کر اسے مجبور کیا کہ وہ دوسری بار بھرپور ضرب لگائے۔ پرائنز والٹر کا دماغ آزاد ہوا تو اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں [illegible] کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ محافظ نے ایڈی کے سر پر ایسی بھرپور ضرب لگائی کہ وہ زمین بوس ہو گیا۔ دوسرے محافظوں نے روزا کو پکڑ لیا تھا۔ سامی نے آگے بڑھ کر بچے کو اس سے لینا چاہا۔ وہ اب بھی انکار کر رہی تھی مگر سامی نے زبردستی بچے کو چھین لیا۔

میں نے پرائنز والٹر کے دماغ کو آزاد کر دیا۔ تاکہ وہ ایڈی کی حالت دیکھ لے لیکن اس کے دماغ میں موجود رہا۔ ایڈی کو دیکھتے

ہی اس نے سوچا ؛ یہ کیا ہو گیا میں یہاں کیسے پہنچ گیا ؟،

میری سوچ نے کہا " یہ تو بعد کی بات ہے کہ میں یہاں کیسے پہنچا پہلے تو ایڈی کی خبر لینا چاہیے ۔ اگر وہ ٹھیک ہوا تو اسی سے تمام حالات معلوم ہو سکیں گے ۔"

وہ آگے بڑھ کر ایڈی پر جھک گیا ۔ مجھے ذرا موقع ملا تو میں نے ایڈی کے دماغ پر قبضہ کر لیا ۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں سر چکرا رہا تھا ۔ دماغ اتنا کمزور تھا کہ وہ یوگا کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا ۔ نہ ہی میری سوچ کی لہروں کو روک سکتا تھا ۔ اس نے زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا کر کہا " خبردار میرے نزدیک نہ آنا میں فرہاد علی تیمور ہوں ۔ تمہیں گولی مار دوں گا ۔"

پرائنز والٹر بوکھلا کر سیدھا کھڑا ہو گیا ۔ میں نے ایڈی کو بھی کھڑا کر دیا ۔ وہ بہت کمزور تھا ۔ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا ۔ لیکن یہ صرف چند لمحوں کی بات تھی ۔ ایڈی نے پلٹ کر بڑی سرعت کے ساتھ دو فائر کیے اور دو محافظوں کو ختم کر دیا تیسرے فائر کی نوبت نہیں آئی کیونکہ تیسرے محافظ نے اُسے گولی مار دی ۔ اس کے فوراً بعد ہی میں پرائنز والٹر کے دماغ پر قابض ہو گیا ۔ پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے تھے کہ والٹر اپنے متعلق زیادہ نہیں سوچ سکا تھا ۔ اور اب میں اسے سوچنے کا موقع بھی نہیں دے سکتا تھا ۔

والٹر نے اپنے ریوالور سے روزا کا نشانہ لیتے ہوئے کہا " تم سب دیکھ اور سُن چکے ہو کہ ایڈی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فرہاد اس کے دماغ پر قابض ہو گیا تھا ۔ لہٰذا فرہاد ہی روزا کو بھی بہکا کر لے آیا ہے ۔ جب وہ ایک یوگا جاننے والے کے دماغ میں پہنچ سکتا ہے تو دوسرے کے دماغ پر بھی قابض ہو سکتا ہے ۔ اس کی زندگی ہمارے لیے خطرے کا باعث ہے ۔"

اس کے ساتھ ہی ایک گولی چلی اور روزا زمین پر گر کر تڑپنے لگی ۔ میں نے دل ہی دل میں کہا : افسوس ، تم بہت زیادہ وفادار تھیں ۔ نقلی فرہاد نے تمہیں محبت سے سمجھایا ۔ دوستی کا واسطہ دیا ۔ تمہارے ساتھ تنہائی میں وقت گزارا ۔ مگر تم پھر بھی دشمن بنی رہیں ، دشمنی کا انجام تو یہی ہوتا ہے ۔

پرائنز والٹر نے ایک محافظ سے کہا " ہمارے دو وفادار جوان مارے گئے ہیں ۔ افسوس کا مقام ہے ۔ تم میں سے ایک عمارت کی طرف جائے اور وہاں سے دو اور محافظوں کو اپنے ساتھ لے آئے ۔"

ایک محافظ فوراً ادھر روانہ ہو گیا ۔ فائرنگ کی آوازیں یقیناً عمارت تک بھی پہنچی ہوں گی لیکن وہاں صرف چار مسلح جوان رہ گئے تھے ۔ جو فرہاد اور رسونتی کو چھوڑ کر ادھر نہیں آ سکتے تھے ۔ بہرحال وہ محافظ جب احاطے کے مین گیٹ پر پہنچا تو دو گونگے محافظ وہاں رائفلیں لیے اٹینشن کھڑے تھے ۔ میں اسی وقت اس کے دماغ پر قابض ہو گیا ۔ میں نے وقت کا خیال رکھا کہ کہیں پرائنز والٹر ، دماغ

آزاد ہوتے ہی ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کو خطرے کا احساس نہ دلائے ، بس چند لمحوں کے لیے میں نے اس مسلح محافظ کے دماغ پر قبضہ کیا ۔ اس نے اسٹین گن سے تڑا تڑ فائرنگ کی ۔ دونوں گونگے محافظ وہیں ڈھیر ہو گئے ۔ میں فوراً والٹر کے دماغ میں واپس آ گیا ۔ پتہ چلا کہ وہ چند لمحوں کے لیے بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ میں واپس آ گیا ۔ میرے دماغ پر قبضہ کرتے ہی وہ پھر ساکت کھڑا ہو گیا ۔ پائلٹ نے پوچھا " سر ! کیا ہوا ؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ؟"

اس نے ایک ہاتھ سے اپنا سر تھام کر کہا " یہاں جو واقعات اچانک پے در پے رونما ہو رہے ہیں اور جس طرح ہمارے آدمی فرہاد کی ٹیلی پیتھی کا شکار ہو کر مارے جا رہے ہیں ۔ اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے ۔ میں سوچ رہا ہوں کہیں وہ میرے دماغ میں بھی نہ پہنچ جائے ۔"

پائلٹ نے کہا " سر ! ہم لوگوں کو فوراً یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے ۔"

والٹر نے کہا " نہیں تم اس بچے اور میری سکریٹری کو تین نمبر محاذ پر لے جاؤ ۔ وہاں ہمارے خاص ساتھی موجود ہیں ۔ وہ بھی اسی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوں گے ۔ پھر تم ان سب کو بحری جہاز میں لے جانا ۔ یہاں حالات میری توقع کے خلاف ہیں ۔ اس لیے میرا یہاں رہنا لازمی ہے ۔"

سامی بچے کو لے کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئی ۔ پائلٹ نے اپنی جگہ سنبھالی ۔ جو ایک محافظ وہاں رہ گیا تھا ۔ میں نے اسے سامی کے ساتھ بٹھا دیا ۔ سامی نے ایڈی کا ریوالور اپنے پاس رکھ لیا تھا ۔ اور یہ اس نے اچھا ہی کیا تھا ۔

تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر کا پنکھا گردش کرنے لگا ۔ پھر وہ فضا میں بلند ہو کر ایک طرف پرواز کرتے ہوئے محاذ نمبر تین کی سمت چلا گیا ۔ میں نے والٹر کو آزاد کر کے سونیا سے کہا " سنو ، ایک ہیلی کاپٹر ہمارے بیٹے کو لے کر ادھر آ رہا ہے ۔ وہ محاذ نمبر تین کے قریب ہی اترے گا ۔ ہم اس میں سوار ہو جائیں گے ۔ باقی باتیں میں بعد میں بتاؤں گا ۔ سامی کے پاس میرا بیٹا ہے اور سامی کے ساتھ ایک مسلح جوان ہے ۔ اگر سامی اسے ٹھکانے نہ لگا سکے تو تم اس کا کام تمام کر دینا ۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ ہمارے لیے کام کرے گا ۔ میں وقتِ ضرورت اس کے دماغ پر قابض ہو کر اسے کنٹرول کرتا رہوں گا ۔"

میں پھر پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچ گیا ۔ وہ چیختا ہوا عمارت کی طرف جا رہا تھا " ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے ۔ فرہاد ! میرے دماغ میں پہنچ گیا ہے ۔ میرے ساتھ عجیب واقعات رونما ہو رہے ہیں ۔ ایڈی اور روزا مارے گئے ہیں ۔ ڈینیلے تم کہاں ہو ؟"

اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی ۔ میں نے اس کے منہ کو بند کر دیا تھا ۔ اب وہ اسی طرح تیزی سے دوڑتا ہوا عمارت کی

طرف جا رہا تھا ۔ وہ محافظ جس نے دو گونگوں کو ہلاک کیا تھا ۔ وہ بوکھلایا ہوا اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا ۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے ۔ اس نے پرائنز والٹر کو دیکھا تو گھبرا کر کہا " جناب ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے ان دونوں کو کیسے ہلاک کر دیا ۔ عمارت کے اندر جو لوگ ہیں وہ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میں نے انہیں کیوں ہلاک کیا ہے ؟"

والٹر نے اپنے ریوالور کا رُخ اس کی طرف کر کے چیخ کر کہا " ڈینیلے ! اس محافظ کے دماغ میں فرہاد پہنچ چکا ہے ۔ اسی لیے اس نے محافظوں کو ہلاک کر دیا ہے ۔ اس کا زندہ رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے ۔"

یہ کہتے ہی اس نے گولی چلا دی اور دوڑتا ہوا عمارت کے احاطے میں داخل ہو گیا ۔ ڈینیلے اور باقی دو محافظ سہمے ہوئے انداز میں محتاط کھڑے ہوئے تھے ۔ وہ پرائنز والٹر کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس کے اندر فرہاد نظر آ رہا ہو ۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے ۔

وہ اسی طرح دوڑتا ہوا اس کمرے میں پہنچا جہاں ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا ۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے ٹرانسمیٹر آن کیا اور محاذ نمبر تین سے رابطہ قائم کرنے لگا ۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا " ایک ہیلی کاپٹر وہاں پہنچ رہا ہے تم سب وہ جگہ خالی کر کے محاذ نمبر دو پر چلے جاؤ ۔ وہاں نئے محافظ آ رہے ہیں ۔ جو بہت تجربے کار ہیں ۔ ان کے پاس اینٹی ڈارک آئی لینس ہیں ۔ جن کے ذریعے وہ آنے والوں کو ٹریپ کریں گے ۔ تم لوگ فوراً وہ جگہ خالی کر دو ۔"

جواب میں یقین دلایا گیا کہ اس کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی جائے گی ۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی ۔ والٹر نے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر ٹرانسمیٹر آف کر کے اتنی زور سے زمین پر پٹخا کہ باہر تک دھماکہ سنائی دیا ۔ پھر اس نے اپنے ریوالور سے ٹرانسمیٹر پر کئی فائر کر کے اسے ناکارہ کر دیا ۔ باہر سے ڈینیلے کی آواز سنائی دی " جناب ! دروازہ کھولیے ۔ ہمیں شبہ ہے کہ فرہاد آپ تک پہنچ چکا ہے ۔"

میں دروازے کے باہر ڈینیلے کے دماغ پر قابض ہو گیا ۔ اس نے ایک محافظ سے کہا " تم مجھے اپنی اسٹین گن دو مجھے والٹر صاحب کی طرف سے خطرہ ہے ۔"

محافظ اسٹین گن دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا لیکن ڈینیلے نے اس کے ہاتھ سے اسٹین گن جھپٹ کر اس کا رُخ دروازے کی طرف کر دیا ۔ پھر اچانک محافظوں کی طرف پلٹ کر تڑا تڑ گولیاں چلا دیں ۔ تھوڑی دیر تک فضا گولیوں کی آواز سے گونجتی رہی ۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا ۔

پھر اسی سناٹے میں پرائنز والٹر کی آواز سنائی دی ۔ وہ کمرے کے اندر چیخ رہا تھا " یہ کیا ہو رہا ہے ۔ یہ ٹرانسمیٹر کیسے بیکار ہو گیا ۔ باہر گولیاں کیوں چل رہی ہیں ؟ مگر نہیں ۔ میں کچھ نہیں بولوں گا کسی سے نہیں بولوں گا ۔ ڈینیلے ! میں تمہارے سامنے بھی نہیں آؤں گا ۔ ہمیں محتاط رہنا چاہیے ۔ فرہاد میرے دماغ پر قبضہ کر چکا ہے ۔ میں یہیں اپنی جان دے دوں گا ۔"

میں فوراً ہی پرائنز والٹر کے دماغ میں پہنچ گیا ۔ اس کے ریوالور میں ایک آخری گولی رہ گئی تھی ۔ وہ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی سے لگا رہا تھا تاکہ میں اسے ٹریپ کر کے بچے کو یا قیدی فرہاد اور سونیا کو وہاں سے نہ لے جا سکوں لیکن اب وہ خودکشی نہیں کر سکتا تھا ۔ ریوالور اس کی کنپٹی سے ہٹ گیا ۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا ۔ سامنے ڈینیلے کھڑا تھا ۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے ہاتھ میں اسٹین گن ۔ دونوں ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے ۔ ڈینیلے نے بے بسی سے شکست خوردہ انداز میں کہا ۔ " جناب ! آپ اس وقت میرے سامنے پرائنز والٹر ہیں یا فرہاد ، میں نہیں جانتا ۔ میں چاہوں تو اس اسٹین گن کو بھی آپ کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا ۔ یہ میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں ۔ اس لیے آپ کے سامنے ہتھیار ڈال رہا ہوں ۔"

یہ کہہ کر اس نے اسٹین گن کو ایک طرف پھینک دیا ۔ میں نے والٹر کی زبان سے کہا " دانشمندی یہی ہے ۔ اب چلو ، فرہاد اور رسونتی کو ان کے کمروں سے نکالو ۔"

وہ آگے آگے چلنے لگا ۔ والٹر ریوالور لیے اس کے پیچھے چل رہا تھا ۔ سب سے پہلے نقلی فرہاد کو آزاد کیا گیا ۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اس وقت پرائنز والٹر کے دماغ میں موجود ہوں ۔

مرجانہ بھی کمرے سے نکل آئی تھی ۔ اور وہ ہمیں توجہ سے دیکھ رہی تھی ۔ اچانک ہی اس نے والٹر کے ہاتھ پر ایک زوردار لات ماری ۔ ریوالور دور جا پڑا ۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے دماغ میں سنبھلتا ، اس نے ایک بھرپور ہاتھ والٹر کے منہ پر رسید کیا ۔ پھر لپک کر ریوالور اٹھا لیا اور اُسے کور کر کے بولی ۔ " اچھا تو فرہاد ! تم نے والٹر کے دماغ پر بھی قبضہ کر لیا ہے ۔"

میں نے والٹر کی زبان سے کہا " مرجانہ : تم مجھ سے محبت کرتی ہو ۔ تمہیں محبت کا واسطہ ، اس وقت دشمنی نہ کرو ۔ ہمارا ساتھ دو ۔"

مرجانہ نے حیرانی سے والٹر کو دیکھا ۔ پھر نقلی فرہاد کو دیکھتے ہوئے کہا " فرہاد ! جب تم ادھر موجود ہو تو والٹر کے دماغ میں بیٹھ کر مجھے کیوں مخاطب کر رہے ہو ؟"

میں نے کہا " جس فرہاد کو تم اپنا سمجھ رہی ہو وہ نقلی ہے ۔ نیروبی سے روانہ ہونے سے پہلے ہی میں روپوش ہو گیا تھا ۔ اور میری جگہ یہ آ گیا تھا ۔"

اس نے غصے سے نقلی فرہاد کی طرف دیکھا ۔ نقلی فرہاد

نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "مرجانہ! تم خود اس بات کی گواہ ہو کہ جب سے میں فرہاد صاحب کا رول ادا کر رہا ہوں، تمھیں قریب آنے کا موقع نہیں دیا۔ خود ہی تم سے کترا رہا ہوں۔ میں تمھیں محبت کے سلسلے میں دھوکہ نہیں دینا چاہتا تھا اور نہ ہی دیا ہے۔"

اسی وقت میں نے پرائنز والٹر کے ذریعے اس کے ہاتھ پر ایک زور کی ٹھوکر ماری۔ ریوالور مرجانہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مرجانہ نے پلٹ کر اس پر حملہ کر دیا۔ مگر وہ میں تھا۔ میں نے اس کے اس حملے کو تو روک لیا مگر دوسرے تیسرے حملے کو نہ روک سکا۔ یقیناً وہ لڑنے کے سلسلے میں بجلی تھی۔ اتنی پھرتی سے ہاتھ پاؤں چلاتی، ایسی تیزی سے لپکتی تھی کہ سنبھلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ پرائنز والٹر مار کھا کر ایک طرف گر گیا۔ دوسری طرف نقلی فرہاد نے ریوالور اٹھا کر کہا: "مرجانہ! خاموشی سے کھڑی ہو جاؤ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔"

منجالی نے کہا: "فرہاد صاحب، مرجانہ کو لے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس کا دماغ بُری طرح یہودیوں سے متاثر ہے۔ یہ ان کی وفادار رہے گی اور ہمارے لیے خطرات پیدا کرتی رہے گی۔"

پرائنز والٹر مرجانہ سے مار کھانے کے بعد کراہتے ہوئے اُٹھ رہا تھا۔ پھر میں نے اس کے دماغ پر قابض ہو کر کہا: "یہ درست ہے۔ میں بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ مرجانہ کا کیا کروں۔ میں نے اس کی امّی سے وعدہ کیا ہے کہ مرجانہ کو ان کے پاس پہنچاؤں گا لیکن میں ایسی کسی ہستی کو پاکستان کی حدود میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جو یہودیوں کی وفادار ہو۔"

رسونتی نے کہا: "تم سب اپنی ہی باتیں کیے جا رہے ہو۔ میرے بچے کے بارے میں تو کچھ بتاؤ۔ کہاں ہے وہ؟"

میں نے والٹر کی زبان سے جھڑک کر کہا: "بکواس مت کرو۔ تم میرے بچے کی ماں نہیں، دشمن ہو۔ پہلے میں تمھیں یہاں سے لے جاؤں، پھر تم کو دیکھوں گا۔"

رسونتی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا: "فرہاد! تم مجھے جو سزا دو گے میں خوشی سے برداشت کر لوں گی۔ ساری عمر تمھارے قدموں کی خاک بنی رہوں گی مگر میرے بچے کے سلسلے میں یہ نہ کہو۔ میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔"

"یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ تم سب باہر نکلو۔ مرجانہ! تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گی۔ ورنہ یہ بہروپیا فرہاد تمھیں گولی مار دے گا۔"

منجالی نے رسونتی کو اٹھنے کے لیے سہارا دیا۔ وہ اس کے سہارے چلتی ہوئی کمرے سے نکلی میں بھی باہر آیا۔ بہروپیا مرجانہ کو نشانے پر رکھتے ہوئے دروازے تک آیا۔ پھر اس نے فوراً ہی دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کر کے باہر سے لاک کر دیا۔ میں نے کہا: "میں پہلے ہیلی کاپٹر کی طرف جا رہا ہوں۔ تم لوگ میرے پیچھے آؤ۔ مجھے اس پائلٹ کو بھی ٹریپ کرنا ہے۔ ورنہ وہ تم سب کو دیکھ کر خطرہ محسوس کرے گا۔"

یہ کہہ کر پرائنز والٹر وہاں سے ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگا۔ جب وہ عمارت کے باہر ذرا دور پہنچا تو میں نے اس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ جہاں میں درخت پر چھپا بیٹھا تھا، وہاں سے نیچے اترنے لگا۔ ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہیں اتر چکا تھا۔ میں نے سوچ کے ذریعے معلوم کیا۔ سونیا نمبر چھتیس کے ساتھ دوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ میں بھی ادھر جاتے ہوئے پرائنز والٹر کے دماغ پر قابض ہو گیا۔

اب وہ جھیل کی طرف دوڑ رہا تھا۔ خودکشی کرنا چاہتا تھا۔ ڈوب مرنا چاہتا تھا تاکہ میں اسے پھر ٹریپ نہ کر سکوں۔ اس کی تنظیم کو نقصان نہ پہنچا سکوں۔ کس قدر نقصان پہنچ چکا ہے، ابھی اسے پوری طرح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "جھیل میں ڈوب مرنے سے بہتر ہے کہ اپنی تنظیم کو بچانے کی آخری کوشش کی جائے۔ میں پائلٹ کو خطرے سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ وہ ہیلی کاپٹر لے کر یہاں سے فرار ہو جائے گا۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی وہ ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑنے لگا۔ میں بدستور اس کے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے پائلٹ کے پاس پہنچ کر کہا: "ہم تباہ ہو گئے، سب کچھ تباہ ہو گیا۔ پتہ نہیں ہمارے کتنے آدمی مارے گئے ہیں۔ شاید فرہاد کامیاب ہو رہا ہے۔ اسے ناکام بنانے کی بس ایک ہی صورت ہے کہ تم ہیلی کاپٹر لے کر یہاں سے فرار ہو جاؤ۔"

پائلٹ نے پوچھا: "کیا آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں؟ اور وہ ڈینیلے صاحب کہاں ہیں؟"

"مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ ورنہ فرہاد تمھارے دماغ میں پہنچ جائے گا۔"

اور میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پائلٹ نے اسی وقت ایک گھونسہ اس کے منہ پر رسید کیا۔ پرائنز والٹر لڑکھڑا کر پیچھے جا گرا اور اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ پائلٹ مسکرا رہا تھا۔ والٹر نے اُٹھ کر، پریشان ہو کر پوچھا: "تو کیا؟ کیا فرہاد تمھارے دماغ میں پہلے سے موجود تھا؟"

"نہیں، بے وقوف کے بچے تم نے ہی فرہاد کو میرے دماغ تک پہنچایا ہے۔"

اس وقت تک بہروپیا فرہاد، رسونتی اور منجالی کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ پائلٹ نے بہروپیے سے کہا: "میں فرہاد بول رہا ہوں۔ کیا تم پائلٹ کی جگہ کام کر سکتے ہو؟"

بہروپیے نے کہا: "بے شک کر سکتا ہوں۔ آپ جہاں کہیں گے میں اس ہیلی کاپٹر کو پہنچا دوں گا۔"

"فوراً اس کا ایندھن چیک کرو اور اندازہ لگاؤ کہ تم افریقہ کے کس قریب ترین ملک تک پہنچ سکتے ہو۔"

وہ چیکنگ کے لیے ہیلی کاپٹر کی طرف چلا گیا۔ پائلٹ نے ریوالور نکالا اور کہا: "مسٹر پرائنز والٹر! تم نے ہمیں غلام بنائے رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ لہٰذا تم سب کا انجام تمھاری یہودی تنظیم والوں کو معلوم ہونا چاہیے۔" یہ کہتے ہی پائلٹ نے اسے گولی مار دی۔

جب تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر کی پرواز کا وقت آیا اور سب سوار ہو گئے تو بہروپیے نے پائلٹ کو بھی ختم کیا اور وہاں سے پرواز کرتا ہوا افریقہ کے مشرقی ساحل کی طرف جانے لگا۔

جب میں خیال خوانی کے دوران چلتا رہتا ہوں یا اپنی جگہ حرکت کرتا رہتا ہوں تو اس وقت میری یہ حالت ہوتی ہے جیسے میں غافل بھی ہوں اور بیدار بھی۔ اپنے ماحول سے دُور بھی رہتا ہوں اور ایک ایک پل کے لیے دماغی طور پر حاضر بھی رہتا ہوں۔ اس بات کی مجھے اچھی خاصی مشق ہو چکی ہے۔

بہرحال میں دماغی طور پر اس جنگل میں حاضر ہو گیا۔ جہاں سامی، پارس کو لے کر ہیلی کاپٹر میں آ گئی تھی۔ میں نے سوچ کے ذریعے معلوم کیا۔ سونیا بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اتنی دیر میں اس نے سامی کے ساتھ آنے والے مسلح جوان کو ختم کر دیا تھا۔ اور پائلٹ کو اسٹین گن کی زد پر رکھے ہوئے نمبر چھتیس سے پوچھ رہی تھی: "کیا تم ہیلی کاپٹر کو یہاں سے افریقہ کے مشرقی ساحل تک پہنچا سکتے ہو؟"

سامی نے کہا: "میرے کتنے ہی چور جہاز رانی اور فضائی پرواز میں ماہر ہیں۔ نمبر چھتیس یہ کام انجام دے گا۔"

یہ سنتے ہی سونیا، پائلٹ کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ میں نے کہا: "ٹھہرو۔ پہلے ایندھن وغیرہ چیک کراؤ۔"

چور نمبر چھتیس میری ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب میں وہاں پہنچا تو پائلٹ کو ختم کر دیا گیا تھا۔ نمبر چھتیس نے پائلٹ کی جگہ سنبھال لی تھی۔ سونیا اور سامی ایک دوسرے سے مل کر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ سونیا بچے کو لے کر چوم رہی تھی۔ ہم سب ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔ پھر وہ ہیلی کاپٹر زمین سے بلند ہو کر پرواز کرنے لگا۔ ہمارا چور نمبر اڑتیس ابھی تک سمندر میں تھا اور موٹر بوٹ پر بیٹھا ہوا ہماری واپسی کا منتظر تھا۔ میں نے اس سے رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا: "تم واپس لوٹ کے جزیرے میں جاؤ۔ ہم اپنی مہم میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اور بچے کو لے کر افریقہ کے ساحل تک جا رہے ہیں۔ میں ابھی تمھاری اعلیٰ بی بی سے معلوم کرتا ہوں کہ تمھیں کہاں جانا چاہیے۔"

میں نے سامی سے پوچھا۔ سامی نے کہا: "اسے نیروبی پہنچنا چاہیے۔"

میں نے اسے اعلیٰ بی بی کا حکم سنا دیا۔ وہ موٹر بوٹ اسٹارٹ کر کے واپس جانے لگا۔ میں نے نیروبی کے چور سے رابطہ قائم کیا۔ پھر اس سے کہا: "میں اعلیٰ بی بی کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر میں آ رہا ہوں۔ میرے ساتھ سونیا ہے۔ دوسرے ہیلی کاپٹر میں بہروپیا فرہاد، منجالی اور رسونتی سفر کر رہے ہیں۔ تم ساحلی ممالک کے تمام چوروں کو اطلاع دے دو۔ ہمارے ہیلی کاپٹر کہیں بھی اتر سکتے ہیں۔ ہم جہاں پہنچیں گے وہاں نہیں ٹھہریں گے۔ بلکہ آگے بڑھ جائیں گے۔ آگے بڑھنے کے لیے یہی مناسب ہے کہ فوری طور پر کل صبح کی فلائٹوں کے متعلق معلومات حاصل کرو اور یہ دیکھو کہ کس فلائٹ میں کتنی سیٹیں مل سکتی ہیں؟"

میں ہیلی کاپٹر میں حاضر ہو گیا۔ سامی اور سونیا آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہا: "میں بہت پہلے ہی اپنے دل میں یہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنے بیٹے کو سامی عرف اعلیٰ بی بی کے حوالے کر دوں گا۔ سامی بہت ہی پُراسرار زندگی گزار رہی ہے۔ دشمن اس کے پاس نہیں پہنچ سکتے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

سامی نے خوش ہو کر کہا: "تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے میں تمھارے بچے کو اپنے پاس رکھوں گی۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی بندہ میرے پاس یا بچے کے پاس نہیں پہنچ سکے گا۔ خدا نے چاہا تو یہ دوسری بات ہے۔"

"تم فی الحال پارس کو لے کر کہاں جانا چاہ رہی ہو گی؟"

اس نے جواب دیا: "تم نیروبی کے چور کو میرا پیغام دو کہ وہ ایسی عورت کی تلاش کرے جس نے ابھی دو ہفتے کے دوران بچے کو جنم دیا ہو۔ نیروبی پہنچتے ہی پارس کا میک اَپ کیا جائے گا۔ وہ عورت پارس کو لے کر پیرس جائے گی۔ میں اور چور اس کی نگرانی کرتے چلیں گے۔ اس کا بچہ ہماری حفاظت میں رہے گا۔ پیرس پہنچ کر ہم اس کا بچہ اُسے دے دیں گے۔ پارس کو واپس لے لیں گے۔ اس کے بعد وہ عورت جہاں جانا چاہے گی، ہم اُسے پہنچا دیں گے۔"

میں نے پوچھا: "اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ تم کسی ایسی عورت کی خدمات کیوں حاصل کرنا چاہتی ہو؟"

پہلے تو وہ ہچکچائی پھر بولی۔ "تم عورتوں کے معاملات کو نہیں سمجھتے ہو۔ دشمن بہت چالاک ہوتے ہیں۔ اگر انھوں نے اس عورت کا میڈیکل چیک اَپ کرانا چاہا تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ واقعی وہ نوزائیدہ بچے کی ماں ہے اور اگر بچہ میرے پاس رہا تو یہ ثابت نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں ہر پہلو سے محتاط رہنا چاہیے۔"

سونیا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "سامی! تم واقعی ذہین ہو۔ ہمیں یہ موقع نہیں مل رہا ہے کہ تمھارے اعلیٰ بی بی ہونے کا راز معلوم کریں۔"

میں نیروبی کے چور کے پاس پہنچ کر اسے اعلیٰ بی بی کا پیغام سنانے لگا۔ سونیا میری طرف دیکھ رہی تھی۔ جب میں نے اُسے دیکھا

تو اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ چہرے پر اُداسی تھی۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے معلوم نہیں کیا۔ براہِ راست اس سے پوچھا "کیا بات ہے تم اچانک اُداس کیوں ہو گئی ہو؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "فرہاد! مرجانہ جیسی بھی ہو ہماری ہے۔ اُسے تم نے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"پھر میں کیا کرتا؟"

"اُسے ساتھ لے آتے۔ جب اتنی ساری مصیبتیں ہمارے ساتھ چلتی ہیں تو ایک مصیبت وہ بھی ہوتی۔ ہم اسے کسی طرح جھیلتے رہتے۔"

"اب میں کسی کو نہیں جھیل سکتا۔ میں تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں۔ میں ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں میرے پاس کوئی نہ پہنچ سکے۔ میں کچھ عرصے تک پُرسکون زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دو گی؟"

سونیا اور سامی مجھے تکنے لگیں۔ میں نے کہا "سامی! یہ بات میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ تم فی الحال میرے بیٹے کا ساتھ دو۔ جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ میرے بیٹے تک کوئی دشمن نہیں پہنچ سکے گا۔ تب میں تم سے ملاقات کروں گا۔ ہم اس دوران سوچتے رہیں گے کہ ہمیں اپنا ٹھکانہ کہاں بنانا چاہیے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ میں ان ہنگاموں سے بیزار ہو گیا ہوں۔ اس لیے کہ ان کا کوئی اچھا نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ ہمیں کامیابی تو ہوتی ہے لیکن دشمنوں کا جانی نقصان ہوتا ہے، وہ ہونا بھی چاہیے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ان کی وجہ سے ایسے لوگ بھی مارے جاتے ہیں جنھیں زندہ رہنا چاہیے۔ جنھیں جینے کا حق حاصل ہونا چاہیے ان کا جانی نقصان بھی ہوتا ہے، مالی نقصان بھی ہوتا ہے اور ہماری طرف سے اخلاقی نقصان بھی پہنچتا ہے۔"

سامی نے کہا "تم واقعی پریشان ہو۔ تمھیں کچھ عرصہ آرام کرنے کی ضرورت ہے۔"

سونیا نے کہا "اس سے پہلے بھی فرہاد نے کئی بار ارادہ کیا مگر ناکامی ہوئی۔ ہم نے جب بھی گوشۂ تنہائی میں اپنے دن گزارنے چاہے تو کوئی نہ کوئی دشمن پہنچ گیا یا کسی مصیبت نے ہمیں اپنی طرف بلا لیا۔"

سامی نے کہا "اس بار میں تم دونوں کا ساتھ دوں گی۔ اگر کوئی دشمن تمھاری طرف آنا چاہے گا تو اس کا راستہ روکوں گی۔ کوئی مصیبت یا کوئی اخلاقی ہمدردی تم لوگوں کو اپنی طرف کھینچے گی تو میں اُدھر جاؤں گی مگر تم دونوں کو مکمل آرام کرنے کا موقع دوں گی۔"

سونیا نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔ مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی "فرہاد! تم کچھ بھی کہو۔ مجھے مرجانہ کی یاد ستاتی رہے گی۔ اسے وہاں سے نکالو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اس کے لیے انتظامات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کیں اور جزیرہ الدبرا کے پاس کھڑے ہوئے بحری جہاز کے آفیسر انچارج کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ جہاز کے اہم افسران کے ساتھ ایک کیبن میں بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ میں چپ چاپ سننے لگا۔ اہم بات یہی تھی کہ جزیرہ الدبرا کی اس عمارت سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا۔ پرائنز والٹر کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اس کا اسسٹنٹ ڈینیلے بھی لاپتہ تھا۔ دو ہیلی کاپٹر جو وہاں گئے تھے۔ ان کے متعلق ایک محاذ سے اطلاع ملی تھی کہ کہیں قریب سے ان کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ جزیرے سے باہر پرواز کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ صرف یہی شبہ جڑ پکڑ رہا تھا کہ فرہاد اپنی ٹیلی پیتھی کے ذریعے ان کے آدمیوں کو نقصان پہنچا کر وہاں سے نکل گیا ہے۔

میں تھوڑی دیر تک ان کی باتیں سنتا رہا۔ دوسرے افسران کے لب و لہجے کو سمجھتا رہا۔ پھر میں نے ایک آفیسر کے ذریعے کہا "اب آپ سے فرہاد علی تیمور مخاطب ہے۔ آپ لوگ میری طرف توجہ دیں۔"

اس کے بدلے ہوئے لہجے کو سن کر سب چونک گئے۔ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے اور حیرانی سے دیکھنے لگے۔ اس نے کہا "میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اس وقت فرہاد میرے دماغ پر قابض ہے اور جو کچھ میری زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ وہ فرہاد کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ میں فرہاد علی تیمور بول رہا ہوں اور تم سب کے دماغوں میں پہنچ چکا ہوں۔ اگر یقین نہ ہو تو میں اس کا ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔"

کوئی ثبوت کے بغیر حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ لہٰذا مجھے طریقہ کار کے مطابق ثبوت پیش کرنا پڑا۔ میں ہر ایک کے دماغ میں پہنچ کر ان سے عجیب و غریب حرکتیں کرانے لگا اور ان کی حرکتیں ایک دوسرے کو دکھانے لگا۔ تب ان لوگوں نے متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ میں ان کے درمیان موجود ہوں اور وہ میری باتیں سننا چاہتے ہیں۔

میں انھیں سنانے لگا "تمھارا جزیرہ الدبرا ویران ہو چکا ہے۔ پرائنز والٹر اور ڈینیلے اب کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ میں نے اپنے بچے کو پا لیا ہے۔ تم لوگوں سے پہلے دنیا کی سب سے خطرناک تنظیم کے سپر ماسٹر نے بھی مجھے اپنا پابند، اپنا غلام، اپنا محکوم بنا کر رکھنا چاہا تھا۔ اس کا کیا حشر ہوا یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میں نے گرین لینڈ میں ان کے ایٹمی پلان کو اتنا نقصان پہنچایا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ سپر ماسٹر کو اپنا عہدہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کی جگہ دوسرا سپر ماسٹر لایا گیا۔ اب تم لوگوں نے مجھے، رسونتی کو، میرے بچے کو اور سونیا کو بڑی کامیابی سے جزیرے میں گھیر لیا تھا۔ ہمیں ہر طرح سے مجبور کر دیا تھا لیکن انجام ابھی تم لوگوں کے سامنے آ رہا ہے۔"

میں نے تھوڑی دیر کے لیے اس کی زبان کو بند رکھا۔ افسران نے سر کو ذرا اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک مائک لٹک رہا تھا۔ میں نے اُسے دیکھتے ہوئے اس کی زبان سے کہا "یقیناً

تمھاری تنظیم کا سربراہ کہیں بیٹھا ہوا ہماری تمھاری باتیں سن رہا ہے اور اُسے سننا بھی چاہیے۔ سمجھنا بھی چاہیے۔ ورنہ اسے پچھتانے کا موقع کیسے ملے گا۔

تم لوگوں نے جزیرہ الدبرا کی اس عمارت کے اندر اور باہر جتنے سخت پہرے لگائے تھے وہ سب ختم ہو چکے ہیں۔ پہرے دار نابود ہو گئے ہیں۔ تمھارا پرائنز والٹر، ڈینیلے، ایڈی اور ڈاکٹر روزا وغیرہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ یہ تم لوگوں کے لیے بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا نقصان سن لو۔ اس وقت جس کیبن میں تم بیٹھے ہوئے ہو اس کے نیچے اسلحہ خانہ ہے۔ میں اس جہاز کے متعلق تمام معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ میں چاہوں تو ابھی پلک جھپکتے ہی اس اسلحہ خانے میں ایسا دھماکہ ہو کہ تمھارے اس بحری جہاز کے چیتھڑے اُڑ جائیں۔ یہاں کا ایک فرد بھی زندہ سلامت نہ رہ سکے۔ یہ صرف دھمکی نہیں ہے۔ کہو تو میں اس پر عمل کروں اور اس کے بعد پھر تمھارے سربراہ سے کہیں اور ملاقات کروں اور معاملات طے کروں۔"

ایک آفیسر نے کہا "نہیں، فرہاد صاحب! ہم آپ کی بات تسلیم کرتے ہیں۔ مزید نقصان اٹھانے کو نادانی سمجھتے ہیں۔ آپ اس جہاز کو تباہ نہ کریں۔ یقیناً ہماری تنظیم کے سربراہ ہماری باتیں سن رہے ہیں۔"

"دنیا کی ہر تنظیم کا سربراہ میرے سامنے گونگا اور بہرا بن جاتا ہے۔ میں نے ابھی جن نقصانات کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بہت ہی معمولی نقصانات ہیں۔ آپ سب اطمینان رکھیں۔ میں اس جہاز کو تباہ نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے بعد مجھے، میرے بچے کو، میری ساتھیوں کو چھیڑا گیا اور میرے ملک کا رُخ کیا گیا، تخریبی کارروائی کی گئی تو میری طرف سے پہنچنے والے نقصانات کا اندازہ آپ ابھی نہیں لگا سکیں گے۔ مجھے مجبور نہ کیا جائے کہ میں دُور تک تمھاری تنظیم کی گہرائیوں میں پہنچوں اور تم لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں۔ اس کے لیے مجھے بہت سے نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے لیکن اگر میں ضد میں آ جاؤں گا تو یہ بھی کر گزروں گا۔"

ایک آفیسر نے سوال کیا "فرہاد صاحب! آپ کیا چاہتے ہیں۔ ہم سے کس طرح سمجھوتہ ہو سکتا ہے؟"

میں نے جواب دیا "میں تم لوگوں کی ایک بات سے متفق ہوں کہ تمھاری قوم میں بہت ہی مستحکم اور ناقابلِ شکست اتحاد ہے اور ہم ملک ملک، قوم قوم، فرقے فرقے بٹے ہوئے ہیں۔ میں ایک فرہاد علی تیمور تنہا عالم بن کر، مصلح بن کر تمام لوگوں کو نہ تو متحد کر سکتا ہوں۔ نہ ہی ان کی تقدیر بدل سکتا ہوں۔ جو مسلمان اپنی تقدیر آپ بدلنا چاہیں گے میں ان کا ساتھ دوں گا۔ فی الحال صرف اپنے ملک کی بات کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تمھاری کوئی بھی تخریبی کارروائی میرے ملک میں نہیں ہونا چاہیے۔ تمھارا کوئی جاسوس میرے ملک کی سرحد میں قدم نہ رکھے۔"

"ہمارا وعدہ ہے۔ ہم کبھی آپ کے ملک کی طرف رُخ نہیں کریں گے۔ ہمارا کوئی جاسوس، کوئی فرد اُدھر نہیں جائے گا۔ نہ ہی کوئی تخریبی کارروائی کرے گا۔"

"دوسری شرط یہ ہے کہ مرجانہ کا برین ٹریٹمنٹ کیا جائے۔ اس کے دماغ سے تمھاری وفاداری اور تمھارے نظریات نکالے جائیں۔ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے۔ اسے سابقہ حالات میں لایا جائے جب تک ایسا نہ ہو اس وقت تک اسے پاکستان کی طرف جانے نہ دیا جائے بلکہ اس کی والدہ کو اس کے پاس پہنچا دیا جائے۔ جب وہ نارمل ہو جائے گی اور محبِ وطن پاکستانی بن جائے گی تو اسے پاکستان جانے کی اجازت دے دی جائے اور اس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں۔"

"ہمیں آپ کی یہ شرط بھی منظور ہے۔ ہمارے ماہرین جلد ہی مرجانہ کو اس کی سابقہ دماغی حالت میں واپس لے آئیں گے۔"

"ایک شرط اور ہے۔ وہ یہ کہ میں، رسونتی، میرا بیٹا پارس علی تیمور، سونیا اور اعلیٰ بی بی اور اس کے تمام ماتحت دنیا کے جس حصے میں رہیں وہاں ہمارے مفادات اور ہمارے نظریات سے ٹکرانے کی کوشش نہ کی جائے۔ کوئی ایسی مجبوری آڑے آئے تو پہلے مجھ سے رابطہ قائم کیا جائے اور میرے ذریعے سمجھوتے کی راہ نکالی جائے۔"

کتنے ہی افسران نے کہا "فرہاد صاحب! آپ نے بڑی ہی معقول بات کہہ دی ہے۔ ہم ہمیشہ آپ کے ذریعے سمجھوتے کی راہیں نکالتے رہیں گے۔ یہ ہماری دلی خواہش ہے۔"

اتنے میں ایک مسلح جوان کیبن کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس نے ایک تہ کیا ہوا کاغذ آفیسر انچارج کے حوالے کیا۔ پتا چلا ٹیلی پرنٹر کے ذریعے تنظیم کے سربراہ کا جواب موصول ہو گیا تھا۔ وہ آفیسر انچارج اسے پڑھ کر سنانے لگا۔ اس میں لکھا تھا۔

"مسٹر فرہاد علی تیمور! آپ ہمارے ایک آفیسر کے ذریعے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔"

میں نے سوچا "یہ تو زبردست چاپلوسی والی بات کی جا رہی ہے۔"

وہ پڑھ رہا تھا۔ میں سن رہا تھا۔ آگے لکھا تھا "اگر آپ اپنی شرائط پہلے ہی پیش کر دیتے تو یقین جانیے ہم آپ کو کبھی جزیرہ الدبرا میں اس طرح پہرے داروں کے درمیان نہ رکھتے اور نہ ہی ہمارے بہترین آدمی مارے جاتے۔ بہرحال ہماری سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ ہم نے مادام رسونتی کو پہلے اپنے قابو میں کیا۔ پھر آپ کو مختلف انداز میں طیش دلایا۔ اس کا نتیجہ کچھ تو ہمارے سامنے تباہی کی صورت میں آ چکا ہے اور مزید تباہی ہم نہیں چاہتے۔ ہمیں ابتدا سے آپ کی

دوستی عزیز ہے اور ہم آپ کو دوست بنائے رکھنے کے لیے آپ کی ہر جائز، ناجائز شرط کو تسلیم کرتے رہیں گے۔

ہماری دوستی کی ابتدا ابھی سے ہو رہی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ہمارے دونوں ہیلی کاپٹر لے کر کہاں جا رہے ہیں، ہم اس بات کا سراغ نہیں لگائیں گے، نہ ہی تعاقب کریں گے۔

ہم آپ کی تمام شرائط کو تسلیم کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔

آپ مرجانہ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم اپنی دوستی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے اسے جلد از جلد دماغی طور پر نارمل بنا دیں گے۔ پہلے والی مرجانہ آپ کو واپس مل جائے گی۔"

اس کے جواب میں میں نے کہا: "مرجانہ، ساریکا اور ممباسی جزیرہ الدبرا کی اسی عمارت میں قید ہیں۔ انہیں وہاں سے لایا جا سکتا ہے۔"

ایک آفیسر نے کہا: "ہم ابھی محاذ نمبر ایک سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ وہ لوگ وہاں سے مرجانہ، ساریکا اور ممباسی کو لے آئیں گے۔"

آفیسر انچارج پھر اپنی تنظیم کے سربراہ کا باقی پیغام پڑھنے لگا۔ اس میں لکھا تھا: "آخر میں ہم فرہاد صاحب سے پائیدار دوستی کی توقع رکھتے ہوئے ان سے کسی موقع پر ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے پھر درمیان میں ٹوکتے ہوئے کہا: "میں نے آپ لوگوں سے دوستی نہیں کی۔ صرف چند معاملات پر سمجھوتہ کیا ہے۔ میں ہر موقع پر اپنے فلسطینی بھائیوں کی حمایت کروں گا اور آپ لوگوں کی مخالفت کرتا رہوں گا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ہمارے درمیان دوستی کا نہیں، بلکہ صرف پُرامن رہنے کا معاہدہ ہے اور وہ بھی زبانی معاہدہ ہے۔ آپ کی طرف سے وعدہ شکنی ہوئی تو اس کا منہ توڑ جواب ملے گا۔ میں ایک عرصے سے انسانی دماغوں سے کھیلتا آ رہا ہوں اور ان کی گفتگو سے ہی ان کے مزاج کو سمجھ لیتا ہوں۔ تمہارے سربراہ کے پیغام کے پیچھے جو خوشامد، چالاکی اور معاملہ فہمی چھپی ہوئی ہے، وہ میں خوب سمجھتا ہوں۔ مزید پیغام پڑھ کر نہ سنایا جائے۔ میں نے اپنی شرائط پیش کیں۔ تم لوگوں نے یہ شرائط منظور کیں۔ بات ختم ہو گئی۔ اس کے بعد میرے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ میں رخصت ہوتا ہوں۔ اپنی سلامتی، اپنے تحفظ کے لیے کوشش کرو۔ کبھی مجھ سے یا میرے ساتھیوں سے ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔"

یہ کہہ کر میں نے آفیسر کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ بوکھلا کر دیدے پھیلا کر آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو تکنے لگا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا: "مجھے کیا ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں سو گیا تھا یا کہیں گم ہو گیا تھا۔"

میں نے اس کی بکواس نہیں سنی۔ دماغی طور پر ہیلی کاپٹر میں حاضر ہو گیا۔ سونیا اور سامی دھیمی دھیمی سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔

سونیا شروع ہی سے سامی کو بہت چاہتی تھی اور سامی کی باتوں سے اور حرکتوں سے بھی یہی پتہ چلتا تھا کہ وہ بھی سونیا کو بہت زیادہ پسند کرتی ہے۔ میں نے ان کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی۔ نیروبی کے چور کے پاس پہنچ گیا۔ اسے بتایا کہ میں سونیا کے ساتھ پاکستان جانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا اگلی کسی فلائٹ میں بھی ہمارے لیے دو سیٹیں ریزرو کرائی جائیں۔

اس کے بعد میں نے سونیا اور سامی کو مخاطب کیا۔ بحری جہاز میں تمام آفیسروں کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور تنظیم کے سربراہ کا پیغام جو کچھ مجھے یاد تھا سب انہیں سنایا۔ سامی نے تمام باتیں سننے کے بعد پوچھا: "کیا ان یہودیوں پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟"

میں نے جواب دیا: "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سپر ماسٹر ہماری بارہا مدد کر چکا ہے لیکن ہم اس پر بھی کبھی بھروسہ نہیں کرتے۔ ہم دیکھیں گے کہ یہ سمجھوتہ کب تک قائم رہتا ہے۔ ہم تو وہی کریں گے جو پہلے فیصلہ کر چکے ہیں یعنی میرا بیٹا پارس تمہارے پاس رہے گا۔ میں سونیا کو لے کر پاکستان جا رہا ہوں۔"

سونیا نے خوش ہو کر کہا: "میں بھی مطمئن ہوں۔ شاید اب ہم پُرسکون گھریلو زندگی گزار سکیں گے۔ ایسے خواب میں نے کئی بار دیکھے ہیں۔ اس بار بھی دیکھ رہی ہوں۔ دیکھیں کہ پاکستان پہنچنے کے بعد اس کی تعبیر کیا ہوتی ہے۔"

سامی نے کہا: "فرہاد! تم نے مرجانہ کے متعلق اچھی شرط پیش کی ہے۔ وہ لوگ اپنی دوستی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے یقیناً اسے دماغی طور پر نارمل بنائیں گے لیکن تم نے رسونتی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔ وہ کہاں جائے گی۔ کیا تم اسے اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "نہیں، اس کی سزا یہ ہے کہ وہ مجھ سے دور رہے۔ میرے بچے سے دور رہے۔ اسے احساس دلانا ہوگا کہ اس نے جو غلطی کی ہے..."

سونیا نے بات کاٹ کر کہا: "دیکھو فرہاد! وہ عورت ہے۔ ٹیلی پیتھی کی صلاحیت ہونے کے باوجود نادان ہے۔ اتنی بڑی سزا نہ دو۔ اس کی ممتا کا اندازہ میں کر سکتی ہوں۔ وہ یقیناً اپنی غلطی پر پچھتا رہی ہوگی۔ اسے معاف کر دو۔"

میں نے کہا: "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ایک بار تم بھی کسی طرف جھک گئی تھیں۔ مجھ سے نفرت کا اظہار کرتی تھیں۔ بے شک اس میں میرا بھی قصور تھا کہ میں نے تمہاری طرف سے بہت زیادہ بے پروائی ظاہر کی تھی اور تمہیں بالکل ہی اپنے سے دور کر دیا تھا۔ پھر بھی یہ بات میں نے برداشت کر لی۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم جمی کو [illegible] میرا ہمشکل سمجھ کر قبول کر رہی ہو۔ اس کے بعد تم نے سپر ماسٹر کی تنظیم

میں شامل ہو کر مجھے غصہ دلایا۔ میں نے ایک طویل عرصے کے لیے تم سے دوری اختیار کی۔ تمہیں بالکل نظر انداز کر دیا۔ جب ہم ایک طویل عرصے کے بعد ملے تو میں نے صرف اس لیے تمہیں معاف کر دیا کہ تم نے دشمنوں کی تنظیم میں شامل ہونے کے بعد مجھے یا میرے ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اب رسونتی کے متعلق سوچو۔ اس نے کتنا زبردست دھوکا دیا۔ وہ بے وقوف عورت میری آئندہ نسل کو یہودیوں کے حوالے کر چکی تھی۔ اگر ہم اس مہم میں خدا نہ کرے ناکام ہوتے تو رسونتی میرے بیٹے کو اپنے مزاج کے مطابق پروان چڑھاتی اور میرا بیٹا یہودیوں کے سائے میں رہ کر جو ذہنیت اختیار کرتا وہ صاف ظاہر ہے۔"

سامی نے کہا: "فرہاد! تمہاری باتیں درست ہیں۔ لیکن یہ بھی سوچو۔ رسونتی کتنے ہی مشکل اور آزمائشی مرحلوں میں تمہارے ساتھ رہی ہے۔ اس نے ہمیشہ ثابت قدمی اور وفاداری کا ثبوت دیا ہے۔"

"بے شک! سونیا! رسونتی ہو یا کوئی ہو، میں اپنوں کو معاف کر سکتا ہوں اور کرتا بھی ہوں لیکن جیسی سزا میں نے سونیا کو دی تھی ویسی ہی سزا رسونتی کو دوں گا۔ ایک طویل عرصے تک اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ نہ ہی اس کی صورت دیکھوں گا، نہ اپنی صورت دکھاؤں گا۔"

سامی نے کہا: "چلو یہ سزا مناسب ہے۔ تم شوہر کی حیثیت سے اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن ایک ماں کو اس کے بچے سے محروم نہ کرو۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "تم کیا چاہتی ہو؟ کیا میں پارس کو پھر اس کے حوالے کر دوں؟"

"پارس تو میرے ہی پاس رہے گا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اس پر دشمنوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔ اگر رسونتی بھی میرے پاس رہے تو میں محتاط رہوں گی۔ وہ میری موجودگی میں اپنے مزاج کے مطابق پارس کی پرورش نہیں کرے گی۔ تم جس انداز میں چاہو گے اسی انداز میں اس کی پرورش ہوگی۔ جب تمہیں میری بات سے اطمینان ہو جائے تو رسونتی کو میرے حوالے کر دینا۔"

"مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے لیکن رسونتی پر نہیں ہے۔ جب بھی وہ دماغی طور پر صحت مند ہوگی اس کی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں واپس آئیں گی تو وہ پھر ہیرا پھیری شروع کرے گی۔ پھر اپنے آپ کو برتر سمجھنے لگے گی۔"

"تم مجھے صرف سامی نہ سمجھو۔ میں دوسرے روپ میں اعلیٰ بی بی ہوں۔ میرے سامنے اس کی چالاکی، مکاری یا برتری کام نہیں آئے گی۔ ٹیلی پیتھی کی صلاحیت بھی میرے دماغ پر بے اثر ہوگی۔ میں ایک بات اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ اگر سانپ کو اپنے پٹارے میں رکھنا ہے اور اس کے ساتھ کھیلتے رہنا ہے تو پہلے اس کا زہر نکال لو۔ اور میں رسونتی کے دماغ سے ٹیلی پیتھی کا زہر نکالتی رہوں گی۔ کبھی میں اس کے دماغ کو اس قدر صحت مند نہیں ہونے دوں گی کہ وہ اپنی برتری کا راستہ ڈھونڈ نکالے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ وہ ایک نامعلوم مدت کے لیے تمہارے پاس رہے گی۔"

ہم تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر میں نے کہا: "سامی! بہت دل چاہتا ہے کہ تمہاری داستان سنی جائے۔ تم بہت ہی پُراسرار ہو۔ اگر وہاں پہنچ کر ہمیں تھوڑی دیر بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقع ملا تو تمہاری داستان سنی جائے گی۔"

ہم تھوڑی دیر بعد نیروبی پہنچ گئے۔ ایک وسیع میدان میں ہیلی کاپٹر کو اتارا گیا۔ وہ ایک ویران علاقہ تھا۔ میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے نیروبی کے چوروں کو اس علاقے کی نشاندہی کی۔ وہ وہاں پہنچنے کے لیے اپنی جگہ سے چل پڑے۔

پھر میں نے بہروپیے فرہاد سے رابطہ قائم کیا۔ ان کا ہیلی کاپٹر بھی ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کہا: "اس کا رُخ دوسری طرف کرو۔ کسی دوسری جگہ اسے اتارو۔ میں نہیں چاہتا کہ رسونتی میرے سامنے آئے۔"

اس نے کہا: "جناب! مادام رسونتی ہمیں بہت پریشان کر رہی ہیں۔ ان کی ایک ہی ضد ہے کہ ہم انہیں آپ کے پاس پہنچا دیں۔ وہ بچے کو دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"انہیں ضد کرنے دو۔ تمہاری اعلیٰ بی بی ان سے ملاقات کریں گی تو انہیں سنبھال لیں گی۔"

میری خیال خوانی کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ بہت سی پولیس کاروں کے سائرن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ آوازیں ہمارے ہیلی کاپٹر کے قریب آ رہی تھیں۔ میں ہیلی کاپٹر سے باہر آ گیا اور فوراً ہی نیروبی کے انٹیلی جنس والوں سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ وہاں کے ایک آفیسر کے دماغ میں میں بہت پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ اسے جانتا تھا وہ بھی مجھے جانتا تھا۔ میں نے اس سے کہا: "میں اپنے لوگوں کے ساتھ جزیرہ الدبرا سے واپس آ گیا ہوں۔ یہاں میرا ہیلی کاپٹر لینڈ کر چکا ہے اور اب پولیس والے ہمیں گھیرنے آ رہے ہیں۔ آپ ان سے رابطہ قائم کریں۔"

آفیسر نے جواب دیا: "میں ابھی آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ راستے میں ہی وائرلیس کے ذریعے پولیس والوں سے رابطہ قائم کر لوں گا۔"

اتنی دیر میں چھ کاریں اس میدان میں پہنچ گئیں اور چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ ہیلی کاپٹر کو گھیرنے لگیں۔ پھر ہیلی کاپٹر سے بہت دور رک گئیں۔ ان میں سے پولیس والے رائفلیں لیے ہوئے نکلنے لگے۔ ایک پولیس آفیسر نے اسپیکر کے ذریعے کہنا شروع کیا۔

"ہیلی کاپٹر میں جو لوگ ہیں وہ خالی ہاتھ باہر آ جائیں اور اپنے ہاتھ

اپنے سروں پر رکھیں ۔"

میں خالی ہاتھ تھا۔ اطمینان سے چلتا ہوا پولیس آفیسر کے سامنے پہنچ گیا۔ پھر میں نے کہا "ابھی آپ سے وائرلیس کے ذریعے۔ انٹیلی جنس والے رابطہ قائم کریں گے ۔"

میری بات ختم ہوتے ہی اس آفیسر کی کار سے اشارے موصول ہونے لگے ۔ اسسٹنٹ نے کہا "جناب! آپ کے لیے کال ہے ۔"

پولیس آفیسر کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور پیغام سننے لگا۔ میں نے اس کے دماغ سے سنا۔ انٹیلی جنس کا وہی آفیسر میرے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ اتنے میں دو گاڑیاں نظر آئیں۔ ایک کار تھی اور ایک بڑی سی ویگن کار۔ وہ چور وہ گاڑیاں لے کر آئے تھے پولیس والوں کو دیکھ کر دور ہی رک گئے۔ ہیلی کاپٹر سے سامی اور سونیا بچے کو لے کر باہر آ رہی تھیں۔

میں نے بہروپیے فرہاد سے رابطہ قائم کیا۔ پتا چلا۔ اس کا ہیلی کاپٹر ماؤنٹ کینیا کے دامن میں اترا ہے۔ اسی وقت آنے والے پولیس آفیسر نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "مسٹر فرہاد! مجھے خوشی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو رہی ہے ۔"

میں نے خیال خوانی ختم کی اور اس سے مصافحہ کرتے ہوئے رسمی جملے ادا کیے۔ پھر خیال خوانی کے ذریعے انٹیلی جنس کے آفیسر کو بتایا "ہمارے ساتھیوں کا دوسرا ہیلی کاپٹر ماؤنٹ کینیا کے دامن میں اترا ہے۔ وہاں بھی اپنے آدمیوں کو بھیج دیجیے تاکہ انھیں کوئی پریشانی نہ ہو ۔"

اس سے باتیں کرنے کے بعد میں سونیا اور سامی کے ساتھ چلتا ہوا، اس کار کی طرف آیا جسے نیروبی کے چور لے کر آئے تھے۔ اس کی پچھلی سیٹ پر ایک جوان عورت غمزدہ اور نڈھال سی بیٹھی ہوئی تھی۔ سونیا کی گود میں ننھے پارس کو دیکھتے ہی جیسے اس عورت میں ایک نئی زندگی کی لہر پیدا ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں ممتا کی چمک نظر آئی۔ وہ فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر آ گئی اور بچے کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے نیروبی کے چور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا یہی بچہ ہے؟ کیا تم اس بچے کو میری گود میں دو گے ؟"

میں نے مسکرا کر کہا "ہاں، یہی ہے۔ اپنا ہی بیٹا سمجھو تم اسے گود میں لے سکتی ہو ۔"

اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر بڑی محبت سے، بڑی ممتا سے بچے کو سینے سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے اسی طرح گم صم کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے میں اس کے دماغ میں جھانک کر اس کی سوچ پڑھ رہا تھا آج سے پانچ دن پہلے اس نے ایک بچے کو جنم دیا تھا جو پیدا ہونے کے تھوڑی دیر بعد مر گیا تھا۔ اس بچے کی پیدائش سے پہلے اس کا شوہر بھی ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کی شادی کو صرف ایک سال کا عرصہ گزرا تھا اس عرصے میں اس پر دو بار قیامت ٹوٹ چکی تھی میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ صبح کا اجالا پھیل چکا تھا۔ گرمی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے کہا "بچے کو لے کر کار میں بیٹھ جاؤ ۔"

وہ چونک گئی۔ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ پھر کار کی پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ چور نے اعلیٰ بی بی سے کہا "ہم نے آپ لوگوں کے لیے ایک بنگلے کا انتظام کیا ہے۔ آپ کی فلائٹ دوپہر کے وقت ہے لو ر پاکستان جانے والی فلائٹ آج رات نو بجے ہے۔ آج کا دن یہاں گزارنا ہی ہو گا ۔"

سامی نے مجھ سے پوچھا "کیا تم خیال خوانی کے ذریعے اس عورت سے مطمئن ہو گئے ہو ؟"

میں نے کہا "ہاں، اس کا نام جمیلہ ہے۔ ایک سال پہلے شادی ہوئی تھی اور ایک ہی سال کے اندر بیوہ بھی ہو گئی۔ بچے کی ماں بنی اور ممتا سے بھی محروم ہو گئی۔ یہ کام کی عورت ہے تم اسے اپنے ساتھ لے جا سکتی ہو۔ اس پر بھروسہ بھی کر سکتی ہو۔ میں اجازت دیتا ہوں۔ جمیلہ میرے بیٹے کو اپنا دودھ پلا سکتی ہے ۔"

سامی نے اپنے چور کی طرف دیکھا۔ اس نے ادب سے کہا۔ "مادام! جس فلائٹ میں آپ کے لیے سیٹ بک کرائی گئی ہے اسی فلائٹ میں جمیلہ اور اس کے فرضی شوہر کے لیے دو سیٹیں بک ہیں۔ آپ ہم میں سے جسے کہیں گی۔ وہ جمیلہ کے شوہر کا رول ادا کرے گا چونکہ نیروبی چھوڑنے سے پہلے اپنے پاسپورٹ اور ضروری کاغذات پیش کرنے پڑے۔ اس لیے میں نے ہی جمیلہ کے شوہر کی حیثیت سے اپنا پاسپورٹ اور کاغذات پیش کر دیے ہیں ۔"

سامی نے سر ہلا کر کہا "تم جمیلہ کے ساتھ چل سکتے ہو ۔"

"مادام! آپ کے اصلی روپ کی تصویر میرے پاس موجود تھی، میں نے اسی تصویر کے ذریعے پاسپورٹ اور کاغذات تیار کیے ہیں ۔"

"ہاں، میں اپنے اصلی روپ میں سفر کروں گی مجھے یہ سلوانا کا روپ ختم کرنا ہو گا ۔"

اتنے میں انٹیلی جنس کا آفیسر اپنے ماتحتوں کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ گیا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ مجھ سے جزیرہ الدبرا کے بارے میں سوال کرنے لگا میں نے مختصر طور پر وہاں کے حالات بتائے۔ آفیسر نے کہا "آپ ہمارے ساتھ چلیں، آپ ہمارے مہمان ہیں ۔"

"میں نے یہاں رہائش کا انتظام کر لیا ہے۔ یہ میرے ساتھی ہیں۔ انھوں نے ایک بنگلہ ہمارے لیے مخصوص کیا ہے میں آپ کے ساتھ اس بنگلے تک چلتا ہوں۔ راستے میں تفصیلی گفتگو ہو جائے گی ۔"

نیروبی کے چور نے انٹیلی جنس کے آفیسر کو اس بنگلے کا پتہ بتایا۔ میں آفیسر کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سونیا اور سامی اس کار میں جمیلہ کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ راستے میں میں نے انٹیلی جنس کے آفیسر کو جزیرہ الدبرا اور موت کے جزیرے کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ اس نے تمام باتیں سننے کے بعد کہا "جناب! ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ آپ کا بیٹا آپ کو مل گیا لیکن ہمارے لیے بات وہیں رہ گئی۔ وہ بحری جہاز جزیرہ الدبرا کے ساحل پر کھڑا ہوا ہے۔ وہاں سے کسی دوسرے جہاز کو گزرنے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔ ایک بڑا ملک اس کا حمایتی ہے ۔"

میں نے کہا "میں سیاست سے دور ہوں۔ یہ معاملہ افریقہ کے تمام مشرقی ممالک کا ہے۔ آپ لوگ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ویسے جزیرہ الدبرا میں کوئی فوجی اڈہ قائم نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا منصوبہ بنایا جا رہا ہے جس کے ذریعے یہاں کے مشرقی ممالک کو نقصان پہنچ سکے۔ اب ان کے اندرونی معاملات اور ان کے خفیہ منصوبے کیا ہیں۔ یہ میں نہیں جانتا۔ میں نے جن کے دماغ پڑھے ہیں ان کے ذریعے کوئی اہم انکشاف نہیں ہوا ہے ۔"

میرے اس جواب سے انٹیلی جنس کا آفیسر کچھ مایوس اور بددل ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ میں فیصلہ کر چکا تھا۔ اب میں کسی کی خاطر کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔ میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر میں نے کہا "موت کے جزیرے میں آدم خوروں کے دو اڈے ہیں میں ان کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ آپ لوگ وہاں ریڈ کر سکتے ہیں اور ان کا صفایا کرنے کے بعد اپنے آدمیوں کو واپس بلا سکتے ہیں ۔"

میں انھیں ان آدم خوروں کے متعلق بتانے لگا۔ سات بجے کے قریب ہم ایک شاندار بنگلے کے احاطے میں پہنچ گئے آفیسر مجھ سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ میں سونیا، سامی اور جمیلہ اس بنگلے کے اندر آئے ۔ وہ چور بھی ہمارے ساتھ آئے تھے۔ انھوں نے کہا "آپ لوگ آرام کریں۔ سونا چاہیں تو اطمینان سے نیند پوری کر لیں۔ بنگلے کے چاروں طرف سخت پہرہ ہے کوئی ادھر آ نہیں سکے گا ۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ جمیلہ ایک خوابگاہ میں بچے کو لے کر چلی گئی۔ سامی نے اٹھتے ہوئے کہا "اس وقت سات بجے ہیں۔ ہم کم از کم تین گھنٹے کی نیند پوری کر لیں تو اس کے بعد تازہ دم ہو کر کچھ باتیں کر سکیں گے اور کھانے پینے کے موڈ میں بھی رہیں گے ۔"

میں نے تائید کی۔ سامی دوسرے بیڈ روم میں چلی گئی۔ میں اور سونیا تیسرے بیڈ روم میں آ گئے۔ سونیا نے پوچھا "ایک بات بتاؤ۔ جب سامی پہلی بار تمھاری زندگی میں آئی تھی۔ تو کیا اس کی شکل صورت ایسی ہی تھی ؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، وہ ایسی نہیں تھی۔ اس کی دھندلی دھندلی سی صورت میرے ذہن میں ہے۔ کافی عرصہ گزر چکا ہے میں تصور میں اس کی مکمل تصویر نہیں بنا سکتا ۔"

سونیا نے بستر پر بیٹھتے ہوئے انداز میں گرتے ہوئے کہا۔ "کیا اس کی آواز، اس کا لب و لہجہ سامی کے جیسا ہے ؟"

میں بستر کے سرے پر بیٹھ کر تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر کہا "جب میں نے موٹر بوٹ میں بیٹھ کر پہلی بار اعلیٰ بی بی سے رابطہ قائم کیا تو اس کے لب و لہجے کو نہ پہچان سکا۔ اعلیٰ بی بی نے یعنی سامی نے خود ہی ہنستے ہوئے کہا تھا میرے لب و لہجے کو پہچانو میں تمھاری زندگی میں بہت پہلے سے، بہت دور سے آئی ہوں۔ تب میرے دماغ میں سامی کا خیال آیا۔ اعلیٰ بی بی نے اعتراف کیا کہ وہ سامی ہے۔ تم دیکھ رہی ہو اب تک وہ سامی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہے۔ ہم اس پر شبہ نہیں کر سکتے ۔"

سونیا نے تائید کی "بے شک، میں بھی شبہ نہیں کرتی۔ وہ اعلیٰ بی بی یا سامی جو کہہ رہی ہے اس میں کچھ حقیقت ہو گی لیکن تم یہ مانتے ہو کہ سامی کی صورت ایسی نہیں ہے ۔"

"یہ بھی تو سوچو کہ اعلیٰ بی بی کا یہ اصلی روپ نہیں ہے ۔"

"اعلیٰ بی بی نے ہمارے ساتھ اتنی مہربانیاں کی ہیں۔ اتنا تعاون کیا ہے اور تمام چوروں کو ہماری خدمات کے لیے یوں مقرر کیا ہے جیسے تم بے تاج بادشاہ ہو اور وہ سب تمھارے غلام ہوں۔ میں اعلیٰ بی بی کی نیک نیتی، دوستی اور محبت پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتی ہوں۔ مگر جانے کیوں ایک بات کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ سامی تم سے بے حد محبت کرتی تھی۔ لیکن اس نے ایک بار بھی نہ تو زبان کے ذریعے محبت کا اظہار کیا نہ ہی اشارے کنائے سے کام لیا ۔"

"ہم کل رات سے اب تک بہت مصروف ہیں۔ اعلیٰ بی بی سے ایسے ہنگامی حالات میں ملاقات ہوئی ہے کہ ذاتی معاملات پر بات ہو نہیں سکتی۔ بہرحال آئندہ دیکھا جائے گا ۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا "دیکھا کیا جائے گا۔ تمھاری تو فطرت ہے تم ادھر ضرور جھکو گے ۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ دور بہت دور جانا چاہتا ہوں۔ اتنی دور جہاں کوئی تیسرا ہمارے آس پاس نہ ہو۔ یہ میری دلی تمنا ہے۔ پتہ نہیں، اس بار بھی یہ تمنا پوری ہو گی یا نہیں ۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سونیا اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے جوتے اتارنے لگی۔ ہم تین گھنٹے تک گہری نیند سوتے رہے۔

پھر حسبِ ہدایت میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سونیا کو بیدار کیا اور بیڈ روم کا دروازہ کھولا۔ سامنے کا ریڈور میں ایک میز پر کپڑوں کے بہت سے پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ میرے جوتے اور جرابیں نکٹائی اسی طرح سونیا کے لیے بھی بہت سی چیزیں تھیں۔ ایک چپڑ وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا "شاید آپ جانتے ہوں۔ آپ لوگوں کی ہسٹری شیٹ میں آپ لوگوں کے قد و قامت کے علاوہ آپ کے لباس اور جوتے وغیرہ کے ناپ بھی شامل ہیں۔ اسی کے مطابق ہم یہ چیزیں لے آئے ہیں۔ آپ استعمال کر کے دیکھیں۔ فٹنگ نہ ہوئی تو بدلے جاسکتے ہیں۔"

ہم نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر انھیں پہن کر دیکھا۔ واقعی وہ ہمارے ناپ کے مطابق تھے۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سامی بیدار ہو گئی ہے یا نہیں۔ میں اس کے دماغ میں پہنچا تو پہنچ نہ سکا۔ اس نے سانس روک لی تھی۔ پھر دوسری بار جب میں نے کوشش کی تو اس نے پوچھا "فرہاد تم ہو؟"

"ہاں، اگر تیار ہو گئی ہو تو ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔"

"میں ڈرائنگ روم میں بیٹھی انتظار کر رہی ہوں۔"

میں نے سونیا سے کہا "آؤ، سامی کے پاس چلیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

سونیا نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تم تنہا ڈرائنگ روم میں جاؤ۔ اس سے باتیں کرو۔ شاید وہ بھی تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہو۔ میں بچے کے پاس جا رہی ہوں۔"

میں نے مسکرا کر پوچھا "تمھیں ڈر نہیں لگتا کہ سامی مجھے اڑا کر لے جائے گی؟"

وہ فخر سے بولی "کتنی ہی اڑانے والیاں آئیں اور خود اڑ گئیں۔"

وہ ہنستے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

دروازے پر پہنچتے ہی میرے قدم رک گئے۔ وہ سامنے ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں ایک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا۔ میرے تصور میں سامی تھی میں سامی کو دیکھنے اور اس سے ملنے آیا تھا۔ لیکن وہاں اعلیٰ بی بی کھڑی ہوئی تھی۔

ہاں، اعلیٰ بی بی۔ وہ اعلیٰ بی بی جسے پہلی بار میں نے بھوندو چمار کی دماغی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بھوندو کی آنکھ شاعرانہ نہیں تھی۔ وہ اس کے حسن کی تعریف نہیں کر سکتا تھا اور جن کے پاس تعریف کے لیے الفاظ نہ ہوں تو ان کے منہ کھلے رہ جاتے ہیں۔ میرا منہ بھی اسے دیکھتے ہی کھلا رہ گیا تھا۔ بھوندو چمار کے حیران حیران سے دماغ نے کہا تھا اس کا حسن ایسا ہے کہ دیکھنے والی آنکھوں کو حیران ہونا سکھا دیتا ہے۔

اس کی رنگت گلابی تھی۔ اس کا لباس بھی گلابی تھا۔ اس کے گلے میں سیاہ موتیوں کی ایک مالا تھی۔ موتیوں کے دانے بڑے بڑے اور چمکیلے تھے۔ سیاہی کے باوجود چمکتے تھے۔ ان میں سے کبھی نیلا، کبھی پیلا، کبھی نارنجی اور کبھی اودا رنگ ابھرتا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے ہار کے وہ دانے اِدھر اُدھر سے ایک آنکھ کھول کر دیکھتے ہوں اور پھر بند کر لیتے ہوں۔ وہ کوئی غیر معمولی ہار تھا۔ اس کے دانے جگنو کی طرح چمکتے تھے۔ بجھتے تھے اور پھر چمکنے لگتے تھے۔

اعلیٰ بی بی نے ہار کے ایک دانے کو اپنی ایک چٹکی میں لے کر اس سے کھیلتے ہوئے مسکراتے ہوئے اور میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "جاگ رہے ہو؟"

میں چونک گیا۔ آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ پھر بولا نے کہا "جاگنے سے کیا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بیدار آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اسے دماغ تسلیم نہیں کرتا۔ میں ابھی بھوندو چمار کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پہلی بار میں نے اسی کے دماغ سے تمھیں دیکھا۔ تم یا تمھاری کوئی نائب اعلیٰ بی بی جیمس روبن کی کوٹھی میں گئی تھی۔ جیمس روبن نے بھی تمھیں دیکھا تو سحر زدہ ہو کر رہ گیا۔ وہ تمھاری اس مالا سے بہت متاثر تھا۔ اس کا دماغ مجھے بتا رہا تھا کہ اس کے موتی یکے بعد دیگرے یوں چمکتے ہیں جیسے ستارے آنکھیں کھول رہے ہوں، بند کر رہے ہوں۔ پھر آنکھ کھول کر روشنی دکھا رہے ہوں۔ اس نے موتیوں کی ایسی مالا کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں نے بھی کبھی نہیں دیکھی، کبھی اس کے متعلق سنا نہیں۔ جیمس روبن کے خیال کے مطابق یہ مالا تمھارے جسم کا ایک اہم حصہ لگتی ہے۔ تمھاری شخصیت سے اس مالا کا گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے کیا مجھے اس کے متعلق بتاؤ گی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی "کچھ اور تعریفیں کرو۔ پھر بتاؤں گی تم نے کتنوں کے دماغوں میں پہنچ کر مجھے دیکھا اور میرا تصور کیا؟"

میں نے کچھ سوچ کر کہا "تیسری بار میں کبیر ہیبل کے دماغ میں پہنچ کر تمھارے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا۔ اس نے تمھیں پہلی بار شالامار کے اُجلے، صاف، معطر اور رنگوں سے بھرپور ماحول میں دیکھا تھا۔ ان خوشبوؤں اور رنگوں کے درمیان تمھارے حسن کو صرف دیکھا جاسکتا تھا۔ تعریف کے لیے لفظوں کا انتخاب کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ یہ کبیر ہیبل کے خیالات ہیں وہ بھی تمھارا مالا کے متعلق یہی سوچتا رہا کہ اس نے اپنی عمر کے پچاس برس اس دنیا میں گزار دیے۔ اس دنیا کو ایک سرے سے دوسرے تک دیکھا لیکن ایسی مالا نہیں دیکھی جس کے سیاہ دانے چمکتے ہو..."

اس نے کہا "یہ مالا غیر معمولی ہے۔ یہ میرا حسن، یہ چکیلا دمکتا روپ، یہ اُجلا اُجلا رنگ، یہ ناقابلِ انکار دلکشی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے لیکن اسے سنوارنے میں، اسے نکھارنے میں

بابا فرید واسطی کا ہاتھ ہے۔"

"بابا کے متعلق کچھ بتاؤ گی؟"

"کیا بتاؤں۔ جو کچھ مجھے معلوم ہے وہ تم منجانی کی ہسٹری شیٹ میں پڑھ چکے ہو۔ وہ ایک پُراسرار بزرگ ہیں۔ ایک جہاندیدہ معلم ہیں۔ انھوں نے نوجوانوں کو ایک نیا عزم، نیا حوصلہ اور جینے کی نئی راہ دکھائی ہے جو حسین ہیں۔ انھیں اور زیادہ حسین بننے کے گُر سکھائے جو ناقابلِ شکست ہیں۔ انھیں سر جھکا کر چلنا اور عاجزی سے زندگی گزارنا سکھایا۔ جو چالاک ہیں ان کی چالاکی کو اور جلا دی اور ان کی ذہانت کو نئے راستے سمجھائے۔ ہمارے ادارے میں اس وقت تقریباً پانچ سو نوجوان زیرِ تربیت ہیں جو مقابلے میں اوّل، دوم آتے رہتے ہیں اور چالیس چوروں کی ٹیم میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔"

"تمھیں چالیس چوروں کا سربراہ کیوں بنایا گیا؟"

"میں ذہانت، چالاکی، مکاری، معاملہ فہمی اور چشم زدن میں حاضر دماغی سے فیصلہ کرنے کے امتحانات میں اوّل آئی تھی۔"

"اعلیٰ بی بی کا عہدہ حاصل کرنے سے پہلے تمھارا نام کیا تھا؟"

"سمیرا۔ یہ میں نہیں جانتی کہ میرا یہ نام میرے والدین نے رکھا یا بابا نے؟ میں اپنے والدین کو بھی نہیں جانتی۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے، بابا فرید واسطی کو ہی اپنا بزرگ، اپنا باپ، اپنا سب کچھ سمجھا اور اب بھی سمجھتی ہوں۔"

"اگر تمھارا نام سمیرا ہے تو پھر تم سامی نہیں ہو۔"

وہ ایک دلربا ناز سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "میں کیا ہوں کیا نہیں ہوں، یہ مجھ سے زیادہ بابا جانتے ہیں۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے ایک وقت آئے گا جب مجھ میں ایک نامعلوم سی تبدیلی ہوگی۔ وہ تبدیلی میں محسوس نہیں کر سکوں گی صرف بابا سمجھیں گے اور میں ایک خاص مدت کے بعد کسی فرہاد علی تیمور کے لیے سامی کے نام سے پہچانی جاؤں گی۔"

"تم نے پہلی بار میرا نام کب سنا تھا؟"

"شاید چھ برس پہلے۔ تب ہی سے بابا مجھے تمھارے متعلق بتاتے رہتے تھے پھر تمھاری ہسٹری شیٹ تیار ہوتی گئی۔ کتنی ہی تنظیموں کے دفاتر میں یہ ہسٹری شیٹ موجود ہے۔ وہاں سے ہمارے چوروں نے اس کی نقل لی اور مجھ تک پہنچایا۔"

"کیا آج اسٹڈی کے بعد تم نے مجھ سے کوئی تاثر حاصل کیا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "جس طرح وِش کنیا کی خوراک میں قطرہ قطرہ زہر ملایا جاتا ہے اور اسے زہریلی بنایا جاتا ہے اسی طرح میرے دماغ میں تمھارے نام کے شہد کو قطرہ قطرہ پہنچایا گیا۔ چھ برس سے میں تمھارا نام سن رہی ہوں۔ تمھارا ذکر سن رہی ہوں۔ تمھارے کارنامے پڑھ رہی ہوں۔ تمھاری ذات سے متاثر ہو رہی ہوں۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ تاثر تو یقیناً حاصل ہوگا۔"

"تم کب سے اپنے آپ کو سامی کہہ رہی ہو؟"

وہ چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر کہا "آج سے تقریباً دس یا گیارہ ماہ پہلے میں سخت بیمار پڑ گئی۔ بڑی توجہ سے میرا علاج کیا گیا۔ مگر میری زندگی کے دن پورے ہو گئے تھے۔ یہ بابا کہتے ہیں کہ میں ایک زندگی ہار چکی ہوں۔ دوسری زندگی جو اس وقت مجھے ملی ہے وہ سامی کی ہے۔"

"تمھارا اپنا خیال کیا ہے۔ تم سمیرا عرف اعلیٰ بی بی ہو یا خود کو سامی تسلیم کرتی ہو؟"

"میں بابا کی بات کو جھٹلا نہیں سکتی۔ وہ اتنے محترم ہیں کہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔"

"میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ ان کا ذکر سنا ہے۔ میں بھی ان کا احترام کرتا ہوں لیکن بار بار بابا کا حوالہ نہ دو۔ صرف اپنے ذہن کی بات بتاؤ۔ تم نے کب محسوس کیا کہ سامی بن گئی ہو؟"

"میں سخت بیمار تھی۔ دوائیں اثر نہیں کر رہی تھیں۔ میری سانس اکھڑ رہی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میں اپنی زندگی کے لیے موت سے کب تک لڑتی رہی۔ پھر میں سمجھتی ہوں کہ مجھ پر غفلت طاری ہو گئی۔ شاید میری موت واقع ہو گئی۔ بابا کے کہنے کے مطابق میں نے دوسری زندگی پائی۔ وہ سامی کی زندگی ہے لیکن تم میری ذاتی رائے پوچھتے ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں کچھ عرصے تک عالمِ سکوت میں رہی۔ میرے چاروں طرف سناٹا تھا۔ کوئی آواز نہیں تھی۔ کوئی روشنی نہیں تھی۔ اندھیرا بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ شاید اسی کو موت کہتے ہیں۔ لیکن پھر مجھے ہوش آنے لگا۔ مجھے روشنی دکھائی دینے لگی۔ مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا تو بابا مجھ پر جھکے ہوئے کچھ پڑھ رہے تھے اور دَم کر رہے تھے۔ پھر انھوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "بیٹی! سامی! تمھیں انسانی زندگی مبارک ہو۔"

اعلیٰ بی بی کی باتیں سن کر میں نے کہا "میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کالے جادو کے تماشے دیکھے ہیں۔ سامی میرے سامنے کالے جادو کے عمل سے گزرتی رہی۔ یہ ہر شخص کے لیے قابلِ قبول بات نہیں ہے۔ ایک مضحکہ خیز کہانی ہے اور اگر بابا نے تمھیں نئی انسانی زندگی کی مبارک باد دی تھی تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ تم سے زیادہ تمھاری حقیقت کو سمجھ رہے ہیں۔"

وہ خاموش رہی۔ میں نے پوچھا "جب سے تمھیں سامی کے نام سے زندگی ملی۔ تب سے کوئی نئی بات محسوس کی؟ کوئی نئی صلاحیت تم میں پیدا ہوئی۔ کیا کسی نئے ارادے یا نئے جذبے نے سر ابھارا؟"

وہ میری بات سُن کر صوفے سے اُٹھ گئی۔ کچھ ہچکچانے لگی جیسے جواب نہ دینا چاہتی ہو۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ میری طرف سے منہ پھیر کر دوسری طرف گئی۔ چند قدم جانے کے بعد رُک گئی۔ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولی "جب میں صحت مند ہوئی تو مجھے بابا نے مبارک باد دی۔ تب سے جانے کیوں میرا دل تمھاری طرف کھنچا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں ایک طویل مدت سے، صدیوں سے تمھیں چاہتی رہی ہوں۔ تمھاری تمنا کرتی رہی ہوں۔ تم سدا سے میرے رہے ہو۔ میں نے ایسے خیالات کو بار بار اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے، قدم آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا میں دل اور دماغ سے نکال دیے جانے کے قابل ہوں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں عملی زندگی گزارنے والی لڑکی ہوں۔ میرے سامنے دو اور دو چار کی حقیقت ہوتی ہے۔ میں نے فلسفہ پڑھا ہے۔ علم نفسیات کی کتابیں کھنگال ڈالی ہیں۔ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں سانس لے رہی ہوں۔ لیلیٰ مجنوں کی طرح محبت کرنا ایک احمقانہ فعل ہے میرا دل تمھاری طرف کھنچا جاتا ہے تو میں اپنا تجزیہ کرتی ہوں۔ مگر سمجھ نہیں پاتی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"کب تک سمجھ لوگی؟" میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ اسی طرح منہ پھیرے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔ وہ ہولے سے کسمسائی پھر التجا آمیز لہجے میں بولی "فرہاد! پلیز مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

میں نے اپنا ہاتھ ہٹا کر پوچھا "میری بات کا جواب دو؟"

اس نے جواب دیا "جب کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے تو ہم بابا سے پوچھتے ہیں۔ میں نے پوچھا 'مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں کیوں دن رات فرہاد کے متعلق سوچتی ہوں' تو بابا نے کہا۔ 'یہ تمھارے اندر کی سامی مچل رہی ہے' میں نے پوچھا 'ایسا ہے تو میں اپنے اندر سامی کو سمجھ کیوں نہیں سکتی؟'

بابا نے جواب دیا: اکثر لوگ اپنے اندر کچھ محسوس تو کرتے ہیں مگر سمجھ نہیں سکتے۔ خود اپنے اندر رہنے والی بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے ابھی تک اپنے اندر سامی کو محسوس تو کیا ہے۔ پہچانا نہیں ہے۔ یا اگر بابا کے کہنے سے پہچان رہی ہو تو تسلیم نہیں کر رہی ہو۔ لیکن تسلیم کرو یا نہ کرو۔ اس جذبے سے انکار نہیں کر سکتیں جو سامی کے دل میں مچلتا رہا تھا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "! بابا نے کہا ہے میں اندر ہی اندر اپنے آپ سے لڑتی رہوں گی۔ اور تم سے دور رہنے کی کوشش کروں گی۔"

"کب تک؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم نے ذہانت، چالاکی، مکاری، معاملہ فہمی اور چشم زدن میں حاضر دماغی سے فیصلہ کرنے کے امتحانات پاس کیے ہیں۔ یہ تمھارا دعویٰ ہے لیکن ایک محبت کا جذبہ ایسا ہے جو تمھاری ذہانت کو کھا رہا ہے۔ تمھاری معاملہ فہمی اور تمھاری چشم زدن میں فیصلہ کرنے کی قوت کو کمزور بنا رہا ہے پھر تو تمھیں اعلیٰ بی بی کے منصب پر نہیں رہنا چاہیے۔ ذہانت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے کسی بھی ذاتی مسئلے کو حل کرنے سے پہلے اپنا تجزیہ کرے۔"

وہ میری طرف گھوم کر بولی "میں نے اپنا تجزیہ کیا ہے میری سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ میں تمھیں چاہتی ہوں۔ بہت چاہتی ہوں۔ یہ چاہت محبت ہے یا نہیں، یہ میں نہیں جانتی۔ اگر محبت کا مطلب یہ ہے کہ میں تمھاری تنہائی کی ساتھی بن جاؤں اور تمھاری محبوبہ کہلاؤں تو تم پہلے ہی نہ جانے کتنوں کے مطلوب ہو۔ پھر میں بھی فہرست میں اپنا نام کیوں لکھاؤں؟ میری اپنی ایک اہمیت ہے، حیثیت ہے، مرتبہ ہے۔ تم فرہاد علی تیمور ہو تو میں اعلیٰ بی بی ہوں۔ میں تم سے برتر نہیں ہوں لیکن تم سے کمتر بھی نہیں ہوں۔ پھر میں تمھیں جھک کر کیوں حاصل کروں؟ کیوں تمھیں اپنی بھیڑ میں اپناؤں؟ اگر اپنا لیتی ہوں تو دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ وہ رسونتی ہو، سونیا ہو یا کوئی اور ہو۔ ان بے چاریوں نے تمھیں دل و جان سے چاہا ہے ان کی چاہت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ تم نے ہیلی کاپٹر میں سونیا کو بھی طعنہ دیا تھا کہ ایک بار وہ تمھیں چھوڑ کر جمی کی طرف جھک گئی تھی اور سپر ماسٹر کی تنظیم میں شامل ہو گئی تھی۔ رسونتی بھی دشمنوں کے فریب میں آ گئی۔ اس کے باوجود تم خوب جانتے ہو کہ رسونتی آج بھی تمھاری وفادار ہے اور تمھارے سوا کسی دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھے گی۔ سونیا کی بھی یہی خاصیت ہے۔ پھر میں ان عورتوں کی حق تلفی کیوں کروں۔ میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔"

"ایسا اس لیے نہیں کرو گی کہ ابھی تمھارے اندر ایک جنگ جاری ہے اور یہ بحث اتنی طویل ہے کہ شاید ہم مہینوں اور سالوں میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں۔ یا شاید پل بھر میں کوئی فیصلہ ہو جائے۔ بہرحال سونیا اور وہ بے چاری جمیلہ کھانے پر ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ چلو۔"

وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے ایک کاریڈور میں آئی۔ میں نے ذرا رک کر پوچھا "بابا نے اس ہار کے متعلق نہیں بتایا۔ اس میں کیا خاصیت ہے۔ اعلیٰ بی بی کا رول ادا کرنے والی دوسری لڑکیاں جو ہار پہنتی ہیں ان کے سیاہ موتی ایک سیل کے ذریعے جلتے بجھتے ہیں۔ تمھارا رول ادا کرنے والی اینی نے مجھے بتایا تھا کہ تمھارے گلے کا ہار نقلی نہیں ہے۔ اس میں قدرتی چمک ہے۔"

"ہاں، اس میں قدرتی چمک ہے۔ یہ ہار بابا نے مجھے پہنایا تھا۔ یہ ایک علامت ہے کہ تاریکی میں نور چھپا ہوتا ہے۔ رنگ چھپے ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی ہم دیکھتے ہیں وہ تاریکی سے پھوٹنے والی روشنی اور رنگ ہیں۔ جیسے کہ ان تاریک سیاہ دانوں سے روشنی بھی پھوٹتی ہے اور رنگ بھی نکھرتے ہیں۔"

"تم یہ ہار کیوں پہنتی ہو؟"

"یوں سمجھ لو کہ ایک عقیدہ ہے جیسے کچھ لوگ تعویذ پہنتے ہیں کہ بیماریوں سے محفوظ رہیں۔ کچھ لوگ امام ضامن باندھتے ہیں کہ بلائیں ان سے دور رہیں گی۔ کچھ لوگ کسی مقدس مزار کی مٹی پھانکتے ہیں کہ ان کے ذریعے بیماریاں اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔ مرادیں پوری ہوتی ہیں یا نہیں۔ یہ ایک الگ سی بات ہے لیکن یہ عقیدے کی پختگی ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ان کے دل پُرسکون اور مطمئن ہوتے ہیں۔ بابا نے مجھ سے کہا ہے۔ جب تک یہ ہار میرے گلے میں رہے گا، مجھ سے بلائیں دور رہیں گی۔ میں ہر مصیبت کا سامنا خندہ پیشانی سے کروں گی اور کامیاب ہوتی رہوں گی۔ بابا جو کہتے ہیں۔ میں اسے مان لیتی ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ہے۔ اس لیے میں نے اس ہار کو پہن رکھا ہے۔"

ہم کاریڈور سے گزرنے لگے۔ میں نے کہا "ویسے یہ ہار غیر معمولی ہے اسے پہن کر تمھاری شخصیت بھی غیر معمولی لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی دیوی بادلوں کے رتھ سے اتر کر پہاڑوں کی بلندیوں کو چھُو کر زمین کی پستی میں ہمارے برابر آ گئی ہو۔"

"تم باتیں خوب کرتے ہو۔ افسوس، میں عام عورتوں کی طرح دل نہیں ہار سکتی۔"

"دل ہارا نہیں جاتا۔ دل تو ایک تخت طاؤس ہے جب محبت اس تخت پر آ کر بیٹھتی ہے تو خود بخود اس کا تختہ ہو جاتا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ہم دونوں جمیلہ کے بیڈ روم میں داخل ہوئے۔ وہاں سونیا بچے کو گود میں لے کر اسے بہلا رہی تھی۔ اس سے کھیل رہی تھی میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو لیا۔ اسے پیار کیا۔ جی بھر کے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ سامی نے مسکرا کر کہا "اچھی طرح دیکھ لو۔ شاید تمھارا بچپن جھلک رہا ہے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا "جانتے ہو یہ جمیلہ کا دودھ پینے کے بعد بڑے آرام سے سوتا رہا۔ اسے ماں کی ممتا مل گئی ہے۔"

میں نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا "ماں کہیں ہے ممتا کہیں ہے۔"

سونیا نے کہا "کیا کرو گے فرہاد جب سے پارس پیدا ہوا ہے اسے جی بھر کر ماں کی گود نصیب نہیں ہوئی ہے۔ یہ اپنی ماں کے لمس سے آشنا نہیں ہے۔ اسے کبھی منجالی لیتی رہی اور کبھی روزا اپنے پاس رکھتی رہی۔ اب یہ جمیلہ کی آغوش میں ہے۔ اسے ابھی تک ایک گود، ایک پالنا اور ایک دودھ نصیب نہیں ہوا ہے۔ دیکھیں جمیلہ کا ساتھ کب تک رہتا ہے؟"

جمیلہ نے تڑپ کر کہا "آپ ایسا نہ کہیں میں اپنے اس بیٹے کے ساتھ ساری زندگی گزار دوں گی۔ میں اس کے لیے سب کچھ چھوڑ دوں گی۔ کبھی دوسری شادی کا تصور نہیں کروں گی بس یہ بیٹا مجھے دے دو۔"

سامی نے کہا "یہ ہمیشہ تمھارے ہی پاس رہے گا۔ اس شرط پر کہ تم ہمیشہ میرے پاس رہو گی۔"

"میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ یہ مجھے مل گیا ہے۔ اس کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔"

میں نے کہا "اب یہ چند گھنٹوں کے بعد اپنے باپ سے جُدا ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے کچھ فوٹو گرافس لیے جائیں۔"

سونیا نے کہا "پارس کی تصویر نہ اتاری جائے تو بہتر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تصویریں دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں۔"

سامی نے کہا "وہ تو دشمنوں تک پہنچ ہی گئی ہیں۔ جزیرہ الدیبا میں پارس کی تصویریں کتنے ہی زاویوں سے اتاری گئی ہیں تبھی ایک ہمشکل بچہ وہاں لایا گیا تھا۔"

میں نے کہا "ہم بھی اس کی تصویریں اپنے پاس رکھیں گے۔ لیکن جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی جائے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس کی ایک بھی تصویر نہ اتاری جائے اور نہ ہی دشمن اسے دیکھنے پائیں۔"

سامی نے مسکرا کر کہا "فرہاد! بعض فنکار بڑے ماہر بڑے ہی باکمال ہوتے ہیں۔ بچپن کی ایک تصویر دیکھ کر ہی بچے کی جوانی اور بڑھاپے تک کی تصویریں اسکیچ کر لیتے ہیں پھر وہ بچہ جوان ہو کر اور بوڑھا ہو کر بالکل ویسا ہی دکھائی دیتا ہے۔"

ایک چوبر نے کمرے میں داخل ہو کر کہا "مادام! اس وقت بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ ہیں۔ آپ کی فلائٹ کا وقت دو بجے کا ہے۔ کھانا تیار ہے، نوش فرما لیں۔"

ہم سب وہاں سے باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ پھر کھانے کی میز کی اطراف بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ چوبر بھی ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ اعلیٰ بی بی کے سامنے کوئی کسی سے برتر یا کمتر نہیں تھا۔ اسی لیے وہ اپنے چوبروں کے ساتھ بیٹھ کر

طیارہ اب اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر لینڈ کرنے ہی والا ہے۔ آپ فوراً گاڑی لے کر چکلالہ کے ہوائی اڈے پر پہنچ جائیں۔"

وہ حیرانی سے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ "ارے کیا کہہ رہے ہو۔ اچانک یہاں پہنچ رہے ہو۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ کی سلامتی کی قسم، مذاق نہیں کر رہا ہوں۔"

وہ جھینپ کر بولے "کیا تم اپنے اصلی روپ میں ہی آ رہے ہو؟"

"ظاہر ہے، جب مجھے پاکستان کی شہریت مل چکی ہے۔ میرے پاس پاسپورٹ اور تمام ضروری کاغذات موجود ہیں تو مجھے روپ بدلنے کی کیا ضرورت ہے۔ رسونتی بھی اپنے اصلی روپ میں ہے۔ آپ کوشش کریں کہ رسونتی کو بھی پاکستان کی شہریت حاصل ہو جائے ورنہ دشمن پریشانیوں میں مبتلا کر دیں گے۔"

انہوں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا "آپ فکر نہ کریں سب انتظامات ہو جائیں گے۔" انہوں نے ڈائل کرتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔ ملازم آیا تو انہوں نے کہا "شوفر سے کہو، میری گاڑی نکالے، ایئرپورٹ جانا ہے۔"

پھر وہ اپنے اعلیٰ افسروں سے اور دوسرے افسر دوستوں سے رابطہ قائم کر کے میرے متعلق اطلاع دینے لگے۔ وہ دوسرے افسران سے رابطہ قائم کر رہے تھے۔ ہماری حفاظت کے لیے خفیہ انتظامات کر رہے تھے۔

میں نے سیفٹی بیلٹ باندھتے ہوئے کہا "سعید صاحب! اس بات کا خیال رکھیے کہ ابھی لاہور والوں کو میرے متعلق کوئی اطلاع نہ ملے ورنہ شاہینہ دوڑی چلی آئے گی۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے ذرا جھینپتے ہوئے کہا "ابھی تو نجری کے بہانے ان سے بھی فون پر گفتگو ہو جاتی مگر تم مجھے روک رہے ہو۔"

"آپ گھبراتے کیوں ہیں۔ آپ کو سنگل سے ڈبل کرنے کے لیے ہی آیا ہوں۔"

وہ کوٹھی سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ پھر وہ گاڑی چک لالہ کی طرف روانہ ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا "آخر لاہور والوں کو اطلاع کیوں نہیں دینا چاہتے۔ شاہینہ آتی ہے آنے دو۔ بہن ہے وہ تو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمہارے پیچھے بھاگتی جائے گی۔"

"وہ سونیا کے متعلق پوچھے گی۔ سونیا فی الحال نہیں آ سکتی۔ دوسری جگہ مصروف ہے اور شاہینہ اتنی جلدی رسونتی کو بھابی کی حیثیت سے قبول نہیں کرے گی۔ اس میں جھجک اور غیریت ہو گی۔ اس بات کو رسونتی محسوس کرے گی۔ میں یہ نہیں چاہتا۔"

انہوں نے میٹھی ناراضگی سے کہا "بھئی تم عجیب ہو۔ خواہ مخواہ دل کے بھید کھولنے پر مجبور کرتے ہو۔ سلطانہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی بہانے سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر لیا کروں۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے شاہینہ کو قائل کر سکتے ہو۔ اسے سمجھا سکتے ہو کہ وہ رسونتی کو بھابی کی حیثیت سے قبول کر لے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا "آپ کی بے چینی بھی خوب ہے لیکن ابھی میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔ طیارہ اترنے ہی والا ہے۔ مجھے یہاں دماغی طور پر حاضر رہنا چاہیے۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ رسونتی نے پوچھا "کیوں ہنس رہے ہو؟"

میں نے اسے سعید احمد کے متعلق بتایا۔ ان کے رومانس کی داستان سنائی تو وہ بھی مسکرانے لگی۔ اس وقت تک طیارہ رن وے پر دوڑتا ہوا ایک جگہ ٹھہر گیا تھا۔ رسونتی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنی گردن تک اسے سہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ جب سے ناشتہ کیا ہے طبیعت بھاری ہے۔ سر کبھی کبھی چکراتا ہے۔ میں فوراً ہی قوت ارادی سے برداشت کرتی ہوں۔ مگر ایسا کیوں ہو رہا ہے فرہاد۔۔۔"

میں نے اس کے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں، ہم یہاں پہنچ گئے ہیں۔ کسی اچھے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر سے تمہارا علاج ہو گا۔ یہ کمزوری دور ہو جائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد مسافر اترنے لگے۔ ابھی تک سعید احمد وہاں نہیں پہنچے تھے لیکن دوسرے افسران موجود تھے۔ طیارے کے زینے کے قریب خفیہ طور پر مسلح محافظ بھی تھے۔ جب رسونتی میرے ساتھ چلتے ہوئے طیارے کے زینے کے اوپری حصے پر پہنچی تو اچانک ڈوبتی ہوئی آواز میں بولی "فرہاد! میرا سر، میرے بیٹے کو سنبھالو۔"

ایک ایئرہوسٹس نے آگے بڑھ کر اس بچے کو گود میں لے لیا۔ میں نے رسونتی کو سہارا دیا۔ وہ زینے سے اترنے لگی۔ میں ذرا مطمئن ہو گیا اسے حوصلہ دینے لگا کہ وہ سنبھل سنبھل کر اترنے کی کوشش کرے۔ نیچے کھڑے ہوئے چند افسران جو ہمارے استقبال کے لیے آئے تھے، ہمیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

کھاتی پیتی اور ہنستی بولتی تھی۔ اس وقت دو چور میز کے اطراف بیٹھے ہوئے اعلیٰ بی بی کو بین الاقوامی حالات بتا رہے تھے۔ یعنی وہ حالات جن سے اعلیٰ بی بی اور چالیس چوروں کا تعلق تھا۔ کونسا چور کس ملک میں ہے اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس کی مختصر سی روداد پیش کی جا رہی تھی۔ اعلیٰ بی بی انھیں سنتی جا رہی تھی اور احکامات صادر کرتی جا رہی تھی۔ اس کے احکامات ایک مائیکرو ریکارڈر میں ریکارڈ ہوتے جا رہے تھے۔

کھانے کے بعد ہم نے بچے کو سنبھال لیا۔ جمیلہ کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ کبھی میں پارس کو گود میں لیتا تھا۔ کبھی سونیا اُسے لے کر پیار کرتی تھی۔ ہم دونوں ہی باری باری اسے لے رہے تھے۔ ہمارا جی نہیں بھرتا تھا۔ وہ ہم سے جُدا ہونے والا تھا۔ مجھے پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ اولاد کی محبت کیا ہوتی ہے۔ میرا بیٹا اتنا اچھا تھا۔ اتنا پیارا لگتا تھا کہ اُسے جُدا کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ بُرا ہو دشمنوں کا۔ انھوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔

اس دوران سامی سے باتیں ہو رہی تھیں۔ پروگرام بنائے جا رہے تھے کہ کس طرح ہمارے درمیان خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم ہو گا اور جب بھی میں یا سونیا بچے سے اور سامی سے ملنا چاہیں گے تو کسی مخصوص مقام کا تعین کر لیا جائے گا۔ میں نے سامی سے کہا "میں تمہارے بابا فرید واسطی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی "بہت دیر بعد ان سے ملنے کا خیال آیا۔"

"یہ بات نہیں ہے سامی۔ میں اپنے بچے کے سلسلے میں کس قدر جذباتی ہوں، بیان نہیں کر سکتا۔ تم سے بھی پہلی بار ملاقات ہوئی ہے۔ اِدھر میرا بچہ مجھ سے جُدا ہو رہا ہے۔ بہت سے مسائل نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ ایک ایک بات رہ رہ کر یاد آتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ایسے بزرگ سے نہ ملنا میری کوتاہی، کم علمی اور نادانی ہو گی۔ جنھوں نے نوجوان نسل کو نئی راہ دکھائی ہے اور تم سب کو اس قدر باکمال بنایا ہے۔"

سامی نے کہا "میں نے ایک بار بابا سے پوچھا تھا کہ فرہاد سے ملاقات ہو تو کیا میں اسے آپ کے پاس لے کر آؤں؟"

انھوں نے جواب دیا تھا "کوئی اپنی مرضی سے کہیں جا نہیں سکتا، کسی سے مل نہیں سکتا۔ اس میں تقدیر کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے اگر ہماری تقدیر میں ملاقات ہو گی تو ہم ایک دوسرے سے مل لیں گے ورنہ شاید میرا اور فرہاد کا سامنا نہ ہو سکے۔"

میں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا۔ روانگی کے وقت سامی نے ایک چور کے ہاتھ سے بڑا سا البم لے کر مجھے دیتے ہوئے کہا "میں رخصتی کے وقت تمھیں یہ تحفہ پیش کر رہی ہوں۔" میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ البم کے ہر صفحے پر پارس علی تیمور کی تصویریں تھیں اور مختلف زاویوں سے تھیں۔ میں نے وہ البم شکریہ کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اسے ایک طرف رکھتے ہوئے پارس کو سونیا سے لیا۔ پھر سامی کے حوالے کرتے ہوئے کہا "میں بھی رخصتی کے وقت اپنی زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ تمھیں پیش کر رہا ہوں۔ یہ تحفہ بھی ہے اور میری امانت بھی۔"

پھر میں نے اچانک اس کے دماغ میں پہنچ کر کہا "اور یہ میری محبت بھی ہے۔"

وہ پارس کو میرے ہاتھوں سے لے رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ کانپنے لگے۔ اس نے جلدی سے بچے کو سنبھال لیا۔ میں نے سوچ کے ذریعے کہا "میرا بیٹا پارس تمھارے اندر ہونے والی اس جنگ کو محبت سے جیت لے گا اور محبت سے جیتنا کوئی ایسی بات تو نہیں ہے کہ گھبراہٹ طاری ہو جائے۔ اپنے آپ کو سنبھالو، سونیا کیا سوچے گی۔"

وہ فوراً ہی پارس کو اپنے سینے سے لگا کر اُسے تھپکتے ہوئے اُسے پیار کرتے ہوئے خود کو سنبھالنے لگی۔ اس نے اپنی ساری توجہ پارس پر مبذول کر دی۔ ہم انھیں رخصت کرنے کے لیے ایئرپورٹ تک جانا چاہتے تھے۔ اس نے کہا "میرا مشورہ ہے کہ تم اور سونیا رات کو فلائٹ کے وقت یہاں سے نکلنا۔ ابھی خواہ مخواہ کسی مصیبت کو دعوت نہیں دینا چاہیے۔"

اس کا مشورہ معقول تھا۔ ہم اسی بنگلے میں رہ گئے۔ سامی پارس کو لے کر جمیلہ کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ لوگ پہرے دار کے طور پر بنگلے کے آس پاس موجود تھے۔ میں اور سونیا اپنے بیڈروم میں آ گئے۔ سونیا نے کہا "سامی بچے کو لے کر چلی گئی ہے لیکن رسونتی کا کیا ہو گا؟"

میں نے کہا "سامی نے رسونتی کو اپنے پاس رکھنے کی ذمہ داری لی ہے۔ وہی اپنی ذمہ داری نبھائے گی۔ ہمیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر بھی خیال خوانی کے ذریعے معلوم کرو رسونتی کہاں ہے، کس حال میں ہے؟"

"تم میرے مزاج کو خوب سمجھتی ہو۔ جب میں تم سے ناراض ہوتا ہوں تو خیال خوانی کے ذریعے تمھاری بھی خبر نہیں لیتا۔ ویسے پریشانی کی بات کیا ہے۔ کیا اعلیٰ بی بی کے چور اس کے ساتھ نہیں ہیں؟"

وہ بیڈروم سے جانے لگی۔ میں نے پوچھا "کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے پلٹ کر کہا "تمھیں خیال خوانی پر بڑا ناز ہے۔ کیا میں دوسرے ذرائع سے معلوم نہیں کر سکتی؟"

"آخر تمھیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

"میں ایک عورت ہوں اور دوسری عورت کے دکھ کو خوب

ہاتھ ہلا رہے تھے۔ اچانک ہی رسونتی لڑکھڑائی۔ اگر میں اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ زینے پر سے لڑھکتے ہوئے نیچے پہنچ جاتی اس کے باوجود وہ ایک پائیدان سے ڈگمگا کر دوسرے تیسرے پائیدان تک پہنچ گئی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے اسے روک لیا تھا۔ پھر میں نے دونوں بازوؤں میں اسے اٹھایا۔ آہستہ آہستہ زینے سے اترنے لگا۔ دوسرے افسران اور محافظ بھی قریب آ گئے تھے۔ ہمارے لیے پہلے ہی ایک گاڑی موجود تھی۔ دوسرے محافظوں نے رسونتی کو سنبھال لیا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پہنچا دیا۔ ایک شخص نے بچے کو ایئر ہوسٹس سے لے لیا۔ میں رسونتی کے دماغ میں پہنچا ہوا تھا۔ اسے سوچ کے ذریعے تسلیاں دے رہا تھا، حوصلہ بڑھا رہا تھا لیکن وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے ایک افسر سے کہا "پلیز! اسے جلد از جلد کسی ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر کے پاس پہنچائیں۔ یہ ذہنی طور پر بہت کمزور ہے کوئی دماغی امراض کا ماہر ہونا چاہیے۔"

گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ آگے بڑھی۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک آفیسر نے وائرلیس کے ذریعے سعید احمد صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ انہیں موجودہ حالات کے متعلق اطلاع دی اور انہیں بتایا کہ رسونتی کو ڈاکٹر وسیم درانی کے پرائیویٹ کلینک میں پہنچایا جا رہا ہے۔ وہ ادھر ہی چلے آئیں۔

میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں خیال خوانی کے ذریعے رسونتی کی دماغی حالت کو خوب سمجھ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دماغ موت کے اندھیروں میں ڈوبنے والا ہو میں نے ایک ہاتھ سے اپنی پیشانی کو تھام لیا، پھر کہا "اوہ منجالی! تم تو توقع سے زیادہ خطرناک نکلیں۔ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو رہا ہے۔ ہمارے دل و دماغ کے کسی گوشے میں رسونتی کو قتل کرنے کی گھناؤنی سازش نہیں تھی۔ یہ خدا جانتا ہے۔"

اس کا ڈوبتا ہوا دماغ آس پاس کی آوازوں کو ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ مگر ان آوازوں کی شناخت بھول گیا تھا حتیٰ کہ وہ میری سوچ کی لہروں کو بھی نہیں پہچان رہی تھی۔ میں اسے مخاطب کرتا تھا اور میری سوچ اسے گنبد کی صدا لگتی تھی جو گونجتی تھی مگر واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

ایسے ہی وقت اس کے کمزور سے دماغ نے بچے کے رونے کی آواز سنی۔ اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا ایک شخص بچے کو گود میں لیے ہوئے تھا۔ وہ مچل مچل کر رو رہا تھا۔ میں نے رسونتی کے دماغ میں محسوس کیا کہ وہ تڑپ رہی ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن جو ڈوب رہی تھی اس میں ایک جوش، ایک جذبہ، ایک روانی آ گئی ہے۔ پھر میں نے ممتا کو دیکھا، جو ایک طاقت بن گئی تھی، جو موت کو پیچھے دھکیل رہی تھی۔ پھر اس کے ہونٹ کھلے اور وہ بولنے لگی "میرا بچہ... بچہ... پا... پارس"

اگر کوئی موت سے انٹرویو لے تو وہ یہی کہے کہ وہ بڑے سے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑ دیتی ہے لیکن ایک نوزائیدہ بچے سے اس کی ماں کو چھڑاتے وقت موت کو بھی پسینہ آ جاتا ہے وہ ایک ماں کے اندر سے روح تو نکال سکتی ہے ممتا کو نہیں نکال سکتی اور جب ممتا کو نہ نکال سکے تو پھر موت نے کس کو مارا؟ ایسی جگہ وہ ہار جاتی ہے۔

رسونتی جیت رہی تھی۔ اسے ڈاکٹر کے کلینک میں پہنچا دیا گیا۔ بڑی توجہ سے اس کا معائنہ کیا گیا۔ اس کا خون ٹیسٹ کرنے کے لیے لیبارٹری میں بھیجا۔ ڈاکٹر تسلیاں دے رہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ حالت بہت ہی تشویشناک ہے دماغی کمزوری کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

سعید صاحب نے پارس کے لیے ایک ٹرینڈ آیا کا انتظام کر دیا تھا۔ ہم سب کلینک میں ہی تھے۔ لیبارٹری رپورٹ اور ڈاکٹر کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ کبھی کبھی میں خیال خوانی کے ذریعے سونیا کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ بن غازی پہنچ گئے ہیں۔ اس دوران میں سونیا کو رسونتی کے متعلق تمام باتیں بتاتا رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر بار بار اس کی خیریت پوچھتی تھی۔ میں نے کہا "فی الحال تم مرجانہ کی طرف توجہ دو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں مرجانہ کے لیے کیا کروں۔ رسونتی کے دماغ کو کمزور بنانے کے لیے منجالی کا سہارا لیا تو وہ اس حال کو پہنچ چکی ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اگر مرجانہ کے سلسلے میں بھی کوئی دوا استعمال کی گئی، کوئی انجکشن لگایا گیا اور وہ مہلک ثابت ہوا تو میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"فرہاد! تم بہت زیادہ پریشان ہو گئے ہو۔ اتنا تو سمجھو کہ منجالی کے زہر میں اور ڈاکٹروں کی دواؤں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بے شک بہت سی دواؤں کا ری ایکشن ہوتا ہے لیکن اس ری ایکشن کا بھی علاج ہو جاتا ہے۔ مرجانہ کو کنٹرول کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے اس کے دماغ کو وقتی طور پر کمزور بنانا ہی ہو گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ رسونتی کی طرف پوری توجہ دے کر اس کا علاج کرو اور اسی کے پاس رہو۔"

میں دماغی طور پر ڈاکٹر وسیم درانی کی کلینک میں حاضر ہو گیا۔ اسی وقت ڈاکٹر خود ہی لیبارٹری کی رپورٹ لے کر آیا

[...]س نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "مسٹر فرہاد! خون کی [...] بتاتی ہے کہ فوری طور پر علاج نہ کیا گیا اور پوری توجہ نہ [...] تو بلڈ کینسر ہو سکتا ہے۔"

میں نے پریشان ہو کر سوچا۔ خون کا سرطان یعنی خون [...]ا ہو رہا ہے۔ منجالی کا زہر کام دکھا رہا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خون [...]و منفی اثرات ہیں انہیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ ٹیلی [...]کے ذریعے مریضہ کی دماغی حالت کی تفصیلی رپورٹ پیش کر سکتے [...] آپ اس سلسلے میں ہمارے بہت کام آ سکتے ہیں۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ ایک کمرے میں آیا۔ وہاں رسونتی [...]یں بند کیے پڑی ہوئی تھی۔ ایک نرس اور اسسٹنٹ [...] اس کے پاس موجود تھے۔ رسونتی کے سر کے اطراف [...] لگائے گئے تھے جو دونوں کنپٹیوں تک تھے۔ ان کے [...]یعے ایک گراف بورڈ پر دماغی حالت کے نشیب و فراز [...] نیچی لکیریں بن رہی تھیں۔ وہ لکیریں ذرا اوپر جاتی [...] پھر نیچے پہنچ جاتی تھیں، دماغ کی حالت عروج کی طرف کم تھی اور زوال [...]رف زیادہ تھی۔

میں نے گراف بورڈ کی طرف سے منہ پھیر کر ڈاکٹر کو مخاطب [...] "ڈاکٹر! میں گراف بورڈ کو نہیں دیکھ رہا ہوں لیکن جو کچھ [...]ہا ہوں آپ اس کے مطابق گراف لائن کی اسٹڈی کریں۔"

یہ کہتے ہی میں رسونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ پھر میں [...]ہا "ابھی اس کا دماغ روشن ہو رہا ہے۔ اب بجھ رہا ہے [...] تشویش کی حد تک بجھنے والا ہے لیکن نہیں پھر جگنو کی طرح [...] گیا ہے پھر اس میں ایک نامعلوم سی قوت پیدا ہو [...] ہے۔"

میں جیسے رسونتی کے دماغ میں بیٹھ کر کمنٹری کر رہا تھا [...] نے گراف بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہا "آپ بالکل درست [...] ہے ہیں۔ آپ کے کہنے کے مطابق گراف لائنیں بن رہی [...] کبھی اوپر جاتی ہیں کبھی نیچے پہنچ جاتی ہیں لیکن آپ یہ بتائیں [...]چنے کی یا سمجھنے کی قوت کیا ہے۔ کیا یہ واضح طور پر کسی بات [...]چ سکتی ہیں یا محسوس کر سکتی ہیں؟"

"دماغ میں کوئی سوچ واضح نہیں ہے لیکن ٹھہر ٹھہر کر [...] لفظ نمایاں ہوتا ہے اور پھر گم ہو جاتا ہے اور وہ لفظ ہے [...]س۔"

ڈاکٹر نے تعجب سے پوچھا "پارس کا مطلب کیا ہو سکتا [...] کیا یہ کسی معاملے میں فیل ہو چکی ہیں۔ کوئی ناکامی ان کے [...]غ پر اثر انداز ہوئی ہے؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل یہ ہمارے بیٹے پارس کا نام لینا چاہتی ہے مگر دماغی کمزوری کے باعث پارس کا 'ر' ادا نہیں کر سکتی ہے صرف پاس کہہ رہی ہے۔"

ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا "ہیئر از دی پوائنٹ۔ آپ ان کے دماغ میں ان کی ممتا کو ابھارنے کی کوشش کریں۔ ممتا ایک ایسا جذبہ ہے، ایسی قوت ہے کہ انہیں زندگی کی طرف واپس لائے گی۔ پلیز، آپ ہماری مدد کریں۔ دوا ہم کرتے ہیں نفسیاتی علاج آپ کریں۔"

میں اس کے دماغ میں جم کر بیٹھ گیا۔ کبھی پارس کا مکمل نام لینے لگا، کبھی بچے کے انداز میں رونے کی آواز سنائی۔ میں نے محسوس کیا۔ جب رونے کی آواز آتی تھی تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ وہ کچھ بے چین ہوتی تھی۔

میں اس کے دماغ کی اسکرین پر ایک بچے کی تصویر واضح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ تصویر تو صاف نہیں ہو رہی تھی۔ میں زیادہ سے زیادہ بچے کی آواز سنا سکتا تھا۔ میں نے کسی ننھے سے بچے کے لہجے میں پکارا "میں پارس بول رہا ہوں۔ ماں، امی! ممی میری ماما آپ کہاں ہیں؟ امی جان آنکھیں کھولیے۔ اپنے بیٹے کو دیکھیے نا۔ نہیں دیکھیں گی تو میں روٹھ جاؤں گا۔ چلا جاؤں گا۔"

تب میں نے رسونتی کے دماغ میں ایک کمزور سی ہلچل محسوس کی، جیسے وہ اپنے بچے کو روٹھنے سے روکنا چاہتی ہو اور روٹھ جائے تو اسے منانا چاہتی ہو۔ یہ ایک طویل نفسیاتی طریقہ علاج تھا جو ٹیلی پیتھی کے ذریعے زیادہ آسان تھا مگر صبر طلب اور وقت طلب تھا۔ اس لیے وقت گزرنے لگا۔ صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی۔ کھانے کا ہوش نہ رہا۔ ایکبار سعید صاحب نے مجھے سمجھایا کہ میں کچھ کھا لوں لیکن بھوک نہیں تھی۔ میری ساری محبت، ساری توجہ اپنی شریک حیات کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ دماغ کے کسی گوشے میں یہ احساس کچوکے لگا رہا ہو کہ میری وجہ سے رسونتی اس حال کو پہنچی ہے۔ میں منجالی کو اس کا دماغ کمزور بنانے کا مشورہ نہ دیتا تو ایسا نہ ہوتا۔

ہم انسان سوچتے ہیں کہ ویسا کرتے تو ایسا ہوتا اور ایسا نہ کرتے تو ویسا ہوتا۔ ہمارے سوچنے سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ تدبیر ضروری ہوتی ہے۔ انسان کو اپنے عمل اور نیک نیتی کا پورا خیال رکھنا چاہیے تاہم قدرت کی بھی رضا اس میں شامل ہوتی ہے۔ ہم نے جو چاہا تھا اس کا رسونتی سے ایسی دشمنی نہیں تھی اور

میں دعا مانگ رہا تھا کہ میری یہ غلطی کسی بھیانک نتیجے کا سبب نہ بنے۔

میری دعا قبول ہوگئی۔ شام کو رسونتی نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولتے ہی بڑی ہی کمزور سی آواز میں پوچھا۔ "میرا بیٹا ہے"

فوراً ہی فرضی پارس کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے بازو میں بچے کو لٹا دیا گیا۔ وہ اس کی طرف کروٹ لے کر اسے چھونے لگی۔ اسے محبت سے سہلانے لگی۔ ممتا بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر نے کہا "مسٹر فرہاد! میرے نسخے میں جو پہلی دوا لکھی جائے گی اس دوا کا نام ہے پارس علی تیمور۔ اس بچے نے اپنی ماں کی جان بچائی ہے۔ بچہ ماں سے ہے اور ماں بچے سے ہے۔ اس بات کا خیال رکھیں۔ یہی بچہ آپ کی شریکِ حیات کو زندہ رکھے گا۔"

پھر اس نے رسونتی سے کہا "مسز فرہاد! آپ کو بہت زیادہ پرسکون رہنا چاہیے۔ آپ کسی کے متعلق کچھ نہ سوچیں صرف اپنے بچے سے تعلق رکھیں۔ اسی کی طرف توجہ دیں۔ آپ یہاں بچے کے ساتھ تنہا رہیں گی۔ میں آپ کے فرہاد صاحب کو ذرا اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ دروازے کے باہر ایک وارڈ بوائے موجود رہے گا۔ کوئی پریشانی ہو تو آپ مجھے کسی وقت بھی بلا سکتی ہیں۔"

میں نے رسونتی کے ہاتھ کو محبت سے دونوں ہاتھوں میں لیا اس کی ہتھیلی کی پشت کو چوم کر کہا "میں ابھی آؤں گا۔ تم بیٹے سے دل بہلاؤ۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ باہر آگیا۔ سعید صاحب نے کہا۔ "بھئی اب تو کچھ آرام کرو، کچھ کھا پی لو۔ بھابی خطرے سے باہر ہیں۔"

میں ان کی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ "سعید صاحب ابھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر رسونتی کو جا کر دیکھوں گا۔ جب وہ آرام سے سو جائے گی تو آپ کے ساتھ چلوں گا، یا آپ جائیں میں خود آپ کی رہائش گاہ تک پہنچ جاؤں گا۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اچھا یہیں بیٹھو، میں تمہارے لیے کھانا منگوا رہا ہوں۔"

وہ چلے گئے۔ بڑی دیر بعد مجھے سونیا کے پاس جانے کا موقع ملا۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ پریشان نظر آئی۔ میں نے دل میں کہا "پھر کوئی مصیبت شروع ہوئی ہے۔"

اس نے بتایا کہ مرجانہ لاپتہ ہے۔

"کیسے؟" میں نے حیرانی سے پوچھا "وہ بیدار کیسے ہوئی؟"

"میں نے اسے جگایا تھا۔ وہ کچھ کمزور سی لگ رہی تھی۔ ضرورت سے زیادہ سوتی رہی تھی اس لیے اس پر سستی چھا گئی تھی اس نے غصے سے مجھے دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں سمجھ گئی کہ یہ آہستہ آہستہ نرم پڑ رہی ہے۔ میں نے اسے پیار سے سمجھایا۔ اٹھایا محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا۔ پھر بھی میں نے کہا۔ تم سوتے سوتے تھک گئی ہو۔ میں تمہارے لیے دودھ لے کر آتی ہوں۔ گرم گرم دودھ پیو گی تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔ میں دودھ لانے کچن میں گئی۔ وہاں سے واپس آئی تو وہ نہیں تھی۔"

میں نے کہا "کیا مصیبت ہے۔ ابھی رسونتی کی طرف سے ذرا اطمینان حاصل ہوا تو مرجانہ مسئلہ بن گئی ہے۔ تم نے تو کہا تھا کہ اسے کنٹرول کرو گی۔ اسے تنہا چھوڑ کر کیوں گئی تھیں؟ کیا وہاں چور نمبر پندرہ موجود نہیں تھا؟"

"وہ کسی ڈاکٹر سے ملنے گیا ہوا تھا کہ مرجانہ کو کسی دوا یا انجکشن کے ذریعے کمزور بنایا جا سکے۔"

"کچھ نہیں ہو سکے گا۔ سونیا! کچھ نہیں ہو سکے گا۔ ہم ایک پُرسکون زندگی گزارنے کے لیے سوچتے ہی رہیں گے اور ایک دن موت آکر ہمیں سکون دے گی۔"

"تم رسونتی کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئے ہو۔ اب تو خدا کا فضل ہے۔ میں مانتی ہوں کہ مرجانہ کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ میری اس بھول کو معاف کر دو اور اس کے دماغ میں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ وہ مجھے اپنے دماغ میں آنے کا موقع ہی نہیں دے گی۔"

"کوشش کرو۔ کوئی بہانہ تلاش کرو۔ کوئی ڈرامہ پلے کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ انتظار کرو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

میں دماغی طور پر پھر اس گاڑی میں حاضر ہو گیا۔ سعید صاحب واپس نہیں آئے تھے۔ میں مرجانہ کے دماغ تک پہنچنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ اسی وقت ایک چھوٹا سا لڑکا میرے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا۔ دشمن ایسی چال پہلے بھی چل چکے تھے۔ میں نے اس کاغذ کو لیتے ہوئے پوچھا "یہ کیا ہے؟ کس نے دیا ہے؟"

اس لڑکے نے کہا "ادھر ایک آدمی گاڑی میں آیا تھا۔ اس نے مجھے دس روپے دیے اور کہا کہ ادھر گاڑی میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آپ تک یہ خط پہنچا دوں۔"

میں نے گاڑی سے اتر کر دور تک دیکھا۔ ہسپتال کے احاطے کے باہر کوئی گاڑی نظر نہیں آئی، ویسے شاہراہ پر بہت سی گاڑیاں گزر رہی تھیں مگر میں کسی دشمن کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اس تہہ کیے ہوئے کاغذ کو

کھولا۔ اس میں لکھا تھا۔

"مسٹر فرہاد! میں اتنی دیر تک یہی سمجھ رہا تھا کہ رسونتی مر جائے گی۔ مر جائے گی تو میری ساری پلاننگ فیل ہو جائے گی۔ چلیں، آپ خدا کا شکر ادا کریں آپ کی شریکِ حیات زندہ سلامت ہے۔ میں بھی خوش قسمت ہوں کہ آپ سے رشتہ پائیدار ہوتا جائے گا۔ آپ سوچیں گے کہ میں کیسا رشتہ دار ہوں؟

بھئی وہی پارس علی تیمور کے ناتے سے آپ اس کے ایک باپ ہیں۔ دوسرا باپ میں ہوں۔ دنیا اسے آپ کے نام سے جانے گی اور میرے خون سے پہچانے گی۔

لیکن بات دنیا والوں کے جاننے اور پہچاننے کی نہیں ہے رسونتی کی بات ہے۔ اگر اسے یہ حقیقت معلوم ہو جائے تو کیا ہوگا یقیناً تمہیں ڈاکٹر کی رپورٹ اور مشورہ یاد ہوگا۔ یاد نہ ہو تو یہ خط رسونتی کو پڑھنے کو دے دو۔ وہ پڑھے گی اور اس کی حرکتِ قلب بند ہو جائے گی۔

تم میں حوصلہ نہ ہو تو مجھے حکم دو۔ میں رسونتی کو حقیقت بتا دیتا ہوں۔ اسے معلوم ہوگا کہ تم نے کتنا بڑا فراڈ کیا ہے۔ اس کے بیٹے کو اس سے چھین کر کہیں دوسری جگہ پہنچا دیا ہے اور اس کی ممتا سے کھیل رہے ہو۔ اسے بیوی بنا کر اپنے بچے کی ماں بنا کر اس کا مذاق اڑا رہے ہو۔ یہ باتیں وہ سوچ نہیں سکے گی۔ اسے سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملے گی۔ ادھر حقیقت معلوم ہوگی، اُدھر اس کا دم نکل جائے گا۔

بچے کے دم سے رسونتی کا دم ہے۔ میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ اپنے بیٹے کو اس سے چھین لوں، مگر ہاں! میرے پاس بھی تو کوئی اولاد ہونی چاہیے۔ لہٰذا اپنے بیٹے پارس کو میرے حوالے کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو میں اعلان کروں گا کہ فرہاد علی تیمور کا اصل بیٹا پارس علی تیمور میرے پاس ہے۔ تم یہ ثابت نہیں کر سکو گے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ جزیرہ الدبرا کی عمارت میں جب اس بچے نے جنم لیا تھا تو کتنے ہی زاویوں سے اس بچے کی تصویریں اتاری گئی تھیں۔ وہ بچہ ننگا تھا اور اس کے ننگے شانے پر کسی قسم کا نشان نہیں تھا اور وہ بچہ رسونتی کے پاس لیٹا ہوا تھا۔ رسونتی نے اسے ایک بار ہاتھ بھی لگایا تھا اسے دیکھا بھی تھا۔

جب میں دعویٰ کروں گا کہ رسونتی کا وہ تصویروں والا بچہ میرے پاس ہے تو وہ یقین کرے گی۔ اس کے پاس جو بچہ ہے اس کے بائیں شانے پر ایک پیدائشی نشان ہے۔ تصویروں میں جس بچے کو اس نے ہاتھوں میں لیا ہے اس بچے کے شانے پر کوئی نشان نہیں ہے۔

ٹیلی پیتھی کے سانپ! ہم بھی سپیرے ہیں۔ سانپوں کا منتر جانتے ہیں۔ تم نے بہت عرصے تک پریشان کیا ہے۔ رسونتی تو ٹیلی پیتھی سے گئی۔ اب تمہیں بھی جانا چاہیے۔ اسوقت رسونتی کے تکیے کے نیچے ایک چھوٹی سی شیشی ہے۔ اس شیشی میں ایک کیپسول رکھا ہوا ہے۔ تم اسے کھاؤ۔ کھانے کے بعد ٹیلی پیتھی سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرو گے۔

یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔ اگر اس کیپسول کو اپنے حلق سے نیچے نہیں اتارو گے تو ہم رسونتی پر دوسرا دورہ پڑنے کا انتظار کریں گے۔ جب وہ موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہوگی تب اس پر بچے کے راز کا انکشاف کر دیا جائے گا۔

چلو، تم سے ایک رعایت کی جاتی ہے۔ اس کیپسول کو نہ کھاؤ، صرف اپنے بیٹے پارس علی تیمور کا پتہ بتا دو۔ کوئی تو بات تمہیں ماننی ہی پڑے گی، فقط۔

تمہارے پارس کا طالب۔

اپنے پارس کا خون۔

فادر جوجو۔"

میں نے اس کاغذ کو مٹھی میں بھینچ لیا۔ غصے سے دانت پیس کر آس پاس دیکھنے لگا۔ دشمن پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن وہ یقیناً صبح سے ہسپتال میں موجود تھا۔ رسونتی کی بیماری اور اس کے علاج کے متعلق سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔ یہاں تک جان چکا تھا کہ رسونتی کا علاج صرف وہ بچہ ہے۔

جو کم سن لڑکا وہ خط لے کر آیا تھا، وہ جا چکا تھا۔ میں نے اس خط کے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیے۔ تھوڑی دیر بعد ہی سعید صاحب واپس آ گئے۔ اُن کے پیچھے ایک ملازم ٹرے میں کھانا لے کر آ رہا تھا۔ میں نے کہا "سعید صاحب! آپ بھی شریک ہو جائیے۔"

"میں کھا چکا ہوں۔ تم شروع ہو جاؤ۔"

میں نے ٹرے کو اپنے زانو پر رکھ کر کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے جو خفیہ پہرہ بٹھایا ہے وہ بہت مستحکم ہے اور کوئی جاسوس یا دشمن اس ہسپتال میں داخل نہیں ہو سکے گا؟"

"مجھے اطمینان ہے۔ اگر تمہیں کوئی نئی اطلاع ملی ہو تو مجھے بتاؤ۔"

میں نے کہا "آپ رسونتی کے کمرے میں جا کر اس کے تکیے کے نیچے دیکھیں، ایک چھوٹی سی شیشی میں آپ کو ایک کیپسول ملے گا۔ مجھے دشمنوں کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ میں وہ کیپسول کھا کر اپنے دماغ کا کباڑا کر لوں اور ٹیلی پیتھی سے خالی ہو جاؤں۔"

سعید صاحب نے حیرانی سے پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ مگر تمہیں یہ ہدایت کیسے ملی اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ رسونتی کے تکیے کے نیچے کیا رکھا ہے؟ میں نے تمہیں زیادہ دیر تو تنہا نہیں چھوڑا ہے؟"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ دشمن تو لمحوں میں اپنا کام کر گزرتے ہیں۔ وہ میرے دشمن ہیں۔ انھیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"لیکن تمھیں یہ اطلاع ملی کیسے؟"

"نہایت بچکانہ انداز میں۔ ایک کم سن لڑکے کے ہاتھ خط بھیج کر مجھے مطلع کیا گیا ہے۔ میں نے خط پڑھ کر پھاڑ دیا ہے۔"

"تم نے اس خط کو ضائع کیوں کیا؟ اس سے کوئی سراغ مل سکتا تھا۔"

"ایسا ہوتا تو میں اسے ضائع نہ کرتا۔ جو لوگ اتنے سخت حفاظتی انتظامات کے باوجود اندر داخل ہو کر رسونتی کے تکیے کے نیچے کیپسول کی شیشی رکھ سکتے ہیں وہ اتنے بے وقوف نہیں ہو سکتے کہ ایک خط کے ذریعے اُن کا سراغ لگا لیا جائے۔"

سعید صاحب نے جواب نہیں دیا۔ فوراً ہی پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہسپتال کے دروازے پر پہنچے اور وہاں موجود دونوں سادہ لباس والوں سے سخت لہجے میں کچھ کہہ کر زور زور سے زمین پر پیر مارتے ہوئے اندر چلے گئے۔ میں کھانا کھاتے ہوئے سوچنے لگا کہ اس خط کے جواب میں میرا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔

سب سے پہلے تو مجھے یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ فادر جوجو کون ہے؟ کیا واقعی یہ فرضی پارس کا باپ ہے؟

اگر باپ ہے تو میرے پیچھے اتنے جلدی کیسے چلا آیا؟ کیا یہ پہلے سے سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ ایک جال بچھایا جا رہا تھا اور مجھے پھانس لیا گیا تھا۔

میں نے نیروبی کے چور کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ اس نے چونک کر پوچھا: "فرمائیے جناب؟"

میں نے پوچھا: "تم نے اس بچے کو کہاں سے حاصل کیا تھا؟"

"جناب! یہاں ایک ادارہ ہے۔ اس کا نام ہے۔ دی ہاؤس آف آن وانٹڈ بے بیز۔"

"کیا وہاں ایسے ناجائز بچے ہوتے ہیں جن کے باپ کا نام اور پتہ نہیں ہوتا؟"

"نہیں جناب! وہاں ایسے بچے لائے جاتے ہیں جنھیں ان کے والدین غیر ضروری سمجھتے ہیں یا ان کی پرورش کرنا نہیں چاہتے۔ یا ان کی پرورش کرنے میں ان کی کوئی مجبوری آڑے آتی ہے۔ وہ اس ادارے کو اچھا خاصا چندہ دے کر وہاں بچے کو چھوڑ جاتے ہیں اور یہ معاہدہ کر لیتے ہیں کہ کوئی دولت مند اس بچے کو گود لینا چاہے تو انھیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بچہ تم نے مجھے دیا ہے اس کے باپ کا نام اور پتہ اس ادارے میں درج ہوگا؟"

"جی ہاں، پوری قانونی کارروائی کے ساتھ ہر بچے کو وہاں رکھا جاتا ہے۔"

"مجھے اس بچے کے باپ کا نام اور پتہ چاہیے۔ تم کب تک بتا سکتے ہو؟"

"آپ آدھے گھنٹے بعد رابطہ قائم کریں۔ میں اس ادارے میں جا کر مکمل معلومات حاصل کرتا ہوں۔"

"کیا اس بچے کو گود لیتے وقت اور تحریری معاہدہ کرتے وقت تمھارے سامنے اس بچے کے باپ کا نام نہیں آیا تھا یا تم بھول گئے ہو؟"

"جناب! ہماری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے۔ اس بچے کے باپ کا نام پاپا جوجو بتایا گیا تھا۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ اس خط میں بھی یہی نام لکھا تھا۔ صرف پاپا کی جگہ فادر لکھ دیا گیا تھا۔ فادر جوجو۔ اس چور نے کہا "پاپا جوجو اسپین کا رہنے والا ہے۔ اب نیروبی میں آباد ہو گیا ہے۔ میں اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کر کے آپ تک پہنچا دوں گا۔"

"یہ بھی معلوم کرو کہ کسی نے اس ادارے میں جا کر اس بچے کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں یا نہیں؟ یہ بہت ضروری ہے — دشمن مجھے اس بچے کے ذریعے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ رسونتی کی حالت بہت نازک ہے۔ اس کی زندگی کے لیے بچہ نہایت ضروری ہے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"میں سمجھ گیا جناب! ابھی آپ کو تمام معلومات حاصل ہو جائیں گی۔"

میں واپس آ گیا۔ کھانے کی ٹرے میری زانو پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا۔ ادھر مرجانہ بھی مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ وہ سونیا کی گرفت سے نکل گئی ہے۔ اگر دوبارہ دشمنوں میں جا پھنسی تو وہ اسے پھر اپنا آلۂ کار بنا لیں گے اور اس کے ذریعے مجھے اور سونیا کو پریشان کرتے رہیں گے۔ دشمنوں کا ایک حربہ یہ بھی ہوتا ہے کہ پریشان کر کے اپنے مدمقابل کو ذہنی طور پر تھکا دیا جائے اور دماغ میں اس قدر انتشار پیدا کر دیا جائے کہ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہے۔

میرا یہی حال ہو رہا تھا۔ سونے کی فرصت نہیں مل رہی تھی کھانا بھی ہسپتال کے باہر ایک گاڑی میں بیٹھ کر کھا رہا تھا کبھی رسونتی کے متعلق سوچتا تھا اور کبھی مرجانہ کی طرف دھیان جاتا تھا۔ وہ دشمنوں سے ملنے کے بعد سونیا کے لیے زبردست خطرہ بن سکتی تھی۔

میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بخیریت تھی۔ مگر مرجانہ کے لیے پریشان تھی۔ وہ اور چور نمبر تین دو راستے تلاش کر رہے تھے۔ میں اسکے پاس سے واپس آ گیا۔ ابھی میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں سونیا کے ساتھ لگا رہتا۔

میں جیوش سوسائٹی کے سربراہ دانیال کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔ میں تمام دشمنوں کے دماغوں تک علیحدہ علیحدہ پہنچ کر معلوم کر سکتا تھا کہ یہ پاپا جوجو میرے ساتھ ساتھ پاکستان کیسے پہنچ گیا اور مرجانہ نے ان سے رابطہ قائم کیا ہے یا نہیں؟

پتہ چلا کہ دانیال اور اسکے اُن تمام ساتھیوں کو جو اس رات کی رنگین تقریب میں شریک تھے۔ جیوش سوسائٹی سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ان کے عہدے چھین کر ان کی جگہ نئے لوگ مقرر کر دیے گئے ہیں جو میرے لیے اجنبی ہیں اور میں ان کے دماغوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

وہاں سے ناکام ہو کر میں بحری جہاز کے آفیسر انچارج کے پاس پہنچا۔ وہ آفیسر اور اس کے جتنے ساتھی بحری جہاز میں موجود تھے وہ تمام لوگ بھی وہاں سے ہٹا دیے گئے تھے اور وہاں بھی نئے لوگ آ گئے تھے۔ میری یادداشت میں جتنے دشمن محفوظ تھے میں نے ان سب کے دماغوں میں جھانک کر دیکھ لیا۔ وہ تمام لوگ اپنے عہدوں سے ہٹا دیے گئے تھے جو میرے کام آ سکتے تھے۔

کھانا ختم ہو گیا تو ایک ملازم ٹرے واپس لے گیا۔ سعید صاحب نے آ کر کہا: "تکیے کے نیچے سے یہ شیشی ملی ہے۔ اسے جس نے بھی وہاں رکھا ہے اب وہ ہسپتال کی حدود میں نہیں ہوگا۔ تمھیں اطلاع دینے سے پہلے فرار ہو چکا ہوگا۔ پھر بھی ہمارے آدمی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

میں نے کہا: "جب رسونتی کو اس چھوٹے سے ہسپتال میں لایا گیا تھا تو یہاں کے تمام اسٹاف کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں فرہاد موں اور وہ رسونتی ہے اور ہم ٹیلی پیتھی جانتے ہیں، لہٰذا کوئی ڈاکٹر، نرس یا وارڈ بوائے وغیرہ اتنی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ ہمارے خلاف کسی دشمن کا آلۂ کار بن کر اس شیشی کو تکیے کے نیچے رکھ دیں۔"

"دو ڈاکٹر، ایک نرس اور ایک وارڈ بوائے کے سوا کوئی بھابی کے کمرے میں نہیں گیا تھا۔ پھر کون ایسا کر سکتا ہے؟"

میں نے سوچ کر کہا: "یہ کام ہسپتال کا جمعدار کر سکتا ہے۔ جمعدار کو شاید ہمارے متعلق کچھ معلوم نہ ہو اور معلوم بھی ہو تو یہ لوگ نشے کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ نشے کی ترنگ میں سب کچھ کر گزرتے ہیں۔"

سعید صاحب پھر ہسپتال کے اندر چلے گئے۔ میں رسونتی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت وہ سو رہی تھی۔ اس کا دماغ بالکل ٹھیک تھا۔ صحیح معنوں میں وہ میری سوچ کی لہروں کو قبول بھی کر سکتا تھا اور میں اس کی پیچیدہ سوچوں کو پڑھ بھی سکتا تھا۔

میں اس سسٹر کے دماغ میں پہنچ گیا جو رسونتی کے لیے مخصوص کی گئی تھی۔ وہ دروازے کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسکے ذہن سے معلوم کیا۔ بچہ رسونتی کے بستر کے قریب ہی ایک خوبصورت سے جھولے میں سو رہا تھا۔ سسٹر سوچ رہی تھی: "تکیے کے نیچے وہ شیشی کون رکھ سکتا ہے؟ آفیسر ہم سے یوں پوچھ رہے ہیں جیسے ہم نے کوئی جرم کیا ہو۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "کیا ہمارا وارڈ بوائے ایسا کر سکتا ہے؟"

اس کی سوچ نے کہا: "نہیں، وہ تو بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔"

میں نے پھر اس کی سوچ میں پوچھا: "اس کمرے میں اور کون آیا تھا؟"

اس کا خیال ایک بھنگن کی طرف گیا جو دوپہر کو ایک بار صفائی کے لیے کمرے میں آئی تھی۔ اسی دوران سعید صاحب وہاں پہنچ گئے۔ انھیں دیکھتے ہی سسٹر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر جلدی سے بولی۔ "میرا خیال اس بھنگن کی طرف جا رہا ہے جو دوپہر کو یہاں صفائی کے لیے آئی تھی۔"

سعید صاحب نے کہا: "مجھے اس کا نام حلیہ اور پتا بتاؤ کیا وہ ہسپتال کے کوارٹروں میں رہتی ہے؟"

"جی ہاں، میں وارڈ بوائے کو آپ کے ساتھ کر دیتی ہوں۔ وہ آپ کو اس کے پاس پہنچا دے گا۔"

میں ان کے دماغ سے نکل آیا۔ کچھ دیر بعد ان کی تفتیش کا نتیجہ سامنے آ سکتا تھا۔ میں نیروبی کے چور کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔

"جناب! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ یہاں اس بچے کے سلسلے میں بڑا سنسنی خیز ڈرامہ کھیلا گیا ہے۔ میں اُس ادارے میں پہنچا تو وہاں کے انچارج نے بتایا۔ دو اجنبی اس کے پاس آئے تھے۔ وہ اس بچے کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انچارج نے ان سے کہا۔ چونکہ اس بچے کو یہاں کی انٹیلی جنس کے ایک آفیسر کے حوالے کیا گیا ہے اور وہ اس کا ذمہ دار ہے، اس لیے بچے کے متعلق کچھ نہیں بتایا جا سکتا تب ان میں سے ایک شخص نے ریوالور نکالا اور اس کی نال انچارج کی کنپٹی پر رکھ دی۔ انچارج بتانے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے وہ فائل انھیں دے دی جس میں معاہدے کی تفصیل تھی۔ وہ لوگ فائل سے کاغذات نکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔"

میں نے پوچھا: "معاہدے کی دوسری نقل انٹیلی جنس کے اس آفیسر کے پاس ہو گی جس نے اس بچے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔"

"میں اس آفیسر کے پاس گیا تھا۔ آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ اُسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے کمرے کا تمام سامان بکھرا پڑا تھا۔ قاتل کو یقیناً معاہدے کی دوسری کاپی کی تلاش ہو گی اور شاید وہ اسے بھی حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"اب تم کیا کرو گے؟"

"آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اسی ادارے کے قریب ہوں۔ آپ میرے دماغ میں موجود رہیں۔ میں اس انچارج سے باتیں کر رہا ہوں۔ آپ اس کے دماغ میں پہنچ کر پاپا جوجو کا پتا معلوم کریں۔"

میں نے اس کی تائید کی۔ وہ اس ادارے میں دوسری بار پہنچ گیا۔ انچارج نے اسے دیکھتے ہی دور سے ہاتھ ہلا کر کہا: "جاؤ، واپس چلے جاؤ۔ میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔"

چور نے کہا: "مگر میری بات تو سنو۔ کیا تمھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ جو لوگ تمھیں ریوالور کے ذریعے دھمکی دینے آئے تھے انھوں نے انٹیلی جنس

کے اُس آفیسر کو قتل کر دیا ہے۔ جو تم سے بچہ لے گیا تھا؟"

انچارج گھبرا گیا۔ اس نے کہا: "تم یہاں کیوں آئے ہو؟ جاؤ، چلے جاؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مجھے اور پاپا جوجو کو بھی قتل کر دیں؟"

"وہ لوگ پاپا جوجو کو کیوں قتل کریں گے؟"

"انھوں نے دھمکی دی تھی کہ وہ پاپا جوجو کا پتا ٹھکانہ مٹا دیں گے اور کسی کو وہاں تک پہنچنے نہ دیں گے۔ جو بھی شخص پاپا جوجو تک پہنچے گا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔"

چور وہاں سے واپس جانے لگا۔ میں نے کہا: "باہر جا کر انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے انچارج کے دماغ میں پہنچ کر اس کی یادداشت کو کریدنا شروع کیا۔ یہ تازہ تازہ واقعہ تھا۔ ابھی بات پرانی نہیں تھی اسے پاپا جوجو کا پتا یاد تھا جو میں نے ذہن نشین کر لیا اور اس چور کے پاس پہنچ کر اسے بتا دیا۔ اس نے کہا: "اگر میں اس پتے پر... پاپا جوجو سے ملنے جاؤں گا تو دشمن اسے بھی مار ڈالیں گے۔ یقیناً اس کی سخت نگرانی ہو رہی ہوگی۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"میں اپنے ایک ساتھی سے فون پر بات کر رہا ہوں۔ آپ اس کے دماغ میں پہنچ جائیں۔ اس کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

اس نے ایک قریبی ٹیلیفون بوتھ سے اپنے اس ساتھی کو فون کیا اور رابطہ قائم ہونے کے بعد بولا: "میں انگولا اسٹریٹ کے پانچویں مکان کے ایک مکین سے ملنا چاہتا ہوں لیکن براہِ راست نہیں مل سکتا۔ وہاں دشمنوں کا سخت پہرہ ہے۔ کیا تم اس علاقے کے پوسٹ مین یا میٹر چیکر سے بات کر سکتے ہو؟"

اس کے ساتھی نے کہا: "یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں اس علاقے کے پوسٹ آفس یا سب پاور اسٹیشن جا کر ایسے کسی بھی شخص سے بات کر سکتا ہوں۔ پھر اس کے بعد کیا کرنا ہے؟"

"اس کے بعد تمھیں کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ گھر واپس آ کر آرام کرنا بس۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا: "یہ کیا بات ہوئی۔ پھر تم انگولا اسٹریٹ کے پانچویں مکان کے اس مکین تک کیسے پہنچو گے؟"

"میں پہنچ جاؤں گا۔ تم فکر مت کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔"

میں اس چور کے ساتھی کے دماغ میں موجود تھا مگر سعید صاحب نے آ کر خیال خوانی کا سلسلہ توڑ دیا۔ انھوں نے کہا: "میں اس بھنگن سے مل چکا ہوں۔ اس نے اس شخص کا مکمل حلیہ بتایا ہے جس نے اسے بھاری معاوضہ دے کر شیشی کو تکیے کے نیچے رکھنے پر آمادہ کیا تھا ہم اس حلیے کے مطابق اسکیچ تیار کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اسے جلد ہی ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"میں خیال خوانی میں مصروف ہوں۔ کوئی ضروری اطلاع ہو تو آپ مداخلت کر سکتے ہیں۔ میں دماغی طور پر کبھی آپ کے پاس رہوں گا اور کبھی اُدھر چلا جاؤں گا۔"

"فرہاد! تم کب تک یہاں بیٹھے رہو گے۔ میں نے ہسپتال کے قریب ہی اُس سامنے والی کوٹھی میں تمھاری رہائش کا عارضی انتظام کیا ہے۔ کل تک بھابی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو میری کوٹھی میں چلے چلنا مگر ابھی اس کوٹھی میں جا کر آرام کرو۔ اس کے مکین تمھارا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور تم سے ملنے کے لیے بہت بے قرار ہیں۔"

اس وقت اس کوٹھی میں جاؤں گا تو ان لوگوں سے رسمی گفتگو بھی کرنا ہوگی۔ جس میں میرا کافی وقت ضائع ہوگا۔ آپ تھوڑی دیر انتظار کر لیں۔ میں کچھ اہم معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ پھر میں آپ کے ساتھ اس کوٹھی میں چلوں گا۔"

میں پھر اس شخص کے دماغ میں پہنچ گیا جس کے ذریعے میں انگولا اسٹریٹ کے پانچویں مکان کے اندر پاپا جوجو تک پہنچ سکتا تھا وہ اس علاقے کے پوسٹ آفس میں پہنچ کر اس پوسٹ مین سے باتیں کر رہا تھا جو انگولا اسٹریٹ میں ڈاک تقسیم کرتا تھا۔ میں نے پوسٹ مین کے دماغ سے معلوم کیا۔ اس روز اسٹریٹ کے پانچویں مکان کے لیے کوئی خط نہیں آیا تھا۔ میں نے نیر دبی کے چور کے ساتھی کے دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ایک مختصر سا خط لکھا: "جوجو! اُمید ہے تم میری تحریر سے مجھے پہچان لو گے۔ میرا بچہ کہاں ہے؟ میں اس کے متعلق جو کچھ سُن رہی ہوں، اس سے پریشانی بڑھ گئی ہے۔ فوراً مجھ سے ملاقات کرو اور مجھے اس کے بارے میں صحیح بات بتاؤ۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

اس نے یہ خط لفافے میں بند کر کے پوسٹ مین کو دیتے ہوئے کہا: "یہ ایک ضروری خط ہے میں نے اس پر ایڈریس لکھ دیا ہے۔ تم اسے ابھی درج شدہ پتے پر پہنچا دو۔"

پوسٹ مین نے لفافہ لے کر پتا دیکھنے کے بعد کہا: "میری ڈیوٹی یہی ہے جناب! میں اُدھر ہی جا رہا ہوں۔ آپ کا خط بھی پہنچا دوں گا۔"

میں پوسٹ مین کے ساتھ ساتھ لگا ہوا انگولا اسٹریٹ کے پانچویں مکان تک پہنچ گیا۔ پوسٹ مین کو دیکھ کر مکان کے چوکیدار نے کہا: "خط مجھے دے دو، میں اندر پہنچا دوں گا۔"

اُسی وقت ایک شخص بنگلے کے برآمدے سے دوڑتا ہوا آیا اور چوکیدار کے ہاتھ سے خط چھینتے ہوئے بولا: "میں نے تمھیں تاکید کی تھی کہ اگر کوئی ملنے آئے یا کوئی خط لے کر آئے تو اُسے میرے پاس پہنچا دینا۔ میں ان کا سیکرٹری ہوں۔"

پھر اس نے مسکرا کر جیب سے ایک سکہ نکالا اور بخشش کے طور

پوسٹ مین کو دے دیا۔ پوسٹ مین کے جانے کے بعد جس نے خود کو پاپا جوجو کا سیکرٹری ظاہر کیا تھا۔ میں اس کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ اس نے لفافے کو کھول کر پڑھا اور سوچنے لگا: "یہ کون ہو سکتی ہے؟"

وہ سوچتے ہوئے بنگلے کے اندر آیا۔ وہاں دو مسلح افراد موجود تھے۔ اس نے وہ خط ان کے سامنے پیش کر دیا۔ پھر ایک نے وائرلیس کے ذریعے کسی سے رابطہ قائم کر کے کہا: "سر! پاپا جوجو کے نام ایک خط آیا ہے۔ بہت مختصر سی تحریر ہے میں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔"

وہ پڑھ کر سنانے لگا۔ دوسری طرف سے سننے والے نے کہا: "ہوں۔ وہ بچہ اسی عورت کا ہوگا جس نے خط لکھا ہے۔ میں ابھی جوجو سے معلوم کرتا ہوں۔"

وہ وائرلیس سیٹ آف کر کے ایک کمرے میں پہنچا۔ وہاں ایک بوڑھا شخص ایک ایزی چیئر پر بیٹھا پائپ سلگا رہا تھا۔ اس نے ذرا غصہ دکھاتے ہوئے کہا: "جوجو! تم نے تو ہم سے کہا تھا کہ بچے کی ماں کہیں گم ہو گئی ہے؟"

جوجو نے پائپ کا ایک کش لگا کر دھواں چھوڑتے ہوئے پوچھا: "کیا یہ بات پھر دہرا دوں؟"

"تم بکواس کرتے ہو۔ اس بچے کی ماں زندہ ہے۔ اس نے لوکل ڈاک سے تمھیں ایک خط بھیجا ہے۔ اسے بچے کے متعلق کچھ معلوم ہوا ہے۔ وہ پریشان ہے اور تم سے ملنا چاہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے وہ اسی شہر میں موجود ہے اور تم اس کا پتہ جانتے ہو۔"

"تعجب ہے۔ کیا اس نے خط میں اپنا نام اور پتہ لکھا ہے؟"

"اس نے خط اس انداز میں لکھا ہے جیسے تم اسے جانتے ہو اور اس کے پاس پہنچ سکتے ہو۔"

جوجو نے انکار میں سر ہلا کر کہا: "میں کہہ چکا ہوں کہ میں بچے کی ماں کو نہیں جانتا ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر وہ بچہ تمھیں کیسے ملا ہے؟"

"کتنے ہی بچے کسی نہ کسی طریقے سے مل جاتے ہیں۔ اس دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ کسی بچے کے باپ کا نام اور پتا معلوم نہیں ہوتا اور کسی کی ماں کا سراغ نہیں ملتا۔"

"تم نے اس ادارے میں یہ کیوں لکھایا تھا کہ وہ بچہ تمھارا ہے؟"

"وہ میرا بچہ ہے اس لیے میں نے یہ لکھایا تھا۔"

وہ چند لمحوں تک اسے غصے سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا: "ہم جانتے ہیں کہ تم بہت اچھے مسخرے ہو مگر ہم سے مذاق کرنے کے بجائے سیدھی طرح سچی بات بتا دو اصل قصہ کیا ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنے عشق کیے ہیں اور اتنی عورتوں سے دوستی کی ہے کہ بیشتر کے نام تک یاد نہیں ہیں۔ جب سے نیروبی میں رہائش اختیار کی ہے یہاں بھی درجنوں عورتیں مجھ پر فدا ہوتی رہیں۔"

اس نے حقارت سے کہا: "خود کو بڑا گلفام سمجھتے ہو؟"

"میں نہیں سمجھتا۔ عورتیں سمجھتی ہیں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

اس نے گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا: "بوڑھے کھوسٹ! میرے اعلیٰ افسران نے حکم دیا ہے کہ تمھارے ساتھ دوستانہ رویہ رکھوں۔ ورنہ میں ابھی تمھارے بچے کھچے دانت بھی منہ سے باہر نکال دیتا۔"

"میں صرف رات کو سوتے وقت بتیسی باہر نکالتا ہوں۔"

وہ شخص غصے سے ٹہلنے لگا۔ پاپا جوجو نے کہا: "غصہ آدمی کو دوست نہیں بناتا اور تمھارے افسران نے تمھیں دوست بننے کا حکم دیا ہے۔ ویسے میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میری بہت سی عورتوں سے دوستی رہی ہے۔ پتا نہیں کون اس بچے کو جنم دے کر ایک رات میرے دروازے پر چھوڑ گئی تھی۔ اس نے اس کے ساتھ ایک رقعہ بھی چھوڑا تھا جس میں تحریر تھا کہ یہ تمھارا ہے تم ہی سنبھالو۔"

"وہ کون تھی جو اسے یہاں چھوڑ گئی تھی؟"

"یہی تو میں نہیں جانتا۔ تم نے قدیم ہندوستان کے کورو پانڈو کا قصہ سُنا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ ان میں سے کسی کے والد محترم نے شاید سو شادیاں کی تھیں۔ یا ان کے سو بچے تھے۔ وہ یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ ایک سال میں ان کی کتنی بیویاں کتنے بچوں کی مائیں بنتی ہیں۔ موجودہ دور میں ارب پتی، کھرب پتی سرمایہ داروں کی بے شمار بیویاں اور داشتائیں ہوتی ہیں۔ وہ ان کے کتنے بچوں کو پیدا کرتی ہیں وہ بے چارے کیسے حساب رکھ سکتے ہیں۔ میں بے چارہ کیسے بتا سکتا ہوں کہ میرے دروازے پر کون میرے بچے کو چھوڑ گئی تھی۔"

اسی وقت ایک شخص نے کمرے میں آ کر کہا: "جناب! آپ کے لیے کال ہے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ وائرلیس سیٹ کے پاس بیٹھ کر اسے آپریٹ کرنے لگا۔ دوسری طرف سے کوڈ ورڈز میں اسے پکارا جا رہا تھا۔ اس نے کوڈ ورڈز میں جواب دیتے ہوئے اپنی شناخت کرانے کے بعد کہا: "فرمائیے؟"

دوسری طرف سے پوچھا گیا: "اس شخص کا کیا بنا جو ہاؤس آف آن وانٹڈ بے بیز میں جا کر پاپا جوجو کے متعلق معلومات حاصل کر رہا تھا؟"

"ابھی تک اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔"

"کیا جوجو نے اپنے بیان میں تبدیلی کی ہے؟"

"نہیں جناب! وہ یہی بک رہا ہے کہ اس کی سیکڑوں چاہنے والیاں ہیں۔ پتا نہیں کس نے اس بچے کو جنم دیا ہے۔"

"لعنت بھیجو اس پر۔ ہم اسے اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔

اسے اس بات پر آمادہ کرو۔ بڑی سے بڑی رقم کا لالچ دو یا اس کی کوئی کمزوری تلاش کرو۔ اگر وہ ہمارے قابو میں نہ آیا تو ہم اسے ختم کر دیں گے اور کسی دوسرے کو پاپا جوجو بنا کر پاکستان بھیجیں گے۔ انٹیلی جنس کے افسر نے اس بچے کو حاصل کرنے کے لیے جو معاہدہ کیا تھا وہ ہمارے پاس ہے اور وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رسونتی کے پاس جو بچہ ہے وہ اس کا نہیں ہے۔ پاپا جوجو کو اس معاہدے کے ساتھ پاکستان جا کر فرہاد کے لیے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کرنا ہیں۔"

میں دوسری طرف سے بولنے والے کے دماغ میں پہنچ گیا اور اس کے دماغ کے تہہ خانے میں اتر کر ان تمام لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ یہودیوں نے ذہین اور تجربہ کار بوڑھوں اور جان پر کھیل جانے والے جوانوں اور انسانیت سوز مظالم ڈھا کر اور تڑپا تڑپا کر قتل کرنے میں لذت محسوس کرنے والے جنونیوں پر مشتمل جیوز والنٹیئرز نامی ایک خطرناک فوج تشکیل دی ہے۔ اس فوج کے مقاصد کو دو مرحلوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پہلے مرحلے میں ذہین اور تجربہ کار بوڑھوں کو ایک ماہ کے اندر فرہاد کو دوست یا آلۂ کار بنانا تھا تاکہ اسے دشمنی سے باز رکھا جا سکے۔ اگر وہ لوگ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں تو دوسرے مرحلے میں جوانوں پر یہ فرض کر دیا گیا تھا کہ وہ کسی جگہ، کسی بھی وقت موقع ملتے ہی فرہاد کو گولی مار کر ہمیشہ کے لیے ٹیلی پیتھی کے عذاب کو ختم کر دیں۔

ٹیلی پیتھی کا یہ عذاب دشمن محض اس لیے برداشت کرتے آئے تھے کہ شاید یہ ٹیلی پیتھی ان کے کام آ جائے۔ میں ان کا ہم خیال اور دوست بن جاؤں۔ سپر ماسٹر اور اس کی تنظیم کے تمام ماسٹر مجھے دوست بناتے بناتے تھک گئے تھے مگر میں ان کے قابو میں نہ آ سکا تھا۔ اب یہودی کوشش کر رہے تھے اور زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھے۔ جانتے تھے کہ مجھے دوست بنانا تقریباً ناممکن ہے اسی لیے ناکامی کی صورت میں مجھے ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا فیصلہ بھی کر چکے تھے۔

ان یہودی رضاکاروں کا تعلق نہ تو جیوش سوسائٹی سے تھا نہ ہی کابال تنظیم سے۔ یہ بالکل الگ تھلگ تھے۔ ان کی چھوٹی سی فوج تشکیل دینے کے بعد انہیں ہدایت دی گئی تھی کہ وہ یہودیوں سے کسی طرح کا بھی رابطہ قائم نہ رکھیں۔ فرہاد کے سلسلے میں جو کرنا ہے اپنی ذہانت سے کریں۔ ذہانت کام نہ آئے تو آخری فیصلے پر عمل کریں جب فرہاد ختم ہو جائے گا اور رسونتی بھی ماری جائے گی یا پہلے کی طرح دوست بنالی جائے گی۔ تب یہ یہودی رضاکار دوسری یہودی تنظیموں سے رابطہ قائم کر سکیں گے۔

دوسرے لفظوں میں میرے لیے وہ تمام راستے بند کر دیے گئے تھے جہاں سے گزر کر میں یہودی تنظیموں کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک سکتا تھا۔ فی الحال یہی یہودی رضاکار میری زد میں آئے تھے اور ان کے متعلق ابھی اور معلومات حاصل کرنا تھیں۔

میں اس کے دماغ میں بیٹھا اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کرتا رہا۔ پتا چلا کہ ان یہودی رضاکاروں میں چوبیس بوڑھے ہیں۔ بارہ بارہ بوڑھوں کی دو ٹولیاں ہیں۔ ان دونوں ٹولیوں کا سربراہ ایک بوڑھا شخص ہے۔ اس طرح وہ پچیس کی تعداد میں ہیں لیکن بوڑھوں کی ایک ٹولی دوسری کے متعلق کچھ نہیں جانتی نہ ہی ان کے طریقۂ کار سے واقف ہے اور نہ وہ کسی بھی حالت میں کسی بھی وقت ان سے رابطہ قائم کر سکتی ہے۔ یہ احتیاط اس لیے تھی کہ میں کہیں بوڑھوں کی ایک ٹولی کے ذریعے دوسری ٹولی میں نہ پہنچ جاؤں۔

ان بوڑھوں کے علاوہ گیارہ نوجوان تھے۔ دو دو جوانوں کی پانچ ٹولیاں تھیں اور ان پانچوں ٹولیوں کا ایک سرغنہ تھا۔ بوڑھے اور جوان اپنے اپنے سرغنہ کا نام، پتا اور ٹھکانہ نہیں جانتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے اپنے سرغنہ کی صورت اور شخصیت سے بھی واقف نہیں تھے۔

ان یہودی رضاکاروں کو چھیڑنا ابھی مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں دماغی طور پر اس گاڑی میں حاضر ہو گیا۔ بڑی دیر تک میں اس گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ بے چارے سعید صاحب بار بار آتے تھے، مجھے دیکھتے تھے اور خیال خوانی میں مصروف پا کر چلے جاتے تھے۔ اس بار آ کر انھوں نے کہا "فرہاد! حد ہو گئی ہے۔ اس طرح مسلسل خیال خوانی کرتے ہوئے پاگل ہو جاؤ گے۔"

"یہ خیال خوانی ایک عادت، ایک فطرت ثانیہ بن گئی ہے یہ مشق ایسی ہو گئی ہے۔ تجربہ اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ میں اپنے سامنے والے سے باتیں کرنے کے دوران بھی اس کے خیالات پڑھ لیتا ہوں۔ مثلاً آپ سوچ رہے ہیں کہ کب دشمن میرا پیچھا چھوڑیں گے اور کب میں آپ کی سلمیٰ کے متعلق کوئی خوش کن بات چھیڑوں گا۔"

انھوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "میں صرف سلمیٰ کے لیے نہیں سوچتا۔ میں تمھاری بھلائی کے لیے، سونیا، رسونتی اور بچے کی سلامتی کیلیے بھی سوچتا ہوں۔ یہ دشمن آخر کب پیچھا چھوڑیں گے؟ آخر یہ چاہتے کیا ہیں؟"

"مجھے دوست بنانا چاہتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں اور اگر ایک ماہ کے اندر مجھے اپنا محکوم بنانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر وہ مجھے کہیں بھی کسی وقت بھی گولی مار دیں گے۔"

سعید صاحب کے ایک ماتحت نے آ کر کہا "مادام رسونتی فرہاد صاحب کو یاد کر رہی ہیں۔"

میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ بستر پر دراز کھانے میں مصروف تھی۔ کھانے کے دوران اپنے بیٹے کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔ جو پاس ہی ایک جھولے میں لیٹا ہوا تھا۔ میں گاڑی سے اتر کر ہسپتال میں داخل ہوا اور اس کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ "اب تو تمھیں دماغی پریشانی نہیں ہے؟"

"ابھی تو آرام ہے۔ میں نے سنا ہے تم ائیرپورٹ سے یہاں میرے ساتھ آئے ہو اور اب تک نہ تو آرام کیا ہے نہ ٹھیک طرح سے کھانا کھایا ہے۔ تمھیں سعید صاحب کے ساتھ جا کر آرام کرنا چاہیے۔ پیٹ بھر کر کھانا کھانا اور اپنی تھکن اتارنا چاہیے۔"

"تمھاری حالت ایسی ہو گئی تھی کہ مجھ پر نیند حرام ہو گئی۔ کھانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ تمھاری طبیعت سنبھلنے کے بعد میں نے تھوڑی دیر پہلے کھانا کھا لیا ہے۔ اطمینان رکھو اب میں آرام کروں گا"

"تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھ سے رابطہ قائم کر کے بھی میری کیفیت معلوم کر سکتے ہو پھر پریشانی کس بات کی ہے پلیز چلے جاؤ۔"

میں نے جھولے کے پاس جا کر بچے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا اور اسے پیار کرنے لگا۔ وہ خوشی سے کھل اٹھی۔ بے چاری یہی سمجھ رہی تھی کہ میں اس کے بیٹے کو پیار کر رہا ہوں۔

میں اس سے رخصت ہو کر سعید صاحب کے ساتھ ہسپتال کے قریب والی کوٹھی کی طرف چل دیا۔ میں چاہتا تو بچے کے مسئلے کو چٹکی بجا کر ختم کر سکتا تھا۔ سامی سے کہہ دیتا کہ وہ میرے پارس کو لے آئے۔ میں رسونتی سے معذرت کر کے اسے بتا دیتا کہ دشمنوں سے اپنے بیٹے کو محفوظ رکھنے کے لیے اسے چھپا دیا تھا اور ایک فرضی پارس کو اس کی گود میں دے دیا تھا۔ وہ بُرا نہ مانتی۔ یا مانتی تو میں اسے منا لیتا۔

لیکن ایسا کرنے سے دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کو اس کی پناہ گاہ سے باہر نکال کر ان کی نظروں کے سامنے لے آؤں اور وہ اس کے ذریعے ہمیں پریشان کرتے رہیں۔

ہمارا پارس اعلیٰ بی بی اور چالیس چوروں کی نگرانی میں تھا اور وہ وہیں محفوظ اور سلامت رہ سکتا تھا۔ رہ گئی رسونتی تو دماغی طور پر صحت مند ہو جانے اور زہریلے اثرات ختم ہو جانے کے بعد میں اسے سمجھا بجھا کر مطمئن کر سکتا تھا۔

ہم نے ہسپتال سے تقریباً چار سو گز کا فاصلہ طے کیا اور اس کوٹھی میں پہنچ گئے جہاں میرے عارضی قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ کوٹھی کے افراد بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو سبھی کوٹھی سے نکل آئے۔ سعید صاحب نے باری باری سب سے تعارف کرایا۔ ایک بوڑھے سے آدمی تھے۔ وہ اس کوٹھی کے مالک اور خاندان کے سربراہ تھے۔ ان کی بیگم تھیں۔ جن کے گہرے میک اپ سے پتا چلتا تھا کہ وہ بڑھاپے میں بھی جوانی کے خواب دیکھتی رہتی ہیں۔ ان کے دو بیٹے، ایک بہو اور تین جوان بیٹیاں تھیں۔ دو لڑکیوں نے اپنی ماں کی طرح گہرا میک اپ کیا تھا۔ ان کا میک اپ، ان کا لباس، ان کی گفتگو، ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ مجھے متاثر کرنے کے تمام حربے استعمال کر رہی ہوں۔ تیسری لڑکی ان کے برعکس تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ذرا میک اپ نہیں تھا۔ لباس میں بھی سادگی تھی۔ اس کی گفتگو اور رکھ رکھاؤ سے سنجیدگی اور ذہانت کا پتا چلتا تھا۔

مجھے انھوں نے اپنی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ وہ ڈرائنگ روم بہت وسیع و عریض تھا۔ بڑے شاہانہ انداز سے سجایا گیا تھا۔ وہاں کے قیمتی آرائشی سامان کو دیکھ کر کوئی بھی احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتا تھا اور ان لوگوں کی دولت مندی اور شان و شوکت سے متاثر ہو سکتا تھا۔ میں ان لوگوں سے گفتگو کے دوران ایک ایک کے دماغ کو پڑھتا اور سرسری معلومات حاصل کرتا جا رہا تھا۔ پتا چلا کہ وہ لوگ بے انتہا دولت مند ہیں اور یہ دولت چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے حاصل کی گئی ہے۔

ان کے ایک صاحبزادے نے مجھے کھانے کے لیے کہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ ان کی بڑی صاحبزادی نے بڑے پیار، بڑی اپنائیت سے کہا "کم از کم ناشتہ ہی کر لیں!"

میں نے کہا "میں تھوڑی دیر پہلے ہی کھانا کھا چکا ہوں۔ گنجائش نہیں ہے۔"

تب چھوٹی صاحبزادی نے پوچھا "کیا چائے بھی نہیں پئیں گے؟"

میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا اور پھر کہا "ریحانہ! تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو کہ میں کھانے پینے سے کیوں انکار کر رہا ہوں۔"

سب چونک کر کبھی مجھے اور کبھی ریحانہ کو دیکھنے لگے۔ میں ریحانہ کی سوچ پڑھ چکا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا "میرے یہاں آنے سے پہلے ہی آپ کی چھوٹی صاحبزادی نے پیش گوئی کی تھی کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ شاید یہاں کچھ کھانا پینا بھی پسند نہ کروں اور اگر رہ گیا تو اس گھر کی تباہی کا باعث بنوں گا۔"

میری باتیں سن کر جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ریحانہ، اس کا بڑا بھائی جاوید اور اس کی بیوی یعنی ریحانہ کی بھابی، یہ تینوں ہم خیال تھے اور ناجائز دولت پر اعتراض کرتے تھے۔ میں نے کہا "میں سب جانتا ہوں۔ دوسرے شہروں میں بھی آپ لوگوں کی ایسی شاندار کوٹھیاں ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں بینک بیلنس ہیں۔ ملک کے باہر مختلف بینکوں میں آپ لوگوں کے تقریباً چالیس لاکھ ڈالر ہیں۔ ہر سال آپ لوگ نئے ماڈل کی گاڑیاں خریدتے ہیں۔ ہر ایک کے لیے ایک ایک ائیر کنڈیشنڈ کار موجود ہے۔ آپ لوگوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ آپ کی کئی نسلیں بغیر محنت کے آرام سے بیٹھ کر شاہانہ انداز میں زندگی گزار سکتی ہیں۔ اس کے باوجود آپ کے بڑے صاحبزادے جاوید ایک بینک میں ملازم ہیں۔ یہ محنت کرتے ہیں اور اپنی کمائی پر گزر بسر کرتے ہیں لیکن آپ کی ناجائز

دولت میں سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے۔ کیوں میں غلط کہہ رہا ہوں؟"
جاوید کی بیوی نے اپنے سر پر آنچل رکھ کر کہا: "فرہاد بھائی! آپ سے تو کوئی بات چھپ نہیں سکتی۔ پھر کس میں انکار کی جرأت ہے۔"
جاوید نے کہا: "میں نے اور ریحانہ نے ابا جان اور امی جان کو سمجھایا تھا کہ یہ شان و شوکت فرہاد بھائی کو متاثر نہیں کرے گی۔ انھوں نے اتنی دنیا دیکھی ہے وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے اتنی دولت حاصل کر سکتے ہیں کہ کوئی اس کے متعلق تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر آپ یہاں آئیں گے تو ابا جان کے سارے بھید کھل جائیں گے۔"
ریحانہ نے جلدی سے کہا: "ہمارے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم آپ کے قریب نہیں آنا چاہتے یا آپ کو اپنے پاس بلانا نہیں چاہتے۔ دراصل یہ گھر آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ آپ کا مزاج کچھ اور ہے۔ میں نے آپ کے متعلق جو پڑھا ہے اور سُنا ہے یہ گھر اور یہاں کے رہنے والے اس کے برعکس ہیں۔"
میں نے مسکرا کر کہا: "لیکن تم، تمھارے بڑے بھائی جان اور تمھاری بھابی جان میرے مزاج کے مطابق ہیں۔ مجھے تم تینوں سے مل کر جتنی مسرت ہو رہی ہے وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرے ملک میں تمھارے جیسے جوان موجود ہیں تو یہ حرام کی کمائی بھی آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔ اب میں تمھارے والدین کو کیا کہوں۔ میں چاہوں تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے منٹوں میں یہ ساری دولت اور شان و شوکت خاک میں ملا دوں اور یہ تمام گھر والے فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے نظر آئیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں اپنے ملک کے کتنے لوگوں کو اس طرح سزا دے کر انھیں اخلاقی درس دے سکتا ہوں۔ یہ لوگ ناسمجھ نہیں ہیں انھیں خود سوچنا چاہیے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ سزا کتنوں کو ملتی ہے؟ جرائم بہت زیادہ ہیں۔ مجرموں کی تعداد بے شمار ہے مگر سزا پانے والے کم ہیں۔ میں یہاں آسن جما کر بیٹھ جاؤں اور اپنے ملک کے ایک ایک گھر کا محاسبہ کرنا شروع کر دوں تو میری زندگی گزر جائے مگر یہ محاسبہ ختم نہ ہو۔"
جاوید نے کہا: "آپ درست فرماتے ہیں۔ اگر سزائیں دے کر انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنایا جا سکتا تو آج دنیا ایسی نہ ہوتی۔ یہاں صرف فرشتے نظر آتے لیکن سزائیں شریف لوگوں کو ڈراتی ہیں اور بدمعاشوں کو ضدی اور دلیر بنا دیتی ہیں۔"
ریحانہ نے اپنے دوسرے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "حامد بھائی! آپ ذرا غور کریں۔ اس وقت آپ فٹ پاتھ پر کھڑے ہوں اور آپ کی جیب میں ایک پیسہ نہ ہو۔ آپ کے کپڑے پھٹے پرانے ہوں اور یہ ساری شان و شوکت خاک میں مل چکی ہو تو آپ کا کیا حشر ہوگا۔ کیا اُس وقت آپ کی گردن نہیں جھکے گی۔ کیا فرہاد صاحب آپ کے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتے۔ بھائی جان ایمانداری سے زندگی گزار رہے ہیں۔ صرف والدین کی محبت کی خاطر یہاں آتے جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ ابو کی یہ ساری دولت لینے اور اس کاروبار میں ابو کا ہاتھ بٹانے سے انکار کر دیں تو پھر ہمارے بزرگ کس کے لیے اس دولت کی جستجو کریں گے؟ میں آپ سے چھوٹی ہوں آپ سے جواب طلب کرنے کا حق نہیں رکھتی اور آپ جواب بھی نہ دیں۔ اتنی دولت کوئی ایسے ہی نہیں چھوڑ دیتا۔ اس کے لیے بڑا حوصلہ اور بڑی ہی اخلاقی عظمت چاہیے۔ اگر یہ آپ میں پیدا ہو جائے تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔"
میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا: "چلیے سعید صاحب، مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔"
وہ سب خاموشی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اچانک ہی ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ میں نے اس کی بھابی کو دیکھا وہ بھی دوپٹے کے آنچل سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔ جاوید اداس کھڑا ہوا تھا۔ میں نے جاوید کو اپنی طرف کھینچ کر گلے سے لگا لیا اور اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا: "میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل دوپہر کو میں تمھاری کمائی سے پکایا ہوا کھانا تمھارے گھر میں آ کر کھاؤں گا اور اس دعوت میں ریحانہ بھی شریک ہوگی۔ چلو، اب جلدی سے آنسو پونچھ کر مسکرا دو۔"
مجھے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تینوں بے اختیار ہنسنے لگے تھے۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل گئے تھے۔ ریحانہ اور اس کی بھابی بھی میرے قریب آ گئیں۔ تینوں نے خوش ہو کر کہا: "ہم لوگ کل بے چینی سے آپ کا انتظار کریں گے۔"
جاوید نے کہا: "لیکن آپ ہمارے گھر تک کیسے پہنچیں گے وہ بہت چھوٹا سا علاقہ ہے۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا: "اگر تم چھوٹے ہو تو میں بھی چھوٹا ہوں اور تمھارے برابر ہوں۔ ہم سب چھوٹے بن کر بڑا کام کریں تو یہ سب سے افضل بڑائی ہوگی۔ میں تمھارے گھر پہنچ جاؤں گا۔ تمھیں پتا بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"
سعید صاحب نے ہنستے ہوئے کہا: "بھئی جاوید! یہ تمھارے دماغ میں رہ کر تمھارے گھر تک پہنچ جائیں گے۔ بے فکر رہو۔"
میں ان سے رخصت ہو کر سعید صاحب کے ساتھ باہر آ گیا اور ان کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا: "آپ نے خواہ مخواہ یہاں لا کر بھیجا دیا تھا۔ اتنا وقت ضائع ہوا۔ اب اپنے گھر لے چلیے میں بالکل تنہائی چاہتا ہوں۔"
میں سعید صاحب کے ساتھ ان کی کوٹھی پر پہنچا تو انھوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا: "یہ تمھارے لیے ہے۔ تم یہاں بیٹھ کر سکون سے خیال خوانی کر سکتے ہو۔ یہاں کوئی تمھیں پریشان نہیں کرے گا۔"
میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "کل صبح ہونے سے پہلے میں شاہینہ کو یہ خوشخبری سناؤں گا کہ میں دو ایک روز میں پاکستان پہنچ رہا ہوں لہٰذا اسلم اور آپ کی شادی کے انتظامات مکمل کر لیے جائیں اور میری موجودگی میں یہ شادی ہو جائے۔"
انھوں نے خوش ہو کر کہا: "اچھا میں چلتا ہوں۔ رات کو بھوک لگے یا چائے وغیرہ کی ضرورت ہو تو کچن کھلا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ملازم ڈرائنگ روم میں موجود ہے۔ وہ تمھاری ضرورت کی ہر چیز مہیا کرتا رہے گا۔"
وہ چلے گئے۔ میں دروازہ بند کر کے ایک آرام کرسی پر بیٹھتے ہی سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ پچھلی بار اس نے کہا تھا کہ میں اس کی فکر نہ کروں۔ وہ مرجانہ کو تلاش کر لے گی یا مرجانہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ میں رسونتی کی طرف دھیان دوں — اور پوری توجہ سے اس کا علاج کراتا رہوں۔
میں یہی کرتا رہا۔ ادھر وہ اور چودہ نمبر پندرہ مرجانہ کو تلاش کر رہے تھے۔ اب میں نے پہنچ کر دیکھا تو بازی پلٹ گئی تھی۔ اب مرجانہ سونیا کو تلاش کر رہی تھی اور سونیا اس سے چھپتی پھر رہی تھی۔ میں نے پوچھا: "یہ کیا ہو رہا ہے؟"
وہ مسکرا کر بولی: "میں اسے غصے اور جھنجلاہٹ کی انتہا تک پہنچانا چاہتی ہوں۔ حتیٰ کہ وہ پاگل ہو جائے اپنے سر کے بال نوچنے لگے۔ کپڑے پھاڑنے لگے اور چیخ چیخ کر یہ اعتراف کرے کہ نہ تو وہ مجھ تک پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی مجھ پر قابو پا سکتی ہے۔"
"مگر یہ ہوا کیا؟ پہلے تم اسے تلاش کر رہی تھیں۔ اب وہ تمھیں تلاش کر رہی ہے۔"
اس نے جواب دیا: "جب وہ ہمارے پاس سے بھاگ گئی تھی تو میں نے اور پندرہ نمبر نے اس مکان کو چھوڑتے وقت ایک رقعہ لکھ کر وہیں اس کے لیے چھوڑ دیا تھا اور ملازمہ کو ہدایت کر دی تھی کہ مرجانہ نام کی کوئی لڑکی مجھے پوچھنے آئے تو وہ خط اسے دے دیا جائے۔"
"اچھا تو تمھیں یقین تھا کہ وہ واپس آئے گی؟"
"یقیناً۔ وہ مجبوراً مجھے چھوڑ کر گئی تھی کیونکہ اس وقت اس کی جسمانی حالت ایسی نہیں تھی کہ مجھ سے مقابلہ کر سکتی۔ ذہنی طور پر بھی پریشان تھی کہ اتنے طویل عرصے تک کیسے سوتی رہی۔ اسے سہارے کی تلاش تھی اور وہ سہارا اسے اپنے یہودی دوستوں سے ہی مل سکتا تھا۔ مرجانہ اپنے آپ کو دماغی اور جسمانی طور پر بالکل نارمل اور پرفیکٹ بنا کر میرے سامنے آنا چاہتی تھی۔"
میں نے تائید کی: "ہاں، یہودیوں نے اس کے دماغ میں یہی بات ٹھونس دی ہے کہ رسونتی اور سونیا ختم کر دی جائیں تبھی وہ مجھے حاصل کر سکے گی۔ رسونتی کے لیے انھوں نے کچھ اور بھی وعدے کیے ہیں۔ جن سے مرجانہ مطمئن ہے۔ صرف تم ایک ایسی دیوار ہو جسے وہ ہمیشہ کے لیے گرا دینا چاہتی ہے۔"
"اسی لیے جب ہم اسے تلاش کرنے گئے تھے تو وہ ہماری غیر موجودگی میں تقریباً دو گھنٹے کے بعد واپس آئی تھی۔ ملازم نے اسے میرا خط دے دیا۔ میں نے اس میں لکھا تھا 'مرجانہ! تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ تم میری طرف واپس آؤ گی۔ کیونکہ جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک تم فرہاد تک نہیں پہنچ سکو گی۔ دوسری بات یہ کہ تمھارے یہودی دوست تمھیں یقیناً یہ سمجھا رہے ہوں گے کہ تم مجھے قتل نہ کرو صرف ان کے حوالے کر دو۔ تو وہ فرہاد کو تمھاری طرف جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔ میں دو اور دو چار کے حقائق پر منصوبے بناتی اور اندازے لگاتی ہوں۔ اندازے غلط بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ دیکھ لو کہ تم اس وقت واپس آ کر میرا یہ خط پڑھ رہی ہو اور جب واپس آ ہی گئی ہو تو اس ڈرائنگ روم کے ٹیلیفون کے پاس بیٹھو۔ چھ بج کر پندرہ منٹ پر میں فون کر کے اپنا پتا بتاؤں گی۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں جیسے تم یہاں آئی ہو اس پتے پر بھی آ جاؤ گی۔ فون کو تکتی رہو اور انتظار کرتی رہو۔'"
سونیا کی سوچ پڑھ کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "تم بہت ہی ظالمانہ نفسیاتی سزا دے رہی ہو۔ یقیناً اس جیسی مغرور لڑکی کے لیے ایک جگہ بیٹھ کر تمھارے فون کا انتظار کرتے رہنا انتہائی ہتک کا باعث ہے۔ وہ یقیناً بہت زیادہ تلملاتی رہی ہوگی۔ آگے بتاؤ؟"
سونیا نے کہا: "میں نے ٹھیک چھ بج کر پینتالیس منٹ پر وہاں فون کیا۔ میں تصدیق کرنا چاہتی تھی کہ میرے اندازے کے مطابق مرجانہ وہاں پہنچی ہے یا نہیں۔ جواب میں اسی نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ میں نے اس کی آواز پہچان کر ریسیور رکھ دیا اور اسے پھر انتظار کا کرب سہنے کے لیے چھوڑ دیا۔ دوسری طرف نمبر پندرہ نے ٹیلیفون ایکسچینج کے ایک آفیسر تک رسائی حاصل کی اور اس سے التجا کی کہ اس نمبر کے فون سے جہاں جہاں فون کیا جائے ان کے نمبر نوٹ کر کے ہمیں بتا دیے جائیں۔"
"کیا تمھیں فون نمبر بتائے گئے؟"
"ہاں، مرجانہ نے وہاں انتظار کرنے کے دوران صرف ایک بار ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے تھے۔ وہ نمبر جیوش کلب کے تھے۔ ٹیلیفون ایکسچینج کے آفیسر نے ان کی باتیں ریکارڈ کی تھیں۔ مرجانہ نے میرا وہ خط اپنے مخاطب کو پڑھ کر سنایا اور کہا تھا کہ وہ چھ بج کر پندرہ منٹ تک سونیا کے فون کا انتظار کرے گی۔
دوسری طرف سے کہا گیا۔ سونیا اگر اپنا پتا بتائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے حفاظتی انتظامات کر کے تمھارے لیے جال بچھایا ہوگا۔
جیوش کلب سے کسی نے مرجانہ کو سمجھایا کہ وہ واپس آ جائے۔ سونیا کے بتائے ہوئے پتے پر نہ جائے۔ لیکن یہ بات مرجانہ کے مزاج کے خلاف ہے وہ ابھی تک وہاں بیٹھی میرے فون کا انتظار کر رہی ہوگی۔ اب تم میرے پاس آئے ہو تو میں اسے فون کرنے جا رہی ہوں۔"
اس وقت سونیا اسی بنگلے کے قریب ایک ٹیلیفون بوتھ کے

پاس کھڑی تھی مجھے یہ تمام باتیں بتانے کے بعد یوحنا کے اندر جا کر اس نے مرجانہ سے رابطہ قائم کیا۔ مرجانہ نے اس کی آواز پہچانتے ہی کہا۔ "تم بزدل اور ذلیل عورت ہو۔ کیا اپنے مدِمقابل سے اسی طرح اندھیرے میں چھپ کر مقابلہ کرتی ہو؟"

سونیا نے کہا۔ "مرجانہ! تمھارے ماسٹر واٹسوروکی نے تمھیں تمام گُر سکھائے لیکن اندھیرے میں لڑنے کا فن نہیں سکھایا۔ تم یہ کیوں بھولتی ہو کہ وہاں تمھارے لیے اندھیرا تھا تو میرے لیے بھی اندھیرا تھا۔ اپنی شکست پر جھنجلا کر مجھے بزدل اور ذلیل نہ کہو۔ یہ گالی تمھیں پڑنا چاہیے۔"

"بکواس مت کرو۔ اپنا پتا بتاؤ۔"

"میں تمھارے پاس ہوں۔"

"وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ "کیا مطلب؟ کیا تم اسی بنگلے میں ہو؟"

"ہاں، اسی بنگلے میں ہوں۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "پھر تم نے مجھے اتنی دیر تک کیوں بٹھائے رکھا؟ میں یہاں تین بجے سے بیٹھی ہوئی ہوں۔"

"میں نے تمھیں بیٹھے رہنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔"

اس نے غصے سے ریسیور رکھ دیا۔ سونیا نے کہا۔ "فرہاد! ذرا دیکھو وہ کیا کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ بنگلے کے دوسرے کمروں میں مجھے تلاش کرے گی۔ میں وہاں پہنچ رہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ میں مرجانہ کے دماغ پر دستک دینے لگا۔ اس نے فوراً ہی پوچھا۔ "فرہاد! تم ہو؟ اب میرا خیال آیا ہے تمھیں؟"

"مجھے تمھارا بہت زیادہ خیال ہے۔ مگر تمھارے دماغ میں میری بات نہیں آتی۔"

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ تم بہت دیر سے سونیا کے ساتھ ہو۔ تمھیں پتا چل گیا ہے کہ میں یہاں کے دوسرے کمروں میں اسے تلاش کرنے جا رہی ہوں۔ اس لیے میرے پاس آگئے ہو تاکہ اس کی حفاظت کر سکو۔"

"وہ میری محتاج نہیں ہے۔ پچھلی بار جب تم دونوں آپس میں لڑ رہی تھیں تو میں نے اس قصے کو جلد ختم کرنے کے لیے تمھارے دماغ پر قابض ہو کر تمھیں دیوار سے ٹکرا دیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ تمھیں زیادہ نقصان نہ پہنچے اور ہم تمھیں کسی ایسی پناہ گاہ میں لے جائیں جہاں یہودی تمھارے پاس نہ پہنچ سکیں۔"

"تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو شکریہ۔"

"طعنے نہ دو۔ میں تمھیں چاہتا ہوں۔ تمھاری امی کو امی کہتا ہوں۔ تم کیسی بیٹی ہو کہ ابھی تک اپنی ماں سے ملنے کے لیے بھی نہیں گئیں۔"

"میں بہت پہلے ہی چلی جاتی مگر تمھارے معاملات نے مجھے الجھا دیا ہے۔ میرے یہودی دوستوں نے کہا تھا کہ تمھیں جزیرہ الدرا پہنچانے کے بعد وہاں سے میں، تم اور تمھارا بیٹا پاکستان چلے جائیں گے۔ پھر میں اپنی امی سے ملاقات کر سکوں گی۔"

"بیوقوف لڑکی! انھوں نے ہمیشہ تمھیں سبز باغ دکھائے ہیں اور تم اب تک بےوقوف بن رہی ہو۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ "یہ تو میں کسی حد تک سمجھ گئی ہوں یہ یہودی بھی بعض حالات میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں یا ایسی مکاری دکھاتے ہیں کہ ہم نقصان سہہ کر بھی ان سے شکایت نہیں کر سکتے۔"

"جب تم جانتی ہو کہ وہ تمھارے سچے دوست نہیں ہیں تو پھر میری طرف کیوں نہیں آجاتیں؟"

"میں تو تمھاری طرف ہی آنا چاہتی ہوں مگر تم ہرجائی بن کر دُور دُور بھاگتے پھرتے ہو۔"

"میں ہرجائی نہیں ہوں۔ میری زندگی میں جو عورتیں محبت وفا اور خلوص کے ساتھ جینے کا سلیقہ اور مرنے کا حوصلہ لے کر آئی ہیں میں نے ان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ اس کی مثال سونیا ہے۔ وہ شروع سے اب تک میرے ساتھ ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں سونیا کی غلطی بھی میں نے اسی لیے معاف کر دی کہ یہ عورت بڑے آزمائشی وقتوں میں میرا ساتھ دیتی رہی ہے۔ میں تمھارا بھی ساتھ دے سکتا ہوں۔"

"مجھے ایسا ساتھ نہیں چاہیے۔ میں جس چیز کو اپناتی ہوں اسے صرف اپنے لیے ہی محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ مجھ سے سوچ کے ذریعے گفتگو کرنے کے دوران اس بنگلے کے مختلف کمروں میں سونیا کو تلاش کر رہی تھی۔ اس نے ٹی وی لاؤنج میں آکر جھنجلاتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہے وہ کمینی؟ جھوٹ بول رہی تھی کہ اسی مکان میں موجود ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تاریکی چھا گئی۔ وہ ایک دم سے چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میں اس کے دماغ میں موجود اس کی بدحواسی کو سمجھ رہا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی اسے پچھلی رات کی تاریکی یاد آگئی تھی اور اس تاریکی میں چھپی ہوئی سونیا بھی ایک آسیب بن گئی تھی۔ میں نے کہا۔ "یہ تاریکی اس بات کی گواہ ہے کہ وہ تمھارے پاس موجود ہے۔"

وہ حقارت سے بولی۔ "میں کوئی نادان بچی نہیں ہوں کہ جو تم اندھیرے میں مجھے سونیا کا نام لے کر ڈرانا چاہتے ہو۔"

ایسا کہتے ہی وہ فوراً چپ ہو گئی۔ کان لگا کر سننے لگی۔ کہیں قریب ہی قدموں کی ہلکی ہلکی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ مرجانہ کے دماغ میں دھمک ہی محسوس ہو رہی تھی۔ ہر آہٹ پر اس کے دل کی دھڑکن دماغ میں دھماکے پیدا کر رہی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف تاریکی میں گھورتے ہوئے

تقریباً چیخ کر بولی۔ "تم کہاں ہو؟ ایک بار میری بات کا جواب دو۔ پھر میں تمھاری شہ رگ تک پہنچ جاؤں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں سونیا کے دماغ میں پہنچ گیا وہ اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ننھی سی بلی تھی۔ اس نے بلی کو اندھیرے میں دوسری طرف اچھال دیا۔ بلی کے گرنے کی ہلکی سی آواز پر مرجانہ برق رفتاری سے آواز کی طرف جھپٹی۔ سونیا نے ایک زور کی لات ماری۔ دوسرے ہی لمحے اونہہ کی آواز کے ساتھ مرجانہ کی کراہ سنائی دی۔ دوسری لات اس کے منہ پر پڑی۔ سونیا کو اتنا اندازہ تھا کہ ایک لات کھانے کے بعد وہ جھکے گی اور اُسے دوسری لات کس طرف چلانا چاہیے۔ اس کا نشانہ اندھیرے میں بھی بے خطا تھا

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ منہ پر لات پڑتے ہی وہ الٹ کر پیچھے کی طرف گئی تھی اور ایک کرسی میں دھنس گئی تھی۔ وہ سانس لیتے ہوئے اپنی سانسوں میں نمی اور حرارت محسوس کر رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ فوراً ہی اٹھی اور کرسی اٹھا کر تاریکی میں پوری قوت سے اس طرح چاروں طرف گھمانے لگی کہ سونیا اس کی زد سے نہ بچ سکے۔

وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے کان لگائے آہٹ سننے کی کوشش کر رہی تھی جب کرسی پوری قوت سے اِدھر سے اُدھر گھومتی تھی تو ہوا کی ہلکی سی سائیں سائیں سنائی دیتی تھی۔ اس نے سمجھ لیا کہ مرجانہ اپنے ہاتھوں میں کوئی چیز پکڑ کر اپنے سامنے گھما رہی ہے۔

وہ خود کو اس کی زد سے بچانے کے لیے پیچھے ہٹی تو ایک کرسی سے ٹکرا گئی۔ اس نے گرتے گرتے سنبھل کر وہ کرسی اٹھا لی اور اسے اپنے سامنے ڈھال بنا لیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی مرجانہ کی کرسی اس سے ٹکرائی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی اور کرسی زمین پہ رکھ کر ایک طرف ہٹ گئی۔

مرجانہ نے اندازہ کر لیا کہ سونیا زد میں آگئی ہے آگے بڑھ کر زوردار وار کرنا چاہا مگر سونیا نے جو کرسی سامنے رکھی تھی وہ اس سے ٹکرا کر اوندھے منہ گر پڑی۔

سونیا نے اندازے سے آگے بڑھ کر کرسی دوبارہ اٹھا لی اور اسے اپنے سامنے کر کے پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "میرے پاس ہاتھ ہے میں چاہوں تو پل بھر میں تمھارا کام تمام کر دوں مگر خدا کا شکر ادا کرو، تم سونیا کی لاڈلی ہو۔ جیسی بھی ہو ہماری ہو۔ اٹھو میری جان! آج میں تمھیں اندھیرے میں لڑنے کے گر سکھاؤں گی۔"

تاریکی میں اس کی آواز سنائی دی۔ وہ غصے سے بول رہی تھی۔ "تم بکواس کرتی ہو۔ تم بھی میری طرح انسان ہو تمھیں بھی اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آرہا ہے لیکن فرہاد کی ٹیلی پیتھی تمھاری رہنمائی کر رہی ہے۔ فرہاد تمھیں بتا رہا ہے کہ میں کہاں ہوں اور کس طرح حملے کر رہی ہوں۔"

"مرجانہ! خدا کی قسم، اگر فرہاد نے ہمارے درمیان مداخلت کی تو میں تمھارے ہاتھوں سے مار کھانا پسند کر لوں گی مگر اس کی مدد لینا گوارا نہیں کروں گی۔"

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "تم سونیا کے مزاج کو اچھی طرح جانتی ہو۔ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اب تک تم دونوں کے دماغوں میں پہنچ کر ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔ مجبور ہو کر اس وقت تمھارے دماغ میں آیا ہوں اگر تم تاریکی میں لڑنے کے فن سے واقف نہیں ہو تو اپنی نااہلی کا اعتراف کر لو۔ سونیا پھر سونیا ہے۔ مان جاؤ اُسے۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "میں ایسی عورت کو دلیر نہیں مان سکتی جو چھپ چھپ کر لڑتی ہو۔"

سونیا نے اس کی بات سن کر کہا۔ "ابھی تم نے دنیا ہی کیا دیکھی ہے۔ لڑنے کا ایک انداز ہوتا ہے۔ تم نے ان شہ زوروں کو نہیں دیکھا جنھوں نے دن کی روشنی میں میرا مقابلہ کیا۔ ان میں سے کوئی میدان چھوڑ گیا، کوئی دنیا چھوڑ گیا۔ میں حسبِ حالات لڑتی ہوں۔ مقابلہ برابر کا ہو تو دوبدو لڑتی ہوں۔ کوئی مجھ سے زیادہ شہ زور ہو تو مکاری دکھا کر شکست دیتی ہوں۔ میں یہ مانتی ہوں کہ تم مجھ سے زیادہ شہ زور ہو۔ واٹسوروکی نے تمھیں فولاد بنا دیا ہے۔ تمھیں شکست دینے کا یہی طریقہ ہے کہ تم دن کی روشنی میں ہمیشہ مجھے تلاش کرتی رہو اور میں رات کی تاریکی میں تمھارے سر پر سوار ہو جاؤں۔"

سونیا کرسی کو ڈھال بنائے ذرا پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "یہ ذہانت سے لڑنے والی بات ہے۔ تم فولاد ہو اور جوڈو کراٹے کا فن جانتی ہو۔ تم سے یہ کہا جائے کہ جوڈو کراٹے لڑائی کے درمیان استعمال نہ کرو تو تم اسے کبھی تسلیم نہیں کرو گی۔ اسی طرح کوئی لڑائی کے دوران چاقو چھری استعمال کرتا ہے کوئی آتشی اسلحہ کے ذریعے خود کو فاتح بنا لیتا ہے۔ اسی طرح فرہاد لڑائی کے دوران ٹیلی پیتھی کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ دنیا میں جس کے پاس جو ہتھیار ہے وہ اسے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ میرے پاس مکاری ہے۔ میں مکاری سے لڑ رہی ہوں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اس کی کرسی سے کسی چیز کے ٹکرانے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی مرجانہ کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مرجانہ نے سونیا کی آواز کی سمت کراٹے کا ایک ہاتھ رسید کیا تھا جو کرسی سے ٹکرا گیا تھا اور خود اسے چوٹ آگئی تھی۔ سونیا نے کہا۔ "ایک بات یاد رکھو جب میں بولوں گی تو کسی نہ کسی چیز کو اپنے سامنے

ڈھال بنائے رکھوں گی۔ لہٰذا میرے بولنے کے دوران کبھی حملہ نہ کرنا۔ چونکہ میں تمھیں لڑنے کا فن سکھا رہی ہوں۔ اب حملہ کر سکتی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے کرسی کو ایک طرف پھینکا۔ اس کے ساتھ ہی مرجانہ کی چیخ سنائی دی۔ وہ زد میں آگئی تھی اور اس کرسی سمیت فرش پر گر پڑی تھی۔ سونیا نے کہا۔ "اوہ سوری، مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ادھر ہی کھڑی ہو۔"

یہ کہتے ہی وہ اندھیرے میں دوسری طرف چلی گئی تاکہ مرجانہ اس کی سمت کا تعین کر کے اس پر حملہ نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ سونیا نے کہا۔ "رک جاؤ۔ میں تمھارے قدموں کی آہٹ سن کر تمھارے پاس پہنچ سکتی ہوں۔"

آواز رک گئی۔ سونیا اپنی پوزیشن بدل کر دوسری جگہ چلی گئی اور کراٹے کا پوز بناتے ہوئے کہا۔ "اندھیرے میں پوری طرح پاؤں جما کر دشمن کے قریب ہونا چاہو گی تو آہٹ مل جائے گی۔ بلّی اور چیتے کی طرح پنجوں کے بل چلنا چاہیے۔"

اس کی باتوں کے دوران اچانک مرجانہ نے آواز کی سمت حملہ کیا۔ سونیا پہلے ہی کراٹے کے پوز بنائے ہوئے تھی مرجانہ کے حملے کو دونوں ہاتھوں سے روک کر فوراً جوابی کارروائی کی۔ اور تابڑ توڑ دو چار حملے کر کے ایک دم سے پوزیشن بدل دی۔ بولی۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا جب تک میں بولتی رہوں مجھ پر حملہ نہ کرنا۔ میں ڈھال کے طور پر اپنے سامنے کچھ نہ کچھ رکھتی ہوں۔ اس وقت ایک تپائی میرے ہاتھوں میں ہے۔"

اس بار سونیا نے جھوٹ کہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں کچھ نہیں تھا لیکن اس نے مکاری سے مرجانہ کو محتاط رہنے پر مجبور کر دیا۔ تھا۔ اب وہ اس کی آواز کی سمت حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے کہا۔ "سونیا! اس طرح تم اسے ساری رات نچاتی رہو گی۔ آخر یہ کھیل کب تک جاری رہے گا۔ میرا وقت قیمتی ہے۔ میں کب تک تم دونوں کے پاس موجود رہوں؟"

سونیا نے پوچھا۔ "میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم یہاں موجود رہو؟ اپنا کام کرو۔ کبھی کبھی آکر ہماری خیریت معلوم کر لیا کرو۔ ویل گڈ بائی اینڈ وش اے گڈ لک فور می اینڈ مرجانہ..."

میں ان سے رخصت ہو کر دماغی طور پر اس خواب گاہ میں حاضر ہو گیا جسے سعید صاحب نے میرے لیے وقف کیا تھا۔ اگر ان کے درمیان لڑائی سنجیدگی سے جاری رہتی اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہوتا کہ دونوں میں سے کسی کی جان کو نقصان پہنچ جائے گا تو میں ان کے ساتھ موجود رہتا لیکن سنجیدگی اور دشمنی صرف مرجانہ کی طرف سے تھی۔ سونیا تو اسے بچوں کی طرح کھلا رہی تھی۔

اب میری توجہ کی سب سے زیادہ مستحق رسونتی تھی۔ اس کے حالات کا تقاضا تھا کہ میں لمحہ لمحہ اس کی خیریت معلوم کرتا رہوں مگر ہر لمحہ تو ممکن نہیں ہے۔ جب بھی حالات اجازت دیتے میں سب سے پہلے اسی کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس بار بھی میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ سو رہی تھی۔ میں اس کے خوابیدہ دماغ میں جھانکنے لگا۔ دماغی حالت پہلے جیسی نارمل نہیں تھی۔ کچھ گڑبڑ سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے دماغ میں ایسی انجان لہریں تھیں۔ جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ وہ لہریں میری اور رسونتی کی سوچوں کے درمیان حائل ہو رہی تھیں، رسونتی کی سوچوں کو کمزور بنا رہی تھیں۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ سے نکل کر اسکے معالج ڈاکٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ اپنے گھر میں آرام کر رہا تھا۔ میں نے سعید صاحب کے دماغ میں پہنچ کر کہا۔ "رسونتی کی حالت بگڑنے والی ہے ڈاکٹر کو فوراً اطلاع دیجیے تاکہ وہ رسونتی کے پاس پہنچے۔ بچے کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔"

چونکہ اس ہسپتال کا ڈاکٹر میری خیال خوانی کے رابطے کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اسے سمجھانے میں کافی دیر لگتی اس لیے میں نے سعید صاحب کے ذریعے اسے اطلاع دی۔ ٹیلیفون کے ذریعے سعید صاحب نے فوراً ہی اسے بیدار کر کے کہا۔ "رسونتی کی دماغی حالت بگڑ رہی ہے۔ فرہاد نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کا حال معلوم کر کے آپکو فوراً اس کے پاس پہنچنے کی ہدایت کی ہے۔"

ڈاکٹر اسی وقت گھر سے نکل کر ہسپتال پہنچ گیا۔ مجھے دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے کہا۔ "آجائیے۔"

سعید صاحب، دروازہ کھول کر اندر آتے ہوئے بولے۔

"اگر بہت ضروری خیال خوانی میں مصروف ہو تو..."

میں نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔ "جی نہیں آجائیے۔ میں رسونتی کے لیے پریشان ہوں۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ "کیا تم رسونتی کو بہت زیادہ چاہتے ہو؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ وہ بھی مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔ اگرچہ اس نے اتنی بڑی غلطی کی تھی جو قابلِ معافی نہ تھی لیکن میں نے اس کی محبت سے مجبور ہو کر ہی اُسے معاف کر دیا ہے۔ اس سے آپ میری محبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

سعید صاحب نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ڈاکٹر مجھے تنہائی میں بتا رہا تھا۔ بھابی کی حالت بڑی تشویش ناک ہے۔ ان کا ذہنی توازن رہ رہ کر بگڑتا ہی رہے گا۔ شاید یہ دماغی مرض جان لیوا بھی ثابت ہو۔"

یہ سن کر میں نے ایک ہاتھ سے سر تھام لیا۔ وہ کتنی بدنصیب تھی۔ اس نے اپنی اولاد کی خاطر مجھ سے بہت کچھ چھپایا۔ اپنے بیٹے

کو اپنے مزاج کے مطابق پرورش کرنے اور اپنے طور پر باصلاحیت بنا کر جوان کرنے کی دھن میں، وہ دشمنوں سے جا ملی۔ اس بچے کو پیدائش کے بعد جی بھر کے دیکھنا بھی اُسے نصیب نہ ہوا تھا جس بچے کے لیے اس نے اپنا اعتبار کھویا، مجھ سے مخالفتیں مول لیں۔ اسے سینے سے لگا کر اپنی ممتا کو سکون بھی نہ پہنچا سکی تھی۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ وہ زندہ رہے۔ سلامت رہے، صحت مند رہے اور اپنے بیٹے پارس کو اپنی گود میں کھلائے۔ اس پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ اس کا اپنا بیٹا کون ہے۔ کاش زندگی اس سے اس قدر وفا کر سکے۔

میں نے ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ ڈاکٹر رسونتی کے پاس موجود تھے۔ اس کے سر کے اطراف کئی طرح کے آلات لگے ہوئے تھے اور ان کا کنکشن ایک رپورٹنگ اسکرین سے تھا۔ اس اسکرین پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنتی جا رہی تھیں۔ وہ لکیریں کبھی گراف کے مختلف خانوں کے اوپر جاتی تھیں، کبھی نیچے آتی تھیں۔ اس طرح وہ رسونتی کی دماغی حالات کا اندازہ کر رہے تھے۔

اچانک رسونتی ایک چیخ مار کر اپنے ہاتھ پیر جھٹکنے اور ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔ اس کے ایسا کرنے سے سر کے اطراف لگے ہوئے آلات اپنی جگہ چھوٹنے لگے۔ نرسیں اور وارڈ بوائے اسے دبوچ کر قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ سعید صاحب نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

میں نے انھیں بتایا کہ رسونتی کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ بُری طرح تڑپ رہی ہے۔ انھوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو ہم بھی وہاں چلتے ہیں۔"

ہم تیزی سے کوٹھی کے پورچ میں پہنچے اور کار میں بیٹھ کر ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں بار بار کبھی رسونتی کے دماغ سے اور کبھی ڈاکٹروں کے ذریعے اس کی حالت معلوم کرتا تھا۔ اس خیال سے میرا دل کانپ اٹھتا تھا کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔

مرنا تو ایک دن سبھی کو ہے۔ لیکن رسونتی کو ابھی نہیں مرنا چاہیے ابھی پارس کو اس کی ضرورت ہے۔ ابھی تو خود اس نے بھی اپنے بیٹے کو سینے سے لگانے کی آرزو پوری نہیں کی تھی۔ مجھے اس کی بے بسی پر ترس آ رہا تھا۔ میں اس کی زندگی کا چراغ روشن رہنے کی دعائیں مانگنے لگا۔ اس کی غلطی اتنی بڑی نہیں تھی کہ وہ سزائے موت کی مستحق ٹھہرتی۔ مجھے یقین تھا کہ قدرت میرے بیٹے پارس کو اپنی ماں کی ممتا بھری آغوش سے محروم نہیں کرے گی۔

ہسپتال پہنچ کر ہم سیدھے اسپیشل وارڈ کے اس کمرے میں پہنچے جہاں رسونتی کو رکھا گیا تھا۔ اس وقت تک اس کے سر کے اطراف سے آلات ہٹا لیے گئے تھے۔ وہ پُرسکون لیٹی آنکھیں کھولے چھت کو تک رہی تھی۔ میں جب اس کے قریب پہنچا تو ڈاکٹر نے میرا شانہ تھپک کر آہستگی سے کہا۔ "آپ اسے آواز دیں۔"

میں نے اس پر جھک کر آہستہ سے کہا۔ "رسونتی! دیکھو میں تمھارے پاس آیا ہوں۔"

اسی طرح ساکت لیٹے لیٹے اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور ہولے ہولے ہنسنے لگی۔ پھر اس کی ہنسی شدّت اختیار کرتی چلی گئی۔ میں نے پریشان ہو کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "رسونتی! ہوش میں آؤ، اس طرح کیوں ہنس رہی ہو؟ کیا ہوا ہے تمھیں؟"

اچانک اس کی ہنسی رک گئی۔ اس نے ایک لمحے میرے ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھا پھر ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کے دوسری طرف کروٹ لے کر اٹھ کے بیٹھ گئی اور خوف زدہ سی آواز میں چلّانے لگی۔ "کون ہو... تم کون ہو؟ میرا ہاتھ کیوں پکڑ رہے ہو؟ جاؤ... جاؤ۔ چلے جاؤ.... چلے جاؤ یہاں سے... بھاگ جاؤ... بھاگ جاؤ... چلے جاؤ...."

میں نے پیار سے کہا۔ "رسونتی! میں فرہاد ہوں۔ فرہاد۔ مجھے پہچانو۔ میں تمھارا فرہاد ہوں۔"

اپنا نام بار بار لیتے ہوئے میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اب اس کے دماغ میں میرا نام گونج رہا تھا۔ "فرہاد، فرہاد، فرہاد!"

اس کا سر چکرانے لگا۔ فرہاد، فرہاد کی گونج سے وہ پریشان ہونے لگی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر آگے پیچھے جھومنے لگی۔ ایک نرس نے بڑھ کر اسے سنبھالا اور آہستہ سے بستر پر لٹا دیا۔ میں برابر اس کے دماغ میں جھانک رہا تھا۔ مختلف خیالات اس کے ذہن میں یوں گڈمڈ ہو رہے تھے کہ کوئی بات واضح نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کے شعور کا خانہ بالکل خالی معلوم ہو رہا تھا۔ وہاں کسی خالی اور ویران کمرے جیسا سناٹا طاری تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا شعور گہری نیند سو رہا ہو۔

میں نے ڈاکٹر سے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ سو گئی ہے ہمیں اسے تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔ چلیے باہر چلیں۔"

ہم ایک ایک کر کے اس کے کمرے سے باہر آگئے۔ صرف ایک نرس رہ گئی۔ ڈاکٹر نے باہر آکر کہا۔ "ہم صبح تک مادام کو کسی طرح سنبھال لیں گے لیکن یہ دماغی مرض کا معاملہ ہے۔ آپ کل ہی انھیں مینٹل ہسپتال میں داخل کرا دیں۔ میں ابھی ڈاکٹر فاروقی صاحب سے بات کرتا ہوں۔ وہ مینٹل ہسپتال کے انچارج ہیں۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچے۔ ڈاکٹر نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ پتا چلا کہ ڈاکٹر فاروقی اپنے گھر پر ہیں۔ ڈاکٹر نے گھر کے نمبر پر رابطہ قائم کر کے ڈاکٹر فاروقی سے میرا غائبانہ تعارف کرا کے رسونتی کی حالت بتائی۔

ڈاکٹر فاروقی نے کہا۔ "میں فرہاد کے بارے میں اخبار میں پڑھتا

رہا ہوں۔ بہرحال میں اپنے طور پر پوری کوشش کروں گا۔ کل آپ مریضہ کو یہاں بھیج دیں۔ ان کے لیے اسپیشل وارڈ کا ایک کمرہ ریزرو کر دیا جائے گا۔"

میں مطمئن ہو کر سعید صاحب کے ساتھ گھر جانے کے لیے ہسپتال سے باہر نکل آیا۔ راستے میں میں نے سونیا اور مرجانہ کی خبر لی۔ ان کے پاس سے آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ ان کے درمیان غالباً اسی تاریک کمرے میں ابھی تک جنگ جاری تھی۔ میں نے سونیا سے پوچھا: "سونیا! یہ کیا حماقت ہے۔ تم تو منٹوں میں لڑائی کا فیصلہ کر دیتی ہو۔ آخر کب تک اس سے لڑتی رہو گی؟"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کب تک لڑ سکتی ہے۔ اپنی شکست تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟"

"تم تھکی تھکی سی لگ رہی ہو۔"

"میں بھی انسان ہوں۔ تقریباً تین گھنٹے سے ایک سخت مقابلہ کر رہی ہوں۔ تھکوں گی نہیں؟"

میں نے مرجانہ کے دماغ میں پہنچ کر دیکھا۔ وہ لہولہان ہو رہی تھی۔ اس کی ناک سے، باچھوں سے، سر سے اور جسم کے مختلف حصّوں سے خون بہہ رہا تھا۔ کئی جگہ شدید چوٹیں آئی تھیں مگر اس کے جسم کی طرح اس کا عزم بھی فولادی تھا۔ بے پناہ قوتِ برداشت کے ساتھ وہ سونیا کے مقابل جمی ہوئی تھی۔

میں نے سونیا سے کہا: "سونیا! مرجانہ بُری طرح زخمی ہو چکی ہے۔ اس کا جسم خون میں نہایا ہوا ہے۔"

یہ سنتے ہی سونیا کا دل پگھلنے لگا۔ وہ مرجانہ کو دل و جان سے چاہتی تھی، کہنے لگی: "میں کیا کروں؟ یہ کمینی میری بات نہیں مانتی ہے۔ کوئی چاہے کتنا ہی اپنا ہو۔ اگر وہ نقصان پہنچانے لگے تو کیا اسے سزا نہیں دینا ہی چاہیے؟"

"بہت سزا ہو چکی۔ اسے بے ہوش کر کے چھوڑ دو یا پھر تم نے کیا سوچا ہے۔ مجھے بتاؤ؟"

"میں اسے اپنے ساتھ بابا فرید واسطی کے پاس لے جانا چاہتی ہوں۔ یہودیوں نے گو اس کی برین واشنگ کی ہے لیکن اس کی فطری سرکشی اسے مکمل طور پر یہودیوں کی طابع ہونے سے روکتی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے جب یہودی اس کے ساتھ اپنی عیارانہ چالیں چلتے ہیں تو یہ پھر کر ان کے خلاف سوچنے لگتی ہے۔ بابا فرید واسطی کے پاس رہ کر روحانیت کے عملی مظاہرے دیکھے گی اور یوگا کی مشقیں کرے گی۔ تو یہودیوں کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔"

"مجھے تمھاری بات سے اتفاق ہے۔ یہ یقیناً بابا صاحب کے سائے میں رہ کر ہماری ہو جائے گی۔ اب بہت ہو چکا ہے۔ اسے ایک بار پھر محبت سے اپنانے کی کوشش کر دیکھو۔"

سونیا نے ذرا بلند آواز سے کہا: "نمبر ففٹین! میں سوئچ آن کر دو۔"

چند لمحے بعد ہی بنگلہ روشن ہو گیا۔ سونیا نے اس روشنی میں مرجانہ کو دیکھا۔ اس کا آدھے سے زیادہ چہرہ لہو سے بھیگا ہوا تھا۔ بدن پر کئی جگہ چوٹوں کے نشانات تھے۔ لباس بھی جگہ جگہ سے خون آلودہ نظر آ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ دیوار سے لگی سونیا کو گھور رہی تھی۔

سونیا نے نرمی سے کہا: "دیکھو مرجانہ! میں تم سے دشمن بن کر نہیں لڑی ہوں۔ یہ تمام زخم تمھیں خود تمھاری حماقتوں نے دیے ہیں۔ میں تمھیں اب بھی اسی طرح اسی خلوص سے چاہتی ہوں جس طرح ماضی میں ہم ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ تم تو میری محبت میں دیوانی ہوئی پھرتی تھیں، میری خاطر فرہاد کو دشمن سمجھنے لگی تھیں پھر اب وہ محبت، وہ چاہت کیا ہوئی؟ کیا تم سب کچھ بھول گئیں؟"

وہ گم صم کھڑی رہی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سونیا نے پھر کہا: "میں نے روشنی کر دی ہے۔ اگر تم میری محبت، میرا خلوص آزمانا چاہتی تو میں تمھارے ہاتھوں سے مار کھانے کے لیے تیار ہوں۔ آگے بڑھو اور مجھے بھی لہولہان کر دو۔"

مرجانہ نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ دانت پہ دانت جما لیے۔ اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھی۔ سونیا اسی طرح چپ چاپ کھڑی رہی۔ اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ مرجانہ نے چیخ کر کہا: "بزدل! آنکھیں کیوں بند کر رہی ہو۔ خرگوش کی عادت نہ اپناؤ، جب وہ اپنا سر کہیں چھپا لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ ساری دنیا سے چھپ گیا ہے۔ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا ہے۔ تم آنکھیں بند کر کے کس سے چھپنا چاہتی ہو؟"

سونیا نے آنکھیں کھول دیں لیکن جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

وہ غصّہ سے کانپتے ہوئے بولی: "تم کیا سمجھتی ہو اس طرح معصوم بن کر کھڑی رہو گی تو میں تم پر حملہ نہیں کروں گی؟ نہیں میں تمھیں کچل کر رکھ دوں گی۔ آج میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم ذلیل ہو، کمینی ہو۔ تم نے میرا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ جب بھی میں کسی دشمن کے متعلق سوچتی ہوں تو سب سے پہلا نام تمھارا ذہن میں آتا ہے۔"

وہ بولتی رہی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی حتیٰ کہ وہ سونیا کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ اچانک اس نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے اور چیخ مار کر سونیا سے لپٹ گئی۔ ایک لمحے کے لیے میرا دماغ سُن ہو گیا۔ میں یہ نہیں جان سکا تھا کہ وہ اس سے اس طرح کیوں لپٹی ہے۔ اسے مارنے کے لیے یا اس پر مرنے کے لیے۔

دوسرے ہی لمحے وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی: "میں تم سے پیار نہیں کروں گی۔ تم بہت گندی ہو۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں، بہت زیادہ نفرت کرتی ہوں۔"

سونیا نے آہستگی سے دونوں بانہیں پھیلا کر اسے سینے میں سمیٹ لیا اور اس کی پیٹھ ہولے ہولے تھپکنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ مرجانہ خوب اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ مرجانہ کو سینے سے لگائے ایک صوفے کے پاس آئی اور اسے ساتھ لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ مرجانہ نے اپنا چہرہ سونیا کے سینے میں چھپا لیا۔ سونیا اپنے دوپٹے سے اس کے چہرے کا لہو صاف کرتے ہوئے اسے پیار کر کے پوچھا۔ "مجھے پیار کرو گی، نا؟"

مرجانہ نے اس کے سینے میں منہ چھپائے آہستہ سے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ سونیا نے پوچھا: "تمھیں اچانک مجھ پر محبت کیسے آ گئی؟"

اس نے ہولے سے کہا: "مجھے اچانک اپنے ماسٹر والسوروکی کی بات یاد آ گئی۔ اس نے ایک بار کہا تھا: 'میں نے تمھیں فولاد بنا دیا ہے۔ تم میری نظروں میں ناقابلِ شکست ہو لیکن یاد رکھو کبھی زندگی کے کسی موڑ پر کوئی تم سے زیادہ شہ زور آ جائے اور وہ تمھارا دوست بننا چاہے تو اس کی دوستی کی قدر کرنا۔ دنیا میں کم سے کم لوگوں کو دشمن بنانا۔ اسی میں تمھاری سلامتی اور بہتری ہے۔' اپنے استاد کی اس نصیحت نے ہی مجھے تمھارے سامنے جھکا دیا ہے۔ میں کھلے دل سے اعتراف کرتی ہوں کہ تم مجھ سے اتنی برتر ہو کہ تمھاری برتری کو چھونے کے لیے ابھی مجھے بہت کچھ سیکھنا پڑے گا۔"

میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور ان سے خیال خوانی کا رابطہ ختم کر دیا۔ اس وقت ہماری کار کوٹھی میں داخل ہو رہی تھی۔ سعید صاحب نے گاڑی کھڑی کر دی۔ ہم دونوں گاڑی سے اتر کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں نے سعید صاحب سے کہا: "آپ ایک ذمے دار افسر ہیں۔ صبح آپ کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے دفتر جانا ہو گا۔ بہتر ہے کہ اب آپ جا کر آرام کریں۔"

سعید صاحب کو واقعی نیند آ رہی تھی۔ وہ اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ میں نے ملازم سے ایک پیالی چائے کے لیے کہا اور اپنی خواب گاہ میں جا کر آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔ میرا تھکن سے بُرا حال تھا۔ ایک تو مشرقی افریقہ سے یہاں تک کے طویل سفر کی تھکن تھی۔ دوسرے رسونتی کی بیماری نے مجھے ذہنی طور پر اس قدر نڈھال کر دیا تھا کہ جی چاہتا تھا آنکھیں بند کر کے ہر چیز سے بے نیاز ہو کر بے خبر سو جاؤں۔ لیکن میرے نصیب میں آرام کی گھڑیاں بہت کم تھیں۔ ابھی میرے سامنے کئی حل طلب مسائل ایسے تھے جنھیں نمٹائے بغیر میں آنکھیں بھی بند نہیں کر سکتا تھا۔

ملازم چائے لے آیا تو میں ایک ایک گھونٹ مزے لے کر پیتے ہوئے ان بوڑھے یہودی رضاکاروں کے بارے میں سوچنے لگا جنھیں مجھے ایک ماہ میں دوستی پر آمادہ کرنے کا فرض سونپا گیا تھا۔ پھر مجھے ان نوجوانوں کا خیال آیا جو میری زندگی کا چراغ گل کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ ان کے بارے میں سوچتے سوچتے میں پاپا جوجو کے پاس پہنچ گیا۔

وہ گہری نیند میں تھا۔ میں نے اس کی خوابیدہ سوچوں کے ذریعے اپنے آپ کو خواب کی اسکرین پر پیش کیا ہے۔ وہ مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی سوچ نے پوچھا: "تم کون ہو؟"

"میں اجنبی ہوں۔ تم بتاؤ تمھارا اصل نام کیا ہے؟"

خواب کی دنیا میں ہم دونوں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ اس نے کہا: "میرا نام پوپائے جوشوا ہے۔ میں نے اس نام کو آسان بنا کر پاپا جوجو کر دیا ہے۔"

"کیا اسپین کے رہنے والے ہو؟"

"ہاں، میں اسپین میں پیدا ہوا، جوانی کا ابتدائی حصّہ وہیں گزارا ہے۔"

"تمھارے بیوی بچے کہاں ہیں؟"

"جب بیوی نہیں ہے تو بچے کہاں سے آئیں گے۔"

"تم نے ان وانٹیڈ بے بیز کے ادارے میں کسی عورت کے بچے کو پہنچایا تھا؟"

"میں اس عورت کو نہیں جانتا۔ جو بیان میں نے ان بوڑھوں کو دیا ہے۔ وہ کسی حد تک درست ہے۔ کوئی عورت اسے میرے دروازے پر چھوڑ گئی تھی۔ ایک مختصر سا خط لکھ کر بچے کے پاس رکھ دیا تھا۔ لکھا تھا۔

"جوجو! اپنی تمام محبوباؤں کی فہرست کو شروع سے آخر تک پڑھو اور سوچو کہ تمھاری کس محبوبہ نے اس بچے کو جنم دیا ہے۔"

جوجو نے کہا: "میں نے اس خط کو پھاڑ کر پھینک دیا اور بچے کو ان وانٹیڈ بے بیز کے ادارے میں پہنچا دیا۔"

میں نے سوال کیا: "کیا وہ بچہ واقعی تمھارا تھا؟"

جوجو نے کہا: "دنیا کا کوئی باپ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس بچے کو وہ اپنا کہہ رہا ہے وہ اسی کی اولاد ہے۔ اس کا فیصلہ تو عورت ہی کر سکتی ہے۔"

"تمھاری عمر کیا ہے؟"

"چار ماہ بعد پورے ستر برس کا ہو جاؤں گا لیکن عورتوں کو اپنی عمر کبھی بتیس چالیس برس سے زیادہ نہیں بتاتا۔ میری صحت دیکھ کر عورتیں میری بات پر یقین کر لیتی ہیں۔"

"کیا واقعی تمھاری بے شمار محبوبائیں ہیں؟"

"ہاں، تمھیں یقین کیوں نہیں آتا۔ دولت میں اتنی کشش ہے کہ عورتیں خود بخود کھنچی چلی آتی ہیں۔"

"تمھاری آمدنی کا ذریعہ کیا ہے؟"

"میں بچپن میں ایک سرکس میں کام کرتا تھا۔ بڑا ہوا تو مسخرے کا رول ادا کرنے لگا۔ پھر ایک شاطر سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے مجھے پتے بازی کا فن سکھا دیا۔ اب میں جس قمار خانے کی میز پر جا کر

بیٹھ جاتا ہوں۔ وہاں سے ہزاروں ڈالر سمیٹ کر لے آتا ہوں۔ سپین کے تمام قمار خانے والوں نے میرے لیے اپنے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ سب نے سمجھ لیا ہے کہ میں ان کا دیوالہ نکالتا ہوں خود کبھی دیوالیہ نہیں ہوتا۔"

"اچھا تو اب نیسڈنی میں بھی اسی فن سے دولت کما رہے ہو؟"

"اس ہاتھ سے کماتا ہوں۔ اُس ہاتھ سے لُٹا دیتا ہوں۔ حسین عورتوں کا ہجوم ساتھ ہو تو دولت کو پر لگ جاتے ہیں۔ اسے سنبھالے رکھنا آدمی کے بس کی بات نہیں رہتی۔"

"ان بوڑھوں نے تمہارے مکان پر قبضہ کر کے تمہیں اس جگہ قید کر دیا ہے آخر وہ تم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"پاکستان میں کوئی فرہاد علی تیمور ہے۔ اسے اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے، بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"اس خطرناک آدمی کو قابو کرنے میں تم ان کی کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"یہ لوگ مجھے سبق پڑھا رہے ہیں۔ سمجھا رہے ہیں کہ میں پاکستان پہنچ کر فرہاد علی تیمور کو بلیک میل کروں۔ اس کی بہت بڑی کمزوری ان کے ہاتھ میں ہے۔ جس بچے کو میں ان دا نیٹیڈ بیبیز کے ادارے میں پہنچا آیا تھا۔ وہ بچہ اب فرہاد کے پاس ہے اور میں اس بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔"

"تم دعویٰ کرنے کے لیے پاکستان کب آ رہے ہو؟"

"کل شام کی فلائیٹ سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"جب تم نے اس بچے کو ایک ادارے میں پہنچا دیا تھا تو پھر اسے حاصل کرنے کے لیے کیوں آ رہے ہو گے۔ وہ بچہ ایک اچھے میاں بیوی کی سرپرستی میں ہے۔ اس وقت وہ عورت جس نے بچے کو گود لیا ہے۔ بیمار ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ بچے کو اس سے چھین لیا گیا تو وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔"

"فرہاد کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ لوگ مجھے پاکستان بھیج رہے ہیں۔ مجھ سے عورت کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھے جاتے۔ فرہاد علی تیمور مجھ پر کچھ خرچ کرے گا تو میں پٹری بدل دوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بوڑھے بھی تمہیں اچھی خاصی رقم دے رہے ہیں اور تم تھالی کے بینگن ہو۔ جدھر زیادہ آمدنی ہوتی ہے ادھر لڑھک جاتے ہو۔"

"ہاں، لیکن میں کھلم کھلا کسی سے دشمنی مول لینے کے حق میں نہیں ہوں۔ بہت سوچ سمجھ کر چال چلتا ہوں۔ [illegible] فرہاد نے چاہا تو میں پاکستان پہنچ کر اس کا دوست بن جاؤں گا اور ان لوگوں کو بھی چکر دیتا رہوں گا۔"

میں نے اطمینان کی سانس لے کر اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ بستر پر لیٹے لیٹے آرام ملا تو نیند نے حملے کرنا شروع کر دیا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی بہت سا کام باقی تھا۔ پھر میں اس بوڑھے کے پاس پہنچ گیا جو دن کے وقت پاپا جوجو سے باتیں کر رہا تھا۔ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ بچہ جوجو نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟

اس بوڑھے کا نام گاسکر تھا۔ اس کے ساتھی اسے اولڈ مین گاسکر کہتے تھے۔ وہ بوڑھوں کی پہلی ٹولی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس وقت وہ بھی ایک کمرے میں سو رہا تھا۔ اس کی خوابیدہ سوچ نے بتایا کہ دوسرے لوگ اس مکان کے چاروں طرف پہرہ دے رہے ہیں۔ تاکہ پاپا جوجو وہاں سے فرار نہ ہو سکے۔ میں نے گاسکر کے خوابیدہ دماغ میں سوالات پیدا کیے۔ تقریباً جواب وہی تھا جو پاپا جوجو سے مل چکا تھا۔ یعنی پاپا جوجو کل شام کی فلائیٹ سے پاکستان آنے والا تھا۔ میں نے پوچھا: "وہ فائل کہاں رکھی ہوئی ہے۔ جو اَن وانٹیڈ بے بیز کے ادارے سے حاصل کی گئی تھی اور جس کے ذریعے پارس کے فرضی ہونے کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟"

اس نے بتایا: "بوڑھوں کی دونوں ٹولیوں کا جو سربراہ ہے تمام اہم چیزیں اسی کے پاس محفوظ رہتی ہیں۔ وہ فائل بھی اسی کے پاس ہے۔"

"کیا روانگی کے وقت وہ فائل جوجو کو دے دی جائے گی؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ ہماری ٹیم کا لیڈر ہی جانتا ہے کہ فائل جوجو کے حوالے کی جائے گی یا کسی اور ذریعے سے پاکستان پہنچائی جائے گی۔"

"تمہارا لیڈر کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟"

"یہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا بلکہ ہم دونوں ٹولیوں کے بوڑھے بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے ہیں۔ میں صرف اپنی ٹولی کے چار بوڑھوں کو جانتا ہوں۔"

میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ خواہ مخواہ وقت ضائع کرنا دانشمندی نہیں تھی۔ جب پاپا جوجو ادھر آئے گا تو دیکھا جائے گا کہ وہ فائل کس کی تحویل میں رہتی ہے۔ ویسے آثار بتا رہے تھے کہ وہ بلیک میلنگ کا حربہ استعمال نہیں کر سکیں گے کیونکہ رسونتی، ذہنی طور پہ مفلوج ہوتی جا رہی تھی۔ آج اس نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ بچے کو بھی نہ پہچانے۔ وہ سب کچھ بھول گئی تو ان کا یہ حربہ بے کار ہی ہو کر رہ جائے گا۔

رسونتی کا خیال آیا تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پر اتنا بُرا وقت آئے گا۔ موت اس طرح اس کے سرہانے جا کھڑی ہو گی۔ میں گھٹ گھٹ کر ٹہلنے لگا۔ میرا دل کہہ رہا تھا: میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ دنیا کے چپے چپے سے واقف ہوں میرے تعلقات دنیا کے بڑے بڑے لوگوں سے ہیں۔ پھر بھی کیا میری رسونتی علاج معالجے کی جدید سہولتوں سے محروم رہ کر یہاں پڑے پڑے دنیا سے رخصت ہو جائے گی؟"

میرے پاکستانی ڈاکٹر یقیناً تجربے کار ہیں، ذہین ہیں لیکن ان کے پاس وسائل کی کمی ہے۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی وہ بڑے خطرناک سے خطرناک مرض کا علاج کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ایک جوا ہی ہو سکتا ہے اور میں رسونتی کی زندگی کا جوا کھیلنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کیں اور لندن کے ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ سونے کے لیے بستر پر جا رہا تھا۔ میں نے مخاطب کیا تو وہ چونک گیا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "مسٹر فرہاد! کیا آپ ہیں؟"

"ہاں میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ بہت عرصے بعد آپ نے مجھے یاد کیا۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں اس وقت بہت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ رسونتی کی حالت بہت نازک ہے۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے دماغ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ ایسا کیسے ہوا، اس کی تفصیل میں آپ کو بتا رہا ہوں ذرا توجہ سے میری بات سننے کی کوشش کریں۔"

میں نے رسونتی کے ساتھ پیش آنے والے تمام واقعات اسے تفصیل سے سُنانے کے بعد کہا: "پچھلی رات سے رسونتی کی حالت بہت ہی تشویشناک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی بہت ہی قابل، ذہین اور تجربے کار ڈاکٹر رسونتی کو اٹینڈ کرے۔ اسے اپنا پورا وقت دے کر اس پر اپنے سارے تجربے آزمائے اور اسے موت کے منہ سے نکال لائے۔ پاگل ہونے سے بچا لے اس کا ذہنی توازن نہ بگڑنے دے۔"

"آپ نے بہت عرصے بعد مجھے اپنی خدمت کا موقع دیا ہے۔ مجھے ایک آدھ گھنٹے کی مہلت دے دیجیے۔ میں مادام رسونتی کے گرد دنیا کے قابل ترین ڈاکٹروں کا میلہ لگا دوں گا۔"

میں نے کہا: "اچھی بات ہے۔ میں وقتاً فوقتاً آپ کے دماغ میں جھانکتا رہوں گا، دیکھتا رہوں گا کہ آپ میرے لیے کیا کر رہے ہیں۔"

میں اس سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ اب مجھے اطمینان تھا کہ رسونتی کا خاطر خواہ علاج ہو گا اور بھرپور توجہ دی جائے گی۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ وہ سکون سے سو رہی تھی۔ اس وقت پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں اس کے پاس سے واپس آ گیا۔

اب سعید صاحب کا کام رہ گیا تھا۔ سلمہ سے شادی کی تاریخ مقرر کرنا تھی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ یہ مخلوقِ خدا کے آرام کا وقت تھا۔ سبھی پر تو میری طرح آرام حرام نہیں ہوا تھا۔ انھیں اس وقت اٹھا کر شادی کی بات کرنا نہایت ہی احمقانہ بات ہوتی۔ میں نے سوچا: "اور گھنٹے دو گھنٹے کے بعد انھیں مخاطب کروں گا۔ اس وقت تک صبح ہونے لگے گی۔ دوسرے یہ کر رسونتی کے علاج کے سلسلے میں، میں نے جو نیا قدم اٹھایا تھا۔ اس کی وجہ سے ممکن ہے مجھے اتنا وقت ہی نہ مل سکتا کہ میں لاہور جا کر شاہینہ وغیرہ سے ملاقات کر سکتا۔ اس لیے میں نے ان سے بات کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور دوبارہ لندن کے ماسٹر کے پاس جا پہنچا۔

میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ چپ چاپ اس کے دماغ میں جھانکتا رہا۔ پتا چلا کہ اس نے سپر ماسٹر تک رسونتی کی بیماری کی خبر پہنچا دی ہے اور اس سے مشورے طلب کیے ہیں۔ وہ خود بار بار فون کے ذریعے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ ٹرانسمیٹر کے ذریعے امریکہ اور یورپ کے مختلف ماسٹروں سے رابطہ قائم کر کے انھیں بھی رسونتی کے متعلق مختصر طور پہ بتانے کے بعد ہدایات دے رہا تھا کہ اپنے ہاں کے تمام ماہرین سے فوری طور پر رابطہ قائم کریں اور یہ معلوم کریں کہ مریضہ کو پاکستان میں دیکھا جائے گا۔ یا اسے امریکہ یا یورپ کے کسی شہر میں لانا پڑے گا۔

ماسٹر جس تندہی سے رسونتی کے لیے کوششیں کر رہا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ خدا نے چاہا تو رسونتی دماغی طور پر جلد ہی صحت یاب ہو جائے گی۔ میں ماسٹر کے دماغ سے واپس آنا چاہتا تھا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا۔ اس کے ایک ماتحت نے اندر آ کر کہا: "سر! ٹیلی پرنٹر کے ذریعے سپر ماسٹر کا پیغام آیا ہے۔"

اس نے ایک لانبا سا کاغذ ماسٹر کی طرف بڑھا دیا۔ ماسٹر نے اسے لے کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا: "ماسٹر! میری طرف سے مسٹر فرہاد اور مادام سونیا کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کریں۔ جب تک مادام رسونتی صحت یاب نہیں ہو جائیں گی۔ اس وقت تک ہماری مجت صرف ان کے لیے وقف رہے گی۔ یہاں میں نے آئی، ایم، ایف سے معاملات طے کر لیے ہیں۔ انٹرنیشنل میڈیکل کا فلائنگ ہسپتال پاکستان سے مادام رسونتی کو سوئٹزرلینڈ لے آئے گا۔ مسٹر فرہاد کو اگر اس فلائنگ ہسپتال کے متعلق معلوم نہ ہو تو آپ بتا دیں۔ پاکستان ایئرلائنز کے افسران کو اطلاع دی جا رہی ہے کہ وہ فلائنگ ہسپتال کل دن کے گیارہ بجے تک چکلالہ کے ہوائی اڈے پر پہنچے گا۔ کچھ عرصہ پہلے ہم نے یہ طے کیا تھا کہ مسٹر فرہاد اور یہودیوں کے معاملات میں نہیں بولیں گے۔ اس سلسلے میں بالکل غیر جانبدار رہیں گے۔ نہ تو یہودیوں کا ساتھ دینگے نہ مسٹر فرہاد کی مدد کریں گے لیکن یہ سب کچھ محض انسان دوستی کی بنیاد پہ کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ ایک خالص انسانی مسئلہ ہے۔ یہودیوں کے معاملات سے قطع نظر ہم ذاتی طور پہ فرہاد صاحب کے دوست ہیں اور ہمیشہ دوست رہیں گے۔ ایک بار پھر ہم مسٹر فرہاد کو اپنے بھرپور تعاون اور توجہ کا یقین دلاتے ہیں۔ وہ کسی وقت بھی ہمیں اپنی خدمات کے لیے طلب کر سکتے ہیں۔ فقط سپر ماسٹر۔"

جب ماسٹر نے اپنے سپر ماسٹر کا پیغام پڑھ لیا تو میں نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے چونک کر پوچھا: "کیا آپ یہ پیغام میرے دماغ کے ذریعے پڑھ رہے تھے؟"

"ہاں، میں یہ ساری معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ یہ دیکھ چکا ہوں کہ آپ رسونتی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"فرہاد صاحب! ہمیں شرمندہ نہ کریں۔ ہم آپ کی ہر خدمت کے لیے ہر وقت حاضر ہیں!"

"آپ یہ بتائیں یہ فلائنگ ہسپتال کیا چیز ہے؟"

"یہ ایک بہت بڑا طیارہ ہے۔ اس طیارے کے اندر پورا ایک ہسپتال قائم کیا گیا ہے۔ دنیا کے بہترین تجربے کار ڈاکٹر ہمیشہ اس میں موجود رہتے ہیں۔ ان کے پاس دنیا کی بہترین قیمتی، نایاب اور زود اثر دوائیں ہوتی ہیں۔ وہاں لیبارٹریز سے لے کر آپریشن تھیٹر تک ہسپتال کا ہر شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ دراصل یہ طیارہ دنیا کی اہم شخصیتوں کے لیے ہے۔ کوئی اہم شخصیت کسی غیر ملک میں بیمار ہو جائے، اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت بھی ہو اور اسی دوران اسے اس کے ملک تک پہنچانا بھی ضروری ہو تو اس طیارے کو کام میں لایا جاتا ہے اور یہ طیارہ پہلی بار آپ کے ملک میں مادام رسونتی کے لیے جائے گا۔"

"ماسٹر! میں آپ لوگوں کی دوستی اور تعاون کو کبھی نہیں بھلاؤں گا۔ میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ اب ایک گزارش اور ہے۔"

"فرمائیے، ہم حاضر ہیں۔"

"رسونتی کو اس فلائنگ ہسپتال کے ذریعے یہاں سے لے جایا جائے تو اس کے لیے سخت حفاظتی انتظامات ہونے چاہئیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں میری آج کل یہودیوں سے ٹھنی ہوئی ہے۔ وہ رسونتی کو اغوا کرنے کی کوشش ضرور کریں گے۔"

"آپ اطمینان رکھیں سپر ماسٹر کے ذریعے یہودیوں سے یہ معاملہ طے کر لیا جائے گا۔ جب تک مادام دماغی اور جسمانی طور پر صحت یاب نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک کوئی مادام کی طرف رُخ نہ کرے ورنہ سپر ماسٹر کی دشمنی مول لینا پڑے گی۔"

میں نے ماسٹر کا شکریہ ادا کیا اور دماغی طور پر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اب چار بج رہے تھے۔ تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا۔ اب شاہینہ وغیرہ سے سو کر اٹھنے کے بعد ہی رابطہ قائم کیا کروں گا۔ رسونتی کے سلسلے میں بہت سا بوجھ اتر گیا تھا اس لیے میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا اور اب نیند سے لڑنا میرے لیے مشکل ہو گیا تھا۔

میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے حسب معمول اپنے دماغ کو ہدایات دیں اور سو گیا۔

سو کر اٹھا تو نو بج چکے تھے میرے بیدار ہوتے ہی سعید صاحب کے ملازم نے ان کا رقعہ دے کر کہا "یہ صاحب آپ کے لیے دے گئے ہیں۔"

میں نے رقعہ پڑھنا شروع کیا۔ سعید صاحب نے لکھا تھا وہ صبح ناشتہ کر رہے تھے کہ ان کے ملازم نے آ کر کہا "جناب! کچھ لوگ آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

سعید صاحب نے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے لیے کہا۔ اطمینان سے ناشتہ کرنے اور چائے پینے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں گئے۔ وہاں دو اجنبی آدمی ان کے منتظر تھے۔ ایک نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنا تعارف انٹیلی جنس کے ایک افسر کی حیثیت سے کرا کے بتایا کہ مقامی ایئر لائنز کی طرف سے فرہاد سے ملنے اور رسونتی کے علاج کے سلسلے میں آیا ہے۔

سعید صاحب نے حیرانی سے پوچھا "آپ لوگوں کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ مادام رسونتی بیمار ہیں؟"

انٹیلی جنس کے آفیسر نے کہا "جناب آپ صرف اس بات پر حیران ہیں کہ پاکستانی انٹیلی جنس والوں کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔ آپ کو یہ سن کر اور زیادہ حیرانی ہوگی کہ ہمیں یہ اطلاع براہ راست امریکہ سے موصول ہوئی ہے۔"

"کیا؟" سعید صاحب نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے بے یقینی سے دیکھا۔

آفیسر نے بتایا "آئی، ایم، ایف کا فلائنگ ہسپتال مادام رسونتی کے لیے آج گیارہ بجے تک یہاں پہنچنے والا ہے۔ اس سلسلے میں ہم فرہاد صاحب سے رابطہ قائم کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ مسٹر فرہاد میرے ہاں مل سکتے ہیں؟"

"ہمیں بتایا گیا تھا کہ مادام رسونتی کے کیس کا تعلق دماغی امراض سے ہے۔ ہم نے مینٹل ہسپتال کے ڈاکٹر فاروقی سے رابطہ قائم کیا انھوں نے اس ہسپتال کا پتا بتایا جہاں مادام رسونتی زیر علاج ہیں۔ اس ہسپتال سے ہمیں آپ کا پتا معلوم ہوا۔"

"بہرحال آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"مسٹر فرہاد سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں ایک اسپیشل [illegible] دینا چاہتے ہیں۔ جب طیارہ یہاں پہنچے گا تو ہم ایمبولینس لے کر ہسپتال جائیں گے اور مادام کو اپنی نگرانی میں ایئر پورٹ پہنچا دیں گے۔ مادام رسونتی کے ساتھ صرف مسٹر فرہاد رہ سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی بھی اس فلائنگ ہسپتال تک نہیں جا سکے گا۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ مادام رسونتی کی اس وقت تک سخت نگرانی اور حفاظت کی جائے جب تک فلائنگ ہسپتال چکلالہ ایئر پورٹ کے کارنر رن وے پر موجود رہے۔"

"مجھے افسوس ہے اس وقت آپ مسٹر فرہاد سے ملاقات نہیں کر سکیں گے۔ مادام رسونتی کے سلسلے میں وہ تمام رات پریشان رہے ہیں اور اس وقت سو رہے ہیں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس وقت بیدار ہوں گے آپ اپنا نام اور ٹیلیفون نمبر دے دیجیے۔ وہ بیدار ہونے کے بعد آپ سے رابطہ قائم کریں گے۔"

انٹیلی جنس کے آفیسر نے اپنا نام، فون نمبر لکھ دیا۔ رقعے میں اس افسر کا نام اور فون نمبر درج تھا۔ میں نے بلاتوقف فون پر اس

سے رابطہ قائم کیا اور دوران گفتگو اس کے خیالات پڑھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ وہ واقعی ہمارے ملک کی انٹیلی جنس سے تعلق رکھتا تھا۔ میرے ساتھ کوئی فراڈ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا "میں ساڑھے دس بجے تک ہسپتال پہنچ جاؤں گا۔ آپ لوگ وہیں مجھ سے مل لیں۔"

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے اور لباس تبدیل کر کے باہر نکلنے میں ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اس ایک گھنٹے کے دوران میں نے بختاور صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ وہ لوگ اس وقت ناشتے کی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے مخاطب کیا تو وہ چونک کر شاہینہ کو دیکھتے ہوئے بولے "دلھن! معلوم ہوتا ہے فرہاد صاحب مجھ سے مخاطب ہیں۔"

میں نے کہا "انکل! واقعی میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

میں نے انھیں یقین دلایا تو وہ خوش ہو کر بولے "بہت دنوں بعد یاد کیا ہے۔ تم کہاں ہو؟"

"میں جلد ہی آپ لوگوں کے پاس پہنچنے والا ہوں۔"

شاہینہ نے کہا "انکل! بھائی جان کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ان سے کہیے میرے پاس آئیں۔"

میں نے اس کے پاس پہنچ کر پیار سے کہا "میری بہنا! تمھارے لیے خوشخبری ہے کہ میں بہت جلد تمھارے پاس آ رہا ہوں۔ سلمیٰ اور سعید صاحب کی شادی کی تاریخ مقرر کرنا ہے۔ اس لیے بختاور صاحب سے بات کر رہا ہوں تم ذرا صبر کرو۔"

نہیں بھائی جان، آپ کسی کو اپنا معمول بنا کر باتیں کریں تاکہ ہم سب یہ باتیں سن سکیں۔ سب سے پہلے میرے بیٹے پارس کے متعلق بتائیں۔ اور یہ بتائیں کہ سونیا بھابی کہاں ہیں؟"

میں نے سونیا اور پارس کے متعلق زبیر کی زبان سے سب کو تھوڑی تھوڑی باتیں بتائیں۔ پھر میں نے بختاور صاحب سے کہا "انکل، میں آپ کا بیٹا زبیر نہیں ہوں، فرہاد ہوں۔ اسی لیے آپ کو انکل کہہ رہا ہوں۔"

زبیر نے اپنی والدہ کی طرف سر گھما کر دیکھا میں نے اس کی زبان سے کہا "آنٹی! میں نے یہاں سے جاتے وقت آپ لوگوں سے کہا تھا کہ سلمیٰ اور سعید صاحب کی شادی کی ساری تیاریاں مکمل رکھیں میں جب بھی واپس آؤں گا فوری طور پر تاریخ مقرر کر کے نکاح اور شادی کی رسومات ادا کر دی جائیں گی۔"

بختاور کی بیگم نے کہا "ہاں بیٹے! مجھے یاد ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ اب تم بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"میں چاہتا ہوں، آج سے دس دن کے اندر کی کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے۔ میں مقررہ تاریخ سے ایک دو دن پہلے آپ لوگوں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

سلمیٰ ناشتہ چھوڑ کر وہاں سے جانے لگی۔ شاہینہ نے کہا۔ "یہ کیا؟ چلو بیٹھو۔ اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟"

میں نے زبیر کی زبان سے کہا "سلمیٰ! میں تمھارا فرہاد بھائی جان ہوں تمھیں بیٹھنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ نہیں بیٹھو گی تو ابھی پلک جھپکتے ہی بڑی بے تکلفی سے شادی کی باتیں کرنا شروع کر دو گی۔"

سلمیٰ نے زبیر کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اس کے زبیر بھائی جان فرہاد کے انداز میں بول رہے تھے۔ میں اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں نے اس کے دماغ پر پوری طرح قبضہ نہیں کیا بلکہ اسے صرف بولنے پر مجبور کیا۔ وہ بے اختیار بولنے لگی "آپ لوگ شادی کی جو بھی تاریخ مقرر کریں وہ ذرا قریبی ہو اور میں نکاح کے وقت سرخ بنارسی جوڑا پہنوں گی۔"

میں پھر زبیر کے دماغ میں پہنچ گیا وہ ایک دم سے گھبرا کر سب کو دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "ابھی میں نے کہا تھا نا کہ تم بے تکلفی سے اپنی شادی کی باتیں کرنے لگو گی۔ دیکھ لو۔ میں نے غلط تو نہیں کہا تھا؟"

یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے شرما کر کچن کی طرف بھاگ گئی۔ سب لوگ قہقہے لگانے لگے۔ بختاور نے کہا "بیٹے! شادی کے لیے جمعہ کا دن مبارک ہوتا ہے۔ تم دس دن کی قید لگا رہے ہو۔ اگلا جمعہ آج سے ٹھیک پانچ دن کے بعد ہے کیا خیال ہے؟"

میں نے تائید کرتے ہوئے کہا "یہ مناسب ہے۔ میں ابھی سعید صاحب سے رابطہ قائم کر کے انھیں جمعہ کی تاریخ بتا دوں گا۔"

بیگم بختاور نے کہا "بیٹے! یہ سب تو ٹھیک ہے تم نے یہ باتیں طے کر لیں۔ اصولاً لڑکے والے آ کر شادی کی تاریخ مقرر کراتے ہیں۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ آج کسی وقت بھی سعید صاحب کا فون آئے گا۔ وہ ٹیلیفون کے ذریعے آپ سے تاریخ طے کر لیں گے۔ اس طرح آپ کی یہ رسم بھی ادا ہو جائے گی۔"

"لیکن سعید میاں تو دولھا ہیں۔ ان کا کوئی بزرگ ان کی طرف سے بات [illegible] ہے؟ وہ خود ہم سے بات کریں گے تو کچھ عجیب سا لگے گا۔"

"آپ یا انکل براہ راست سعید صاحب سے گفتگو نہ کریں۔ ان کا فون آئے گا تو شاہینہ بات کر لے گی اور شاہینہ کے ذریعے ان کی طرف سے معاملات طے ہو جائیں گے۔ اب تو آپ مطمئن ہیں؟"

اس بات کو سب نے تسلیم کر لیا میں تھوڑی دیر تک شاہینہ سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اس سے اجازت لے کر اپنی جگہ واپس ہو گیا۔ اس وقت تک میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کر چکا تھا۔ رسونتی کے پاس ہسپتال جانے سے پہلے میں نے اس کی خیریت معلوم کی۔ وہ اس وقت سو رہی تھی۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ کل رات سے مسلسل کیسے سو رہی ہے میں نے ڈاکٹر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ جو نرس رات کو ڈیوٹی پر تھی اس نے بتایا تھا کہ رات کو پھر ایک بار رسونتی کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ اس نے وارڈ بوائے

اور نرس کو کافی پریشان کیا تھا۔ بعد میں اسے ایک انجکشن کے ذریعے سلا دیا گیا۔ وہ ابھی تک سو رہی ہے۔ ڈاکٹر کے اندازے کے مطابق اس انجکشن کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ وہ بیدار ہونے والی تھی۔

میں سعید صاحب کی کوٹھی سے باہر آیا۔ وہاں میرے لیے ایک کار موجود تھی۔ ڈرائیور بھی تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی ایک سپاہی کے انداز میں اٹینشن ہو کر سلیوٹ کیا۔ میں کار کے پچھلے دروازے کے پاس آیا۔ اس نے میرے لیے دروازے کو کھول دیا لیکن میں اندر جانے سے پہلے رک گیا۔ مجھے اچانک ہی جاوید اور ریحانہ کا خیال آ گیا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی اور جاوید کی بیوی آج دوپہر کے کھانے پر میرا انتظار کرنے والے تھے۔ پتا نہیں ہے چاروں نے کھانے میں کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا۔ میں پریشان ہو کر سوچنے لگا کیا کروں؟ اگر ان کی دعوت کو ملتوی کرتا ہوں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ ان کی حلال کی کمائی کے سلسلے میں ان کی ہمت افزائی کرنا چاہتا تھا۔ میرے نہ جانے پر اس بات کی نفی ہو جاتی۔

میں کار میں بیٹھنے کے بجائے پلٹ کر واپس کوٹھی کی جانب چل دیا۔ میں نے جاوید کے دماغ میں جھانک کر اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا کہ اس کے گھر میں ٹیلیفون ہے یا نہیں۔ وہ بیچارا بینک کا ایک ملازم تھا۔ گھر پر ٹیلیفون نہیں تھا۔ البتہ اس کے محلے کے ایک جنرل اسٹور میں ٹیلیفون تھا۔ جاوید ضرورت پڑنے پر دفتر سے اس اسٹور پر فون کر کے اپنی بیوی اور ریحانہ سے بات کر لیتا تھا۔

میں نے ڈرائنگ روم میں ٹیلیفون کے پاس بیٹھ کر جاوید کے دماغ سے جنرل اسٹور کے ٹیلیفون کا نمبر معلوم کیا اور ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری جانب سے فون ایک سیلزمین نے ریسیو کیا۔ میں نے کہا: "آپ کی دکان کے قریب مکان نمبر چھتیس میں جاوید صاحب رہتے ہیں۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر انھیں بلا سکتے ہیں؟"

سیلزمین نے ناگواری سے کہا: "مسٹر! ہم یہاں دکانداری کرتے ہیں۔ پیغام رسانی نہیں کرتے۔ ہمیں ڈسٹرب نہ کریں۔"

وہ ٹیلیفون کا ریسیور رکھنا ہی چاہتا تھا کہ میں اس کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھنے کے بجائے ایک طرف رکھ کر اپنے ایک ساتھی سے کہا: "یار ذرا اس چھتیس نمبر کے مکان تک چلے جاؤ اور جاوید صاحب سے بولو۔ ان کا ٹیلیفون آیا ہے بات کر لیں۔"

اس روز اتوار کی چھٹی تھی۔ جاوید گھر ہی میں موجود تھا۔ اگر بینک میں ہوتا تو رابطہ قائم کرنے میں آسانی ہوتی۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد جاوید کی آواز ٹیلیفون پر سنائی دی۔ میں کہا: "ہیلو جاوید! میں فرہاد بول رہا ہوں۔"

جاوید نے خوش ہو کر کہا: "بھائی جان! آپ نے ہمیں یاد رکھا۔ یہ ہمارے لیے کتنی خوش نصیبی کی بات ہے۔ ہم آپ کا انتظار کل رات سے ہی کر رہے ہیں۔ میری بیگم اور ریحانہ کا عجیب حال ہے۔ بس اٹھتے بیٹھتے آپ کا ذکر ہو رہا ہے۔ بار بار گھڑی دیکھی جا رہی ہے۔"

"میں جانتا ہوں تم تینوں سے مجھے بہت پیار رہے بہت لگاؤ ہے۔ میں نے تمھیں یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ تمھاری رسونتی بھابی کی حالت بڑی ہی تشویشناک ہے۔ مجھے تمھارے ہاں آنے میں دیر ہو سکتی ہے لیکن میں ہر حال میں آؤں گا ضرور۔ اگر تم گھر میں یونہی بیٹھے ہو، کوئی کام نہیں ہے تو ہسپتال آ جاؤ۔ وہیں باتیں ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے، میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا لیکن دماغی طور پر اس جنرل اسٹور میں موجود رہا۔ سیلزمین حیران پریشان سوالیہ نظروں سے جاوید کو دیکھ رہا تھا۔ جاوید نے ریسیور رکھا۔ سیلزمین کا شکریہ ادا کیا اور دکان سے باہر چلا گیا۔ سیلزمین نے اپنے ساتھی سے پوچھا: "یہ ہمارے دکان تک کیسے آ گیا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ اس کا فون آیا ہے؟"

اس کے ساتھی نے کہا: "تم عجیب احمق ہو۔ ابھی تم نے ہی تو کہا تھا کہ میں جاوید صاحب کو ان کے گھر سے بلا لاؤں۔ میں انھیں بلا لایا۔ تمھاری آنکھوں کے سامنے، تم دیکھتے رہے وہ باتیں کرتا رہا۔ اب وہ چلا گیا ہے تو تم مجھ سے سوال کر رہے ہو کیا تمھارے دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا پڑ گیا ہے؟"

میں مسکراتے ہوئے اس کے دماغ سے واپس آ گیا۔ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر کوٹھی کے باہر پہنچا۔ پھر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور کو ہسپتال چلنے کے لیے کہا۔ نیرو بی سے یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے تمام لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا۔ صرف سامی عرف اعلیٰ بی بی کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھ سے کترا رہی تھی اور میں اُسے چھیڑنا چاہتا تھا۔ رومانٹک انداز میں چھیڑنے کے لیے ذرا وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور موڈ بھی اچھا ہونا ضروری ہے۔ میرے حالات اچھے نہیں تھے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ رسونتی کے متعلق کوئی اطمینان بخش رپورٹ مل جائے تو پھر اعلیٰ بی بی کی طرف رُخ کروں۔

گاڑی ہسپتال کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ میں پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو سامنے ہی وہ نرس کھڑی تھی جس کی ڈیوٹی رات کو تھی۔ اب وہ آرام کرنے کے لیے اپنے کوارٹر کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی مسکرا کر سلام کیا۔ اس کے آس پاس ایک بوڑھا شخص، ایک نہایت ہی حسین و جمیل لڑکی اور دو خوبرو نوجوان نظر آ رہے تھے۔ وہ سب خوش لباس بھی تھے۔ اور خوش مزاج بھی لگ رہے تھے۔ نرس نے ان سے کہا: "ڈاکٹر! یہی مسٹر فرہاد ہیں۔" پھر نرس نے مجھے مخاطب کیا: "مسٹر فرہاد! یہ ڈاکٹر

فاروقی ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہ لڑکی اور اس کے دونوں بھائی تیر کی طرح میرے پاس آئے۔ مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لڑکی نے میرے دائیں ہاتھ کو تھام کر اپنی طرف کھینچا۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ کو میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے گویا کہ جبراً مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا نام سونیا ہے۔ میرے پیدائشی نام کو چھوڑیے۔ آپ کو یہ نام بہت پسند ہے نا؟ اس لیے میں نے یہ نام رکھا ہوا ہے۔ میں بھی سونیا کی طرح جوڈو کراٹے سیکھ رہی ہوں۔ ابھی بی اے کی طالبہ ہوں۔ ہاکی کی بہترین کھلاڑی ہوں۔ کبھی کبھی کھیلتے کھیلتے ہاکی چلانے لگتی ہوں۔ آپ کو ایسی لڑکیاں بہت پسند ہیں نا؟"

میں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا۔ اس نے خود ہی جواب دیا۔ "بالکل پسند ہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں آپ کے بارے میں اسٹڈی کرتی رہی ہوں۔ وہ جو آپ کی بہن کا دیور منصور ہے نا۔ وہ میرا فرینڈ ہے۔ وہ مجھے آپ کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتا رہتا ہے۔ آخر وہ آپ کا رشتے دار ہے۔ جو بھی کہتا ہوگا آپ کے بارے میں سچ کہتا ہوگا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

میں نے پھر کچھ جواب میں کہنا چاہا۔ اس نے فوراً کہا۔ "منصور کو جانے دیجیے میری بات سنیے۔ میرا وزن ایک من بیس سیر ہے۔ قد پانچ فٹ چھ انچ ہے۔ سونیا کا قد کیا ہے؟"

میں نے نظریں جھکا کر زمین کی طرف اس کے قدموں کو دیکھا، بے اختیار اس کی نظریں بھی جھک گئیں۔ پھر میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کا سر بھی اوپر اٹھ گیا۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "یہ آپ نیچے اوپر کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"تم کچھ بولنے کا موقع دو تو میں جواب بھی دوں۔"

"ہاں ہاں، میں کیا بول رہی ہوں۔ بھئی میں نے تو اپنا تعارف کرایا ہے۔ مجھے زیادہ بولنے کی عادت نہیں ہے۔ پاپا اکثر کہتے ہیں، بے بی! تم چپ چپ کیوں رہتی ہو۔ بائی دی وے، اس کا مطلب کیا ہوا۔ پہلے آپ نے زمین کی طرف دیکھا پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ جبکہ میں نے آپ سے سونیا کا قد پوچھا تھا؟"

میں نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "سونیا کے پاؤں زمین پر ہوتے ہیں اور سر..."

میں نے بات ادھوری چھوڑ کر سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا سر بھی اٹھ گیا۔ وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ کہ آج تک کوئی اس کے قد کی بلندی کو ناپ نہیں سکا۔"

اس کے بھائی نے ہاتھ بڑھا کر کہا: "فرہاد صاحب! ہم سے بھی تو تعارف ہو جائے۔"

"اگر تمھاری بہن میرا ہاتھ چھوڑے تو میں تم سے مصافحہ کر سکوں۔"

خود کو سونیا کہنے والی نے میرا ہاتھ فوراً ہی چھوڑ دیا۔ میں نے اس کے بھائیوں سے مصافحہ کیا۔ وہ اپنا تعارف کرانے لگے۔ میں نے اس لڑکی کے دماغ میں جھانک کر معلوم کیا۔ اس کی پیدائشی نام تہمینہ تھا اور میرے اور سونیا کے متعلق معلومات حاصل کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ اب بات مشغلے سے بڑھ کر یہاں تک آ پہنچی تھی کہ وہ خود سونیا بننے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔ اسی لیے اس نے خود کو سونیا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور گھر والوں کو مجبور کرتی رہتی تھی کہ وہ اسے سونیا کہہ کر مخاطب کیا کریں۔ وہ اپنے کالج اور احباب میں بھی اسی نام سے پکاری جاتی تھی۔ کوئی اسے تہمینہ کہہ دیتا تھا تو اس سے لڑنے جھگڑنے لگتی تھی اور اس کی دشمن بن جاتی تھی۔

ڈاکٹر فاروقی نے آگے بڑھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "مسٹر فرہاد! میں اچھی طرح جانتا ہوں میرے بچے مجھے آپ سے ملنے کی فرصت ہی نہیں دیں گے اس لیے خود آ گیا ہوں۔ صبح یہاں آتے ہی میں نے آپ کی وائف کا معائنہ کیا ہے۔ میرے خیال میں...."

تہمینہ نے فوراً ہی اپنے باپ کی بات کاٹ کر کہا: "پاپا کے خیال میں آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ابھی ہم رسونتی صاحبہ کو اپنے پاپا کے ہسپتال میں لے جائیں گے پھر تو بڑا مزا آئے گا۔"

میں نے بڑے تحمل سے کہا: "تہمینہ! ذرا خاموش ہو جاؤ۔ مجھے اپنی وائف کے متعلق خود ہی بات کرنے دو۔"

"بھلا آپ پاپا سے کیا باتیں کریں گے؟ ان سے کیا پوچھیں گے؟ جو پوچھنا ہے مجھ سے پوچھیے۔ میں رسونتی صاحبہ کا پورا کیس تفصیل سے بیان کر دوں گی۔"

میں اچانک ہی تہمینہ کے دماغ پر قابض ہو گیا۔ وہ چپ ہو کر ایک دم مڑی اور ہسپتال کے لان کی طرف چل دی۔ لان میں پھولوں کے گملے لائن سے رکھے ہوئے تھے تمام گملوں میں طرح طرح کے پھولوں کے پودے لگے تھے۔ ایک گملا خالی پڑا تھا۔ وہ جا کر اس گملے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بھائیوں نے حیرانی سے پوچھا: "ارے یہ ہماری سونیا گملے پر جا کر کیوں بیٹھ گئی ہے؟"

چونکہ میں اس کے دماغ پر پوری طرح قابض تھا اس لیے اس نے وہیں سے چیخ کر کہا: "پاپا! آپ لوگ میری فکر نہ کریں میں یہاں آرام سے بیٹھی ہوں۔ اس گملے کی گیلی گیلی مٹی بڑی ٹھنڈک پہنچا رہی ہے۔ آپ مسٹر فرہاد کو تفصیلی رپورٹ سنا دیں۔"

ڈاکٹر فاروقی نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت شریر ہے، بہت پریشان کرتی ہے۔ ہاں تو مسٹر فرہاد! میں نے آپ

کی وائف کا اچھی طرح معائنہ کیا ہے۔ یہاں کے ڈاکٹر وسیم درانی کی رپورٹ پڑھی ہے۔ میں بھی ڈاکٹر وسیم درانی کے خیال سے متفق ہوں کہ بلڈ کینسر کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ مادام کے بدن کا تمام خون تبدیل کرنا ہوگا۔"

تہمینہ نے اپنی جگہ سے چیخ کر پوچھا "پاپا! کیا یہاں خون تبدیل کرنے کے انتظامات ہو سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر فاروقی نے سر ہلا کر کہا "یہ ہو تو سکتا ہے لیکن مادام رسونتی کے خون کا گروپ "او نگیٹو" ہے اور یہ بڑا ہی نایاب ہوتا ہے۔ یہاں ہماری مطلوبہ مقدار میں دستیاب نہیں ہوگا۔"

تہمینہ نے گملے پر بیٹھے بیٹھے کہا "آپ فکر نہ کریں میں شام تک بیرونی ممالک سے مطلوبہ مقدار میں یہ خون منگوا لوں گا۔"

ڈاکٹر فاروقی نے سر ہلاتے ہوئے کہا "بے شک آپ ایسا کر سکتے ہیں مجھے یقین نہیں تھا۔ یہ بچے آپ کی تعریفیں کرتے تھے تو میں آپ کو قصہ کہانی کا کردار سمجھتا تھا۔ ابھی یہاں ہسپتال آ کر پتا چلا کہ آپ کے لیے آئی ایم ایف کا فلائنگ ہسپتال یہاں پہنچ رہا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جس چیز کا مطالبہ کریں وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کے کسی بھی خطے سے وہ آپ کے لیے پیش کر دی جاتی ہے۔"

تہمینہ نے کہا "دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی بات کیا کر رہے ہیں؟ فرہاد صاحب تو اس گملے تک بھی پہنچے ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر فاروقی نے بے خیالی میں سر ہلایا۔ پھر چونک کر کہا "ارے میں اتنی دیر سے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں اور بہت ہی دھیمے لہجے میں بول رہا ہوں لیکن تہمینہ اتنی دور بیٹھی کیسے سن رہی ہے اور آپ کی طرف سے وہی سارے سوال جواب کر رہی ہے؟"

میں نے مسکرا کر کہا "یہی ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ آپ اپنی شریر بیٹی سے خیریت پوچھیں میں اپنی بیوی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں تیزی سے ہسپتال کے اندر چلا گیا۔ مختلف کاریڈورز سے گزرتا ہوا میں رسونتی کے کمرے کے سامنے پہنچا۔ وہاں دو ادھیڑ عمر شخص کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید صاحب اور دوسرے اعلیٰ افسران نے ہسپتال کے باہر اور اندر سادہ لباس والے مقرر کر دیے تھے۔ ان میں سے کچھ مجھے اچھی طرح پہچانتے تھے دروازے پر ایک سادہ لباس والے نے مجھے دیکھتے ہی سلام کیا۔ میں اسے جواب دے کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ رسونتی چپ چاپ بستر پر لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر وسیم درانی نے میری طرف بڑھتے ہوئے کہا "ابھی تو یہ پُرسکون ہیں، لیکن حالت بہت ہی تشویشناک ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آئی ایم ایف کا فلائنگ ہسپتال یہاں پہنچ رہا ہے۔ اس ہسپتال میں ہر مرض کے ماہرین اور قیمتی و نایاب دوائیں موجود رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہر گروپ کا خون بھی کافی تعداد میں ریزرو رہتا ہے۔ اگر مادام کا خون تبدیل کرنے کی ضرورت ان لوگوں نے بھی محسوس کی تو اس کی فراہمی بہت آسان ہو گی۔ ویسے تو زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن جہاں تک انسانی کوششوں کا تعلق ہے یہ فلائنگ ہسپتال والے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔"

میں نے پوچھا "میں کیا اپنی وائف کو مخاطب کر سکتا ہوں؟"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ انھیں تنہا چھوڑ دیں۔ اگر آپ نے مخاطب کیا تو ان کے دل و دماغ میں ہیجان پیدا ہوگا۔ دماغی سکون برباد ہو جائے گا پھر وہی پریشانیاں شروع ہو جائیں گی۔"

"کیا انھوں نے اپنے بچے کو پوچھا تھا؟"

"کل رات سے نہ تو انھوں نے اپنے بچے کا نام لیا ہے اور نہ ہی اسے یاد کیا ہے۔"

"کیا ان کی یادداشت گم ہو رہی ہے؟"

"صرف یادداشت کی بات نہیں ہے۔ ان کا تو پورا دماغ ہی ناکارہ ہو رہا ہے۔ ابھی ہم صرف دماغی مسئلے پر الجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ سرطان جسمانی کمزوریاں اور بہت سی بیماریاں بھی پیدا کر سکتا ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔ وہاں بیٹھے ہوئے دونوں ادھیڑ عمر اشخاص نے اٹھ کر اپنا تعارف کرایا۔ وہ انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔ اس نے کہا "ابھی ہمیں اطلاع ملی ہے کہ فلائنگ ہسپتال پہنچ گیا ہے اور نہایت قابل اور تجربہ کار ڈاکٹر یہاں پہنچنے والے ہیں۔"

ڈاکٹر وسیم درانی نے کہا "میں ذرا اپنے ہسپتال کے اسٹاف کو مستعد کر دوں۔ بیرونی ممالک کے ڈاکٹروں پر اچھا اثر پڑنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں ان انٹیلی جنس کے آدمیوں سے باتیں کرتا ہوا ہسپتال کے باہر چلنے لگا۔ ان میں سے ایک نے کہا "ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب فلائنگ ہسپتال کے ڈاکٹر یہاں آئیں یا مریضہ کو یہاں سے لے جانا چاہیں تو یہاں سے اُس طیارے تک کسی کو بھی قریب آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ صرف آپ ہی مریضہ کے پاس موجود رہ سکتے ہیں۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ہسپتال کے باہر آئے۔ وہاں ڈاکٹر فاروقی موجود تھے۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے میری بیٹی کو کہاں لے جا کر بٹھا دیا تھا۔ تمام گیلی مٹی اس کے کپڑوں میں لگ گئی۔ وہ شرم کے مارے یہاں نہ رک سکی۔ لباس بدلنے

کے لیے گھر چلی گئی ہے۔"

اسی وقت میری نظر جاوید پر پڑی۔ وہ ہسپتال کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے مصافحہ کر کے اسے بتایا کہ رسونتی کی حالت بے حد تشویشناک ہے۔ ابھی ہم اسے یہاں سے لے جانے والے ہیں۔

جاوید نے کہا "بھائی جان! آپ بھابی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں لیکن مروتاً اس دعوت کو منسوخ نہیں کر رہے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنی توجہ صرف بھابی پر مرکوز رکھیں۔ دعوت بعد میں ہوتی رہے گی۔"

میں نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا "پریشانیوں میں انسان وقت پر کھا نہیں سکتا لیکن جب بھی وقت ملتا ہے کھاتا ضرور ہے۔ ممکن ہے میں وقت پر تمھارے گھر نہ پہنچ سکوں۔ لیکن میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ پہنچوں گا ضرور اور اب تو تم میرے ساتھ ہی ہو۔"

پھر میں نے انٹیلی جنس کے ایک صاحب سے کہا "میرے ساتھ یہ مسٹر جاوید رہیں گے۔ یہ فلائنگ ہسپتال تک تو نہیں جائیں گے لیکن یہ میری غیر موجودگی میں ایئرپورٹ کے وی آئی پی روم میں میرا انتظار کریں گے۔ آپ لوگ اس کا انتظام کر دیں کہ ان کے لیے وی آئی پی روم کھول دیا جائے۔"

ان میں سے ایک شخص اپنے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے دوسری طرف چلا گیا۔ اتنے میں سعید صاحب آ گئے۔ انھوں نے آتے ہی رسونتی کی خیریت معلوم کی۔ کہا "میں جب بھی بھابی کے متعلق سوچتا ہوں تو دل سے دعائیں نکلنے لگتی ہیں۔"

"آپ دعائیں کر رہے ہیں۔ میں آپ کے لیے دوا کر چکا ہوں شاہینہ اور اس کے سسرال والوں سے بات ہو چکی ہے۔ وہ لوگ آپ کے فون کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ سے شاہینہ فون پر گفتگو کرے گی آپ آئندہ جمعہ کو نکاح کی تاریخ مقرر کر لیں۔"

انھوں نے تعجب سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "کمال ہے۔ یہاں بھابی کی حالت اتنی نازک ہے تم پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہو اور میری شادی کی بات کر رہے ہو!"

جاوید نے کہا "یہی تو میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بھائی جان کا کتنا حوصلہ ہے۔ اِدھر آپ کی شادی کی باتیں کر رہے ہیں۔ اُدھر دوپہر کو میرے ہاں کھانے کی دعوت قبول کی ہے!"

"دنیا کے کام کبھی نہیں رکتے ہیں اگر دوپہر کو نہ کھاؤں تو کیا شام کو بھی بھوکا رہوں گا۔ شام کو نہ کھاؤں تو کیا کل بھی بھوکا رہوں گا۔ سعید صاحب! آج شادی کی تاریخ مقرر نہ کریں۔ کل تو کریں گے۔ ایک سال بعد تو کریں گے۔ جب کام رکتا نہیں ہے تو اسے آج روکنا کون سی دانشمندی ہے۔"

اسی وقت مجھے رسونتی کی چیخ سنائی دی۔ اس کا کمرہ وہاں سے بہت دور تھا۔ اس لیے چیخ کی آواز ہلکی سی تھی۔ میں نے فوراً اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ ایک نرس اور دو وارڈ بوائے اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ انھیں نوچ کھسوٹ رہی تھی۔ پاگلوں کی طرح اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ اپنے کپڑے پھاڑ رہی تھی۔

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "آئیے، رسونتی پر پھر دورہ پڑا ہے۔"

سعید صاحب اور جاوید تقریباً بھاگتے ہوئے میرے ساتھ اس کمرے میں پہنچے۔ ڈاکٹر وسیم درانی ہم سے پہلے پہنچ گئے تھے۔ میں نے اس کے دماغ میں جھانک کر اس کی حالت معلوم کرنے کی کوشش کی میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس کی ذہنی حالت کیا تھی۔ عجیب انتشار تھا۔ کوئی سوچ اپنی جگہ نہیں تھی۔ میں نے اس کے تحت الشعور میں جھانک کر دیکھا تو پتا چلا اس کے تحت الشعور میں کسی طرح یہ خیال جم گیا ہے کہ اس کی کھوپڑی میں بہت سے زہریلے سانپ رینگ رہے ہیں۔ جو اسے بار بار ڈس رہے ہیں۔ ان کا زہر اس کی رگوں میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔

ہسپتال کے لوگوں نے اسے بستر پر لٹا کے اس کے ہاتھ پیر پلنگ سے باندھ دیے۔ ڈاکٹر نے کہا "ہم بار بار نہ تو بیہوشی کی دوا دے سکتے ہیں نہ انجکشن لگا سکتے ہیں۔ اس وقت یوں بھی مناسب نہیں ہے۔ فلائنگ ہسپتال کے ڈاکٹر یہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ اپنے طور پر ان کا معائنہ کریں گے۔ ان لیمان کا ہوش میں رہنا ضروری ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اطلاع ملی کہ ڈاکٹر آ پہنچے ہیں۔ ڈاکٹر وسیم درانی نے سب سے کہا "آپ لوگ کمرے سے باہر جائیں۔ کوئی بھی غیر ضروری آدمی یہاں نہ رہے۔"

میں سعید صاحب اور جاوید کے ساتھ باہر آ گیا۔ ہماری موجودگی وہاں غیر ضروری تھی۔ دو انگریز ڈاکٹر ایک نرس اور ایک اسسٹنٹ کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے۔ انھیں رسونتی کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ میں ڈاکٹر وسیم درانی کے دماغ میں پہنچ کر ان کی باتیں سننے لگا۔ وہ رسونتی کے متعلق سوالات کر رہے تھے اور ان کی تیار کی ہوئی رپورٹ کی اسٹڈی بھی کرتے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا تعلق امریکہ سے تھا اور دوسرے کا جرمنی سے۔ امریکی ڈاکٹر رسونتی کا معائنہ کرنے لگا جرمن ڈاکٹر نے رسونتی کے سر کے اطراف آلات لگائے اور گراف اسکرین پر اس کی حالت کا جائزہ لینے لگا۔ امریکی ڈاکٹر نے چونک کر وسیم درانی سے پوچھا "وہ مسٹر فرہاد علی تیمور کہاں ہیں؟ ہم نے ان کے متعلق

بہت کچھ سُنا ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ دماغ کی تہہ میں پہنچ جاتے ہیں۔"

اس کی باتوں کے دوران میں کمرے کے اندر پہنچ گیا۔ میں نے کہا: "میں حاضر ہوں۔ فرمائیے۔ آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" میں نے دونوں ڈاکٹروں سے مصافحہ کیا۔

نرس نے بھی آگے بڑھ کر مجھے مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا۔ "میں آپ کے متعلق بہت کچھ سُن چکی ہوں۔"

میں نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے ڈاکٹروں سے کہا۔ "آپ لوگ اسکرین گراف لائن کو دیکھتے رہیں۔ میں اُدھر دیکھیے فرہاد کی وائف کے دماغ میں جھانک کر جو معلومات حاصل کروں گا۔ اسے بیان کرتا جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر میں دوسری طرف گھوم گیا اور رسونتی کے دماغ میں پہنچ کر کمنٹری کرنے لگا۔ اس کی دماغی حالت کے نشیب و فراز کے بارے میں بتانے لگا۔ میں نے کہا: "اگرچہ اس کی کوئی سوچ اپنی جگہ مکمل نہیں ہے لیکن دماغ کے تہہ خانے میں ایک احساس زندہ ہے وہ اپنے اندر زہر کو محسوس کر رہی ہے۔"

میں کہتے کہتے رک گیا۔ مجھے اپنے دونوں شانوں پر دو ہاتھ محسوس ہوئے تھے۔ میں نے دائیں بائیں سر گھما کر دیکھا۔ ایک شانے پر امریکی ڈاکٹر کا ہاتھ تھا اور دوسرے شانے پر جرمن ڈاکٹر کا اور نرس سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ سب بڑی عقیدت سے مسکرا رہے تھے۔ دونوں ڈاکٹر قدرے حیران حیران تعریفی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا: "کمال ہے۔ آپ تو بالکل ایکسرے مشین ہیں۔ دماغ کی تہہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ نے ہمارے لیے بہت سی آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔ ڈاکٹر وسیم درانی کی مکمل رپورٹ اور آپ کی ٹیلی پیتھی کی گواہی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مادام کے خون میں زہریلے جراثیم ہیں۔ ان کے جسم کا تمام خون تبدیل کر دیا جائے تو کچھ بات بن سکتی ہے۔ ہم فوری طور پر ایسا کرنے کے لیے مادام کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

تقریباً پینتالیس منٹ بعد رسونتی فلائنگ ہسپتال کے ایک آرام دہ بستر پر لیٹی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اسی طرح بندھے ہوئے تھے کیونکہ وہ اب بھی اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی اور رہ رہ کر چیخنے چلانے لگتی تھی۔ سعید صاحب اور جاوید وی آئی پی روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں تنہا ہسپتال میں آیا تھا۔ کسی اور کو اس ہسپتال میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ایک ایسا ہسپتال دیکھا تھا جو زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتا تھا اور وہاں تمام امراض کی دوائیں اور ماہرین ڈاکٹر موجود رہتے تھے۔ اس وقت وہ طیارہ کار نر رن وے پر کھڑا ہوا تھا۔ رسونتی کو فوری طور پر ضروری طبی امداد دینے اور اس کا ردِ عمل معلوم ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ اس کا مکمل علاج یہیں ہو سکے گا یا اسے کہیں اور لے جانا پڑے گا۔

تقریباً ایک بجے تبدیلیٔ خون کا عمل شروع ہوا۔ مجھے ایک میز کے پاس کاغذ اور قلم دے کر بٹھا دیا گیا۔ وہ گراف اسکرین سے رسونتی کی دماغی حالت معلوم کر رہے تھے اور میں لفظوں میں اس کی تشریح کر رہا تھا۔ اس طرح ڈاکٹروں کو بڑی مدد مل رہی تھی۔

میں نے ایک گھنٹے بعد محسوس کیا جیسے جیسے رسونتی کے بدن میں نیا خون پہنچ رہا ہے۔ اس کی دماغی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ بڑی حد تک پُرسکون ہو گئی تھی اور یہی بات ہمارے لیے باعثِ اطمینان تھی۔

شام کے پانچ بجے میں فلائنگ ہسپتال سے باہر آیا۔ دونوں ڈاکٹر میرے ساتھ تھے۔ رسونتی گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے ڈاکٹروں سے کہا: "میں وقتاً فوقتاً آپ دونوں کے دماغ سے رسونتی کی دماغی حالت معلوم کرتا رہوں گا۔"

پھر میں نے باری باری ایک ایک کے دماغ میں پہنچ کر انھیں بتایا کہ ان کے دماغ میری سوچ کی لہروں کو کس طرح محسوس کریں گے۔ انھوں نے بڑی دلچسپی سے اس عمل کو محسوس کیا اور خوش ہو کر بولے: "ٹھیک ہے۔ ہم تمھارے منتظر رہیں گے۔"

میں ان سے رخصت ہو کر ایئرپورٹ کے وی، آئی، پی، روم میں آیا۔ بے چارے سعید صاحب اور جاوید دونوں میرے انتظار کی کوفت سے دوچار تھے۔ میں نے ان سے معذرت چاہی۔ انھوں نے کہا: "آپ کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہے ہیں بھابی کی حالت جب تک نہیں سنبھلے گی ہم دن رات یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

"رسونتی کی حالت کافی سنبھل گئی ہے۔ اُمید ہے وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گی۔"

دونوں نے خوش ہو کر مجھے مبارک باد دی۔ میں نے سعید صاحب سے کہا: "آئیے، اب جاوید کے ہاں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔"

سعید صاحب نے کہا: "تمھیں معلوم ہے، میں صبح سے اپنی ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔ میرا جانا بہت ضروری ہے۔ جاوید کے ہاں کھانا پھر کسی دن کھاؤں گا۔"

وہ چلے گئے، اپنی کار میرے لیے چھوڑ گئے۔ میں نے ڈرائیور کو چھٹی دے دی۔ جاوید کو اپنے ساتھ بٹھایا اور ڈرائیو کرتا ہوا اس کے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ ایک بہت ہی پسماندہ علاقہ تھا۔ قیمتی کار دیکھ کر بہت سی عورتیں اپنے گھروں سے جھانکنے لگیں۔ بچے شور مچاتے ہوئے کار کے پاس آ گئے۔ جاوید نے کار سے اُتر کر دروازے پر دستک دی تو جواب نہیں ملا۔ وہ دوسری بار دستک دینا

چاہتا تھا میں نے اس سے کہا: "ٹھہرو میں معلوم کرتا ہوں۔"

میں نے ریحانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو بے اختیار ہو کر کار سے باہر آ گیا۔ میرا دل ان کے لیے عقیدت و احترام کے جذبات سے بھر گیا۔ ریحانہ اور اس کی بھابی دونوں نماز پڑھنے کے بعد رسونتی کی صحت یابی کے لیے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھیں۔ میں نے جاوید کو ان کے بارے میں بتا کر کہا: "جاوید! میں نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے بڑی دنیا دیکھی ہے۔ میں چاہوں تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ سکتا ہوں لیکن وہ بے لوث محبت، خلوص اور چاہت جو اس وقت ریحانہ اور تمھاری بیوی کے مقدس جذبوں نے مجھے بخشا ہے کہیں نہیں پا سکوں گا۔"

ان کے جائے نماز سے اٹھنے کے بعد میں نے دروازے پر دستک دی۔ ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ دونوں نے مجھے دیکھتے ہی سلام کر کے پوچھا: "بھابی کیسی ہیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: "تم دونوں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو اور وہ قبول نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ اس وقت بخیریت ہے اور اُمید ہے کہ جلد ہی مکمل صحت حاصل کر لے گی۔" میں نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا: "مجھے دیر تو ہو گئی ہے مگر وعدے کے مطابق میں آ ضرور گیا ہوں۔"

ریحانہ نے کہا: "بھائی جان کہہ رہے تھے کہ آپ میز کرسی پر کھانے کے عادی ہوں گے اس لیے اپنے ایک پڑوسی کے ہاں سے بڑی سی میز اور کرسیاں منگوالی جائیں۔ میں نے کہہ دیا۔ ہرگز نہیں، میرے فرہاد بھائی جان ہمارے ساتھ فرش پر بیٹھ کر بھی کھانا کھا لیں گے۔"

"تم نے بالکل درست کہا لیکن دیکھو۔ آئندہ مجھے فرہاد بھائی جان نہیں بڑے بھائی جان کہنا۔"

بھابی نے پوچھا: "اور میں کیا کہوں؟"

میں نے کہا: "اتنی بڑی دنیا میں کوئی بھائی نہیں تھا۔ اب جاوید مل گیا ہے تو اس کے رشتے سے ایک بھابی بھی مل گئی ہے لہٰذا تم سے مذاق کا رشتہ رہے گا۔"

ہم ہنستے بولتے ایک بڑے سے کمرے میں آ گئے۔ میں اور جاوید کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ بھابی اور ریحانہ فرش پر دری بچھا کر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ میں نے جاوید سے کہا: "تھوڑی دیر خاموش رہنا۔ میں ابھی رسونتی کی خبر لے کر آتا ہوں۔"

وہ بے خبر سو رہی تھی۔ دماغ کی کائنات میں کسی طوفان کے آثار نہیں تھے۔ سوچ کا دریا سکون سے بہہ رہا تھا۔ اور وہ نہایت سکون سے سو رہی تھی۔

میں نے امریکی ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ کر اسے مخاطب کیا تو اس نے چونک کر پوچھا: "کیا میں یقین کر لوں کہ مسٹر فرہاد میرے دماغ میں موجود ہیں اور مجھے مخاطب کر رہے ہیں؟"

"جی ہاں، آپ یقین کریں۔ میں نے رسونتی کی دماغی حالت معلوم کی ہے۔ وہ بہت پُرسکون ہے۔ اس کی سوچ کی لہریں بتا رہی ہیں کہ آئندہ پریشانی کے آثار نہیں ہیں لیکن دماغ کے۔۔۔ تہہ خانے میں ایک انجانا سا خوف ہے ایک اندیشہ ہے۔ زہر کی ذرہ برابر مقدار دماغ میں کہیں چھپ رہی ہے۔"

امریکی ڈاکٹر نے تائید میں سر ہلا کر کہا: "ایسا ہو سکتا ہے۔ ہم نے تمام خون تبدیل کر دیا ہے۔ مگر تبدیلی کے عمل کے دوران پچھلے زہریلے خون کا کچھ تو اثر موجودہ خون میں آیا ہوگا۔ اب اس خون کو بھی اس وقت تبدیل کرنا ہوگا جب اس میں زہریلے جراثیم پرورش پانے لگیں گے۔ ہم پہلے ان جراثیم کو دواؤں کے ذریعے مارنے کی کوشش کریں گے۔ ناکامی کی صورت میں دوبارہ خون تبدیل کرنا ہوگا۔"

میں نے تھوڑی دیر تک ڈاکٹر سے باتیں کیں پھر دماغی طور پر اپنی جگہ حاضر ہو گیا۔ ہمارے سامنے فرش پر دسترخوان بچھانے کے بعد کھانا چُن دیا گیا تھا۔ بڑی اچھی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ پکایا ہوا پاکستانی کھانا نصیب ہو رہا تھا۔ میں ہاتھ دھو کر بیٹھ گیا۔ ریحانہ اور بھابی میزبانی کے فرائض انجام دینا چاہتی تھیں لیکن میں نے انھیں بھی جبراً بٹھا لیا۔ ہم کھانے کے دوران گھر کے افراد کی طرح گھل مل کر باتیں کرتے رہے۔ بہت عرصے کے بعد مجھے یہ گھریلو ماحول نصیب ہوا تھا۔ کھانا بھی عمدہ اور لذیذ تھا۔ دلچسپ باتوں اور بے تکلفانہ ماحول میں خوب مزے لے لے کر کھانا کھایا جا رہا تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔

جاوید نے اٹھتے ہوئے کہا: "میں جا کر دیکھتا ہوں۔ کوئی پڑوسن ہوگی۔"

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ ہم کھانے میں مصروف رہے۔ ذرا دیر بعد ہی وہ دوڑتا ہوا آیا اور خوش ہو کر بولا: "بھائی جان! ہماری سونیا بھابی آئی ہیں۔"

یہ سنتے ہی ریحانہ اور بھابی اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ میں بھی چونک گیا۔ دوسرے ہی لمحے خیال آیا کہ بھلا سونیا یہاں کیسے آ سکتی ہے۔ یہ وہی تہمینہ ہوگی۔"

تہمینہ ہمارے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ ریحانہ اور بھابی اسے گلے لگانے کے لیے آگے بڑھنا چاہتی تھیں میں نے انھیں روکتے ہوئے کہا: "یہ تمھاری بھابی نہیں ہے۔ یہ بناسپتی سونیا ہے۔"

تہمینہ نے مجھے گھور کر دیکھا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے کہا: "تم نے میری بے عزتی کی ہے۔ گملے کی گیلی مٹی پر بٹھا دیا۔ ہسپتال کے لوگ میرے پیچھے دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے۔ میں گھر جا کر

کپڑے بدل کر آئی تو پتا چلا تم رسونتی کو لے کر ایئرپورٹ گئے ہو۔ ایئرپورٹ کی طرف گئی تو کوئی گھاس نہیں ڈالتا تھا۔ آگے جانے ہی نہیں دیتا تھا۔ تم سے ملنے کی اجازت نہیں ملتی تھی میں تمھارا انتظار کرنے لگی۔ شام کے پانچ بجے تم نظر آئے تو میں نے تمھاری گاڑی کا پیچھا کیا جو یہاں گلی میں کھڑی ہوئی ہے۔ میرے پاس موٹر سائیکل تھی۔ سوچا جب تم اپنے مہمان کو گھر پہنچا کر واپس ہونے لگو گے تو تمھارا سامنا کروں گی۔ مگر تم تو یہاں آکر بیٹھ ہی گئے۔ اب دیکھ رہی ہوں کہ بڑے مزے سے کھانا کھا رہے ہو اور میں صبح سے بھوکی ہوں۔ تمھیں کچھ تو میرا خیال کرنا چاہیے۔"

یہ کہتے ہی وہ میرے پاس جوتوں سمیت پلتھی مار کر بیٹھ گئی۔ ایک پلیٹ اپنی طرف کھسکائی اور کھانا نکالنے لگی۔ میں حیران ہو کر اسے دیکھ رہا تھا لیکن کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ اس لیے کہ وہ بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھی۔ اس کی ٹرٹر جاری تھی۔ وہ ریحانہ اور بھابی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی: "بہنو! تم ہی انصاف سے کہو۔ کوئی دن بھر بھوکا رہے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ارے اس کے منہ سے تو آواز بھی نہیں نکلتی۔ یہ تو میرا ہی حوصلہ ہے کہ بول رہی ہوں۔ حالانکہ مجھے بولنے کی عادت نہیں ہے اور ہاں....."

ہاں کہتے وقت اس کا منہ جیسے ہی کھلا، میں نے اپنے ہاتھ کا لقمہ اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اس کی آواز بند ہو گئی۔ دیدے پھیل گئے۔ اس نے حیرانی سے میری طرف دیکھا پھر جلدی سے لقمہ چباتے ہوئے خوش ہو کر بولی: "میری آرزو تھی کہ فرہاد علی تیمور کے ہاتھ سے کھانا کھاؤں۔ یہ آرزو بھی پوری ہو گئی۔ دراصل یہ مجھے بہت چاہتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اپنے پیچھے دوڑاتے رہتے ہیں۔ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں سونیا کی طرح ان کے پاس پہنچ سکتی ہوں یا نہیں۔"

میں نے ایک ہاتھ سے اپنا سر تھام لیا۔ میں اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ میرے قریب آنے کی مجبورانہ وجوہات پیش کر رہی تھی۔ دور رہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بدصورت یا ایسی ہی کوئی معمولی لڑکی تھی۔ نہیں، یقیناً وہ بے حد خوبصورت تھی۔ ناک نقشہ بڑا ہی دلکش تھا۔ آنکھیں اتنی بڑی اور اتنی گہری تھیں کہ میں تفریح کے موڈ میں ہوتا تو شاید ان آنکھوں میں ڈوب جاتا۔ وہ ہاکی کی کھلاڑی تھی، ورزش کرنے کی بھی عادی تھی۔ دن بھر اپنے دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ بھاگ دوڑ میں لگی رہتی تھی ہمیشہ چاق و چوبند رہنے کے باعث اس کے جسم میں پھولوں کی نزاکت بھی تھی اور پھولوں بھری شاخ کی سی لچک بھی۔

تہمینہ میں بہت کچھ تھا لیکن میں اب کسی نئی مصیبت کو گلے لگانا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے اسے لفٹ نہیں دی تھی۔ اس سے کترا رہا تھا تو وہ اس طرح گلے پڑ رہی تھی۔ اگر ایک بار بھی ذرا سی چھوٹ دے دیتا تو پھر یہ خوبصورت بلا کبھی میرے سر سے نہ ٹلتی۔

میں نے پوچھا: "تہمینہ! کیا کھانے کے بعد بھی تم میرا سر کھاؤ گی؟"

"یہ لو، تم تو ایسے الزام دے رہے ہو جیسے میں تمھارے گلے پڑ رہی ہوں۔ تم خود ہی تو مجھے پریشان کرتے ہو۔ مجھے چھیڑتے رہتے ہو۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا: "کیا؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

اس نے ریحانہ اور بھابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "پہلے یہ بتاؤ کہ یہ رشتے میں تمھاری کیا لگتی ہیں؟"

"یہ میری بہن ہے۔ یہ میری بھابی ہے۔ یہ میرا بھائی ہے۔ تم کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"بکواس نہیں، سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ان کے سامنے قسم کھا کر کہو۔ کیا تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے دماغ میں خواب بن کر نہیں گئے ہو؟"

"بیشک آتا ہوں۔ جہاں ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ ان کے خوابوں میں چلا جاتا ہوں۔"

"یہ بتاؤ، میرے خوابوں میں کتنی بار آئے ہو؟"

"ایک بار بھی نہیں۔"

"دیکھو، فرہاد علی تیمور ہو کر جھوٹ مت بولو۔ کئی بار میرے خوابوں میں آ چکے ہو۔ ہر بار کہتے ہو میری سیکنڈ سونیا۔ یہ سیکنڈ کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟"

جاوید نے کہا: "ثانی۔"

وہ فوراً ہی چہک کر بولی: "ہاں تم میرے خواب میں آ کر یہی کہتے ہو میری سونیا ثانی! میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب میں جلد ہی خوابوں سے نکل کر تعبیر بن کر تمھاری زندگی میں آنے والا ہوں۔ تب میں کہتی ہوں۔ دیکھو فرہاد! میں تمھاری عزت کرتی ہوں۔ تم مجھے سونیا، رسونتی یا رومانہ وغیرہ سمجھ کر محبوبہ بنانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں کوئی نادان لڑکی نہیں ہوں۔"

میں نے کہا: "تعجب ہے۔ تمھارے ماں باپ اور تمھارے گھر والے تمھیں کس طرح برداشت کرتے ہوں گے۔ ایک تو تم اول درجے کی جھوٹی ہو۔ دوسرے اپنے سامنے کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی ہو۔"

پھر میں نے جاوید، ریحانہ اور بھابی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "تم لوگ ذرا چپ رہ کر تماشا دیکھو۔ میں اسے رخصت کرتا ہوں۔"

وہ جلدی سے اٹھتے ہوئے بولی: "دیکھو! یہ اچھی بات نہیں

ہے۔ ٹیلی پیتھی استعمال کرنا کوئی مردانگی نہیں ہے۔ تم اپنی بہن اور بھابی کے سامنے ٹیلی پیتھی کے ذریعے مجھے یہاں سے بھگا دو گے اور بعد میں پھر میرے پیچھے آؤ گے۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں تم سے۔"

میں نے خجل ہو کر ہنستے ہوئے کہا: "میں نے آج تک تمھاری جیسی ڈھیٹ لڑکی نہیں دیکھی۔ دیکھو، میں نے ابھی کھانا کھایا ہے۔ اب آرام سے گھنٹے دو گھنٹے تک سونا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے سونے کا موقع دو گی؟"

"میں کوئی تمھاری دشمن ہوں۔ تم صبح تک سوتے رہو۔ میں جگانے نہیں آؤں گی۔ بلکہ یہیں بہن اور بھابی کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہوں گی۔ حالانکہ میں گھر میں ایک تنکا بھی نہیں اٹھاتی۔ ذرا کام نہیں کرتی۔ میں اپنے ماں باپ کی بہت لاڈلی ہوں لیکن یہاں میں برتن بھی دھو سکتی ہوں۔ چلیے بھابی ہم برتن اٹھا کر چلیں۔"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا: "اسے لے جاؤ اور مجھے آرام سے سونے دو۔"

میں جاوید کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا۔ وہاں ایک صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ میں نے اس پر بیٹھتے ہوئے کہا: "اب میں تھوڑی دیر آرام کروں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔"

جاوید کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے پہلے رسونتی کی خبر لی۔ وہ بخیریت تھی۔ اس کا دماغ بھی پُرسکون تھا۔ میں نے ڈاکٹروں کو اس کی دماغی حالت کی تفصیل بتا کر پوچھا: "کیا میں رسونتی کے خواب میں پہنچ کر اسے مخاطب کر سکتا ہوں؟"

ڈاکٹر نے سوچ کر کہا: "ٹھہریے، ہم رسونتی کے پاس چلتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اس کے پاس پہنچیے گا۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں، کیا ردِعمل ہوتا ہے۔"

وہ لوگ اپنے چیمبر سے نکل کر رسونتی کے کمرے میں پہنچے۔ وہ بستر پر آنکھیں بند کیے سو رہی تھی۔ میں نے اس کے خوابیدہ دماغ میں پہنچ کر بڑے پیار سے اسے مخاطب کیا: "رسونتی؟ دیکھو میں آیا ہوں۔ مجھے دیکھ رہی ہو؟"

اس کے خواب کی اسکرین پر دھندلا دھندلا سا پیکر نظر آنے لگا لیکن وہ پیکر کس کا تھا۔ رسونتی اسے پہچان نہیں رہی تھی۔ میری سوچ کی لہریں اسے پکار رہی تھیں۔ میں نے اس سے کہا: "میری بات کا جواب دو۔ کیا تم اپنے فرہاد کی آواز سن رہی ہو؟ کیا مجھے پہچان رہی ہو؟"

اس کی سوچ کی لہریں کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ کوئی جواب دینا چاہتی تھیں لیکن اس کے حلق سے ایک کراہ نکل کر رہ گئی۔

میں اس کے دماغ سے نکل آیا اور امریکی ڈاکٹر کے دماغ میں پہنچ کر میں نے کہا: "آپ لوگوں نے اس کی کراہ سنی ہو گی؟"

ڈاکٹروں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے انھیں اس کی وجہ بتائی۔ ایک ڈاکٹر نے کہا: "آپ اس کے دماغ کو نہ چھیڑیں۔ وہ ابھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔ بے حد کمزور ہے۔ ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

جرمنی کے ڈاکٹر نے کہا: "مسٹر فرہاد! مادام رسونتی کو دماغی توانائی حاصل کرنے کے لیے ابھی کافی عرصہ لگے گا اور ہمارا فلائنگ ہسپتال کسی بھی ملک میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ قیام نہیں کر سکتا۔ آپ کل گیارہ بجے تک فیصلہ کر لیں۔ مادام کو یہاں زیرِ علاج رکھنا چاہتے ہیں یا ہمارے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ ہم انھیں شکاگو کے مینٹل ہسپتال میں داخل کر دیں گے یا آپ یورپ کے جس ملک میں پسند کریں گے۔ ہم انھیں ہر ملک کے دماغی ہسپتال میں بآسانی داخلہ دلوا سکتے ہیں۔ یہ جہاں رہیں گی ان کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ ویسے آپ کے ذرائع بھی بہت وسیع ہیں۔"

یورپ کی بات سن کر میرے سامنے سامی عرف آلی بی بی کا چہرہ آ گیا۔ سونیا اور مرجانہ بھی ادھر ہی گئی ہوئی تھیں۔ میں نے فوراً کہا: "میں رسونتی کو پیرس یا سوئٹزرلینڈ میں رکھنا [illegible]ب۔"

"آپ ان میں سے کسی بھی ایک ملک کے ہسپتال میں رسونتی کو داخل کرا دیں۔"

"آپ اپنے اور اپنی وائف کے کاغذات پیرس کے لیے مکمل کروا لیں۔ کل ہم یہاں سے فلائی کر جائیں گے۔"

میں ان سے رخصت ہو کر دماغی طور پر پھر اپنے بستر پر حاضر ہو گیا۔ دور باورچی خانے سے تہمینہ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی تک ریکارڈ کی طرح بج رہی تھی۔ میں دماغی طور پر وہاں پہنچ گیا۔ بھابی اسے سمجھا رہی تھیں: "ذرا آہستہ بولو! نہیں تو بھائی جان اٹھ جائیں گے۔ نیند میں خلل پڑے گا۔"

وہ کہنے لگی: "بھابی، آپ نہیں جانتیں۔ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے سوتے ہیں۔ ان کے سر کے پاس کوئی بم کا دھماکہ کرے تب بھی ان کی آنکھ نہیں کھلے گی۔ جب ان کا دماغ چاہے گا تب ہی وہ بیدار ہوں گے۔ میں ان کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکی ہوں اور بہت کچھ جانتی ہوں۔ یوں سمجھیے کہ میں فرہاد کی طرح پوری ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ صرف خیال خوانی نہیں کر سکتی۔ کسی دن خیال خوانی کر لوں گی۔ مگر ٹیلی پیتھی جانتی تو ہوں نا؟"

میں اس کی باتوں پر مسکرانے لگا۔ واقعی وہ جتنی حسین تھی۔ اتنی ہی نادان تھی۔ ماں باپ نے اتنا سر چڑھا رکھا تھا کہ وہ اس عمر میں بھی بچوں جیسی باتیں کرتی تھی جس بات کی ضد کر لیتی تھی۔ اس کے پیچھے پڑ جاتی تھی۔ جیسے میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں اس کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔ میں نے فوراً اسے اپنے دماغ سے جھٹک دیا اور

سعید صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ ان سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھوں نے پروگرام کے مطابق جمعہ کی تاریخ مقرر کرلی ہے۔

میں نے ان سے کہا "میں کل رسونتی کے ساتھ فلائنگ ہسپتال سے پیرس جا رہا ہوں۔ آپ ہمارے کاغذات مکمل کرادیں۔ میں آپ کے پاس شادی سے دو روز پہلے پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ورنہ ایک دن پہلے تو ضرور پہنچ جاؤں گا۔"

انھوں نے پوچھا "پارس کو وہیں ہسپتال میں رکھا جائے یا میں کسی آیا کی خدمات حاصل کر کے اپنے گھر لے آؤں؟"

میں نے کہا "اب کل ہی کی بات ہے۔ اسے ہسپتال میں رہنے دیں۔ میں یہاں واپس آؤں گا تو ہسپتال میں اسے دیکھتا ہوا آپ کے گھر پہنچوں گا۔"

میں پاکستان پہنچنے کے بعد جن مسائل سے دوچار ہوا تھا۔ اب وہ کسی حد تک حل ہو گئے ہیں۔ مثلاً رسونتی کے معاملے میں اطمینان ہو گیا تھا۔ سعید صاحب اور سلمٰی کی شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی تھی۔ اب جاوید، ریحانہ اور اپنی بھابی کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں سوچنے لگا۔ بیا نرتن؟ جاوید نے چارٹرڈ اکاؤنٹینسی کا کورس مکمل کیا تھا لیکن اسے وہ سنہری مواقع حاصل نہیں ہو رہے تھے جو دوسرے سفارشوں کے ذریعے حاصل کر لیتے ہیں۔

مجھے ممی یاد آگئیں۔ وہ ممی جنھوں نے مجھے برما سے افریقہ کے جنگلوں تک ایک ماں کا بھرپور پیار دیا تھا اور اپنی ہونے والی بہو رسونتی کے لیے جان دے دی تھی۔ انھوں نے مرنے سے پہلے اپنی تمام دولت اور جائداد جو برما میں تھی، میرے لیے وقف کر دی تھی۔ میرے نام وصیت لکھ دی تھی وہ وصیت اب بھی برما میں ان کے وکیل کے پاس موجود تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جاوید اور ریحانہ اس دولت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ہر طرف سے مطمئن ہو کر میں سونیا کے پاس پہنچا۔ وہ اور مرجانہ ننگے پاؤں ایک پہاڑی پر چڑھ رہی تھیں۔ میں نے ان کی سوچ سے معلوم کیا۔ بیسل اور سوئٹزرلینڈ کے درمیان ایک برفانی پہاڑی علاقے میں بابا فرید واسطی کی درسگاہ تھی جہاں تقریباً پانچ سو طلبا اور طالبات تعلیم اور مختلف قسم کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ درسگاہ چاروں طرف پہاڑیوں سے گھری ہوئی تھی۔

ان پہاڑیوں کے درمیان ایک وسیع میدان تھا۔ جہاں بڑے بڑے کوارٹرز بنا کر طلبا اور طالبات کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہاں کھانے پکانے، رہنے سہنے کے مکمل انتظامات تھے۔ انھی پہاڑیوں کے ایک طرف ایک پہاڑی کی بلندی پر ایک چھوٹے سے کاٹیج میں بابا فرید واسطی رہتے تھے اور وہ دونوں اس وقت بابا سے ملنے کے لیے ننگے پاؤں اس برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑی پر چڑھ رہی تھیں۔ بابا فرید واسطی سے ملنے کے لیے ہر طالب کو ننگے پیر ہی ان کی قیام گاہ تک جانا پڑتا تھا اور وہی لوگ جا سکتے تھے جنھیں بابا فرید واسطی اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیتے تھے۔

دونوں کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی اٹیچیاں تھیں۔ ان کے کپڑے اور ضروری سامان تھا۔ ان کے اس پہاڑی پر چڑھنے کا مطلب یہ تھا کہ انھیں بابا کے پاس جانے کی اجازت مل چکی ہے۔ یہ سفر مختصر مگر نہایت کٹھن اور تھکا دینے والا تھا۔ مرجانہ نے چلتے چلتے پہاڑی پر ایک جگہ گھٹنے ٹیک دیے۔ سونیا نے اسے سنبھالتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ یہ تو قوتِ برداشت کا امتحان ہے۔ میں اس امتحان سے گزر جاؤں گی۔"

"شاباش۔ دراصل یہاں کے لوگوں کے لیے یہ سفر اتنا کٹھن نہیں ہے جتنا ہمارے لیے ہے۔ کیونکہ ہم گرم ملک سے آئے ہیں۔ اس لیے یہاں کی سردی ہمیں سخت اور ناقابلِ برداشت معلوم ہو رہی ہے۔"

اس نے مرجانہ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ آگے بڑھنے لگیں۔ کاٹیج چند قدم کے فاصلے پر ہی تھا۔ چاروں طرف ویرانی نظر آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کاٹیج برسوں سے ویران پڑا ہو، وہاں کوئی نہ رہتا ہو۔

وہ بڑا پُراسرار لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئی بہت بڑا، بہت گہرا راز چھپا ہوا ہو اور وہ دونوں اس راز کو فاش کرنے کے لیے جا رہی ہوں۔ ان کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ وہ دونوں اتنی دلیر تھیں کہ موت کے سامنے بھی کبھی ان کے قدم نہیں لڑکھڑاتے تھے لیکن بابا سے ایک عقیدت تھی۔ ان کی بزرگی کا رعب ان پر طاری تھا۔ اس لیے وہ ذرا سہم کر ٹھہر ٹھہر کر دروازے کے سامنے پہنچ گئیں۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے ہی بڑے سے کمرے کے آخری حصے میں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس چبوترے پر ایک بزرگ بیٹھتی مارے، دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، سانس روکے، آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔ کمرے کے اندر نیم تاریکی تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے بزرگ کے آس پاس کوئی انجانی سی روشنی ہے۔ ایسی روشنی جس کا سرچشمہ نظر نہیں آتا۔ یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ نور ایسا بھی ہوتا ہے جو مقدس بزرگوں کے وجود سے پھوٹ کر باہر آتا ہے اور دیکھنے والی آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے۔

اِس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات نویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں